

www.KitaboSunnat.com

اسلامی عقائد
اردو ترجمہ
شرح عقیدہ طحاوی

پیش
محمد بن اسماعیل بن عیسیٰ بن ابی حمزہ
طحاوی

فائز
عبد الحفیظ مدنی نائب امیر ضیاء اوروں ترجمہ و تالیف
رحمت آباد فیصل آباد

نغماتی ترجمہ
قسط اول و دوم و سوم و چار و پنجم و ششم و ہفتم و ہشتم و نہم و دہم



معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مَجْلِسُ التَّحْقِيقِ الْإِسْلَامِيِّ کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 www.KitaboSunnat.com

شرح مفیدہ طحاوی

بسم الله الرحمن الرحيم
الحمد لله الذي هدانا لهذا
الذي كنا لنهتدي لہ
لو اننا كنا نعلمون

فائز

عبد الحفیظ مدنی نائب میرضیہ اداۃ الحربہ التالیف
رحمت اکا د فیصل آباد

www.KitaboSunnat.com

جسد حقوق بحق مترجم محفوظ ہیں

نام کتاب اسلامی عقائد

ع 260

تاریخ اشاعت ۲۱ رجب ۱۴۱۳ھ

1-1 b

چشم بدم

طبع

قیمت

۳۰۰

تعداد

ملنے کے پتے

- ۱۔ منیار السنۃ ادارۃ الترجمہ والتالیف فیصل آباد
- ۲۔ نعمانی کتب خانہ حق سٹریٹ اردو بازار لاہور
- ۳۔ فاروقی کتب خانہ اردو بازار لاہور
- ۴۔ فاروقی کتب خانہ بیرون بوٹریگیٹ ملتان
- ۵۔ پروفیسر علامہ محمد یامین محمدی کراچی
- ۶۔ میان نذیر احمد جامع مسجد اہل حدیث کراچی کینسی اسلام آباد
- ۷۔ اسلامک پبلشنگ ہاؤس اردو بازار لاہور
- ۸۔ ملک سنز کارخانہ بازار فیصل آباد
- ۹۔ سبحانی اکیڈمی اردو بازار لاہور
- ۱۰۔ مکتبہ ناصریہ حاجی آباد فیصل آباد

عبدالحفیظ مدنی

ادارۃ الترجمہ والتالیف

محکمہ رحمت آباد فیصل آباد

1504

1504

فہرست مضامین

نمبر	مضمون	نمبر	مضمون	نمبر
۳۲	دوسرا اعتراض	۲۱	۱۳	۱
"	تیسرا اعتراض	۲۲	"	۲
"	چوتھا اعتراض	۲۳	۲۰	۳
"	پانچواں اعتراض	۲۴	۲۱	۴
۳۳	پہلے اعتراض کا جواب	۲۵	۲۳	۵
۳۶	دوسرے اعتراض کا جواب	۲۶	۲۵	۶
۳۹	دو مثالیں	۲۷	۲۷	۷
۵۰	دوسری مثال	۲۸	۳۱	۸
۵۲	پہلی صورت	۲۹	۳۶	۹
۵۶	پہلا جواب	۳۰	۳۷	۱۰
۶۹	ابوغرہ کا مملکت سعودیہ میں تدلیس منصب	۳۱	"	۱۱
۸۲	خاتمہ	۳۲	"	۱۲
۸۴	اصول دین کی معرفت	۳۳	"	۱۳
۸۵	دربندی اصول	۳۴	۳۸	۱۴
۸۶	تکلیف والا ایطاق درست نہیں	۳۵	۳۹	۱۵
۸۷	کون لوگ گمراہ ہیں	۳۶	"	۱۶
	صحابہ کرام اور تابعین آپ کی اتباع	۳۷	۴۰	۱۷
۸۹	فرماتے رہے۔	۳۸	"	۱۸
	امام ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ	۳۹	۴۱	۱۹
	تابعین ائمہ کرام کی مساعی۔	۴۰	"	۲۰

نمبر شمار	مضمون	نمبر صفحہ	نمبر شمار	مضمون
۴۰	علم کلام کی خدمت میں امام ابو یوسف کا قول -	۹۲	۵۸	امام ابو حنیفہ سے مروی ایک حکایت
۴۱	امام شافعی کا قول	۹۳	۵۹	توحید فی الربوبیت کا اثبات اثنائے کسما تھ
۴۲	علماء کا فتویٰ	۹۴	۶۰	اِذَا لَا تَشْعُرُوْا کی تشریح میں اختلاف
۴۳	رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم	۹۵	۶۱	توحید کی عمومی قسمیں
۴۴	جامع علوم دیئے گئے تھے	۹۶	۶۲	پہلی قسم
۴۵	عقیدہ طحاوی کی شروح	۹۷	۶۳	دوسری قسم
۴۶	اولائی واجب ہے ؟	۹۸	۶۴	شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ کی تشریح
۴۷	توحید کی اقسام	۹۹	۶۵	شہد کے معنی کی تحقیق
۴۸	صفات کا انکار	۱۰۰	۶۶	مراتب شہادت
۴۹	جہم بن صفوان کے نظریات	۱۰۱	۶۷	شہادت علم
۵۰	توحید فی الربوبیت	۱۰۲	۶۸	شہادت تکلم و الخبر
۵۱	فرعون اور اس کی قوم	۱۰۳	۶۹	شہادت الاعلام والاعمال
۵۲	اعتراض اور اس کا جواب	۱۰۴	۷۰	شہادت الامر
۵۳	تنویہ اور مانویہ کا نظریہ	۱۰۵	۷۱	شہادت حکم اور قضا کا استعمال
۵۴	عیسائیوں کا نظریہ	۱۰۶	۷۲	شہادت دلائل نبوت
۵۵	دلیل تمنا	۱۰۷	۷۳	شہادت بیانات حضرت پرورد علیہ السلام
۵۶	ایک وضاحت	۱۰۸	۷۴	شہادت آفاق و انفس
۵۷	توحید فی الالوہیت	۱۰۹	۷۵	سوال
۵۸	اسلام دین فطرت ہے	۱۱۰	۷۶	جواب
۵۹	اسلام کے دین فطرت ہونے کے	۱۱۱	۷۷	توحید الخاتمہ کا ذکر
۶۰	عقل دلائل	۱۱۲	۷۸	صفات الہیہ میں اہل سنت کا مسک
			۷۹	سوال

نمبر صفحہ	مضمون	نمبر صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۱۵۷	قدیرہ کا استدلال	۹۹	۱۳۷	۸۰ جواب
"	جواب	۱۰۰	"	۸۱ سوال
۱۵۸	مثال	۱۰۱	"	۸۲ جواب
۱۶۰	امام ابو حنیفہ کا قول	۱۰۲	۱۳۷	۸۳ موجود قدیم ازلی اتحاد
"	نعیم بن حمار کا قول	۱۰۳	۱۳۹	۸۴ الفاظ کی معانی پر دلالت
"	اسحاق بن راہویہ کا قول	۱۰۴	"	۸۵ ایک مثال
۱۶۱	اہل سنت علماء کی تصریحات	۱۰۵	۱۴۱	۸۶ اسلام اور عربی زبان کی اصطلاحات
۱۶۲	مقدمات کی ترکیب	۱۰۶	"	۸۷ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور
۱۶۵	الحی القیوم کی تشریح	۱۰۷	۱۴۲	۸۸ امور غیب
۱۶۸	امام مالک کا قول	۱۰۸	"	۸۹ تین درجات
۱۶۹	مثال	۱۰۹	۱۴۵	۹۰ کتاب اللہ میں اثباتی صفات
"	کیا اللہ تعالیٰ غفلت میں ہے؟	۱۱۰	"	۹۱ متکلمین کا صفات کے بارے میں بیان
۱۸۶	وجہ ثانی	۱۱۱	۱۴۸	۹۲ لا الہ الا اللہ کی ترکیب نحوی
"	وجہ ثالث	۱۱۲	۱۵۰	۹۳ وجود باری پر متکلمین کے دلائل
۱۸۷	امام عبدالعزیز کی کا بشر کی ساتھ مناظرہ	۱۱۳	"	۹۴ اور اسلوب قرآن -
۱۸۸	اللہ کے علم پر عقلی دلیل	۱۱۴	۱۵۱	۹۵ کیا قدیم اللہ کا نام ہے؟
۱۹۰	معتزلہ کا نظریہ	۱۱۵	۱۵۳	۹۶ قدیرہ کی وجہ تسمیہ
"	سوال	۱۱۶	"	۹۷ اہل سنت کا تقدیر کے بارے میں موقف
"	جواب	۱۱۷	۱۵۴	۹۸ ارادہ کی قسمیں
۱۹۲	ایک اشکال اور اس کا جواب	۱۱۸	۱۵۵	۹۹ دونوں ارادوں میں فرق
۱۹۵	سوال	۱۱۹	"	۱۰۰ کیا اللہ کا امر اس کے ارادہ کو
۱۹۶	جواب	۱۲۰	۱۵۶	۱۰۱ مستلزم ہے؟

نمبر صفحہ	مضمون	نمبر صفحہ	نمبر شمار	مضمون	نمبر شمار
۲۲۷	قرآن پاک کے مخلوق ہونے پر مترادف کے دلائل	۱۹۷	۱۲۱	دوسرے بنیہ کا قول	۱۲۱
۲۲۸	امام عبد العزیز کی بشر مرئی کا منظر	۱۹۸	۱۲۲	پہلی نبوت اور جو مٹی نبوت میں امتیاز	۱۲۲
۲۲۹	قرآن پاک میں لفظ کل کا استعمال	۱۹۹	۱۲۳	صدق کذب کے قرائن	۱۲۳
۲۳۰	قرآن پاک کے مخلوق ہونے پر دوسری دلیل	۲۰۰	۱۲۴	حضرت خدیجہ کا بیان	۱۲۴
۲۳۱	معتزلہ کا ایک اور استدلال	۲۰۱	۱۲۵	نجاشی کا بیان	۱۲۵
۲۳۲	قرآن پاک اہل سنت کے نزدیک غیر مخلوق ہے	۲۰۲	۱۲۶	ورقہ بن نوفل کا بیان	۱۲۶
"	امام ابو حنیفہ کا قول	"	۱۲۷	ہر قل کا بیان	۱۲۷
۲۳۳	متاخرین تنفیہ کا قرآنی پاک کے بارے	۲۰۳	۱۲۸	صدق کذب کے دلائل میں تفاوت	۱۲۸
۲۳۴	میں نظریہ اور انکار	۲۰۴	۱۲۹	انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام	۱۲۹
۲۳۵	قرآن کن معانی میں استعمال ہوتا ہے	۲۰۵	۱۳۰	کے واقعات متواتر میں	۱۳۰
۲۳۶	اعتراف	۲۰۶	۱۳۱	رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی	۱۳۱
۲۳۷	جواب	۲۰۷	۱۳۲	نبوت صادق کی دلیل	۱۳۲
۲۳۸	امام طحاوی کا قول	۲۰۸	۱۳۳	رسول اور نبی میں فرق	۱۳۳
"	کلام اور قول سے کیا مراد ہے	۲۰۹	۱۳۴	رسولوں کی بعثت اللہ کی بہت	۱۳۴
۲۳۹	شیخ حافظ الدین النبی کا قول	۲۱۰	۱۳۵	بڑی نعمت ہے	۱۳۵
۲۴۰	عمدہ مثال	۲۱۱	۱۳۶	ایک اشکال اور اس کا جواب	۱۳۶
۲۴۱	لفظ نظر کے استعمالات	۲۱۲	۱۳۷	حجت کے مراتب	۱۳۷
۲۴۲	اللہ کی رویت پر امام شافعی کا استدلال	۲۱۳	۱۳۸	آپ کی بعثت عام مٹی	۱۳۸
۲۴۳	رویت کے اثبات میں احادیث	۲۱۴	۱۳۹	لفظ کافہ کی صرفی نحو تحقیق	۱۳۹
۲۴۴	کتاب وسنت کی اہمیت	۲۱۵	۱۴۰	مسئلہ	۱۴۰
۲۴۵	امام طحاوی کا قول	۲۱۶	۱۴۱	معتزلہ کے شبہ کا ازالہ	۱۴۱
"	کیا اس دنیا میں اللہ کو دیکھنا ممکن ہے؟	۲۱۷	۱۴۲	اللہ نے حکم ہونے پر حق ثابت ہے دلائل	۱۴۲

نمبر صفحہ	مضمون	نمبر صفحہ	نمبر شمار	مضمون	نمبر شمار
۲۹۷	جہت کی وضاحت	۲۹۷	۱۸۲	توحید فی الرسالة	۱۷۱
۲۹۸	امام طحاوی کا قول	۲۹۹	۱۸۳	عقل و نقل کی مثال	۱۷۲
۲۹۹	امام ابو حنیفہ پر غلط الزام	۳۰۰	۱۸۴	امام غزالی کا قول	۱۷۳
۳۰۰	اسراء کا ذکر	۳۰۱	۱۸۵	علم کلام مذموم کیوں ہے؟	۱۷۴
۳۰۱	واقعہ اسراء کی تفصیل	۳۰۲	۱۸۶	اصطلاحات متکلمین	۱۷۵
۳۰۲	کیا معراج میں آپ نے اللہ کا دیدار کیا؟	۳۰۳	۱۸۷	امام ابو المعالی جوینی کا قول	۱۷۶
۳۰۳	بیت المقدس کی طرف اسراء میں حکمت	۳۰۴	۱۸۸	شمس الدین خسرو شاہی کا قول	۱۷۷
۳۰۴	شفاعت عظمیٰ	۳۰۵	۱۸۹	عراق کے مشہور عالم ابن ابی الحدید	۱۷۸
	شفاعت کی دوسری قسم سے آٹھویں	۳۰۶	۱۹۰	کے اشعار	
۳۱۰	قسم تک -	۳۱۱	۱۹۱	خوفی کا قول	۱۷۹
۳۱۲	مسئلہ شفاعت میں اختلاف	۳۱۳	۱۹۲	امام ابو یوسف کا قول	۱۸۰
	کیا صحیح بنیاد کے ساتھ شفاعت	۳۱۴	۱۹۳	امام شافعی کا قول اس کا علاج	۱۸۱
	درست ہے -	۳۱۵	۱۹۴	معترضہ کا سوال اور اس کا علاج	۱۸۲
۳۱۵	بحق اس آئین کا جواز	۳۱۶	۱۹۵	تاویل کے معانی	۱۸۳
	بحق بنیاد کا عدم جواز آخر نماز کا مسلک	۳۱۷	۱۹۶	کتب و سنت میں تاویل	۱۸۴
۳۱۷	نیک اعمال کے ساتھ شفاعت	۳۱۸	۱۹۷	تاویل بمعنی تفسیر	۱۸۵
۳۲۱	امام قرطبی کی وضاحت	۳۲۲	۱۹۸	عمرو بن اسماعیل کا قول	۱۸۶
۳۲۳	دین اسلام عقل و علم ہے	۳۲۴	۱۹۹	مقدمہ	۱۸۷
۳۲۸	مسئلہ تقدیر پر بحث	۳۲۹	۲۰۰	سلف صالح کا مسلک	۱۸۸
	اہل سنت کا مسلک	۳۳۰	۲۰۱	عبد اللہ بن مبارک کا بیان	۱۸۹
	قدیرہ معترضہ کا مذہب	۳۳۱	۲۰۲	سہل بن عبد اللہ تسری کا قول	۱۹۰
۳۲۹	کتب و سنت سے دلائل	۳۳۲	۲۰۳	امام ابو حنیفہ کا قول	۱۹۱

نمبر صفحہ	مضمون	نمبر شمار	نمبر صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۳۵۵	عرش کے بارے میں متکلمین کی رائے	۲۲۳	۳۳۰	ارادہ اور رضا میں فرق کیوں؟	۲۰۲
۳۵۶	لفظ عرش کی لغوی تحقیق	۲۲۴	۳۳۳	سوال و جواب	۲۰۳
۳۵۷	کرسی کی تشریح	۲۲۵	۳۳۲	ایک سوال اور اس کا جواب	۲۰۴
۳۵۸	امام طحاوی کا قول	۲۲۶	۳۳۶	کیا تقدیر کی موافقت اعانت ہے؟	۲۰۵
۳۶۸	اللہ عرش کے اوپر ہے کی تاویل	۲۲۷	۳۳۷	اعتراض اور جواب	۲۰۶
۳۷۱	اللہ کا علو فطرًا بھی ثابت ہے	۲۲۸	"	مسئلہ تقدیر میں بحث	۲۰۷
"	دلیل عقلی پر اعتراض	۲۲۹	۳۳۹	ادامد فوائدی کی حکمت معلوم کرنا	۲۰۸
۳۷۲	دلیل فطری پر اعتراض	۲۳۰	۳۴۰	ابن عبد البر کا قول	۲۰۹
۳۷۷	ایک سوال اور اس کے جوابات	۲۳۱	"	ابن العربی کا قول	۲۱۰
۳۷۸	حضرت ابراہیم علیہ السلام کے	۲۳۲	۳۴۲	سب سے اول کس کو پیدا فرمایا	۲۱۱
	خاندان کی عظمت		۳۴۳	انعام کی تعداد	۲۱۲
۳۷۹	فلاسفہ اور دیگر اہل بدعت کے نظریات	۲۳۳	۳۴۴	تقویٰ و خشیت کی اہمیت	۲۱۳
۳۸۰	معتزلہ کے نظریات	۲۳۴	"	امام شافعی کا قول	۲۱۴
۳۸۱	رافضیہ کے نظریات	۲۳۵	۳۴۵	حضرت عائشہ کا قول	۲۱۵
"	اہل سنت والجماعت کے اصول	۲۳۶		کیا اسباب مہیا کرنا توکل کے	۲۱۶
"	ابو طالب مکی کا بیان	۲۳۷	۳۴۶	منافی ہے؟	
۳۸۲	فرشتوں کا ذکر	۲۳۸	۳۵۰	ابن عباس کا قول	۲۱۷
۳۸۶	کیا انبیاء و صلحا فرشتوں سے افضل ہیں	۲۳۹	"	تقدیر کے اہم اصول	۲۱۸
۳۹۲	مضبوط ترین نقص	۲۴۰	۳۵۱	عبد اللہ بن مسعود کا قول	۲۱۹
۳۹۵	خلاصہ کلام	۲۴۱	"	دل کی بیماریاں	۲۲۰
۳۹۶	اولو العزم پیغمبر کون ہیں؟	۲۴۲	۳۵۲	ابو محمد ابو شامہ کا قول	۲۲۱
۴۰۰	امام ابو حنیفہ کا قول	۲۴۳	۳۵۳	حسن بصری کا قول	۲۲۲

نمبر شمار	مضمون	نمبر صفحہ	نمبر شمار	مضمون	نمبر شمار
۲۲۴	مسئلہ تکلیف کی وضاحت	۲۰۲	۲۵۴	قائدہ اور اس پر تبصرہ	۲۲۴
۲۲۵	ایک اشکال اور اس کا جواب	۲۰۸	۲۵۵	انما مؤمن انشائے کمال اور دست ہے ؟	۲۲۵
۲۳۶	جواب	۲۰۹	۲۵۶	اہل سنت کا طریق	۲۵۰
۲۳۷	معتزلہ کا نظریہ	۲۱۱	۲۵۷	کیا حدیث جبریل اور حدیث وفد عبد القیس	۲۶۲
۲۳۸	کفر کی قسمیں	۲۱۲		میں معارضہ ہے ۔	
۲۳۹	حسن کا قول	۲۱۵	۲۵۸	ایک سوال	"
۲۴۰	ایک مثال	"	۲۵۹	مسئلہ تقدیر	۲۶۳
۲۴۱	گناہ کا ذکر نیز عذاب الہی کے		۲۶۰	اعتراضی جواب	۲۶۴
۲۴۲	سقوط کے اسباب	۲۱۶	۲۶۱	بیمبر گنہگاروں کے ترکیبیں	۲۶۱
۲۴۳	سبب اول توبہ	۲۱۷	۲۶۲	گناہ میں علماء کا اختلاف	۲۶۲
۲۴۴	سبب ثانی استغفار	۲۱۸	۲۶۳	شیخ طحاوی کا قول	۲۶۵
۲۴۵	سبب ثالث حسنات	۲۱۹	۲۶۴	نفس و روح کی حقیقت	۲۶۸
۲۴۶	سبب رابع دنیوی مصائب	"	۲۶۵	روح کے بارہ میں اختلاف	۲۶۹
۲۴۷	تا سبب حادی عشر	۲۲۰	۲۶۶	کتاب و سنت اور اجماع و مجاہد کی روشنی میں	۵۰۰
۲۴۸	ابو علی روزباری کا قول	۲۲۱	۲۶۷	کیا نفس اور روح دونوں ایک ہیں ؟	۵۰۲
۲۴۹	ایمان کی بحث	۲۲۳	۲۶۸	کیا روح کے لئے موت ہے	۵۰۳
۲۵۰	خلاصہ بحث	۲۲۴	۲۶۹	عذاب قبر کا ذکر	۵۰۹
۲۵۱	ایمان میں کمی بیشی	۲۲۷	۲۷۰	ارواح کا استقرار کہاں ہے ؟	۵۱۲
۲۵۲	امام ابو حنیفہ کے دلائل	۲۳۰	۲۷۱	جنت و دوزخ دونوں اللہ کی مخلوق ہیں	۵۲۱
۲۵۳	امام ابو حنیفہ کے نزدیک اعتراضات	"	۲۷۲	جنت و دوزخ کو کبھی فنا نہیں	۵۲۵
۲۵۴	ایمان میں اعمال بھی ملحوظ ہیں	۲۳۲	۲۷۳	دوزخ ہمیشہ ہے اس کے لئے فنا نہیں	۵۲۸
۲۵۵	اعتراض اور اس کا جواب	۲۳۴	۲۷۴	پہلے قول کے دلائل	۵۲۹

نمبر شمار	مضمون	نمبر شمار	نمبر صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۵۹۱	ابن عقیل کا قول	۲۸۸	۵۵۲	امام طحاوی کا قول کہ اللہ تعالیٰ نے ان	۲۷۵
"	بعض فلاسفہ کا ایک شبہ	۲۸۹		دونوں کے مخلوق پیدا کی ہے	
	اور اس کا ازالہ			امام طحاوی کا قول جس شخص کو پیاسے گا	۲۷۶
	ایک استفسار اور اس	۲۹۰		جنت بھیجے گا یہ اس کا فضل ہے اور جس	
۵۹۳	کا جواب			شخص کو پیاسے گا اس کو دوزخ	
۵۹۴	دوسرا جواب	۲۹۱	۵۵۳	بھیجے گا یہ اس کا عدل ہے ۔	
۵۹۵	تیسرا جواب	۲۹۲		اس بات کا بیان کہ قدریہ کے ہاں	۲۷۷
۵۹۶	ایک غلط تاویل	۲۹۳	۵۵۹	قدرت فعل سے قبل ہے اور اس	
۶/۷	حضرت عثمانؓ کے فضائل	۲۹۴	۵۶۳	قدریہ کے دلائل ۔	
۶۲۰	حضرت علیؓ کے فضائل	۲۹۵	"	جبریہ کے دلائل کا رد	۲۷۸
۶۳۱	معجزہ و کرامت کی بحث	۲۹۶	۵۶۴	معتزلہ کے دلائل کا رد	۲۷۹
۶۳۲	شیخ سہروردی کا قول	۲۹۷	۵۶۵	ایک شبہ اس کا ازالہ	۲۸۰
۶۳۷	معتزلہ کرامات کے منکر ہیں	۲۹۸	۵۸۲	مردوں کے لئے ایصال ثواب	۲۸۱
"	فراست کے اقسام	۲۹۹	۵۸۵	صدقات کا ایصال	۲۸۲
	علامات قیامت	۳۰۰	"	روزے کا ایصال ثواب	۲۸۳
	جادو کی حقیقت اور اس	۳۰۱	۵۸۶	حج کا ایصال ثواب	۲۸۴
۶۴۲	کی اقسام			ایصال ثواب کے منکرین کی	۲۸۵
۶۴۷	ربہاں غیب	۳۰۲	"	دلیل اور اس کے جوابات	
	بعض پاگل لوگوں کو اولیاء اللہ	۳۰۳	۵۸۸	عبادت ہدنیہ اور مالیہ میں فرق ۔	
۶۴۹	سمجھنا			اجرت پر پڑھائے ہوئے قرآن	۲۸۶
۶۵۰	باطنیہ ملائمہ فسرے	۳۰۴	۵۸۹	کا ایصال ثواب	
	کا ذکر		۵۹۰	قرآن پر قرآن پڑھنا	۲۸۷

نمبر صفحہ	مضمون	نمبر صفحہ	نمبر شمار	مضمون	نمبر شمار
۴۴۷	معتزلہ کا غلط نظریہ	۳۱۱	۴۵۲	کیا علم لدنی کی موجودگی میں وحی	۳۰۵
۴۴۸	جہیم	۳۱۲		کی ضرورت نہیں	
۴۴۹	جہیم کے انفرادی نظریات	۳۱۳	۴۵۶	امت کا اختلاف اور اس کا حل	۳۰۶
۴۷۱	ان فرقوں کی گمراہی کا سبب	۳۱۴	۴۵۷	مقلدین ائمہ علم	۳۰۷
۴۷۲	اہل الوہم والتخیل	۳۱۵	//	اختلاف کے اقسام	۳۰۸
۴۷۳	اہل التحریف والتماویل	۳۱۶	۴۶۳	اہم عمادی کا قول	۳۰۹
//	اہل الجہالت والضلال	۳۱۷	۴۶۵	معتزلہ	۳۱۰

ضیاء السنۃ ادارۃ الترجمۃ والتالیف کے مقاصد جلیلہ

- ۱۔ کتاب اللہ، احادیث مجیدہ سے عوام و خواص کو روشناس کرانا اور ان کے مطابق عمل کرنے کی رغبت دلانا۔
 - ۲۔ اسلامی افکار کی ترویج و اشاعت کیلئے امکانی کوششوں کو بروئے کار لانا۔
 - ۳۔ کفر، الحاد، بدعات، خرافات، عجبی تصوف کے نتائج خبیثہ سے خبردار کرنا۔
 - ۴۔ اسلامی ثقافت کی خوبیوں سے آگاہ کرنا اور اس کے قیام کے لئے کوشاں رہنا۔
 - ۵۔ سانی، قبائلی، نسبی، مذہبی تعصب سے بالاتر ہو کر مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر لانا اور ان کی راہنمائی کرنا۔
- وہمنا اللہ وایاکم ما یحب ویرضی
- محمد صادق خلیل مدیر ضیاء السنۃ ادارۃ الترجمۃ والتالیف
- فیصل آبادی

مقدمہ

عقیدہ کالغوی معنی | اس لفظ کا مادہ ع، ق، د ہے عقد الجبل سے مشتق ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اس نے رسی کو گرہ دی۔ المنجد میں ہے: العقیدۃ ج العقائد ما عقد علیہ القلب والضمیر ما قدین بہ الانسان واعتقدہ وہ بات جس پر دل و دماغ پختگی کے ساتھ قائم ہیں جس کو انسان دین سمجھتا ہے اور اس کا اعتقاد رکھتا ہے
العم الوسیط میں ہے العقیدۃ الحکم الذی لا یقبل الشک فیہ لدی معتقدہ وفی الدین ما یقصد بہ الاعتقاد دون العمل کعقیدۃ وجود اللہ وبعثتہ الرسل ج عقائد عقیدہ وہ حکم ہے جس میں اس کا معتقد تنگ قریب آنے نہیں دیتا اور دین اسلام میں اعتقاد مراد ہے عمل مراد نہیں ہے جیسے اللہ کے وجود کا عقیدہ رکھنا نیز کہ اس نے انبیاء علیہم السلام کو موعوث فرمایا۔

قرآن پاک میں اگرچہ عقیدہ یا عقائد کے الفاظ تو مستعمل نہیں تاہم اس مادہ کے اشتقاق پائے جاتے ہیں جیسے (عاقدت ایمانکم) (جن لوگوں سے تم نے پختہ عہد باندھ رکھے ہوں) عقدتم الایمان پختہ قسموں پر اطلاق ہو رہا ہے لفظ عقدو بھی مستعمل ہے (او فوا بالعقود) (اپنے اقراروں کو پورا کرو) عقدۃ النکاح سے مراد نکاح کو پختہ کرنا ہے و احلل عقدۃ من لسانی کا مطلب یہ ہے کہ میری زبان کی گرہ کھول دے بہر حال لفظ عقیدہ سے مراد پختگی اور مضبوطی ہے (مفردات القرآن امام راغب)

تاج العروس، لسان العرب اور صحاح جوہری میں اس مادہ کے دیگر اشتقاقات تو ہیں البتہ عقیدہ کا ذکر نہیں ہے

عقیدہ کا اصطلاحی معنی | انوار صدیق حسن خاں قزوینی شرح العقائد للفتاویٰ کا حوالہ دیتے ہوئے ابجد العلوم میں رقمطراز ہیں العلم المتعلق بالاحکام الفریضۃ

۱۔ المعجم الوسیط ص ۶۲ ج ۲ - ۲۔ اردو ترجمہ ص ۶۳ - ۳۔ ابجد ص ۶۸ ج ۳

یسمی علم الشرائع والاحکام وبالاحکام الاصلیۃ ای الاعتقاد
به یسمی علم التوحید والصفات

فردعی احکام کے علم کا نام علم الشرائع والاحکام ہے اور احکام اصرلیہ یعنی احکام
اعتقادیہ کا نام علم التوحید والصفات ہے

معلوم ہوا کہ علم التوحید والصفات ہی اصل علم ہے یعنی اولاً عقیدہ کی درستی ضروری ہے اگر
عقیدہ درست نہیں ہے تو اعمال صالحہ کا کچھ فائدہ نہیں۔ اس مضمون کی متعدد آیات قرآن پاک
میں موجود ہیں ملاحظہ فرمائیں

وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ
فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ ۖ
جس شخص نے ایمان لانے سے انکار کیا
تو اس کے اعمال ضائع ہو گئے۔

اعمال صالحہ کا اعتبار ایمان پر موقوف ہے اس لیے کہ ایمان اصل ہے امام بخاریؒ نے
اعتقادی اصولوں کو کتاب الایمان اور کتاب التوحید کے تحت نہایت مفصل اور مدلل بیان
فرمایا ہے۔ امام ابو داؤد اور بعض دیگر آئمہ کرام نے ان اصولوں کو کتاب السنہ کے
تحت ذکر کیا ہے جہاں اثباتی انداز میں اللہ کی ربوبیت، الوہیت اس کے اوصاف کا ذکر
فرمایا ہے دلائل منعی انداز میں ان فرقوں کو گمراہ قرار دیا جنہوں نے اللہ کی صفات کا انکار کیا۔ اللہ
کے مستوی علی العرش اور علو ہونے کا انکار کیا جبکہ ان مسائل پر خصوصیت کے ساتھ بعض
جلیل القدر اہل علم نے عقائد کے عنوان پر کتابیں تالیف کیں چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ
نے العقیدۃ الواسطیۃ، العقیدۃ المحبوبہ، شرح العقیدۃ الاصفہانیہ اور امام الحادوی
نے العقیدۃ الطحاویہ کے نام رسائل تالیف فرمائے۔ ان کے علاوہ بعض دیگر محدثین
نے نہایت عمدہ اور موثر انداز میں کتابیں تالیف کیں۔ بطور نمونہ چند کتابیں ذکر کی جاتی
ہیں۔ جن سے خواص علماء استفادہ کر رہے ہیں جیسے علامہ ابن حزم ظاہریؒ کی الفصل
فی الملل والنحل، امام ابوالحسن اشعریؒ کی الابانۃ فی اصول الدیانۃ، علامہ بیہقیؒ کی کتاب
الاسماء والصفات، امام ابن خزیمہؒ کی کتاب التوحید واثبات صفات الرب، سید محمد بن
ابراہیم الوزیر الیمینیؒ کی الروض الباسم فی الذب عن سنۃ ابی القاسم، علامہ صابونیؒ کی تالیف

لے المائدہ

عقائد السلف واصحاب الحديث " علامہ ابن رشد کی تالیف مناجح الادلة فی عقائد الملة " میں علامہ ابن یسین نے مسرین منہایت جامع تالیف معارج الوصول فی بیان ان اصول الدین و فروغ قدسینہا الرسول " قابل ذکر ہیں ۔

عقائد کی کتابوں کے مباحث | ان کتابوں میں عام طور پر اولاً اللہ پاک کی ربوبیت الہییت اس کے اوصاف ذکر ہوتے ہیں توحید کے اقسام، شرک اور اس کی اقسام وغیرہ تفصیل کے ساتھ ذکر کیے جاتے ہیں اللہ کی صفات کا انکار کرنے والے فرقوں جہمیدہ معطلہ قدریہ معتزلہ وغیرہ کا رد مدلل انداز میں ہوتا ہے علم کلام کی شہانت پر سیر حاصل بحث ہوتی ہے انبیاء علیہم السلام ان کے معجزات، قرآن پاک کے غیر مخلوق ہونے کا مدلل ذکر ہوتا ہے فرشتوں وغیرہ میں سے کون افضل ہیں ان کے دلائل اور ان میں محاکمہ ہوتا ہے مسئلہ تقدیر پر دلائل کی روشنی میں سیر حاصل بحث ہوتی ہے جنت، دوزخ، حشر و نشر رویت الہی اور شفاعت کے مسائل ہیں جن کو واضح انداز میں پیش کیا جاتا ہے چنانچہ اللہ کی صفات کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں

فلا اصل فی هذا الباب ان	اس مسئلہ میں اصل یہ ہے کہ اللہ کو ان اوصاف
یوصف الله بما وصف به	سے موصوف کیا جائے جن اوصاف کیساتھ
نفسه وبما وصفه به رسله	خود اللہ نے اور اس کے انبیاء نے
نفيا واثباتا فيثبت الله ما	موصوف قرار دیا ہے اور ان اوصاف کی نفی
اثبتہ من الصفات من غیر	کیجائے جبکہ نفی کی ہے پس اللہ کی صفات کو بلا
تکلیف ولا تعطیل وکذا اللہ	کیفیت و بلا تمثیل اور بغیر تحریم اور تعطیل کے
ینفون عنه ما نفاہ من نفسه	ثابت کیا جائے اسی طرح ان صفات کی نفی

کیجائے جن سے اس نے اپنے آپ کی نفی کی ہے

یہی وجہ ہے کہ صحابہ اور تابعین اللہ کی صفات کی تفسیر سے خاموش رہے اللہ پاک کا جلال مانع رہا کہ وہ اس مسئلہ میں لب کشائی کریں نیز انہوں نے محسوس کیا کہ صفات کی آیات کی تفسیر ممکن نہیں جب تک کہ ان کو تمثیلات سے واضح نہ کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے لیے تمثیلات بیان کرنے

له الرسالة التدمرية ص ۴

سے روکا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے

فَلَا تَضْرِبُوا اللَّهَ الْأَمْثَالَ ۚ اللَّهُ كَمَا يَشَاءُ ۚ

چنانچہ سلف جہاں اللہ کی تمام صفات کا اقرار کرتے ہیں جن کا ذکر کتاب و سنت میں ہے وہ انہی کیفیت بیان کرنے سے خاموشی اختیار کرتے ہیں ان کا مشہور قول ہے۔

امروہا کما جاءت بلا کیف صفات کو اسی طرح ذکر کر د جس طرح
انکا ذکر کیا گیا ہے انہی کیفیت بیان نہ کرو۔

اس مسئلہ میں سلف سے بے شمار اقوال منقول ہیں بطور مثال ایک قول پیش کیا جاتا ہے

عن یحییٰ قال کنا عند مالک امام مالک کے شاگرد یحییٰ بیان کرتے ہیں

بن انس فجاء رجل فقال کہم مالک بن انس کے پاس تھے ایک

یا أبا عبد الله الرحمن علی شخص آیا اس نے امام مالک سے دریافت کیا

العرش استوی کیف کیا اللہ کے عرش پر مستوی ہونے کا

استوی فاطر مالک برامہ مطلب کیا ہے اور اس کے مستوی ہونے

حتى علاء الرحماء ثم کی کیفیت کیا ہے اس پر امام مالک سرنجاکرتے

قال الاستواء غیر مجہول ہیں انہیں پسینہ آجاتا ہے فرماتے ہیں اللہ کا

والکیف غیر معقول والایمان مستوی ہونا مجہول نہیں البتہ اسکی کیفیت

به واجب والسوال عند سمجھنا ممکن نہیں اس پر ایمان لانا واجب ہے

بدعت وما اراک الامبتدعا اور اس قسم کے مسائل کے بارے میں رسول

فامر به ان یخرج - کرنا بدعت ہے بعد ازاں سائل کو مخاطب کرتے

ہوئے فرمایا کہ میں تجھے بدعتی سمجھتا ہوں۔

حکم دیا کہ اس کو یہاں سے نکال دیا جائے

اہل بدعت کون ہیں | دلائل کی روشنی میں وہ جماعتیں اور وہ فرقے جو اصول عقیدہ

کو تسلیم نہیں کرتے وہ اہل سنت سے خارج ہیں انہیں اہل بدعت کے زمرہ میں شامل سمجھا

جائے گا۔ تاریخ اسلام کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد

۱۵ عقیدہ حمویہ کبریٰ الشیخ الاسلام ابن تیمیہ ۲۵ - ۱۶ حمویہ کبریٰ ص ۲۴

کچھ ایسے لوگ بھی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے جن کے دلوں میں اسلام کی مخالفت کی آگ بجھ کر رہی تھی دراصل وہ لوگ اسلام، اہل اسلام اور اسلامی حکومت سے انتقام لینا چاہتے تھے۔ انہوں نے یونانی فلسفہ کو کتاب و سنت کے مقابلہ میں لاکھڑا کیا اور برہنہ کیا کہ یونانی فلسفہ عقل کے عین موافق ہے۔ انسان اگر اپنی عقل کو حاکمیت عطا نہیں کرتا تو وہ اسس لائق نہیں کہ اسے انسان کہا جاسکے پس عقل کو غلبہ حاصل ہونا چاہیے خواہ اللہ کے استثناء و مصلحت یا حشر و نشر کے مسائل ہو، چنانچہ ان کی مکر وہ سازشوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ انہوں نے عقل کو عقل پر غلبہ عطا کیا اور عقل کی روشنی میں انداز وضع کیے گئے اور ایسی کتابیں تالیف ہوئیں جن کے نام تواسلی تھے لیکن ان میں زہر پلا مواد تھا جس کی ہلاکت آفرینی سے بہت کم لوگ محفوظ رہے ان کتابوں نے لوگوں کو گمراہ کیا اور اللہ کی ذات اور اسکی صفات کے بارے میں قارئین کو متشکک بنا دیا۔ معتزلہ جہت پروردہ اور معطلہ فرقے معرضِ دہود میں آگئے جنہوں نے صفات الہیہ کا انکار کیا اور قرآن سے پاک کو مخلوق کہا تقدیر کا انکار کیا تو ان لوگوں کے اعتقادات غیبیہ کے خلاف آئمہ اہل سنت نے متعدد تصانیف مرتب کیں جن میں ان کے عقلی دلائل کو پاش پاش کر دیا اور حقائق کو لوگوں کے سامنے واضح کیا چنانچہ عقائد کے موضوع پر شککین اور فلاسفہ کے خود ساختہ عقلی قواعد کے رد میں مراد الدار محمد علی بشتیر المرسی للدارمی، الرد علی الجہمیۃ والنزادۃ لاحمد بن حنبل، الرد علی الجہمیۃ للدارمی، بیان تلبیس الجہمیۃ فی تاسیس بدعۃ الکلامیۃ لابن تیمیۃ، تاریخ الجہمیۃ والمعترض لجمال الدین القاسمی مشہور متداول کتب ہیں خیال رہے جس طرح عقائد کی کتابوں میں عقل کو زیادہ اہمیت دینے والے فرقے گمراہ ہو گئے اور ان کو اہل سنت سے خارج قرار دیا گیا اسی طرح اہل سنت کے عقائد سے منحرف ایسے لوگوں کو جنہوں نے ایک اللہ کی عبادت چھوڑ کر خواہشات کو خدا بنایا درختوں پتھروں فرشتوں، انبیاء، اولیاء کو معبود بنایا اسی طرح وہ لوگ جنہوں نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اقوال پرانکہ کرام، مشائخ عظام کی آراء کو ترجیح دی اور خالی قسم کے متسوفین اور باطنیہ لوگ جنہوں نے اولیاء اللہ کو کائنات میں تصرف کا حق عطا کیا اور تدبیر میرے ان کو اللہ کا شریک سمجھا جن کو وہ اوداد، قطاب کے نام کے ساتھ پکارتے ہیں اہل سنت سے خارج ہیں ان کا شریک تو مشرکین عرب سے بھی زیادہ ہے جب کہ مشرکین عرب تو عبادت میں شریک بناتے تھے ربوبیت میں وحدہ لا شریک مانتے تھے۔

عباسی دور حکومت میں یہ فرقے اوج ترقی پختے حکومت بھی ان گمراہ فرقوں کی مبنوا تھی لیکن ائمہ محدثین نے ایسے نازک دور میں بھی اپنے فرائض سرانجام دیئے اور انہیں مناظروں کی دتو دیتے ہوئے کہا کتاب و سنت سے دلائل پیش کرو تو ہم تسلیم کر لیں گے اگر ان کی پٹاری میں معقول دلائل ہوتے تو وہ یقیناً میدانِ مناظرہ میں فوجِ حاصل کر لیتے تاریخِ اسلام ہمیں پتہ دیتی ہے کہ جب وہ دلائل پیش نہ کر سکے تو انہوں نے اپنی خفت مٹانے کے لئے اوجھے ہتھیار استعمال کیئے اور محدثین آئمہ کو قید و بند اور جیل کی آہنی دیواروں کے سپرد کر دیا انہوں نے ان تکالیف و محن کو خندہ پیشانی کر کے ساتھ برداشت کیا لیکن باطل کے سامنے اپنا سر نہ جھکایا۔

شرح عقیدہ طحاویہ کی اہمیت

ہیں وہ سب چھ اصولوں پر عادی ہیں بعض مختصر ہیں تو بعض مفصل، البتہ اسلوب اور انداز بیان میں اختلاف ہے جس سے ان کا حق نمایاں ہوئے گھمائے رنگارنگ سے جہاں زیبائش و آرائش دلوں کو سحر کر رہی ہے وہاں ان کے عطر بیز جھونکوں سے دماغ معطر ہے

شرح عقیدہ طحاویہ جس کو اردو کے قالب میں ڈھال کر ہم اسے قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ تقریباً تمام مدارس عربیہ کے نصاب میں داخل ہے مستند ادراں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ اور دیگر سعودی عرب کی جامعات اور کلیات میں بھی داخل نصاب ہے عقائد کے تمام کتابوں میں سے ترجمہ کیلئے اس کا انتخاب پتہ سے رہا ہے کہ یہ کتاب سفر و خصوصیات کی حامل ہے مغلط مسائل کو آسان الفاظ میں ایسے اختصار کے ساتھ پیش کیا گیا ہے کہ مطالعہ کرنے والے طلبہ اور اہل علم معمولی توجہ کے ساتھ حجازِ علمی کی گہرائی تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں اس سے انہیں تصکوتِ محسوس نہیں ہوتی بلکہ اس کے برعکس فرحتِ محسوس کرتے ہیں۔

عقیدہ طحاویہ کی یہ شہرہ یہ ہے علامہ ابن ابی العز الحنفی نے ترتیب دیا ہے جس کو اردو کے قالب میں ڈھالنے کی ہمیں سعادت حاصل ہوئی ہے دیگر شروح سے زیادہ واضح اور پرکشش ہے سچے سچے الفاظ ہیں جملوں میں تناسب ہے اسلوب نگارش دلکش اور نہایت خوبصورت ہے دلائل میں اچھوتا ہے عزابت، تناظر اور عقیدہ سے پاک صاف عبارات ہیں۔ نہایت آسان اور سہل انداز میں سمجھ کو کوڑہ میں بند کر دیا ہے اکثر عبارات شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن قیم کی کتابوں سے ماخوذ ہیں راقم الحروف کو متعدد بار اس کی تدریس کے مواقع میسر آئے لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اس کی تدریس کے دوران ذہنی تکلیف ہوئی ہو۔ بلکہ دل و دماغ نے

ہمیشہ حلاوت محسوس کی۔ کتاب کے آغاز میں علامہ ناصر الدین ابانی کا مقدمہ نہایت قیمتی نادر معلومات کا خزانہ ہے جس میں انہوں نے احادیث کے بارے میں نادر معلومات بہم پہنچائی ہیں اس پر ان کے لیے بے ساختہ دعائیں نکلتی ہیں اور دل و دماغ انکی علمی اور فنی تحقیق پر مسرت و شادمانی سے جھومنے لگتے ہیں علامہ زاہد الکوثری اور ان کے شاگرد علامہ ابو غدہ کے اعترافات کا جس علمی تحقیق انداز میں انہوں نے پوسٹ مارٹم کیا ہے یقیناً یہ انہی کا حصہ ہے۔

سالہا در کعبہ دہت خانہ سے نالہ حیات تازہ بزم نازیک دانائے راز آید بروے جب میرے دل و دماغ پر اس کتاب کی افادیت کا نقش بچھ گیا تو میں نے عزم کر لیا کہ اردو دان حضرات کے استفادہ کے لیے اس کا اردو ترجمہ کیا جائے۔ بعض اہل علم دوستوں کا بھی اصرار تھا چنانچہ راقم الحروف نے تدریسی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ آج سے تقریباً چار سال قبل اس مبارک کام کا آغاز کیا تھا اس دوران بعض دفعہ کئی مہنگ اس کام کی طرف توجہ نہ کر سکا فرمت کے لمحات میر نہ آسکے دیگر گونا گوں علمی مصروفیات رکاوٹ بنتی رہیں جن وجہ سے تسلسل برقرار نہ رکھ سکا تاہم اس وقت میرا دل و دماغ راحت محسوس کر رہا ہے اور متعجب ہوں کہ میرے انے مشکل اور طویل کام سے کیسے عہدہ برآ ہو سکا۔ میں سمجھتا ہوں کہ محض اللہ پاک کی توفیق سے ہی یہ مبارک کام پایہ تکمیل تک پہنچا ہے میں نے مقدور پھر کوشش کی کہ کتاب اغلاط سے پاک ہو متعدد بار کتابچہ نظر ثانی کی گئی بعض اہل علم رفقا و خصوصیت کے ساتھ عزیز فی حافظ عبدالستار رحمن اور عزیز فی مولوی خالد سیف سلہما اللہ شکر یہ کے مستحق ہیں جنہوں نے نظر ثانی کے سلسلہ میں مجھ سے تعاون کیا اسی طرح مولوی تہذیب احمد سبحانی کا بھی تہ دل سے مشکور ہوں جو میرے طبع و تالیف کے متنازعہ مینار السنہ ادارۃ الترجمہ و تالیف کے ساتھ معاونت فرماتے رہے ہیں جزاء اللہ احسن الجزاء و احسن اللہ مثوبتہ ان کے علاوہ دیگر احباب رفقا کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے میرے ساتھ کسی نہ کسی شکل میں تعاون فرمایا اور میں اس قابل ہوں کہ کتاب طباعت کے مراحل طے کر کے قارئین کے ہاتھوں میں ہے

ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذين سبقونا بالايمان ولا تجعل في قلوبنا غلا للذين

امنوا ربنا انك رؤوف رحيم

محمد صادق خلیل مدیر مینار السنہ

ادارۃ الترجمہ و تالیف رحمت آباد فیصل آباد۔ ۲۸ صفر المظفر ۱۴۲۶ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

از فضیلۃ الشیخ زہیر شادیش مدبر مکتب اسلامی

چند وضاحتیں ملاحظہ فرمائیں

معزز قارئین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! آج بعد - مجھ سے کثیر تعداد میں اہل علم فاضل دوستوں نے بالشام ذکر کیا اور لکھ کر بھی بھیجا کہ ہم نے الشیخ علامہ ناصر الدین البانی کے تحریر کردہ مقدمہ شرح عقیدہ طحاویہ کا مطالعہ کیا۔ ہم ان کے شکور ہیں کہ انہوں نے اس میں نہ صرف سلف کے عقائد اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول اسادیث کی حقیقت پر بحث کی ہے بلکہ بعض لوگوں کے پیدا کردہ شبہات کا رد کرتے ہوئے علم روایت و درایت اور فتنہ رجال کے مسائل کا بھی مختصراً ذکر کیا ہے۔ جب کہ اس دور میں ان علوم کی معرفت رکھنے والے اہل علم منقرض ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک فاضل دوست نے مقدمہ کے مشمولات کے بارے میں ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس میں ناروا شدت موجود ہے اور بعض لوگ تو اس کی مخالفت میں بیخ پائیں اور اصل وہ ان اسباب سے بالکل بے خبر ہیں جن پر مقدمہ کے مباحث کی بنیاد ہے۔

بنابریں میں نے ضروری سمجھا کہ حقیقت حال کو واضح کر دیا جائے تاکہ کم از کم ان اہل علم کو تو پتہ چل جائے جو اس کے مطالعہ کے بعد اپنے اضطراب کا اظہار کر رہے ہیں۔ اگرچہ میں نے سیر حاصل بحث کرنے سے گریز کیا ہے۔ اس لیے کہ اس میں مجھے کچھ فائدہ نظر نہیں آیا۔

عرصہ دراز سے فضیلۃ الشیخ عبدالفتاح ابو خدہ، فضیلۃ الشیخ علامہ ناصر الدین البانی پر ناروا طعن و تشنیع کا میدان گرم کئے ہوئے ہے۔ چنانچہ میں نے

ان دونوں اہل علم کی ملاقات کا پروگرام بنایا تاکہ اس میں ان اعتراضات کا جواب حاصل کیا جائے جو ابو خدہ کی جانب سے پیش کئے جا رہے ہیں۔ اس پروگرام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے طرغین سے چند اجاب نے میری معاونت کی۔ لیکن شیخ ابو خدہ نے ہر بار ملاقات سے ہوتی کی اور اگر کہیں اتفاقاً دونوں کی ملاقات ہوئی بھی تو شیخ ابو خدہ نے بحث کرنے سے گریز کی

راہ اختیار کی۔

میں نے متعدد اہل علم کی جانب خطوط تحریر کئے تاکہ ۱۳۹۱ھ حج کے موسم میں ان دونوں کے درمیان ملاقات ہو جائے۔

نیز ڈاکٹر امین مصری نے بھی علامہ البانی کی خواہش پر ان دونوں کی ملاقات کرانے کی کوشش کی۔ لیکن ابو خذہ ان کو بھی طرح دے گئے۔

دوسری وضاحت شیخ عبدالفتاح ابو خذہ، قواعد علوم الحدیث کے ص ۳۱۸ پر حیل القد

زبان طعن دراز کرتے ہیں کہ انہوں نے امام ابو حنیفہ سے مروی احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے پھر اسی پر التفتاہیں کرتے بلکہ ان مذکورہ ائمہ کرام اور ابن معین وغیرہ جنہوں نے امام ابو حنیفہ کی توثیق کی ہے کے مابین موازنہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”ابن معین امام ابو حنیفہ کے علمی مقام کو ان اہل علم سے زیادہ جانتے ہیں جن کی ملاقات امام صاحب سے نہیں ہے بلکہ وہ ان کی وفات کے بعد ہوئے ہیں۔ لہذا امام ابو حنیفہ کے بارے میں ابن معین کے قول کو تسلیم کیا جائے گا۔ امام بخاری اور ان کی رائے رکھنے والے ائمہ جو امام ابو حنیفہ کی وفات کے بہت عرصہ بعد پیدا ہوئے ہیں۔ ان کے قول کو ہرگز تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ اور ان کا انداز امام ابو حنیفہ کے بارے میں نہایت گھناؤنا ہے جس سے عصبيت آشکارا ہو رہی ہے اور ابن معین کے علمی مقام کا یہ عالم ہے کہ جب وہ کسی مسئلہ پر گفتگو فرماتے ہیں تو امام بخاری، امام مسلم، امام نسائی ابن عدی، دارقطنی اور دیگر ائمہ خاموش ہو جاتے ہیں“

نیز ابو خذہ ص ۳۱۹ پر رقمطراز ہیں:

”اس دور میں ناصر الدین البانی جیسے انسان کا امام الامام ابو حنیفہ جن کی جلالت شان اہمیت فی الاجتہاد والعلم پر جامع ہے، تنقید کرنا اور حافظہ کے لحاظ سے ان سے مروی حدیث کو ضعیف قرار دینا اہل علم کے نزدیک امانت و دیانت کے منافی ہے۔ اگر انہوں نے امام بخاری اور ان کے ہموائمہ کے قول پر اعتماد کرتے ہوئے ان پر تنقید کی ہے تو چونکہ یہ قول درست نہیں اس لیے اس پر اعتماد کرنا صحیح نہیں جیسا کہ میں نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور ص ۳۷۹ پر اس سبب کو بیان کیا جانے کا جس کی وجہ سے امام بخاری

نے امام ابو حنیفہ پر اس قدر جارحانہ تنقید کی ہے۔ اور اگر بالفرض تسلیم کر لیا جائے کہ امام بخاری کا قول تنقید وغیرہ سے بالاتر ہے۔ پھر بھی علمی میدان میں امانت و دیانت کا تقاضا یہ تھا کہ علامہ البانی ان کا قول ذکر کر کے تعدیل اور ثقہ قرار دینے والوں کے اقوال کا بھی ذکر کرتے جو تعداد میں زیادہ ہیں اور فقہ رجال سے بھی انہیں زیادہ معرفت ہے۔ اور علم و فہم میں بھی ان کی شہرت زیادہ ہے۔ جیسا کہ شعبہ بن حجاج امام ابو حنیفہ کے بارے میں ص ۲۵ پر گواہی دیتے ہیں کہ وہ جید الحفظ تھے۔ نیز امام بخاری کے دو جلیل القدر اساتذہ یحییٰ بن معین اور علی بن مدینی جو فقہ رجال میں امام بخاری سے سبقت لے گئے ہیں۔ وہ بھی ان کے جید الحفظ ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔ نیز ص ۲۴ پر بھی امام ابو حنیفہ کی توثیق کا ذکر ہے۔

پس علامہ البانی کا صرف جرح ذکر کرنا اور تعدیل ذکر نہ کرنا علمی امانت کے منافی ہے جب کہ فقہ رجال میں یہ حقیقت ثابت ہے کہ کسی راوی پر صرف جرح کا ذکر کرنا اور اس کی تعدیل بیان نہ کرنا ظلم اور خیانت ہے۔ علامہ البانی بھی اس حقیقت سے ناواقف نہیں ہیں۔ لیکن ان پر تو مذموم تعصب کا غلبہ ہے۔ اگر نصرت الہی شامل حال ہوئی تو امام ابو حنیفہ کے بارے میں علامہ البانی کے تعصب کا کسی دوسرے مقام پر پردہ چاک کیا جائے گا۔

اب ہم سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ حدیث نمبر ۳۹ کے تحت ص ۷۸ سے امام ابو حنیفہ کے بارے میں علامہ البانی کا قول ذکر کرتے ہیں۔

امام ابو حنیفہ کے بارے میں علامہ البانی کا قول اگرچہ امام ابو حنیفہ جلیل القدر فقیہ انسان تھے۔ لیکن حافظ کے لحاظ

سے انہیں امام بخاری، امام مسلم، امام نسائی، ابن عدی وغیرہ ائمہ حدیث نے ضعیف کہا ہے۔ نیز حدیث نمبر ۲۵۸ جز پانچ ۷/ پر کہا ہے کہ محدثین نے ان سے روایت کردہ احادیث کو ضعیف کہا ہے جیسا کہ حدیث نمبر ۳۹ پر بھی اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ بعد ازاں انہوں نے ان کو ضعیف قرار دینے والوں کے اقوال ذکر کئے ہیں۔ ان میں یحییٰ بن معین کا بھی ایک قول ہے (جب کہ ان کا ایک قول تعدیل کا بھی ہے) اس کے ساتھ ان کی تعدیل بیان کرنے والوں کے اقوال بھی مذکور ہیں۔ یحییٰ بن معین کا ایک قول یہ ہے کہ ان سے مروی حدیث نہ لکھی جائے۔ رد و سرا قول یہ ہے کہ ان سے حدیث بیان کرنے میں کچھ معنائقہ نہیں۔ وہ جھوٹ نہیں کہتے تھے۔ نیز وہ کہتے

ہیں کہ امام ابو حنیفہ ہمارے نزدیک سچے تھے۔ وہ جھوٹ کی تمت سے پاک تھے۔ علامہ البانی کے قول سے یہ حقیقت الم نشرح ہو رہی ہے کہ علامہ البانی علی میدان میں کس قدر امانت کے ساتھ موصوف ہیں۔ جب کہ ان کو ضعیف قرار دینے والوں کے ساتھ ساتھ ان کی توثیق کے لئے احوال بھی ذکر کرتے ہیں۔ ان کو اشد پاک نے علی خیانت سے پاک رکھا ہے جب کہ انہوں نے جرح اور تعدیل دونوں کا ساتھ ساتھ ذکر کیا ہے۔

نیز علامہ البانی جز خامس / ۷۹ پر قلمراز ہیں:

”ہمیں اس میں ذرہ برابر شک نہیں کہ امام ابو حنیفہ استباز انسان تھے۔ لیکن ان کا صرف راستباز ہونا کافی نہیں کہ ان سے مروی حدیث کو قابلِ حجت سمجھا جائے۔ جب تک کہ ان کے حفظ اور ضبط کا جائزہ نہ لیا جائے۔ لیکن ان کا حفظ و ضبط ثابت نہیں بلکہ اس کے برعکس ائمہ جرح و تعدیل نے ان کے بارے میں اپنے تاثرات ذکر کئے ہیں جن کا ذکر ہم نے کیا ہے۔ خیال رہے ائمہ جرح و تعدیل ایسے مقام پر فائز ہیں کہ جو ان کی گواہی پر یقین کر لیتا ہے۔ اور ان کے اقوال کو تسلیم کرتا ہے۔ وہ کبھی گمراہ نہیں ہو سکتا اس سے ہرگز امام ابو حنیفہ کی جلالتِ شان میں کچھ فرق نہیں آتا۔ اس لیے کہ وہ دینداری تقویٰ، اور فقہ کے لحاظ سے بلند منصب پر فائز تھے۔ اگرچہ بعض متاخرین علماء تعصب کے پیش نظر اس رائے کے مخالف رائے رکھتے ہیں۔ یہ بات مسلم ہے کہ کتنے فقیہ قاضی اور صالح لوگ گزرے ہیں جن کو ائمہ حدیث نے حافظہ اور ضبط کے لحاظ سے، ضعیف قرار دیا ہے۔ لیکن اس سے نہ ان کی دینداری مطعون ہوئی اور نہ ان کی عدالت مجرد ہوئی۔ یہ حقیقت ان اہل علم پر عیاں ہے جو رواۃ حدیث کے تراجم سے شغف رکھتے ہیں۔“

یہ نظریہ درست ہے، عدل و انصاف کا یہی تقاضا ہے اس کے ساتھ ہی آسمانِ زمینی کا قیام ہے۔ صالح، دیندار، فقیہ ہونا ایک وصف ہے۔ اسادیت کی روایت کرنا حافظہ اور ضبط کا ہونا دوسرا وصف ہے۔ ہر وصف کے الگ الگ انسان گزرے ہیں۔ پس اس سے امام ابو حنیفہ پر کچھ طعن وارد نہیں ہوتا کہ وہ حافظہ اور ضبط کے لحاظ سے ضعیف تھے۔ جب کہ ان کا شمار صادقین میں ہے۔ مزید برآں وہ جلیل القدر فقیہ اور صاحبِ فہم و ادراک انسان تھے۔ ان کی عظمتِ شان کے لیے یہی کافی ہے

کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم اور فہم کی دولت کے ساتھ نواز اتفاقاً فقہ میں ان کی دیا
اور دقیقہ سنجی مسلم ہے۔ جس میں کسی کو بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ ایک
شاعر کہتا ہے۔

دلیس یصح فی الازہان شیء اذا احتاج الیہا دلیل
اگر دل ثابت کرنے کے لیے بھی دلیل کی ضرورت ہے تو پھر ذہن کسی چیز کو صحیح قرار
نہیں دے سکتا۔

معلوم ہوا کہ الشیخ ابو غندہ نے علامہ البانی کے کلام کا وہ حصہ ذکر کیا ہے۔ جس میں امام ابو حنیفہ
پر جرح حق ہے۔ پھر اس کا رد کیا ہے۔ کتنا اچھا اور مفید ہوتا اگر وہ علامہ البانی کا تمام کلام نقل کر
دیتے۔ اس لیے کہ ان کے کلام میں امام ابو حنیفہ کی مدحت و منقبت کا بھی ذکر ہے۔ اور ان کی عظمت
اور بزرگی کا اعتراف بھی کیا گیا ہے۔ اور ان کے علم و فضل کو سراہا گیا ہے۔ ان کا انداز نہایت عمدہ
ہے۔ جس سے ان کی امانت و دیانت کا پتہ چلتا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ ظلم اور علی
خیانت سے کتنے دور تھے۔

جو شخص علامہ البانی کی کتابوں کی ورق گردانی کرے گا اسے معلوم ہو گا کہ علامہ البانی امام
ابو حنیفہ کا تذکرہ کتنے ادب و احترام سے کرتے ہیں۔ اور ان کی مدحت و منقبت کرتے ہوئے
ان کی فتنی عظمت کا ذکر کیسے خوبصورت الفاظ میں کرتے ہیں۔ علامہ البانی کی تصنیف کردہ کتاب
(صفۃ صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم) جس کے سات ایڈیشن سے زیادہ طبع ہو چکے ہیں ان
تمام ایڈیشنوں میں وہ امام ابو حنیفہ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں علامہ البانی کا قول

فلایجوزنا الطعن
فیہ الا ما راجع

حنیفہ بل یشب التناؤب ما حذرناہ امام من ائمتہ المسلمین الذین ہم یحفظ ہذا
الدین ووصل الینا ما وصل من فروعہ وانما جاور علی کل حال اصاب ادا خطاء

مے راقم الحروف نے اس کتاب کا اردو ترجمہ کیا کتاب کا مقدمہ پاکستان کے مشہور دانشور علامہ محمد شفیع
ماڈل ٹاؤن لاہور میں..... نیز انڈیا کے ہفت روزہ ترجمان اہلحدیث دہلی میں بھی چھپ چکا ہے
کتاب بھی زور طباعت سے آراستہ ہو چکی ترمیم

امام ابو حنیفہ کے بارے میں طعن و تشنیع جائز نہیں بلکہ ان کا ادب کرنا ضروری ہے۔ اس لیے کہ وہ مسلمانوں کے ائمہ میں سے ایک امام تھے۔ جن کے ذریعے دین کی حفاظت کا اہتمام ہوا۔ اور جن کی وساطت سے ہم تک دین کے فروغ پہنچے۔ وہ بہر حال ثواب کے مستحق ہیں۔ خواہ وہ راہِ صواب پر تھے یا ان سے خطائیں ہوئیں۔

کتاب کی طباعت کا اہتمام آج سے بارہ سال قبل مکتب اسلامی نے دمشق میں کیا تھا۔ کتاب کی تخریج کا کام علامہ البانی نے کیا۔ علامہ البانی کی تخریج پر شیخ ابو نعیم نے پانچ صفحات پر مشتمل تنقید شائع کی ہے۔ جس میں انہوں نے اپنا نام تخریر نہیں کیا۔ اس کتاب کی طباعت کے چار سال بعد علامہ البانی نے اس کا جدید مقدمہ علمی فوائد کے اضافہ کے ساتھ مرتب کیا جس کا ابلاغہ کو بھی علم ہے۔

اس سلسلہ میں نہایت افسوس ناک حرکت یہ ہے کہ ابو نعیم نے اس تنقید کا کوئی نسخہ نہ تو ناشر کے نام بھیجا۔ اور نہ ہی اس انسان کی طرف جس نے احادیث کی تخریج کا اہم کام سرانجام دیا تھا۔ حالانکہ خیر خواہی کا تقاضا یہی تھا با پھر کم از کم اس قدر تو ضروری تھا۔ اور اس میں افادیت کا پتہ بھی تھا کہ ناشر کی طرف اس کا ایک نسخہ ارسال کر دیا جاتا تا کہ وہ تنقیدی مقامات کا جائزہ لیتے۔ اگر تنقید صائب ہوتی تو کتاب کے ساتھ اس کا الحاق کر دیا جاتا یا نئے ایڈیشن میں اس کا اضافہ کر دیا جاتا۔

انصاف پسند ناقدین کے ہاں اس انداز کو تنقید کا کرشمہ ہی کہا جاسکتا ہے۔ جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض ناقدین تو کسی کتاب پر تنقید کو کسی علمی مجلہ یا مشہور روزنامہ یا ایسے کتابچوں میں اپنے نام کے ساتھ شائع کرواتے ہیں۔ جس کا ملکی دنیا میں مطالعہ کیا جاتا ہے۔ لیکن تنقید کا یہ محقق انداز کہ ناقد کے نام کا بھی ذکر نہ ہو اور تنقید بھی کسی علمی کتاب پر ہو تو میں اپنے علم کی روشنی میں کہتا ہوں کہ ابو نعیم سے پہلے کسی اہل علم سے ایسی حرکت سرزد نہیں ہوئی یہ تو ابو نعیم کی تقریر کا فنی انداز میں محاسبہ تھا۔ اور جب ہم تقریر کے موضوع کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ابو نعیم نے تقریر کے آغاز میں ہی علامہ البانی پر ایسے الفاظ کے ساتھ حملہ کیا ہے۔ جن کی شجاعت قارئین سے مخفی نہیں رہے گی۔



علامہ البانی کی تخریج پر ابو نعہ کی تنقید

شرح معقودہ طحاویہ کے قارئین کے علم میں ہے کہ اس کے شارح ثقہ اہل علم سے شمار ہوتے ہیں اور احادیث وغیرہ کے نقل میں نہایت محتاط ہیں۔ ان کا ضبط و اتقان مسلم ہے۔ ان کا انداز زیادہ تر یہی ہے کہ وہ حدیث ذکر کرنے کے بعد بتاتے ہیں کہ حدیث کس کتاب میں ہے۔ کہیں شاذ و نادر وہ اس کا ذکر نہیں بھی کر پائے۔ چنانچہ اگر حدیث صحیحین میں ہے تو اس کا ذکر کرتے ہیں۔ اگر ان میں سے ایک میں ہے تو نہایت صاف لفظوں میں دیانت، امانت ملحوظ رکھتے ہوئے اس کا ذکر کرتے ہیں۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ علامہ البانی ان کی تعلیق پر تعاقب کرتے ہیں۔ مثلاً جہاں شارح نے کسی حدیث کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ یہ حدیث بخاری، مسلم میں ہے یا ان میں سے ایک میں ہے تو وہاں علامہ البانی اضافہ کرتے ہیں۔ اور تحریر کرتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے، ضعیف یا موضوع نہیں ہے۔ وہ یہ نہیں بتاتے کہ حدیث بخاری و مسلم میں ہے یا ان میں سے ایک میں ہے تاکہ شارح کے قول کی تائید ہو۔

علامہ البانی کا بخاری، مسلم کی حدیث کو صحیح کہنے سے کیا مقصد ہے؟ کیا وہ اپنے آپ کو امام بخاری، امام مسلم پر فوقیت دیتے ہوئے ان کی ذکر کردہ احادیث پر اپنا فیصلہ تو نافذ نہیں کرنا چاہتے کہ بخاری و مسلم کی جس حدیث کو وہ صحیح کہیں وہ صحیح ہے اور جس حدیث کے بارے میں صحیح کا لفظ استعمال نہ کریں۔ اس میں توقف کیا جائے مگر سے غور و فکر کے بعد اس پر حکم لگایا جائے۔ علامہ البانی کا یہ ایسا انداز ہے جس کو متقدمین، متاخرین میں سے کسی نے نہیں اپنایا ہے۔

آئندہ اوراق میں ان مقامات کا ذکر ہوگا۔ جن میں علامہ البانی نے ایسا عجیب و غریب انداز اختیار کیا ہے۔ یقیناً اللہ کی مخلوق میں عجائبات ہیں۔

نیز آپ ملاحظہ کریں گے کہ جہاں شارح کسی وجہ سے حدیث کے مخرج کو ذکر کرنے سے غفلت کرتے ہیں۔ وہاں البانی صاحب متفق علیہ یا رواہ البخاری یا رواہ المسلم کے الفاظ لانے میں۔ وہاں انہوں نے اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا۔ یعنی صحیح کے لفظ استعمال نہیں کئے۔ حالانکہ ہم تعدادی ہو چکے ہیں کہ جب شارح کسی حدیث کی نسبت صحیحین یا بخاری، مسلم کی طرف کرتے ہیں کہ ہم اس حدیث کو قبول نہ کریں۔ جب تک علامہ البانی اس پر بھیج کا اطلاق نہ کریں۔ یہ صورت حال سینکڑوں مقامات میں دیکھی جاسکتی ہے۔ پس ہم علامہ البانی سے اس بات کے دریافت کرنے میں حق بجانب ہیں کہ جب وہ

کسی حدیث کو مسلم یا بخاری یا دونوں کی طرف منسوب کریں۔ اور اس پر صحیح کا اطلاق نہ کریں تو ہم اس حدیث کو قبول کریں۔ اور اس کی صحت تسلیم کریں۔ اس کی نسبت کو کافی سمجھیں؛ یا ہم توقف اختیار کریں۔ جب تک ہمیں حدیث کی صحت کا ظہر نہ ہو جائے ہم اس کو صحیح نہ سمجھیں جیسا کہ سابقہ بیان کردہ مسئلہ سے ہمیں اس کا عادی بنا دیا گیا ہے۔

نیز بعض مقامات کا جب ہم ملاحظہ کرتے ہیں جہاں شارح نے حدیث کے تخریج کا ذکر نہیں کیا۔ جیسا کہ ص ۶۸ اور ۲۲۰ پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ وہاں علامہ البانی نے کہا ہے حدیث صحیح ہے اس کو مسلم نے نکالا ہے۔ اس سے ذہن میں تردد پیدا ہوتا ہے کہ اس حدیث پر صحت کا حکم لگانا امام مسلم کی جانب سے ہے یا اس پر صحت کا حکم علامہ البانی نے لگایا ہے۔ بظاہر دوسری صورت راجح معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے کہ آئندہ ادراک میں اس کے کثرت کے ساتھ شواہد دیکھ سکتے ہیں جہاں ان عجائبات کا ذکر ہے۔ جن سے لوگ اس سے قبل ناواقف تھے۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

ص ۱۸ سے ۵۰۶ تک کچھ ایسے مقامات ہیں۔ جہاں شارح حدیث ذکر کرنے کے بعد بخاری، مسلم دونوں کی طرف یا ایک کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ اس کے باوجود علامہ البانی نے وہاں صحیح کا لفظ استعمال کیا ہے۔

ص ۸۹ پر شارح نے بیان کیا کہ حدیث صحیحین میں ہے۔ علامہ البانی نے تخریج میں بیان کیا کہ یہ روایت بخاری مسلم میں ابن عمر سے مروی ہے جب کہ مسلم نے اس حدیث کو ابو ہریرہؓ سے روایت کیا۔ لیکن علامہ البانی نے صحیح نہیں کہا۔

ص ۱۰۶ پر علامہ البانی نے بعض ایسی احادیث کا ذکر کیا ہے جن کی تخریج سے شارح غافل رہا ان احادیث کی تخریج کرتے ہوئے کبھی تو علامہ البانی متفق علیہ کہتے ہیں۔ صحیح یا عدم صحیح کے الفاظ استعمال نہیں کرتے جیسا کہ ص ۴۴ وغیرہ میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

تین مقامات میں اس طرح مرقوم ہے کہ شارح نے بیان کیا کہ یہ حدیث بخاری، مسلم میں ہے اور وہ حدیث جس میں اللہ تعالیٰ کے آسمان دنیا کی طرف نازل ہونے کا ذکر ہے۔ اس کے بارے میں شارح نے متفق علیہ کہا ہے۔ بلکہ اس کو متواتر قرار دیا ہے۔ اور کبھی کہتے ہیں اس کو بخاری نے بھی روایت کیا۔ لیکن صحیح غیر صحیح کے الفاظ نہیں لاتے جیسا کہ ص ۶۵ کا ملاحظہ کرنے سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے۔

من عادی لدی ولیا میں ۵۰۰ پر کہتے ہیں کہ اس کو بخاری نے روایت کیا۔ اس کی سند میں ضعیف ہے لیکن اس کے طرق ہیں۔ جن سے اس کو تقویت مل رہی ہے لیکن ابھی تک مجھے اس کے تمام طرق تلاش کرنے کی فرصت نہیں مل سکی۔ اور نہ ہی تحقیق کر سکا ہوں۔ اور کبھی کہتے ہیں اس کو اسی طرح مسلم نے روایت کیا۔ لیکن یہ نہیں بتاتے کہ کیا حدیث صحیح ہے یا صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ میں ۵۱، ۴۰ پر اس کا ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

علامہ البانی کی عبارات میں تناقض | شارح میں ۲۴ پر ایک حدیث ذکر کر کے فرماتے ہیں اس کو مسلم نے روایت کیا۔ علامہ البانی اس پر اپنی تعلیق میں فرماتے ہیں۔ یہ روایت مسلم اور احمد میں ہے۔ لیکن حدیث کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کا ذکر نہیں کرتے۔

نیز میں ۲۲۰، ۶۸ پر شارح ایک حدیث لائے ہیں۔ جن کے مخرج کا انہوں نے ذکر نہیں کیا۔ اس پر علامہ البانی فرماتے ہیں۔ حدیث صحیح ہے مسلم نے اس حدیث کو روایت کیا ہے ہم دریافت کرتے ہیں کہ اس حدیث پر صحت کا حکم علامہ البانی کی جانب سے ہے یا امام مسلم نے اس کو صحیح کہا ہے۔ اس کا جواب واضح ہے کہ اس قسم کی حدیث کی صحت کا حکم علامہ البانی کی طرف سے ہے۔ امام مسلم کی طرف سے نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ شرح میں اس کے علاوہ بھی جن احادیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے ان پر علامہ البانی نے صحیح ہونے کا حکم لگایا ہے۔ اور کبھی حدیث کو صحیح کہنے کے ساتھ متفق علیہ کا لفظ بھی ذکر کرتے ہیں۔ میں ۲۴۹، ۳۶ پر ملاحظہ فرمائیں۔

نیز میں ۳۹ پر جابر کی حدیث استخارہ والی جس کے مخرج کا شارح نے ذکر نہیں کیا۔ اس کے بارے میں علامہ البانی نے صرف صحیح کا لفظ استعمال کیا ہے جب کہ اس کے صحیح ہونے کے لیے یہی کافی تھا کہ اس روایت کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ چنانچہ علامہ البانی نے بھی اس مقام پر اس روایت کو اسی لیے صحیح کہہ دیا کہ اس کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے۔

نیز شارح نے میں ۱۹۹ پر حدیث ذکر کر کے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیحین میں ہے۔ علامہ البانی نے اس پر متفق علیہ کا اضافہ کیا ہے۔ کچھ معلوم نہیں ہو رہا اس اضافہ سے علامہ البانی کا کیا مقصد ہے۔ نیز کبھی شارح ایک حدیث ذکر کر کے کہتے ہیں یہ حدیث صحیحین میں ہے۔ میں ۲۰۲، ۲۰۳،

لہ ان مقامات کی کمیت کے بارے میں عمودی خطوط کی صورت میں وضاحت موجود تھی۔ لیکن ہم نے ان کو بے فائدہ جان کر حذف کر دیا ہے۔ مترجم

۲۰۵-۲۱۲ ملاحظہ فرمائیں۔ لیکن علامہ البانی تحریر میں کہتے ہیں حدیث صحیح ہے۔ اس کے بعد منقول علیہ کے الفاظ بھی ذکر کرتے ہیں۔

نیز شارح کے اس قول کے ضمن میں کہ عبداللہ بن مسعود نے کہا آپ کے گھوڑے ایسا دل نہ رکھتے تھے۔ جس سے معروف کو منکر سے ممتاز کیا جاسکے۔ اس پر علامہ البانی کی تعلیق میں ہے کہ میں اس کو نہیں جانتا۔ ہم دریافت کرتے ہیں کہ علامہ البانی کا اس سے یہ مقصود ہے کہ وہ معروف کا منکر سے امتیاز نہیں کر سکتے۔ یا یہ کہ وہ عبداللہ بن مسعود کے قول سے ناواقف ہیں۔ اگر وہ معروف کا منکر سے امتیاز نہیں کر سکتے تو پھر ان کے بارے میں ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ حالانکہ لوگوں کو ڈرانے دھمکانے کے لیے معروف اور منکراتوں کو رائے کی شکل میں بھی پیش کیا جاسکتا ہے۔ خیال رہے علامہ البانی سے کثیر احادیث میں تکرار کے ساتھ یہ جملہ منقول ہے کہ میں اس کو نہیں جانتا ہوں۔ لیکن اگر علامہ البانی کو اس کا علم نہیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ جب دیگر اہل علم جیسے شارح وغیرہ میں وہ تو ان کا علم رکھتے ہیں۔

نیز ص ۵۴ میں شارح نے کہا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا جس شخص نے سستی سے بلا عذر تین جمعہ کی نمازیں ترک دیں اللہ تعالیٰ اس کے دل کو ہرزہ کر دیتے ہیں۔ اس پر تعلیق میں علامہ البانی فرماتے ہیں کہ حدیث صحیح ہے لیکن اس کو کسی صحیح مجموعہ والے محدث نے روایت نہیں کیا۔ اس سے اس کی مراد بخاری، مسلم ہیں۔ علامہ البانی کا موقف شارح کے نقطہ نظر کے مخالف ہے جب کہ اس حدیث کو ابو داؤد و ترمذی، احمد وغیرہ نے روایت کیا۔ حاکم نے اس کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا یہ اس کا وہم ہے۔

نیز ص ۵۳۶ پر بعض تصحیح کرنے والوں نے ایک حدیث کا ذکر کیا۔ علامہ البانی نے کہا جہاں تک میری معلومات ہیں۔ یہ حدیث صحاح ستہ کتابوں میں نہیں ہے۔ نیز اس نے کہا کہ ان مذکورہ الفاظ کے ساتھ تو اس کا اصل حدیث کی ان کتابوں میں نہیں ہے جن پر میری نظر ہے میں اس کو مؤلف کا وہم سمجھتا ہوں۔ لیکن ہم نے دیکھا کہ وہ حدیث ترمذی میں ہے۔

نیز اس کو ابن جریر نے بھی روایت کیا جیسا کہ مکتب اسلامی کے بعض تصحیح کرنے والوں نے اس حدیث کے بارے میں معلومات ہم پہنچائیں۔

نیز یہ حدیث بالکل ان الفاظ کے ساتھ ہی مشکوٰۃ المصابیح ۲/۳۴ نمبر میں

مذکور ہے۔

مجھے علامہ البانی پر سخت تعجب ہے کہ وہ صحیحین کی احادیث کو صحیح ثابت کرنے کے مشغلہ میں مصروف ہیں۔ ان سے قبل اس راہ کو کسی نے اختیار نہیں کیا۔ اور نہ ہی اہل سنت کا کوئی عالم اس انداز پر خوش ہے۔ البتہ شیعہ کے ہاں یہ انداز پسندیدہ ہے۔ لیکن ان کے انداز کا راستہ دوہرا ہے۔

قارئین غور فرمائیں حضرت الاستاذ علامہ شیخ احمد شاہ نے اس کتاب پر تحقیقی کام کیا۔ بعض احادیث کی تخریج کی۔ اور نصوص کو واضح انداز میں پیش کیا۔ لیکن ان کے دل میں تو خیال آیا اور نہ ان کا قلم صحیحین کو صحیح قرار دینے کے لیے حرکت میں آیا۔ نہ انہوں نے مقام اہتمام پر قدم رکھا نہ انہوں نے شارح کو نقل اور علم کے لحاظ سے جاہل کہا۔ لیکن علامہ البانی نے وہ کام کیا جو متقدمین سے نہ ہو سکا تو کیا ان کا یہ کام اہل علم کی نظر میں بدعات میں شمار نہیں ہو گا۔ اور کیا ان کو محدث اور بدعتی نہیں کہا جائے گا۔

ابو غندہ کی تنقید اختتام پذیر ہوئی۔

قارئین کے سامنے یہ حقیقت الم نشرح ہو چکی ہوگی کہ علامہ البانی کی طرف سے ابتدا نہیں ہوئی وہ تو اپنے انکار سے ان کے مطاعن، دھمکیوں اور استغزرا، اور حملوں کا دفاع کرتے ہیں۔ وہ تو اس اہتمام کے ازالہ کی کوشش کرتے ہیں کہ انہیں ہرگز ہرگز امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ کچھ دشمنی نہیں اس کے باوجود ان کو اور دیگر محدثین علماء اور مفکرین کو مسلسل ہدف تنقید بنایا گیا اور ان پر طعن و تشنیع کی زبان دراڑی گئی۔

ہم سمجھتے ہیں کہ منصف مزاج لوگ علامہ البانی کی تند و تیز تنقید کو جارحیت پر محمول کریں گے۔ لیکن انہیں غور کرنا چاہیے کہ اس کا سبب کون ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا سبب وہ شخص ہے جس نے بلا وجہ علامہ البانی پر ناروا حملے کئے۔ اور ان پر الزام لگایا کہ وہ امام ابو حنیفہؒ پر تنقید کرتے ہیں۔ اس سے میری مراد ابو غندہ ہیں۔

ہم قارئین سے پُر امید ہیں کہ اگر علامہ البانی اپنی منظومیت پر درج ذیل آیت ارشاد خداوندی لَا تَحِبُّوا الدِّينَ بِالْأَسْوَءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنِ ظَلَمَ کو اپنی ذات پر منطبق کرتے ہیں تو وہ حق بجانب ہیں۔

استاذ ابو غندہ نے علامہ البانی کے مقدمہ پر ناقذانہ تبصرہ مجھے ارسال کیا۔ مقدمہ شرح طحاوی

کے ساتھ اس کو شائع کر کے میں خوشی محسوس کر رہا ہوں۔

اللہم اكتب لنا الهداية والتوفيق لخدمة دينك الذي انزلت على رسولك
محمد صلى الله عليه وسلم ربنا لا تؤاخذنا ان نسينا او اخطأنا ربنا ولا تحمل علينا
اصراً كما حملت على الذين من قبلنا ربنا ولا تحملنا ما لا طاقة لنا به واعف عنا
واغفر لنا وارحمنا انت مولنا۔

زیر شاویش

۵ صفر الخیر ۱۳۹۲ھ



مقدمہ



ان الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نعوذ بالله من شرور أنفسنا و من سيئات أعمالنا من يهده الله فلا مضل له و من يضلل الله فلا هادي له و اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له و اشهد ان محمداً عبداً و رسوله۔

آما بعد: امام ابو جعفر طحاوی کا تالیف کردہ رسالہ عقیدہ طحاوی کی شرح کا ہم جو تھا ایڈیشن ایسے شائقین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں جو سلف کے عقائد سے واقفیت حاصل کرنا اور خالص توحید معلوم کرنا چاہتے ہیں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو مبعوث فرمایا ہم اس کتاب کے بارے میں بلا پس و پیش یہ بات کہنے کی جسارت کرتے ہیں کہ یہ ایسی عمدہ کتاب ہے جس کی تحقیقی اور دعوتی میدان میں نظیر ملنا مشکل ہے اس میں عقائد کا احاطہ، گہرائی اور راہ صواب کا انکشاف اور التزام ہے جس پر سلف کا مزن رہے۔

یہ وجہ ہے کہ عقیدہ طحاوی کی تعریف میں کثیر اہل علم رطب اللسان ہیں نیز بہت سے علماء نے اس کی شروح تحریر کی ہیں تمام شروح سے بہتر اور معروف شرح یہی ہے جس میں سلف کے عقائد کو احسن انداز میں پیش کیا گیا ہے اس لئے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ شارح اکثر و بیشتر شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن قیم کی کتابوں سے عبارتیں نقل کرتے ہیں۔ لیکن ان کا نام نہیں لیتے اس لئے کہ سلف کے عقائد متعصبہ قسم کے لوگوں اور صفات النیر کو نہ ماننے والے علماء سوء کے خلاف ہیں جب کہ بعض صاحب اقتدار لوگوں پر اس قسم کے برے اثرات ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے دور اقتدار میں بر ملا سلف کے عقائد بیان نہیں ہوئے خاص طور پر جب حالات اس قدر ناگفتہ بہ ہوں کہ تعصب اور ہٹ دھرمی کے ساتھ شیخ الاسلام کی کتابوں کا نہ صرف یہ کہ پرچانہ کیا جائے۔

بلکہ انہیں جلادیا جائے۔ اس بنا پر شدید خطرہ تھا کہ کہیں شیخ الاسلام کی کتابیں بالکل ہی معدوم

نہیں رہ جاتی۔ لیکن الحمد للہ اب اس کی کتاب (معید النعم و معید النقم) میں عقیدہ طحاوی میں ذکر کردہ عقائد کے بارے میں مختصراً لیکن جامع تبصرہ کیا ہے جس کا خلاصہ ہم نے کتاب کے ٹائٹل پر تحریر کیا ہے کہ یہ چاروں مذاہب (بجاء اللہ) عقائد میں متحد ہیں سو ان کے جو معتزلہ اور مجسمہ فرقوں کے ساتھ مل گئے ورنہ اکثر حق پر ہیں وہ عقیدہ طحاوی مطابقت رکھتے ہیں متقدمین علماء نے اس کو لوگوں کے سامنے رکھا متاخرین نے اس کو حریف قبولیت عطا کیا۔

نہ ہو جائیں یا نادر الوجود نہ ہو جائیں۔ اس بنا پر ابن عروہ حنفی نے ان کی کتابوں کو ایک منہج کتاب
الکواکب الدراری فی ترتیب مسند الامام احمد الشیبانی میں معمولی مناسبت کا خیال رکھتے ہوئے
..... سمو دیا تاکہ وہ محفوظ رہ جائیں۔

شیخ الاسلام کی کتابوں کے خلاف محاذ آرائی متنازعہ دور میں بھی جاری رہی۔ چنانچہ دمشق
میں گزشتہ صدی کے اواخر میں بعض مؤثر افراد جو حلول و اتحاد کے قائل تھے۔ اقتدار کے بل
بوتے پر وسائل ممکنہ استعمال کرتے ہوئے ان کی کتابوں کو جمع کرتے اور تلف کر دیتے۔ اس
طرح وہ اپنے مذہب کو غلبہ دینے اور اپنے عقیدہ وحدۃ الوجود کے پھیلانے میں ہر قسم کی رکاوٹ
کو دور کرتے تھے۔

میر انیال ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی کتابوں کے ساتھ شدید دشمنی اور عقائد سلف
کے اظہار میں ابتلا و آزمائش کا تقاضا تھا کہ اس شرح کے شارح کا نام پردہ خفا میں رکھا گیا
اور شرح میں عبارات اگرچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن قیم کی کتابوں سے اخذ
کی گئی تھیں۔ لیکن ان کا نام تک ذکر نہیں کیا گیا۔ تاکہ عقائد سلف کی کتابیں دستبرد سے محفوظ
رہیں۔ اور انہیں ضائع نہ کر دیا جائے۔

ص ۵۸ پر ایک جدول ملاحظہ فرمائیں جس سے معلوم ہوگا کہ کہاں کہاں شارح نے کس کس
کتاب سے کون سی عبارات اخذ کر کے شرح میں ذکر کی ہیں۔ یہ کتاب قبل ازیں دوبار طبع
ہوئی۔ لیکن ہارلینڈ لیشن اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ اس کا دوسرے مخطوطہ کامل نسخہ کے
ساتھ مقابلہ کیا گیا ہے۔ وہ نسخہ جدید ہے۔ اس کا خط واضح ہے اور ضبط بھی ٹھیک ہے البتہ

۱۔ مقدمہ الکلم الطیب طبع مکتب اسلامی ص ۷ کا مطالعہ کریں۔

۲۔ پہلا ایڈیشن مکہ مکرمہ میں ۱۳۶۹ھ میں طبع ہوا۔ طباعت کا اہتمام علماء وکی ایک جماعت نے
نے علامہ شیخ عبداللہ بن حسن بن حسین الال الشیخ رحمۃ اللہ کی نگرانی میں کیا۔ اس ایڈیشن کا
ایسے مسودہ پر اعتماد کیا گیا۔ جس میں غلط کثرت کے ساتھ تھے۔ اور تحریف بھی تھی۔ اس کے علاوہ
کوئی دوسرا نسخہ میسر نہ آسکا۔ تاہم انہوں نے تصحیح کی۔ حتی المقدور کوشش کی اور جو الفاظ
درست نہ تھے..... انہیں درست کیا۔ اس کے باوجود اس ایڈیشن میں کثیر غلط
باقی رہے۔ دوسری بار اس کی اشاعت کا اہتمام علامہ شیخ احمد محمد شاہ رحمۃ اللہ نے کیا۔ چنانچہ

بعض مقامات میں جو اغلاط ہیں۔ ان کا درست کرنا آسان ہے۔ اس کے اختتام پر تحریر ہے کہ اس شرح کی تحریر..... ایک حقیر فقیر انسان کے ہاتھوں عمل میں آئی ہے جو جلیل القدر علماء کا خادم ہے اور مددِ سرِ مرغان میں کتابوں کی تالیف کا کام کرتا ہے اس پر اللہ کی رحمت اور رضا کا کاندل ہو۔ نام عبدالحی بن عبدالحمید بن الحاج محمد بن الشیخی البغدادی ہے سنہ ۱۲۲۲ ہجری ماہ رجب بروز سوموار اس کی تسوید سے فراغت حاصل ہوئی۔

اس سے ہم نے نتیجہ نکالا کہ جس اصل سے اس کو نقل کیا گیا ہے ممکن ہے وہ نسخہ بغداد میں ہو یہیں شوق دامن گیر ہوا کہ اس کا فوٹو حاصل کیا جائے اس سلسلہ میں ہم نے عراق کے علامہ شیخ بھتہ اثری کی جانب مکتوب ارسال کیا لیکن اس وقت تک ہم اس کے اصل کا مشاہدہ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے اور نہ اس کے کسی جز پر ہمیں آگاہی حاصل ہو سکی ہے اسی طرح شارح کے بارے میں بھی ہمیں یقینی معرفت حاصل نہ ہو سکی اس لئے کہ جس نسخہ سے اس کتاب کو طبع کیا گیا اس پر بھی شارح کا نام موجود نہ تھا اور جب شیخ احمد شاکر دوبارہ اس کی اشاعت کے لئے کمر بستہ ہوئے تو انہوں نے بتایا کہ شارح کا نام علی بن علی

(ماشیہ بقیہ سابقہ) قساہرہ میں اس کی طباعت کا اہتمام سنہ ۱۳۴۴ھ میں ہوا۔ بہر حال اتماد تو پہلے ایڈیشن پر ہی تھا۔ اگرچہ شارح کے کلام کی تصحیح احادیث اور آثار کے تقابل میں پوری کوشش کی گئی نتیجتاً یہ ایڈیشن پہلے سے بہتر تھا۔ اور اقرب الی الصحیح بھی تھا۔ البتہ دونوں ایڈیشنوں میں ایسی خرابی موجود تھی۔ جس کا تدارک ممکن نہ تھا اس لیے کہ جس مسودہ سے اس کو طبع کرایا گیا تھا۔ اس میں صرف یہی خرابی نہ تھی کہ اس میں بے شمار اغلاط تھے۔ بلکہ متعدد مقامات میں الفاظ مٹے ہوئے یا گے ہوئے تھے۔ کہیں کہیں تو مکمل صفحہ کی نوعیت یہی تھی نتیجتاً سیاق و سباق کا نظام خراب ہو گیا۔ اور کتاب کے بیشتر حصہ کا سمجھنا مشکل ہو گیا۔

لے دس سال پہلے کی بات ہے جب ہم نے پہلا ایڈیشن شائع کیا جو اس ایڈیشن کی بنیاد تھا۔ اس سلسلہ میں مجھے تین بار بغداد جانا پڑا۔ اور اصل مخطوطہ کی تلاش کی۔ لیکن میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اب میں غنیمت سمجھتا ہوں اور اس مناسبت سے ان اہل علم کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے میرے ساتھ تعاون کیا علی الاخص صدیق کرم ڈاکٹر عبدالحکیم زیدان اور حبیب کرم الاستاذ عبداللہ جودی کا تہ دل سے مشکور ہوں۔

بن محمد بن ابی العز الحنفی ہے۔

انہوں نے علامہ محمد بن حسین نصیفؒ کی نشاندہی پر اعتقاد کیا کہ مستید مرتضیٰ زبیدی نے اس شرح سے ایک عبارت شرح الاحیاء ۴۶/۲ پر نقل کی ہے۔ اور اس کی نسبت ابن ابی العز مذکور کی طرف کی ہے۔

ہمارے پاس جو نسخہ تھا اس کے ٹائٹل پر مؤلف کا نام تھا لیکن ابن ابی العز نہ تھا ہم نے جس دراق سے وہ نسخہ حمید اس نے مؤلف کا نام محو کر دیا اور اس جگہ وہی نام لکھ دیا جو نام شیخ احمد شاکر نے اپنے ایڈیشن میں لکھا البتہ پہلی کتابت سے جو الفاظ باقی تھے ہم نے کوشش کے بعد ان کو معلوم کیا تو وہ یہ تھے: جمال الدین بن صلاح الدین ابوالبرکات موسیٰ بن محمد المصلی الحنفی اس سے ہم نے معلوم کیا کہ یہ یوسف بن موسیٰ بن محمد ابوالحسن جمال الدین المصلی ہیں جو ۱۱۳ھ میں فوت ہوئے۔

اور ان کے حالات علامہ سخاوی نے الضوء الملاح (۱۰/۳۲۵-۳۲۶) میں اور ابن العاد نے شذرات الذهب (۷/۴۰) میں اور ابن ایاس نے تاریخ (۳۱۵) میں ذکر کئے ہیں لیکن اس کو یقینی تسلیم کرنے سے یہ بات حائل ہوئی کہ اس شارح نے جیسا کہ اس نے خود متعدد مقامات میں اپنے آپ کو ابن کثیر کے تلامذہ میں شمار کیا ہے لیکن جن لوگوں نے بھی شیخ مصلیٰ مذکور کے حالات ذکر کئے ہیں ان میں سے کسی نے بھی شیخ مصلیٰ کو علامہ ابن کثیر کا شاگرد نہیں کہا۔ اسی طرح انہوں نے یہ بھی ذکر نہیں کیا کہ شیخ مصلیٰ نے عقیدہ طحاویہ کی کوئی شرح بھی تحریر کی ہے۔ اس لحاظ سے یہ مسئلہ تشہد تکمیل رہا۔ اس کے حل کے لیے کسی قطعی دلیل کی ضرورت ہے تاکہ فیصلہ ہو سکے۔

اس کے ساتھ ساتھ ہم نے اپنے مخطوطہ کا مکہ کے مطبوعہ نسخہ اور شیخ احمد شاکر کے مطبوعہ نسخہ سے مقابلہ کیا اور ہم نے اپنے مخطوطہ کو اصل قرار دیا ہمارے مخطوطہ میں جو زیادتی تھی اس کو بلا کسی اشارہ کے داخل کر دیا گیا اور اس کی مقدار خاصی ہے اور جو زیادتی دوسرے دونوں ایڈیشنوں میں تھی اس کو ہم نے بریکٹ کا نشان دیکر درمیان میں لکھ دیا ہے جیسا کہ ہم نے اپنے مخطوطہ کی اشاعت میں آیات قرآنہ کی نمبرنگ کی اور طباعت اور تصحیح کا خاص اہتمام کیا۔

لے ابن ابی العز الحنفی کے حالات میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ شیخ نصیف ۸ جادی الثانی ۱۳۹۱ھ میں عالم جاوہاں کو سدھارے۔

لے آپ ہمارے ایڈیشن کے ص ۷۹ چھٹی سطر کا مقابلہ شیخ احمد شاکر کے مطبوعہ ص ۲۳ سے کریں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ تقریباً ۳ سطریں غائب ہیں نہ تو وہ شیخ احمد شاکر کے نسخہ میں ہیں اور نہ ہی مکہ کے ایڈیشن میں ہیں۔

نیز نصوص کے اثبات میں اصول پر مراجعت کی اور بساط کے مطابق مشکل الفاظ کو ضبط کیا جیسا کہ ہم نے اس نسخہ کے متن کا کثیر مخطوطوں سے مقابلہ کیا چنانچہ ہمارے جلیل القدر استاد محدث شیخ محمد ناصر الدین البانی نے اس کی احادیث کی تخریج کی اس سال انہوں نے تخریج پر نظر ثانی کی جس سے ہمارے ایڈیشن خوبصورتی اور افادیت کے لحاظ سے سبقت لے گیا۔

ہمارے اس ایڈیشن کے دوسرے ایڈیشنوں سے مقابلہ کرنے اور طباعت کے لئے تیار کرنے نصوص کی تحقیق کرنے الفاظ کے ضبط کرنے کا کام شیخ عبد الرحمن البانی، شیخ دحبی سلیمان غاوجی، شیخ سعید طنطاوی، شیخ شعیب ارناؤط شیخ عبد القادر ارناؤط جیسے فاضل اساتذہ نے سرانجام دیا۔

چنانچہ علماء نے ہمارے اس ایڈیشن کو شرف قبول بخشا اس کے ساتھ ساتھ ریاضی کے کالجوں اور مدارس میں اس کی تدریس کا اہتمام کیا گیا اسی طرح مفتی اعظم جلیل القدر استاد شیخ محمد بن اسماعیل رحمہ اللہ نے اس کتاب کو مدینہ یونیورسٹی میں شامل نصاب کیا۔

بنداد کے کیتہ الدرسات اسلامیہ میں اس کی تدریس کا اہتمام کیا گیا پھر ہماری اجازت سے اس کا اختصار کیا گیا اسی طرح جامعہ دمشق کیتہ الشریعہ ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی نے جو اس دوران کیتہ الشریعہ کے عہدہ تھے، اس کو مراجع کی کتابوں میں شامل کرتے ہوئے اس کی افادیت کو ثابت کیا اور اسے قابل اعتماد سمجھا۔

یہ ایڈیشن آفٹ طباعت والا تھا ہم نے مجبوراً ان کلمات اور سطروں کو استدراک کے نام سے شامل کیا جو غلط تحریر ہو گئے تھے اور ہم ان کی تصحیح نہ کر سکے تھے قارئین سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ کتاب کے آخر میں ملحقہ استدراک سے غلط الفاظ کی تصحیح کر لیں ہم اس پر مخدیت خواہ ہیں اور شکریہ ادا کرتے ہیں۔

ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمارے اس عمل کو خالص نوحہ اللہ کرے اور ہمارا یہ عمل اس کی رضا کا باعث ہو اور جن لوگوں نے اس کی اشاعت میں مساعدت کی ہے ان کو جزائے غیر عطا فرمائے والحمد لله رب العالمین۔

زہیر شاویش

بیروت ۲۵ شعبان ۱۴۱۱ھ



عقیدہ طحاویہ کے مؤلف امام طحاوی کے حالات

۳۶

نام: احمد بن محمد بن سلام بن سلمہ بن عبد الملک بن سلمہ بن سلیم بن سلیمان بن جواد الازدی الطحاوی
کنیت: ابو جعفر نسبت طحاوی مصر کے میدانی علاقہ میں ایک بستی کی طرف ہے۔
امام، محدث، فقیہ، حافظ تھے۔

ولادت سن ۲۳۹ھ جب سن شعور کو پہنچے تو طلب علم کے لیے مصر روانہ ہوئے، اور
ماموں اسماعیل بن یحییٰ مزنی سے (جو امام شافعی کے تلامذہ میں سربراہ درودہ فقیہ تھے) تحصیل علم
کیا۔ وہاں رہتے ہوئے جب فقہی مسائل کا سلسلہ وسیع ہوتا گیا تو وہ بہت سے فقہی مسائل کے حل
میں حیران و متشدد رہتے۔ ان کے ماموں ان کا تسلی بخش جواب دینے کی صلاحیت نہ رکھتے تھے
وہ شدید علمی تشنگی سے پریشان تھے۔ وہ براہ راست انتظار میں تھے کہ ان مسائل کا خاطر خواہ حل ان
کے ماموں کیا پیش کرتے ہیں؟ ان کے سامنے جو مسائل تھے ان کے جواب کے لیے وہ امام ابو حنیفہ
کے شاگردوں کی کتابوں کے مطالعہ میں مشغول ہو گئے۔ چنانچہ اکثر مسائل میں امام ابو حنیفہ کے مذہب
کو اختیار فرماتے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے مختصر مزنی میں ان منتخب مسائل کو درج فرمایا۔

نتیجتاً اس کے بعد انہوں نے امام ابو حنیفہ کے شاگردوں کی کتابوں کی مدق گردانی شروع
کی۔ اصول و فروع میں ان کے نقطہ نظر کا جائزہ لیا۔ جب انہیں امام ابو حنیفہ کے مذہب کی
صحیح طور پر معرفت حاصل ہو گئی تو انہوں نے حنفی مذہب اختیار کر لیا۔ اور وہ امام ابو حنیفہ
کے پیروکاروں کے زمرہ میں داخل ہو گئے۔ لیکن ان کی اقتدار کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ امام
امام ابو حنیفہ کے تمام اقوال کو صحیح سمجھنے لگے تھے۔ بلکہ بعض اوقات ان کے قول کو چھوڑ کر ان
کے مخالف امام کے قول کو ترجیح دیتے۔ اس لیے کہ وہ امام ابو حنیفہ کے مقلد نہ تھے۔ صرف
ان کا نظریہ تھا کہ فقہ میں امام ابو حنیفہ کا منہج دیگر فقہاء کے منہج سے عمدہ ہے۔ اس لیے
اس پر رواں دواں رہے اور اس کی اقتدار کرتے رہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ معانی الآثار
میں ان اقوال کو بھی ترجیح دیتے ہیں جو امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب نہیں ہیں۔ ہماری تائید
ابن زولاق کے قول سے بھی ہمد ہی ہے۔ اس نے بیان کیا میں نے ابو الحسن علی بن ابی جعفر
طحاوی سے سنا اس نے کہا میں نے اپنے باپ سے سنا۔ وہ ابو حنیفہ حنبلیہ اور اس کی فقہ

کے فضائل بیان کرتے تھے۔ انہوں نے مسائل میں عجب سے مذاکرہ کیا۔ ایک دن میں نے ایک مسئلہ کا جواب دیا۔ اس نے کہا ابو حنیفہ کا یہ قول نہیں ہے۔ میں نے جواباً کہا کیا جو کچھ امام ابو حنیفہ نے کہا میں وہی کچھ کہوں۔

اس نے کہا میرے خیال میں آپ مقلد ہیں۔ میں نے جواباً کہا تقلید تو معتصب کرتا ہے اس نے کیا کند ذہن کرتا ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد مصر میں یہ قول ضرب المثل بن گیا اور لوگوں نے اس کو محفوظ کر لیا۔

کثیر تعداد میں شیوخ سے تحصیل علم کیا۔ اور استفادہ کیا۔ ان کی تعداد تین صد سے زیادہ ہوگی۔ ان کا معمول تھا کہ جو اہل علم اطراف و اکناف سے مصر میں وارد ہوئے ان کی صحبت اختیار کرتے یہاں تک کہ ان کے معلومات سے بہرہ ور ہوتے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ علوم کی تحصیل میں کس قدر توجہ اور انہماک رکھتے تھے۔ اور کتنے حریص تھے۔ منہج و اہل علم نے ان کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ ثقہ، فقیہ، پختہ کار دین کے حافظ تھے۔ فقہ و حدیث میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ علامہ طحاوی ثقہ، قابلِ اعتماد، فقیہ عالم تھے۔ انہوں نے اپنے پیچھے

ابن یونس کا قول

اپنا مثل نہیں چھوڑا۔

امام ذہبی تاریخ کبیر میں فرماتے ہیں کہ علامہ طحاوی، فقیہ، محدث، حافظ اور بزرگ مقام پر فائز تھے۔ وہ علم و ادب میں ثقہ قابلِ اعتماد فقیہ مآثرِ انسان تھے۔

ذہبی کا قول

ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں فرماتے ہیں۔ ان کا شمار قابلِ اعتماد، حفاظ اور سجدار لوگوں میں ہوتا ہے۔

ابن کثیر کا قول

تصانیف امام طحاوی (۱) العقیدۃ الطحاویہ: یہ وہ کتاب ہے جس کو اس کی شرح کے ساتھ عمدہ طباعت سے مزین کر کے قارئین کی خدمت میں پیش

تصانیف امام طحاوی

کر رہے ہیں۔ اگرچہ اس کا حجم کم ہے لیکن فوائد بہت ہیں۔ انداز سلفی ہے۔ عقیدہ کے لحاظ سے ایک مسلمان کو جتنے مسائل کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ تمام مسائل اس میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔

(۲) معانی الآثار: اس میں فقہی مباحث دلائل کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں۔ دورانِ مباحث

سلفیہ واقعہ لسان المیزان میں مؤلف کے حالات میں موجود ہے۔

اختلافی مسائل بھی آگئے ہیں۔ دلائل ان پر تعاقب مناقشہ بعد ازاں جس کو صحیح سمجھا گیا۔ اس کو ترجیح دی گئی۔ یہ کتاب طالب علم کو فقہ کے مسائل میں پختہ کار بنا دیتی ہے اور اختلاف کی موردوں سے آگاہی بخشتی ہے۔ اس لیے استنباط کا ملکہ پیدا ہوتا ہے اور شخصیت میں نکھار آتا ہے۔

(۳) مشکل الآثار: اس کتاب میں تغلا کی نفی ہے اور اس سے احکام کا استنباط ہوتا ہے۔ (۴) احکام القرآن (۵) المختصر (۶) شرح الجامع الکبیر (۷) شرح الجامع الصغیر (۸) کتاب الشوط (۹) النواذر الفقہیہ (۱۰) الرد علی ابی عبیدہ (۱۱) الرد علی عیسیٰ بن ابان کے علاوہ بھی عظیم الشان قابل اعتماد تصانیف ہیں۔

وفات: چار ذوالقعدہ جمعرات کی رات ۳۲۱ھ میں مصر میں فوت ہوئے۔ اور فرافہ میں دفن ہوئے۔



لے کتاب سات ضخیم جلدات میں ہے ترک میں مکتبہ فیض الشیخ الاسلام میں محفوظ ہے۔ اس کے چار اجزاء حیدرآباد میں طبع ہو چکے ہیں جس کو نصف کتاب نہیں کہا جاسکتا۔ کتاب عظیم الشان کثیر منفعت والی ہے۔ ان کا انداز یہ ہے کہ جو احادیث شہادت النظر میں متضاد دکھائی دیتی ہیں۔ ان کو ذکر کرتے ہیں بعد ازاں ان میں تعارض کو نہایت افسوس کے انداز میں دور فرماتے ہیں جس سے ایک نصاب پسند مومن خوشی سے جھومنے لگتا ہے۔

مقدمہ

از علامه محمد ناصر الدین البانی (حفظہ اللہ)

بسم الله الرحمن الرحيم الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على نبينا محمد سيد المرسلين وخاتمة النبيين
وعلى آله الطاهرين واصحابه الطيبين ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين
اما بعد: الله تبارك وتعالى نے فاضل دوست استاذ زہیر شادیش کو توفیق عطا کی کہ انہوں نے
شرح عقیدہ طحاویہ جیسی عظیم کتاب کا جو کھانا ایڈیشن طبع کرائے کا غرم باجرم کیا تو میں نے محسوس کیا کہ احادیث
کی تخریج پر نظر ثانی ہو جائے اور جہاں کہیں تشکی محسوس ہو رہی ہے یا سوہو ہوا ہے وہاں تحقیق کے ذریعوں
کو بروئے کار لاکر مناسب اضافہ کیا جائے اور اب کی بار پہلے سے بھی زیادہ کوشش اور عمدہ ترتیب کے
ساتھ پیش کیا جائے۔ اس لئے کہ پہلی بار تخریج کا عمل جلدی کا اتفاق نہ تھا نتیجہ مراجع مصادد کی
کتابوں کی طرف مراجعت کے بغیر ہی یہ عمل تکمیل پذیر ہو گیا تھا کہیں کہیں مراجعت کا عمل کیا گیا تھا اور
پھر نظر ثانی بھی نہ کر سکا تھا اس لئے کہ ان دنوں رافضی الحروف سفر میں تھا اور مکتب اس کی جلد اشاعت
چاہتا تھا۔

اس کے بعد تیسرے ایڈیشن میں بھی چند مفید معلومات کا اضافہ کیا جتا پھر فاضل دوست زہیر شادیش شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے تیسرے ایڈیشن کے ساتھ اس کو شامل اشاعت کیا اس سے وہ اہل علم بخوبی واقف ہیں جن کے پاس اس ایڈیشن کا کوئی نسخہ موجود ہے یا میں نے جن کی خدمت میں لگ مقدمہ ارسال کیا۔

تخریج کا نیا انداز | ان دلائل شرع عقیدہ و طحاویہ میں ذکر کردہ ان احادیث کی جو بخاری، مسلم میں ہیں یا ان میں سے ایک میں ہیں، تخریج کا نیا انداز اختیار کیا گیا۔
در اصل اکثر تالیفات اور تخریجات میں میرا یہی طریقہ رہا ہے کہ اولاً حدیث کا مرتبہ تحقیقی انداز میں بیان کیا جائے خواہ وہ حدیث بخاری، مسلم کی روایات سے ہو یا ان میں سے ایک کی روایات سے ہو مثلاً اولاً یہ کہتا ہوں حدیث صحیح ہے اسکے بعد بیان کرتا ہوں کہ وہ بخاری، مسلم میں ہے یا صرف بخاری کی روایت کہتا ہوں کہ حدیث صحیح ہے بخاری میں مروی ہے یا صحیح ہے مسلم میں مروی ہے یا صحیح ہے بخاری، مسلم کا یہ انداز تمام احادیث میں اس طرح نہیں ہے۔

اعتراض

میرے اس جدید انداز پر بعض حلقوں کی جانب سے اعتراض کیا گیا خاص طور پر مراحت کو محل نظر قرار دیا گیا۔ اس بنا پر میں نے مزوری سمجھا کہ اس اشکال کا جواب دیا جائے چنانچہ اشارہ تھا تو اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اب تفصیل ملاحظہ کریں۔

تفصیلی جواب

معزز قارئین ملاحظہ فرمائیے کہ وہ احادیث جو بخاری، مسلم یا دیگر کثرت منسوب ہیں ان میں سے اکثر کے بارے میں کبھی ہم نے لفظ صحیح کا استعمال کیا اور کبھی صحیح متفق علیہ اور کبھی صحیح رواہ البخاری اور کبھی صحیح رواہ مسلم کہا اور یہ ہم نے وہاں کہا ہے جہاں شرح عقیدہ مطاویر میں ذکر کردہ حدیث کی تخریج شارح نے نہیں کی ہے پس ہم معترضین کے اعتراض کو واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کے نزدیک ہمارا صحیح متفق علیہ وغیرہ کو جمع کر کے کہنا غیر معروف اصطلاح ہے نیز اس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ صحیحین میں مروی احادیث سنن کی کتابوں وغیرہ کی روایات جیسی ہیں جن میں صحیح ضعیف احادیث ملی جلی ہیں صرف صحیح کو الگ ذکر نہیں کیا گیا ہے اس وہم کو دور کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ اس جدید اصطلاح کا سبب ہمارا نزدیک صرف یہ ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ نہایت مختصر انداز سے قارئین کو حدیث کے مرتبہ سے آگاہ کریں مثلاً ہمارا نزدیک جو حدیث صحیح ہے ہم اس کو بیان کر کے صحیح کہتے ہیں خواہ وہ حدیث بخاری، مسلم کی ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ ہم نے اس کا ذکر کیا وگرنہ ماضی و کلا ہمارا ہرگز یہ مقصد نہیں ہے کہ صحیحین کی احادیث کو سنن کی احادیث کے برابر کہتے ہیں جیسا کہ بعض لوگوں نے ہمارا بارے میں اس غلط موقف کا ذکر کیا ہے۔

صحیحین کا مقام

صحیحین کو کیسے سنن کے مقام پر رکھا جاسکتا ہے جب کہ تمام علماء امامت اسلامیہ محدثین وغیرہ کا اس پر اتفاق ہے کہ کتاب اللہ کے بعد تمام کتابوں سے زیادہ صحیح مقام صحیحین کا ہے ان دونوں کو دیگر حدیث کی کتابوں پر اختیار حاصل ہے ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے مؤلفین نے مضبوط قواعد و شرائط کی روشنی میں صرف اصح احادیث کا ذکر کیا ہے احادیث ضعیفہ منکرہ کوالفحاشیات نہیں سمجھا اس کام کے لئے انہیں غیر معمولی توفیق لازمی حاصل تھی جب کہ ان کے بعد کسی شخص نے بھی صحیح احادیث جمع کرنے کی کوشش کی اسے ان عظیم توفیق حاصل نہ ہو سکی مثلاً ابن خزمہ، ابن حبان، حاکم جیسے محدثین کی کدو کاوشیں ہمارے سامنے ہیں۔

لیکن صحیحین کے بارے میں صرف عام میں یہ قول کتنا مشہور ہے کہ جس حدیث کو بخاری، مسلم نے یا ان میں سے ایک نے صحیحین میں ذکر کیا اس کے بارے میں تحقیق کی ضرورت نہیں اس کی صحت میں کچھ شک و شبہ نہیں اور تحقیق یہی ہے تاہم اس کا یہ مطلب نہیں کہ صحیحین میں ذکر کردہ ہر حرف، لفظ، نکتہ ان کلمات کے درجہ میں ہے جو قرآن پاک میں ہیں کہ اس میں کسی راوی کی طرف سے وہم اور غلطی نہیں ہے ہم اللہ کی کتاب کے بعد ہرگز کسی کتاب کی معصومیت

کا اعتقاد نہیں رکھتے چنانچہ امام شافعی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ انکار کرنے ہیں کہ اس کی کتاب کے علاوہ کوئی کتاب
..... کامل ہو پھر یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ اہل علم جنہوں نے بخاری، مسلم کا تعصب سے بالاتر ہو کر
فہم و تدبر کے ساتھ جدید علمی قواعد کی روشنی میں شخصی خواہشات بغیر اسلامی ثقافت سے متاثر ہوئے بغیر مطالبہ
کیا ہے اس کا دعویٰ کریں۔

وضاحت کے لئے ایک مثال | بخاری، مسلم میں الگ الگ اسانید کے ساتھ ابن عباس سے
ایک حدیث مروی ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جیمونہ
سے نکاح کیا تو اس وقت آپ محرم تھے حالانکہ یقینی بات یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جیمونہ سے
نکاح کیا تو اس وقت آپ محرم نہ تھے جیمونہ سے بھی اسی طرح منقول ہے اسی لئے علامہ محمد بن عبد اللہ
نتیجہ المتحققین ۲/۱۰۴ پر ابن عباس کی مروی حدیث کا ذکر کر کے لکھتے ہیں یہ دیگر اغلاط کی طرح ایک
غلط بات ہے جو صحیح بخاری میں ہے جب کہ جیمونہ خود اپنے بارے میں کہتی ہیں کہ میرا نکاح بحالت احرام نہیں ہوا
اور ہر انسان اپنے بارے میں دوسروں سے زیادہ جانتا ہوتا ہے۔ مزید معلومات کے لئے اردو اور انجیلیں
فی تخریج احادیث شناد السبیل حدیث (۱۰۲۱) کا مطالعہ کریں۔ اس کا مطالعہ کریں۔ اس کا مطالعہ کریں۔ اس کا مطالعہ کریں۔
ہو جاتا چاہیے کھائیگی اس کے باوجود ان دونوں میرے علم میں یہ بات لائی گئی ہے کہ اہل سنت والجماعت
کے عقائد سے منحرف متعصب اصناف میں سے ایک ایسے شخص نے (جو سعودی حکومت کے بعض علمی اداروں
میں بطور مدرس متعین ہیں) حکومت کے سرکاری عہدوں پر فائز ذمہ دار لوگوں کی جانب تفصیل کے ساتھ میری
مخالفت کرتے ہوئے تخریج کے کام کی قدر و قیمت کو گھٹا دیا ہے اور میری جانب ایسی ایسی باتیں منسوب کی
ہیں جو کبھی میرے وہم و گمان میں بھی نہیں آئیں، میں چاہتا ہوں کہ مختصراً ان کا تذکرہ کروں پھر انکا لو کروں ان
کی جانب سے میری مخالفت میں پانچ اعتراضات پیش کئے جاتے ہیں۔

پہلا اعتراض | جس حدیث کے بارے میں شارح نے کہا ہے کہ وہ حدیث بخاری، مسلم میں ہے یا ان
میں سے ایک میں ہے اس حدیث کے بارے میں کبھی تو میرا صحیح کہنا اور کبھی یہ کہنا کہ
حدیث صحیح ہے، مسلم نے روایت کیا یا حدیث صحیح ہے اس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا۔ اور کبھی ان
تمام کے بارے میں صحیح نہ کہنا میرے اس انداز سے میرے مخالف نے جو شدید متعصب ہے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ
بخاری، مسلم یا صرف بخاری یا صرف مسلم کی جن روایات کے بارے میں صحیح نہیں کہا تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ
اس حدیث کے بارے میں توقع اختیار کیا جائے غور و فکر کے ساتھ مراجعت کے بعد اس پر حکم لگایا جائے تو یہ
ایک ایسی صورت ہے جس کا ذکر متقدمین متاخرین سے نہیں ہے۔

دوسرا اعتراض

بعض احادیث اور آثار میں میرا کہنا کہ میں اس کی معرفت نہیں رکھتا اس پر میرا مخالف اعتراض کرتے ہوئے کہتا ہے اس سے کیا فرق پڑتا ہے اگر علامہ البانی کو اس حدیث کی معرفت نہیں ہے جب کہ شارح اور دیگر اہل علم کو اس کی معرفت حاصل ہے، نیز میرے مخالف نے ابن مسعود کے اثر میں وہ شخص ہلاک ہو گیا جو ایسا دل نہیں رکھتا جس کے ساتھ معروف اور منکر کو معلوم کر سکے۔ میں نے کہا ہے کہ مجھے اس کی معرفت نہیں تو اس پر میرا مخالف کہتا ہے میں معلوم اس کا مقصد یہ ہے کہ معروف کو منکر سے الگ نہیں کر سکتا یا ابی مسعود کے کلام کی معرفت نہیں رکھتا۔

تیسرا اعتراض

شارح نے ایک حدیث صحیح کو صحیح کہا اس پر میں نے کہا کہ اس حدیث کو کسی صحیح احادیث روایت کرنے والوں نے ذکر نہیں کیا اس سے مراد بخاری، مسلم ہیں۔

چوتھا اعتراض

ایک حدیث کے بارے میں علامہ البانی نے کہا کہ جہاں تک میری معلومات ہیں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ کتب سنت میں موجود نہیں ہے اور میں اس حدیث کو مؤلف کا دہم سمجھتا ہوں اس پر بعض تفصیح بیان کرنے والوں نے کہا کہ یہ حدیث تفسیر ترمذی میں موجود ہے نیز ابی جبر نے بھی اس کو ذکر کیا ہے جیسا کہ مکتب اسلامی کے بعض تفصیح کرنے والوں نے بھی اس پر متنبہ کیا ہے، نیز جس حدیث کی علامہ البانی نے نفی کی ہے وہ مشکوٰۃ المصابیح رقم ۲۳۴ میں مذکور ہے۔

پانچواں اعتراض

اس عادیٹی و لیا الحدیث کے بارے میں میرے قول پر اعتراض کیا ہے جب کہ میں نے اس کے بارے میں کہا کہ اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا، اس کی سند میں ضعف ہے البتہ اس کے طرق ہیں جن کی بناء پر حدیث کو قوت حاصل ہو گئی ہے اور اس وقت تک نہ تو میں اس کا نتیجہ کر سکا ہوں اور نہ اس کی تحقیق کر سکا ہوں۔

درج بالا چند اہم اعتراضات ہیں جو کہ علامہ ابو غندہ کی جانب سے میرے خلاف پیش کئے گئے ہیں ان کے علاوہ اور بھی اشکالات پیش کئے جاتے ہیں لیکن وہ اس لائق نہیں کہ ان کا ذکر کیا جائے بنا بریں انہیں حدیث کر دیا گیا ہے۔ جن اہل علم کے سامنے شرع عقیدہ طحاوی کے تیسرے ایڈیشن کا مقدمہ نہیں ہے ممکن ہے وہ لوگ علامہ ابو غندہ کے اعتراضات کو کسی حد تک حق بجا نب سمجھیں اس لئے میں نے ضروری سمجھا کہ علامہ ابو غندہ کی کذب بیانی اور طبع سازی کا پردہ چاک کروں اور اہل علم کو مطلع کروں کہ وہ کس قدر حق و انصاف کے داہ سے دور کل گیا ہے اور اس نے دیدہ و دبیری سے کس طرح ان لوگوں سے حقائق پر پردہ پوشی کرنے کی کوشش کی ہے جن کے سامنے اس نے اپنا وضاحتی بیان پیش کیا ہے اور تخریج کے مسئلہ میں تاواطی و تشیع کا باز اگر مکر رکھا ہے وہ جہالت کی افتاء گمراہیوں میں گر چکا ہے جہاں روشنی کی کوئی کرن موجود نہیں اب

پہلے اعتراض کا جواب | بخاری اسلم کی حدیث یا ان میں سے کسی ایک کی حدیث کے پلوسے میں میرا کہنا کہ یہ حدیث صحیح ہے اس کا جواب بطریقہ مقدمہ میں دیا جا چکا ہے کہ

توفیقِ خداوندی کے شامل حال ہونے کی صورت میں اس کی وضاحت ضروری سمجھنا ہوں کہ ابو غندہ نے جو جواب ذکر کیا ہے وہ محض ان کی اپنی اختراع ہے اولاً غیر تحقیقی ہے اس لئے کہ جو شخص صحیح حدیث شریف کے علم سے معمولی سا شغف رکھتا ہے وہ بدابھٹا جانتا ہے کہ کسی حدیث کے بارے میں محدث کا کہنا کہ اس کو بخاری مسلم نے ذکر کیا یا ان میں سے ایک نے ذکر کیا اس ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ وہ حدیث صحیح ہے اولاً جب کہیں کوئی محدث کسی حدیث کے بارے میں صحیح اس کو بخاری مسلم نے روایت کیا یا صحیح اس کو بخاری مسلم نے روایت کیا یا صحیح اس کو مسلم نے روایت کیا کہتا ہے تو اس کا مقصد محض یہ ہوتا ہے کہ اس کی صحت کو مزید پختہ بنائے اور وضاحت کرے لہذا اگر کوئی محدث کسی حدیث کے بارے میں کہتا ہے کہ اس کو بخاری مسلم نے روایت کیا اور صحیح نہیں کہتا تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ حدیث صحیح نہیں ہے خلاصہ یہ ہے کہ بیان اول تعبیر میں تو اختلاف ہے لیکن معنی میں اتحاد ہے پس تعبیر کے اس اختلاف سے کوئی اعتراض پیدا ہوا ہے یا نہیں لیکن ابو غندہ کم علی اور کوتاہ فہمی سے اگر ان کی نسبت درست ہے تبت میں فساد نہیں تو خواہ مخواہ پھر وہ اعتراض کی شکل پیدا کر رہے ہیں میرے اس ادعا پر ان کے اپنے اقوال دال ہیں جن کے بارے میں ہم پورے

موضوع بچاؤ کے ساتھ جواب دیں گے ان کے بارے میں میرا یہ کہنا کہ ان کے پیدا کردہ اعتراضات ان کی جمالت پر مبنی ہیں، اس لئے ہے کہ اس قسم کے انسان پر ایسی باتوں کا حقیقی ہونا کچھ بعید نہیں اس لئے کہ تقلید جامد جس نے ان کے دل کو زنگ آلود کر دیا ہے وہ اس لائق نہیں کہ ان میں اتنی روشنی ہے کہ وہ ان حقائق سے بہرہ ور ہو سکے جو صاحب عقل و بعیرت لوگوں کے ہاں بالکل ظاہر و باہر ہیں مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے اس کو اس جیسے شیخ مقلد نے اس قسم کے اعتراضات کی تلقین کی ہے یہ لوگ بعیرت سے لکھے ہوئے ہیں بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ وہ اس سے بالکل ناواقف ہے کہ میرے علاوہ بھی اہل علم نے اس انداز کو اپنا یا ہے جب میں کسی حدیث کے بارے میں ذکر کرتا ہوں حدیث صحیح ہے، اس کو بخاری، مسلم نے روایت کیا کہ یہ خاص میرا انداز ہے مجھ سے پہلے کسی نے یہ انداز اختیار نہیں کیا ورنہ وہ نہ تو انکار کرتے اور نہ مجھ پر افترا باندھتے کہ جب میں بخاری، مسلم کی کسی حدیث کے بارے میں کہتا ہوں کہ اس کو بخاری، مسلم نے روایت کیا تو مجھے اس کی صحت کے بارے میں توقف ہے یہ اس کا خیال ہے کہ مجھ سے قبل اہل علم نے یہ انداز نہیں اپنایا اور یہ بھی اس کا باطل خیال ہے کہ میں نے ایسی چیز پیش کر دی ہے جس کو میرے علاوہ متقدمین متاخرین میں سے کسی نے نہیں اپنایا۔

مجھ سے قبل یہ انداز شیخ الاسلام محی السنۃ ابو محمد حسین بن مسعود فراء بغوی نے بھی اختیار کیا جن کا شمار مشہور ائمہ حدیث میں ہوتا ہے جو شرح السنۃ کے مؤلف ہیں جن کی طباعت کا پہلی بار مکتب اسلامی خدیوہ اٹلیا چنابچہ علامہ بغوی نے اس کتاب میں وہی انداز اختیار کیا ہے جو میں نے شرح عقیدہ طحاوی کی تخریج میں اختیار کیا ہے علامہ بغوی کہیں تو حدیث کی نسبت شیخین کی طرف اور کہیں ان میں سے ایک کی طرف کرتے ہیں اور کہیں اس تخریج کے ساتھ ساتھ صراحتاً صحیح کا لفظ بھی لیتے ہیں اور کہیں صحیح کا لفظ نہیں لیتے البتہ جو ہمارے طوائف ناجائز طور پر برسرِ پیکار ہیں انہیں بھی اس کے بارے میں کچھ شبہ نہیں بنا بریں ان سے اس کی اشد بیان کر کے وفاق سیاہ کرنے سے کچھ فائدہ نہیں جب کہ ان کے ہاں تو دو سرا انداز بالکل درست ہمیں کہ حدیث کو بخاری، مسلم یا ان میں سے ایک کی طرف منسوب کرنا اور پھر اس پر صحت کا صراحتاً حکم لگانا چنابچہ ہم شرح السنۃ سے اس کی چند امثلہ پیش کرتے ہیں تاکہ ابو غندہ جیسے متعصب لوگ شاید اپنی کج روی اور گمراہی سے باہر نکل آئیں۔

شرح السنۃ کی پہلی جلد سے چند امثلہ احادیث کی نوعیت بیان کرتے ہوئے ان کے قریب شام کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

پہلی مثال۔ علامہ بغوی نے حدیث ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲ کے بیان کرنے کے بعد کہا ہے حدیث کی صحت پر بخاری، مسلم کا اتفاق ہے اور حدیث صحیح ہے اور حدیث ۱۵۴ کے بارے میں صحیح کہا۔ نیز بخاری، مسلم نے

۱۵ اب ہم اس کتاب کے پانچ اجزاء استاد شعیب ارناؤط اور دھیر شادیش کی تحقیق سے طبع ہو چکے ہیں ۱۶

اور کہیں نہیں بھی کیا تو کیا ابو غندہ جیسے متعصب انسان کے نزدیک امام بغوی بھی اس حدیث کے بارے میں توقف اختیار کئے ہوئے ہیں جس کے بعد وہ لفظ صحیح ذکر نہیں کرتے۔

ابو غندہ نے اپنے تعصب کا مظاہرہ کرتے ہوئے سہو الزمات مجھ پر عائد کئے ہیں قارئین کو ان الزامات کے بطلان پر مزید معلومات پیش کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ ابو غندہ کا یہ کہنا کہ حجتی احادیث کو شارح نے یا میں نے بخاری، مسلم یا ان میں سے ایک کی طرف منسوب کیا ہے اور ان احادیث کے بعد میں نے صحیح کا لفظ ذکر نہیں کیا وہ احادیث ان سے زیادہ ہیں جہاں میں نے صحیح کا لفظ استعمال کیا اگر ان کی یہ بات درست تسلیم کر لی جائے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ کتاب میں جو احادیث بخاری، مسلم یا ان میں سے ایک کی جانب منسوب ہیں ان میں اکثر احادیث کے بارے میں البانی نے توقف اختیار کیا ہے مزید غور و فکر اور مراجعت کے بعد ان کے بارے میں فیصلہ ہو گا اگر میں نے یہ بات کہی ہوئی تو وہ تمام قارئین علماء و جو میری کتابوں اور تخریج سے واقف ہیں خود میری اس بات کی تکذیب کرتے۔

اب میں قارئین سے استفسار کرتا ہوں کہ ابو غندہ نے میرے خلاف جو الزام لگایا ہے کیا میں نے اس کی ترجمانی غلط تو نہیں کر دی ہے اس کی بات کا صحیح مفہوم اپنے الفاظ میں پیش کیا ہے پس اس الزام کا اس کو خبیثانہ بھگتنا ہو گا بلکہ میرے خلاف عائد کردہ الزام کو باطل کرنے کے لئے وہ وضاحت کافی ہے جو کہ میں نے غیسرے ایڈیشن کے مقدمہ میں کی ہے کہ جس حدیث کو بخاری، مسلم یا ان میں سے ایک نے ذکر کیا ہے وہ حدیث جرح قدح کے دائرہ سے باہر ہے اس کے صحیح ہونے میں کچھ کلام نہیں میرے مخالفت ابو غندہ مجھ پر ناروا حملہ کرنے والے بھی یقیناً اس کا علم رکھتے ہیں البتہ اگر وہ بات جو کبھی میرے خیال میں نہیں آئی اس کو اپنے اجتہاد کے ساتھ اگر وہ اجتہاد کا استحقاق رکھتے ہیں اس صراحت پر مطلع ہونے سے قبل میری طرف منسوب کرنے ہیں تو کسی حد تک ان کے لئے جائز ہے لیکن اس صراحت کے معلوم ہونے کے بعد تو ہرگز جائز نہیں۔ (فاتحہ توفیق جزا ۵)

دوسرے اعتراض کا جواب | بعض احادیث اور آثار میں میرا یہ کہنا کہ مجھے اس کی معرفت نہیں اس کا مطلب اس علم شریف کے طلبہ بھی جانتے ہیں چہ جائیکہ

ابن علم کو معلوم نہ ہو اس کا معنی یہ ہے کہ میں اس کی اسناد کی واقفیت نہیں رکھتا کہ میں اس پر صحت یا ضعف کا حکم لگاؤں بعض علماء اس کی ایک دوسری تعبیر کرتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کو نہیں پایا یا میں نے اس کے اصل کو

نہیں پایا۔ علامہ حلی، عسقلانی وغیرہ نے تخریج کی کتابوں میں کثرت کے ساتھ اس تعبیر کا ذکر کیا ہے۔ علامہ عراقی تخریج الاحیاء الخیر الاول میں دس احادیث سے زیادہ میں (لم أجده) میں نے اس کو نہیں پایا، جملہ استعمال کرتے ہیں طبع سنیہ الدیر کے ذیل کے صفحات ملاحظہ فرمائیں۔ (۶۲، ۸۸، ۱۱۵، ۱۵۷، ۱۵۹، ۱۶۶، ۱۷۰، ۱۸۳، ۱۸۷، ۱۹۲، ۲۹۹، ۳۰۷)

نہیں پایا اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ اس کا اصل نہیں ہے یہ تمام معانی علماء کے ہاں معروف ہیں لیکن آخری معنی بعض محققین کے نزدیک قابلِ تنقید ہے اس لیے کہ یہ معنی مطلق طور پر یہ وہم پیدا کرتا ہے کہ تمام علماء کے نزدیک اس کا اصل نہیں ہے۔ اور اس قسم کا حکم لگانا خاصا دشوار ہے اس سے قبل جو معانی بیان ہوئے ہیں وہ مناسب ہیں۔ ہم نہیں سمجھتے کہ یہ بے دہرہ و متعصب انسان واقعاً جاہل ہے یا کسی مقصد کے پیش نظر تجاہل عارفانہ کر رہا ہے۔

خان کنت لاندردی فتک مصیبتہ وان کنت تندردی المصیبتہ اعظم۔

اگر آپ جہالت کا شکار ہیں تو مصیبت ہے اور اگر جہالت نہیں ہے تو مصیبت عظیم ہے، اغلب خیال یہ ہے کہ اس کا یہ قول جہالت پر ہی مبنی ہے اور تجاہل عارفانہ بھی ہے جہالت پر اس کا پہلے ذکر کر دہ قول دلالت کر رہا ہے کہ کیا ہوا اگر وہ اس سے ناواقف ہے جب کہ شارح یاد دوسرے لوگ اس سے واقف ہیں۔ وضاحت یہ ہے کہ اس نے (لم اعرف) سے منقہ مراد لیا ہے کہ شارح نے منقہ معلوم کر لیا ہے، میں نہیں کر سکا اور میں نے اس سے سند مراد لی ہے جیسا کہ مجھ سے قبل محدثین نے بھی اس سے سند مراد لی ہے پس اگر شارح نے منقہ معلوم کر لیا ہے تو اس سے کیا فائدہ ہے جب کہ اس کو تو ہر شخص جانتا ہے اور اگر غیر متعصب متعصب کا مقصد یہ ہے کہ شارح نے اس کی اسناد کو معلوم کر لیا ہے جب کہ یہ معنی اس کے ظاہر کلام سے بہت بعید ہے تو یہ معنی لینا کیسے ممکن ہو سکتا ہے جب کہ شارح نے اس کی سند ذکر نہیں کی ہے اگر وہ اس کی سند ذکر کرتے تو ہم سند پر خود کر لیتے۔

تجہل عارفانہ توان کے کلام سے واضح ہے جب وہ کہتے ہیں کہ (لا اعرف) کا مطلب یہ تو نہیں کہ وہ معروف کا منکر سے امتیاز کی معرفت نہیں رکھتے جب کہ احادیث کی تخریج کی بحث میں میرے قول کے ساتھ اس بات کا معمولی سا بھی تعلق نہیں ہے تو اس قسم کی سوال آفرینی یقیناً تجاہل عارفانہ اور غلط بحث مقصود ہے تاکہ

اور اتنی ہی احادیث کے بارے میں (لم اجدہ اصلاً) کہ میں نے اس کا اصل نہیں پایا (کہتے ہیں)۔

۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، ۱۵۹۶، ۱۵۹۷، ۱۵۹۸، ۱۵۹۹، ۱۶۰۰، ۱۶۰۱، ۱۶۰۲، ۱۶۰۳، ۱۶۰۴، ۱۶۰۵، ۱۶۰۶، ۱۶۰۷، ۱۶۰۸، ۱۶۰۹، ۱۶۱۰، ۱۶۱۱، ۱۶۱۲، ۱۶۱۳، ۱۶۱۴، ۱۶۱۵، ۱۶۱۶، ۱۶۱۷، ۱۶۱۸، ۱۶۱۹، ۱۶۲۰، ۱۶۲۱، ۱۶۲۲، ۱۶۲۳، ۱۶۲۴، ۱۶۲۵، ۱۶۲۶، ۱۶۲۷، ۱۶۲۸، ۱۶۲۹، ۱۶۳۰، ۱۶۳۱، ۱۶۳۲، ۱۶۳۳، ۱۶۳۴، ۱۶۳۵، ۱۶۳۶، ۱۶۳۷، ۱۶۳۸، ۱۶۳۹، ۱۶۴۰، ۱۶۴۱، ۱۶۴۲، ۱۶۴۳، ۱۶۴۴، ۱۶۴۵، ۱۶۴۶، ۱۶۴۷، ۱۶۴۸، ۱۶۴۹، ۱۶۵۰، ۱۶۵۱، ۱۶۵۲، ۱۶۵۳، ۱۶۵۴، ۱۶۵۵، ۱۶۵۶، ۱۶۵۷، ۱۶۵۸، ۱۶۵۹، ۱۶۶۰، ۱۶۶۱، ۱۶۶۲، ۱۶۶۳، ۱۶۶۴، ۱۶۶۵، ۱۶۶۶، ۱۶۶۷، ۱۶۶۸، ۱۶۶۹، ۱۶۷۰، ۱۶۷۱، ۱۶۷۲، ۱۶۷۳، ۱۶۷۴، ۱۶۷۵، ۱۶۷۶، ۱۶۷۷، ۱۶۷۸، ۱۶۷۹، ۱۶۸۰، ۱۶۸۱، ۱۶۸۲، ۱۶۸۳، ۱۶۸۴، ۱۶۸۵، ۱۶۸۶، ۱۶۸۷، ۱۶۸۸، ۱۶۸۹، ۱۶۹۰، ۱۶۹۱، ۱۶۹۲، ۱۶۹۳، ۱۶۹۴، ۱۶۹۵، ۱۶۹۶، ۱۶۹۷، ۱۶۹۸، ۱۶۹۹، ۱۷۰۰، ۱۷۰۱، ۱۷۰۲، ۱۷۰۳، ۱۷۰۴، ۱۷۰۵، ۱۷۰۶، ۱۷۰۷، ۱۷۰۸، ۱۷۰۹، ۱۷۱۰، ۱۷۱۱، ۱۷۱۲، ۱۷۱۳، ۱۷۱۴، ۱۷۱۵، ۱۷۱۶، ۱۷۱۷، ۱۷۱۸، ۱۷۱۹، ۱۷۲۰، ۱۷۲۱، ۱۷۲۲، ۱۷۲۳، ۱۷۲۴، ۱۷۲۵، ۱۷۲۶، ۱۷۲۷، ۱۷۲۸، ۱۷۲۹، ۱۷۳۰، ۱۷۳۱، ۱۷۳۲، ۱۷۳۳، ۱۷۳۴، ۱۷۳۵، ۱۷۳۶، ۱۷۳۷، ۱۷۳۸، ۱۷۳۹، ۱۷۴۰، ۱۷۴۱، ۱۷۴۲، ۱۷۴۳، ۱۷۴۴، ۱۷۴۵، ۱۷۴۶، ۱۷۴۷، ۱۷۴۸، ۱۷۴۹، ۱۷۵۰، ۱۷۵۱، ۱۷۵۲، ۱۷۵۳، ۱۷۵۴، ۱۷۵۵، ۱۷۵۶، ۱۷۵۷، ۱۷۵۸، ۱۷۵۹، ۱۷۶۰، ۱۷۶۱، ۱۷۶۲، ۱۷۶۳، ۱۷۶۴، ۱۷۶۵، ۱۷۶۶، ۱۷۶۷، ۱۷۶۸، ۱۷۶۹، ۱۷۷۰، ۱۷۷۱، ۱۷۷۲، ۱۷۷۳، ۱۷۷۴، ۱۷۷۵، ۱۷۷۶، ۱۷۷۷، ۱۷۷۸، ۱۷۷۹، ۱۷۸۰، ۱۷۸۱، ۱۷۸۲، ۱۷۸۳، ۱۷۸۴، ۱۷۸۵، ۱۷۸۶، ۱۷۸۷، ۱۷۸۸، ۱۷۸۹، ۱۷۹۰، ۱۷۹۱، ۱۷۹۲، ۱۷۹۳، ۱۷۹۴، ۱۷۹۵، ۱۷۹۶، ۱۷۹۷، ۱۷۹۸، ۱۷۹۹، ۱۸۰۰، ۱۸۰۱، ۱۸۰۲، ۱۸۰۳، ۱۸۰۴، ۱۸۰۵، ۱۸۰۶، ۱۸۰۷، ۱۸۰۸، ۱۸۰۹، ۱۸۱۰، ۱۸۱۱، ۱۸۱۲، ۱۸۱۳، ۱۸۱۴، ۱۸۱۵، ۱۸۱۶، ۱۸۱۷، ۱۸۱۸، ۱۸۱۹، ۱۸۲۰، ۱۸۲۱، ۱۸۲۲، ۱۸۲۳، ۱۸۲۴، ۱۸۲۵، ۱۸۲۶، ۱۸۲۷، ۱۸۲۸، ۱۸۲۹، ۱۸۳۰، ۱۸۳۱، ۱۸۳۲، ۱۸۳۳، ۱۸۳۴، ۱۸۳۵، ۱۸۳۶، ۱۸۳۷، ۱۸۳۸، ۱۸۳۹، ۱۸۴۰، ۱۸۴۱، ۱۸۴۲، ۱۸۴۳، ۱۸۴۴، ۱۸۴۵، ۱۸۴۶، ۱۸۴۷، ۱۸۴۸، ۱۸۴۹، ۱۸۵۰، ۱۸۵۱، ۱۸۵۲، ۱۸۵۳، ۱۸۵۴، ۱۸۵۵، ۱۸۵۶، ۱۸۵۷، ۱۸۵۸، ۱۸۵۹، ۱۸۶۰، ۱۸۶۱، ۱۸۶۲، ۱۸۶۳، ۱۸۶۴، ۱۸۶۵، ۱۸۶۶، ۱۸۶۷، ۱۸۶۸، ۱۸۶۹، ۱۸۷۰، ۱۸۷۱، ۱۸۷۲، ۱۸۷۳، ۱۸۷۴، ۱۸۷۵، ۱۸۷۶، ۱۸۷۷، ۱۸۷۸، ۱۸۷۹، ۱۸۸۰، ۱۸۸۱، ۱۸۸۲، ۱۸۸۳، ۱۸۸۴، ۱۸۸۵، ۱۸۸۶، ۱۸۸۷، ۱۸۸۸، ۱۸۸۹، ۱۸۹۰، ۱۸۹۱، ۱۸۹۲، ۱۸۹۳، ۱۸۹۴، ۱۸۹۵، ۱۸۹۶، ۱۸۹۷، ۱۸۹۸، ۱۸۹۹، ۱۹۰۰، ۱۹۰۱، ۱۹۰۲، ۱۹۰۳، ۱۹۰۴، ۱۹۰۵، ۱۹۰۶، ۱۹۰۷، ۱۹۰۸، ۱۹۰۹، ۱۹۱۰، ۱۹۱۱، ۱۹۱۲، ۱۹۱۳، ۱۹۱۴، ۱۹۱۵، ۱۹۱۶، ۱۹۱۷، ۱۹۱۸، ۱۹۱۹، ۱۹۲۰، ۱۹۲۱، ۱۹۲۲، ۱۹۲۳، ۱۹۲۴، ۱۹۲۵، ۱۹۲۶، ۱۹۲۷، ۱۹۲۸، ۱۹۲۹، ۱۹۳۰، ۱۹۳۱، ۱۹۳۲، ۱۹۳۳، ۱۹۳۴، ۱۹۳۵، ۱۹۳۶، ۱۹۳۷، ۱۹۳۸، ۱۹۳۹، ۱۹۴۰، ۱۹۴۱، ۱۹۴۲، ۱۹۴۳، ۱۹۴۴، ۱۹۴۵، ۱۹۴۶، ۱۹۴۷، ۱۹۴۸، ۱۹۴۹، ۱۹۵۰، ۱۹۵۱، ۱۹۵۲، ۱۹۵۳، ۱۹۵۴، ۱۹۵۵، ۱۹۵۶، ۱۹۵۷، ۱۹۵۸، ۱۹۵۹، ۱۹۶۰، ۱۹۶۱، ۱۹۶۲، ۱۹۶۳، ۱۹۶۴، ۱۹۶۵، ۱۹۶۶، ۱۹۶۷، ۱۹۶۸، ۱۹۶۹، ۱۹۷۰، ۱۹۷۱، ۱۹۷۲، ۱۹۷۳، ۱۹۷۴، ۱۹۷۵، ۱۹۷۶، ۱۹۷۷، ۱۹۷۸، ۱۹۷۹، ۱۹۸۰، ۱۹۸۱، ۱۹۸۲، ۱۹۸۳، ۱۹۸۴، ۱۹۸۵، ۱۹۸۶، ۱۹۸۷، ۱۹۸۸، ۱۹۸۹، ۱۹۹۰، ۱۹۹۱، ۱۹۹۲، ۱۹۹۳، ۱۹۹۴، ۱۹۹۵، ۱۹۹۶، ۱۹۹۷، ۱۹۹۸، ۱۹۹۹، ۲۰۰۰، ۲۰۰۱، ۲۰۰۲، ۲۰۰۳، ۲۰۰۴،

اپنے غصہ کو فرو کر کے اور لوگوں کے سامنے اپنے دل میں چھپے ہوئے حسد اور غیظ و غضب کو غلط انداز میں آشکارا کر کے فرط جہالت سے خود کو کچھ علم نہیں کر زبان سے کیا نکل رہا ہے؟ نسأل اللہ العالیٰ -

ما قبل ذکر کردہ بحث تحریر کرنے کے بعد مجھے ملا علی قاری کی تالیف المصنوع فی احادیث الموضوع دیکھنے کا موقع ملا جو حال ہی میں میرے حریف کی تحقیق اور تعلیق کے ساتھ طبع ہوئی ہے مجھے اس کتاب میں متعدد حدیثیں ایسی دستیاب ہوئیں جن کے بارے میں حافظ سخاوی نے (لا اعرف) کا حملہ استعمال کیا ہے وہ یہ ہیں: (۱) (۷/۱۶۱۲، ۱۶۱۳، ۸۳۱، ۹۸۱، ۱۵۸، ۱۶۳، ۲۰۵، ۲۸۲، ۲۹۴، ۳۰۹، ۳۳۶، ۳۸) - نیز

حافظ ابن حجر سے حدیث (۳۷۳) میں اس کی مثل الفاظ منقول ہیں۔ نیز اس نے حدیث (۲۰۲، ۲۹۷) کے بارے میں غیر معروف الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اس وضاحت کے بعد کیا ان کے قول (لا اعرف) غیر معروف کا مطلب یہ ہے کہ وہ متن حدیث کی معرفت نہیں رکھتے ہیں ہرگز نہیں اس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے جب کہ میرے حریف متعصب الموضوع کے مقدمہ ص ۸ پر (شذرات فی بیان بعض عبارات الخدمین حول الاحادیث الموضوع) کے عنوان کے تحت ذکر کرتے ہیں۔ (۱) کسی حدیث کے بارے میں ان کا کہنا: لا اصل له لا اصل له بهذا اللفظ، لیس له اصل، لا یعرف له اصل، لم یوجد له اصل یا اس قسم کے الفاظ سے مقصود یہ ہے کہ حدیث مذکور کی سند منقول نہیں بعد ازاں ابن تیمیہ سے نقل کیا کہ (لیس له اصل، لا اصل له) سے مقصود یہ ہے کہ اس کی سند نہیں ہے۔

غور کیجئے ان تمام اقوال میں نفی اسناد کی ہے متن کی نہیں ہے جیسا کہ ہمارے حریف نے اس مقام پر اس کا اعتراف کیا ہے معلوم ہوا وہ علم رکھنے کے باوجود تجاہل عارفانہ اختیار کرتے ہوئے مجھ پر تنقید کر رہا ہے جب میں بعض احادیث کے بارے میں (لا اعرف) کے الفاظ ذکر کرتا ہوں، لیکن حریف کا یہ کہنا کیا ہوا جب کہ شارح یا اولو سبک اہل علم اس کی معرفت رکھتے ہیں یعنی سند کا علم شارح اور دیگر اہل علم رکھتے ہیں اس کے بارے میں ہم اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ یہ صرف دعاوی ہیں ارشاد خداوندی ہے۔ نقل حال تو ابرہہ کا کلمہ صادق ہے جس شاعر نے ذیل کا شعر کہا ہے اس پر اللہ کی رحمتیں ہوں سے

والد دعاوی ما لم یقفوا علیہا بدینات ابناء ہا دعیا و -

جن دعویٰ پر تم دلائل نہ پیش کر سکو ان کے نتائج واضح نہیں ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ قاریوں کے افادہ کے لئے مجھے کہنے دیجئے کہ جب ہمارے حریف نے مجھے اپنی تنقید کا نشانہ بنایا تو اس وقت شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا قول ان کے ذہن سے محو ہو گیا ہو گا اس لئے وہ علماء کی کتابوں سے کثرت کے ساتھ نقل کر کے حوالے پیش کرتے ہیں ان کا حال اس شخص کا ہے جو رات کی تاریکی میں ایندھن اکٹھا کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ اکثر اوقات ایسی عبارات نقل کرتے ہیں جو ان کے مقاصد کے مطابق نہیں ہوتیں نتیجہ ضرورت کے وقت اس کا حوالہ ان کے ذہن

میں مستحق نہیں ہوتا جب اس علم کے میدان میں انہیں اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو وہ ان کے ذہن سے بالکل محو ہو چکا ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی تعلیقات میں شدید تناقض موجود ہے بعض مقامات میں جن باتوں کو ثابت کرتے ہیں دیگر مقامات میں ان پر تنقید کرتے ہیں لیکن مقدمہ میں مجھے اس کی تشریح کی ضرورت نہیں ہے میرے سامنے (المصنوع) کی تعلیق سے دو مثالیں ہیں انہیں ذکر کرنا چاہتا ہوں تاکہ ہمارے حربہ کا غلط نقطہ نظر کھل کر سامنے آجائے۔

دو مثالیں | اس تعلیق میں ہمارے حربہ ابو غندہ نے پہلے مذکورہ فقرہ کے بعد کہا ہے کہ (لا اعرف) ، لم اعرف بھی نہ کیا ہو تو ان کی روشنی میں اس حدیث پر موضوع کا حکم لگائی گئی۔

ابو غندہ کا یہ قول صراحتاً غلط ہے نیز اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس علم سے نا آشنا ہے حالانکہ ان جملوں میں جو الفاظ ہیں ان سے وہی معانی مراد لئے جائیں گے جو معانی سابقہ جملوں کے الفاظ سے لئے گئے تھے اس لئے کہ الفاظ میں کچھ فرق نہیں پس جب ان کا ما حاصل یہ تھا کہ ان احادیث کی اسانید نہیں ہیں اسی طرح ان سے بھی وہ احادیث مراد ہیں جن کی اسانید نہیں ہیں معلوم ہوا کہ کسی حدیث کی اسناد کے تخریج کا معلوم نہ ہوتا اس بات کا متقاضی نہیں ہے کہ وہ حدیث موضوع ہے اس لئے کہ موضوع حدیث پر وضع کا حکم یا تو اسناد کے لحاظ سے لگایا جائے گا کہ اس میں کوئی مادی کذاب یا وضاع ہو اور یہاں تو ہمیں اس حدیث کی سند ہی معلوم نہیں یا اس پر وضع کا حکم متن کے لحاظ سے لگایا جائے گا یعنی اس کے متن کا مفہوم قرآن پاک سنت صحیحہ کے خلاف ہے جیسا کہ علم مصطلح الحدیث میں اس کی وضاحت موجود ہے حالانکہ بدیہی طور پر ہم جانتے ہیں کہ ہر وہ حدیث موضوع جس کی سند معلوم نہیں اس کے متن میں کوئی ایسا معنی نہیں ہوتا جو وضع حدیث پر دلالت کرنا ہو جیسا کہ اس معلوم کی طرف علامہ قادری نے مذکورہ کتاب کے ص ۱۳۷ پر اشارہ کیا ہے اگرچہ متعصب لوگ اس کا تعاقب کرنے سے نہیں رکتے جب کہ اس میں محل استشہاد بالاتفاق مسلم ہے یعنی کثیر احادیث ایسی ہیں جن پر وضع کی علامات نہیں ہیں چنانچہ اس کتاب پر علامہ ابو غندہ کی تعلیق بھی اس پر دلالت کناں ہے اس وضاحت کی روشنی میں ابو غندہ کا یہ کہنا کہ کسی حدیث پر کسی حافظ حدیث کا یہ حکم لگانا کہ (میں اس حدیث کی معرفت نہیں رکھتا ہوں) سے مراد یہ ہے کہ اس حدیث پر وضع کا حکم لگایا جائے گا اگرچہ اس شرط کو بھی ملحوظ رکھ لیا جائے جس کا انہوں نے ذکر کیا ہے علامہ یہ ہے کہ محدثین کا کسی حدیث کے بارے میں لا اعرف یا لا اصل لہ کہنا اس بات کا ہرگز متقاضی نہیں کہ وہ حدیث موضوع ہے جب تک کہ وضع پر کوئی قرینہ موجود نہ ہو پس قرینہ کی موجودگی میں اس حدیث کے بعد باطل کا اضافہ کرتے ہیں جیسا کہ حافظ عراقی

مطالب علیہ میں یقینیات کی ضرورت ہے اس لحاظ سے ہم حدیث کی تاویل کریں گے واللہ اعلم۔ اس کج معنی سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو غدہ فن حدیث سے تابلہ ہے بظاہر ابو غدہ نے فلسفیانہ انداز اختیار کیا ہے دراصل وہ اپنے استاد کو ٹھری کی تقلید میں پر سب کچھ کہہ رہا ہے، مثل مشہور ہے ہم بارش سے بچاؤ کے لئے پرتانہ کے نیچے چلے گئے گویا کہ ابو غدہ نے (ان جوانوں کے لئے جنہیں سنت کا علم نہیں) یہ دروازہ کھول کر کہ وہ ہر اس حدیث صحیحہ کو رد کر دیں جو احکام میں وارد نہیں ہے بلکہ معجزات یا آفرینش مخلوقات یا جنت دوزخ کے بارے میں وارد ہے نیز جو غیبی امور میں ہیں ابو غدہ کے خیال میں ان کے اثبات کے لئے احادیث متواترہ کی ضرورت ہے یا کم از کم وہ حدیثیں ہوں جن کو دوسے فائدہ رواۃ بیان کرتے ہیں جنہیں احادیث مشہورہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے یہی وہ حدیث صحیحہ جس میں ثقہ راوی منفر دہ اس کے نزدیک اس کو غیبی امور میں حجت تسلیم نہیں کیا جائے گا پس اس کے خیال کے مطابق اس کی تاویل ضروری ہے مجھے میں معلوم کہ وہ کسی حسین واقعہ کے بارے میں حدیث کی تاویل کیا کرے گا سوائے اس کے کہ وہ اس کے مفہوم کا انکار کرے اور اذیان غیبیہ کے ساتھ اتفاق کرتے ہوئے اسی طرح تاویلات کا دروازہ وا کرے جیسا کہ صفات کی آیات اور احادیث صفات کی تاویلات کی گئی ہیں۔

علامہ ابو غدہ نے اپنے شیخ سے کلام نقل کرنے کے بعد شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے قول کا ذکر کیا ہے کہ جو شخص شیخ ابن تیمیہ کے کلام کا مطالعہ کرے گا وہ اس سموت عنہ حدیث کے بارے میں یقین کے ساتھ موضوع ہونے کا حکم لگائے گا۔

غور کیجئے ابو غدہ نے بحث کے آغاز میں حدیث پر صحت کا حکم لگایا ہے اور غلط پر ایسے الفاظ ذکر کئے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بالآخر اس حدیث کو موضوع قرار دیتے ہیں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اس فن میں ماہر نہیں ہیں اسی لئے وہ کوئی قطعی رائے قائم نہیں کرتے ہیں ابو غدہ کے بارے میں حسن ظن رکھتے ہوئے ہم یہ رائے رکھتے ہیں وگرنہ یہ کتنی غیر معقول حرکت ہے کہ وہ اپنے استاد کو ٹھری کی مخالفت کرتے ہوئے ابن تیمیہ کی رائے کا ذکر کریں جب کہ ان کے استاد کو ٹھری نے ابن تیمیہ کو ہدیت تنقید بناتے ہوئے کہا کہ ان کا وجود تو مسلمانوں کے لئے بہت بڑا مصیبت ہے معلوم ہوتا ہے شیخ ابو غدہ نے دو متناقض اقوال کا اس لئے ذکر کیا ہے تاکہ اس کے لئے دفاع کا میدان وسیع رہے جب دونوں فرقوں کے اعوان و انصار اس سے ایک فرقہ اس کو مناظرہ کی دعوت دے و لہ عاقبتہ الامور (۲۴۲) ابو غدہ جو بر بنائے تعصب غلط انداز اختیار کئے ہوئے ہے وہ چھ پر مذکورہ جرح و قدح کے

ہم اس بحث میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے موقف کو صحیح سمجھتے ہیں جیسا کہ السلسلہ (۹۷۵) میں اس کی وضاحت موجود ہے ۱۲

جب ابوغده نفع کی بنا پر شرح عقیدہ طحاویہ کی تخریج کے سلسلہ میں وہم کی بنا پر ثقہ رواۃ کو حافظہ لاغبار قرار دیتے ہیں تو عقیدہ طحاویہ کے شارح کے بارے میں کسی رائے کا اظہار کریں گے جب کہ اس سے قبل اپنی تقریر کے آغاز میں ان کی عظمت کا اعتراف اور انہیں ثقہ قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ فاریں میں معلوم کریں گے کہ اس کے شارح ثقہ صاحب ضبط ہیں احادیث کے نقل کرنے میں محتاط کار ہیں، اگرچہ شارح کے بارے میں ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ وہ ثقہ صاحب ضبط ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ میں چاہتا ہوں کہ ان ادھام کا ذکر کر دوں جن کا مجھے علم ہوا ہے جب کہ متعقدان پرطن کرنا نہیں ہے زمان کی ثقاہت کی نفی کرنا ہے جیسا کہ ابھی ابھی جو ہم نے ابوغده کے نفع کو آشکارا کرتے ہوئے ان کا رد کیا ہے اس سے بخوبی اس کا اندازہ ہو سکے گا اس کی دو صورتیں ہیں پہلی صورت میں نے شارح کی طرف جن ادھام کو منسوب کیا ہے کیا ابوغده کے ہاں وہ درست ہیں؟ اگر درست ہیں تو کیا ابوغده کے نزدیک شارح باوجود ان ادھام کے ثقاہت اتقان اور ضبط کے اوصاف کے ساتھ موصوف ہیں جیسا کہ وہ ہمارے نزدیک ادھام سے قبل اور بعد اسی طرح صاحب تقان ہیں جیسا کہ ہم پہلے ہی یہ بات ذکر کر کے ہیں کہ معصوم صرف ایک اللہ پاک کی ذات ہے اگر ابوغده اثبات میں جواب دیتے ہیں تو ہم کہیں گے کہ یہ بات ابوغده کے ہاں کیسے درست ہے جب کہ وہ اس کو شخص میں نیز رومی کا مظاہرہ کر

رہے ہیں کثر خرح عطاوید کی احادیث کی تخریج کی ثقافت کو ختم کر دیا جائے صرف اس بنا پر کہ انہیں صرف ایک حدیث کی تخریج کے بارے میں دہم ہو اسے کیا ان کا یہ اندازہ تہہ جہیں دے رہے ہیں کہ وہ ناپ تول کے دو مختلف نژاد اور ہیما نے رکھتے ہیں یا گرمی، سردی کو ایک ہی خط میں جمع کر رہے ہیں اور اگر وہ لٹی میں جواب دیتے ہیں تو پھر عوام کے سامنے وہ تمام چیزیں عیاں ہو جائیں گی جن کو وہ مخفی رکھے ہوئے ہیں اور معلوم ہو جائے گا کہ ان کا ظاہر ان کے باطن کے خلاف ہے، دوسری بات یہ ہے کہ ادھام کے بارے میں جب وہ میرے نقطہ نظر کو غلط قرار دیتے ہیں تو ہم ان سے امید رکھتے ہیں کہ وہ ہماری غلطیوں کو انکسار کریں تاکہ ہم ان سے رجوع کر لیں جیسا کہ ہم نے اس دہم سے رجوع کیا ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اس کا نتیجہ ان کے حق میں بہتر ہو گا لوگ سمجھیں گے کہ البانی صاحب کی بہت غلطیاں ہیں اور کثیر ادھام ہیں یہی تو ابولہ غدہ کا اہم مقصد ہے جس کے لئے وہ ہر وقت کوشاں ہے اس لئے کہ اسی کے خیال میں اس طرح البانی صاحب پر سے لوگوں کا مٹا اعتقاد ختم ہو جائے گا اس وضاحت کے بعد ہم ان ادھام کو خطوط طریقہ کی علامات لگا کر ذکر کرنے ہیں جیسا کہ موجودہ دو درجوں میں صورت معروف ہے ہم تفصیل سے گزریں گے ہیں گذشتہ طبع کے صفحات کے حوالہ جات پر انکشاف کریں گے۔

۱۔ شارح نے صحیحین یا ایک کی طرف اور سنن الیہ کے مؤلفین کی طرف جن احادیث کی نسبت کی ہے لیکن ان میں نہیں ہیں درج ذیل صفحات ملاحظہ فرمائیں۔

۲-۱۱۰-۱۱۱-۱۱۲-۱۱۳-۱۱۴-۱۱۵-۱۱۶-۱۱۷-۱۱۸-۱۱۹-۱۲۰-۱۲۱-۱۲۲-۱۲۳-۱۲۴-۱۲۵-۱۲۶-۱۲۷-۱۲۸-۱۲۹-۱۳۰-۱۳۱-۱۳۲-۱۳۳-۱۳۴-۱۳۵-۱۳۶-۱۳۷-۱۳۸-۱۳۹-۱۴۰-۱۴۱-۱۴۲-۱۴۳-۱۴۴-۱۴۵-۱۴۶-۱۴۷-۱۴۸-۱۴۹-۱۵۰-۱۵۱-۱۵۲-۱۵۳-۱۵۴-۱۵۵-۱۵۶-۱۵۷-۱۵۸-۱۵۹-۱۶۰-۱۶۱-۱۶۲-۱۶۳-۱۶۴-۱۶۵-۱۶۶-۱۶۷-۱۶۸-۱۶۹-۱۷۰-۱۷۱-۱۷۲-۱۷۳-۱۷۴-۱۷۵-۱۷۶-۱۷۷-۱۷۸-۱۷۹-۱۸۰-۱۸۱-۱۸۲-۱۸۳-۱۸۴-۱۸۵-۱۸۶-۱۸۷-۱۸۸-۱۸۹-۱۹۰-۱۹۱-۱۹۲-۱۹۳-۱۹۴-۱۹۵-۱۹۶-۱۹۷-۱۹۸-۱۹۹-۲۰۰-۲۰۱-۲۰۲-۲۰۳-۲۰۴-۲۰۵-۲۰۶-۲۰۷-۲۰۸-۲۰۹-۲۱۰-۲۱۱-۲۱۲-۲۱۳-۲۱۴-۲۱۵-۲۱۶-۲۱۷-۲۱۸-۲۱۹-۲۲۰-۲۲۱-۲۲۲-۲۲۳-۲۲۴-۲۲۵-۲۲۶-۲۲۷-۲۲۸-۲۲۹-۲۳۰-۲۳۱-۲۳۲-۲۳۳-۲۳۴-۲۳۵-۲۳۶-۲۳۷-۲۳۸-۲۳۹-۲۴۰-۲۴۱-۲۴۲-۲۴۳-۲۴۴-۲۴۵-۲۴۶-۲۴۷-۲۴۸-۲۴۹-۲۵۰-۲۵۱-۲۵۲-۲۵۳-۲۵۴-۲۵۵-۲۵۶-۲۵۷-۲۵۸-۲۵۹-۲۶۰-۲۶۱-۲۶۲-۲۶۳-۲۶۴-۲۶۵-۲۶۶-۲۶۷-۲۶۸-۲۶۹-۲۷۰-۲۷۱-۲۷۲-۲۷۳-۲۷۴-۲۷۵-۲۷۶-۲۷۷-۲۷۸-۲۷۹-۲۸۰-۲۸۱-۲۸۲-۲۸۳-۲۸۴-۲۸۵-۲۸۶-۲۸۷-۲۸۸-۲۸۹-۲۹۰-۲۹۱-۲۹۲-۲۹۳-۲۹۴-۲۹۵-۲۹۶-۲۹۷-۲۹۸-۲۹۹-۳۰۰-۳۰۱-۳۰۲-۳۰۳-۳۰۴-۳۰۵-۳۰۶-۳۰۷-۳۰۸-۳۰۹-۳۱۰-۳۱۱-۳۱۲-۳۱۳-۳۱۴-۳۱۵-۳۱۶-۳۱۷-۳۱۸-۳۱۹-۳۲۰-۳۲۱-۳۲۲-۳۲۳-۳۲۴-۳۲۵-۳۲۶-۳۲۷-۳۲۸-۳۲۹-۳۳۰-۳۳۱-۳۳۲-۳۳۳-۳۳۴-۳۳۵-۳۳۶-۳۳۷-۳۳۸-۳۳۹-۳۴۰-۳۴۱-۳۴۲-۳۴۳-۳۴۴-۳۴۵-۳۴۶-۳۴۷-۳۴۸-۳۴۹-۳۵۰-۳۵۱-۳۵۲-۳۵۳-۳۵۴-۳۵۵-۳۵۶-۳۵۷-۳۵۸-۳۵۹-۳۶۰-۳۶۱-۳۶۲-۳۶۳-۳۶۴-۳۶۵-۳۶۶-۳۶۷-۳۶۸-۳۶۹-۳۷۰-۳۷۱-۳۷۲-۳۷۳-۳۷۴-۳۷۵-۳۷۶-۳۷۷-۳۷۸-۳۷۹-۳۸۰-۳۸۱-۳۸۲-۳۸۳-۳۸۴-۳۸۵-۳۸۶-۳۸۷-۳۸۸-۳۸۹-۳۹۰-۳۹۱-۳۹۲-۳۹۳-۳۹۴-۳۹۵-۳۹۶-۳۹۷-۳۹۸-۳۹۹-۴۰۰-۴۰۱-۴۰۲-۴۰۳-۴۰۴-۴۰۵-۴۰۶-۴۰۷-۴۰۸-۴۰۹-۴۱۰-۴۱۱-۴۱۲-۴۱۳-۴۱۴-۴۱۵-۴۱۶-۴۱۷-۴۱۸-۴۱۹-۴۲۰-۴۲۱-۴۲۲-۴۲۳-۴۲۴-۴۲۵-۴۲۶-۴۲۷-۴۲۸-۴۲۹-۴۳۰-۴۳۱-۴۳۲-۴۳۳-۴۳۴-۴۳۵-۴۳۶-۴۳۷-۴۳۸-۴۳۹-۴۴۰-۴۴۱-۴۴۲-۴۴۳-۴۴۴-۴۴۵-۴۴۶-۴۴۷-۴۴۸-۴۴۹-۴۵۰-۴۵۱-۴۵۲-۴۵۳-۴۵۴-۴۵۵-۴۵۶-۴۵۷-۴۵۸-۴۵۹-۴۶۰-۴۶۱-۴۶۲-۴۶۳-۴۶۴-۴۶۵-۴۶۶-۴۶۷-۴۶۸-۴۶۹-۴۷۰-۴۷۱-۴۷۲-۴۷۳-۴۷۴-۴۷۵-۴۷۶-۴۷۷-۴۷۸-۴۷۹-۴۸۰-۴۸۱-۴۸۲-۴۸۳-۴۸۴-۴۸۵-۴۸۶-۴۸۷-۴۸۸-۴۸۹-۴۹۰-۴۹۱-۴۹۲-۴۹۳-۴۹۴-۴۹۵-۴۹۶-۴۹۷-۴۹۸-۴۹۹-۵۰۰-۵۰۱-۵۰۲-۵۰۳-۵۰۴-۵۰۵-۵۰۶-۵۰۷-۵۰۸-۵۰۹-۵۱۰-۵۱۱-۵۱۲-۵۱۳-۵۱۴-۵۱۵-۵۱۶-۵۱۷-۵۱۸-۵۱۹-۵۲۰-۵۲۱-۵۲۲-۵۲۳-۵۲۴-۵۲۵-۵۲۶-۵۲۷-۵۲۸-۵۲۹-۵۳۰-۵۳۱-۵۳۲-۵۳۳-۵۳۴-۵۳۵-۵۳۶-۵۳۷-۵۳۸-۵۳۹-۵۴۰-۵۴۱-۵۴۲-۵۴۳-۵۴۴-۵۴۵-۵۴۶-۵۴۷-۵۴۸-۵۴۹-۵۵۰-۵۵۱-۵۵۲-۵۵۳-۵۵۴-۵۵۵-۵۵۶-۵۵۷-۵۵۸-۵۵۹-۵۶۰-۵۶۱-۵۶۲-۵۶۳-۵۶۴-۵۶۵-۵۶۶-۵۶۷-۵۶۸-۵۶۹-۵۷۰-۵۷۱-۵۷۲-۵۷۳-۵۷۴-۵۷۵-۵۷۶-۵۷۷-۵۷۸-۵۷۹-۵۸۰-۵۸۱-۵۸۲-۵۸۳-۵۸۴-۵۸۵-۵۸۶-۵۸۷-۵۸۸-۵۸۹-۵۹۰-۵۹۱-۵۹۲-۵۹۳-۵۹۴-۵۹۵-۵۹۶-۵۹۷-۵۹۸-۵۹۹-۶۰۰-۶۰۱-۶۰۲-۶۰۳-۶۰۴-۶۰۵-۶۰۶-۶۰۷-۶۰۸-۶۰۹-۶۱۰-۶۱۱-۶۱۲-۶۱۳-۶۱۴-۶۱۵-۶۱۶-۶۱۷-۶۱۸-۶۱۹-۶۲۰-۶۲۱-۶۲۲-۶۲۳-۶۲۴-۶۲۵-۶۲۶-۶۲۷-۶۲۸-۶۲۹-۶۳۰-۶۳۱-۶۳۲-۶۳۳-۶۳۴-۶۳۵-۶۳۶-۶۳۷-۶۳۸-۶۳۹-۶۴۰-۶۴۱-۶۴۲-۶۴۳-۶۴۴-۶۴۵-۶۴۶-۶۴۷-۶۴۸-۶۴۹-۶۵۰-۶۵۱-۶۵۲-۶۵۳-۶۵۴-۶۵۵-۶۵۶-۶۵۷-۶۵۸-۶۵۹-۶۶۰-۶۶۱-۶۶۲-۶۶۳-۶۶۴-۶۶۵-۶۶۶-۶۶۷-۶۶۸-۶۶۹-۶۷۰-۶۷۱-۶۷۲-۶۷۳-۶۷۴-۶۷۵-۶۷۶-۶۷۷-۶۷۸-۶۷۹-۶۸۰-۶۸۱-۶۸۲-۶۸۳-۶۸۴-۶۸۵-۶۸۶-۶۸۷-۶۸۸-۶۸۹-۶۹۰-۶۹۱-۶۹۲-۶۹۳-۶۹۴-۶۹۵-۶۹۶-۶۹۷-۶۹۸-۶۹۹-۷۰۰-۷۰۱-۷۰۲-۷۰۳-۷۰۴-۷۰۵-۷۰۶-۷۰۷-۷۰۸-۷۰۹-۷۱۰-۷۱۱-۷۱۲-۷۱۳-۷۱۴-۷۱۵-۷۱۶-۷۱۷-۷۱۸-۷۱۹-۷۲۰-۷۲۱-۷۲۲-۷۲۳-۷۲۴-۷۲۵-۷۲۶-۷۲۷-۷۲۸-۷۲۹-۷۳۰-۷۳۱-۷۳۲-۷۳۳-۷۳۴-۷۳۵-۷۳۶-۷۳۷-۷۳۸-۷۳۹-۷۴۰-۷۴۱-۷۴۲-۷۴۳-۷۴۴-۷۴۵-۷۴۶-۷۴۷-۷۴۸-۷۴۹-۷۵۰-۷۵۱-۷۵۲-۷۵۳-۷۵۴-۷۵۵-۷۵۶-۷۵۷-۷۵۸-۷۵۹-۷۶۰-۷۶۱-۷۶۲-۷۶۳-۷۶۴-۷۶۵-۷۶۶-۷۶۷-۷۶۸-۷۶۹-۷۷۰-۷۷۱-۷۷۲-۷۷۳-۷۷۴-۷۷۵-۷۷۶-۷۷۷-۷۷۸-۷۷۹-۷۸۰-۷۸۱-۷۸۲-۷۸۳-۷۸۴-۷۸۵-۷۸۶-۷۸۷-۷۸۸-۷۸۹-۷۹۰-۷۹۱-۷۹۲-۷۹۳-۷۹۴-۷۹۵-۷۹۶-۷۹۷-۷۹۸-۷۹۹-۸۰۰-۸۰۱-۸۰۲-۸۰۳-۸۰۴-۸۰۵-۸۰۶-۸۰۷-۸۰۸-۸۰۹-۸۱۰-۸۱۱-۸۱۲-۸۱۳-۸۱۴-۸۱۵-۸۱۶-۸۱۷-۸۱۸-۸۱۹-۸۲۰-۸۲۱-۸۲۲-۸۲۳-۸۲۴-۸۲۵-۸۲۶-۸۲۷-۸۲۸-۸۲۹-۸۳۰-۸۳۱-۸۳۲-۸۳۳-۸۳۴-۸۳۵-۸۳۶-۸۳۷-۸۳۸-۸۳۹-۸۴۰-۸۴۱-۸۴۲-۸۴۳-۸۴۴-۸۴۵-۸۴۶-۸۴۷-۸۴۸-۸۴۹-۸۵۰-۸۵۱-۸۵۲-۸۵۳-۸۵۴-۸۵۵-۸۵۶-۸۵۷-۸۵۸-۸۵۹-۸۶۰-۸۶۱-۸۶۲-۸۶۳-۸۶۴-۸۶۵-۸۶۶-۸۶۷-۸۶۸-۸۶۹-۸۷۰-۸۷۱-۸۷۲-۸۷۳-۸۷۴-۸۷۵-۸۷۶-۸۷۷-۸۷۸-۸۷۹-۸۸۰-۸۸۱-۸۸۲-۸۸۳-۸۸۴-۸۸۵-۸۸۶-۸۸۷-۸۸۸-۸۸۹-۸۹۰-۸۹۱-۸۹۲-۸۹۳-۸۹۴-۸۹۵-۸۹۶-۸۹۷-۸۹۸-۸۹۹-۹۰۰-۹۰۱-۹۰۲-۹۰۳-۹۰۴-۹۰۵-۹۰۶-۹۰۷-۹۰۸-۹۰۹-۹۱۰-۹۱۱-۹۱۲-۹۱۳-۹۱۴-۹۱۵-۹۱۶-۹۱۷-۹۱۸-۹۱۹-۹۲۰-۹۲۱-۹۲۲-۹۲۳-۹۲۴-۹۲۵-۹۲۶-۹۲۷-۹۲۸-۹۲۹-۹۳۰-۹۳۱-۹۳۲-۹۳۳-۹۳۴-۹۳۵-۹۳۶-۹۳۷-۹۳۸-۹۳۹-۹۴۰-۹۴۱-۹۴۲-۹۴۳-۹۴۴-۹۴۵-۹۴۶-۹۴۷-۹۴۸-۹۴۹-۹۵۰-۹۵۱-۹۵۲-۹۵۳-۹۵۴-۹۵۵-۹۵۶-۹۵۷-۹۵۸-۹۵۹-۹۶۰-۹۶۱-۹۶۲-۹۶۳-۹۶۴-۹۶۵-۹۶۶-۹۶۷-۹۶۸-۹۶۹-۹۷۰-۹۷۱-۹۷۲-۹۷۳-۹۷۴-۹۷۵-۹۷۶-۹۷۷-۹۷۸-۹۷۹-۹۸۰-۹۸۱-۹۸۲-۹۸۳-۹۸۴-۹۸۵-۹۸۶-۹۸۷-۹۸۸-۹۸۹-۹۹۰-۹۹۱-۹۹۲-۹۹۳-۹۹۴-۹۹۵-۹۹۶-۹۹۷-۹۹۸-۹۹۹-۱۰۰۰-۱۰۰۱-۱۰۰۲-۱۰۰۳-۱۰۰۴-۱۰۰۵-۱۰۰۶-۱۰۰۷-۱۰۰۸-۱۰۰۹-۱۰۱۰-۱۰۱۱-۱۰۱۲-۱۰۱۳-۱۰۱۴-۱۰۱۵-۱۰۱۶-۱۰۱۷-۱۰۱۸-۱۰۱۹-۱۰۲۰-۱۰۲۱-۱۰۲۲-۱۰۲۳-۱۰۲۴-۱۰۲۵-۱۰۲۶-۱۰۲۷-۱۰۲۸-۱۰۲۹-۱۰۳۰-۱۰۳۱-۱۰۳۲-۱۰۳۳-۱۰۳۴-۱۰۳۵-۱۰۳۶-۱۰۳۷-۱۰۳۸-۱۰۳۹-۱۰۴۰-۱۰۴۱-۱۰۴۲-۱۰۴۳-۱۰۴۴-۱۰۴۵-۱۰۴۶-۱۰۴۷-۱۰۴۸-۱۰۴۹-۱۰۵۰-۱۰۵۱-۱۰۵۲-۱۰۵۳-۱۰۵۴-۱۰۵۵-۱۰۵۶-۱۰۵۷-۱۰۵۸-۱۰۵۹-۱۰۶۰-۱۰۶۱-۱۰۶۲-۱۰۶۳-۱۰۶۴-۱۰۶۵-۱۰۶۶-۱۰۶۷-۱۰۶۸-۱۰۶۹-۱۰۷۰-۱۰۷۱-۱۰۷۲-۱۰۷۳-۱۰۷۴-۱۰۷۵-۱۰۷۶-۱۰۷۷-۱۰۷۸-۱۰۷۹-۱۰۸۰-۱۰۸۱-۱۰۸۲-۱۰۸۳-۱۰۸۴-۱۰۸۵-۱۰۸۶-۱۰۸۷-۱۰۸۸-۱۰۸۹-۱۰۹۰-۱۰۹۱-۱۰۹۲-۱۰۹۳-۱۰۹۴-۱۰۹۵-۱۰۹۶-۱۰۹۷-۱۰۹۸-۱۰۹۹-۱۱۰۰-۱۱۰۱-۱۱۰۲-۱۱۰۳-۱۱۰۴-۱۱۰۵-۱۱۰۶-۱۱۰۷-۱۱۰۸-۱۱۰۹-۱۱۱۰-۱۱۱۱-۱۱۱۲-۱۱۱۳-۱۱۱۴-۱۱۱۵-۱۱۱۶-۱۱۱۷-۱۱۱۸-۱۱۱۹-۱۱۲۰-۱۱۲۱-۱۱۲۲-۱۱۲۳-۱۱۲۴-۱۱۲۵-۱۱۲۶-۱۱۲۷-۱۱۲۸-۱۱۲۹-۱۱۳۰-۱۱۳۱-۱۱۳۲-۱۱۳۳-۱۱۳۴-۱۱۳۵-۱۱۳۶-۱۱۳۷-۱۱۳۸-۱۱۳۹-۱۱۴۰-۱۱۴۱-۱۱۴۲-۱۱۴۳-۱۱۴۴-۱۱۴۵-۱۱۴۶-۱۱۴۷-۱۱۴۸-۱۱۴۹-۱۱۵۰-۱۱۵۱-۱۱۵۲-۱۱۵۳-۱۱۵۴-۱۱۵۵-۱۱۵۶-۱۱۵۷-۱۱۵۸-۱۱۵۹-۱۱۶۰-۱۱۶۱-۱۱۶۲-۱۱۶۳-۱۱۶۴-۱۱۶۵-۱۱۶۶-۱۱۶۷-۱۱۶۸-۱۱۶۹-۱۱۷۰-۱۱۷۱-۱۱۷۲-۱۱۷۳-۱۱۷۴-۱۱۷۵-۱۱۷۶-۱۱۷۷-۱۱۷۸-۱۱۷۹-۱۱۸۰-۱۱۸۱-۱۱۸۲-۱۱۸۳-۱۱۸۴-۱۱۸۵-۱۱۸۶-۱۱۸۷-۱۱۸۸-۱۱۸۹-۱۱۹۰-۱۱۹۱-۱۱۹۲-۱۱۹۳-۱۱۹۴-۱۱۹۵-۱۱۹۶-۱۱۹۷-۱۱۹۸-۱۱۹۹-۱۲۰۰-۱۲۰۱-۱۲۰۲-۱۲۰۳-۱۲۰۴-۱۲۰۵-۱۲۰۶-۱۲۰۷-۱۲۰۸-۱۲۰۹-۱۲۱۰-۱۲۱۱-۱۲۱۲-۱۲۱۳-۱۲۱۴-۱۲۱۵-۱۲۱۶-۱۲۱۷-۱۲۱۸-۱۲۱۹-۱۲۲۰-۱۲۲۱-۱۲۲۲-۱۲۲۳-۱۲۲۴-۱۲۲۵-۱۲۲۶-۱۲۲۷-۱۲۲۸-۱۲۲۹-۱۲۳۰-۱۲۳۱-۱۲۳۲-۱۲۳۳-۱۲۳۴-۱۲۳۵-۱۲۳۶-۱۲۳۷-۱۲۳۸-۱۲۳۹-۱۲۴۰-۱۲۴۱-۱۲۴۲-۱۲۴۳-۱۲۴۴-۱۲۴۵-۱۲۴۶-۱۲۴۷-۱۲۴۸-۱۲۴۹-۱۲۵۰-۱۲۵۱-۱۲۵۲-۱۲۵۳-۱۲۵۴-۱۲۵۵-۱۲۵۶-۱۲۵۷-۱۲۵۸-۱۲۵۹-۱۲۶۰-۱۲۶۱-۱۲۶۲-۱۲۶۳-۱۲۶۴-۱۲۶۵-۱۲۶۶-۱۲۶۷-۱۲۶۸-۱۲۶۹-۱۲۷۰-۱۲۷۱-۱۲۷۲-۱۲۷۳-۱۲۷۴-۱۲۷۵-۱۲۷۶-۱۲۷۷-۱۲۷۸-۱۲۷۹-۱۲۸۰-۱۲۸۱-۱۲۸۲-۱۲۸۳-۱۲۸۴-۱۲۸۵-۱۲۸۶-۱۲۸۷-۱۲۸۸-۱۲۸۹-۱۲۹۰-۱۲۹۱-۱۲۹۲-۱۲۹۳-۱۲۹۴-۱۲۹۵-۱۲۹۶-۱۲۹۷-۱۲۹۸-۱۲۹۹-۱۳۰۰-۱۳۰۱-۱۳۰۲-۱۳۰۳-۱۳۰۴-۱۳۰۵-۱۳۰۶-۱۳۰۷-۱۳۰۸-۱۳۰۹-۱۳۱۰-۱۳۱۱-۱۳۱۲-۱۳۱۳-۱۳۱۴-۱۳۱۵-۱۳۱۶-۱۳۱۷-۱۳۱۸-۱۳۱۹-۱۳۲۰-۱۳۲۱-۱۳۲۲-۱۳۲۳-۱۳۲۴-۱۳۲۵-۱۳۲۶-۱۳۲۷-۱۳۲۸-۱۳۲۹-۱۳۳۰-۱۳۳۱-۱۳۳۲-۱۳۳۳-۱۳۳۴-۱۳۳۵-۱۳۳۶-۱۳۳۷-۱۳۳۸-۱۳۳۹-۱۳۴۰-۱۳۴۱-۱۳۴۲-۱۳۴۳-۱۳۴۴-۱۳۴۵-۱۳۴۶-۱۳۴۷-۱۳۴۸-۱۳۴۹-۱۳۵۰-۱۳۵۱-۱۳۵۲-۱۳۵۳-۱۳۵۴-۱۳۵۵-۱۳۵۶-۱۳۵۷-۱۳۵۸-۱۳۵۹-۱۳۶۰-۱۳۶۱-۱۳۶۲-۱۳۶۳-۱۳۶۴-۱۳۶۵-۱۳۶۶-۱۳۶۷-۱۳۶۸-۱۳۶۹-۱۳۷۰-۱۳۷۱-۱۳۷۲-۱۳۷۳-۱۳۷۴-۱۳۷۵-۱۳۷۶-۱۳۷۷-۱۳۷۸-۱۳۷۹-۱۳۸۰-۱۳۸۱-۱۳۸۲-۱۳۸۳-۱۳۸۴-۱۳۸۵-۱۳۸۶-۱۳۸۷-۱۳۸۸-۱۳۸۹-۱۳۹۰-۱۳۹۱-۱۳۹۲-۱۳۹۳-۱۳۹۴-۱۳۹۵-۱۳۹۶-۱۳۹۷-۱۳۹۸-۱۳۹۹-۱۴۰۰-۱۴۰۱-۱۴۰۲-۱۴۰۳-۱۴۰۴-۱۴۰۵-۱۴۰۶-۱۴۰۷-۱۴۰۸-۱۴۰۹-۱۴۱۰-۱۴۱۱-۱۴۱۲-۱۴۱۳-۱۴۱۴-۱۴۱۵-۱۴۱۶-۱۴۱۷-۱۴۱۸-۱۴۱۹-۱۴۲۰-۱۴۲۱-۱۴۲۲-۱۴۲۳-۱۴۲۴-۱۴۲۵-۱۴۲۶-۱۴۲۷-۱۴۲۸-۱۴۲۹-۱۴۳۰-۱۴۳۱-۱۴۳۲-۱۴۳۳-۱۴۳۴-۱۴۳۵-۱۴۳۶-۱۴۳۷-۱۴۳۸-۱۴۳۹-۱۴۴۰-۱۴۴۱-۱۴۴۲-۱۴۴۳-۱۴۴۴-۱۴۴۵-۱۴۴۶-۱۴۴۷-۱۴۴۸-۱۴۴۹-۱۴۵۰-۱۴۵۱-۱۴۵۲-۱۴۵۳-۱۴۵۴-۱۴۵۵-۱۴۵۶-۱۴۵۷-۱۴۵۸-۱۴۵۹-۱۴۶۰-۱۴۶۱-۱۴۶۲-۱۴۶۳-۱۴۶۴-۱۴۶۵-۱۴۶۶-۱۴۶۷-۱۴۶۸-۱۴۶۹-۱۴۷۰-۱۴۷۱-۱۴۷۲-۱۴۷۳-۱۴۷۴-۱۴۷۵-۱۴۷۶-۱۴۷۷-۱۴۷۸-۱۴۷۹-۱۴۸۰-۱۴۸۱-۱۴۸۲-۱۴۸۳-۱۴۸۴-۱۴۸۵-۱۴۸۶-۱۴۸۷-۱۴۸۸-۱۴۸۹-۱۴۹۰-۱۴۹۱-۱۴۹۲-۱۴۹۳-۱۴۹۴-۱۴۹۵-۱۴۹۶-۱۴۹۷-۱۴۹۸-۱۴۹۹-۱۵۰۰-۱۵۰۱-۱۵۰۲-۱۵۰۳-۱۵۰۴-۱۵۰۵-۱۵۰۶-۱۵۰۷-۱۵۰۸-۱۵۰۹-۱۵۱۰-۱۵۱۱-۱۵۱۲-۱۵۱۳-۱۵۱۴-۱۵۱۵-۱۵۱۶-۱۵۱۷-۱۵۱۸-۱۵۱۹-۱۵۲۰-۱۵۲۱-۱۵۲۲-۱۵۲۳-۱۵۲۴-۱۵۲۵-۱۵۲۶-۱۵۲۷-۱۵۲۸-۱۵۲۹-۱۵۳۰-۱۵۳۱-۱۵۳۲-۱۵۳۳-۱۵۳۴-۱۵۳۵-۱۵۳۶-۱۵۳۷-۱۵۳۸-۱۵۳۹-۱۵۴۰-۱۵۴۱-۱۵۴۲-۱۵۴۳-۱۵۴۴-۱۵۴۵-۱۵۴۶-۱۵۴۷-۱۵۴۸-۱۵۴۹-۱۵۵۰-۱۵۵۱-۱۵۵۲-۱۵۵۳-۱۵۵۴-۱۵۵۵-۱۵۵۶-۱۵۵۷-۱۵۵۸-۱۵۵۹-۱۵۶۰-۱۵۶۱-۱۵۶۲-۱۵۶۳-۱۵۶۴-۱۵۶۵-۱۵۶۶-۱۵۶۷-۱۵۶۸-۱۵۶۹-۱۵۷۰-۱۵۷۱-۱۵۷۲-۱۵۷۳-۱۵۷۴-۱۵۷۵-۱۵۷۶-۱۵۷۷-۱۵۷۸-۱۵۷۹-۱۵۸۰-۱۵۸۱-۱۵۸۲-۱۵۸۳-۱۵۸۴-۱۵۸۵-۱۵۸۶-۱۵۸۷-۱۵۸۸-۱۵۸۹-۱۵۹۰-۱۵۹۱-۱۵۹۲-۱۵۹۳-۱۵۹۴-۱۵۹۵-۱۵۹۶-۱۵۹۷-۱۵۹۸-۱۵۹۹-۱۶۰۰-۱۶۰۱-۱۶۰۲-۱۶۰۳-۱۶۰۴-۱۶۰۵-۱۶۰۶-۱۶۰۷-۱۶۰۸-۱۶۰۹-۱۶۱

ص ۱۰۹ پر ہی میں نے اس کا ذکر کیا ہے۔

۵۔ صحیح کی طرف ایک حدیث کی نسبت کی ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کا ذکر کیا ہے حالانکہ وہ

ایک صحابی کا فعل ہے البتہ آپ نے صحابی کے فعل کو برقرار رکھا ہے ص ۵۷ دیکھیں۔

۶۔ ایک موقوف حدیث کو مرفوع قرار دیا ہے ص ۴۵ دیکھیں۔

۷۔ دو ایسی حدیثیں ذکر کی ہیں جن کا کچھ اصل جیسے ہے ص ۶۱ - ۳۸۳

ان کے علاوہ بھی کثیر ادھام ہیں ان کے مقامات پر ہی ہم نے ان کا ذکر کر دیا ہے اس کا سبب خصوصی یہ معلوم ہوتا ہے کہ شارح کو علم حدیث کے ساتھ کوئی خاص تعلق نہیں ہے۔

پس ہم ابو غرہ سے جو تعصب میں شدت اختیار کئے ہوئے ہیں استفسار کرتے ہیں کہ ان ادھام کے بارے میں ان کی رائے کیا ہے اور کیا ان کے نزدیک ان ادھام کی وجہ سے شارح طحاویہ کی ثقافت ختم ہوتی ہے جب کہ ابو غرہ ان کی ادھام کی وجہ سے الباتی پر زبان طعن دراتے ہوئے ہے اور ان کی ثقافت کو مجروح کر دے ہیں حالانکہ الباتی سے صرف ایک وجہ صادر ہو اسے یا وہ منافقانہ چال چلتے ہوئے دونوں میدانوں میں جھولا کر رہے ہیں جیسا کہ عام طور پر کہا جاتا ہے اگر کوئی شخص ابو غرہ کے ہاں پسندیدہ ہے تو وہ ثقہ ہے جیسا کہ شارح حنفی ہیں ان کے نزدیک شارح کا حنفی ہونا ہی کافی ہے یا کوئی مصلحت کار فرما ہو کہ لوگ اس پر خوش ہوں اور اس کا احترام کرنے ہوں خواہ اس میں بے شمار غلطیاں کیوں نہ ہوں اس کے مقابلہ میں ایک دوسرا شخص ابو غرہ کے نزدیک ثقہ نہیں ہے جب کہ وہ اس سے دشمنی کرتا ہے اور اس کی ثقافت کو گرا تلے اگرچہ اس کی غلطیاں کم کیوں نہ ہوں معلوم ہوا ابو غرہ کے ہاں شارح کا اولہ کچھ حرم نہیں البتہ یہ حرم ہے کہ انہوں نے حنفیت کو طلاق دے دی ہے اور سلفیت ان کا مشرب ہے

اس سے قبل کہ بحث کا اختتام کیا جائے میں چاہتا ہوں کہ قارئین کی توجہ ابو غرہ جیسے متعصب مزاج کی تدریسانہ باتوں کی طرف کروں انہوں نے ص ۵۳۶ پر قارئین کو یاد کرانے کی کوشش کی ہے کہ اس مقام میں استدراک کی نسبت سمجھ کرنے والوں کی طرف کی ہے حالانکہ یہ واقعہ کے خلاف ہے استدراک میری جانب

۱۔ نئے طبع کا ص ۱۷ ہے۔

۲۔ نئے طبع کا ص ۱۸ ہے۔

۳۔ نئے طبع کا ص ۵۱۲ ہے۔

۴۔ نئے طبع کا ص ۱۲۳ - ۱۵۱ ہے۔

سے ہے بلکہ اس کے نیچے میرے دستخط موجود ہیں اور میں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اس کو کتاب کے آخر میں ملحق کیا جائے اس لئے کہ میں نے واضح کلمات الفاظ میں اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور سچائی کے سامنے سپردِ دل دی اس کے ساتھ ساتھ میں اس انسان کے علم و فضل کا اعتراف کرتا ہوں کہ جس نے مجھے وہم پر متنبہ کیا اور ان کا یہ احسان میں کبھی بھول نہیں سکتا۔ چنانچہ مذکورہ استدراک میں میں نے ذکر کیا ہے کہ میں نے جو مرفوعہ کو وہم کی طرف منسوب کیا ہے دراصل میرا وہم ہے۔ مذکورہ الفاظ فقہ الحدیث ترمذی کی حدیث میں مذکور ہیں نیز اس جریزے میں ان کا ذکر کیا ہے چنانچہ مشکوٰۃ کی تحقیق میں ۱۲۴۴ حدیث کے ضمن میں اس کی تخریج کی ہے لیکن استدراک کا سرامکتب اسلامی کے بعض تصحیح کرنے والوں کے سر بند مکتنا ہے اللہ پاک انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

محمد ناصر الدین البانی

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ وہم پر استدراک کا اضافہ راقم الحروف نے کیا ہے اور تصحیح کنندہ کے احسان کا اعتراف کرتا ہوں کہ اس نے مجھے وہم پر متنبہ کیا کہ یہ حدیث ترمذی میں مذکور ہے جب میں نے معادہ کی کتابوں کی طرف مراجعت کی تو مجھے معلوم ہوا کہ میں نے مشکوٰۃ کی تعلیق کے سلسلہ میں بھی اس حدیث کی تخریج شرح طحاویہ کی تخریج سے کئی سال قبل کی ہے۔

اب قارئین کرام غور فرمائیں کیا میں نے استدراک میں بنے وہم کا اعتراف نہیں کیا؟ اور کسی قسم کی ضد یا ذی نہیں کی جیسا کہ عام طور پر دوسرے لوگوں کا حال دیکھنے میں رہا ہے خواہ قابلِ مذمت عمل ہو یا لا اقل مدحت بہر حال اپنی غلطی کا اعتراف نہیں کرتے ہیں لیکن ابو عبدہ حقائق کے بدلنے میں باہر دکھائی دیتے ہیں جب کہ انہوں نے میرے اس کلام سے جو تخریج کے سلسلہ میں (مشکوٰۃ میں ہے نیز اس کو اس جریزے میں بھی ذکر کیا ہے) کی نسبت تجاہلِ عارفانہ کرنے ہوئے میری طرف نہیں کی بلکہ وہ میری خطا اور وہم کو (جب کہ میں نے اس کا اعتراف بھی کر لیا ہے) شائع کر رہا ہے اور میرے علم و فضل کو لوگوں سے چھپا رہا ہے کیا یہ ایسے مسلمان کا حال ہے جس نے ارفع و اشکبیل کے ص ۵ پر تعلیق میں محمد بن سیرین جلیل القدر تابعی کا قول ذکر کیا ہے کہ تو اپنے مسلمان بھائی پر ظلم کر رہا ہے جب تو اس کی باتوں کا تذکرہ تو کرنا ہے اور اس کی اچھائیوں کا تذکرہ نہیں کرنا اللہ عظیم کا فرمانِ حق ہے کہ مرتدنا عودا للہ ان تقولوا ما لا نفعلون۔

نیز ارشادِ نبوی ہے اذالم تسعی فاصنع ما شئت۔ جب تجھ میں شرم نہیں ہے تو تو جو چاہے کر ظاہر ہے کہ ابو عبدہ دریدہ دہن اس فقرہ پر میرے خلاف اشارہ کر رہا ہے اور مجھ پر طعن کر

دہا ہے کہ میں نے اسی حدیث کی اسناد کو ضعیف کہا ہے حالانکہ وہ بخاری کی روایت ہے اس طعن کا جواب دو طریق سے پیش کرتا ہوں۔

پہلا جواب | اس حدیث کو ضعیف قرار دیتے والایں بنیائیں ہوں بلکہ مجھ سے قبل کبار ائمہ حدیث اور حافظ مثلاً ذہبی نے میزان میں ابن رجب حنبلی نے شرح الاربعین النوویہ میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری کتاب الرقاق میں حافظ ذہبی سے حدیث کے راوی خالد بن خالد کے ترجمہ میں ذکر کیا ہے کہ یہ حدیث سخت غریب ہے اگر صحیح کا ذکر نہ ہوتا تو ائمہ جرح و تعدیل اس کو خالد بن خالد کی حدیث کی منکرات میں شمار کرنے اس لئے کہ منقہ کے یہ الفاظ صرف اسی سند کے ساتھ مروی ہیں نیز بخاری کے علاوہ اس کو کسی نے ذکر نہیں کیا میرا ظن یہ ہے کہ یہ مستدا احمد میں بھی نہیں ہے حافظ ابن حجر عسقلانی کے ساتھ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث مستدا احمد میں نہیں ہے لیکن یہ کہنا کہ یہ متن صرف اسی سند کے ساتھ ذکر ہوا ہے درست نہیں مزید براں خالد کے استاذ کے استاذ شریک برہم جرح ہے وہ معراج کی حدیث کا راوی ہے جس نے حدیث میں کی زیادتی تقدیم تاخیر کی ہے نیز بعض جملوں میں منفرد ہے کوئی اس کا متابعت نہیں ہے لیکن چونکہ حدیث کے طرق کثیر ہیں اس لحاظ سے کہنا پڑتا ہے کہ حدیث کا اصل مندرجہ ہے پھر حافظ نے ان طرق کی تخریج کی ہے بعض طرق حسن کے درجہ کے ہیں لیکن ان کے بارے میں ابن رجب کا قول ہے کہ وہ تمام طرق جرح سے محفوظ نہیں ہیں یہی وجہ ہے کہ میں نے اس حدیث کو صحیح کہنے میں توقف اختیار کیا جب تک کہ میں نے اس کے تمام طرق کا بغور جائزہ نہ لے لیا چند سال ہوئے توفیق الہی شام حال ہوئی تو مجھ پر یہ بات مشکف ہوئی کہ مجموعی لحاظ سے حدیث صحیح ہے تحقیقی تفصیلی دلائل اور اعتراضات وغیرہ سلسلہ الاحادیث المصنوعہ ۱۶۴۰ میں مذکور ہیں اس وجہ سے میں نے اس حدیث کی صحت کا اس طبع کے ص ۵۶۲ پر ذکر کیا ہے۔

دوسرا جواب | ابوغدہ نے مجھ پر نقد کیا کہ میں نے حدیث کی سند کو ضعیف قرار دیا اور اس کے بارے میں توقف اختیار کیا یہاں تک کہ مجھے اس کے طرق پر آگاہی حاصل ہوئی تو وہ اپنے استاذ زہد کو ثری کے بارے میں کیا کہیں گے جنہوں نے الاسماء والصفات لم یسقی کے ص ۱۰۱ پر تعلق میں اس حدیث پر جو بحث کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث جزائمان کے نزدیک مشککہ ہے جب کہ انہوں نے ذہبی کا وہ کلام ذکر کیا ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اس میں وضاحت ہے کہ یہ متن صرف اسی سند کے ساتھ مذکور ہے چنانچہ کوثری نے اس نقد کو برقرار رکھا ہے حافظ ابن حجر کی طرح اس کا تعاقب نہیں کیا ہے اور نہ ہی تحفظ کا وہ انداز اختیار کیا ہے جو میں نے کیا ہے برحال ان کے کلام سے جو چیز معلوم ہو رہی ہے

وہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک حدیث منکر ہے طرق کثیرہ کے ساتھ اس کی تقویٰ نہیں ہو سکتی لیکن میرا اندازہ ان کے انداز سے بالکل مختلف ہے۔

پس میں قاریوں سے استفسار کرتا ہوں کیا ابو غدہ کے لئے ضروری نہ تھا کہ تحفظ کا جو میں نے انداز اختیار کیا اس کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے نہ یہ کہ مجھے ہدف تنقید بنانے اس کے برعکس ان کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنے استاذ پر تنقید کرتے، یقیناً ان کے لئے ضروری تھا کہ وہ ایسا کرتے، اگر ان کا باطن فاسد انرا حق سے خالی ہوتا، کس قدر درست بات ہے جو کسی نے کہی ہے

سہ وعین الرضامن کل حسیب کلیدۃ
ولکن عین السمعت تبدی المسادیا

جس پر انسان خوش ہو اس کے تمام عیوب نظر سے اوجھل رہتے ہیں اور اگر نادانگی ہو تو نام عیوب آشکارا ہوتے ہیں۔

غور کیجئے راقم الحروف نے شرح طحاویہ میں مذکورہ سینکڑوں احادیث کی تخریج کی ہے لیکن ابو غدہ بسا اذ کوشش کے باوجود میری صرف ایک حدیث پر تنقید کر سکے ہیں تفصیل پتلے گز رہی ہے اور پھر میں نے ہی اس حدیث پر نقد نہیں کیا بلکہ مجھ سے پہلے بھی لوگوں نے نقد کیا ہے جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں لیکن ہم ابو غدہ سے اس سوال کرنے پر حق بجانب ہیں کہ ان کے استاذ کو ثری نے بخاری، مسلم یا صرف بخاری یا صرف مسلم کی احادیث میسر ہو سکتی ہیں ان کی تعداد دس سے زیادہ ہے، نقد کیا ہے بلکہ ان کے علاوہ، وہ احادیث جو محدثین کے ہاں صحیح میں ثابت ہیں ان پر بھی نقد کیا ہے، کوثری کے رسائل اور کتب سنت پر ان کی تعلیقات ملاحظہ فرمائیں جب کہ ان احادیث میں اکثر احادیث ایسی ہیں جن پر ان سے پہلے کسی نے نقد نہیں کیا اور نہ انہیں ضعیف قرار دیا ہے میں سمجھتا ہوں کہ کچھ حرج نہیں اگر اس مختصر مقدمہ میں بطور مثال کے چند احادیث ذکر کر دوں جن کے بارے میں مجھے معلومات حاصل ہو سکے ہیں، ہر حدیث کے ساتھ کتاب اور اس کے صفحات اور کس نے اس کی تخریج کی ہے ذکر کر دوں گا۔

(۱) اللہ نے مٹی کو پیدا فرمایا اس حدیث کو کوثری نے التعلیق علی الاسماء والصفات میں روایت کیا۔

(۲) وہ حدیث جس میں موسیٰ علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس جانے کا مشورہ دیا جب آپ

پر اس کی رات اولاً پچاس نماز تیں فرض ہوئیں (بخاری، مسلم ص ۱۸۹ منہ) قتادہ کوثری

(۳) قیامت کے روز خدائے عز و جل کی رؤیت والی حدیث جس میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ

مناقضی کے پاس اپنی اصل شکل میں جلوہ افروز نہ ہوگا (بخاری، مسلم ص ۹۹۲ منہ) قتادہ کوثری

(۴) زمین قیامت کے روز روٹی کی مانند ہوگی (بخاری، مسلم ص ۳۲۰ منہ) قتادہ کوثری

(۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہودی کی تصدیق کرتے ہوئے ہنسنا بخاری (مسلم ص ۳۳۶)

(۶) حشر اور پینڈی والی حدیث (بخاری: مسلم ص ۴۴۴ ص ۳)

(۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاوندی سے انتہا زدگانہ اللہ کہاں ہے؟ (مسلم ص ۴۲۱)

(۸) حدیث کہ عین طلاق عند نبوی، محمد بنی بکر اور دیگر کی خلافت کے دو سال میں ایک شہادہ ہوتی تھیں (مسلم، الا شقاق علی احکام الطلاق ص ۵۲، ۵۴ طبع حصص)

(۹) حضرت علی کی حدیث کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ثمری مقداد سے اونچی قبروں کے اہتمام کا حکم دیا (مسلم ص ۱۵۹ - مقالات کوثری)

(۱۰) جاریہ سے مروی حدیث کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو چونا گچ کرنے سے روکا۔ (مسلم ص

۱۵۹ - مقالات کوثری)

(۱۱) مانک بن حویرث سے مروی حدیث جس میں رکوع جاتے وقت اور رکوع سے سرفٹانے وقت رفع یدین کرنے کا ذکر ہے، بخاری (مسلم ص ۸۳ - تانیب المصطب)

(۱۲) نیز رفع الیدین کے بارے میں وائل بن حجر سے مروی حدیث (مسلم ص ۸۳ منہ)

(۱۳) حضرت انس سے مروی حدیث کہ یہودی کے سر کو کچل دیا گیا اس لئے کہ اس نے ایک لڑکی کے سر کو کچلا تھا بخاری (مسلم ص ۲۳ منہ)

(۱۴) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم اور گواہ کی بنیاد پر فیصلہ فرمایا۔ مسلم - (۸۵ منہ)

مذکورہ بالا احادیث صحیحین یا بخاری یا مسلم کی ہیں تعجب ہے کہ ترمذی نے ان سب کو بلکہ انہی تعداد کی دیگر احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے، اگر اہل علم کوثری کی کتابوں اور تعلیقات میں ان کو جمع کریمہ تو ایک مستقل کتاب بنیاد ہو جائے گی اور وہ احادیث جو بخاری، مسلم میں نہیں ہیں ان میں سے ہیں احادیث کو اس ضعیف قرار دیا ہے ان کے بیان کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں ان میں سے بعض احادیث دلائل پر رد شیخ عبد الرحمن المعطی الیمانی کی نفیس کتاب التعلیل بانی تانیب المکرثری میں الا باطل میں ناظر فرمائیں کافی عرصہ گزر چکا ہے کہ میں اس کی تحقیق اور طباعت سے قاصر ہو چکا ہوں۔

اس وضاحت کے بعد اب وہ فاشعار شاگرد سے دریافت کرتا ہوں کہ اب ان کی اپنے شیخ وثری (جس کو وہ محقق امام حجت کے القاب سے لاتا رہے ہیں) کے بارے میں کیا رائے ہے جب کہ اس نے بخاری، مسلم کی مروی ان تمام احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے بلکہ وہ خود اپنے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں

جب انہوں نے صحیح مسلم کی مروی روایت کو ضعیف کہا ہے۔

تفصیل یہ ہے کہ علامہ لکھنوی نے الرفع کے ص ۱۳۴، ۱۳۵ میں لکھا ہے کہ حدیث چونکہ شاذ اور معطل ہے اس لئے صحیح نہیں ہے اس پر تعلیق میں ابو نعیمہ اپنے تعصب کا اظہار کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ معطل شاذ کی مثال وہ حدیث ہے جس کو امام مسلم صحیح مسلم (۱/۱۱۱) پر قتادہ انس بن مالک سے بیان کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، ابو بکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم کی اقتداء میں نماز ادا کی ہے وہ الحمد للہ رب العالمین سے قنوت کا آغاز فرماتے۔ شروع آخر میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں پڑھتے تھے، بعد ازاں ابن الصلاح سے معطل ہونے کی توجیہ نقل کی ہے۔

میں دریافت کرتا ہوں کہ جب میں نے بخاری کی ایک حدیث پر صحیح کے اطلاق سے توقف کیا اس لئے کہ اس کی سند متفقین کے نزدیک ضعیف ہے تو اس پر تو ابو نعیمہ بہت جزم ہوئے اور اب یہاں کھلے لفظوں میں صحیح مسلم کی روایت کو معطل اور شاذ کہہ دیا ہے اس سے زیادہ تعصب اور کیا ہوگا اگر ابو نعیمہ صحیح مسلم کی روایت کو ضعیف کہنے میں ابی الصلاح کا سہارا لیتے ہیں.... تو میں کہوں گا اگر آپ عند پیش کرنے ہیں تو میرا عند بھی واضح ہے جب کہ محوت حدیث کو ضعیف قرار دیتے والے کثیر تعداد میں ہیں اور شہرت یافتہ اہل علم ہیں گذشتہ اوراق کے مطالعہ سے یہ نتیجہ ہو چکا ہے مزید برآں ہم دونوں کے نقد میں تفاوت ہے جب کہ میں نے نقد کے ساتھ ساتھ حدیث کے اثبات کے لئے اس کے طرق بھی ذکر کئے ہیں لیکن ابو نعیمہ نے جس حدیث کو معطل کہا ہے اس نے اس کے اثبات کے لئے ہرگز سعی نہیں فرمائی جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس کی علت کی ملاحظہ کی ہے کسی شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

فحبسکم هذا التفاوت بیننا وکل اناء بالذی فیہ یتوشع

تم میں اور مجھ میں یہی تفاوت کافی ہے برتن میں جو کچھ ہوتا ہے وہی باہر آتا ہے، نیز ابو نعیمہ نے تعصب رکھنے والا ہے راہ روا انسان علامہ السنن کے مقدمہ میں (ذکر بعض المغائری البیہیین و تکلف الجواند عباء) کے عنوان کے تحت جو کچھ ذکر ہوا ہے اس کا کیا جواب دے گا علامہ السنن کے ص ۴۳ پر اس کے بعد اس کے مؤلف شیخ طغر حمد عثمانی نقلا عنی رقم طراز ہیں کہ لوگوں کا کہنا کہ بخاری مسلم کی احادیث کو جو شخص بیان کرے نہ لے وہ جرح قدر کے دلدل سے نکل چکا ہے یہ تکلف ہے اس میں شک نہیں ہے بعد ازاں اس پر طویل خامہ فرسائی کی ہے۔

ان طویل گزارشات سے مقصود معزز قارئین کو معلوم کرنا ہے کہ مقدمہ کی طباعت اور تعلیق کا کام ابو نعیمہ جیسے متعصب نے سر انجام دیا تعلیق میں متعدد مقامات ایسے ہیں جہاں مؤلف کا تعاقب کیا

ہے لیکن اس مقام پر خاموش رہا اور تعاقب نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو غندہ صحیحین پر طعن لگانے میں اور مذکور لوگوں کے قول کے دو میں مؤلف کے ساتھ اتفاق رکھتے ہیں راقم الحروف نے اسی انداز کے ساتھ تیسرے ایڈیشن کے مقدمہ میں بھی اس کا ذکر کیا ہے اس مقدمہ میں بھی اس کا ذکر اچھلکے ہمارے قلم پر اٹھتا ہے تعجب کے اظہار سے خاموش نہ رہیں گے کہ لوگوں سے مراد حافظ ذہبی اور ان جیسے کیا محدثین ہیں جو صحیحین کی فضیلت کے معترف ہیں اور یہ کہ ان کے مولفین نے گہرے غور و فکر کے بعد احادیث صحیحہ کا مجموعہ تیار کیا ہے جیسا کہ یہ بات اصول حدیث کی کتابوں اور مقدمہ فتح الباری وغیرہ میں شرح و بسط کے ساتھ مذکور ہے دراصل ابو غندہ صحیحین پر تنقید کے سلسلہ میں مؤلف کا اتباع کرتا ہے تاکہ اس طرح حنفی مذہب کی حمایت ہو جس میں عام طور پر صحیحین کی احادیث کو رد کیا گیا ہے۔ بخاری و مسلم کی جن احادیث کو ابو غندہ کے استاذ کوثری نے رد کیا ہے چند حدیثیں بطور مثال کے ہم نے ذکر کی ہیں۔

صحیحین کی احادیث کے بارے میں ابو غندہ متعصب کا موقف نہایت گھناؤنا ہے لیکن سخت تعجب ہے کہ وہ اس کے ساتھ ساتھ بظاہر صحیحین کی احادیث کے بارے میں اپنی غیرت کا اظہار کرتا ہے اور مذاقت کرتا ہے صرف اس لئے کہ ہم نے ایک حدیث کی سند پر تنقید کی ہے جب کہ ہم سے قبل بھی فن رجلی کے ناقدین نے اس پر تنقید کی ہے جب کہ ہم نے اس کے متن کو ضعیف قرار دیا جس کا جواب تک کہ اس کے طرق پر ہمیں آگاہی ہوئی لیکن اللہ پاک کے فضل و کرم سے جب ہمیں اس کے طرق کا علم ہوا تو ہمارے سامنے اس کی صحت واضح ہو گئی واللہ تعالیٰ راقم الحروف نے حافظ ذہبی ابن رجلی و دیگر محدثین کے صحیح بخاری پر ذکر کردہ مناقب کا جائزہ لیا تو اللہ کے فضل و کرم سے ہیں..... صحیح بخاری کی خدمت کے لئے میلان میں آیا میرا حال تو شاعر کے اس شعر کا مصداق ہے شاعر کہتا ہے۔

وإذا دال الله فشر فضيلة طويت اتاحل لسان حسود

جب اللہ تعالیٰ کسی سچی ہوئی مفیلت کو ظاہر کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کا اظہار حاسدوں کی زبان سے کرتے ہیں، ابو غندہ کے تعصب کا یہاں نہ لیریز ہو چکا ہے اس نے چاہا کہ وہ لوگوں کے سامنے مجھے ان لوگوں کی فہرست میں دکھائے جو صحیح بخاری، صحیح مسلم پر زبان طعن دلا کر کرنے والے ہیں لیکن حقائق نے ثابت کر دیا کہ زبان طعن دلا کر کرنے والا خود ابو غندہ ہے ایک ضرب المغل مشہور ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کے لئے کتوں کو دو زبان طعن دلا کر کرتے ہیں وہ خود اس میں گرتا ہے نیز ایک اور مشہور ضرب المغل ہے کہ شیشے کے محل میں بیٹھنے والا کسی کو دو تالے وہ خود اس میں گرتا ہے۔

۱۵۔ اس کا مرفوع ہوتا صحیح نہیں ۱۶

پر پھر نہ مارے، البتہ اپنے احتساب فیہ کی اتباع کرتے ہوئے محدثین پر عموماً اور امام بخاری اور امام مسلم پر خصوصاً متعصبانہ حملے کرتا ہے، ان سے کہا ہی حاصل کرنے کے لئے ان کی تالیفات اور دیگر کتابوں پر ان کی تعلیقات کا مطالعہ کریں اور بطور مثال چند حوالہ جات سابقہ اوراق میں گزر چکے ہیں اب مجھے مزید جدید حوالہ جات سے کہا ہی حاصل ہوئی مجب میں نے ان کے مقدمہ اور اس پر تعلیقات کا جائزہ لیا مقدمہ کے ص ۲۰ کے آغاز میں رقمطراز ہیں کہ یہ مقدمہ دراصل اس علمی کام کی اساس ہے جس کو علماء السنن میں شامل اشاعت کیلئے کیا ہے کہ احادیث کی تصحیح اور تحسین کی بنیاد ایسے قواعد پر استوار کی گئی ہے جس میں محدثین احتساب علماء کی مخالفت کرتے ہیں جب کہ احادیث کی تصحیح، تحسین اور تضعیف میں ہر مجتہد کا ایک انداز ہے جس کو وہ اختیار کئے ہوئے ہے چنانچہ بے شمار ایسی احادیث بھی ہیں جو محدثین کے ہاں ضعیف ہیں لیکن فقہاء کے نزدیک صحیح ہیں۔

بطور مثال کے ملاحظہ کریں کہ کس طرح ابن حبان مجہول حدیث کے قبول کرنے اور اس کو قابل حجت سمجھنے میں جمہور محدثین کی مخالفت کرتے ہیں جب کہ ابن کثیر اور دیگر محدثین اس کا رد کرتے ہیں وضاحت کے ساتھ اس کا ذکر مصطلحات المحدثین کتابوں میں ہے۔

غور کیجئے البتہ نے اس کا ذکر اس لئے کیا ہے تاکہ وہ اس طرح حنفیہ کو محدثین کے قواعد کی مخالفت میں حق بجانب ثابت کرے چنانچہ ص ۱۰ پر وہ استفسار کرتا ہے احتساب کا کچھ حرم نہیں اگر وہ بعض اصولوں کی مخالفت کرتے ہیں اس کے بعد بحث کرتا ہوا ص ۲۰ پر پھر یہ کہنا ہے اس میں کچھ خصائص نہیں کہ ایک مجتہد کا خیال دوسرے مجتہد پر حجت نہیں ہو سکتا مقصد یہ ہے کہ اگر احتساب ائمہ حدیث کے اصولوں کی مخالفت کرتے ہیں وہ ان کے جس قاعدہ کی بھی مخالفت کریں ان پر ہر گز کچھ ملامت نہیں اور ص ۹۱ پر وضاحت کی ہے کہ فن حدیث کے بارے میں جس طرح محدثین نے اصول وضع کئے ہیں ائمہ احتساب نے بھی اصول وضع کئے ہیں ان تمام اقوال کا مطالعہ کرنے ہونے وہ اس طرح گزر گیا ہے جیسا کہ وہ ان کو تسلیم کرتا ہے اور کچھ تعاقب نہیں کیا اور تعلیق میں ص ۲۱ پر مقدمہ کا نام تبدیل کر کے قواعد فی علوم المحدثین رکھ دیا ہے لیکن کس قدر اچھا ہوتا اگر وہ اس جدید نام کے ساتھ (علی مذہب الحنفیہ) کا اضافہ کر دیتے یعنی حنفی مذہب کے مطابق علوم حدیث کے قواعد ہیں تاکہ اکم اور سب سے ہم آہنگی ہو جاتی اس لئے کہ وہ حقیقت یہ ایسے قواعد پر مشتمل ہے جو جمہور محدثین متقدمین متاخرین کے بیان کردہ قواعد کی مخالفت ہیں ان لوگوں نے محض اس لئے قواعد وضع کئے تاکہ ان کی روشنی میں ان احادیث کو صحیح قرار دیا جائے جن کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے باجماع انہوں نے صحیح کہا ہے ان کو ضعیف ثابت کیا جلتے جیسا کہ اشارۃً پہلے بیان ہو چکا ہے

کہ متعدد محدثین جو محدثین کے ہاں ضعیف ہیں احسان کے ہاں صحیح ہیں لیکن تعجب ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ ص ۱۰۴ پر دقسطر اند ہیں کہ ہر علم میں اس کے ماہرین کی طرف رجوع ہوگا بعد ازاں منہاج السنۃ تابعیت شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے عمدہ حوالہ نقل کیا ہے عقل و شعور رکھنے والے اہل علم خود ہی فیصلہ کر لیں گے کہ ان کے کلام میں کس قدر تضاد ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس مقدمہ میں کچھ زیادہ جدید معلومات مذکور نہیں ہیں یہ لوگ اپنے علمائے اقوال کے مقلد ہیں متاخرین احسان میں بھی مذہبی تعصب موجود ہے وہ برطانیہ اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ وہ متقدمین کے مقلد ہیں مجتہدین نہیں ہیں ان کے اقوال کے مطابق نصوص کی تائید کرتے ہیں اگر تاویل ممکن نہ ہو تو اگر ممکن ہو تو اس حدیث کو تسلیم نہیں کرتے جو ان کے مخالف ہو اور ان احادیث کو قوی بنا کر پیش کرتے ہیں جن کا ضعف محدثین کے ہاں مشہور ہے مقدمہ میں نئی بات جو دیکھنے میں آئی ہے، وہ صراحتاً اس بات کا اعلان ہے جس کا علم اکثر لوگوں کو نہیں ہے بلکہ اکثر احسان بھی اس سے واقف ہیں کہ جس طرح محدثین نے حدیث کے لئے اصول وضع کئے ہیں اسی طرح حنفیہ نے بھی کچھ اصول وضع کئے ہیں تاکہ مسائل فقہیہ وغیرہ میں اختلاف کے وقت ان کی طرف رجوع کیا جاسکے اور فی حدیث میں ماہرین نے جو اصول وضع کئے ہیں اور جو اہل علم کے نزدیک مسلم ہیں ان کی طرف ہرگز رجوع نہ کیا جائے اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ فرقے جو گمراہ ہیں اہل سنت کے مخالف ہیں وہ ہرگز قابلِ مذمت نہیں جب وہ اختلافی مسائل میں اپنے اصول و قواعد کی طرف رجوع کریں جن کو انہوں نے وضع کیا مثلاً شیعہ حضرات ہر اس روایت کو قابلِ حجت سمجھتے ہیں جو ائمہ اہل بیت سے مروی ہے اس وجہ سے کہ ائمہ اہل بیت معصوم ہیں۔

انصاف پسند یا شعور لوگوں کو غور و فکر کرنا چاہیے کہ اگر مذاہب اربعہ میں سے ہر فریق احادیث کی روایت کرنے میں اپنی دانست کے مطابق اصول وضع کر لیں اور اس میدان میں محدثین کی مساعی کا کچھ خیال نہ کریں اور ان کی خصوصیتوں کا کچھ لحاظ نہ رکھیں تو مذاہب اربعہ میں ہی کتنی وسیع غلطی رد نما ہو جائے گی۔

اب ہم کچھ ایسے قواعد کی نشاندہی کرتے ہیں جن کو مقدمہ کے مؤلف نے ذکر کیا ہے اور ابو غرہ حبیبی متعصب انسان نے ان کو نظر استہسان دیکھا ہے۔ ۱۔ قاعدہ مجتہد جب کسی حدیث سے استدلال کرتا ہے تو مجتہد نے گویا کہ اس حدیث کو صحیح قرار دیا (ص ۵۷/۵۹ ص ۵۷-۵۸- تعلق) اس قاعدہ کے وضع کرنے سے ان کا مقصد یہ ہے کہ محدثین نے جن احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے جن کو یہ لوگ اپنی کتابوں

میں بطور استدلال لاتے ہیں ان کے ضعف کا رد کیا جائے اور اس میں گھڑت قاعدہ کی بنیاد پر ایسی ایسی حدیثوں کو صحیح قرار دیا جائے حالانکہ وہ حدیثیں محدثین کے بیان کردہ قواعد کے لحاظ سے معلول ہیں ہمارے اس قول کی تائید مؤلف کے اس قول سے ہو رہی ہے جس کو انہوں نے ص- ۵۹ پر ذکر کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ہر وہ حدیث جس کو امام محمد بن حسن یا محدث طحاوی نے قابلِ حجت سمجھا ہے اس قاعدہ کی روشنی میں وہ حدیث صحیح ہے۔ اس لئے کہ یہ دونوں مجتہد محدث تھے۔

اس کا غلط ہونا واضح ہے اس لئے کہ یہ بات تو تب درست ہو گئی کہ محدثین کو ثقہ راوی قرار دیا گیا ہو ہم دیکھتے ہیں کہ محدثین جس کا فقہ میں نواد پنا مقام ہے لیکن محدثین کے ہاں اسے ضعیف سمجھا جاتا ہے اس لئے کہ اس میں سوء حفظ ہے آپ حافظ ذہبی کی میزان الاعتدال کا مطالعہ کریں گے تو اس میں پوری وضاحت کے ساتھ ان کا ذکر موجود ہے تعجب ہے کہ احناف محدثین کے خلاف کس قدر متعصب ہیں اور ان کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے اس کی مثال ملاحظہ کیجئے کہ اسی کتاب کے صفحہ ۳۴۳ پر تعلیقات میں علامہ الزہد شاہ کشمیری جنتی کہتے ہیں کہ محدثین نے امام محمد بن حسن کو اس لئے ضعیف قرار دیا کہ محدث بن حسن پہلا وہ انسان ہے جس نے فقہ کو حدیث سے الگ کیا ان کے الگ کرنے سے پہلے تصانیف میں اتنا راوی فقہی بائیں بلا امتیاز تھیں جب امام محمد نے محدثین کی مخالفت کی تو محدثین نے اس کے خلاف زبان طعن و زائد کی ہم حیران ہیں کہ وہ کس طرح ایک غلط بات کو ذکر کر رہے ہیں جب کہ ہم نے تو یہ ذکر کیا ہے کہ محدث بن حسن میں سوء حفظ موجود ہے علامہ ذہبی میزان میں ان کا ذکر فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ امام نسائی اور دیگر محدثین نے حافظہ کی وجہ سے انہیں کمزور قرار دیا خود مؤلف بھی صفحہ ۳۴۳ پر امام نسائی کے قول کو نقل کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی امام نسائی پر حملہ آور ہو کر کہتے ہیں کہ امام نسائی متشدد انسان تھا۔

قاعدہ (۲) دوسری صدی تیسری صدی کے کسی راوی غیر صحابی کی مرسل روایت قبول ہوگی (ص ۱۳۸) بلکہ چوتھی صدی کے راوی کی بھی قبول ہوگی ص ۱۵۰ -

اس کا مطلب یہ نکالنا تابعی تابعی اس کا شاگرد آگے اس کا شاگرد جب کہ دے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اس کا یہ قول ان کے نزدیک حجت ہو گا اور اس قسم کی معضل حدیث کے ساتھ حکم شرعی ثابت ہو گا بلکہ حلق حدیث کے ساتھ بھی اگرچہ اس کا راوی چوتھی صدی کا کیوں نہ ہو یہ قاعدہ تمام محدثین کے اتفاق کے ساتھ ضعیف ہے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مقصد اس سے یہ ہے کہ جب ان کا کوئی امام کسی حدیث کو بلا سند روایت کرتا ہے اور امام کا تعلق تیسری صدی سے ہے تو اس

کو قبول کیا جائے جب کہ محدثین نے اس کا رد کیا ہے کہ اس کا کچھ اصل نہیں اور اس کی سند ہے تو کیا اس قاعدہ کو تسلیم کیا جاسکتا ہے۔

کیا یہ حقیقت نہیں کہ علماء حدیث کے نزدیک اسناد کا مقام اہم ہے وہ وہی اسلام میں مطلوب اور اس کا شان بلند ہے بلکہ اسناد و تراجم اسلام کے عصائے سے ہے اسی پر ہی احادیث کی عمارت قائم ہے اس کو بنیاد کی حیثیت حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ عبد اللہ بن مبارک فرماتے ہیں اسناد دینی اسلام کا غامدہ ہے اگر اسناد نہ ہوتی تو جو شخص جو چاہتا کہنا ۱۰ امام شافعی فرماتے ہیں اس شخص کی مثال جو بلا سند احادیث جمع کرتا ہے اس انسان کی طرح ہے جو رات کے وقت لکڑیاں جمع کرنا ہے ۱۰ اس مضمون کے اقوال آئندہ کثرت کے ساتھ پائے جاتے ہیں چنانچہ علامہ ابوالحسنات لکھنوی نے لاجوئہ الفضلہ میں نہایت عمدہ انداز کے ساتھ کثیر تعداد میں ان کا ذکر کیا ہے بعد ازاں وہ فرماتے ہیں۔

یہ تمام اقوال صراحتاً یا اشارۃً ہمیں پتہ دے رہے ہیں کہ دین کے تمام معاملات میں اسناد کا بیان ضروری ہے خواہ ان کا تعلق واقعات سے ہو یا احکام شرعیہ سے ہو یا مناقب و فضائل سے ہو علامہ عریہ کو دینی اسلام کے کسی جز پر بلا اسناد اعتماد درست نہیں خصوصاً اس دور کی احادیث جو خیر القرون کے بعد ذکر کی گئیں ہیں بعد ازاں انہوں نے وضاحت کی ہے کہ بسوط کتابوں میں جو احادیث مروی ہیں ان کا اعتبار نہ کیا جائے جب تک کہ ان کی اسانید معلوم نہ ہوں یا ان کے بارے میں علماء حدیث کا اعتماد نہ ہو اگرچہ ان کے مصنفین جلیل القدر فقیہ انسان کیوں نہ ہو علامہ لکھنوی کی یہ بحث نہایت نفیس اور لائق مطالعہ ہے خیال رہے کہ پہلی تین صدیوں میں بھی اسناد ضروری ہے اگرچہ ان کے ہنر ہونے کی شہاد موجود ہے تو چوتھی صدی اور اس کے بعد کی صدیوں میں اسناد کا ہونا تو اور زیادہ ضروری ہے اور اکثر قابل اعتماد حدیث کی کتابیں چوتھی صدی اور اس کے بعد تالیف ہوئیں جیسے مسند طیبی مسند احمد مسند ابویعلیٰ نیز صحاح ستہ اور طبرانی کی تینوں معجم کتابیں وغیرہ۔

پس اس قاعدہ باطلہ کی رو سے جب ان میں سے کوئی شخص کہہ دیتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور اس کی اسناد ذکر نہیں کرتا تو حدیث صحیح سمجھی جائے گی ہم سوال کرتے ہیں تو پھر اسناد کی کیا حیثیت ہے ۱۰ اور محدثین نے اسانید کے جمع کرنے میں جو کوششیں کیں تو ان کی کوششیں تو ضائع ہو گئیں۔

تغویب ہے کہ ایک طرف تو وہ یہ کہتے ہیں کہ چوتھی صدی ہجری کا جب کوئی امام قال رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دے تو ہم اس کی بیان کردہ حدیث کو تسلیم کیسے کیا اس کی سند کے بارے میں استفسار نہیں کر دیں گے اور دوسری طرف ان سے یہ بھی منقول ہے اور مشہور ہے کہ وہ اکثر مرسل اور معضل اقوال کو تسلیم نہیں کرتے جب وہ ان کے مذہب کے خلاف ہوں اس لحاظ سے تو واقعی انہیں ان حدیثوں کا انکار کرنا چاہیئے بلکہ وہ تو معمول حدیثوں کا بھی انکار کرتے ہیں جب ان کے مذہب کے خلاف ہوں اس کی بعض مثالیں میری تابلیغ احکام الجنائز و بدعہام میں ملاحظہ فرمائیں وہ اصل ان قواعد کو وضع ہی اس لئے کیا گیا ہے تاکہ مخالفین کے اعتراضات کا جواب دے سکیں اور من گھڑت قواعد کا سہارا لے سکیں اور ہرگز اس حدیث کی طرف التفات نہیں کرتے جو ان کے مذہب کے خلاف ہو، اس قاعدہ کے خلاف ان کا ایک دوسرا قاعدہ ہے ملاحظہ فرمائیں۔

(قاعدہ ۳) ائمہ حدیث کا قول کہ یہ حدیث ثابت نہیں یا منکر ہے قبول نہیں کیا جائے گا جب تک کہ اس میں طعن کا ذکر نہ ہو۔

تعجب ہے ان دونوں میں کس قدر تناقص ہے فن حدیث کے ماہرین جب کسی حدیث کو ضعیف کہیں تو ان کا قول تسلیم نہ کیا جائے اور کسی مجتہد کا کسی حدیث سے استدلال اس کو صحیح ثابت کر دے اور اس کو قبول کر لیا جائے اگرچہ وہ حدیث کی صحت کے بارے میں وضاحت بھی نہ کرے اسی طرح تابعی کے شاگرد کا یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو صحیح سمجھ کر قبول کر لیا جائے اگرچہ اس کا شمار محدثین میں نہ ہوتا ہو۔

ہم دریافت کرتے ہیں کیا ان قواعد کے لحاظ سے حدیث اور محدثین کے اقوال کے محل کو منہدم کرنا چاہیئے یہاں تو ہزاروں کی تعداد میں ایسی حدیثیں موجود ہیں جن کی ضعف اور تکارر کا علم ہمیں محدثین کے اقوال سے ہوتا ہے مثلاً جب حافظ زبلی علامہ ذہبی علامہ عراقی کسی حدیث کے بارے میں رائے قائم کرتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے تو ہم کیسے ان کے قول کو تسلیم نہ کریں جب کہ وہ اس فن کے ماہرین میں شمار ہوتے ہیں البتہ شاید یہ لوگ حافظ زبلی کو ان سے متشیق قرار دیتے ہیں اس لئے کہ وہ حنفی المذہب تھے ہم ان کے قواعد کو تسلیم کر لیتے اگر وہ اپنے قاعدے کے ساتھ ان الفاظ کا اضافہ کر لیتے کہ جب علماء حدیث میں سے کوئی عالم اس قاعدہ کی مخالفت کرے گا اور حدیث کو صحیح قرار دے گا تو ہم اس کی صحت کو تسلیم کر دیں گے تاہم صحیح صورت حال یہ ہے کہ ہم علم حدیث کے مشہور قاعدہ کی طرف رجوع کر دیں گے کہ جب جرح و تعدیل میں تعارض ہو تو کس کو ترجیح ہوگی؟

صحیح بات تو یہ ہے کہ جرح کو ترجیح ہوگی جب اس کا سبب واضح ہوگا لیکن تعجب ہے کہ کس طرح

صاحب مقدمہ نے مقدمہ کے ص ۵۵ پر ایسی بات کو صحیح کہا ہے جس کو میں نے صحیح قرار دیا ہے اور پھر کس طرح اس نے اس قاعدہ کو اثباتی انداز میں پیش کیا ہے جو اس ترجیح کے منافی ہے اور کس نے معاملہ طرد پر ائمہ حدیث کا ذکر کیا ہے ائمہ حنفیہ کا ذکر نہیں کیا جو اپنے وضع کردہ قواعد کی رو سے احادیث کو صحیح اور ضعیف قرار دیتے ہیں شائد ان کے دلوں میں ائمہ حدیث کے خلاف جو شدید عناد و تشدد ہے اس کو کم کر کے راحت حاصل کرنا چاہتے ہیں یا کچھ اور مقصد ہے۔

(قاعدہ ۴) ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ کے اساتذہ نقیب ہیں (ص ۲۱۹-۲۲۰) اس قاعدہ کے بارے میں سنئے کس طرح وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں جب کہ وہ جانتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے شیوخ میں جابر جعفی بھی ہیں اس کے بارے میں خود انہوں نے ص ۲۸ پر ذکر کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے جابر جعفی سے زیادہ کذاب کسی کو نہیں پایا۔ یہی وجہ ہے کہ مقدمہ پر تعلیق لکھنے والے کے لئے باوجود شدید تعصب ہونے کے ممکن نہیں ہوا کہ وہ اس بات کا اضافہ کرنا کہ یہ قاعدہ اکثر و بیشتر ہے کلی نہیں ہے حالانکہ محدثین کے ہاں ثابت ہے کہ عادل کی روایت صرف اس بنا پر کہ اس کا راوی عادل ہے اس کی توثیق نہیں کر سکتا۔ اس کے باوجود مجھے یہ بات سمجھ نہیں آ رہی کہ کس طرح مؤلف اس قسم کے قاعدہ وضع کی جرات کرتا ہے حالانکہ مسند ابو حنیفہ (جن کو ابوالمؤید خوارزمی حنفی نے جمع کیا ہے) میں ایسی شہادتیں موجود ہیں جو اس قاعدہ کے تار و پود بکھیر رہی ہیں۔

ہم قادیان کی غزوات طبع کے لئے امام ابو حنیفہ کے شیوخ کا بیان کرتے ہیں جن کو علامہ خوارزمی نے ضعیف قرار دیا ہے بلکہ ان میں کثیر تعداد ان کی ہے جو متہم ہیں بالترتیب ملاحظہ فرمائیں۔

- (۱) محمد بن زبیر حنفی: امام بخاری فرماتے ہیں اس میں نظر ہے (۲/۳۵۰)
- (۲) محمد بن سائب کلبی: امام بخاری فرماتے ہیں یحییٰ بن سعید اور ابن ہمدی نے اس کو متروک

کہا۔ (۲/۳۵۰)

- (۳) ابراہیم بن مسلم بصری: امام بخاری فرماتے ہیں ابن عیینہ اس کو ضعیف کہتے ہیں (۲/۳۸۲)
- (۴) اسماعیل بن مسلم کلبی: ابن المبارک و ابن ہمدی نے اس کو متروک کہا (۳۸۲/۳۸۳)
- (۵) ایوب بن عقبہ: امام بخاری فرماتے ہیں محدثین کے ہاں ضعیف ہے (۳۸۳/۳۸۴)
- (۶) حکیم بن حبیبہ: امام بخاری فرماتے ہیں شیعہ اس پر کلام کرتے ہیں (۲/۴۲۶)
- (۷) مسلم بن کیسان ابو عبد اللہ بن الفریر: امام بخاری فرماتے ہیں محدثین اس میں کلام کرتے ہیں (۲/۵۵۱)
- (۸) محمد بن سعید: یحییٰ قطان نے اس کو ضعیف کہا (۲/۵۵۵)

(۹) نصر بن ظریف: امام بخاری فرماتے ہیں محدثین نے اس پر سکوت کیا (۲/۴۲۵)

(۱۰) یزید بن ربیعہ ابو کامل رحبی: امام بخاری فرماتے ہیں اس کی احادیث منکر ہیں (۲/۴۷۷)

اور امام ابو حنیفہ کے وہ اساتذہ کہ علامہ خوارزمی نے جن کا ذکر کیا ہے اور ان کے حالات بیان کئے ہیں وہ ایسے اساتذہ ہیں جن کے بارے میں علماء نے کلام کیا ہے اس کے باوجود آپ ان سے بیان کرتے ہیں کہ یہ شعور مضبوط ہوا کہ جہاں میں نے اس رتسان کی کذب بیانوں کا ذکر کیا ہے وہاں قارئین مجھ سے استفسار کریں گے کہ وہ کون شخص ہے جو نفعصب کے بام عروج پر چڑھا ہوا ہے اور حدیث دھری اس کا شیوہ ہے تو اگرچہ میں نے پہلے ہی ارادہ کیا تھا کہ میں اس کا نام نہیں لوں گا، لیکن بالآخر مجھے یہ خیال دامن گیر ہوا کہ مناسب بلکہ ضروری ہے کہ اس کی ردیل عصبيت کو آشکارا کروں تاکہ قارئین فیصلہ کر پائیں کہ کون محب سنت ہے اور کس کے دل و دماغ پر سنت سے دشمنی کا بھوت سوار ہے تو وہ ان سے محبت کریں جو سنت سے محبت رکھتا ہے اور ان سے دشمنی کریں جو سنت سے دشمنی کرتا ہے پھر مجھے محدثین کے اچھے انداز نے بھی دلیر کر دیا جنہوں نے صراحتاً نہ صرف حدیث کے راویوں اور ان کے اسما اور عیوب کے ذکر کو جائز گردانا ہے بلکہ واجب قرار دیا ہے تاکہ ان کی جرح تعدیل کا پتہ چل سکے چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ محدثین کی کتابوں میں کثرت کے ساتھ یہ الفاظ موجود ہیں کہ تھان احادیث وضع کرنے والا ہے تھان کذاب ہے تھان سخی الحفظ ہے وغیرہ۔ یہاں تک کہ انہوں نے بعض ایسے اثبات بھی تنقید کرنے سے گریز نہیں کیا جن کا بعض علاقوں میں اتباع کیا جاتا ہے اور لوگ ان کا مذہب اختیار کرتے ہوئے ہیں، مثلاً گذشتہ اوراق میں قریب ہی محدثین کا قول ذکر ہوا ہے کہ انہوں نے محمد بن حسن شیبانی کو سچ الحفظ قرار دیا محدثین نے جرح و تعدیل کا یہ انداز محض مسلمانوں کی خیر خواہی اور دین اسلام کا یہ غیرت کے پیش نظر کیا ہے انہوں نے صراحتاً تحریر کیا ہے کہ کسی شرعی مقصد کے لئے کسی زعمہ یا فوت شدہ انسان کی غیبت کرنا شرعی مقصد کے لئے جائز ہے جب کہ غیبت کے سوا کوئی چارہ نہ ہو۔ چنانچہ بعض محدثین نے چھ چیزوں کو اس شعر میں جمع فرمایا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے

الغدر ليس بغيبة في ستمه منتظم و معروف و معذور
ومجاهر نسقاً و مستغف و من طلب الاعانة في ازالة منكر

چوتھم کے انسان ایسے ہیں کہ ان کے محبوب مکانا غیبت نہیں ہے۔ اقل وہ انسان جو فریاد رسی کرنے والا ہے۔ دوسرا وہ شخص جو کسی کی تعریف کر رہا ہے تیسرا وہ شخص جس سے ڈرا یا جا رہا ہے۔ چوتھا وہ شخص جو حکم کو فسق و فجور کرتا ہے۔ پانچواں وہ شخص جو فتنی طلب کرنے والا ہے۔ چھٹا وہ شخص جو برائی کے ازالہ میں مدد کا مطالبہ کرتا ہے۔

معزز قارئین سے یہ بات مخفی نہیں کہ یہ سب باتیں ایسی ہیں جن کا عام طور پر لحاظ رکھا جاتا ہے پس اس ذیل کی روشنی میں میں اس متعصب انسان کا تذکرہ کرتا ہوں۔

اس کا نام شیخ عبدالفتاح ابو غندہ حنفی حلی ہے جو اپنی شدید اہل حدیث و شنی کی وجہ سے متعارف ہے خصوصاً اپنے شرع طلب میں جب وہ جمعہ کے دن نمبر نمبر خطبہ دیتا ہے اور اپنے شہر کے موقع سلفیوں کے خلاف پورے زور سے زبان طعن دراز کرتا ہے ان کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ سعودی موحدین کو بھی وہاں بیت کے لقب کے ساتھ مطعون کرتا ہے اور مجھے بُرے الفاظ کہتا ہے ان کے ساتھ اپنی شدید دشمنی کا اظہار کرتا ہے اھل صریح الفاظ میں انہیں گمراہ کہتا ہے چنانچہ وہ اپنے خطبوں میں عام طور پر ثابت کرتا ہے کہ اللہ کے علاوہ مرے ہوؤں سے مدد مانگنا اور ان سے فریاد رسی کرنا جائز ہے شرک نہیں ہے اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ ان سے مدد لینا شرک یا کفر ہے وہ خود کافر ہے اور مختلف قسم کی انہام بازیوں کے ساتھ انہیں بدنام کرنے کی کوشش کرتا ہے پہلے تو ہم سمجھتے تھے کہ اس کی یہود گیاں ختم ہو چکی ہیں اور وہ بھی دفن ہو چکا ہے جب کہ لوگوں کے سامنے سعودیوں کی حقیقت آشکارا ہو چکی ہے اور ان کی دعوت صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے ہے اور اعلاص کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے میں ہے لیکن میں حیران رہ گیا جب میں نے دیکھا کہ ابو غندہ سجاہل عارفانہ سے کام لے رہا ہے اور ان کے خلاف فتنہ کو مسوم کر رہا ہے بلکہ ایسی قہمتیں تراشتا ہے جو اس سے پہلے سنی نہیں تھیں وہ مزہ سے اعلان کرتا ہے کہ ان وہابیوں کا یہ حال ہے کہ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آتا ہے تو یہ لوگ نالا منگی سے ناک منہ چڑھاتے ہیں منہ بسور لیتے ہیں اور ان کی خوشیاں غارت ہو جاتی ہیں سبحانک ہذا بہتان عظیم علاوہ انہیں نالا و انہما تراش کر ان کے ذمہ لگانے ہیں حلب کے باشندے جو ان کے خطبوں میں شریک ہوتے ہیں ان سے کما حقہ باخبر ہیں نیز الامام الفاضل قریشی کی تالیف التصرف میں الحن والحنن طبع ثانی کے ص ۲۰ تعلیق پر ان انہما کا ذکر ہے قریب قریب بعینہ اسی قسم کی باتیں ایک اور متعصب جو ڈاکریٹ کا سرٹیفکیٹ اٹھائے پھرتا ہے، اپنی کتاب میں کہتا ہے۔

وہ لوگ گمراہ ہیں جن کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہیں ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی ذات کا وسیلہ پکڑنے سے منکر ہیں کیا ان دونوں متعصب انسانوں کا یہ توافق بلا ارادہ ہے اور صرف اس لئے توافق ہو گیا ہے کہ ان دونوں میں اہل سنت کے ساتھ دشمنی اور عداوت و جہاد مشترک ہے گویا کہ پچھلے سے انہوں نے منصوبہ بندی کے ساتھ ان باطل اور غلط انتہات کو نہیں تراشاد و حقیقت جن کے زیادہ مستحق یہ عداوت آپ ہیں یا پھر یہ معاملہ اس طرح ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ارشاد خداوندی ہے: ﴿اَوَاصُوْهُ اِمَامٌ مِّمَّ قَوْمٍ طَاغُوْنَ﴾۔

ابوغدہ کا مملکت سعودیہ میں تدریسی منصب

بدقسمتی سے جب ابوغدہ مملکت سعودیہ کے ایک علمی ادارہ میں بطور مدرس مقرر کئے گئے تو مملکت سعودیہ اور ان کی دعوت کے ساتھ جو دشمنی وہ رکھتا تھا اس کو اس نے چھپایا اور ظاہر کیا کہ وہ نوان کا دوست ہے لیکن زبان حال پتہ دے رہی تھی کہ جب تک سرزمین سعودیہ میں نیام ہے اس وقت تک ان کی دوستی کا دم بھرتا رہے گا چنانچہ وہاں قیام کے دوران اس نے بعض حدیث کی کتابوں پر تعلیق اور طباعت میں بظاہر دلچسپی دکھائی چنانچہ ان میں ایک کتاب امام ابن قیم کی مؤلفات سے تھی اور بعض کتابوں کی تعلیقات میں امام ابن قیم اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی کتابوں سے بھی حوالہ جات نقل کئے لیکن اس وقت بھی زائد کوثری سے نقل کرنے میں رہ سکے کثرت کے ساتھ ان حوالہ جات نقل کئے جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ امام ابن قیم اور تمام محدثین کا دشمن ہے سچی بات کہنی پڑتی ہے کہ زائد کوثری علم حدیث اور رجال حدیث کے علم میں برہ وافر رکھتے تھے لیکن ناسف کے ساتھ یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ ان کا علم ان کے خلاف حجت اور دوا بال ہے علم حدیث میں مشغولیت کے باوجود اصول اور فروع میں روشنی اور ہدایت ان کا مفقود نہ بن سکی عقیدہ جمعی صفات اللہ کا معکر خالی حنفی تمام محدثین متقدمین مناہرین کا سخت دشمن ان کے خلاف بد زبان اور طعن و تشبیع کرنے والا ہے اہل حدیث پر تہمت تراشتا ہے کہ یہ لوگ خدا کا جہم ماننے والے ادھاس کی تشبیہ کے قائل ہیں نیز (السیف العقیل) کے مقدمہ کے ص ۵ پر اہل حدیث کو حشویہ بے وقوف کہا ہے اور امام ابن خزمہ کی کتاب النہج کو کتاب الشک کہا ہے اور امام ابن خزمہ کو بدعت تنقید بناتے ہوئے کہا کہ وہ توحشیم کے قائل اور بدین اسلام کے اصولوں سے بالکل ناواقف تھے اور علم فقہ کے بالے میں اہل حدیث کو جامہ دم قلم بے وقوف کہا ہے کہ یہ لوگ تو یونسی کتابیں اٹھائے پھرتے ہیں حدیث کے تین صد واد کو مطعون قرار دیا ہے جن میں اکثر ثقہ ہیں اور تقریباً نوے راوی حافظ ہیں نیز ان میں

ائمہ فقہاء مثلاً امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل ہیں اور صراحتاً کہا ہے کہ اسے شیخ ابن حبان خطیب بغدادی اور ان جیسے لوگوں پر اعتماد نہیں ہے اور امام احمد بن حنبل کے بیٹے امام عبد اللہ جو مسند احمد کے اکیسے راوی ہیں کذب کہا ہے شائد اسی لئے وہ مسند احمد کو ان سانیہ میں شمار نہیں کرتا جن کی طرف رجوع کرنا چاہیئے اور ان پر اعتماد کرنا چاہیئے چنانچہ اپنی تالیف (الاشفاق علی احکام الطلاق ص ۲۲ طبع حصص) میں رقمطراز ہے کہ مسند احمد منفرد متعدد روایات کے ساتھ ساتھ صحیح احادیث کا مجموعہ بھی ہیں ہے بھر ص ۲۴ پر لکھتا ہے مثلاً مسند احمد میں راوی کے (عن) کے ساتھ احادیث کو منقطع کر کے (سواء) اور (حدثنا) کے ادا کے مبعوض سے محفوظ نہیں ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس ضمیمہ کتاب کی مصداقیت میں منفرد راوی نے ضبط کا اہتمام نہیں کیا ہے وہ اسی پر بس نہیں کرتا بلکہ حافظ غفیلی کو منصب ناکام کے لقب سے یاد کرتا ہے خلاصہ یہ کہ مشہور حافظ اور ان کی کتب سے شاذ و نادر ہی کوئی ہوگا جو اس بد زبان منصب کے طعن اور زبان درازی سے محفوظ رہا ہو مثلاً ابن عدی کی کامل اور الجری کی اثربیعہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

مزید برآں یہ شخص ایسی حدیثوں کو بھی ضعیف قرار دیتا ہے جن کی صحت پر محدثین کا اتفاق ہے بلکہ بخاری، مسلم کی بعض مرویات کو بھی ضعیف کہتا ہے جبکہ ان میں کوئی ایسی علت موجود نہیں جو انہیں ضعیف بنائے گذشتہ اوراق میں ہم نے چند احادیث ذکر کی ہیں جنہیں یہ شخص کمزور کہتا ہے بخلاف اس کے ایسی حدیثوں کو مذہبی عصبيت کے پیش نظر صحیح قرار دیتا ہے جن کے بارے میں ماہرین فن کو ابی دینے ہیں کہ وہ ضعیف بلکہ موضوع ہیں مثلاً (ابو حنیفہ سراج امتی) ابو حنیفہ میری امت کے چہرے ہیں حدیث اور اس جیسی اور حدیثیں جن کے ذکر کرنے کی اس وقت گنجائش نہیں ہے اس کی ان باتوں کا رد تفصیل کے ساتھ نہایت عمدہ اور منطقی صاف ستھرے انداز میں علامہ عبد الرحمن المعلی الیسمانی نے اپنی تالیف طلیعتہ التکلیل میں بعد از ان اپنی نادر عظیم تالیف التکلیل بانی تالیف انکوثری میں لایا طیل میں دیا ہے پس حقیقت حال سے آگاہی حاصل کرنے والے لوگ ان دونوں کتابوں کا مطالبہ فرمائیں بقیۃً ہم نے جس قدر بیان کیا ہے اس سے کہیں زیادہ علمی فوائد سے اپنے دامن کو بھر لیں گے "واللہ المستعان"

ہم نے کوثری کے علمی مرتب کو بیان کیا ہے اور اس کی علمی دیانت کو بھی آشکارا کیا ہے ہمارا خیال یہ ہے کہ ابو غدہ بھی کوثری کی ان باتوں سے یقیناً واقف ہے اس لئے کہ ابو غدہ پورے شغف و اہتمام کے ساتھ کوثری کی کتابوں کا مطالعہ کرتا ہے اگر ابو غدہ دوران مطالعہ کوثری کی ان باتوں

کو معلوم نہیں کر پایا ہے (جبکہ یہ احتمال بعید از قہم ہے) تو ابو غدہ یقیناً علامہ بیانی کے رد کرنے سے مطلع ہو چکا ہے، علامہ بیانی نے نہایت پاکیزہ علمی انداز میں اس کا رد کیا ہے جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں۔

جب ہم ان کی تالیفات کا مطالعہ کرتے ہیں جن پر ابو غدہ کے حواشی ہیں اور جن کی طباعت کا اہتمام بھی ابو غدہ نے کیا ہے اور ان حوالہ جات کا ہم ملاحظہ کرتے ہیں جو انہوں نے کوثری کے کلام سے نقل کئے ہیں تو ان تمام باتوں سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ابو غدہ کوثری سے بہت زیادہ متاثر ہے اور اس کی تالیفات کو منظرِ تحسین دیکھتا ہے بلکہ مسلک اور مشرب کے لحاظ سے کوثری نسبت دیکھتا ہے ہم یہ تمام باتیں کیوں نہ کہیں جبکہ وہ کوثری کے نام کے ساتھ بڑے بڑے القاب کا اعزاز کرتا ہے ابو غدہ کے علاوہ ہم نے کسی دوسرے عالم کو نہیں دیکھا کہ وہ کوثری کو ایسے بڑے بڑے القاب کے ساتھ نوازتا ہو، چنانچہ ”الرفع والتکلیل“ کے حاشیہ صفحہ ۶۸ پر ابو غدہ کوثری کو علامہ، محقق، امام کے الفاظ کے ساتھ خراج تحسین پیش کرتا ہے اور اسی کتاب پر مقدمہ سے پہلے یہ جملہ تحریر ہے ”الہدء الی رد ۳ استاذ المحققین الحجۃ المحدث الفقیہ الاصولی المشکلم الظہار المؤمن الفہام گویا کہ اپنے علمی کام کا انساب اور ہدیہ عقیدت علامہ کوثری کی روح کو پہنچا رہا ہے جن کو عظیم علمی القاب کے ساتھ متعارف کرایا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ کوثری کے ساتھ اپنے تعلق کا ذکر ایسے بلیغ انداز میں کیا ہے کہ اس کی طرف اپنی نسبت کرتے ہوئے اپنا نام یوں تحریر کیا ہے

الشیخ عبدالفتاح ابو غدہ الحنفی الکوثری نے اپنے بڑے بیٹے کا نام کوثری سے برکت حاصل کرتے ہوئے اور اس کی یاد کو تازہ رکھتے ہوئے زاد رکھا ہے اس لحاظ سے اس بات کے کہنے میں ہم حق بجانب ہیں کہ ابو غدہ کوثری سے علمی تعلق رکھنے میں مسرت محسوس کرتا ہے اور سو فیصد اس کی آزاد اور افکار سے متفق ہے اور اس کی مسئولیت کے بوجھ میں اس کے ساتھ شریک ہے ہمارے اس موقف کی مزید تائید اس بات سے بھی ہو رہی ہے کہ ابو غدہ نے... کثیر تعداد میں جو تعلیقات لکھی ہیں ان میں کہیں بھی کوثری پر تنقید یا اعتراض نہیں کیا ہے بلکہ مبالغہ کی حد تک کوثری سے متاثر ہے ہم دیکھتے ہیں کہ کوثری کا ذکر کرتے وقت انہیں عظیم علمی القاب کے ساتھ خراج تحسین پیش کرتا ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا ذکر کرتے وقت اس قدر محفل سے کام لیتا ہے اور اپنے بغض کا اظہار کرتا ہے کہ صرف الشیخ

ابن تیمیہ کتنا ہے ملاحظہ کریں۔ الرقع والتکبیل صفحہ ۵۵، ۶۰ ہمیں اس بات کے مان لینے میں کچھ حرج نہیں ہم یقین کے ساتھ یہ بات کہتے ہیں کہ جب ابو غنہ ابن تیمیہ کے ساتھ الشیخ کا لفظ ذکر کرتا ہے تو ہم اس بات پر یقین نہیں کر سکتے کہ وہ علم و فضل کے لحاظ سے ان پر شیخ کا اطلاق کر رہا ہے یا علم کے لحاظ سے یا اس لئے کہ وہ سید سے راہ سے بھٹک گیا ہے ہم نے تو یہی سمجھا تھا کہ ہمیں ہرگز توقف نہیں کرنا چاہیے کہ الشیخ سے مراد پہلا معنی لیں لیکن مجھے اس سے اس بات نے روک دیا کہ ابو غنہ تو کوثری المشرب ہے جیسا کہ آپ معلوم کر چکے ہیں اور کوثری اپنی اکثر تعلیقات میں ابن تیمیہ کو سید سے راہ سے بھٹکا ہوا اور گمراہ قرار دیتا ہے بلکہ اس نے اپنی کتاب "الاشفاق" کے صفحہ ۸۹ پر لکھا ہے "ان کان ابن تیمیہ یزال بعد شیخ الاسلام فعلى الاسلام السنکرا ابن تیمیہ کو شیخ الاسلام شمار کیا جاتا ہے تو ایسے اسلام پر ہم سلام بھیجتے ہیں۔"

غالب ظن یہ ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے بارے میں اس قسم کا احانت آمیز کلمہ چونکہ ابو غنہ کے استاذ کی زبان سے نکلا ہے جسے ابو غنہ استاذ المحققین المجتہد کا لقب دیتے ہیں اور ان سے یقیناً متاثر ہیں اس بنا پر ابو غنہ صرف الشیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھنے سے گریزاں ہیں ظاہر ہے کہ ان کو شیخ الاسلام لکھنے سے استاذ کی نافرمانی ہوتی ہے اور وہ اپنے استاذ کی نافرمانی نہیں کرنا چاہتا ہاں اگر اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت دیا چاہے تو نافرمانی کر سکتا ہے جب میں یہ بات تحریر کر رہا ہوں اس دوران میرے علم میں یہ بات بھی ہے کہ ابو غنہ نے ایک بار الاجوبۃ الفاضلۃ کے حواشی میں ۹۲ پر انہیں شیخ الاسلام لکھا ہے ہم دریافت کرتے ہیں اگر انہوں نے شیخ الاسلام کا لقب عقیدت کے ساتھ ان کے نام کے ساتھ لکھا ہے غیر شعوری طور پر نہیں ہے اور نہ اس وجہ سے ہے کہ چونکہ ابو غنہ ان دنوں ریاض میں مقیم تھے اور وہاں کے اہل علم شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے ساتھ گہری عقیدت رکھتے تھے ان کا تقرب مقصود تھا اور نہ کوئی اور سبب ہے تو پھر ابو غنہ نے اپنے استاذ کوثری سے برأت کا اظہار کر دیا ہے شاید ادبی شجاعت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اس قدر حرأت مندانہ اقدام کیا ہے کہ کھلے لفظوں میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے ساتھ ایسی عقیدت اور وابستگی کا اعلان کر دیا ہے اور واقعہً وہ اس بات کا منقصد ہے کہ ابن تیمیہ شیخ الاسلام ہیں اور اپنے استاذ کوثری کے خیانت کا انکار کر رہا ہے اور ان سے برأت کا اظہار کر رہا ہے جو انہوں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے رد میں لکھے ہیں اگر یہ معاملہ بلا شبہ اس طرح ہے تو میں اللہ پاک سے اپنے لئے اور ابو غنہ کے لئے استغفار کی دعا کرتا ہوں۔

ابوغدہ کا (الشیخ ابی تمیمہ) لکھنے سے جو بھی مقصد ہو اس میں تو ہر حال کچھ شبہ نہیں کہ ابوغدہ کوثری کا عقیدت مند فاشعار شاعر ہے اس لحاظ سے ہم تسلیم نہیں کرتے کہ وہ توحید اور صفات کے مسائل میں سلفی ہے یعنی اس کا عقیدہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ابن قیم اور محمد بن عبد الوہاب رحمہم اللہ جیسا کہ ہیں ہے جب کہ اس کا استاذ کوثری ان ائمہ حق سے عقائد سلف میں شدید دشمنی رکھتا ہے ہم بیان کر چکے ہیں کہ کوثری نے ان ائمہ حق پر کس قدر بے بنیاد الزامات لگائے ہیں اور خاص طور پر ابن تیمیہ کو کذاب اور غاشی کہا ہے ان الزامات کا بدیسی نتیجہ ہے کہ وہ اس دور میں اہل سنت کا شدید دشمن ہے جب کوثری کا یہ حال ہے تو ابوغدہ بھی ان ائمہ دین کا شدید دشمن ہے وہ ہرگز ان کا دوست نہیں ہے جب کہ وہ اپنے استاذ کوثری کو ایسے بلند و بالا القاب دے کر اسے خراج تحسین پیش کرتا ہے، پس جب تک اپنے استاذ

سلف اس سے مراد، استاذ المحققین، القاب ہیں اس میں کچھ شک نہیں کہ ابوغدہ اپنے استاذ کوثری کی تعریف میں مسائل آرائی سے کام لے رہا ہے حالانکہ کوثری مشہور ہے کہ وہ اہل سنت کا شدید دشمن ہے ابوغدہ کے تعریفی کلمات پر تمام قاریین ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں لیکن شاید فائدہ میں کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ ابوغدہ نے اپنے استاذ کی تعریف میں جو مسائل آمیزی کی ہے دراصل اس کے استاذ محمد کوثری نے اپنی تعریف اور تخریج کرتے ہوئے ”تائیدتھا الخطیب“ کے نامیٹل پر اپنے نام کے ساتھ لکھا ہے ”تالیف الامام الفقہ المحدث الحجۃ الشافعی المحقق العلانہ الکبیر“ اور یہ کتاب ان کی عمرانی میں چھپی ہے اور اس کی تصحیح کا بھی انہوں نے اہتمام کیا ہے، ”التبیل (۱/۵)“ اپنی مدح و ستائش کی یہ بیماری صرت استاذ تک ہی محدود نہیں بلکہ ابوغدہ نے بھی جب اپنی تعریف میں مسائل آرائی سے کام لیا ہے یا اس کے بعض رفقاء نے جب اس کی گستاخی میں اور اس سے حاصل کردہ اس کی زندگی کے حالات کسی تالیف میں ذکر کئے ہیں دراصل وہ حالات خاص نوعیت کے ہیں جو مزہم کے عود بنانے کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے، چنانچہ اس میں یہ عنوان ہے کہ ابوغدہ اپنے دور کی اسلامی تحریک کا عظیم لیڈر ہے، خلاصہ یہ ہے کہ دین اسلام کی عظمت کے لئے یہ دلیل کافی ہے کہ اللہ علیہ خیر نے نادرہ دور کا عظیم انسان پیدا فرمائے جو دین کی حفاظت کر رہے ہیں اور انسانوں کا ذکر کرتے ہوئے اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا اور مجھے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ذکر کیوں نہ کیا جبکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے مقدم ہیں حضرت عمر کے ذکر کے بعد خالد بن ولید، سلمان فارسی کا ذکر کیا ہے بعد ازاں دو درجہ حاضر کے چند مشہور عظیم اہل علم لوگوں کا ذکر کرنے کے بعد شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کا ذکر ہے اور اس کے تفصیلی حالات پانچ پڑے صفحات میں پھیلے ہوئے ہیں چنانچہ ان کے بارے میں تحریر ہے کہ ابوغدہ منفرد عالم، عامل، مجاہد، مرنی، خیر خواہ، صاحب دہشدر (باقی بر صفحہ آئندہ)

سے برائے کا اظہار نہیں کرتا اور اہل سنت سے دشمنی نہیں چھوڑتا، ہم ابو غندہ کو بھی کوٹری کی صفت میں رکھیں گے اور وہ بھی اسی طرح کے مجرم ہیں ہمارا ان کو مجرم کہنا ارشاد خداوندی۔ (لائزر وزارت ذرا خری) کے مقبوم کے ہرگز منافی نہیں ہے اس لئے کہ ہم ابو غندہ کا موافقہ اس لئے کر رہے ہیں کہ وہ خود اعتراف کرتے ہیں

(بقیہ صفحہ سابقہ) علامہ جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا جس کا دین، علم اور سیرت پختہ ہیں۔ علامۃ الشام کثرت ظلم کے ساتھ ساتھ متقی شخصیت الہی کا مجسمہ اللہ کے حدود کا خیال رکھنے والا، ثبات اور مکروہات سے دور رہنے والا جس نیک کام کا حکم دیا خود بھی اس پر عمل کیا اور اپنے اہل و عیال کو بھی روکے رکھا اس نے میراث اسلامی کے علم میں ایک نادر عمدہ نقشہ تیار کیا ہے نیز جب بھی اس کے سامنے کسی غیر مطبوع یا مطبوع کا ذکر ہوتا ہے تو فوراً اس کتاب کی خصوصیات اور حتملاً اس کے محتویات سے پردہ کشائی کرتا ہے نیز وہ یہ معلومات بھی رکھتا ہے اگر وہ کتاب مطبوع ہے تو سچا وہ کہاں طبع ہوئی اور اس کے کتنے ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں اور اگر وہ غیر مطبوع ہے تو وہ کس لائبریری میں ہے اور اس کی نقل کی تاریخ کیا ہے اس پر ایک لطیفہ سنئے کہ ایک شخص جو ظرافت میں مشہور اور حاضر جواب تھا اس نے جب اس کا یہ آخری وصف سنا تو فوراً بول اٹھا یہ تو پھر انتہا بڑا دکارتعالیٰ ہے، مفقود ہے کہ ابو غندہ کے حفظ ضبط کے وصف میں اس قدر غلو اور مبالغہ آرائی سے کام لیا گیا ہے کہ کہتا بڑتا ہے کہ اس مقام تک کسی انسان کا پہنچنا ممکن نہیں ہوتا ہو یہ تو پھر خدا تعالیٰ ہے۔

ابو غندہ کے تعارف میں ناقابلِ فہم مبالغہ آرائی پر مبنی دعاوی ہیں اور ترم و حیا سے عاری مقالہ ہیں ہر شخص کے لئے ان کا سمجھنا آسان نہیں بطور نمونہ ہم کچھ باتیں نقل کرتے ہیں جن سے معلوم ہو گا کہ وہ اپنی مدح و ستائش میں کس قدر حریص ہے کہ خود ہی اپنی تعریف کرتے ہوئے حدود اعتدال سے تجاوز کر گیا ہے اور اس بات پر مسرت کا اظہار کرتا ہے کہ اس کی مدح و توصیف میں زمین و آسمان کے فلاہے ملا دیئے جائیں چنانچہ وہ خود کہتا ہے

کہ وہ قاہرہ میں بے مثال مجاہد کی حیثیت میں جانا جاتا تھا وہ قاہرہ میں صرف ان بیکہروں پر ہی اکتفا نہیں کرتا تھا جن میں وہ شریک ہوتا تھا بلکہ محقق نقذ اہل علم مثلاً امام محدث فقہ اصولی ناقد، پاکدامن شیخ محمد ابد کوٹری سے علم کی باتیں اخذ کرتا تھا نیز وہ کہتا ہے: وہ دنیا بھر میں علامہ کے لقب سے مشہور ہے کسی میں اس کے ساتھ مقابلہ کی جرأت نہیں دین، علم، سیرت کے لحاظ سے قابلِ اعتماد ہے اور تمام مسلمانوں کی امیدوں کا سہارا، ہند، پاکستان، حجاز، شام ممالک کے تمام مسلمان سکالروں کا اس بات پر اجماع ہے کہ وہ ان سب کا قابلِ اعتماد علمی نشان ہے اور ان کے مسائل کے حل کا اتحاد و ادائی ہے اور اس کا وجود علمی شعاعوں کا آفتاب ہے جس سے لوگ برکت حاصل کرتے ہیں اور انہیں تحفظ حاصل ہوتا ہے بلکہ اس کا وجود تو (باقی بر صفحہ آئندہ)

کہ وہ کوثری المشرب ہیں نیز اسے علم ہے کہ اس کا شیخ جاوہ سنت سے منحرف ہے اہل سنت ائمہ حدیث اور فقہ پر مذہبان طعن دراندہ کرتا ہے اس کی ذلت آمیز حرکتائیں میں سے خاص طور پر یہ ہیں کہ اس نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ پر متعدد الزامات لگائے ہیں اور ان کو ہدف مطاع بنایا ہے یہاں تک کہ کوثری نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے بارے میں قابل نفیس کلمات کے ساتھ تبصرہ کیا ہے جو اس کی باطنی غیبت کو آشکارا کر رہے ہیں (اللہ پاک کوثری کے ساتھ وہی برتاؤ کرے جس کا وہ مستحق ہے)

اپنی تابعت الاشفاق کے ص ۸۶ پر بدعظرائے حلو قلنا لمدیل الاسلام فی الادوار العفیدۃ بین

ہواضرم ابن تیمیہ فی تفریق کلمۃ المسلمین لما کنا مبالغین فی ذلک وحرمل عننا مع الیہود والنصارى -

اگر ہم کہیں کہ اسلام کے آخری ادوار میں اسلام کو اتنا نقصان کسی شخصیت سے نہیں پہنچا جتنا کہ ابن تیمیہ سے پہنچا تو اس میں کچھ مبالغہ نہیں جب کہ اس نے مسلمانوں میں افزائے کی خلیج کو وسیع کیا وہ انسان سہل انگار بلا جواز رسولوں کا دلدادہ یہود و نصاریٰ کا ساتھی ہے۔

ہم نے ابو غدہ کے استاد کوثری کے بارے میں جو باتیں ذکر کی ہیں ابو غدہ ان کو خوب جانتا ہے بلکہ جن باتوں کا ہم ذکر نہیں کر پائے ہیں ان سے بھی ابو غدہ کو مکمل آگاہی حاصل ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ان پر ہرگز کسی مسئلہ میں تعاقب نہیں کرتا ہے اسی بنا پر ہم اس بات کے معتقد ہیں کہ ابو غدہ بھی اپنے استاد کی طرح اہل سنت والحدیث کا دشمن ہے اور اگر وہ اس سے انکار کرتا ہے تو محالاً یا تفصیلاً اس سے اپنی برأت کا اظہار کرے اگر وہ اعلان کر دے (لیکن ہمارا خیال یہ ہے ہرگز اعلان نہیں کرے گا) تو ہم اس کے ظاہر کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے دلی احساسات کو اللہ سبحانہ کی طرف سپرد کر دیں گے۔

بعد ازاں ہم ابو غدہ سے اسی بات کے دریافت کرنے میں حق بجانب ہیں کہ اگر وہ اہل سنت اور موحیدین سے اپنے استاد کوثری کی تقلید کرتے ہوئے اس قدر دودھ ہے کہ وہ حلب شہر میں متبر بہ خطبہ دیتے ہوئے اعلان کرتا ہے کہ جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا کفر ہے وہ خود کافر ہیں (جیسا کہ اس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے) تو اسے یہ بات ایسے ابھی معلوم ہوتی ہے کہ وہ مسلسل کئی سال سے اب تک مملکت سعودیہ میں مقیم ہے اور وہ یقین کے ساتھ یہ بھی جانتا ہے کہ اس کے کفر (بقیہ صفحہ سابقہ) نعمت بکری ہے وہ یقیناً قلب، ذی الحسی شفا مزارع بلند فوق لطیف مزارع خیرین بیان شکستہ مزارع نکتہ سنج، صاحب الامای، تمیم ذہبی، قوی الحجۃ، معتدل رجحانات، مومنانہ جوش و حموش، سیر العظم پر کشش، تواضع اور نرم مزاجی کے اوصاف حمیدہ کا حامل ہے خیال دہے کہ ہم نے اس تعارف کا کچھ حصہ جو ہمارے موضوع کے ساتھ متعلق تھا ذکر کیا ہے اور نام خیال بلند بانگ و دعوں اور حقائق کو طبع سازی کی شکل میں پیش کردہ (باقی بر صفحہ آئندہ)

کے فتویٰ کے مصداق یہ لوگ ہیں تو کیا اب وہ ان کو کافر کہنے سے باز آگیا ہے اور کیا غیر اللہ سے مدد مانگنے کو جائز قرار دینے سے رک گیا ہے اور وہ اس بات کا قائل ہو چکا ہے کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا کفر ہے؟ تب تو اس کا وہاں رہنا مبارک ہے اور یہ موافقت قابل رشک ہے۔

مجھے وہ جواب معلوم ہے جو ابو غندہ کے دل میں ہے اس لئے کہ فقہاء حنفیہ وغیرہ کے ہاں قاعدہ استصحاب الحال مشہور اور مسلم ہے جب کہ اس کے خلاف نص موجود نہ ہو اور اس مسئلہ میں بھی ہمارے پاس نص نہیں ہے جس سے ہمیں یہ معلوم ہو کہ ابو غندہ ایسے عقیدہ رکھنے والے لوگوں کو کافر کہنے سے رجوع کر چکا ہے پس ہم تو اسی مقام پر کھڑے ہیں جس کا ہمیں ابو غندہ کے بارے میں علم ہے لہذا ہم براہ راست ہیں کہ ابو غندہ کی سعودیوں کے ساتھ ہرگز موافقت نہیں ہے اس لئے کہ سعودی لوگ خصوصاً ان میں اہل علم ہمیشہ سے محمد اللہ تعالیٰ کے عقیدہ کا تحفظ کرتے ہیں اور مشرکانہ بت پرستانہ عقائد سے محاذ بہ کرتے ہیں اور غیر اللہ سے قوت شدہ لوگوں سے مدد لینا مشرکانہ عقیدہ ہے تو اس نظریہ کے ہوتے ہوئے ابو غندہ کے لئے ہرگز جائز نہیں کہ وہ سعودی مملکت میں قیام کرے۔

میرا احساس یہ ہے کہ وہ ان کے درمیان اس طرح نہیں رہ رہا ہے جیسا کہ وہ پسند رکھتا ہے کہ وہ اپنے غلط نظریات کا پرچار کرے اور خیر خواہانہ انداز میں لوگوں کی تربیت بہت کرے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہوئے ان کے سامنے وضاحت کرے کہ تمہارا عقیدہ تو بدعت اور گمراہی ہے نیزہ ان کے اس قول کا سختی سے انکار کرے کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا کفر ہے اگر وہ کھل کر اس عقیدہ کا اظہار کرتا ہے تو یقیناً مودتوں میں سے ایک صودت ہمارے سامنے آتی ہے۔ اولاً سعودیوں کو گمراہ قرار دے اور ایسا زوردار لگ لگا دینے والا خطبہ دے جس سے ان کے اعتقادات کے محل میں زلزلہ اچھلے جیسا کہ وہ حلب شہر میں کھل کر شرک کی آب پاشی کرتا ہے اور غیر اللہ سے مدد مانگنے والوں کو کافر قرار دیتا ہے لیکن اس کا ایسا کرنا ناممکن ہے یا سعودی باشندے ابو غندہ کو کتاب و سنت کی روشنی میں گمراہ قرار دیں اور اس سے اقرار کروائیں یہ بھی مشکل ہے اب ایک ہی راستہ رہ گیا ہے اور اس کے بغیر چارہ نہیں کہ دل میں کفر چھپائے رکھے اور محض ان کے ملک میں رہائش پذیر ہونے کے لحاظ سے ان کی مخالفت نہ کرے جیسا کہ عام لوگ اس ملک میں رہتے ہیں جن کا کچھ متعقد نہیں ہوتا ابو غندہ کا حال ایک شاعر نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے

(بقیہ صفحہ سابقہ) باتوں کا ذکر نہیں کیا اس لئے کہ گھر کا مالک خوب جانتا ہے کہ گھر میں کیسے ہم نے فرمادی کھانا کھا کر پتا فرض ادا کیا جائے کہ جو شخص کسی بات کے اصرار میں حد سے تجاوز کرتا ہے اس کو روکا جائے ۱۲

و دارهم ما دمت في دارهم و ارضهم ما دمت في ارضهم -

ترجمہ: جب تک میں ان کے ملک میں رہوں ملک ان کا ہے اور جب تک میں ان کی زمین میں رہوں زمین ان کی ہے۔

جو لوگ ابو غندہ کے بارے میں حسن ظن بھی رکھتے ہیں اور ابھی تک اس کے عقیدہ کے بارے میں بھی انہیں معرفت حاصل نہیں تھیں انہیں بھی اس سے تعجب نہ ہوگا اس لئے کہ جو بات میں نے اس کی طرف منسوب کی ہے صاحب دانش و بینش سمجھنا ہے کہ میں نے مدالات سے کام لیا ہے احتیاطاً میں نے مہانت جیسا شارح لفظ استعمال نہیں کیا۔

ابو غندہ نے سخت تند و تیز تقریر کے آغاز میں کہا ہے: شرح طحاویہ کے قارئین کو بخوبی علم ہے کہ شارح ثقہ ضبط و حفظ اہل علم سے خبردار ہوتے ہیں احادیث شریفہ اور دیگر حوالہ جات کے نقل میں بہت محتاط ہیں واضح الفاظ میں ذکر کرتے ہیں کسی قسم کا خفا اور غموض باقی نہیں رہتا شارح کو حراج نہیں ادا کرتے ہوئے مشہورائے سے شمار کرتا ہے جن کا علم و فضل مسلم ہے۔ ان کے اس نقطہ نظر پر ہمیں اعتراض ہے کہ اگر شارح کی امانت پر ابو غندہ ایمان رکھتا ہے تو میں شارح کے کلام سے سات مسائل پیش کرتا ہوں اگر ابو غندہ خلوص کے ساتھ ان مسائل میں شارح کی موافقت کرے گا تو یہی میرا مقصود ہے اس وقت میں ابو غندہ سے معذرت کروں گا کہ کیوں میں نے اس کے بارے میں غلط ذہن بنایا اور اگر موافقت نہیں کرے گا میں افسوس کے ساتھ کہتا ہوں کہ میں اس کو مدالات کے ساتھ مطعون کرنے میں حق بجانب ہوں۔

پہلا مسئلہ: شارح ص ۷۷ پر اہل کلام کی مذمت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ متکلمین قابل مذمت ہیں جب وہ مطلق طور پر حوادث کے حلول کی نفی کرتے ہیں، بالکل یہی بات ابو غندہ کا استاد ذکر قری بعض حواشی پر تحریر کرتا ہے تاکہ اس قاعدہ سے کلام الہی (جو مسحور ہے) کی حقیقت کی نفی کرے دیکھئے (شرح طحاویہ ۱۱۷-۱۱۸) ادلة التکیل ۱/۲/۳۶۰/۳۶۲ -

دوسرا مسئلہ: شارح طحاویہ ابو جعفر طحاوی کی پیروی کرتے ہوئے ص ۷۷ پر رقمطراز ہیں قرآن اللہ کا کلام ہے اس سے اس کا ظہور ہے جس کی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی اللہ نے اس کو اپنے رسول پر وحی فرما کر نازل فرمایا ایمان والوں نے اس کی کما حقہ تصدیق کی اور یقین کے ساتھ اس عقیدے کا اظہار کیا کہ اللہ کا کلام درحقیقت مخلوق نہیں اس لئے کہ انسانوں کا کلام مخلوق ہے بعد ازاں شارح نے کلام الہی کے مسئلہ پر نو مذاہب کے اقوال ذکر کئے ہیں اول سلف کا موقف بیا

کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ ازل سے متکلم ہے جب اس نے چاہا اور جس وقت چاہا اور جیسے چاہا اور اس کا کلام آواز کے ساتھ ہے لیکن ابو غدہ کا استاد صوت مسوع کی نفی کرتا ہے دیکھئے مقالات کوثری صفحہ ۲۶۔ تیسرا الاسماء والصفات للبیہقی کے مائتہ صفحہ نم ۱۹ پر قمریٰ ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جب اللہ تعالیٰ نے کلام کیا تو موسیٰ علیہ السلام کو اپنی آواز نہیں سنائی البتہ اپنا کلام ایسی آواز کے ساتھ سمجھایا جو آواز مخلوق نفی البتہ اس میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے علاوہ کسی کے کسب کا کچھ فعل نہیں تھا۔

تیسرا مسئلہ شارح طحاویہ امام طحاوی کا اتباع کرتے ہوئے صفحہ ۲۵۱ پر لکھتے ہیں کہ اللہ پاک عرش اور اس کے علاوہ ہر چیز سے مستغنی ہے وہ ہر چیز کو محیط ہے اور ہر چیز سے اوپر ہے لیکن کوثری مخلوق پر حقیقتہً اللہ کی فوقیت کو تسلیم نہیں کرتا جیسا کہ اللہ کی ذات کے ساتھ لائق ہے بلکہ جو ائمہ فوقیت کے قائل ہیں ان کو وہ محض قرار دیتا ہے یعنی یہ لوگ اللہ کا جسم مانتے ہیں اور اس کی جہت مانتے ہیں

چوتھا مسئلہ شارح طحاویہ اللہ کی فوقیت کو کثیر دلائل کے ساتھ ثابت کرتا ہے بعض دلائل میں این کالفاظ صراحۃً موجود ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک لونڈی کے ایمان کا پتہ چلانے کے لئے اس سے سوال کیا تھا کہ خدا کہاں ہے لیکن ابو غدہ کوثری اپنے استاد کی اتباع میں اس سوال کا انکار کرتا ہے اور حدیث کی صحت میں تشکیک پیدا کرتا ہے جیسا کہ یہ بات صفحہ ۲۲ پر بھی گذر چکی ہے ہم ابو غدہ سے پوچھتے ہیں کہ کیا آپ اس حدیث کو تسلیم کرتے ہیں اور جو سوال اس لونڈی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا اس کو جائز سمجھتے ہیں۔

پانچواں مسئلہ شارح طحاویہ ائمہ اہل سنت مثلاً امام مالک، شافعی، احمد، داؤد، حنفی، ابو یوسف، تمام محدثین اور تمام اہل مدینہ کا اتباع کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایمان دل کے ساتھ تصدیق کرنے اور زبان کے ساتھ اقرار کرنے اور اعضا و کے ساتھ عمل کر لے کا نام ہے نیز یہ تمام ائمہ ایمان کی کمی زیادتی کے قائل ہیں لیکن آپ کے استاد کوثری جو امام ابو حنیفہ کے شدید ترین متفرد ہیں وہ ان ائمہ کی مخالفت کرتے ہیں حالانکہ کتاب و سنت اور آثار و سلف میں صراحۃً ایسے دلائل موجود ہیں جو ان ائمہ کے مسلک کی تائید کرتے ہیں جبکہ کوثری ان تمام ائمہ کو نظر حقارت سے دیکھتے ہیں چنانچہ ”الانساب“ ۱۴۰۵ ہم پر لکھتے ہیں کہ ان ائمہ کے پاس علم و فقہ کا فقدان تھا جبکہ امام ابو حنیفہ علم و فقہ کے سینا رستے مزید وہ لکھتے ہیں کہ ایمان تو صرف کلمہ کا نام ہے اور یہی مذہب درست ہے اور اسی سلف ہیں لیکن یہ ائمہ جو نیک تو ہیں لیکن

اس کے نزدیک باطل پر ہیں جبکہ وہ کہتے ہیں کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں اور ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے بلکہ اپنے استاد کی مکمل بحث کو الرفع و افسکبیل کے حواشی صفحہ ۶۷، ۶۹ پر صرف بحت نقل کیا ہے جبکہ ہم نے اس بحث سے صرف اسی قدر نقل کیا ہے جس قدر ہمیں ضرورت لاحق تھی پھر ایک دوسرے مقام صفحہ ۲۱۸ پر امام ابو حنیفہ کی عظمت و بزرگی بیان کرتے ہوئے اور پہلی ہی بات کا اعادہ کرتے ہوئے خیرہ انداز میں لکھا ہے کہ ایسی عجیب بحث آپ کو کسی دوسری کتاب میں نہ مل سکے گی لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ایمان کی وہ تعریف کرنا جو کوثری نے کی ہے اور اسے صریح حق قرار دینا اپنی جہالت کا ثبوت پیش کرنا ہے جبکہ وہ تعریف سلف صالحین کے نقطہ نظر کے خلاف ہے جیسا کہ آپ معلوم کر چکے ہیں نیز یہ تعریف محققین علمائے حنفیہ کے بھی خلاف ہے جن کا مذہب یہ ہے کہ ایمان صرف تصدیق کا نام ہے اس کے ساتھ اقراء شرط نہیں ہے دیکھیے البحر الرائق لابن نجیم الحنفی ۵/۲۹۹ اور کوثری ایمان کی بحث میں ثابت کرنا چاہتا ہے اور قادیان کو تسلیم کرنا چاہتا ہے کہ ایمان کے بارے میں سلف صالحین اور احناف کے درمیان اختلاف لفظی ہے نیز وہ اس بات کا اشارہ بھی کرتا ہے کہ اعمال ایمان کے اصل کن نہیں ہیں پھر وہ تکلف کے ساتھ اس بات کو فراموش کر جاتا ہے کہ سلف صالحین تو اس بات کے قائل ہیں کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے جبکہ احناف ہرگز اس کے قائل نہیں ہیں بلکہ احناف جب یہ بحث کرتے ہیں کہ کون سے الفاظ ان کے ہاں کافر بنا دیتے دے ہیں تو وہ صاف کہتے ہیں کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے وہ بھی کافر ہے" البحر الرائق باب احکام المرتدین" دیکھیں۔ ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک تو تمام سلف کافر ہوئے حوالہ کے لئے شرح الطحاویہ صفحہ ۳۱۱، ۳۲۰ اور التنبیہ ۲/۶۲، ۳-۳۷۳ ملاحظہ فرمائیں کہ کس طرح علامہ بیانی نے اس مسئلہ میں کوثری کی قریب کا دیوں کا پردہ چاک کیا ہے۔

قاری میں معلوم کر لیں کہ اس اختلافی مسئلہ میں کم از کم احناف کے بارے میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ جہالت کا ثبوت پیش کرتے ہیں جب کہتے ہیں کہ قاسم فاجر بھی پختہ ایمان والا ہے جب وہ اپنے ایمان کا اعتراف کرنا ہے ان کا یہ نظریہ قرآن پاک کے الفاظ کے بھی مخالف ہے اس سے قرآن پاک کا ادب مجروح ہوتا ہے خواہ اس سے دستگاہی حاصل کرنے کے لئے دو راہ لا نا دیلات کا سہارا کیوں نہ لیا جائے۔ ارشاد خداوندی ہے : اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تَبَيَّنَ عَلَيْهِمُ الْاِيَانَةُ نَادَوْهُمْ اٰيْمَانًا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ الَّذِينَ يَقْبَلُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ اُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۔

ان کا نظریہ قرآن پاک کی آیت کے ساتھ متصادم ہے پس وہ ایما تدار لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے ان ہیما یوں سے محفوظ رکھا ہے جن میں یہ عصمت زدہ بنتلا ہیں انہیں غور کرنا چاہیئے کہ عند اللہ کون سی

مومن ہے اور ان کے ہاں کون سچا مومن ہے؟

چھٹا مسئلہ: شارح طحاویہ ص ۳۳ پر تحریر کرتے ہیں کہ ایماندار انسان، انا مومن اے شائد اللہ کہہ سکتا ہے اس مسئلہ میں طویل بحث ہے احناف مطلقاً ناجائز کہتے ہیں بلکہ احناف میں ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ جو شخص یہ کہتا ہے وہ کافر ہے وہ یہ قید بھی نہیں لگاتے کہ اس کے ایمان میں شک ہے بلکہ متیقن ہے چنانچہ القفانی غایتہ البیان اور وقتہ العلماء میں صراحت کرتے ہیں کہ انا مومن ان شاء اللہ کہنے والے کا ایمان نہیں رہتا اور اس کی امامت میں نماز ادا کرنا جائز نہیں خیال رہے کہ یہ کتاب فقہ حنفی میں شامہ ہوتی ہیں۔ نیز خلاصہ اور برازیہ کتاب الشکائیں ابو بکر محمد بن فضل سے منقول ہے کہ انا مومن ان شاء اللہ کہنے والا کافر ہے اس کے ساتھ رشتہ مناکحت ناجائز ہے نیز شیخ ابو حفص فوائد میں لکھتے ہیں کہ کسی حنفی کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی شافعی المذہب کو اپنی بیٹی کا نکاح دے اسی طرح ہمارے بعض مشائخ نے کہا ہے کہ احناف آپس میں رشتہ مناکحت قائم کریں برازیہ میں یہ اضافہ ہے کہ ہمارے نزدیک شوائع اہل کتاب کے مرتبہ میں ہیں حوالہ کے لئے دیکھیں البحر الرائق (۵۱/۲)۔

ساتواں مسئلہ: شارح طحاویہ صفحہ ۱۹۹/۲ پر امام ابو حنیفہؒ اور صاحبین کی پیروی کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ بحق الانبیاء اور بحاجہ الانبیاء کا توسل حرام ہے لیکن کوثری نے اس مسئلہ میں علوم الناس کی خواہشات کا خیال رکھتے ہوئے اور اہل سنت کا استحصال کرتے ہوئے امام ابو حنیفہؒ کی مخالفت کی ہے

لے بحر الرائق (۸/۲۰۷) میں ایک عجیب و غریب حدیث مروی ہے عبد اللہ بن عمروؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا جو شخص سنت اور جماعت کے مطابق رہتا ہے اللہ اس کی دعا قبول فرماتے ہیں اور ہر قدم کے بدلے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور دس درجات بلند ہوتے ہیں آپ سے دریافت کیا گیا اے اللہ کے رسول یہ کیسے معلوم ہوگا وہ سنت اور جماعت کے مطابق ہے آپ نے فرمایا جب اس میں دس چیزیں موجود ہوں تو وہ اہل سنت اور جماعت سے ہے ان دس چیزوں میں سے ایک چیز یہ ہے کہ اسے اپنے ایمان میں شک نہ ہو اور انا مومن ان شاء اللہ کہنے والے انسان کو اپنے ایمان میں شک ہے میں کہتا ہوں کتب حدیث میں اس حدیث کا اصل نہیں پایا جاتا یہ حدیث باطل ہے اس کے موضوع ہونے پر ظاہراً علامات موجود ہیں اس حدیث کی دوسری علامت قرطبی نے اہل لڑائی فقہاء کو متم کیا ہے کہ وہ ہر ایسے حکم کو جو ان کے نزدیک قیاس جلی کے مطابق ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تو فی طور پر منسوب کر دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کی کتابیں ایسی حدیثوں سے بھری پڑی ہیں جو موضوع ہیں واصل وہ حدیثیں فقہاء وفتاویٰ کے مطابق ہیں اور ان کی سند بھی موجود نہیں اس بات کو علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح الفیہ عراقی ص ۱۱۱ پر نقل کیا ہے ۱۲۔

یہ بات ان لوگوں کو بھی معلوم ہے جنہوں نے ”حق التوسل“ کتاب کا مطالعہ کیا ہے چنانچہ میں نے سلسلہ الامتداد الضعیفہ جز اول رقم ۲۴ پر وضاحت کے ساتھ کوثری کے تعصب کو بیان کیا ہے نیز کہ وہ اپنی خواہش کو پورا کرنے کے لئے کس طرح توسل کی حدیث کی سند کو قوی بنانے کے لئے ”تکذیب و دو کرنا“ ہے لاکلاس حدیث کی سندیں ایسا راوی موجود ہے جو کوثری کے نزدیک بھی ضعیف ہے پس یہ سات عظیم الشان مسائل ہیں جن سب کا علاوہ آخری مسئلہ کے عقیدہ کے ساتھ تعلق ہے میں نے ان سات مسائل کو ابو غندہ کی طرف لکھ کر بھیجا جو شاذ و عجاوب کی مدح و ستائش میں سبک رفتا ہے اور تعریف کرنا ہوا اس کی امامت کو تسلیم کرنا ہے اور ان کی شہرت عام کرنے میں خوشی محسوس کرتا ہے اگر تو اس نے یہ جواب دیا کہ میں شاذ و عجاوب کا ان مسائل میں بھی پیروکار ہوں جب کہ اس کے کوثری المعشرب ہونے کی بنا پر میں اس بات کو بعید از فہم سمجھتا ہوں تو میں اللہ کی تعریف کروں گا کہ اس نے ابو غندہ جیسے انسان کو ہدایت فرمائی لیکن اگر وہ شاذ و عجاوب کی مخالفت کرے گا اور اپنے کوثری ہونے پر قائم رہے گا تو پھر تمام لوگوں کے سامنے انشاد اللہ یہ بات عیاں ہو جائے گی کہ اس نے شاذ و عجاوب کی تعریف دل سے نہیں کی ہے نہ اس کی امامت پہلے اعتماد ہے جیسا کہ وہ دعویٰ کرتا ہے دراصل وہ تعریف کرنے کو ذریعہ بتاتا ہے کہ اس میں ذکر کردہ احادیث کی تخریج پر طعن کر سکے وگرنہ وہ شاذ و عجاوب کی غلطیاں پر کب خاموش رہ سکتا تھا خصوصاً یہ سات غلطیاں جو ابو غندہ کے خیال میں اس کے شیخ کوثری کی پیروی کرنے ہوئے اس کے نظریہ کے خلاف ہیں نیز اس کے علاوہ اور بھی کئی غلطیاں موجود ہیں جن کا اشد پیلے ذکر ہو چکا ہے اور مجھ پر تنقید کرنے سے کب انگ رہ سکتا تھا یقیناً وہ بعض افراد کے پاس میری شکایت کرتا یا بعض ذمہ دار لوگوں کے سامنے میرے خلاف اتنی زبان درازی کرنا کہ میں نے اس کے خلاف جو کچھ لکھا ہے وہ اس کے مقابلہ میں کسی لحاظ سے بھی برابر نہ ہوتا لیکن یہ تو تب ہے جب اس کی تنقید کو صحیح باور کیا جائے۔

کاش مجھے کوئی بتائے کہ جب میری اس کتاب اور دیگر تالیفات پر اس کی جانب سے انتقادات موجود ہیں تو کیوں ابو غندہ آٹھ سال سے ان مسائل کے بارے میں بحث نہیں کرتا جبکہ ہم مومنین کی غلطیات میں کسی بار مکتب اسلامی میں ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں لیکن مجھے شافل سمجھ کر جادو خانہ انداز پر میرے خلاف ناقدانہ تقریر چودی چھپے لوگوں کے سامنے کرنا دیتا ہے نہ ان باتوں کو میرے فوٹس میں لاتا ہے اور نہ ہی میرے دوست مکتب اسلامی کے مدیر کے فوٹس میں لاتا ہے دراصل وہ جائزہ لینا چاہتا ہے کہ خواص سے ہٹ کر عامۃ الناس کیا کہتے ہیں تو ایک مسلمان کا اپنے مسلمان بھائی کے بارے میں یہ انداز درست نہیں ہے پس اگر عوام الناس ان باتوں کے سننے کے

بعد اسے برا بھلا کہیں کہ تم ان سے بالمشافہ گفتگو کیوں نہیں کرتے تو اس جواب کے ملنے پر ابو غرہ کو چاہیے کہ وہ اپنے نفس کو ملامت کرے۔

اللہ عظیم کا قول کس قدر صحیح ہے۔ واللہ معترج ما کنتم تکتُمون۔
”خاتمہ“

میں اس بات کا متنی تھا کہ جس ادا سے کی طرف ابو غرہ متعصب انسان نے میرے خلاف نام ودا تنقید پیش کی کہ وہ اس سے پہلے کہ تنقید زبان زد عوام و خواص بن جائے مجھے اس کے بارے میں نگاہ کرتا یا پھر ناقد ادا اس کی تنقید اہل علم کی ایک مجلس میں پیش کی جاتی محمد اللہ اس شہر میں کثرت کے ساتھ اہل علم موجود ہیں وہ مجلس تنقید کا جائزہ دیتی اور جس کتاب پر تنقید کی گئی تھی وہ تو عرصہ دس سال سے مدارس میں داخل نصاب ہے اور تمام علماء اس کتاب کو نظر استحسان دیکھتے ہیں ان علماء میں سے پہلی صف میں شامہ ہونے والے فضیلۃ الشیخ محمد بن ابوالہیثم فضیلۃ الشیخ عبداللطیف رحمہما اللہ فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز فضیلۃ الشیخ عبدالرزاق عقیفی اور دیگر شیوخ ہیں یا رک اللہ فہم اسی طرح یہ معاملہ ان کے علاوہ دیگر شہروں کے علماء کی خدمت میں بھی پیش کیا جاتا۔

اصل حقیقت جس کو بعض افاضل درست قرار دے رہے ہیں یہ ہے کہ ابو غرہ کے دل میں صرف شرح عقیدہ طحاویہ میں مذکورہ احادیث کی تخریج پر طعن مقصود نہیں بلکہ اس کتاب میں جس سلفی عقیدہ کو نہایت عمدہ انداز میں پیش کیا گیا ہے اسے قبیح قرار دینا مقصود ہے اور جو علماء دور حاضر میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں ان کے خلاف طعن و تشنیع مقصود ہے خصوصاً اس لئے کہ اس کتاب میں بیان کردہ عقیدہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد علامہ ابن قیم اور شیخ الاسلام مجدد دعوة التوحید محمد بن عبدالوہاب رحمہم اللہ کے عقیدہ کا مؤید ہے اور ابو غرہ جو کہ کوثری المشراب ہے بلکہ علّٰمی ہے اس لئے وہ ان عظیم نابغہ روزگار شخصیتوں پر ناقابل تسلیم اتہامات لگا رہا ہے اور انہیں اور ان کے عقائد کو نہایت شنیع الفاظ کے ساتھ یاد کرتا ہے وگرنہ قارئین کو اس سے کیا دلچسپی ہے اگر البانی کسی حدیث کی تخریج میں خاموشی اختیار کرتا ہے جبکہ اس حدیث کے بارے میں شارح طحاویہ نے متفق علیہ عند البخاری و المسلم کے الفاظ ذکر کئے ہیں یا البانی نے تائید کرتے ہوئے کہہ دیا ہے کہ یہ بات اسی طرح ہے یا شارح نے کہا صحیح متفق علیہ عند ہما و احد ہما یا اس جیسے الفاظ ہم نے اس کے بارے میں دلائل پہلے بیان کئے ہیں جن سے قارئین نے معلوم کر لیا ہے کہ اس انداز سے قارئین کو کچھ تکلیف نہیں اسی طرح شارح طحاویہ کے اس انداز سے البانی کو بھی کچھ تکلیف نہیں محمد اللہ جس کی تالیفات

فمن حدیث اور فطر الحدیث میں پچاس سے متجاوز نہ ہیں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام تالیفات کو خالص اللہ کریم کی رضا کا ذریعہ بنائے اور اپنے احسان اور فضل کے ساتھ انہیں شرف قبولیت عطا فرمائے اسی طرح اس کتاب کے ناشر کو بھی ہرگز کچھ تکلیف نہیں اس لئے کہ ناشر استاذ ذہبیر الشادیش سلفی کو جو مکتب اسلامی کے مدیر ہیں اب تک عقیدہ، تفسیر، حدیث اور فقہ میں چار سو سے زیادہ کتابوں کی نشر و اشاعت کی توفیق حاصل ہو چکی ہے کہ وہ اس کتاب کی طباعت سے رک جائے جب کہ کتاب کے مقدمہ پر ابو غندہ کی طرف سے زہرا کوڈ تنقید بھی لکھی تھی علامہ ذہبیر شادیش اس قسم کی تنقید سے ہرگز یہ ناثر قبول نہیں کریں گے کہ وہ سلف صاحبہ کی کتابوں کی اشاعت سے رک جائیں جن میں عقائد سلفیہ کو نہایت مضبوط علمی انداز میں سمودیا گیا ہے اس لئے کہ ذہبیر شادیش عقیدہ کے لحاظ سے نہ صرف یہ کہ سلفی ہیں بلکہ سلفی عقیدہ کے ان دعا میں شہاد ہوتے ہیں جو بچپن سے ہی سلفی العقیدہ میں جو صرف اللہ کی رضا کے حصول کے لئے اس میدان میں کوشاں رہتے ہیں نہ انہیں کچھ لایع ہے اور نہ وہ کسی خطرے سے گھبراتے ہیں اس راہ میں انہیں اپنے وطن میں اور ان شہروں میں جہاں وہ ہجرت کر کے گئے تکالیف کا سامنا کرنا پڑا اور سب سے زیادہ ان کی پریشانیوں اور تکلیفوں کا سبب اس قسم کی غلط فہمی تفریق پر ہیں جنہیں فتنہ باز بدعتی لوگ ہر ملک اور ہر شہر میں پھیلا رہے ہیں گویا کہ تمام ملکوں میں ان کا حال بچھا ہوا ہے اسی فحاش سے ابو غندہ ہیں جن کی نادرا و خطابت اور تقریر کا ہم نے جائزہ لیا اور اس کی حقیقت کو قارئین کے سامنے پیش کیا۔

”دعا میری کلمات“ میں اللہ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ ہمارے دلوں کو بغض کینہ اور حسد سے پاک فرمائے اور ایمان اور توحید خالص کے ساتھ تازگی بخشے ہر قسم کے شرک اور وثنیت کی آلودگیوں سے شفات رکھے اور ہمیں نیک عمل اور اللہ کے لئے محبت اور اللہ کے لئے دشمنی جیسے اعمال کی توفیق عطا فرمائے۔ ربنا اعف عننا ولا تخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا انک رؤف الرحیم۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وہ نستعین

الحمد لله حمداً لا نستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور وانفسنا
ومن سيئات اعدائنا من يهدى الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له واشهد
ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان سيدنا محمداً عبداً ورسولاً صلى الله
تعالى وعلى آله وصحبه وسلم تسليماً كثيراً.

اصابع :- یہ بات محقق ہے کہ اصول دین کا علم تمام علوم سے اشراف ہے۔ ظاہر ہے کہ
کسی علم کے معلومات جس قدر اشراف ہوں گے اسی قدر وہ علم بھی اونچا ہوگا۔ اس کا دوسرا نام فقہ ہے
ہے۔ چنانچہ امام ابو حنیفہؒ نے مختصر اصول دین کو منضبط فرما کر ان کا نام فقہ اکبر رکھا ہے۔
اور ثابت کیا ہے کہ لوگ جس قدر ان علم کے محتق ہیں کسی دوسرے علم کے نہیں۔
اور اس کے مقابلہ میں دیگر علوم غیر ضروری ہیں۔ اس لئے کہ اسی علم کی بدولت دلوں
کو تازگی حاصل ہوتی ہے۔ اور اطمینان نصیب ہوتا ہے کیوں نہ موجب کہ یہی علم خالق کائنات کی معرفت
بخشتا ہے اور اس سے اس کے اسماء و صفات سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ اسی سے اس ذات
کے معبود ہونے کا تصور نکھرتا ہے۔ اور تمام کائنات سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی محبت دلوں میں موجزن
ہوتی ہے اور اس کا قرب حاصل کرنے کا داعیہ تیز ہوتا ہے اور اس کے ماسوا سے لاطعلق کی کیفیت
پیدا ہوتی ہے۔

أصول دین کی معرفت

تو کیا انسانی عقل سے ان کی معرفت ممکن ہے ؟
جواب نفی میں ہے یعنی اصول دین کی تفصیلات کا ادراک کرنے سے انسانی عقل قاصر ہے

پس خدائے غالب و مہربان کی رحمت میں جوش آیا تو اس نے ان کی معرفت کیلئے رسولوں کو مبعوث فرمایا۔ انہوں نے اصول دین کو واضح انداز میں پیش کیا اور لوگوں کو اس کے تسلیم کرنے کا درس دیا۔ باننے والوں کو بشارتوں سے نوازا اور مخالفت کرنے والوں کو ڈرایا دھمکایا اور اپنی بعثت کا محور و مرکز معبود حقیقی کی معرفت قرار دیا اور باور کرایا کہ اللہ پاک کی معرفت پر ہی دیگر مقاصد شرعیہ کی عمارت کا قیام ہے۔

اولے اصطلاح مستقیم کی معرفت یعنی اسلامی شریعت اور اس کے اوامر و نواہی دو بنیادی اصول سے مکمل آگاہی حاصل کرنا۔

دوم اصطلاح مستقیم پر چلنے والوں کو معلوم کرنا کہ ان کی منزل کتنی عظیم ہے اور وہاں وہ کیسی کیسی نعمتوں سے ہمکنار رہیں گے۔

لوگوں میں سے اللہ عز و جل کی سب سے زیادہ معرفت اس شخص کو حاصل ہے جو معرفت الہی کے راستہ پر زیادہ چلتا ہے۔ یہی شخص بارگاہ الہی میں حاضری کے وقت اس راہ پر چلنے والوں کو زیادہ جانتا ہوگا۔ یہی وہ نقطہ ہے جس کے پیش نظر ہم کہتے ہیں کہ اللہ پاک نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو شریعت نازل فرمائی ہے اس کو روح قرار دیا کہ اس پر عمل پیرا ہونے سے حقیقی زندگی حاصل ہوتی ہے۔ نیز اس کو نور قرار دیا کہ صرف اسی سے ہدایت حاصل ہوتی ہے۔ ارشاد خداوندی ملاحظہ فرمائیں:-

يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ - (الروم ۱-۱۵)
اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے وحی بھیجتا ہے۔
نیز ملاحظہ فرمائیں:-

وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَٰكِن جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِمَنْ نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّا لَنَهْدِي لَٰئِي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ هـ صَوَاطِئُ
اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ هـ أَلَا إِنَّ اللَّهَ تَعَالٰی اَلْأَعْمَدُ
اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تمہاری طرف روح القدس کے ذریعے قرآن بھیجا تم نہ تو کتاب کو جانتے تھے اور نہ ایمان کو لیکن ہم نے اس کو نور بنایا ہے کہ اس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور بیشک تم راے محمدؐ سیدھا راستہ دکھاتے ہو۔ یعنی خدا کا راستہ جو آسمانوں اور زمین کی

(الشوریٰ ۵۲-۵۳) سب چیزوں کا مالک ہے دیکھو سب کام خدا کی نظر

رجوع ہوں گے۔ اور وہی ان میں فیصلہ کرے گا۔

معلوم ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت ہی سے زندگی ملتی ہے اور وہی روشنی کا منار ہے۔ جس کی ضیا پاشیوں سے ہم روشنی حاصل کر رہے ہیں۔ اور وہی نسخہ شفا اور منبع ہدایت ہے اگرچہ وہ مطلقاً سب کو ہدایت بخشا اور شفا سے ہمکنار کرتا ہے۔ لیکن جب اس سے استفادہ اور شفا حاصل کرنے والے صرف مومن ہیں تو خصوصیت کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے۔

قُلْ هَذَا سَبِيلُ آتَمُّوا
هَذَا سَبِيلُ اللَّهِ (ختم سجدہ ۴۴) کہہ دو کہ جو ایمان لاتے ہیں ان کیلئے یہ ہدایت اور شفا ہے۔

پس جب اللہ پاک نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صحیح راہ نمائی کرنے والا دین دے کر مبعوث فرمایا تو ہم اس کے علاوہ کسی دین کو کیسے صحیح تسلیم کریں یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہوئے دین پر محمل طور پر ایمان لانا سب پر فرض ہے البتہ دین اسلام کی تفصیلات کی معرفت سب پر فرض نہیں۔ بلکہ فرض علی الکفایہ ہے یعنی کتاب و سنت میں تدبیر کرنا سمجھنا اس کی حفاظت کرنا لوگوں تک پہنچانا حکمت اور دانائی کے ساتھ اللہ کے دین کی طرف بلانا۔ حسن انداز سے لوگوں کے اعتراضات کا جواب دینا امویا بالمعروف نہی عن المنکر کرنا یہ فریضہ تمام کا نہیں ہے بلکہ اگر کچھ لوگ اس میدان میں کود پڑتے ہیں اور اسلامی شریعت کے ابلاغ میں تمام ممکنہ ذرائع کو بروئے کار لاتے ہیں تو اس فرض سے سبکدوش ہو جاتے ہیں اور عام ایمانداروں کی جانب سے بھی ان کی غمازنگی صحیح منسور ہوتی ہے۔

تکلیف مالا یطاق درست نہیں

اسلام میں استطاعت کے مطابق تکلیف دی گئی ہے۔ جو شخص دین کی باریکیوں کے سمجھنے سے قاصر ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی مسئولیت اس شخص کی سبت کہیں کم ہے جو نصوص کا تفصیل علم رکھتا ہے اور فقہی باریکیوں کے سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہے یعنی ایک شخص درجہ افتاد پر فائز ہے اور اس پر محدث کی تعریف صادق آتی ہے اور وہ کتاب و سنت سے استنباط کی صلاحیت رکھتا ہے تو ایک عام مسلمان کو اس کے ساتھ ایک صف میں کیسے کھڑا کیا جاسکتا ہے۔ دونوں کی ذمہ داریوں میں نمایاں فرق موجود ہے۔ اس لئے کہ اللہ پاک کسی کو تکلیف مالا یطاق نہیں دیتا۔

جو لوگ رسول اکرم کے لائے ہوئے دین اسلام کی پیروی کرنے میں کوتاہی کون لوگ گمراہ ہیں؟ کے مرتکب ہوتے ہیں اور غور و فکر کی نعمت سے محروم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے سے دور بھاگتے ہیں۔ کتاب و سنت سے اعراض کرتے ہیں ان کے گمراہ ہونے میں کیا شبہ ہے۔ ارشاد خداوندی ہے

فَاِمَّا يَنْتَكِرُهَا فَاِمَّا يَنْتَكِرُهَا
فَمَنْ اتَّبَعَ هَذَا فَمَنْ اتَّبَعَ هَذَا
وَلَا يَشْتَرِي وَلَا يَشْتَرِي

پس اگر میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ تکلیف میں پڑے گا۔

نیز فرمایا۔

وَمَنْ أَهْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْجًا
يَوْمَ نَحْشُرُكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
قَالَ دَبَّ لِعَرْحَشٍ
وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا
أَتَمَّكَ أَتَمَّكَ
الْيَوْمَ تُنْشَىٰ ه (۱۲۳۱ - ۱۲۶)

اور جو میری نصیحت سے منہ پھیرے گا اس کی زندگی تنگ ہو جائیگی اور قیامت کو ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا کہ یہ پروردگار تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا میں تو دیکھتا تھا۔ خدا تعالیٰ فرمایا اے ایسا ہی (چاہیے تھا) تیرے پاس ہماری آیتیں آئیں تو تو نے ان کو بھلا دیا اسی طرح آج

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول :-

تَكْفُلُ اللَّهُ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَعَمِلَ
بِمَا فِيهِ إِنَّهُ لَا يَضِلُّ فِي الدُّنْيَا
وَلَا يَشْفِقُ فِي الْآخِرَةِ .

اللہ پاک اس انسان کا قیام ہے کہ وہ نہ تو دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ آخرت میں بدبخت ہوگا جو قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے اور اسے مطابقی عمل کرتا ہے۔

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے وَمَنْ أَهْرَضَ عَنْ ذِكْرِي آیت تلاوت فرمائی۔ نیز ترمذی اور دیگر حدیث کی کتابوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

أَمَّا سَتَكُونُ فِتْنٌ قَلْتُ فَمَا
الْمُخْرَجُ مِنْهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ سَتَكُونُ فِتْنٌ قَلْتُ فَمَا
الْمُخْرَجُ مِنْهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ سَتَكُونُ فِتْنٌ قَلْتُ فَمَا

کتاب اللہ فیہ نبأ ما قبلکم و
 وخبر ما بعدکم وحکم ما بینکم
 هو الفصل لیس بالہزل من ترکہ
 من جبار قصمہ اللہ و من
 اتبع الہدای من غیرہ اضلہ
 اللہ و هو حبل اللہ المتین
 و هو الذکر الحکیم و هو الصراط
 المستقیم و هو الذی لا تزیغ
 بہ اللہ ہواء و لا تلتبس بہ
 الا لستہ و لا تنقصی عجبہ
 و لا تشیع منہ العلماء من قال
 بـ سداق و من عمل بـ اجر
 و من حکم بہ عدل و من دعا
 الیہ ہدی الی صراط مستقیم .
 آتا اور نہ ہی زبانوں میں کچھ تفسیر آتا ہے نہ اس کے عجاہبات
 ختم ہوں گے اور نہ اس سے علاء سیر ہو سکیں گے جو شخص اس کتاب کی باتوں کو پیش کرے
 گا۔ اس کی باتیں سچی ہوں گی اور جو شخص اس پر عمل کرے گا اسے ثواب ملیگا اور جو
 شخص اس کے مطابق فیصلے کرے گا اس کے فیصلے عادلانہ ہوں گے اور جو شخص اس
 کی طرف دعوت دے گا اسے صراط مستقیم کی جانب رہنمائی ہوگی

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات اور احادیث اس معنی کی موجود ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ صرف
 اس میں کوثر قبولیت عطا کرے گا جو اس دین کے عین مطابق ہو جو اللہ پاک نے تمام پیغمبروں کو عطا فرمایا
 تمام پیغمبروں کے دین میں مقام خداوندی کو متعین فرمایا گیا ہے اور نہ صرف پیغمبروں نے بلکہ خود
 خداوند تعالیٰ نے اپنی ذات کو ان عیوب اور نقائص سے منزہ فرمایا جن کو بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ
 لیس لازم کر کے اس کی شان میں گستاخی کی تو جہاں اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم فرمایا وہاں اللہ تعالیٰ نے
 پیغمبروں پر سلام بھیجا اس لئے کہ انہوں نے اللہ پاک کو ہر قسم کے نقائص اور عیوب سے پاک ثابت کیا

پیر اللہ تعالیٰ نے خود اپنی ذات کی تعریف فرماتے ہوئے ایسے اوصاف کا ذکر کیا جن کا تقاضا یہ تھا کہ ہر قسم کی حمد و ثنا کا استحقاق صرف ذاتِ خداوندی کو ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے۔

سُبْحَانَكَ دَيِّبَكَ رَبِّ الْعِزَّةِ كَمَا
يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ
وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

(یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں تو الہ پر دو گار ہو
صاحبِ عزت ہے (اس سے) پاک ہے
اور پیغمبروں پر سلام اور سب ا طرح کی تعریف
خدا ہے رب العالمین کو سزا دار ہے۔)

(الصافات ۸۱ - ۸۲)

صحابہ کرامؓ اور تابعینؓ آپ کی اتباع فرماتے رہے

رسول اکرمؐ کے بتائے ہوئے راستہ پر صحابہ کرامؓ اور تابعینؓ چلتے رہے۔ اور متقدمین و متاخرین اتباعِ رسول اور اقتدا کی وصیت فرماتے رہے۔ وہ تمام عمر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے رہے اور آپ کے نقشِ قدم پر رواں دریاں رہے۔ ارشادِ خداوندی ہے۔

قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ
عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي

کہہ دو کہ میرا راستہ تو یہ ہے۔ میں خدا کی
طرت بلاتا ہوں (ازدے یعنی دربان) سمجھ لو جو
کہیں خود بھی اور اپنی پیروی کرنے والوں کو
بھی خدا کی طرت بلاتا ہوں۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح آپ زندگی بھر لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے رہے آپ کے پیروکار بھی اللہ کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے رہے۔ اور اس جملہ کا اسلوب پتہ دے رہا ہے کہ آپ کے پیروکار بصیرت کے ساتھ آپ کی اتباع کرتے ہیں۔ یعنی جس طرح آپ صاحبِ بصیرت ہیں اسی طرح آپ کی پیروی کرنے والے لوگ بھی صاحبِ بصیرت ہیں۔ پس اس میں کچھ شبہ نہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دینِ اسلام کے پہنچانے میں پورا زور صرف فرمایا اور غور کرنے والوں کے لئے دلائل کو داغ و بیدار کر دیا۔ چنانچہ خیر القرون کے لوگ آپ کے بتائے ہوئے راہ پر چلتے رہے پھر ان کے بعد کچھ ایسے نالائق قسم کے لوگ آئے جو اپنی خواہشات کی پیروی کرنے لگے اور جہنم نے فرقہ واریت کو جنم دیا تو اللہ پاک نے اس امت کے ٹانگے کے لئے ایسے انسانوں کو پیدا فرمایا جنہوں نے دین کے اصولوں کی حفاظت کرنا اپنا منصب سمجھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف

کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ میری امت میں کچھ لوگ ہمیشہ حق و صلاقت پر قائم رہیں گے۔ ان کا مخالف نہیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاویؒ فرمایا ان میں امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ از دی طحاوی بھی ہیں ۲۹۱ھ میں ان کا تولد ہوا ۳۲۱ھ میں فوت ہوئے۔ انہوں نے بیان فرمایا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور صاحبین امام ابو یوسفؒ امام محمدؒ اور متقدمین ائمہ کرام کن اصول دین اور عقائد کے حامل تھے زمانہ جیسے جیسے عہد نبویؐ سے دور ہوتا چلا گیا۔ آہستہ آہستہ بدعات پھیلنے لگیں۔ اور دین اسلام میں تحریف کا بازار گرم ہونا لگا جس کو تاویل کا نام دیا گیا۔ حالانکہ تحریف اور تاویل میں نمایاں فرق موجود ہے اس لئے کہ تاویل میں جو معنی بیان ہوتا ہے۔ الفاظ اس کا خیال رکھتے ہیں۔ لیکن تحریف کے لئے الفاظ میں کچھ گنجائش نہیں ہوتی۔ جب تحریف کا دروازہ کھل گیا تو فساد رونما ہو گیا عوام الناس چونکہ باہل تھے اور ان میں فرق نہیں کر سکتے تھے اس لئے انہوں نے تحریف کو بھی تاویل سمجھا اور تاویل کرنے والوں نے بھی ان کی نواقصیت سے فائدہ اٹھا کر تحریفات کا بازار گرم رکھا اس طرح انہوں نے دین اسلام کے رتبہ چہرے کو مسخ کر کے رکھ دیا۔ اب ضرورت تھی کہ اہل حق علماء اٹھیں اور شہادت کے دبیز پردوں کو تار تار کریں دلائل کے ساتھ حقائق کو منظر عام پر لائیں خاص طور پر علم کلام کی وساطت سے رونما ہونے والے فتنوں کا قلع قمع کریں اور باطل پرستوں کے شہادت کو کافر کریں اور سلف صالحین پر ہونے والے اعتراضات کی مدافعت کریں جیسا کہ درج ذیل آیت میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔

وَإِذْ آتَيْنَا الَّذِينَ يَحْكُمُونَ فِي
آيَاتِنَا فَأَعْرَضُوا عَنْهُمْ وَحَتَّى يَخُوضُوا
فِي حَدِيثٍ غَبِيٍّ

اور جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں
کے بارے میں پیہرہ ہو اس کر رہے ہیں۔ تو ان
سے الگ ہو جاؤ یہاں تک کہ وہ اور باتوں میں

مغروں ہو جائیں۔

(الانعام ۶۸)

تحریف کا نتیجہ آخر کہیں فتنہ کہیں معصیت اور کبھی خطا ہوتا ہے اس سے بچاؤ کا واحد راستہ یہ ہے کہ پیغمبروں پر جو کچھ من جانب اللہ نازل ہوا ہے۔ اس کے مطابق عمل کیا جائے بلکہ صرف آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کی جائے اس لئے کہ آپ پر نازل کردہ کتاب پہلی منزل من اللہ کتابوں کی محافظت کرتی ہے۔ اور ان میں تحریف کی نشاندہا کرتی ہے۔ نیز آپ پر نازل کردہ کتاب کے احکام پر عمل کرنے کا حکم تمام جن وانس کے لئے تاتیاست باقی ہے

نیز اس کی وجہ سے بندوں کے لئے کوئی عذر باقی نہیں اس میں ہر مسئلہ کی وضاحت ہے اور آپ کی وساطت سے امت محمدیہ کے لئے دین کے خیر اور شر کے پہلوؤں کو مکمل بیان کر دیا ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت اور آپ کی نافرمانی کو اللہ کی نافرمانی قرار دیا ہے نیز اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی قسم اٹھا کر اعلان کیا کہ یہ لوگ جب تک اپنے اختلافی امور میں آپ کو حکم نہیں مانتے اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے۔ نیز بتایا کہ منافقین چاہتے ہیں کہ وہ آپ کے غیر کو اپنا حکم مانیں اور ان کا انداز یہ ہے کہ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی طرف دعوت دی جاتی ہے تو وہ اس سے روگردانی کرتے ہیں۔ جبکہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ احسان اور توفیق کا ارادہ رکھتے ہیں جیسا کہ اکثر متکلمین و فلاسفہ وغیرہ کہتے ہیں کہ ہم اشیاء کے حقائق کا ادراک اور اس کی معرفت چاہتے ہیں اور ہم عقلیات (جو کہ درحقیقت مرکب جمل ہیں) اور ان دلائل نقلیہ کے درمیان توافقی پیدا کرنا چاہتے ہیں جو آپ سے منقول ہیں یا ہم تصوف کی اصطلاحات اور شریعت کے اصولوں کے درمیان مطابقت پیدا کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہماری مساعی مذہبیت عمدہ ہیں حالانکہ ان کی تمام باتیں باطل اور جہالت پر مبنی ہیں۔ (اقتدار پر فائض لوگ بھی جب کہ سیاسی بدیت سے بالکل کورے ہیں وہ بھی اس بات کا ڈھنڈو پیٹتے ہیں کہ سیاسیات کے بارے میں ہماری سوچ صحیح ہے اور اسلامی شریعت سے متصادم نہیں حالانکہ ان کی سوچ کا اسلام کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں۔ جو شخص امور دین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع نہیں کرتا اور نہ صرف آپ کی مخالفت کرتا ہے بلکہ اس کو مستحسن گردانتا ہے تو وہ دراصل آپ کی تعلیمات سے واقف نہیں ہے نہ صرف مسائل کلامیہ اور اعتقادات میں اسے کچھ درک حاصل نہیں بلکہ امور تعبدیہ اور سیاسیہ میں بھی وہ بالکل نابالغ ہے۔ اس کی کوتاہ علمی کا واضح ثبوت ہے کہ وہ اپنے غلط فہمی سے شریعت محمدیہ میں نہ صرف ایسے امور داخل کر رہا ہے جو فی الحقیقت داخل نہیں بلکہ وہ ان حتمی چیزوں کو دین اسلام سے نکال رہا ہے جن کے داخل ہونے میں کسی کو کچھ انکار نہیں اور کن نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دین ہم تک پہنچایا ہے وہ دین سچا اور کامل ہے اس میں تمام مسائل کا حل موجود ہے۔ لیکن سراط مستقیم سے بھٹکے ہوئے انسانوں کے معاذر طرہ عمل اور ان کے منافقانہ رویہ کا نتیجہ نکلا کہ منافقت کا بازار گرم ہو گیا اور فراطراف و فریط کے جہالت شریعت کیہ رزق چہرہ کو بدناما دی اگر اسی اور جہالت کے سیل و اس نے علوم اسلامیہ کے سحر و طیبہ کو بیج و جن سے اکھاڑ پھینکا۔ تابعین ائمہ کرام کی مساعی ان کے علی الرغم صحابہ کرام تابعین عظام ائمہ دین نے رسول اللہ

کی لائی ہوئی شریعت کو سمجھا اس پر اپنی توجہات کو مرکوز کیا، فکر و نظر کے دیرپوں کو واکیا اور اپنی مساعی کو اس کی اشاعت کے لیے وقف کیا اور برملا اعلان کیا کہ اسلامی شریعت واجب العمل ہے۔ اس کے ظاہری باطنی امور کو زیر بحث لایا جائے اور عقائد ہوں یا اعمال سبھی کو سمجھنا چاہیے اور اگر کچھ لوگ بعض امور کی معرفت سے عاجز ہوں تو ہم انھیں معذور سمجھیں گے۔ لیکن اگر ان سے اعلم لوگ انھیں حقائق سے روشناس کرادیں تو وہ بخوشی اسے قبول کریں اور اس عقیدہ کو پختہ کریں کہ تمام شریعت پر ایمان لانا ضروری ہے۔ بعض کو قابل عمل سمجھنا اور بعض کو قابل عمل نہ سمجھنا استہزاء کے مترادف ہے۔ اسی طرح کسی خارجی رائے کو داخل کرنا یا اعتقاداً، عملاً غیر اللہ کی اتباع کرنا اسلام کی روح کے منافی ہے۔

ارشاد خداوندی ہے :

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ
وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ
اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ، اور
پہچی بات کو جان بوجھ کر نہ چھپاؤ۔
(البقرہ : ۴۲)

علم کلام کی مذمت میں امام ابو یوسفؒ نے بشر مرسیؒ سے کہا علم کلام جہالت کا کرشمہ ہے۔ اور علم کلام سے ناواقف ہونا عین علم ہے۔ اور جو شخص اس علم کی بارکیوں سے واقف ہوتا ہے وہ زندیق ہے۔ خیال رہے علم کلام سے ناواقف رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کے صحیح ہونے کا اعتقاد نہ رکھے۔ ظاہر ہے کہ یہ علم بھی بہر حال منفعت بخش ہے۔ اس لیے کہ اس علم سے انسان کی عقل کا

لہ بشر بن غیاث مرسی۔ کنیت ابو عبد الرحمن۔ مشہور معتزلی تھا اسے زندیق کہا جاتا ہے، وہ اپنے گروہ کا لیڈر تھا۔ علم فقہ کا حصول ابو یوسف سے کیا۔ ”سان المیزان“ میں ہے کہ بشر مرسی بدعتی گمراہ کن انسان ہے اس سے روایت نہ کی جائے اور نہ ہی اس کی تکویم کی جائے۔

تحفظ ہوتا ہے اور اسے جلا حاصل ہوتی ہے۔ نیز کہتے ہیں جس نے علم کلام پڑھا وہ زندقہ بن گیا۔ اور جس نے مال کے حصول کے لیے کیمیا گری کا پیشہ اختیار کیا تو وہ مفلس بن گیا۔ اور جس شخص نے غریب حدیثوں کو تلاش کیا وہ کاذب ٹھہرا۔

امام شافعیؒ کا قول اہل کلام کے بارے میں میرا فیصلہ یہ ہے کہ انھیں جھٹے مارے جائیں اور ان پر ڈنڈے برسائے جائیں انھیں بازاروں میں گھمایا جائے اور کہا جائے یہ اس شخص کو سزا دی جا رہی ہے جس نے کتاب و سنت کو چھوڑا اور علم کلام کی جانب متوجہ ہوا۔ نیز امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

كُلُّ الْعُلُومِ سِوَى الْقَدَانِ مُشْغَلَةٌ ۖ اِلَّا الْحَدِيثُ وَالْاَلْفَقَةُ فِي الدِّينِ
العلوم ما كان فيه قال حدثنا وما سوى ذلك وسواس الشياطين
تران حدیث اور فقہ السنۃ کے علاوہ تمام علوم کھیل ہیں۔ علم تو وہ ہے جس میں حدیث ہے اس کے علاوہ جو ہے شیطانوں کے توہمات کا مجموعہ ہے۔
علماء کا فتویٰ فتاویٰ ظہیر یہ میں علماء کا فتویٰ مذکور ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے شہر کے علماء کے بارے میں وصیت کرے تو اس میں متکلمین داخل نہیں ہوں گے۔ اسی طرح اگر کوئی انسان وصیت کرتا ہے کہ اس کی وہ کتابیں وقف ہیں جن میں علم موجود ہے۔ تو علماء کا فتویٰ یہ ہے۔ ان کتابوں میں سے جو کتابیں علم کلام پر مشتمل ہیں وہ وقف نہیں ہوں گی۔ ان کو فروخت کرنا جائز ہوگا۔

علماء کے ان فتوؤں سے معلوم ہوا کہ علم کلام دینی علم نہیں ہے۔ پس اصول دین معلوم کرنے اور اس کی طرف رسائی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ان علوم کی اتباع کی جائے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیش فرمایا ہے، ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

ایہا المغندی لیطلب علما کل علم عبد لعلم الرسول
تطلب الفرع کی تصحیح اصلاً کیف اغفلت علم اصل الاصول

اے وہ شخص جو علم کی تلاش میں علی الصباح نکلنے والا ہے تجھے معلوم ہونا چاہیے، تمام علوم رسول اللہ کے دیے ہوئے علم کے ماتحت ہیں۔ تیرا حال یہ

ہے کہ تو اصل علم کی تفصیح کے لئے فرعی علم کو طلب کرتا ہے۔ کیسے اصل سے تو غافل ہے؟ رسول اکرمؐ جامع علوم دیئے گئے تھے :- ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام علوم دے کر بھیجا گیا تھا۔ یعنی جس طرح پہلے انبیاء کے علوم سے آپ کو بہرہ وافر عطا کیا گیا اسی طرح حشر و نشر اور معاد کی کیفیات سے بھی آپ کو مطلع کیا گیا۔ آپ کے بعد جب بدعات رونما ہوئیں تو اس دور کے علماء جب بدعات کے مقابلہ میں صف آرا ہوئے تو ان کا دائرہ محدود نہ رہا۔ اسی لئے ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ متقدمین علماء کا علم قلیل تھا لیکن اس میں برکت زیادہ تھی اور متاخرین علمی بحثوں میں الجھ گئے اور ان کا دائرہ وسیع ہو گیا تو بظاہر اگرچہ ان کا علم کثیر نظر آ رہا ہے لیکن اس میں برکت کم ہے۔ متکلمین جنہوں نے اسلام کے خلاف محاذ آرائی کرنے والوں سے بظاہر مقابلہ کیا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے دین اسلام کی بہت بڑی خدمت کی ہے اور ہمارا انداز استدلال نہایت پختہ اور دور رس ہے ان کا یہ نظریہ صحیح نہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ گمراہ ہیں اور اپنی جمالت سے سمجھتے ہیں کہ ہمارے مقابلہ میں دیگر علماء کی خدمات کچھ دقیق نہیں ہیں ان کے مطابق ہی بعض متاخرین علماء نے جو کسی مکتب فکر کی جانب اپنی نسبت رکھتے ہیں وہ بھی فخریہ انداز میں کہتے ہیں کہ ہم نے مسائل کا استنباط کیا ہے اور اس کے لئے قواعد منضبط کئے ہیں۔ لیکن دیگر علماء فقہی استنباطات سے گریز کرتے رہے۔ لہذا وہ علم سے محروم رہ گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام لوگ سلف صالحین کے علمی مقام سے ناواقف ہیں۔ ان میں تکلف نہ تھا جب کہ وہ علم کی گہرائیوں میں منفرد حیثیت کے حامل تھے ان کی بصیرت میں جلا تھی لیکن متاخرین ان سے کہیں کم درجہ پر فائز تھے ان میں تکلف تھا نیز وہ فروع سے اشتهال رکھتے تھے جب کہ سلف صالحین اصول کا خیال رکھتے ہیں ان کی روشنی میں قواعد کا انضباط کرتے ہیں اور ان کے انضباط میں کسی قسم کی لچک گوارا نہیں کرتے ہیں وہ ہر میدان میں بلند مقاصد کے حصول کے لئے ہمہ تن تیار رہتے ہیں پس متاخرین اس مقام تک رسائی حاصل نہیں کر پاتے ہیں جہاں سلف صالحین کو رسائی حاصل ہے بہر حال دونوں میں تفاوت واضح ہے تاہم ہر ایک کا اپنا اپنا مقام ہے

عقیدہ طحاویہ کی شرح متعدد علماء نے عقیدہ طحاویہ کی شرح لکھی ہیں میں

نے ان کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ بعض شارحین کا میلان علم کلام کے حق میں ہے۔ وہ متکلمین سے خوشہ چینی کرتے ہیں بلکہ انہوں نے ان کی عبارتوں کو بھی درج کر لیا ہے۔ سلف صالح نے متکلمین کی وضع کردہ اصطلاحات جو ہر جسم، عرض وغیرہ کے استعمال کو مکروہ نہیں گردانا جب کہ ان سے صحیح معانی سراو لئے جائیں۔ جیسا کہ دیگر علوم صحیحہ کی اصطلاحات ہیں اسی طرح اگر انہوں نے اہل حق کی راہ نمائی کی ہے اور اہل باطل سے خاصہ کیا ہے تو وہ بھی درست ہے لیکن جب ان کی اصطلاحات ایسے معانی پر مشتمل ہوں جو حق سے متصادم ہوں بلکہ کتاب و سنت کے مخالفت ہوں تو اس کو انہوں نے نظر کراہت دیکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ متکلمین علم ولیقین کے اس درجہ پر فائز نہیں ہیں۔ جس پر عوام فائز ہیں۔

تو اہل سنت کے علماء جس مقام پر فائز ہیں وہاں تک ان کی رسائی سببز مملک نہیں۔ چونکہ متکلمین کے مقدمات حق و باطل پر مشتمل ہیں اس لئے ان میں جنگ و جدال کثرت سے ہے۔ اور بحث و مباحثہ کا بازار گرم رہتا ہے۔ اس سے ایسے خیالات جنم پاتے ہیں جو صحیح نقل اور صریح عقل کے خلاف ہوتے ہیں مزید وضاحت کتاب میں آئے گی۔

میں نے اس بات کو پسند کیا کہ عقیدہ طحاویہ کی شرح سلف صالح کے طریق پر چلتے ہوئے کی جائے ان کی عبارات نقل کی جائیں ان کا اسلوب اختیار کیا جائے ان سے استفادہ کیا جائے تاکہ شاید میں بھی ان کے زمرہ میں شمار ہو سکوں اور ان کی معیت میں اٹھایا جاؤں۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ	اور جو لوگ خدا اور رسول کی اطاعت کئے
فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ	ہیں وہ قیامت کے روز ان لوگوں کے
اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ	ساتھ ہوں گے جن پر خدا نے بڑا فضل کیا
وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ	یعنی انبیاء کرام اور صدیق اور شہید اور شہد
وَالْمُحْسِنِينَ وَالْحَسَنَ	لوگ اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی
كَفِيًّا	خوب ہے۔

جب میں نے محسوس کیا کہ قارئین اختصار کے طالب ہیں تو میں نے اختصار کو ترجیح دی

ہے۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ وَهُوَ حَسْبُنَا ذِیْنُورِ الْوَكِيلِ۔

(رہودہ ۸۸)

قولہ (ط:) نقول فی توحید اللہ معتقدین بتوفیق اللہ ان اللہ واحد لا شریک لہ توفیق ایزدی کے ساتھ توحید باری سے متعلق ہم اس اعتقاد کا اظہار کرتے ہیں۔ کہ ذاتِ خداوندی ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

مشہد سمجھ لیجئے پیغمبروں کی اولین دعوت توحید ہے اور اس راہ کی پہلی منزل اور پہلا مقام بھی یہی ہے جس پر سالک چل کر اللہ عزوجل کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

لَقَدْ ارسلنا نوحًا اٰلٰی قَوْمِهٖ
فَقَالَ يٰ قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ
مِّنْ اٰلِهَ غَيْرِهٖ (الاعراف ۵۹)

نیز حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا۔
اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اٰلِهَ غَيْرِهٖ
اللّٰہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ (الاعراف ۶۵)

نیز حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا۔
اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اٰلِهَ غَيْرِهٖ
اللّٰہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ (الاعراف ۷۳)

نیز حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا۔
اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اٰلِهَ غَيْرِهٖ
اللّٰہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ (الاعراف ۸۵)

اللہ پاک نے جہاں دعوت توحید کے سلسلہ میں الگ الگ پیغمبروں کی دعوت کا ذکر کیا ہے وہاں اجتماعی طور پر بھی ذکر کیا ہے۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا
اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ
اور ہم نے ہر جماعت میں پیغمبر بھیجا کہ
خدا ہی کی عبادت کرو اور بتوں (کی پرستش)
سے اجتناب کرو (الاحقاف ۳۶)

ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نَحْنُ بِآيِهِ آتَيْنَاهُ إِذَا آتَيْنَاهُ بُرْهَانًا (الانبیاء ۲۵)

اور جو پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری ہی عبادت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توحید پر زور دیتے ہوئے فرمایا۔

أَمِيتُ أَنْتَ أَقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنْ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ

مجھے تمام لوگوں سے لڑائی کرنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک وہ اس بات کی گواہی نہ دیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور

بخاری - مسلم الخ

آؤ لا کیا واجب ہے؟ مذکورہ دلائل کی روشنی میں یہ بات صحیح ہے کہ جب کوئی بچہ سن بلوغت کو پہنچتا ہے تو اولاً جو چیز اس پر واجب ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے ایک معبود ہونے کی گواہی دے اور شکوک و شبہات سے دور رہے۔ اس پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ دلائل پر نظر رکھے جیسا کہ متکلمین کا نظریہ ہے اور تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ مکلف پر لازم ہے کہ وہ ایک اللہ کے معبود ہونے کا اقرار کرے اور اس بات کی بھی گواہی دے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اگر کوئی بچہ بلوغت سے پہلے ان دونوں نبیادی باتوں کا اقرار کر لیتا ہے تو بلوغت کے بعد اس کی تجدید کی ضرورت نہیں ہاں بلوغت کے بعد اسے طہارت اور نماز کی ادائیگی کا حکم دیا جائے گا۔ اور بعض ائمہ کا مسلک ہے کہ جب وہ سن تمیز کو پہنچ جائے تو اسے ان چیزوں کا حکم دیا جائے۔ چونکہ نماز اور دیگر ارکان اسلام جب اسلام ہی کے خاص احکام ہیں اس لئے اگر کوئی بچہ بلوغت کے بعد ان پر عمل پیرا ہو جاتا ہے اور شعا دین کا اقرار نہیں کرتا تو اس کو مسلمان سمجھا جائے گا اس لئے کہ جب تک کسی آدمی کا دل و دماغ توحید سے سرشار نہیں ہوتا اس وقت تک وہ ان خاص احکام پر عمل پیرا نہیں ہوتا ظاہر ہے کہ توحید کا وجوب نماز کے وجوب سے بہر حال پہلے ہے اگرچہ اس صورت میں اس نے نماز کو توحید کے اقرار سے پہلے ادا کر دیا لیکن نماز کی ادائیگی میں ضمانت توحید کا اقرار موجود ہے۔

اسلام میں داخل ہونے کے لئے توحید کا اقرار ضروری ہے اور جب کوئی بندہ اس دنیا کو چھوڑ کر آخرت کی جانب روانہ ہوتا ہے۔ اس وقت بھی توحید کا اقرار ضروری ہے۔

ارشاد نبوی ہے۔

مَرَجَ كَاتِ الْآخِرِ كَلَامَهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔
جس شخص نے دنیا سے رخصت ہوتے
وقت لا إله إلا الله کا اقرار کیا وہ جنتی

(مسند ارباب حاکم حدیث حسن یا صحیح ص ۴۰۰)

معلوم ہوا جس طرح سن بلوغت کو پہنچتے ہی توحید کا اقرار ضروری ہے اسی طرح دنیا
سے رخصت ہوتے وقت بھی توحید کا اقرار ضروری ہے۔

توحید کی اقسام توحید کی تین قسمیں ہیں توحید فی الصفات، توحید فی الربوبیت
توحید فی الالہیبت

توحید فی الصفات: جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں تنہا ہے اس کا کوئی شریک
نہیں اور نہ اس کا کوئی مثل ہے اس طرح وہ اپنے صفات میں بھی تنہا ہے بے مثال ہے ان میں بھی اس کا کوئی شریک
نہیں مثلاً اللہ کی صفت ہے کہ وہ سنا ہے اور انسان بھی سنا ہے لیکن اللہ کا سنا انسان کے
سنے کے مثل نہیں۔

صفات کا انکار اہل سنت اللہ کی صفات کے قائل ہیں لیکن جہم بن صفوان اور اس کے
ہم عقیدہ لوگوں نے سرے سے ہی خدا کی صفات کا انکار کر دیا اور کہا کہ توحید کا تقاضا یہ ہے کہ
اللہ تعالیٰ کی صفات کی نفی کی جائے صفات کے اثبات کی صورت میں توحید ختم ہو کر رہ جاتی
ہے اور متعدد خداؤں کو تسلیم کرنا پڑتا ہے جہم کا یہ قول باطل ہے اس لئے کہ کسی ذات کا
صفات سے خالی ہونا اس کا خارج میں پایا جانا ممکن نہیں۔ ذہن میں اگرچہ ممکن ہے لیکن ذہن
کا کیا ہے وہ تو محال چیزوں کو بھی فرض کر لیتا ہے پھر اس صورت میں جب کہ اللہ کی ذات
کو صفات سے بالکل عاری کر دیا جائے تو اس سے اللہ کا معطل ہونا یعنی بے کار ہونا ثابت
ہوتا ہے۔

جہم بن صفوان کے نظریات جہم بن صفوان کے ہاں جب اللہ کی ذات صرف وجود
کا نام ہے صفات اس میں نہیں ہیں تو پھر وہ وجود مطلق کو خدا کہتا ہے یعنی وہ تمام کائنات
میں حلول کئے ہوئے ہے۔ اور خدا اور کائنات میں اتحاد ہے دوئی نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ

نظریہ تو عیسائیوں کے نظریہ سے بھی زیادہ برا ہے۔ انہوں نے صرف مسیح علیہ السلام کے بارے میں کہا کہ اس میں خدا نے حلول کیا یا وہ خدا کا بیٹا ہے۔ اس نے تمام مخلوقات کو خدا کہہ دیا پس اس نظریہ کی روشنی میں کہنا پڑے گا کہ جو لوگ بتوں کی پرستش کر رہے ہیں وہ خدا کی پرستش کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ وہ بت بھی خدا ہیں۔ اور وہ خدا ہی کی عبادت کر رہے ہیں۔ اور جب وجود مطلق کا نام خدا ہے تو پھر ماں بہن اور اجنبی عورت میں کچھ فرق نہیں اور حرمت و حلت کے مسائل کی کچھ حیثیت ہے؟ نہ زنا، نکاح میں کچھ فرق ہے اور نہ پانی شراب میں کچھ فرق ہے سب کا وجود ایک ہے۔ گویا کہ خواہ مخواہ انبیاء علیہم السلام نے اس قسم کی حد بندیوں میں لوگوں کو جکڑ دیا ہے۔ جہم بن صفوان اس نظریہ کا قائل ہے کہ ایمان صرف معرفت کا نام ہے۔ تصدیق افراد وغیرہ ضروری نہیں ہے اس لحاظ سے اس کے نزدیک فرعون اور اس کی تمام قوم مومن ہے اس لئے کہ ان میں بھی معرفت موجود تھی اگرچہ انہوں نے زبان سے اقرار نہیں کیا تھا۔ تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ الظَّالِمُونَ عَصَوْا كَيْدًا۔

توحید فی الربوبیت سے مقصود یہ ہے کہ اقرار کیا جائے کہ اللہ پاک ہر چیز کا خالق ہے اور کائنات کے صانع دو نہیں ہیں جو صفات اور افعال میں متماثل ہیں بلکہ صانع صرف ایک ہے اس توحید میں کسی کو کچھ شک نہیں یہاں تک کہ فلاسفہ، متکلمین اور صوفیاء بھی اس توحید کے قائل ہیں اور فطرتاً سب لوگوں کے دلوں میں یہ اقرار موجود ہے چنانچہ انبیاء علیہم السلام کا قول اللہ پاک نے ذکر فرمایا کہ۔

أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (ابراہیم ۱۰)

بھلا اللہ میں کچھ شک ہے؟ جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کر نبو الا ہے۔

فرعون اور اس کی قوم اگرچہ فرعون نے سجاہل عارفانہ کے طور پر صانع کے انکار کا مظاہرہ کیا لیکن درحقیقت بیاطن وہ اس کا اقرار کرتا تھا۔

جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا أَنْزَلَ هَؤُلَاءِ وَرَاءَ رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ بِعَمَارَتِهِ

تم یہ جانتے ہو کہ آسمانوں اور زمین کے پروردگار کے سوا اس کو کسی نے نازل نہیں کیا

(الاسراء ۱۰۰) (اور وہ بھی تم لوگوں کے سمجھانے کو۔

نیز اللہ تعالیٰ نے اس کے اور اس کی قوم کے بارے میں فرمایا۔
وَجَعَلُوا بَيْنَهُمَا دَاسِيَةً بَيْنَهُمَا
أَنفُسُهُمْ ظُلُمًا وَعُكُومًا (الغزلہ)
انکار کیا لیکن ان کے دل ان کو مان چکے تھے
اور یہی وجہ ہے کہ جب فرعون نے تجاہل عارفانہ کے طور پر رب العالمین کا انکار کرتے
ہوئے کہا (وَمَا رَبِّيَ الْعَالَمِينَ) یعنی رب العالمین کیا ہے؟ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام
نے اس کے سامنے ذیل کے کلمات کہے۔

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا
بَيْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤَقِنِيْنَ
قَالَ لَيْسَ حَوْلَكَ اَلَّذِ
تَسْتَعِيْضُوْنَ ۚ قَالَ دَبُّكُمْ وَرَبِّ
اَبَاكُمْ الْاَوَّلِيْنَ ۚ قَالَ اِنْ سَأَلْتُمْ
الَّذِيْ اَرْسَلَ اِلَيْكُمْ مُّجْتَبِيْنَ ۚ قَالَ
دَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا
بَيْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۚ
(الشعرا ۲۴-۲۸)

کہا کہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان
دولوں میں ہے سب کا مالک بشرطیکہ تم
لوگوں کو یقین ہو فرعون نے اپنے ابا
موسیٰ سے کہا کہ کیا تم سنتے نہیں؟ (موسیٰ
نے) فرمایا کہ تمہارا اور تمہارے باپ و ادا کا
مالک۔ (فرعون نے) کہا کہ وہ پیغمبر جو تمہاری
طرف بھیجا گیا ہے باؤلا ہے۔ (موسیٰ نے)
کہا کہ مشرق اور مغرب اور جو کچھ ان دونوں میں
ہے سب کا مالک بشرطیکہ تم کو سمجھ ہو۔

اعتراض اور اس کا جواب ایک گروہ کا خیال ہے کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام
سے اللہ کی ماہیت کے بارے میں سوال کیا اور چونکہ اللہ کی ماہیت نہیں اس لئے موسیٰ علیہ السلام
کچھ جواب نہ دے سکے اور عاجز آ گئے۔ لیکن ان کا یہ خیال غلط ہے۔ دراصل فرعون نے اللہ کا
انکار کرتے ہوئے استفسار کیا جب کہ دیگر آیات سے بھی یہی معنی مترشح ہوتا ہے کہ فرعون
اللہ کا منکر تھا۔ اور اس کی ذات کی نفی کرتا تھا تو جب وہ اللہ کو مانتا ہی نہیں ہے تو اللہ
کی ماہیت کے بارے میں سوال کرنے کا کیا معنی ہے یہی وجہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو
واضح کرنا پڑا کہ تم اللہ کی ذات کو مانتے نہیں ہو حالانکہ اللہ کی ذات تو معروف و مشہور ہے۔
اس کی ربوبیت اور خالقیت کے دلائل اور آثار اس قدر واضح ہیں (جو اس کی ذات پر دلالت

کرتے ہیں کہ اب اس کی ذات کے سوان کی کچھ ضرورت نہیں بلکہ اللہ سبحانہ کی معرفت سے کوئی بھی پردہ خفا میں نہیں ہے اور یہ کہنا درست ہے کہ فطرتی طور پر اللہ کی معرفت سے تمام لوگ آشنا ہیں اور کوئی چیز اتنی معروف نہیں جس قدر ذات خداوندی معروف ہے۔ اور کوئی فرقہ اس بات کا قائل نہیں کہ اس جہان کے دو صانع ہیں۔ اور وہ دونوں صفات اور افعال میں مماثل ہیں۔

ثنویہ اور مانویہ کا نظریہ یہ دونوں فرقے اس کائنات کے دو خالق قرار دیتے ہیں ایک خیر کا خالق ہے اور دوسرا شر کا خالق ہے۔ یا ایک نور کا خالق ہے دوسرا اندھیرے کا خالق ہے۔ اور ان دونوں سے عالم کی ہر چیز کا صدور ہوتا ہے۔ لیکن وہ بھی ان دونوں کو مساوی نہیں سمجھتے بلکہ خیر کے خالق کو اندھیرے کے خالق سے برتر سمجھتے ہیں اس کی تعریف کرتے ہیں اور اندھیرے کے خالق کو برا جانتے ہیں۔ اور اس کو مذموم جانتے ہیں اور پھر وہ اندھیرے کے بارے میں بھی اختلاف کرتے ہیں بعض اندھیرے کو قدیم اور بعض اس کو حادث کہتے ہیں خلاصہ یہ کہ دونوں خالق مساوی اور مماثل نہیں ہیں۔

عیسائیوں کا نظریہ عیسائی اگرچہ تثلیث کے قائل ہیں اس کے باوجود وہ اس عالم کے تین خالق نہیں مانتے وہ بالاتفاق اس بات کے قائل ہیں کہ اسی عالم کا صانع ایک ذات ہے اور وہ باپ بشار روح القدس کے قائل ہیں کہ اس عالم کا صانع ایک ذات ہے اور وہ باپ بیٹا روح ایک خدا سمجھتے ہیں البتہ تثلیث کے بارے میں ان کی آراء مختلف ہیں اور ان کی یہ رائے کہ اللہ پاک عیسیٰؑ میں حلول کر چکا ہے نہایت فاسد ہے اس مسئلہ میں تمام عیسائی دنیا سخت پریشان ہے اور اسکی صحیح تعبیر کرنے کی اپنی اپنی اہلیت نہیں پاتے اور کسی ایک بات پر دو عیسائی بھی متفق نہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں اللہ بالذات ایک ہے اس کی تین اقانیم ہیں اور اقانیم کی تشریح کبھی خواص کبھی صفات کبھی اشخاص کے الفاظ سے کرتے ہیں اور ہر باشعور انسان پورے غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ان کی تمام باتیں ناقابل فہم ہیں معلوم ہوا اگرچہ یہ بھی دو خالق تسلیم کرتے ہیں لیکن ان کے ہاں وہ دونوں متماثل نہیں ہیں ان کے علاوہ بھی اس عالم میں کوئی گروہ ایسا نہیں ہے جو دو متماثل خالقوں کا قائل ہو اس کے ساتھ ساتھ ہم دیکھتے ہیں کہ فلاسفہ و متکلمین نے اس مدعا کے اثبات میں پورا زور صرف کیا لیکن عجز اور درماندگی نے ان کے دامن کو غلام کیا اور انہوں نے برملا اپنی ناکامی

کا اعتراف کیا اور اس کو خلاف عقل قرار دیا ناکامی کے بعد انہوں نے سمع کا سہارا لیا اور کہا کہ عالم کے دو صانع کا نظریہ عقل کے ضرر خلاف ہے البتہ ہم اسی طرح اس کو سنتے چلے آئے ہیں۔

اس عالم کا صانع صرف ایک ہے دو نہیں اس کو مشکبہ اور باب نظر دلیل تمناع کے ساتھ ثابت دلیل تمناع کرتے ہیں وہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر عالم کے دو صانع ہوتے اور اگر ان میں سے ایک کسی جسم کو حرکت کا حکم دیتا اور دوسرا اس کو سکون کا حکم دیتا یا ایک جسم کو زندگی عطا کرتا دوسرا اس پر موت وارد کرتا اس صورت میں یا تو دونوں کا حکم نافذ ہو جاتا یا ایک کا حکم نافذ ہوتا یا کسی کا حکم نافذ نہ ہوتا ظاہر ہے کہ دونوں کا حکم نافذ ہونا تو متنع ہے اس لئے کہ اس صورت میں اجتماع الضدین لازم آتا ہے اور یہ باطل ہے اور تیسری صورت کہ کسی کا حکم نافذ نہ ہوتا یہ بھی متنع ہے اس لئے کہ اس صورت میں جسم کا حرکت اور سکون دونوں سے خالی ہونا لازم آتا ہے یہ ارتفاع لضعیفین ہے یہ بھی باطل ہے نیز ہر ایک کا عاجز ہونا لازم آتا ہے اور جو عاجز ہے وہ خدا نہیں ہو سکتا دوسری صورت کہ جب ایک کا حکم نافذ ہوتا ہے تو جس کا حکم نافذ ہوتا ہے وہی خدا ہے اور قدرت والا ہے دوسرا عاجز ہے اس میں خدا ہونے کی اہلیت موجود نہیں ہے۔ یہاں ہم نے اس دلیل کو اختصار کے ساتھ پیش کیا ہے آگے چل کر ہم اس کو ذرا تفصیل کے ساتھ ذکر کریں گے

ایک وضاحت البتہ ایک وضاحت ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے قرآن پاک کی اس آیت :-

(لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا) (الانبیاء ۲۲) ۛ

سے دلیل تمناع کا اثبات کیا ہے ان کا قول قرین قیاس نہیں اگرچہ وہ اپنے مقصود کے اثبات میں یہاں تک مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں کہ توحید فی الربوبیت تو توحید فی الالوہیت ہی کا دوسرا نام ہے۔ وہ دونوں آپس میں مترادف ہیں اور یہی وہ توحید ہے جس کو قرآن پاک نے واضح کیا اور اسی کی طرف پیغمبروں نے دعوت دی۔ اس لئے کہ جس توحید کی طرف پیغمبروں نے دعوت دی اور جس کو واضح کیا گیا وہ توحید فی الالوہیت ہے توحید فی الربوبیت نہیں ہے ہاں توحید فی الربوبیت کو متنع ضرور ہے۔ توحید فی الالوہیت کا مطلب یہ ہے کہ صرف ایک خدا کی عبادت کی جائے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا جائے۔ مشرکین عرب اس کے قائل نہ تھے البتہ توحید فی الربوبیت

کے قائل تھے آسمانوں اور زمین کا خالق ایک اللہ کو قرار دیتے تھے ارشادِ خلاق ہے۔
 وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
 وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (لقمان ۲۵)
 اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین
 کو کس نے پیدا کیا تو بول اٹھیں گے کہ خدا نے
 نیز ارشادِ خداوندی ہے۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَهِيَ فِيْهِمْ اٰتٍ
 كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ
 وَلِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝
 کہو کہ اگر تم جانتے ہو تو (بتاؤ کہ) زمین اور
 جو کچھ زمین میں ہے (سب) کس کا مال ہے
 جھٹ بول اٹھیں گے کہ خدا کا۔ کہو کہ پھر
 تم سوچتے کیوں نہیں۔ (المومنون ۸۴-۸۵)

اس مضمون کی آیات قرآن پاک میں کثرت کے ساتھ موجود ہیں جس طرح مشرکین مکہ اپنے تئوں
 کو عالم کی تخلیق میں خدا کا شریک نہیں سمجھتے تھے اسی طرح دیگر مشرک قومیں جو ہندوستان ترکی لوہ
 حبشہ وغیرہ آباد ہیں وہ بھی اللہ کے علاوہ جن خداؤ کی پرستش کرتے ہیں وہ ان کو عالم کا خالق صالح
 نہیں مانتے ہیں بعض مشرکین انبیاء علیہم السلام اور نیک لوگوں کی تمائیل تیار کرتے۔ اور انہیں اپنا سفارشی
 قرار دیتے اور اللہ کا تقرب حاصل کرنے میں ان کو وسیلہ قرار دیتے، چنانچہ قوم نوح کی حکایت
 بیان کرتے ہوئے اللہ پاک فرماتے ہیں۔

وَقَالُوا لَا تَدْعُ اِلٰهَکُمْ وَلَا
 تَدْعُ دَدًا وَلَا سَوْا عَادِلًا
 یٰعٰوِثَ وَیٰعِیُوْثَ وَنَسُوْا (نوح ۳)
 اور کہنے لگے کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ
 چھوڑنا اور دود اور سواع اور یعوث اور یعوث
 اور نسر کو کبھی ترک نہ کرنا۔

صحیح بخاری اور کتب تفسیر میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واقعات کے بیان میں اس
 روایت کی تشریح میں عبد اللہ بن عباس کا قول مذکور ہے کہ قوم نوح میں ان لوگوں کی نیکی اور پاکیزگی
 مشہور تھی تو جب وہ دنیا سے رخصت ہو گئے تو لوگوں نے ان کی قبروں پر آنا مانا شروع کیا کچھ عرصہ
 بعد ان کی تصویریں بنائی گئیں مزید کچھ عرصہ گزرنے کے بعد ان کی عبادت شروع کر دی گئی رفتہ رفتہ
 ان تئوں کو قبائل عرب میں پہنچا گیا اس طرح وہاں بت پرستی کا آغاز ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وآلہ وسلم نے بت پرستی کو ختم کرنے کا اعلان فرمایا صحیح مسلم میں ابو الہیاج اسدی سے روایت
 ہے کہ مجھے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم دیا۔

الا یبعث علی ما یبعثی کہا میں آپ کو ایسے کام پر روانہ نہ کروں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر فی ان لا ادع قبرا مشرفا الا سویتہ ولا تمثالا الا سویتہ طسہ صحیحین میں ہے۔

جس پر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روائہ فرمایا (مجھتے وقت) آپ نے مجھے حکم دیا میں ہر اونچی قبر کو زمین کے برابر کر دوں اور ہر مورتی بت وغیرہ کو توڑ دوں

عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انه قال فی مرض موته لعن اللہ الیہود والنصارى اتخذوا قبور انبیاءہم مساجد یحذروا فاعلوا قالت عائشہ رضی اللہ عنہا وولوا ذلک لدبر قبرہ ولكن کما ان یتخذ مسجداً یتخذ الیہ الساجد احکام الجنائز مفعلاً

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں فرمایا اللہ کی ہود و نصاریٰ پر لعنت ہو انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجد بنایا آپ امت کو ان کے اس برے کام سے دھمکا رہے تھے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں اگر یہ خطہ نہ ہوتا تو آپ کی قبر مبارک کو کھلے میدان میں بنایا جاتا لیکن آپ نے مناسب نہ سمجھا کہ کہیں آپ کی قبر کو مسجد نہ بنایا جائے۔

صحیحین میں ہے۔

انہ ذکر فی مرض موته کثیرۃ بارض الحبشۃ و ذکر من حسنہا و قضاویر فیہا فقال ان اولئک اذا مات خیمہم الرجل الصالح بنوا علی قبرہ مسجداً و صوروا فیہ تلک التماویر اولئک شرار المخلوق عند اللہ یوم القیامۃ۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں حبشہ میں واقع ایک گرجے کا ذکر فرمایا تو آپ نے فرمایا یہ لوگ ایسے تھے کہ جب ان میں کسی نیک آدمی کی وفات ہو جاتی تو اس کی قبر پر مسجد بناتے اور اس میں قیم کی مورتیوں کو سجا لیتے تھے یہ لوگ قیامت کے روز اللہ کے ہاں بدترین مخلوق ہیں۔

علیہ تحذیر الساجد عن اتخاذ القبور مساجد تا لیت علامہ ابانی حفظہ اللہ کا اردو ترجمہ راقم کے قلم سے مکمل پیر ہو چکا ہے اور اس کے کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں واللہ اعلم علی ذالک۔ مترجم

صحیح مسلم میں ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قبل ان یموت یخمس ان من کان قبلكم کادوا یتخذون قیور انبیاءہم و صالحیہم مساجدا الا فلا یتخذوا القبور مساجدا فانی انہا کم عن ذالک۔ (صحیح ابوداؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے پانچ روز قبل فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ اپنے پیغمبروں اور نیک لوگوں کی قبروں کو مسجد بنا لیتے تھے خبردار تم نے قبروں کو مسجد نہ بنانا ہو گا۔ پس میں تم کو اس شدت کے ساتھ منع کرتا ہوں۔

پس جس طرح نیک انسانوں کی تعظیم میں غلو اختیار کرنے سے مشرک جہنم پاتا ہے اسی طرح ستاروں کی پرستش اور ان کے ناموں پر تعمیر شدہ مندوں کی تعظیم میں غلو سے بھی شرک کے سوتے چھوٹتے ہیں چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم میں جو شرک موجود تھا وہ اسی قسم کا تھا۔ اسی طرح بعض لوگوں میں فرشتوں اور جنوں کے ساتھ اندھی عقیدت پائی جاتی ہے جس سے شرک پھیلتا ہے۔ لیکن یہ تمام مشرک اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ عالم کا مانع صرف ایک خدا ہے دویا دو سے زیادہ نہیں ہیں۔ البتہ جن کی ہم پوجا کرتے ہیں وہ ہمارے سفارشی ہیں۔ اللہ پاک نے ان کے اس نظریہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ اُولَیَئَکَ مَا یَعْبُدُوهُمْ اِلَّا لَیْقَظُوْا اِلَیَّ الْاَشْیَافُ (الزمر ۲۵)

اور جن لوگوں نے اس کے سوا اور دوست بنائے ہیں (وہ کہتے ہیں کہ ہم انکو اس لئے پوجتے ہیں کہ ہم کو خدا کا مقرب بنا دیں

نیز فرمایا

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَفْعَلُ لَهُمْ شَيْءٌ وَّیَقُوْنُوْنَ هُوَ لَا یَسْمَعُ سَفْعًا مِّنَّا عَتَا اللّٰهُ قُلْ اَتَنْتَبِهُنَّ اِلَیَّ اَمْ لَا یَعْلَمُوْنَ السَّمُوْتِ وَ لَا فِی الْاَرْضِ سُبْحَانَہٗ دَعَا فِی عَمَّا یَشْرِکُوْنَ

اور یہ (لوگ) خدا کے سوا ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جو نہ ان کا کچھ بگاڑ ہی سکتی ہیں اور نہ کچھ بھلا کر سکتی ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خدا کے پاس ہماری سفارش کرنیوالے ہیں کہہ دو کیا تم خدا کو ایسی چیز بتاتے ہو جس کا وجود اُسے نہ آسمانوں میں معلوم ہوتا ہے اور

(یونس ۱۸) زمین میں وہ پاک ہے اور (اس کی

شان) ان کے شرک کرنے سے ست بلند ہے

گذشتہ اقوام جنہوں نے انبیاء کی تکذیب کی ان کی حکایتیں قرآن مجید میں مذکور ہیں کہ وہ شرک بھی کرتے تھے لیکن اللہ کا بھی اقرار کرتے تھے چنانچہ حضرت صالح علیہ السلام کے واقعہ میں ان کو آدمیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ انہوں نے اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ ہم حضرت صالح علیہ السلام اور اس کے اہل کوراء کی تاریکی میں قتل کر دیں گے معلوم ہوا کہ وہ اللہ پر ایمان رکھتے تھے اسی لئے تو انہوں نے اللہ کے نام کی قسم اٹھائی ہے۔

توحید فی اللہ الوہیت کا مطلب یہ ہے کہ صرف ایک اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کی جائے اسی سے استغانت کی جائے اسی کو ملجا و ماویٰ سمجھا جائے چنانچہ تمام انبیاء علیہم السلام نے اسی توحید کو پھیلایا۔ اور یہی اللہ کا مقصود تھا ورنہ توحید فی الربوبیت پہلے ہی موجود تھی اور توحید فی اللہ الوہیت بھی توحید فی الربوبیت کو شامل ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

فَاقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَٰلِكُمُ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ

(الروم ۳۰) تو تم ایک طرف کے ہو کر دین (خدا) کے رستے پر سیدھا منہ کئے چلے جاؤ (اور) خدا کی فطرت کو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے (اختیار کئے رہو) خدا کی بنائی ہوئی (فطرت) میں تغیر و

تبدیل نہیں ہو سکتا یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

نیز فرمایا۔

مُتَّبِعِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوا وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ مِنَ الدِّينِ قَرُّوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا كُلُّ جُزْءٍ مِّمَّا كَذَبْتُمْ فَرِحَ بِهِ قَوْمٌ إِذَا مَسَّ النَّاسَ حُرٌّ دَعَا إِلَىٰ تَحَمُّلِ الْمُنِيِّنَ إِلَيْهِمْ إِذَا لَاقَتْهُمْ مِنْهُ دَعْيًا إِذَا كَرِهْنَا مِنْهُمْ

يَرْجِعُهُمْ فِي كُذِّبَ لَكُمْ وَمَا آتَيْنَاهُمْ
فَتَمْتَعُوا بِسُوءِ تَعْلَمُونَ أَمْ آتَيْنَا
عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا فَهَؤُلَاءِ كَلِمَاتُهَا
بِمِثْرِ كُذِّبَ وَإِذَا أَنَا لِلنَّاسِ رَحْمَةٌ
فَوَحَّوْا بِهَا وَإِنْ تَتَّبِعُهُمْ سَيَلِّتَهُ
بِمَا قَدَّمْتِ آيَاتِي بِهِمْ إِذَا هُمْ
يَقْنَطُونَ ۝

لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے پروردگار
کو پکارتے ہیں اور اسی کی طرف رجوع
کرتے ہیں پھر جب وہ ان کو اپنی رحمت
کا مزہ چکھاتا ہے۔ تو ایک فرقہ ان میں
سے اپنے پروردگار سے شرک کرنے لگتا
ہے تاکہ جو ہم نے ان کو بخشا ہے اس کی
ناشکری کرتا ہے سو (چند) فائدے اٹھا

(الروم ۲۱-۲۶) لو غنقریب تم کو (اس کا انجام) معلوم ہو
جائے گا۔ کیا ہم نے ان پر کوئی ایسی دلیل نازل کی ہے کہ ان کو خدا کے ساتھ شریک
کرنا سکھاتی ہے اور جب ہم لوگوں کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ اس پر
خوش ہوتے ہیں اور جب ان کو ان کے اعمال کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہے تو
وہ مایوس ہوتے ہیں)

نیز فرمایا۔

إِنِّي أَنذَرْتُكُمْ فَاظِرَ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ

کیا (تم کو) خدا (کے بارے) میں شک
ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا
ہے۔

(ابو اہیم ۱۰)

اسلام دین فطرت ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔
كل مبدوء يدعوا على الفطرة فاولاه
يهودا ثم اد بينصرات ثم اد
مجسانم (بخاری، مسلم اور ابوالفیل)

ہر بچہ دین اسلام پر پیدا ہوتا ہے لیکن
اس کے مال باپ اس کو یہودی، عیسائی
مجوسی بنالیتے ہیں۔

ایک روایت میں علی الفطرة کہا سمجائے علی الملة اور دوسری روایت میں علی نذرة الملة کے
الفاظ مروی ہیں جس کا معنی دین اسلام ہے حدیث اس بات کو واضح کر رہی ہے کہ ہر بچہ
دین اسلام پر پیدا ہوتا ہے اگر دین اسلام دین فطرت نہ ہوتا تو جس طرح حدیث میں یہودیت
عیسائیت مجوسیت کا ذکر ہے اس کا بھی ذکر ہوتا لہذا اس حدیث کا یہ مفہوم پیش

کرنا بالکل غلط ہے کہ بچہ بالکل سادہ ہوتا ہے کہ وہ توحید، شرک دونوں سے ناواقف ہوتا ہے ہمارے معنی کی تائید ایک دوسری قدسی حدیث سے بھی ہو رہی ہے حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

يَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ خَلَقْتُ بَعْدِي
حُمْقَاءَ فَاجْتَالَهُمُ الشَّيَاطِينُ
اللہ پاک فرماتے ہیں میں نے بندوں کو دین
اسلام پر پیدا فرمایا لیکن شیطانوں نے
(مسلم احمد) ان کو بہکایا۔

اسلام کے دین فطرت ہونے

کے عقلی دلائل
مذکورہ حدیث میں اسلام کو ہی دین فطرت کہا گیا ہے اب ہم اس کی تائید میں چند عقلی دلائل پیش کرتے ہیں۔

۱۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ ہر انسان طبعی طور پر حساس اور متحرک بالارادة ہے اور اس کو زندگی میں مختلف قسم کے اعتقادات۔ تصورات سے واسطہ پڑتا رہتا ہے مان میں سے بعض کا حق ہونا اور بعض کا باطل ہونا عین قرین قیاس ہے۔ انسان اپنی خدا داد عقل سے بعض کو صیغ اور بعض کو غلط قرار دیتا ہے۔ اسی طرح جب کسی انسان کو اختیار دیا جائے کہ وہ سچ بولے اور اپنے بھائیوں کو فائدہ پہنچائے یا وہ جھوٹ بولے اور اپنے بھائیوں کو نقصان پہنچائے تو انسان فطرتاً پہلی صورت اختیار کرے گا اور وہ سچ بولے اور اپنے بھائیوں کو فائدہ پہنچانے کو ترجیح دے گا۔ اس کے عین مطابق صالح کے وجود کا اقرار کرنا اور اس پر ایمان لانا حق ہے انکار کرنا اور اس کے ساتھ کفر کرنا باطل ہے اور اس کے فاسد ہونے میں کچھ شک نہیں پس پہلی صورت کا تعین ضروری ہے اور انسانی فطرت میں یہ استحقاق موجود ہے جس سے صالح کی معرفت حاصل ہو۔ اور اس پر ایمان لانے کا داعیہ تیز ہو اسی طرح ہر انسان کی فطرت میں داخل ہے کہ وہ اپنے بھائی سے محبت کرتا ہے اور اسے فائدہ دیتا ہے۔ اس سے دشمنی کرنا اور اسے نقصان دینا فطرت کے خلاف ہے۔

۲۔ ہر انسان کے احساسات اس بات کے متقاضی ہیں کہ وہ اپنے لئے فائدہ والی چیزوں کی طرف مائل ہوتا ہے اور انہیں حاصل کرتا ہے اور مضمر چیزوں سے بچاؤ اختیار کرتا ہے اور ان سے دور رہتا ہے۔ لیکن بعض اوقات فطرت انسانی مفید

اور مضحیہ چیزوں میں امتیاز کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ اسے مزید کسی راہ نمائی کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً اسے علم حاصل کرنا پڑتا ہے جس کی روشنی میں وہ مفید چیزوں کو حاصل کر لیتا، اور مضحیہ چیزوں سے اجتناب کرتا ہے۔

۳۔ جس طرح اس بات کا علم ہر شخص کو ہے کہ ہر انسان علم کو قبول کرنے اور حق بات کی طرف مائل ہونے کی قوت اپنے اندر رکھتا ہے اگر انسان میں یہ قوت نہ ہوتی تو فقط کسی معلم کے تعلیم اور ترغیب دینے سے کبھی علم حاصل نہ ہوتا، اسی طرح کائنات کے صانع کا اقرار بلا کسی خارجی سبب کے ہر شخص کو ہے ہر شخص کے نفس میں اس کی شہادت موجود ہے اور بظاہر اس کا کوئی معارض نہیں ہے اس لحاظ سے ہر انسان کی فطرت سلیمہ نہ صوف صانع کا اقرار کرتی ہے بلکہ اس کی عبادت کے لئے اپنے آپ کو آمادہ پاتی ہے۔

۴۔ جب فطرت سلیمہ اصلاح کی متقاضی ہے اور خارجی طور پر نہ کوئی مصلح موجود ہے نہ کوئی مفسد موجود ہے یعنی جب موانع معتققی ہیں اور علم کے متقاضی موجود ہیں تو اس کو تفویض حاصل ہوگا۔ اور عالم کے صانع کا اقرار کرنا ضروری ہوگا۔

امام ابو حنیفہؒ سے مروی

ایک حکایت متکلمین کے ایک گروہ نے امام ابو حنیفہؒ سے توحید فی الربوبیت کے اثبات پر دلیل کا مطالبہ کیا۔ امام صاحب نے فرمایا اس سے قبل کہ ہم اس مسئلہ کو زیر بحث لائیں آپ مجھے بتائیں کہ دریائے جلد میں ایک کشتی دیکھی گئی جو بغیر ملاح کے چل رہی ہے۔ اپنے آپ اس پر سامان پہنچ گیا از خود ہی وہ ٹنگر انداز ہوئی اور اپنے آپ ہی اس سے سامان اتر گیا۔ اور بلا کسی معاون کے کشتی واپس چلی گئی۔ یہ سب کچھ اپنے آپ ہو گیا اس پر سب بول اٹھے یہ تو محال ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا جواب میں امام صاحب نے فرمایا اگر یہ ناممکن ہے کہ کشتی ملاح کے بغیر نہیں چل سکتی اور بلا کسی معاون کے اس پر سامان نہیں لاد جاسکتا تو یہ تمام عالم کیسے معرض وجود میں آسکتا ہے؟ یہ حکایت ان کے علاوہ دیگر ائمہ سے بھی منقول ہے۔

لیکن کیا توحید فی الربوبیت کا اقرار کافی ہے ہرگز نہیں جب تک اس اقرار کے ساتھ ایک اللہ کی عبادت نہ کی جائے اور اس کے ماسوا سے برامت کا اظہار نہ کیا جائے

انسان مومن نہیں ہو سکتا۔ توحید فی الربوبیت جس کو اکثر صوفیا منزل قرار دیتے ہیں اور اس کو ایسی غایت سمجھتے ہیں جس سے آگے کوئی مقام نہیں جس طرح اس کا ذکر صاحب "منازل السائرین" نے کیا ہے بالکل غلط خیال ہے۔ اگرچہ توحید فی الربوبیت کا مضمون کثرت کے ساتھ قرآن پاک میں بار بار دہرایا گیا ہے اور امثلہ دے کر اس مسئلہ کو واضح کیا گیا ہے کہ عالم کا خالق صرف اللہ ہے تاہم یہ اقرار اس بات کو مستلزم ہے کہ عبادت بھی صرف اسی کی ہو گو یا کہ توحید فی الربوبیت کو توحید فی الالوہیت کی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ جب کہ مشرکین مکہ توحید فی الربوبیت کے تو قائل تھے لیکن توحید فی الالوہیت کے قائل نہ تھے تو اللہ سبحانہ نے ان کے سامنے بیان کیا کہ جب تم یقین رکھتے ہو کہ عالم کا خالق اس کے سوا کوئی نہیں اور وہی ہے جو نفع نقصان پہنچاتا ہے اس میں اس کا کوئی شریک نہیں تو تم اس کی عبادت کیوں نہیں کرتے اور کیوں اس کا شریک بناتے ہو ارشاد خداوندی ہے۔

کہہ دو کہ سب تعریف خدا ہی کو (منزل اول)
ہے اور اس کے بندوں پر سلام ہے جن
کو اس نے منتخب کیا۔ بھلا خدا بہتر ہے یا
وہ جن کو یہ (اس کا) شریک بناتے ہیں بھلا
کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور
کس نے تمہارے لئے آسمان سے پانی
برسایا (ہم نے) پھر ہم نے اس سے سبز
باغ اٹکائے۔ تمہارا کام تو نہ تھا کہ تم ان
کے درختوں کو اگاتے تو کیا خدا کے ساتھ

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ
الَّذِينَ اصْطَفٰی ؕ اَللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا
يُشْرِكُوْنَ ؕ اَمْ مِّنْ خَلْقٍ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ
السَّمَاءِ مَآءً فَاَنْبَتْنَا مِنْهُ اَنْۢبَاقًا
ذٰتَ بَهْجَةٍ مَّا كَانَتْ تَكْفُرُوْنَ
تُنَبِّتُوْنَ شَجَرَهَا ؕ اَلَمْ نَمِۡصَحْ اِلٰهًا
بَلْ هُوَ قَوْمٌ يَّعِدُّوْنَ ؕ

(النمل ۵۹)

کوئی اور بھی معبود ہے؟ (ہرگز نہیں) بلکہ یہ لوگ رستے سے الگ ہو رہے ہیں۔
اس سورت میں متعدد آیات کے آخر میں اَللّٰهُ فَصَح اللّٰہ کا جملہ دہرایا گیا ہے۔ یہ جملہ استفہام
انکاری کی شکل میں پیش کیا گیا ہے کہ کیا تم اس کا انکار نہیں کرتے ہو کہ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا
ہے؟ یعنی تم اقرار کرتے ہو کہ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا خدا نہیں جس سے یہ کام سرزد ہوتے ہوں
تو پھر تم کیوں اللہ کے غیر کو معبود سمجھتے ہو۔ اس لئے کہ وہ اللہ کے ساتھ دیگر خداؤں کو بھی
مانتے تھے اللہ پاک انہیں ڈانٹ پلاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اَنْتُمْ تَشْهَدُونَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهَةٌ
اُخْرٰی ۚ قُلْ لَا اَشْهَدُ
کیا تم لوگ اس بات کی شہادت دیتے ہو
کہ خدا کے ساتھ اور بھی معبود ہیں (اے محمدؐ)
گرد و کریمیں (ایسی) شہادت نہیں دیتا۔
(الانعام ۱۹)

قرآن پاک کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار مکہ یہ تو کہا کرتے تھے کہ خدا ایک نہیں
بلکہ کئی خدا ہیں جو عبادت کے لائق ہیں۔ البتہ جس نے زمین کو قرار عطا کیا اور اس میں نہریں
چلا دیں پہاڑ بنائے وہ ایک ہے اس کے ساتھ اس کا کوئی شریک نہیں۔
ارشاد خداوندی ملاحظہ فرمائیں۔

اَجْعَلِ الْاِلٰهَةَ الْغٰیثَةَ اِلٰهًا
لَّانْ هٰذَا النَّبِیُّ مُحَمَّدٌ
اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَوَارًا وَجَعَلَ
خِلَالَهَا اَنْهَارًا فَجَعَلَ لَهَا
سَرَادِیسی وَجَعَلَ بَیْنَ الْمَجْرِیَّتَیْنِ
حَاجِزًا
کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود
بنادیا یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔
بھلا کس نے زمین کو قرار دیا اور اس
کے بیچ نہریں بنائیں اور اس نے پہاڑ
بنائے اور کس نے دو دریاؤں کے بیچ
اوٹ بنائی (یہ سب کچھ خدا نے بنایا)
(الغزل ۶۱)

نیز فرمایا۔
يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ
الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ
قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ
اے لوگو تم اپنے پروردگار کی عبادت
کرو جو تمہارا اور تم سے پہلے لوگوں کا خالق
ہے تاکہ تم بچو۔
(البقرة ۲۱)

نیز فرمایا۔
قُلْ اَرَاَیْتُمْ مَنِ اخَذَ اللّٰهُ مِمَّكُمْ
وَابْعَثَ اَكْثَرَهُمْ عَلٰی قُلُوْبِكُمْ
مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرِ اللّٰهِ یَا تَبٰرَکُ
کہو کہ بھلا بناؤ تو اگر اللہ تمہارے کانوں
اور آنکھوں کو ختم کر دے اور تمہارے
دلوں پر مہر لگا دے اللہ کے سوا کون
ہے جو تمہیں یہ چیزیں عطا کرے؟
(الانعام ۱۶۶)

توحید فی الربوبیت جس کو فلاسفہ اکثر صوفیا غایت قرار دیتے ہیں وہ توحید فی الالوہیت

میں داخل ہے جس کو نیکر انبیاء و علیہم السلام آئے اور جس کا ذکر سماوی کتب میں ہے اس کے دلائل کثرت کے ساتھ قرآن پاک میں مذکور ہیں اسی طرح صانع کے اثبات کے دلائل، صداقت رسول کے دلائل بھی کثرت کے ساتھ مذکور ہیں اس لئے کہ جس قدر کسی علم کی اشاعت زیادہ اہم ہوتی ہے اسی قدر اس کے دلائل بھی نہایت ظاہر باہر ہوتے ہیں اللہ پاک اپنے بندوں پر رحیم و کریم ہے اس کی رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ بنیادی عقائد کے دلائل کو بار بار اور واضح انداز میں پیش کرے۔

توحید فی الربوبیت کا اثبات

امثال کے ساتھ قرآن پاک میں توحید فی الربوبیت کو مختلف قسم کی مثلہ کے ساتھ واضح کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ دانشوروں کو عقلی اور قیاسی ہیمنوں کے ساتھ سمجھانا زیادہ مؤثر ہوتا ہے گویا کہ قرآن پاک احکام اور ان کے دلائل کی حقانیت کو مختلف اسالیب سے واضح کرتا ہے۔ ﴿ثُمَّ أَزِيدُ الْخَلْقَ الْإِنْسَانُ﴾

خیال رہے کہ احکام کے اثبات میں بیان کردہ مقدمات اگر بدیہی اور فطری ہیں نیز ان پر اتفاق ہے تو ان سے استدلال کافی ہے لیکن اگر وہ نظری ہیں تو پھر ان پر دلائل فراہم کرنے کی ضرورت ہے ورنہ قرآن پاک کا انداز بیان نہایت مختصر ہے اگر تعلقات فعل کے حذ سے مفہوم واضح ہو جائے تو ذکر کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر کہیں غرض و خفا موجود ہے اور شک وارتباب راہ پانا ہے تو اس پر براہین پیش کی گئی ہیں اور امثال و قیاسات کے ساتھ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ چونکہ مزید بحث مسئلہ تمام گروہوں کے ہاں مسلم ہے کوئی بھی اس عالم کے دو صانع نہیں مانتا البتہ تنویہ دو خالق کا تصور رکھتے ہیں اور قدربہ کا نظریہ یہ ہے کہ ہر انسان اپنے افعال کا خرد خالق ہے۔ اور فلاسفہ ملاحدہ افلاک یا اجسام طبعیہ کی حرکت کو خالق سمجھتے ہیں ان کا نقطہ نظریہ ہے کہ جو امور معرض وجود میں آ رہے ہیں وہ اللہ کے احداث کے ساتھ نہیں ہیں یہ لوگ شرک فی الربوبیت کے گناہ میں ملوث ہیں۔ اسی طرح عرب کے اکثر مشرکین بھی اپنے بتوں اور خداؤں کو چونکہ نفع رسان اور نقصان دہندہ سمجھتے تھے اور اس میں اللہ کے دخل کے خال نہ تھے اس لئے توحید فی الربوبیت کو امثلہ اور دلائل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے توحید شرک فی الربوبیت لوگوں میں موجود تھا تو قرآن پاک نے اس کو باطل قرار دیتے

ہوئے فرمایا۔

مَا تَعْبُدُونَ إِلَّا دُونَهُ مَا كَانَ مَعَهُ
مِنْ السِّمَاءِ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يُلَاحِظُونَ
خَلْقَهُ وَلَا تَعْلَمُ أَغْصَانُ الْعُيُونِ
(المومنون ۹۲)

خدا نے نہ تو کسی کو اپنا بیٹا بنایا ہے اور
نہ اس کے ساتھ کوئی اور معبود ہے ایسا ہوتا
تو ہر معبود اپنی اپنی مخلوق کو بے کر چل دیتا
اور ایک دوسرے پر غالب آجاتا۔

مذکورہ الصدرات میں توحید فی الربوبیت کی دلیل پیش کی گئی ہے۔ اور مقدمات کو ترتیب
دے کر اس سے نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔ غور فرمائیں کس قدر مختصر الفاظ میں اولیٰ مقدمہ پیش کیا گیا ہے کہ معبود
حق کیلئے خالق اور فاعل کی صفت کے ساتھ مرصوف ہونا ضروری ہے جو اپنے عبادت گزار
بندوں کو فائدہ پہنچائے اور نقصانات سے محفوظ رکھے اگر معبود حق سبحانہ کے ساتھ اس کی
بادشاہت میں کوئی دوسرا معبود شریک ہوتا تو اس کی یہی خلق اور فعل کا تصرف حاصل ہوتا اس
لحاظ سے وہ شرکت کو کبھی پسند نہ کرتا بلکہ اگر اسے اپنے شریک پر غلبہ حاصل ہو جائے اور بادشاہت
اور معبود ہونے میں اسے نفرو حاصل ہو جائے تو وہ ضروریہ کام کرے اور اگر اس کو اس پر قدرت
حاصل نہ ہو تو وہ اپنی مخلوق کے ساتھ الگ ہو جائے گا جب کہ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ ایک شاہ
دوسرے بادشاہ سے اپنی مملکت کو الگ کر لیتا ہے جب وہ دوسرے بادشاہ پر تفوق حاصل کرنے
میں ناکام ہو جاتا ہے تو تین امور میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے۔ اولاً ہر خدا اپنی مخلوق اور بادشاہت
کو الگ کر لے ثانیاً ایک خدا دوسرے پر غالب آجائے۔ ثالثاً تمام لوگ صرف ایک بادشاہ کے ماتحت
ہوں وہ جس طرح چاہے تصرف کرے لوگوں میں سے کسی کو تصرف کا حق نہ ہو وہ اکیلا معبود ہو۔

اس کے ماسوا تمام اس کے غلام اور پیدا کردہ ہوں اور ہر لحاظ سے اس کے ماتحت ہوں۔ ان
مقدمات کی روشنی میں غور کیجئے کہ اس عالم کا نظام کس قدر مضبوط اور مربوط ہے ہر چیز لگے
بند ہے نظام کے مطابق گردش کر رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس عالم کا ایک مذبر ہے وہی
بادشاہ ہے وہی اکیلے رب ہے۔ اس کے ماسوا مخلوق کا نہ کوئی رب ہے نہ معبود ہے جیسا کہ
سابقہ اوراق میں دلیل تمانع سے ثابت ہو چکا ہے۔ کہ عالم کا خالق ایک ہے اس کے سوا
نہ اس کا کوئی رب ہے نہ معبود ہے۔ پس جس طرح اس عالم کے دو متماثل خالق، رب نہیں
ہو سکتے اسی طرح اس کے دو خدا دو معبود بھی نہیں ہو سکتے۔ یعنی عالم کا دو خدا دو صالح سے
ممتنع ہے فطرت انسانی کا یہی تقاضا ہے۔ عقل مزج اس کو باطل قرار دیتی ہے۔ اس کے

ساتھ ساتھ دو خداؤں کا ہونا بھی باطل ہے اور پھر اس کی مزید تائید مذکورہ آیت سے بھی ہو رہی ہے۔ جس میں صراحتاً توحید فی الربوبیت کا ذکر ہے۔ لیکن اس کی التزامی دلالت توحید فی الالوہیت پر بھی ہے۔ اس آیت کے مترادف دوسری آیت میں ارشاد خداوندی ہے۔

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ ۚ لَفَسَدَتَا (الانبیاء ۲۲)

اگر آسمان اور زمین میں خدا کے سوا معبود ہوتے تو زمین و آسمان درہم برہم ہو جاتے

اس آیت سے دلیل تمانع ثابت ہو رہی ہے جس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔ لیکن ہم یہاں مزید غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں کہ اس آیت میں لفظ ”آلِہَتَہُ“ موجود ہے۔ ارباب کا نہیں ہے تیز فساد کا رہنا ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ ایک خدا کے علاوہ الہتہ موجود ہوں نیز یہ کہا ہے کہ اگر ایک خدا کے ماسوا خدا ہوں گے تو زمین و آسمان میں فساد رونما ہو جائے گا یہ نہیں کہا ہے کہ زمین و آسمان کا وجود نہ رہے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ آسمانوں و زمین میں متعدد خداؤں کا ہونا جائز نہیں صرف ایک خدا ہے اور وہ خدا اللہ کی ذات ہے اور متعدد خداؤں کے ہونے سے آسمان و زمین میں فساد رونما ہو جاتا اگر ایک خدا ہوتا اور وہ اللہ نہ ہوتا تو پھر بھی فساد رونما ہو جاتا۔ اگر دو معبود ہوتے تو تمام نظام درہم برہم ہو جاتا ظاہر ہے کہ عالم کا قیام تو عدل کے ساتھ ہے۔ اس کے ساتھ آسمان و زمین قائم ہیں سب سے اوسنچا عدل توحید ہے اور سب سے بڑا ظلم شرک ہے۔

اگرچہ اس آیت میں توحید فی الالوہیت کا ذکر ہے لیکن چونکہ توحید فی الالوہیت توحید فی الربوبیت کو مستلزم ہے اس لئے اس میں التزاماً توحید فی الربوبیت بھی موجود ہے ہاں توحید فی الربوبیت توحید فی الالوہیت کو مستلزم نہیں اگرچہ اس کو توحید فی الالوہیت کی دلیل کہا جاسکتا ہے جیسا کہ اس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جو ذات خلق پر قادر نہیں وہ عاجز ہے اور عاجز خدا نہیں ہو سکتا۔ ارشاد خداوندی ہے۔

إِنَّ شَرَّ كُودٍ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُوَ يُخَلَقُونَ ۚ

کیا وہ ایسوں کو شریک بنا۔ تے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے اور خود پیدا کئے جاتے

(الاعراف ۱۹۱) ہیں

نیز فرمایا۔

نیز فرمایا

أَفَن يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ دَافِلًا
تَذَكُّوْنَ
توجو (اسی مخلوقات) پیدا کرے کیا وہ لیا
ہے جو کچھ بھی پیدا کر سکے تو پھر تم غور کرو
نہیں کرتے (العنکب ۱۷)

نیز فرمایا۔

قُلْ لَوْ كَانَ مَعَهُ إِيَّاهُ مَا يَقُولُونَ
إِذَا لَا تَتَّبِعُوا إِلَىٰ ذِي الْعَرْشِ
سَبِيلًا
کہہ دو کہ اگر خدا کے ساتھ اور معبود ہوتے
جیسا کہ یہ کہتے ہیں تو وہ ضرور (خدا کے)
مالک عرش کی طرف لڑنے بھڑنے کے
لئے رستہ نکالتے۔ (الاسراء ۴۲)

إِذَا لَا تَتَّبِعُوا كَيْ تَشْرَحَ

میں اختلاف اس میں متاخرین کے دو قول ہیں قول اول یہ ہے
کہ اگر اللہ کی ذات کے ساتھ اور خدا ہوتے تو وہ اس کو مغلوب کرنے کی کوئی راہ نکالتے
دوسرا قول صحیح ہے سلف صالحین قتادہ وغیرہ سے "ابن جریر" میں مذکور ہے کہ اگر اللہ کی ذات
کے ساتھ اور خدا ہوتے تو وہ اللہ کا قرب حاصل کرنے کی راہ نکالتے جیسا کہ اس آیت میں
یہی معنی ہے ارشاد خداوندی ہے۔

إِنَّ هَذِهِ تَذَكُّرَةٌ هَٰ خَمْسٌ
شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ دَيْبِهِ سَبِيلًا هَ
یہ تو نصیحت ہے جو چاہے اپنے پروردگار
کی طرف پہنچنے کا رستہ اختیار کرے
(الدھر ۲۹)

یہ بات واضح ہے کہ اگر اللہ کی ذات کے ساتھ اور خدا ہوتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے
ہیں لیکن وہ اس کے تو قائل نہ تھے کہ عالم کے دو صانع ہیں بلکہ اللہ کی ذات کے ساتھ کچھ خدا
کو اپنا سفارشی سمجھتے تھے اور کہتے تھے۔
مَا تَعْبُدُوْهُمُ إِلَّا لِيُبْتَغَىٰ رُؤُوسًا إِلَىٰ
اللَّهِ ذُلْفَىٰ (الزمر ۳)
ہم ان کو اس لئے پوجتے ہیں کہ وہ ہم کو
خدا کا مقرب بنادیں۔

توحید کی عمومی قسمیں اولہ! توحید فی الاثبات والمعرفة۔

ثانی: توحید فی الطلب والقصد -

پہلی قسم :- کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی ذات کی حقیقت اس کے صفات افعال، اسما کو ثابت کرنا اور ان کا اقرار کرنا اور اللہ کی ذات کو سنات وغیرہ میں بے مثل سمجھنا جیسا کہ اللہ پاک نے خود اپنا وصف بیان کرتے ہوئے کہا ہے کروہ بے مثل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کو واضح فرمایا ہے قرآن میں پہلی قسم کی وضاحت سورت حدید، طہ کے ابتدا میں سورت شکر کے آخر الم تنزیل السجدہ کے اول ال عمران کے شروع میں اور سورت اخلاص تو مکمل طور پر اس مضمون پر ماموی ہے۔

دوسری قسم :- توحید فی الطلب والقصد ہے سورت یا ایہا الکافرون، قل یا اہل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سوائے بیننا و بینکم (آل عمران ۶۴) اور سورت تنزیل الکتاب کا شروع اور آخر سورت یونس کا اول اوسط آخر سورت اعراف کا اول آخر اور مکمل سورت النعام اس مضمون پر مشتمل ہے۔

قرآن پاک کی اکثر سورتوں میں مذکورہ بالا توحید کی دونوں قسموں کا ذکر ہے۔ بلکہ ہر سورت میں توحید کا ذکر ہے مختصر ہے کہ قرآن پاک میں چار قسم کی توحید کا ذکر ہے اول توحید علمی خبری، ثانی توحید ارادی طلبی۔ ثالث حقوق التوحید، رابع جزاء التوحید و الشرک اللہ کی ذات اس کے اسماء صفات کا ذکر کرنا توحید علمی خبری کہلاتا ہے اور ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دینا اور اس کے ماسوا کی عبادت سے روکنا توحید ارادی طلبی ہے۔ اللہ کی اطاعت کا حکم دینا اور اس کو لازم گردانا حقوق التوحید کہلاتا ہے۔ اور اللہ پاک کا دنیا آخرت میں موحبین کی عزت کرنا جزاء التوحید کہلاتا ہے اور مشرکین کو دنیوی اخروی سزاؤں اور عذاب میں گرفتار رکھنا جزاء الشرک کہلاتا ہے۔

مکمل قرآن پاک توحید کے حقوق اس کی جزاء شرک کے بیان اور مشرکین کی سزا جزا پر مشتمل نظر آتا ہے۔ غور کیجئے الحمد للہ رب العالمین توحید الرحمن الرحیم توحید مالمعہ۔ یوم الدین توحید ہے ایاک نعبد و ایاک نستعین توحید ہے اهدنا الصراط المستقیم توحید ہے اس میں موحبین کے راہ پر چلنے کی ہدایت کا سوال موجود ہے غیر المغضوب علیہم ولا الفضالین میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو توحید سے دور رہے۔

شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ کی تشریح اس آیت میں اللہ پاک خود توحید کی گواہی دیتے ہیں اس کے فرشتے اور انبیاء بھی گواہی دیتے ہیں۔
ارشادِ خداوندی ہے۔

شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ خدا تو اس بات کی گواہی دینا ہے کہ اس
الملائكة واولو العلم قاضيا کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور علم
بالقسط لا اله الا هو العزيز والے لوگ جو انصاف پر قائم ہیں وہ بھی دگواہی
الحکیم دیتے ہیں کہ اس غالب حکمت والے کے سوا
آل عمران ۱۸-۱۹ کوئی لائق عبادت نہیں۔

گویا کہ اس آیت میں نہ صرف یہ کہ توحید کی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے بلکہ تمام گمراہ فرقوں کا رد ہے اور اہل شاذ کی طرف سے عظیم شہادت جلیل القدر الفاظ میں پیش کی گئی ہے
شہد کے معنی کی تحقیق :- سلف صالحین کی عبارات سے پتہ چلتا ہے کہ شہد میں حکم قضا
اعلام، بیان، اخبار سبھی معنی پائے جاتے ہیں۔ اور ان معانی میں منافات نہیں ہے اس
لئے کہ شہادت میں شاہد کا کلام اس کا معلوم کرنا بیان کرنا سبھی داخل ہوتا ہے۔

مراتب شہادت چار ہیں۔ پہلا مرتبہ علم، معرفت، مشہود بہ کی صحت کا اعتقاد اور اس
کا ثبوت دوسرا مرتبہ شہادت کی بات کرنا اس کا اپنے دل میں تذکرہ کرنا زبان سے کہنا یا قلم سے
لکھنا اگرچہ اس نے کسی کو معلوم نہیں کر لیا۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ جس چیز کی گواہی دیتا ہے اس
کو آگے بیان کرے اور اس کے بارے میں دوسروں کو بتائے چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ وہ شہادت
کے مضمون کو لازم گردانے اور اس کا حکم دے۔

مذکورہ آیت میں اللہ پاک کا اپنی ذات کے لئے وحدانیت کی گواہی دینا اور انصاف
فرمانا مذکورہ بالا مراتب کو متضمن ہے۔

شہادت علم پہلی قسم شہادت علم ہے۔ شہادت کا لفظ بدیہی طور پر علم کو متضمن ہے۔

اس لئے کہ شہادت علم کے بغیر ممکن نہیں ارشادِ خداوندی ہے :-

الامن شهد بالحق وھم یعلمون (الزخرف ۸۶)
ہاں جو علم و یقین کے ساتھ حق کی گواہی دیں
(وہ سفارش کر سکتے ہیں)

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :- علی مثلھا فاستشهدا اس کے مثل پر گواہی دو سورج کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

شہادت تکلم والخبر کے بارے میں ارشادِ خداوندی ملاحظہ فرمائیں :-

وجعلوا الملائكة الذین ھم عباد الرحمن انا انشاء شھدا واخلقتم
اور انہوں نے فرشتوں کو کہ وہ بھی خدا کے بندے ہیں (خدا کی بیٹیاں مقرر کیا۔ کیا یہ ان کی پیدائش کے وقت حاضر تھے؟ غفریب ان کی شہادت لکھ لی جائے گی اور ان سے باز پرس کی جائے گی۔ (الزخرف ۱۹)

اس آیت میں اگرچہ انہوں نے لفظ شہادت استعمال نہیں کیا تاہم ان کے کلام کو ہی شہادت کہا ہے۔

شہادۃ الاعلام بالفعل ایک اعلام بالقول دوسری اعلام بالفعل ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ جو شخص اپنے غیر کو کسی بات کی خبر دیتا ہے تو وہ کبھی اپنے قول اور کبھی اپنے فعل کے ساتھ اس کو خبردار کرتا ہے اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ جو شخص اپنے گھر کو مسجد کی حیثیت بخشا ہے اس کا دروازہ کھلا رکھتا ہے اس کا راستہ الگ کرتا ہے اور لوگوں کو اس میں داخل ہونے اور نماز ادا کرنے کی اجازت دیتا ہے اگرچہ وہ بظاہر لفظ وقف استعمال نہیں کرتا پھر بھی اس کے اجازت عطا کرنے سے اس جگہ کو وقف سمجھا جائے گا۔

اسی طرح جو شخص اپنے غیر کا قرب حاصل کرنے کے لئے مختلف قسموں کی خوشیوں کا اظہار کرتا ہے تو گویا کہ وہ اپنے غیر کو خبر دے رہا ہے کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے اگرچہ وہ محبت کا لفظ استعمال نہیں کرتا ہے اسی طرح اگر وہ اپنے غیر سے بعد حاصل کرنے کیلئے لے بلوغ المرام، ابن عدی، حاکم حدیث ضعیف ہے۔

مختلف قسم کی شکایتوں کا اظہار کرتا ہے تو وہ اسے خبر دے رہا ہے کہ اس کو اس سے دشمنی ہے اگرچہ وہ عداوت کا لفظ استعمال نہیں کرتا ہے بالکل اسی طرح اللہ پاک کا گواہی دینا اور اس کی خبر دنیا کبھی قول اور کبھی فعل کے ساتھ ہوگا قول سے مراد وہ باتیں ہیں جن کو دے کر اللہ پاک نے رسولوں کو بھیجا اور ان کے ساتھ کتابوں کو نازل فرمایا لیکن اپنے فعل کے ساتھ اس کی خبر دینا اس کی وضاحت کرتے ہوئے ابن کیسان کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عجیب تدبیر اور اپنے حکم امور کے ساتھ اپنی مخلوق کے ہاں اس بات کی شہادت دی ہے کہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا معبود نہیں ایک شاعر کہتا ہے ۵

وفي كل شئ له آية تدل على انه واحد

یعنی ہر چیز میں اللہ کی آیات موجود ہیں جو اللہ کی وحدانیت پر دلالت کر رہی ہیں۔
شہادت بالفعل پر ذیل کی آیت سے استشہاد کیا جاتا ہے ارشاد خداوندی ہے
ما كان للمشركين ان يعبدوا مساجد
الله شاهدين على انفسهم بالكفر
کریں جب کہ وہ اپنے آپ پر کفر کی گواہی
دے رہے ہوں۔ (التوبة ۱۷)

اس آیت میں ان کا فعل ان پر شہادت دے رہا ہے
مقصود یہ ہے کہ اللہ پاک کی مخلوق میں جو آیات ردیعت کردہ ہیں وہ اس پر ولایت
کرتی ہیں پس ان کی دلالت اس کے پیدا کرنے سے ہے جو اس کا فعل ہے

شهادة الامر کو اگرچہ مجرد لفظ شہادت مستلزم نہیں ہے لیکن اس پر دال اور متضمن ہے
اللہ پاک نے اس کی شہادت دی ہے یعنی اس نے اس کا حکم دیا ہے اور اپنے بندوں کو
اس پر کار بند رہنے کا پابند بنایا ہے۔
ارشاد خداوندی ہے:-

وقضى ديك ان لا تقبدا الا اياه
اور تمہارے پروردگار نے ارشاد فرمایا ہے
کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ (الاسراء ۲۳)

نیز فرمایا:-

(لا تتخذوا الالهين اثنين) العمل (۵۱) کہ دو دو معبود نہ بناؤ۔

نیز فرمایا۔

وما امر دالایعبدا واللا یخلفین له الیین (۵) اور ان کو تو یہی حکم ہوا تھا کہ اخلاص عمل کے ساتھ عبادت کرو۔

نیز فرمایا۔

وما امر دالایعبدا واللا یخلف داحداً (المتوبة ۳) حالانکہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ خدائے واحد کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔

نیز فرمایا۔

لا تجعل مع الله الهًا اخر (الصمود ۲۲) اور خدا کے ساتھ کوئی اور معبود نہ بنانا۔

نیز فرمایا۔

ولا تدع مع الله الهًا اخر (القصص ۸۸) اور خدا کے ساتھ کسی اور کو معبود (سمجھ کر نہ پکارنا۔

تمام قرآن پاک میں اس مضمون کی آیات موجود ہیں۔

اللہ سبحانہ کی یہ شہادت کہ اس کے ماسویٰ کوئی معبود نہیں اس بات کو مستلزم ہے کہ اس نے معلوم کر دیا کہ اس کے ماسویٰ کوئی معبود نہیں یا اس کے ماسویٰ تمام معبودوں کا اللہ ہونا باطل ہے پس جس طرح اس کا غیر اللہ مومن کی صلاحیت نہیں رکھتا اسی طرح اس کا غیر عبادت کا استحقاق نہیں رکھتا اس کو مستلزم ہوا کہ اس نے حکم دیا کہ صرف اسی ایک کو اللہ مانو اور اس کے ساتھ کسی دوسرے کو اللہ نہ سمجھو۔

چنانچہ اللہ پاک کے اس خطاب کو (جس میں ایک خدا کا اثبات ہے اس کے ماسویٰ کی نفی ہے) تمام مخاطبین سمجھتے ہیں اس کو ایک مثال سے سمجھیں۔ مثلاً آپ ایک آدمی سے فتویٰ طلب کرتے ہیں یا اس سے شہادت کا مطالبہ کرتے ہیں یا اس سے علاج معالجہ کی درخواست کرتے ہیں جب کہ وہ ان کاموں کا اہل نہیں اور جن میں کاموں کے کرنے کی صلاحیتیں موجود ہیں ان سے راہ و رسم نہیں تو جب آپ سے کوئی شخص کہتا ہے کہ یہ انسان مفتی، شاعر، طبیب نہیں ہے بلکہ مفتی، طبیب، شاعر تو فلاں آدمی ہے تو اس طرح اس نے آپ کو حکم دیا کہ فلاں مثلاً مفتی ہے اور فلاں نہیں ہے۔

پس ایت کی دلالت واضح ہے کہ اللہ کی ذات اکیلی ہی عبادت کی حقدار ہے توجب اللہ پاک نے خبر دی کہ وہ اکیلا ہی عبادت کا حق دار ہے تو اس کو یہ بات متضمن ہوئی کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو حکم دیتا ہے اور ان کے لئے ضروری قرار دیتا ہے کہ وہ ان کاموں کو بطور انجام دیں جن کے ادا کرنے کی ذمہ داری اللہ کی جانب سے انہیں سونپ دی گئی ہے اور اس ذمہ داری کو ادا کرنا اللہ پاک کی جانب سے ان پر فرض ہے۔

شہادت حکم اور قضا کا استعمال حکم اور قضا کا استعمال جملہ خبریہ میں ہوتا ہے اسی طرح جملہ خبریہ کو قضیہ اور حکم کہا گیا ہے ارشاد خداوندی ہے:-

الانہو من افکھو ليقولون ولدا اللہ
وانہو نکا ذبون اصطفی البنات علی
البنین مالکم کیف تحکمون
(الصافات ۱۵۱-۱۵۴)

دیکھو یہ اپنی حیوٹ بنائی ہوئی بات کہتے
ہیں کہ خدا کے اولاد ہے کچھ شک نہیں کہ
یہ حیوٹے ہیں کیا اس نے بیٹوں کی نسبت
بیٹیوں کو پسند کیا ہے؟ تم کیسے لوگ ہو
کس طرح کا فیصلہ کرتے ہو۔

اس میں ان کی خبر کو حکم کہا گیا ہے نیز ارشاد خداوندی ہے:-

انفجعل المسلمین کالجرمین مالکم
کیف تحکمون
(القلم ۲۵-۲۶)

کیا ہم فرمانبرداروں کو نافرمانوں کی طرح
(نعمتوں سے محروم) کر دیں گے تمہیں کیا ہو گیا
ہے کیسی تجویزیں کرتے ہو

اس میں حکم تو ہے لیکن اس میں الزام نہیں ہے

اور اس بات کا حکم دینا اور فیصلہ کرنا کہ اللہ کی ذات ہی اللہ ہے الزام کو متضمن ہے اگر مقصود صرف شہادت ہوتی تو وہ شہادت کے ساتھ علم حاصل نہ کر سکتے اور نہ ہی وہ فائدہ اٹھا سکتے اور نہ ہی شہادت کی وجہ سے ان پر حجت قائم ہوتی لیکن شہادت تو اس بات کو متضمن ہے کہ بندوں کو بتایا جائے انہیں معلوم کرایا جائے کہ اللہ کی ذات فلاں چیز کی شہادت دیتی ہے جس طرح کسی انسان کو شہادت دینی ہو لیکن وہ شہادت چھپائے اور اس کو پیش نہ کرے تو اس سے کسی کو کچھ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی دلیل قائم ہو سکتی ہے۔

معلوم ہوا کہ شہادت سے نادمہ تب ہی ہو سکتا ہے جب اس سے خبردار کیا جائے اسی لئے اللہ پاک نے شہادت کو تین انداز سے نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

بندوں کی قوت سامعہ، قوت باصرہ اور قوت عقلیہ کو بیدار کرنے کی کوشش کی گئی ہے بار بار قرآن کی آیات میں اللہ پاک کی وحدانیت اور صفات کاملہ کو واضح کیا گیا ہے اور بندوں کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ وہ اپنی عقل کو بروئے کار لائیں اور قوت سامعہ، باصرہ کو استعمال میں لائیں اور آیات سے فائدے حاصل کریں آیات صفات کا انکار کرنے والے یا ان کو غلط لباس پہنانے والے جھمیہ، معتزلہ، معطلہ کے خیالات سے دوری اختیار کی جائے اس لئے کہ تجھ نے ان کے دامن کو تھام لیا ہے حالانکہ اللہ پاک کی جانب سے نازل کردہ کتاب میں صفات الہیہ کا بیان نہایت واضح ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

تَحْصِهٖ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ (الزخرف: ۴)

انتم کتاب روشن کی قسم

نیز فرمایا۔

الَّذِي تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ

الزّیہ کتاب روشن کی ایتیں ہیں۔

(یوسف ۱-۲)

نیز فرمایا۔

الَّذِي تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ وَقُرْآنٍ مُّبِينٍ

الزّیہ کتاب روشن کی ایتیں ہیں۔

(الحج ۱-۲)

نیز فرمایا

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ

یہ (قرآن) لوگوں کیلئے بیان صریح اور اہل

تقویٰ کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے

(آل عمران ۱۳۸)

نیز فرمایا۔

فَاعْلَمُوا أَنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينِ

جان رکھو کہ ہمارے پیغمبر کے ذمہ تو صرف

پیغام کا کھول کر پہنچا دینا ہے۔

(الماائدہ ۹۲-۹۳) (التعاون ۱۲)

نیز فرمایا

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ الَّذِي تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ

اور ہم نے تم پر بھی کتاب نازل کی ہے تاکہ جو

(ارشادات) لوگوں پر نازل ہوئے ہیں وہ ان

ایہم ولعلہم يتفكرون (النحل ۴۴)

پر ظاہر کر دو اور تاکہ وہ غور کریں۔

کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ سنت رسول میں بھی اس کی وضاحت موجود ہے ان وضاحتوں کی روشنی میں ہمیں کسی انسان کی رائے، وجدان اور ذوق معلوم کرنے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ اصول دین میں کسی کی رائے کا کچھ اعتبار نہیں۔
ارشاد خداوندی ہے :-

اليوم اكملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا
آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین
کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں
(المائدہ ۳) اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا

پس شریعت کی تکمیل ہو چکی ہے ہمیں کتاب و سنت کی موجودگی میں کسی خارجی دلیل کی ضرورت نہیں ہے اور اسی حقیقت کی جانب شیخ ابو جعفر طہادی آئندہ اوراق میں اشارہ فرماتے ہوئے کہتے ہیں ہم دین اسلام میں نہ اپنی رائے کو دخل سمجھتے ہیں اور نہ ہی اپنی خواہشات کے مطابق اس کی تشریح کو جائز سمجھتے ہیں ہمارا عقیدہ ہے کہ دین اسلام میں وہی شخص سلیم الاعتقاد اور صاحب الرائے ہے جس نے اپنے اعتقاد اور رائے کو اللہ اور اس کے رسول کے تابع کر دیا اور جو لوگ کتاب و سنت کی راہ چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کرتے ہیں وہ ہمیشہ اختلاف میں رہتے ہیں انکا اضطراب کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے۔

قرآن پاک کی وہ آیات جن میں کائنات کی تخلیق کا ذکر ہے ان میں غور و فکر کرنا اور ان سے اللہ پاک کی وحدانیت پر استدلال کرنا اگرچہ بظاہر وہ آیات بصری یعنی مشاہداتی ہیں لیکن ان پر قویٰ معنی آیات بھی دلالت کر رہی ہیں اور فطرت عقل نے بھی دونوں کو باہم ملا دیا ہے ان کی موافقت سے نتیجہ نکلتا ہے کہ جس دین اسلام کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے پیش فرمایا ہے وہ دین صحیح ہے

شہادت دلائل نبوت اللہ پاک کا اپنے بندوں پر بہت بڑا احسان اور اس کی رحمت حکمت، عدل، محبت جو بندوں کے ساتھ ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ بندوں کا کوئی عذر باقی نہ رہے ان پر محبت قائم ہو جائے اس نے ان کی راہ نمائی کے لئے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا اور ان کو آیات معجزات دے کر بھیجا جن سے ان کی صداقت معلوم ہوتی ہے
ارشاد خداوندی ہے :-

لقد ارسلنا رسلنا بالبينت وانزلنا
معهم الكتاب والميزان ليقيم الناس
بالقسط (المحيد ۲۵)
ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھل نشانیاں دے
کر بھیجا اور ان پر کتابیں نازل کیں اور ترازو
یعنی قوا عدل) تاکہ لوگ انصاف پر
قائم رہیں۔
نیز فرمایا۔

وما ارسلنا من قبلك الا رجالا انوحى
اليهم فاسألو اهل الذکر ان کنتم
لا تعلمون بالبينت والزبر (النحل ۴۳)
اور ہم نے تم سے پہلے مردوں ہی کو پیغمبر
بناکر بھیجا تھا جن کی طرف ہم وحی بھیجا کرتے
تھے اگر تم لوگ نہیں جانتے تو اہل کتاب سے
پوچھ لو (اور ان پیغمبروں کو) دلیلیں اور کتابیں دے کر (بھیجا تھا)
نیز فرمایا۔

قل قد جاءكم رسول من قبلى بالبينت
وبالذی قلمتم (ال عمران ۱۸۳)
(اے پیغمبر ان سے) کہہ دو کہ مجھ سے پہلے کئی پیغمبر
تمہارے پاس کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آئے اور
وہ (معجزہ) بھی لائے جو تم کہتے ہو۔
نیز فرمایا۔

فان کذبوا فقد کذب رسل الله جاءوا
بالبينت والزبر والکتاب المنير
(ال عمران ۱۸۳)
اگر یہ لوگ تم کو سچا سمجھیں تو تم سے پہلے
بہت سے پیغمبر کھلی ہوئی نشانیاں اور صحیفے
اور روشنی کتابیں لے کر آچکے ہیں۔
نیز فرمایا۔

(الله الذی انزل الکتاب بالحق
والميزان (الشوریٰ ۱۷)
اگر تمام پیغمبروں کے معجزات پر غور کیا جائے تو حضرت ہود علیہ السلام نے جو آیات پیش فرمیں
وہ سب سے زیادہ مخفی معلوم ہوتی ہیں کہ اس کی قوم نے اس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا
یا ہود ما جئتنا ببینت
لے ہود تو ہمارے پاس کوئی واضح معجزہ
لے کر نہیں آیا۔

لیکن اللہ پاک نے حضرت ہود علیہ السلام کے خطاب کو جس اسلوب سے پیش فرمایا ہے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پیش کردہ دلائل و بیانات سنایت واضح اور مضبوط ہیں ملا
فرمائیں ارشاد خداوندی ہے۔

ان اشدھاء اللہ واشہدوا الی بدعی مما تکتون
من دونہ فکید ذی جیعاً ثولاً
تنظرون الی توکل علی اللہ ربی مدیکو
مامن دابة الاھوا الخذا بنا صیتھات
ربی علی صراط مستقیم

میں خدا کو گواہ کر رہا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ
جن کو تم (خدا کا) شریک بناتے ہو میں اس سے
بیزار ہوں (یعنی جن کی خدا کے سوا عبادت
کرتے ہو) تو تم سب مل کر میرے بارے میں
(جو) تدبیر کر رہی ہو، کرو اور مجھے مملکت نہ دو

(ہود ۵۴-۵۵)

میں خدا پر جو میرا اور تمہارا (سب کا) پروردگار ہے

بھروسہ رکھتا ہوں (زمین پر) جو چلنے پھرنے والا ہے وہ اس کو جوڑی سے بکڑے ہوئے ہے بیشک
یہاں پروردگار سیدھے رستے پر ہے۔

شہادت بیانات حضرت ہود علیہ السلام حضرت ہود علیہ السلام کی جانب سے پیش کردہ
بینہ کس قدر زور دار ہے کہ اولاً حضرت ہود علیہ السلام قوم کو جو عظیم امت تھی اور وہ تنہا
تھے زور دار الفاظ میں مخاطب ہوتے ہیں ان پر گھبراہٹ طاری ہوتی ہے نہ وہ خوفزدہ ہوتے
ہیں اور نہ ہی بزدلی کا شکار ہوتے ہیں وہ بلا خوف و حجب اپنا مدعا پورے وثوق کے ساتھ
پیش کرتے ہیں ثانیاً ان کے دین سے برأت کا اظہار کرتے ہوئے اللہ کو گواہ بناتے ہیں ان کا
اعتماد اور بھروسہ فقط خدا کی ذات پر ہے کھلے لفظوں میں اس کا اظہار کرتے ہوئے قوم کو خبردار
کرتے ہیں کہ اللہ پاک اس کا معاون و مددگار ہے وہی اس کا حامی و ناصر ہے وہ کبھی میرے مخالفین
کو مجھ پر مسلط نہیں فرمائے گا پھر انہیں اپنی مخالفت پر گواہ بناتے ہیں اور انہیں خبردار کرتے ہیں کہ
وہ ان کے دین اور ان کے خدائوں سے برأت کا اظہار کرتا ہے جن کو خوش رکھنے کے لئے وہ مانی
جاتی قربانیاں پیش کرتے ہیں اور جو ان کی محبت دشمنی کی بنیاد ہیں مزید برآں انہیں ذلیل و حقیر گردانتے
ہوئے اور سخت معیوب قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگرچہ تمام میری مخالفت پر جمع ہو جائیں اور اپنا
غصہ ٹھنڈا کرنا چاہیں تو وہ جلدی کریں دیر نہ کریں لیکن یاد رکھیں وہ صرف اسی قدر مجھے ایذا پہنچا
سکیں گے جس قدر کہ تقدیر میں لکھا جا چکا ہے پھر بار بار انہیں پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ اس کا
اور ان کا رب ایک ہے ہم سب اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں وہی میرا مددگار اور محافظ ہے وہی
مجھے قوت عطا کرنے والا ہے جو شخص اس پر توکل کر لیتا ہے۔ اس کی وابستگی اختیار کر لیتا ہے

وہ اس کی مدد نہیں چھوڑتا ہے اور اس کے مخالفین کو خوش کرتا ہے
غور کیجئے پیغمبروں کی جانب سے پیش کردہ براہین، بینات، دلائل سے زیادہ احسن
اور زوردار کچھ کویر و لاکھ ہو سکتے ہیں؛ دراصل وہ دلائل اللہ کی جانب سے شہادت ہے جس کو اللہ
نے واضح طور پر بیان فرمایا

شہادت افاق و انفس اللہ پاک اپنے بندوں کو افعیٰ انفس ایت کی طرف بھی توجہ دلاتا ہے جن
سے وہ اس بات کو بیان کرتا ہے کہ پیغمبروں نے جن کتابوں کو اللہ کی جانب سے پیش کیا ہے وہ حق
ہیں جیسا کہ قرآن پاک کی حقانیت کو ذیل کی ایت میں ثابت کیا گیا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

سنو یدھو ایاتنا فی الافاق و فی — ہم عنقریب ان لوگوں کو اطراف (عالم) میں
انفسہم و حتیٰ یتبین لھم سوانہ الحق بھی اور خود ان کی ذات میں بھی اپنی نشانیاں
(فصلت ۵۳) دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائیگا

﴿قرآن حق ہے۔﴾

ان کی ضمیر سے مراد قرآن پاک ہے اس لئے کہ اس سے قبل ذکر کردہ ایت میں بھی قرآن پاک
ہی مراد ہے ملاحظہ فرمائیں۔

قل ادریتم ان کان من عندنا — آپ فرمادیجئے تم مجھے بتاؤ اگر یہ اللہ کی
(فصلت ۵۴) جانب سے ہے۔

پھر آخر میں فرمایا۔

اولئیکف بربک انہ علیٰ کل شئ شہید — کیا تم کو یہ کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار ہر
(فصلت ۵۴) چیز سے خبردار ہے۔

پس اللہ پاک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے پیغمبر ہونے پر گواہی دیتے ہیں کہ
جس کتاب کو اس نے پیش کیا ہے وہ کتاب سچی ہے نیز وعدہ فرمایا کہ وہ بندوں کے سامنے
ایسے افاق اور انفسی دلائل پیش کرے گا جو اس بات پر شہادت دیں گے پھر اپنی شہادت
کو نہایت عمدہ اور واضح انداز میں بیان کرتے ہوئے خود کو شہید کہا کہ اس سے کوئی چیز پرہیز نہیں ہو
سکتی وہ ہر چیز پر اطلاع پانے والا ہے مشاہدہ کرنے والا ہے تفصیل کو جانتا ہے چونکہ وہ نیک
لوگوں کی صداقت پر بھی شواہد پیش کرتا ہے اور ان کی تصدیق کرتا ہے اس لئے وہ شاہد کے ساتھ

ساتھ مومن بھی ہے جس کا ایک تفسیر کے لحاظ سے معنی یہ ہے کہ وہ تسبیح کرنے والا ہے۔
بہر حال اللہ پاک کی وحدانیت پر اسماء، صفات، کلمات، آیات، افعیہ، انفسیہ، مخلوقات اور
افعال وغیرہ سے استدلال کرنا شہادت کہلاتا ہے۔

سوال اسماء الہیہ اور صفات الہیہ سے استدلال اصطلاح میں معروف نہیں تو تم کیوں استدلال کرتے ہو؟

جواب وہ لوگ جو فطرت سلیمہ کے ساتھ متصف ہیں وہ اللہ پاک کو اس کے اسماء اور
صفات میں کامل، مکمل گردانتے ہیں اور اللہ کو ان اوصاف کے ساتھ موصوف مانتے ہیں جن کے
ساتھ خود اللہ پاک نے اپنے آپ کو موصوف کیا ہے یا اس کے رسولوں نے اس کو موصوف
کیا ہے نہ تو وہ صفات الہیہ کا انکار کرتے ہیں کہ اللہ کی ذات کو بیکار بنادیں اور نہ ہر اس کی
صفات کو کسی دوسری صفات کے مشابہ قرار دیتے ہیں بلکہ وہ اللہ کو بے مثل مانتے ہیں نیز وہ
اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ جو صفات ہمیں معلوم ہیں وہ ان صفات کے مقابلہ میں
کم ہیں جن کی ہمیں معرفت حاصل نہیں اور اللہ کا یہ وصف نہایت پاکیزہ اور کامل
ہے کہ وہ ہر چیز پر شاہد ہے اور اس کو اطلاع ہے آسمانوں اور زمین میں ظاہراً باطناً ایک ذرہ بھی
اس کی نظر سے اوجھل نہیں ہے اور جس ذات کی یہ شان ہے بندوں کے لئے مناسب نہیں
کہ وہ اس کے ساتھ شرک کریں اور اس کے غیر کی عبادت شروع کر دیں اور اس کے ساتھ کوئی
دوسرا خدا بنالیں اور اس کی کامل ذات کے لائق نہیں ہے کہ جو شخص اللہ پر افترا عظیم بازعنا
ہے اور غیر حقیقت پسندانہ خبریں دیتا ہے وہ اس کو قرار عطا کرے اور اس کو غلبہ عطا کرے اس کی
مدد کرے اس کی شان اونچی کرے اس کی دعا قبول کرے اس کے دشمن کو تباہ و برباد کرے
اور اس کو اس قدر قوت عطا کرے کہ اس کے ہاتھوں ایسے معجزات رونما ہوں جن کے ظاہر کرنے
سے انسانی قوت عاجز ہو اس کے ساتھ ساتھ اس کو مغتری بھی نہ کہا جائے ظاہر ہے کہ اللہ
کی شہادت جو ہر چیز پر ہے نیز اس کی قدرت، حکمت، عزت اور اس کا کمال تقدس اس
کا انکار کرتا ہے اور جو شخص ان باتوں کو ممکن گردانتا ہے وہ اللہ کی معرفت سے کوسوں دور ہے۔
قرآن پاک میں کثرت کے ساتھ اللہ کی ذات پاک کے ساتھ اس کے عام افعال پر اور ان
افعال پر جو اس کی ذات کے ساتھ لائق ہیں یا نہیں استدلال کیا جاتا ہے یہ خواص لوگوں کا

طریق ہے

ارشادِ خداوندی ہے۔

ولو تقول علينا بعض الاقاويل
لا خذلانا منه باليمين ثم نقطعنا منه
الوتين فما منكم من احد عنه حاجزين
(الحاقة ۴۳-۴۴)

اگر یہ ہمیں ہماری نسبت کوئی بات عجیب و غریب کہیں تو ہم ان کا دہنا ہاتھ پکڑ لیتے پھر ان کی رگ گردن کاٹ ڈالتے پھر تم میں سے کوئی (میں) اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔

مزید وضاحت آئندہ اوراق میں آ رہی ہے اسی طرح اسماء الہیہ اور صفات الہیہ کے ساتھ اس کی وحدانیت پر استدلال کیا جاتا ہے اور شرک کو کھلا جاتا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:-

هو الله الذي لا اله الا هو الملك القدوس
السلام المومن المحيى العزيز الجبار
المتكبر سبحان الله عما يشركون
(الحشر ۲۳)

وہی خدا ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں بادشاہ (حقیقی) پاک ذات (ہر عیب سے) سلاطنت امن دینے والا نگہبان غائب زبردست بڑھائی والا خدا ن لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے۔

اس قسم کی آیات قرآن پاک میں کثرت کے ساتھ ہیں لیکن یہ راہ خواص کا ہے اس راہ پر چلنے والوں کی تعداد بہت کم ہے لیکن جمہور علماء کا طریق یہ ہے کہ وہ آیات کو نبیہ کے ساتھ اللہ کی ذات پر استدلال کرتے ہیں یہ طریق نہایت آسان اور عام فہم ہے بعض انسانوں کو بعض پر فضیلت حاصل ہے۔

قرآن پاک کا انداز دیگر تمام کتابوں سے مختلف ہے اس میں دلیل، مدلول علیہ شاہد اور مشہور کو یکجا اکٹھا کر دیا گیا ہے، چنانچہ جن لوگوں نے آپ کی صداقت کی دلیل طلب کی ان کو جواب دیتے ہوئے خداوند تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اولم يكفهم انا انزلنا عليك الكتاب
يتلى عليهم ان في ذلك لهم حكمة وذكى
لقوم يؤمنون (التكوير ۱۵)

کیا ان لوگوں کیلئے یہ کافی نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب نازل کی جو ان کو پڑھ کر سنانی جاتی ہے کچھ شک نہیں کہ مومن لوگوں کے لئے اس میں رحمت اور نصیحت ہے۔

توحید الخاصہ کا ذکر توحید فی الالوهیت عام توحید ہے جس کو پیغمبروں نے عوام کے سامنے پیش کیا اور جس کا ذکر تمام سماوی کتابوں میں ہے لیکن توحید الخاصہ وہ ہے جس میں حقائق کو پیش کر کے اللہ کی وحدانیت کو ثابت کیا جاتا ہے توحید کا اس سے بھی ایک بلند مرتبہ ہے جس کو توحید خاصۃ الخاصہ کہا جاتا ہے چنانچہ انبیاء کرام، اکمل توحید کے ساتھ موصوف تھے اس لئے وہ اس مرتبہ پر فائز تھے لیکن چونکہ رسولوں کا پیغام انبیاء سے اعلیٰ و ارفع ہے اس لئے کہ وہ ان سے زیادہ اکمل توحید والے تھے اور اولوالعزم رسل حضرت نوح حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ حضرت محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام ان سے زیادہ اکمل توحید کے ساتھ موصوف تھے پھر ان اولوالعزم رسولوں میں سے بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام توحید کے جس مقام پر فائز تھے وہاں کسی دوسرے نبی اور رسول کی رسائی نہیں ہو سکتی یہ دونوں علم، معرفت، دعوت اور جہاد کے لحاظ سے بے مثال تھے، چنانچہ اللہ پاک نے حضرت ابراہیم اور اس کی قوم کے درمیان مناظرہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیم اور ان کی اولاد میں سے انبیاء صحیح توحید پر قائم تھے آپ کو ان کی اقتداء کرنی چاہئے۔

ارشاد خداوندی ہے:-

اولئک الذین ہدانا اللہ فہدانا ہم اتقا یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے ہدایت دی تھی

(الانعام ۹۱) تو تم انہیں کی ہدایت کی پیروی کرو۔

معلوم ہوا جن بزرگزیہ پیغمبروں کی اقتداء کا حکم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو رہا ہے ان سے اکمل توحید پر اور کون ہو سکتے ہیں۔

چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو تعلیم دیتے ہیں کہ وہ صبح کے وقت ذیل کے کلمات ادا کیا کریں۔

اصبحنا علی فطرۃ الاسلام وکلمۃ	ہم نے فطرت اسلام کلمہ اخلاص، دین محمد
الاحلاص و دین نبینا محمد و ہلۃ	صلی اللہ علیہ وسلم، ملت ابراہیم علیہ السلام پر
ابینا ابراہیم حقیقاً صلہا و ہماکان	(جو ضعیف مسلم تھے مشرکین سے نہ تھے) صبح
من المشرکین لہ	کی ہے۔

لے زوائد السند (۱۲/۵) حدیث صحیح ہے ایک روایت میں ہے کہ ہم شام کرتے تب بھی یہ کلمات کہتے (باقی اگلے صفحے پر)

پس ملت ابراہیم سے مقصود توحید ہے اور دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مقصود وہ اقوال، اعمال، اعتقادات ہیں جن کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی جانب سے پیش فرمایا اور کلمہ اخلاص سے مقصود اس بات کی گواہی دینا ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور فطرت اسلام سے مراد اللہ وحدہ کے ساتھ اس محبت اور عبادت کا اظہار ہے جس پر بندوں کو پیدا فرمایا نیز استسلام، عبودیت، انقیاد، انابت اور اس کے سامنے ذلت اور خضوع کا نام ہے۔

پس اس توحید کا نام توحید خاصۃ الخاصہ ہے جس نے اس سے روگردانی کی وہ بہت بڑا حقیق ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے۔

ومن یرغب عن ملتہ ابراہیم الامن
سقد نفسہ ولقد اصطفیناہ فی الدنیا
وانما فی الآخرۃ لمن الصالحین اذ قال
لہ ربہ اسئلو قال اسئلت لرب العالمین
(البقرۃ ۱۳۰-۱۳۱)

اور ابراہیم کے دین سے کون روگردانی کر سکتا ہے

بجز اس کے جو نہایت نادان ہو جس نے ان کو دنیا

میں بھی متغیب کیا تھا اور آخرت میں بھی زبردستی

صلیاری ہوں گے جب ان سے ان کے پروردگار

نے فرمایا کہ اسلام لے آؤ تو انہوں نے عرض کی کہ

میں رب العالمین کے آگے سرطاعت خم کرتا ہوں

جو شخص ذوق سلیم اور صحیح شعور رکھتا ہے وہ عام توحید کے استدلال میں نہ تو متکلیف کی اصطلاحات کا محتاج ہے اور نہ اسے جدیدیات کے انداز کو اپنانے کی ضرورت ہے بلکہ خطرہ ہے اگر کوئی شخص ان غلط راستوں پر چلتا ہے تو بجائے ایقان و اطمینان کے شکوک و شبہات کے عمیق گڑھے میں نہ گر پڑے اور سیدھی راہ سے بھٹک کر پیچ در پیچ وادیوں میں جیران و سرگرداں نہ پھرتا رہے البتہ توحید الخاصہ اور خاصۃ الخاصہ کا میدان خاص و وسیع ہے جس میں احتیاط کی شدید ضرورت ہے یہی وجہ ہے کہ حد اعتدال سے متجاوز ہونے والے لوگ مقام نافی اللہ پر رسائی کے مدعی دکھا دیتے ہیں صوفیاء کا یہ گروہ خطرناک حد تک آگے نکل جاتا ہے اور وحدۃ الوجود کا نعرہ لگا دیتا ہے۔ شیخ الاسلام ابو اسماعیل انصاری کے اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

ما وحد الواحد من واحد واحد
اذ کل من وحدہ جاحد

(پچھلے صفحے کا قیام) اس کی سند میں ضعف ہے مسند احمد (۳/۴۰۶ - ۴۰۷) واری (۲/۲۹۲) ابن السنی
ایوم والیلہ میں دیگر دو طریق سے مروی ہے جن کی سند صحیح ہے۔

توحید من ینطق عن نعتہ عاسیتہ البطلھا الواحد
 توحیدہ ایہ توحیدہ ونعت من ینعتہ لاحد
 کسی نے بھی واحد ذات کی توحید بیان نہیں کی اس لئے کہ جس نے بھی اس کی توحید بیان کی اس
 نے انکار کیا جو شمع اس کی صفات بیان کرتے ہوئے توحید بیان کرتا ہے اس کی توحید درست
 نہیں ایک ذات اس کو باطل قرار دے رہی ہے اس کو ایک گردانا اس کی توحید ہے اور اس
 کی صفات بیان کرنے والا غلط کار ہے۔

اگرچہ شاعر کا مقصد وحدت الوجود ثابت کرنا نہیں ہے لیکن وعدۃ الوجود کا اعتقاد رکھنے
 والے مجمل محتمل الفاظ سے استدلال کرتے ہیں اور وحدۃ الوجود کا لباس پہنانے میں چونکے نہیں
 ہیں اور شاعر کو اپنے گروہ میں شامل کرتے ہیں۔

اگر شیخ الاسلام ایسے الفاظ ذکر کرتے جن میں ان کے لئے تاویل کی گنجائش نہ ہوتی تو بہت بہتر تھا
 پس اگر وحدۃ الوجود کا نظریہ اسلامی ہوتا تو ہمیں اس کے اختیار کرنے کا حکم دیا جاتا اور رسول اکرم
 صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ہم تک پہنچاتے جب کہ ان پر پہنچانا لازم تھا لہذا ہم آپ سے دریافت کرتے
 ہیں کہ اسلامی ٹریجی میں توحید العبادۃ توحید الخالصہ، توحید خاصۃ الخالصہ کی تفریق و تقسیم کا کہاں ذکر ہے۔
 اللہ کا کلام ہمارے سامنے ہے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمارے سامنے ہے آپ
 کے بعد خیر القرون سے منقول باتیں بھی ہمارے سامنے ہیں ائمہ محدثین کے اقوال بھی ہم متعارف
 ہیں مذکورہ بالا تقسیم اور مقام فنا اور وعدۃ الوجود کا ذکر ہمیں تو کسی جگہ نہیں ملا ہے۔
 جن لوگوں کی طرف سے اس قسم کی باتیں ہم تک پہنچی ہیں وہ دین میں غلو کے مرتکب ہو رہے
 ہیں ان کا غلو خوارج اور عیسائیوں کے غلو سے کم نہیں ہے۔

ارشاد خداوندی ہے :-

یا اہل الکتاب لا تغلوا فی دینکم
 ولا تقووا علی اللہ الحق (النساء ۱۱)
 اے اہل کتاب اپنے دین کی بات، میں حد سے
 نہ بڑھو اور خدا کے بارے میں حق کے سوا
 کچھ نہ کہو۔

یز فرمایا

یا اہل الکتاب لا تغلوا فی دینکم
 الحق ولا تتبعوا اہواء قوم قد ضلوا
 کہو کہ اے اہل کتاب - اپنے دین کی بات میں مبالغہ
 نہ کرو اور ایسے لوگوں کی خواہشوں

من قبل واضلوا كثيرا وضلوا عن
سواء السبيل
کے پیچھے نہ چلو جو (خود بھی اپنے گمراہ ہوئے لو
بھی اکثر لوگوں کو گمراہ کر گئے اور سیدھے رستے سے
بھٹک گئے۔ (المائدہ ۷۷)

نیز ارشاد خداوندی ہے۔

لا تشددوا فیشدد الله علیکم فات
من كان قبلکم شددا فاشدد الله
علیهم فمتلاک بقایا هم فی المواقف
والدیارات رہبانیتہ ابتدعوها ما کنت
علیہم (ابو داؤد)

تم تشدد اختیار نہ کرو وگرنہ اللہ بھی تم پر تشدد
کرے گا تم سے پہلے لوگوں نے تشدد اختیار
کیا تو اللہ نے بھی ان پر سختی کی ان کے بقایا راہ
بھی اگر جو مندروں میں (موجود ہیں) انہوں
نے رہبانیت کو ایجاد کیا ہم نے ان پر
اس کو لازم نہیں کیا تھا۔

ط :- (کوئی چیز اس کی مثل نہیں ہے)

صفات الہیہ میں اہل سنت کا مسلک ش :- تمام اہل سنت اس پر متفق ہیں کہ اللہ
کی ذات، صفات اور افعال میں اس کا مثل کوئی نہیں البتہ لفظ تشبیہ مجمل ہے جس کا صحیح معنی یہ ہے
کہ جس طرح قرآن پاک تشبیہ کی نفی کرتا ہے اسی طرح عقل بھی اس کی نفی کرتی ہے اس لئے کہ اللہ
کی خصوصیات کے ساتھ کسی مخلوق کو موصوف نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی کوئی مخلوق اس کی صفات
میں اس کے مماثل ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

لیس کمثلہ شیء وھو السبع البصیر
اس کا مثل کوئی نہیں اور وہ سننے والا دیکھنے
(الشوریٰ ۱۱) والا ہے۔

اس آیت میں مثلاً مشبہ فرقہ کا رد ہے جو خالق کی صفات کو مخلوق کی صفات کی مثل قرار
دیتے ہیں نیز خالق کی صفات کا انکار کرنے والوں کا بھی رد ہے جو خالق کو معطل قرار دیتے ہیں
وہ لوگ کفر میں عیسائیوں کے مشابہ ہیں وہ بھی صفات کا انکار کرتے ہیں مثلاً یہ لوگ کہتے ہیں۔

لہ حدیث میں سعد بن عبدالرحمن کو ابن حبان کے علاوہ کسی نے ثقہ نہیں کہا اس سے صرف دوراوی
ذکر کرتے ہیں (الامادیث الضعیفہ ۳۲۶۸)

کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ اللہ کا وصف قدرت، علم اور حیات ہے، چونکہ ان صفات کے ساتھ بندہ موصوف ہیں اس لئے ان کے ساتھ اللہ کو موصوف ماننا درست نہیں تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ پاک کو حی، علیم اور قدیر کہنا درست نہیں بندوں کو کہنا درست ہے اسی طرح اس کا کلام، سمیع، بصیر اور ارادہ وغیرہ بھی بندوں کے اوصاف ہیں۔

اہل سنت اگرچہ تشبیہ کی نفی کرتے ہیں لیکن وہ کہتے ہیں کہ اللہ کا موجود، علیم، قدیر اور حی ہونا اس کی اپنی ذات کے لحاظ سے ہے جیسے اس کو لائق ہے اور مخلوق کا موجود حی، علیم اور قدیر ہونا اس کے اپنے لحاظ سے ہے دونوں میں تشابہ اور مماثلت نہیں ہے یہ مسلک کتاب، سنت اور مرجع عقل کے عین مطابق ہے کوئی عقل مند اس کی مخالفت نہیں کرتا۔

ظاہر ہے کہ اللہ پاک نے اپنی ذات کے کچھ نام رکھے ہیں اور اپنے بعض بندوں کے نام رکھے ہیں اسی طرح اس نے اپنی ذات کے کچھ صفات مقرر فرمائے ہیں اور اپنی مخلوق کے کچھ اوصاف مقرر فرمائے ہیں لیکن اللہ پاک کے مسمیٰ کی مانند مخلوق کا مسمیٰ نہیں ہے۔

غور کیجئے اللہ پاک نے اپنی پاک ذات کا وصف حی، علیم، قدیر، رؤف، رحیم، عزیز، حکیم، سمیع، بصیر، ملک، مومن، جبار اور متکبر بیان کیا ہے اور بعض انسانوں کو بھی ان اوصاف کے ساتھ موصوف کیا ہے ارشادات خداوندی ملاحظہ فرمائیں۔

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے

﴿الانعام ۹۵ والروم ۱۹﴾

وَبَشِّرِ الْغُلَامَ بِحُلُمٍ عَالِمٍ اور ان کو ایک دانش مند لڑکے کی بشارت

﴿الذاریات ۳۸﴾

فَبَشِّرْهُ بِقُلُوبٍ حَلِيمٍ ہم نے اس کو ایک علم والے لڑکے کی

﴿الصافات ۱۰﴾

بِالْمُؤْمِنِينَ رُؤُفٌ رَحِيمٍ وہ ایمانداروں کے ساتھ شفقت کرنے والا

﴿التوبة ۱۲۸﴾

فَجَعَلْنَاهُ سَبْعًا بَعِيرًا ہم نے اس کو سترنے والا دیکھنے والا بنایا۔

﴿الدھر ۲﴾

فَالْتَمِمْ أَمْرًا عَظِيمًا عزیز مہر کی پیروی نے کہا۔

﴿یوسف ۵۱﴾

وكان وراءهم ملكٌ اوران کے سامنے کی طرف ایک بادشاہ تھا

(الکہف ۷۹) ﴿بَلَّوْهُ شَخْصًا جَوَانِمًا رَّهَبًا﴾
افمن کان مومنًا (السجدة ۱۸) بھلا وہ شخص جو ایماندار ہے۔ نیز فرمایا
کذا الذی یطیع اللہ علی کل قلب متکبر اسی طرح خدا پر شکیلوں کے دل پر مہر لگا
جبار (المؤمن ۳۵) دیتا ہے۔

مذکورہ آیات میں بعض بندوں کے وہی وصفی نام ہیں جو اللہ کی ذات کے ہیں لیکن اللہ کا
جی، علیم، عزیز ہو تا انسان کے جی، علیم، عزیز ہونے کے مائل نہیں ہے ارشاد ربانی ہے۔
ولا یحیطون بشئی من علمہ اور وہ اس کے علم کا کچھ احاطہ نہیں کر سکتے

(البقرة ۲۵۵) ﴿انزلہ بعلمہ﴾ (النساء ۱۶۶) اس نے اپنے علم سے نازل کی ہے۔
وما تقبل من انشی ولا تمنع الا بعلمہ اور کوئی عورت نہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ منی
ہے مگر اس کے علم سے (ذات طور ۱۱)

ان اللہ هو الہ ذاق ذوالقوة المتین ان اللہ ہی تو رزق دینے والا زور آور اور
(الذاریات ۵۸) مضبوط ہے۔

اولمیر ما ان اللہ الذی خلقہم هو اشدا منہم قوۃ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ خدا جس نے ان کو
پیدا کیا وہ ان سے قوت میں بہت بڑھ کر ہے (سحر السجدة ۱۵)

نیز ارشاد نبوی ہے۔

عن جابر رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجلسنا الاستخارۃ فی الامور کلہا کما یجلسنا السورۃ من القرآن یقول اذا ہوا احدکم بالامر فلیرکع رکعتین من غیبنا الغریبۃ ثم لیقل اللہم انی استخیرک بعلمک واستقدر بقدرتک واستلک من فضلک العظیم حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تمام امور میں استخارہ کی دعا اسی اہتمام کے ساتھ سکھلاتے جس اہتمام کے ساتھ میں قرآن پاک کی کسی سورت کی تعلیم دیتے تھے آپ فرماتے ہیں جب تم میں کوئی شخص کسی کام کا ارادہ کرے تو وہ دو رکعت نماز نفل ادا کرے پھر کہے

فانك تقدار ولا اقدار وتعلم ولا اعلم
 وانت علام الغيوب اللهم ان كنت
 تعلمون هذا الامر خير لي في ديني و
 معاشي وعاقبة امري او قال عاجل
 امري والاجل فاقدره لي ويسر لي ثم
 بارك لي فيه وان كنت تعلم ان هذا الامر
 شر لي في ديني ومعاشي وعاقبة امري
 او قال عاجل امري والاجل فاصرفه
 عني واصرفني عنه واقدر لي الخير حيث
 كان ثم رضني به قال ليسمي حاجة
 (بخاری)

لئے یہ کام دین، معاش، انجام کار یا جلد یا بدیر براسے تو اس کو مجھ سے دور رکھ اور مجھے
 اس سے دور فرما اور جہاں کہیں بھی ہو میرے لئے غیر مقدر فرما پھر اس کے ساتھ مجھے راضی
 فرما اور اپنی ضرورت متعین فرمائے، (بخاری) حدیث صحیح ہے۔
 نیز ارشاد نبوی ہے۔

عماد بن یاسر عن النبی صلی اللہ علیہ
 وسلم انه کان یداعو بهذا الدعاء
 اللهم بعلمك الغيب وقدرتك
 على الخلق احيني ما كانت الحيوۃ
 خيراً لي وتوفني اذا كانت الوفاة
 خيراً لي اللهم اني اسئلك المقصد
 في العتي والفقر واسئلك نعيما
 لا ينقذ وقرة عين لا تنقطع واسئلك
 الرضى بعد القضاء واسئلك
 برب العيش بعد الموت واسئلك لذة

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ وسلم
 سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ان کلمات
 کے ساتھ دعا فرماتے تھے اللہ تیرے علم غیب
 اور جو تجھے مخلوق پر قدرت ہے کے ساتھ
 مجھے زندگی اس قدر عطا فرما کہ جب تک
 کہ میرے لئے زندہ رہنا بہتر ہے اور جب
 میرے لئے فوت ہو جانا بہتر ہے تو مجھے
 فوت کر لینا اے اللہ میں تجھ سے نا لگتی
 اور فقر میں میاں رومی کا سوال کرتا ہوں
 اور تجھ سے ناراضگی اور رخصاندی میں حق

النظرانی وجهک الکریم والشوق
 الی لقائک فی غیر ضراء مضرة ولا
 فتنة مضلة اللهم ذینا بزینة الایمان
 واجعلنا هداة مهتدین
 بات کہنے کا سوال کرتا ہوں اور غنا اور فقر میں
 تجھے میاں روی طلب کرتا ہوں اور میں تجھ
 سے ایسی نعمت طلب کرتا ہوں جو ختم نہ ہو
 اور ایسی آنکھوں کی ٹھنڈک جو کبھی منقطع نہ
 ہو اور میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میں تیرے

(نسائی)

فیصلوں پر خوش رہوں اور موت کے بعد آرام دانی زندگی کا سوال کرتا ہوں اور تیرے کریم
 چہرہ دیدار کی لذت مانگتا ہوں اور تیری ملاقات کے اشتیاق کا طالب ہوں لیکن مجھے کچھ
 تکلیف نہ ہو اور نہ کوئی فتنہ پیش آئے جو گمراہ کرنے والا ہے اے اللہ! ہمیں ایمان کی زینت
 سے مزین فرما اور ہمیں ہدایت والے ہدایت یافتہ بنا (نسائی)

مذکورہ بالا آیات اور احادیث میں صفات الہیہ علم، قدرت، قوت مذکور ہیں اور
 یہی صفات انسانوں میں بھی ہیں۔
 ارشاد خداوندی ہے۔

ثو جعل من بعد ضعف قوۃ
 (المردم ۵۴)

وانہ لذلک علما علمنا
 اور بے شک وہ صاحب علم تھے کیونکہ
 ہم نے ان کو علم سکھایا تھا۔ (یوسف ۶۸)

نہایت واضح ہے کہ انسانوں میں بھی علم ہے لیکن وہ اللہ کے علم کی مثل نہیں ہے اسی طرح
 انسانوں میں قوت کی وصف اللہ کی قوت کے مثل نہیں ہے۔

پس جو شخص صفات الہیہ کا انکار کرتا ہے حالانکہ خود اللہ پاک نے ان صفات کا
 ذکر فرمایا ہے، اس لئے کہ صفات تسلیم کرنے کی شکل میں تشبیہ اور تجسیم لازم آتی ہے تو ہم اس سے
 کہیں گے کہ جب آپ اللہ کی ذات کے لئے ارادہ، کلام، سمع، بصر اور صاف ثابت کرتے ہیں
 اور یہ اوصاف مخلوق کی اوصاف کے مثل نہیں ہیں تو ان اوصاف کو تسلیم کرنا دیگر اوصاف کو
 تسلیم نہ کرنا کس وجہ سے ہے اور آپ ان میں فرق کیوں کرتے ہیں۔

سوال۔ صفات خداوندی کا انکار کرنے والے صاف طور پر کہتے ہیں کہ ہم اللہ کی ذات کے

ساتھ کسی صفت کو تسلیم نہیں کرتے ہیں۔

جواب ہم ان سے کہیں گے اگر آپ صفات کا انکار کرتے ہیں تو اللہ کے اسماء حسنیٰ کا تو انکار نہیں کر سکتے ہو مثلاً اللہ کے ناموں میں سے عظیم ہی، قادر ہے اور بندوں کے بھی یہ نام رکھے جاتے ہیں لیکن ہم یہ بات تسلیم نہیں کرتے ہیں کہ جو اسماء اللہ کے لئے ثابت ہیں وہ ان اسماء کے مماثل ہیں جو بندوں کے لئے ثابت ہیں اسی طرح صفات الہیہ بھی بندوں کی صفات کے مماثل نہیں تو آپ کو ہمارا موقف تسلیم کر لینا چاہئے۔

سوال صفات خداوندی کا انکار کرنے والے کہتے ہیں کہ ہم اسماء حسنیٰ کا بھی انکار کرتے ہیں ہمارے نزدیک وہ مجاز ہیں بعض مبتدعین ان کو اسماء کے نام کے ساتھ پکارتے ہیں مثلاً غالی قسم کے باطنی اور فلاسفر ان کو اسماء کہتے ہیں۔

جواب ہم ان لوگوں سے سوال کرتے ہیں کیا آپ کا یہ اعتقاد نہیں ہے کہ اللہ موجود ہے اور وہ حق ہے قائم بنفسہ ہے اور بندوں کا بھی وجود ہے جسم ہے لیکن وہ اللہ کے وجود کے مماثل نہیں ہے بہر حال آپ اس بات سے فرار اختیار نہیں کر سکتے کہ اللہ کا وجود واجب ہے۔ اور واجب ہونا بھی ایک صفت ہے۔

موجود قدیم ازلی یا حادث صریح عقل اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ موجود یا واجب بنفسہ ہے یا غیر واجب بنفسہ ہے یا قدیم ازلی ہے یا حادث ہے پہلے اس کا وجود نہ تھا بعد میں اس کا وجود ہوا اسی طرح یا وہ مخلوق ہے جو خالق کا محتاج ہے یا غیر مخلوق ہے اور خالق کا محتاج نہیں ہے اسی طرح یا اپنے غیر کا محتاج ہے یا اپنے غیر سے معنی ہے اور غیر واجب بنفسہ کا قیام واجب بنفسہ کے ساتھ ہے اور حادث کا قیام قدیم کے ساتھ ہے اور مخلوق کے لئے خالق ہونا ضروری ہے اور محتاج کے لئے کسی غیر محتاج کا ہونا ضروری ہے جس کے ساتھ اس کا قیام ہو اس لحاظ سے دو متناقض موجود کا وجود لازم آیا ایک موجود واجب بنفسہ قدیم ازلی خالق اپنے ماسوا سے مستغنی ہے اور اس کا ماسوا اسکے خلاف ہے اور بالضرورت یہ بات معلوم ہے کہ موجود حادث کا وجود نہ ہونے کے بعد ہوتا ہے اور حادث واجب بنفسہ نہیں ہوتا اسی طرح نہ وہ قدیم ازلی ہوتا ہے اور نہ اپنے غیر کا خالق ہوتا ہے اور نہ اپنے غیر سے مستغنی

ہوتا ہے تو پھر یہی طور پر دو موجود چیزوں کا وجود ثابت ہو گیا ایک کا نام واجب دوسرے کا نام ممکن ایک کا نام قدیم دوسرے کا نام حادث ایک کا نام غنی دوسرے کا نام فقیر ایک کا نام خالق دوسرے کا نام مخلوق لیکن وہ دونوں موجود اور ثابت ہونے میں متفق ہیں البتہ حقیقت میں ایک دوسرے کا مماثل نہیں ہے اس لئے کہ اگر وہ دونوں حقیقت میں متماثل ہوں گے تو وہ دونوں وجوب، جواز، امتناع میں بھی متماثل ہوں گے حالانکہ ان میں سے ایک واجب قدیم موجود بنفسہ ہے اور دوسرا نہ تو قدیم ہے نہ موجود بنفسہ ہے اور ان میں سے ایک خالق ہے دوسرا خالق نہیں ہے اور ایک مستغنی ہے دوسرا فقیر ہے۔ ان دلائل سے ان دونوں میں من وجہ اتفاقی ہے اور من وجہ اختلاف ہے پس جس نے وجہ اتفاق کی نفی کی وہ خدا کو معطل سمجھتا ہے اور اس کا قول باطل ہے اور جس نے دونوں کو متماثل بنا دیا وہ خدا کو مخلوق کے مشابہ قرار دیتا ہے وہ بھی باطل بات کہتا ہے واللہ اعلم خیال رہے کہ اللہ پاک اور مخلوق اگرچہ سبھی وجود میں متفق ہیں لیکن اللہ پاک اپنے وجود، علم، قدرت اور دیگر صفات کے لحاظ سے خاص ہے بندہ ان میں اللہ کے ساتھ شریک نہیں ہے اسی طرح بندہ بھی اپنے وجود، علم، قدرت کے ساتھ ہے اور ان خصوصیات میں بندے کی مشارکت سے اللہ پاک منزہ ہے۔

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ وہ دونوں مسمیٰ وجود، علم، قدرت میں متفق ہیں تو اس مشترک کلی کا اذہان میں وجود ہے اعیان میں نہیں ہے اس لئے کہ جو چیز اعیان میں ہوتی ہے وہ مختلف ہوتی ہے اس میں اشتراک نہیں ہوتا۔

بحث کا یہ مقام نہایت نازک ہے جب کہ بڑے بڑے دانشور اس میں پھسل جاتے ہیں اور متوہم دکھائی دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کسی مسلم میں ان اشیاء کا اتفاق اس بات کو مستلزم ہے کہ اللہ کا وجود بندے کے وجود کے مماثل ہے۔

ایک گروہ کا خیال ہے کہ لفظ وجود مشترک لفظی ہے جس طرح دیگر مشترک لفظی عام ہونے ہیں اور تقسیم کو قبول کرتے ہیں اسی طرح وجود بھی واجب اور ممکن کی جانب تقسیم ہوتا ہے نیز قدیم اور حادث کی جانب بھی تقسیم ہوتا ہے ظاہر ہے کہ تقسیم کا مورد مشترک ہوتا ہے جیسے لفظ مشتری خریدار اور ستارے پر بولا جاتا ہے اس کے معنی میں انقسام نہیں ہے البتہ لفظ مشتری کا اطلاق یا خریدار پلستارے پر ہوتا ہے اس قسم کے مفاد

کی بحث کا مقام یہ نہیں ہے اس لئے ہم طوالت سے گریز کرتے ہیں۔ البتہ لفظ وجود کو کلی کہنا درست نہیں ہے اس لئے کہ اس کا مسمیٰ خارج میں ہے اور کلی کا مسمیٰ خارج میں نہیں کہوتا پس لفظ وجود اس معین میں ثابت ہے جب لفظ کا وجود کا اطلاق اللہ پر ہوگا تو مسمیٰ معین اور مختص ہوگا اور جب اس کا اطلاق بندے پر ہوگا تو بھی اس کا مسمیٰ معین اور مختص ہوگا پس اللہ کے وجود اور حیثیت میں اس کے ساتھ شریک نہیں بلکہ ذات معین موجود کے وجود میں اس کا غیر اس کے ساتھ شریک نہیں ہے تو خالق کے وجود میں اس کا غیر کسے شریک ہو سکتا ہے جب آپ کہتے ہیں کہ یہ وہ ہے تو یہاں مشارالہ واحد ہے اگرچہ وجہ کے لحاظ سے اختلاف ہے۔

ان مثالوں کی روشنی میں اصل حقیقت ٹھہر کر سامنے آجاتی ہے کہ مشبہ نے کچھ زیادتی کی وہ گمراہ ہو گئے اور معطلہ نے مماثلت کی نفی میں غلو اختیار کر گئے اور حق بات سے منحرف ہو گئے تو وہ بھی گمراہ ہو گئے جب کہ کتاب اللہ راہ حق کو واضح کر رہی ہے اور عقول سلیمہ صحیحہ بھی اس کو سمجھتے ہیں وہ ایسا صحیح راہ اعتدال ہے جس میں کجی نہیں ہے۔

پس معطلہ نے یہ کام تو اچھا کیا کہ اللہ پاک کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ سے منزہ قرار دیا لیکن وہ صفات جو نفس الامر میں اللہ کی ذات کے لئے ثابت ہیں ان کی بھی نفی کر دی۔ اور مشبہ نے اللہ پاک کی صفات کو ثابت کیا یہ تو ان کا اچھا کام ہے لیکن مخلوق کے ساتھ تشبیہ دینے کا کام اچھا نہیں اس لئے انہوں نے اللہ کے مقام کو گرا دیا۔

الفاظ کی معانی پر دلالت آپ کا مخاطب ان معانی کے سمجھنے سے قاصر ہے جن کو آپ نے الفاظ کا لباس پہنا کر اس کے سامنے پیش کیا ہے ہاں اگر وہ ان کو پہلے سے جانتا ہے یا ان معانی کے مناسب معانی کو جانتا ہے اور ان دونوں میں تدریجاً مشترک اور مناسبت موجود ہے تو سمجھنا آسان ہے وگرنہ مخاطب کو اس کے بغیر نہیں سمجھایا جاسکتا۔

ایک مثال دیکھئے جب ایک بچے کو بعض معانی کی تعلیم کے لئے الفاظ کا لباس پہنا کر اسے بتایا جاتا ہے اور اسے زبان کی تعلیم دی جاتی ہے تو اولاً مفرد الفاظ بولے جاتے ہیں اور اس کے مسمیٰ کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے کبھی مسمیٰ محسوس ظاہر ہوتا ہے اور کبھی محسوس باطن ہوتا ہے مثلاً بچے کے سامنے دودھ، روٹی، ماں، باپ، آسمان، زمین، سورج، چاند، پانی کے الفاظ

بولے جاتے ہیں تو جب تک ان میں سے ہر ایک کے معنی کی طرف اشارہ نہ کیا جائے بچہ سمجھ نہیں سکتا اس لئے کہ ہر انسان سمعی تعلیم کا محتاج ہے دیکھئے ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام پہلے وہ انسان ہیں جن کو اللہ پاک نے ادرا سمعیہ کے اصول کی تعلیم دی یعنی تمام چیزوں کے نام سکھلائے اور وحی کے ساتھ انہیں خطاب کیا وگرنہ عقل کے ساتھ وہ ان چیزوں کو کیسے سمجھ سکتے تھے۔

پس کسی لفظ کا معنی پر دلالت کرتا متکلم کے ارادہ پر موقوف ہے جو معنی متکلم کے دل میں ہے اور جس کی اس نے نیت کی ہے وہی مراد ہوگا اور اسی پر اس کی دلالت ہوگی کسی لفظ کے معنی کو ابتداءً سمجھنا بہت مشکل ہے۔ اور یہ بھی مسلم ہے کہ الفاظ کے علاوہ کوئی دوسرا ذریعہ نہیں جس کی وساطت سے معنی سمجھ میں آ سکے۔

پس اولاً یہ معلوم کرنا ہوگا کہ فلاں معنی فلاں لفظ سے مراد لیا جاتا ہے جب اس کا علم ہو جائے گا۔ تو پھر دوسری بار جب یہ لفظ کو سنا جائے گا تو بلا اشارہ وہ معنی معلوم ہو جائے گا۔ لیکن اگر مثلاً رالیہ محسوس باطن ہے مثلاً بھوک، سیرابی، پیاس، غم، خوشی ان اسماء کے معانی کا پتہ نہیں چل سکتا جب تک کہ نفس میں ان کا احساس جلوہ گر نہ ہو جب احساس بیدار ہوگا تو اس کی طرف اشارہ ہوگا اور معلوم ہو جائے گا کہ اس کا نام فلاں ہے۔

اور کبھی اشارہ اپنی بھوک اپنی پیاس کی طرف ہوتا ہے مثلاً کوئی شخص آپ کو بھوک کا محسوس کرتا ہے تو آپ اس سے کہتے ہیں کہ میں بھوکا ہوں تو یہ لفظ ان کی اشارات یا قرائن کے ساتھ اصل مراد کو معلوم کر لیتا ہے مثلاً بھوکے بچے کا اپنی والدہ کی جانب دیکھنا اور اسے اپنی بھوک کا احساس کرنا اور کہنا کہ وہ بھوکا ہے محسوس باطن کی مثال ہے۔

اس تمہید کے بعد اب دیکھئے جب متکلم اپنے مخاطب کو معانی بتانا چاہتا ہے تو یا تو مخاطب ان معانی کو احساس، مشاہدہ، عقل کے ساتھ ادراک کرتا ہے یا ادراک نہیں کر سکتا ہے۔

احساس اور مشاہدہ کی صورت میں زبان کی معرفت کی ضرورت نہیں کہ وہ اولاً الفاظ مفردہ کے معانی کی معرفت حاصل کرے پھر ترکیب کا معنی معلوم کرے اس کے بعد جب اس کو ارشاد خداوندی:-

الم نجعل لہ عینین ولساناً وشیفتین

بھلا ہم نے اس کو دو آنکھیں نہیں دیں اور

(البلد ۸-۹)

زبان اور ہونٹ (نہیں دیئے)

اور ارشاد خداوندی:-

(واللہ اخر جکو من بطون امھانکم اور خدا ہی نے تم کو تمہاری ماؤں کے شکم سے
لا تلعنوں شیئا وجعل لکموسع و پیر کیا کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے اور اس نے تم
الابصار والافئدة لعلکم تشکرون کو کان اور آنکھیں اور دل (اور ان کے علاوہ
(الخلع ۸) اور اعضاء) بخشے تاکہ تم شکر کرو۔

اور اسے جن آیات کے ساتھ مخاطب کیا جائے گا تو مخاطب اپنے حواس کے ساتھ اس
کا ادراک کرے گا اگرچہ جن معانی سے اسے متعارف کرنا مقصود ہے وہ ایسے ہیں جن کا نہ کبھی
اس نے پہلے اپنے حواس سے ادراک کیا ہے اور نہ ان کے اعیان کا مشاہدہ کیا ہے اور نہ ہی وہ
کوئی ایسی کلمہ ہے کہ ان الفاظ کے ساتھ اس کا معنی سمجھ میں آسکے بلکہ وہ تو ایسی چیزیں ہیں جن کا
اس نے اپنے حواس ظاہر اور باطن سے کچھ بھی ادراک نہیں کیا ہے پس اس کے معلوم کرنے کیلئے قیاس
تمثیل اور اس کے اور دیگر معقولات (جن کا وہ مشاہدہ کر پایا ہے) کے درمیان مشابہت اور
مناسبت موجود ہے) کا اختیار ضروری ہے اور جس قدر تمثیل قوی ہوگی اسی قدر بیان اچھا ہوگا
اور فہم صحیح ہوگا۔

اسلام اور عربی زبان کی اصطلاحات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے ایسی
باتیں بیان فرمائی ہیں جو آپ کے بیان سے قبل معروف نہ تھیں اور عربی لغت میں بھی ان پر دلالت
کرنے والے الفاظ موجود نہ تھے تو آپ نے معانی کی مناسبت دیکھ کر ان کے لئے الفاظ وضع فرمائے
ان کو اسما قرار دیا اور بظاہر اسما اور اسمیات میں قدر مشترک بھی موجود ہے مثلاً صلوة، زکوٰۃ
صوم، ایمان اور کفر وغیرہ۔

اسی طرح جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسے امور کی خبر دی جن کا تعلق
ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے ساتھ تھا آپ کے خبر دینے سے قبل ہمیں وہ چیزیں معلوم
نہ تھیں اور نہ ان کے لئے الفاظ وضع تھے تو آپ نے لغت عرب سے ایسے مناسب الفاظ
کا انتخاب فرمایا جو معانی غیبیہ اور شہودیہ کے درمیان قدر مشترک پر دلالت کرتے تھے جب کہ
اہل عرب معانی شہودیہ سے متعارف تھے اور اس کے ساتھ ساتھ کچھ ایسے اشارات کا اتفاق
کر دیا جن سے اصل حقیقت کا بخوبی علم ہو سکے جیسے بچوں کو تعلیم دی جاتی ہے، چنانچہ ربیعہ
بن ابی عبد الرحمن کا قول ہے۔

الناس فی حجور علماء هم كالصبيان لوگ علماء کی گود میں یوں ہیں جیسے بچے اپنے
فی حجور آبائهم مل باب کی گود میں ہوتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور امور غیب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن غیبی امور کی خبر دی ہے وہ ایسی چیزیں ہیں جن کا ادراک وہ حواس اور عقل کے ساتھ کر سکتے تھے مثلاً آپ نے انہیں بتایا کہ تیز آندھی نے قوم عاد کو تباہ و برباد کر دیا تو وہ قوم عاد سے متعارف تھے وہ ان کی جنس سے تھے اور آندھی کو بھی جانتے تھے اگرچہ قوم عاد کو جس آندھی نے تباہ و برباد کیا وہ بہت سخت تھی اس طرح آپ نے ان کو بتایا کہ فرعون پانی میں غرق ہوا اس کے علاوہ بھی آپ نے گذشتہ اقوام کے بارے میں کچھ باتیں بتائیں ان کے واقعات ہمارے لئے عبرت ہیں (ارشاد خداوندی ہے)۔

لقد کان فی قصصهم عبرة ان کے قصے میں عقل مندوں کے لئے عبرت
لادوی الباب (دیسف ۱۱) ہے۔

اور کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں کی خبر دی ہے کہ ان کا اور ان کے مثل من کل الوجہ کا حقیقت میں تو افق کا ادراک انہیں نہیں ہے البتہ مفردات کی دیگر مفردات کے بعض وجود کے لحاظ سے مشابہت معلوم ہوتی ہے جس طرح کہ جب آپ نے ان کو ایسے غیبی امور سے مطلع کیا جن کا تعلق اللہ اور آخرت کے ساتھ تھا تو اس صورت میں لازماً وہ ان الفاظ کے مفردات اور ان مفردات کے درمیان (جن کو وہ محسوسات اور عقل کے ساتھ جانتے ہیں) معنوی اشتراک اور مشابہت سے واقف ہیں۔

پس جب وہ کسی ایسے معنی کا مشاہدہ کریں گے جس کو انہوں نے ابھی تک دنیاوی امور میں نہیں دیکھا لیکن آپ جانتے ہیں کہ وہ اس کا مکمل مشاہدہ کر پائیں نا کہ ظاہر اور غائب معنی کے درمیان قدر مشترک کو سمجھ سکیں تو آپ نے انہیں مشاہدہ کر دیا اور اس کی جانب متوجہ کیا اور اسے اس طریق سے بیان فرمایا کہ سامعین کو علم حاصل ہو گیا کہ حقائق مشہودہ کی معرفت ہی ایک ایسا وسیلہ ہے جس سے غیبی امور کی معرفت حاصل ہو سکتی ہے۔

تین درجات مزید وضاحت کے لئے ہم تین درجات پیش کرتے ہیں پہلا درجہ یہ ہے

کہ ہر انسان معافی محسوسہ، مشاہدہ کا ادراک کرتا ہے دوسرا درجہ یہ ہے کہ ہر انسان عقل کے ساتھ معافی کلیمہ کا ادراک کرتا ہے تیسرا درجہ یہ ہے کہ ان الفاظ کو معلوم کیا جائے جو معافی حسبہ اور عقلیہ پر دلالت کرتے ہیں۔

پس ہر خطاب میں ان تین درجات کا معلوم کرنا ضروری ہے تو جب اسمیں ایسی باتوں کی خبر دی جاتی ہے جو مشاہداتی نہیں ہیں تو ہم ان کو اس وقت معلوم کر سکتے ہیں جب ہم ان غیر مشاہداتی اور مشاہداتی امور کے حقائق میں مابہ الاشتراک اور مشابہت معلوم کریں یعنی اولاً ہمیں مشاہداتی امور معلوم کرنے ہوں گے اگر امور غیر مشاہداتی اور مشاہداتی میں کوئی فارق موجود نہیں تو ہمارے لئے حقیقت کو معلوم کر لینا آسان ہو گا جیسا کہ اقوام گذشتہ کے واقعات ہیں اور اگر مناسبت اور مشابہت موجود نہیں تو فارق کے ساتھ وضاحت کی جائے گی کہ یہ چیز فلاں کی مثل نہیں ہے اس طریق سے ہمارے لئے غیبی امور کو سمجھنا آسان ہو جائے گا اگر اشتراک نہ ہو تو پھر سمجھنا ممکن نہیں۔

ط :- اللہ پاک کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی۔

ش :- اس لئے کہ اللہ کی قدرت کامل ہے ارشادات خداوندی ہیں :-

ان اللہ علی کل شئ قدير۔
بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(البقرة ۲۰)
وكان الله على كل شئ مقتدراً
اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے

(الكهف ۳۵)
وما كان الله ليعجزه من شئ فـ
السموات ولا في الارض انه كان عليهما
فديراً
قدراً
اور خدا ایسا نہیں کہ آسمانوں اور زمین میں کوئی چیز اس کو عاجز کر سکے وہ علم والا (اور) قدرت والا ہے۔

دسح کو سیم السموات والارض
ولا يؤد کا حفظہ ما د هو العلی العظیم
اس کی کرسی آسمان اور زمین سب پر حاوی ہے اور اسے ان کی حفاظت کچھ بھی دشوار نہیں وہ بڑا عالی رتبہ اور جلیل القدر ہے۔
(البقرة ۲۵۵)

لفظ لا يؤدہ اس حقیقت کو واضح کر رہا ہے کہ آسمان و زمین کی حفاظت سے اس پر کچھ بوجھ واقع نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کو عجز لاحق ہوتا ہے اور عجز کی نفی کا معنی یہ ہے کہ وہ مکمل

قدرت والا ہے اسی طرح صفات خداوندی میں جس قدر منفی صفات ہیں ان کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی متضاد صفات اللہ پاک میں ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے :-

وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

﴿الکہف ۳۹﴾

اس صفت کی نفی کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں کمال عدل موجود ہے۔
ارشاد خداوندی ہے :-

لَا يُعِزُّ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ (سبا ۳) اس سے آسمانوں اور زمین ذرہ برابر بھی

اوجھل نہیں۔

اس منفی صفت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا علم کامل ہے
ارشاد خداوندی ہے :-

وَمَا مَسَامِنُ لِعُوبٍ (ق ۳۸) ہمیں کچھ تھکاوٹ نہ ہوئی۔

اس منفی صفت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ قدرت کاملہ کا مالک ہے
ارشاد خداوندی ہے :-

لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ اُسے نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند۔

﴿البقرة ۲۵۵﴾

اس منفی صفت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی صفت حیات اور قیومیت کامل مکمل ہے
ارشاد خداوندی ہے :-

لَا تَدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (الانعام ۱۰۳) آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔

کا تقاضا یہ ہے کہ وہ کامل جلال والا ہے اور اس کی عظمت اور کبریائی کو کمال حاصل ہے وگرنہ محض کسی صفت کی نفی سے کچھ مدح کا پہلو نہیں نکلتا ایک شاعر کہتا ہے :-
قَبِيلُهُ لَا يَخْذَرُونَ بِلَدْمَةٍ وَلَا يَظْلِمُونَ النَّاسَ حَبَّةَ خَرْثَلٍ
وہ ایسا حقیر قبیلہ ہے جو عمدہ شکنی نہیں کرتا اور وہ لوگ کسی پر رائی کے دانے کے برابر ظلم بھی نہیں کرتے۔

اس شعر سے پہلے شعر میں چونکہ اس قبیلہ کا ذکر اس انداز سے ہے کہ ان میں سطوت

اور قوت نہیں ہے اسی لئے اس قبیلہ کا ذکر تصغیر کے صیغہ کے ساتھ کیا ہے مقصود یہ تھا کہ وہ کمزور ہیں مخالف سے بدلہ لینے کی سکت نہیں رکھتے جیسا کہ ایک دوسرا شاعر کہتا ہے

لکن خمی وان کا نوا ذوی عدد۔ یسوا من الشرفی شیخ وان هانا
لیکن میری قوم اگر چہ وہ تعداد میں تو زیادہ ہیں لیکن ان میں معمولی لطائف کی بھی سکت نہیں
معلوم ہوا کہ یہ لوگ مذموم ہیں اور ان میں عجز اور ضعف موجود ہے۔

کتاب اللہ میں اثباتی صفات یہاں اس حقیقت کا اظہار ضروری ہے کہ کتاب اللہ میں صفات خداوندی کا ذکر اثباتی انداز میں تفصیل کے ساتھ ہے اور منفی انداز میں مجمل ہے لیکن متکلمین کا اسلوب اس کے برعکس ہے انہوں نے منفی صفات کو تفصیلاً ذکر کیا ہے اور اثباتی صفات کو مجمل بیان کیا ہے مثلاً متکلمین صفات خداوندی کا ذکر یوں کرتے ہیں۔

متکلمین کا صفات کے بارے میں بیان اللہ پاک، جسم، جشہ، صورت، گوشت، خون، شخص، جوہر، عرض، رنگ، دار، خوشبو والا، کھانے کی چیز، قابل مس، حرارت والا، ٹھنڈک والا، رطوبت والا، بوسست والا، لمبا، چوڑا، گہرا، اجتماع، افتراق والا نہیں ہے اسی طرح نہ وہ متحرک ہے نہ ساکن ہے نہ اس کے حصے ہیں اور نہ ہی وہ اجزا والا ہے اور نہ ہی اس کے جوارح اور اعضاء ہیں وہ جمعات والا نہیں وہ دائیں، بائیں، آگے، پیچھے، اوپر نیچے والا نہیں ہے اس کا کسی مکان نے احاطہ نہیں کیا ہوا ہے اور نہ ہی اس پر زمان کا اطلاق ہوتا ہے اس کو ہاتھ لگانا ممکن نہیں اس کا نہ تو الگ ہونا ممکن ہے اور نہ ہی کسی مکان میں حلول صحیح ہے۔

وہ مخلوق کی صفات میں سے کسی صفت کے ساتھ موصوف نہیں جن سے مخلوق کا حادث ہونا ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی وہ متناہی کی صفت کے ساتھ موصوف ہے اس کی پائش نہیں ہو سکتی اور نہ ہی جمعات میں اس کا ہونا ثابت ہے نہ وہ محدود ہے نہ وہ کسی کو جتنے والا ہے اور نہ وہ جتا گیا ہے قدریں اہل کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور پردے اس کو محبوب نہیں کر سکتے ان تمام منقی صفات کا ذکر ابو الحسن اشعری نے معترض سے نقل کیا ہے۔

اس تفصیل پر غور و فکر کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان کی بعض باتیں صحیح ہیں جب کہ

بعض غلط بھی ہیں کتاب وسنت کی معرفت رکھنے والا اس فرق کو معلوم کر سکتا ہے پھر محض منفی صفات کا ذکر مدح کو مستلزم نہیں ہے بلکہ اس میں بے ادبی پائی جاتی ہے مثلاً آپ کسی بادشاہ سے کہیں کہ تو بھنگی نہیں ہے نہ جاروب کش ہے نہ تو حجام ہے اور نہ باغذہ ہے اگرچہ آپ جن منفی صفات کا ذکر کر رہے ہیں وہ بالکل درست ہیں لیکن بادشاہ بجائے خوش ہونے کے آپ پر ناراض ہوگا۔ مدح کی صحیح صورت تو یہ ہے کہ آپ منفی صفات کا ذکر اجمالاً کریں مثلاً آپ کہیں کہ آپ اپنی رعیت میں سے کسی کی مانند نہیں ہے آپ سب سے اعلیٰ اشراف اور بزرگ ہیں معلوم ہوا منفی صفات کا اجمالاً ذکر کرنا ادب کے عین مطابق ہے پس اللہ پاک کو الفاظ شرعیہ نبویہ سے پکارنا اہل سنت والجماعت کا طریق ہے اور معطلہ شارع کے بیان کردہ اسماء اور صفات سے اعراض کرتے ہیں۔ معانی پر غور و فکر کی زحمت گوارا نہیں کرتے اور اپنی جانب سے ایسا کردہ معانی اور ان کے الفاظ کو محکم سمجھتے ہیں ان کا اعتقاد رکھنے ہیں اور ان پر ہی ان کو اعتماد ہے۔

لیکن اہل حق اہل سنت اہل ایمان اللہ اور اس کے رسول کے فرمودات کو حق گردانتے ہیں جن پر ان کا اعتقاد ہوتا ہے اور اسی پر ان کا اعتماد ہوتا ہے لیکن معطلہ اور دیگر گمراہ فرقے یا تو اصلاً ان سے روگردانی کرتے ہیں یا منفی انداز سے جو کچھ بیان کرتے ہیں اس سے کتاب وسنت پر حکم لگاتے ہیں حالانکہ اصل یہ ہے کہ کتاب وسنت سے حکم لگایا جائے ان کے اکثر ذکر کردہ اوصاف، عقائد منفی ہیں مثبت بہت کم ہیں جیسے وہ حی ہے عالم، قادر ہے اور پھر منفی اوصاف کا اصل کتاب وسنت نہیں ہے اور نہ ہی وہ عقلی طریق ہے جس کو ان اہل علم نے اختیار کیا ہے جو مثبت اوصاف کا ذکر کرتے ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے۔

لَیْسَ کَمَثَلِ شَیْءٍ دَھُوَ السَّیْعُ البَصِیْرُ (الشوریٰ ۱۱)

مقصود یہ ہے کہ اللہ پاک صفات کمال میں منفرد ہیں اللہ پاک نے اپنے اوصاف خود بیان کئے ہیں اس کے رسولوں نے بھی اس کے اوصاف بیان کئے ہیں کہ اللہ کی ذات اسماء، صفات افعال میں بے مثل ہے نیز اللہ پاک کی ایسی صفات بھی ہیں جن پر مخلوق کا کوئی فرد مطلع نہیں ہے چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حالت کرب و غم میں ذیل کے کلمات کا ورد فرماتے:۔

اللہم اِنِّی اَسْئَلُکَ بِکُلِّ اسمِ هُوَ لَکَ
سمیت یہ نفس لک اوانزلتہ فی کتابک
او علمتہ احدًا من خلقک
اوستاشرت بہ فی علم الغیب عندک
ان تجعل القرآن العظیم ریح قلبی
دنور صدای وجلاء حزنی وذهاب
ہمی وغمی

اے اللہ! میں تیرے اس نام کے ساتھ
(جس کے ساتھ تو نے اپنا نام رکھا ہے
یا جس کو تو نے اپنی کتاب میں نازل فرمایا
ہے یا جس کو تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی
کو سکھلایا ہے یا جس کو تو نے علم غیب
میں اپنے ہاں پسند فرمایا ہے) تجھ سے
درخواست کرتا ہوں کہ تو قرآن عظیم کو میرے

دل کا سر در میرے سینہ کا نور بنا اور میرے حزن و غم کو دور فرما
متکلمین نے صفات کے بارے میں جو غلط طریق اختیار کیا ہے اس پر آئندہ اوراق
میں تبصرہ کیا جائے گا ان شاء اللہ -

اگرچہ شیخ امام طحاوی کا قول کہ کوئی چیز اللہ کو عاجز نہیں کر سکتی اگرچہ منفی انداز کا ہے
جس کی ہم مذمت کر رہے ہیں۔ لیکن اس کا ثبوت قرآن پاک میں موجود ہے۔
ارشاد خداوندی ہے -

وما کان اللہ لیعجزہ من شیء
فی السموات ولا فی الارض انه
کان علیما قدیداً

اور خدا ایسا نہیں کہ آسمانوں اور زمین میں
کوئی چیز اس کو عاجز کر سکے وہ علم والا
(اور) قدرت والا ہے

(فاطر ۴۷)

اس آیت کے آخر میں عجز کی نفی کی دلیل پیش کی ہے یعنی وہ کمال قدرت اور علم
والا ہے اس لئے کہ عجز تو ضعف سے پیدا ہوتا ہے یعنی جس کام کے کرنے کا ارادہ کرتا
ہے اسے نہیں کر پاتا یا اس کو علم نہیں ہوتا کہ وہ کس طرح کرے لیکن اللہ سے تو کوئی ذرہ
بھی پوشیدہ نہیں وہ سب کا علم رکھتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ہم عقل اور فطرت کے ساتھ بھی جانتے ہیں کہ اللہ کمال قدرت اور علم والا ہے
مزید برآں یہ کہ ذات عاجز خدا نہیں ہو سکتی تعالیٰ اللہ عن ذکر ذلک علواً کبیراً۔

(حدیث صحیح ہے الاحادیث الصحیحہ ۱۹۷) للعلامہ البانی

ط :- (اللہ کی ذات کے علاوہ کوئی معبود نہیں)

ش :- یہ وہ کلمہ توحید ہے جس کی جانب تمام رسولوں نے دعوت دی اس کا ذکر پہلے بھی گزر چکا ہے۔ خیال رہے کہ اس کلمہ میں توحید کا اثبات دو تین طریق نفی اثبات سے مصر کی صورت میں ہے جب کہ صرف اثبات میں احتمال کی گنجائش بھی ہوتی ہے۔
ارشاد خداوندی ہے :-

واللہکواللہ واحد (البقرة ۱۶۲) اور تمہارا معبود ایک معبود ہے۔

اس کے بعد نفی اثبات کا جملہ بصورتِ حصر ذکر کیا فرمایا :-

لا الہ الا هو الرحمن الرحیم اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ رحمان رحیم

لا الہ الا اللہ کی ترکیب نحوی (المنتخب) کے مولف نے نحو یوں پر اعتراض کیا ہے جب کہ نحوی لا الہ الا اللہ میں لفظ وجود کو خمر مقدر تسلیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کا اصل لا الہ فی الوجود الا اللہ تھا تو انہوں نے اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس ترکیب سے خدا کے وجود کی نفی تسلیم کرنا پڑتی ہے حالانکہ مقام توحید کا تقاضا یہ ہے کہ ماہیت کی نفی کی جائے اس لئے کہ وجود کی نفی سے ماہیت کی نفی میں زیادہ قوت ہے لہذا کلام میں مقدر ماننا اس کو ظاہر پر محمول کرنا انسب ہے۔

لیکن ابو عبد اللہ محمد بن ابی الفضل المرسی: ”ری النظم“ میں تحریر کرتے ہیں :-

۱۔ استاد احمد شاکر فرماتے ہیں ان کا نام شرف الدین محمد بن عبد اللہ بن محمد بن ابی الفضل المرسی الندسی ہیں جو نہ صرف ادیب اور نحوی تھے بلکہ محدث مفسر اور فقیہ بھی تھے یا قوت نے ان کا تذکرہ کیا ہے ۲۔ میں یا قوت کی ان سے مصر میں ملاقات ہوئی انہوں نے ان کا سن پیدائش ۵۷۰ ہ بتایا ہے اور ان کی تالیفات میں ری النظم فی تفسیر القرآن کا بھی ذکر کیا ہے اور بیان کیا ہے کہ تفسیر میں ان کی یہ کتاب عظیم ہے اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں آیات کے ربط کا ذکر کیا ہے ان کے مزید حالات معلوم کرنے کے لئے معجم الادباء: ۷ - ۱۶ - ۷ کا مطالعہ کریں ۳۔ میں عریض کی جانب جاتے ہوئے راستہ میں دم توڑ دیا ابن کثیر نے تاریخ: ۱۳ - ۱۹ میں اور ابن العماد نے شذرات: ۵ - ۲۶۹ میں ان کے حالات بیان کئے ہیں ہم نے صمیم ابن حبان کے مقدمہ میں ثابت کیا ہے کہ علامہ رضی الدین طبری نے صمیم ابن حبان کا ان سے سماع کیا ہے ان کے بارے میں نہایت دلچسپ اور عجیب بات یہ ہے کہ مختلف شہروں میں ان کے ذاتی کتب خانے تھے انہیں سفر میں کتابوں کو ساتھ لے جانے کی ہر ذرت نہ ہوتی تھی (البانی)

سیبویہ کے قول کے مطابق لفظ الرحمن مبتدایں ہے اور دوسرے نحو لوں کے نزدیک وہ لا کا اسم ہے دونوں صورتوں میں مبتدائی خبر مقدمہ ہے اور اضمار سے استغناء کی بات لغو ہے اور کلام عرب سے ناواقفیت کی دلیل ہے اور یہ کہنا کہ مقدر نہ ماننے کی صورت میں ماہیت کی نفی ہے فصول بات ہے اس لئے کہ ماہیت کی نفی وجود کی نفی کو مستلزم ہے جب کہ ماہیت کا تصور وجود کے تصور کے بغیر ممکن نہیں لہذا لا ماہیۃ اور لا وجود میں کچھ فرق نہیں اہل سنت کا یہی مسلک ہے البتہ معتزلہ اس کے مخالف ہیں ان کے ہاں ماہیت کا تصور وجود سے الگ موجود ہے اور (لا الہ الا اللہ) سے بدل سے اور مرفوع ہے نہ لاکہ خبر ہے اور نہ ہی مبتدائی خبر ہے علامہ مرسى اس پر دلیل پیش کرتے ہیں کہ ہمارا مقصود اس کے بیان سے اعراب بتانا نہیں ہے بلکہ نحو لوں پر معتزلہ کی جانب سے جو اعتراض ہوتا ہے اس کو رفع کرنا ہے ان کا اعتراض بالکل فاسد ہے جب کہ معتزلہ کہتے ہیں وجود کی نفی قید نہیں اس لئے کہ عدم لاشئ کا نام ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وقد خلقناک من قبل ولم نلت شئاً اور میں پہلے تم کو بھی تو پیدا کر چکا ہوں اور تم کچھ بھی نہ تھے۔ (ہریم ۹)

اور یہ کہنا بھی درست نہیں کہ لا الہ غیرہ جملہ لا الہ الا اللہ کی مثل ہے اس لئے کہ غیر کے لفظ پر وہی اعراب آئے گا جو اس اسم پر آتا ہے جو الا کے بعد واقع ہوتا ہے لہذا خبر دونوں میں یکساں مقدم ہوگی۔

ط: وہ قدیم ہے جس کی ابتدا نہیں ہے وہ دائم ہے جس کی انتہا نہیں ہے۔

ش: ارشاد خداوندی ہے:

هو الاول والاخر (الحمدید ۳) وہی پہلے ہے اور وہی پیچھے ہے۔

اس کی تائید میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

اللہم انت الاول فلیس قبلك اے اللہ! تو اول ہے تجھ سے اول کچھ نہ

شیء وانت الآخر فلیس بعدک تھا اور تو آخر ہے تیرے بعد کچھ نہیں۔

شیء (مسلم ۸-۷۸-۷۹)

پس شیخ طحاوی کا قول اللہ کریم ہے اس کی ابتدا نہیں ہمیشہ ہے اس کی انتہا نہیں۔

قرآن پاک کی اس آیت کی تفسیر کی ایک شکل ہے مزید برآں ان دونوں کا ثبوت فطرتی ہے اس لئے کہ موجودات لازماً واجب الوجود بالذات کی طرف منتہی ہیں تاکہ تسلسل ختم ہو۔

دلیل حیوانات، نباتات، جمادات دیگر فضا میں نمودار ہونے والے حوادث مثلاً بادل، بارش وغیرہ کا ہم رات دن مشاہدہ کر رہے ہیں ان کا انکار نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ ان کے وجود کا ہم مشاہدہ کر رہے ہیں پس نہ تو یہ چیزیں منتفع الوجود ہیں اور نہ ہی واجب الوجود ہیں۔ منتفع الوجود اس لئے نہیں کہ ان کا وجود پایا جاتا ہے واجب الوجود اس لئے نہیں کہ واجب الوجود تو عدم کو قبول نہیں کرتا جب کہ یہ عدم کو قبول کرتے ہیں اس لئے کہ پہلے ان کا وجود نہ تھا پھر یہ چیزیں وجود میں آئیں اور جو چیز وجود، عدم دونوں کو قبول کرے اس کو واجب الوجود بالذات نہیں کہا جاسکتا۔

ارشاد خداوندی ہے۔

ام خلقوا من غیر شئ ام هم الخالقون کیا یہ کسی کے پیدا کئے بغیر ہی پیدا ہو گئے ہیں (الطورہ ۳) یا یہ خود اپنے (تیں) پیدا کرنے والے ہیں۔

اللہ پاک فرماتے ہیں کیا یہ سب موجودات بلا کسی محدث کے از خود وجود میں آگئے یا انہوں نے اپنے آپ کو وجود عطا کیا اس بات کا کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ جو چیز خود محدث ہے وہ اپنے آپ کو کیسے وجود میں لاسکتی ہے پس جس کا اپنے لحاظ سے وجود نہیں ہے وہ اپنے آپ کو بنفسہ نہیں کہا جاسکتا۔ بلکہ اگر کوئی سبب اس کو وجود میں لے آئے تو وہ وجود میں آجاتا ہے وگرنہ وہ معدوم رہتا ہے اور ہر وہ چیز جس کا وجود عدم کا بدلہ ہے یا جس کا عدم وجود کا بدلہ ہے اس کا نہ تو بالذات وجود ہے اور نہ ہی اس کو عدم لازم ہے۔

وجود باری پر متکلیں کے دلائل اور اسلوب قرآن متکلیں، فلاسفہ وجود باری پر عقلی دلائل پیش کرتے ہیں جب ہم ان پر غور کرتے ہیں تو ہمیں ان کی انادیت سے انکار نہیں ہوتا البتہ اتنی بات ہم ضرور کہتے ہیں کہ ان کی جانب سے بیان کردہ نظری دلائل اور عقلی مقدمات بعض جلی ہیں اور بعض میں خفا ہے بلکہ بعض اوقات کبھی ایک دلیل ایک شخص سے مخفی ہوتی ہے جب کہ دوسروں کے نزدیک اس کے جلی ہونے میں کچھ شک نہیں ہوتا۔

مزید برآں کبھی ایک حالت میں ایک ہی چیز واضح اور دوسری حالت میں وہی چیز خفی و دکھائی دیتی ہے اسی طرح بعض اوقات عقل مقدمات خفی سمجھتے ہیں لیکن بعض لوگ ان کو تسلیم کرتے ہیں اور ان سے واضح عقل مقدمات کو نہیں مانتے ہیں بالکل اسی طرح کبھی لوگ بحث و نظر کے بعد حاصل ہونے والے معلومات سے خوش ہوتے ہیں جب کہ امور ظاہرہ پر انہیں اتنی خوشی نہیں ہوتی پس جب ہم متکلمین اور فلاسفہ کے بیان کردہ عقلی دلائل اور قرآن پاک کے بیان کردہ دلائل کا موازنہ کرتے ہیں تو ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ قرآن پاک کا بیان نہایت فصیح مختصر اور واضح ہے اور جس قدر تحقیق وہاں ہے متکلمین کے دلائل میں نہیں ہے بلکہ کہنا پڑتا ہے۔ اگر علمی تشکیک دور ہوتی ہے تو وہ صرف قرآن پاک کے دلائل سے ہوتی ہے ارشاد خداوندی ہے۔

ولایا تو قد جہل الاجناس بلحق اور یہ لوگ تمہارے پاس جو (اعتراض کی)
والحسن تفسیراً (الفرقان ۳۲) بات لاتے ہیں ہم تمہارے پاس اس کا معقول
اور خوب شرح۔ جواب بھیجتے ہیں۔

پس اگرچہ خدا کے وجود کا ثبوت ضروری اور فطری ہے کسی دلیل کی احتیاج نہیں تاہم بعض لوگوں کو کچھ شبہات پیش آجاتے ہیں جن کے ازار کے لئے دلائل پیش کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

کیا قدیم اللہ کا نام ہے؟ متکلمین نے اسماء الہیہ میں لفظ قدیم کا اضافہ کیا ہے حالانکہ اللہ کے اسماء حسنی میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ اس لئے کہ لغت عرب (جس میں قرآن پاک نازل ہوا) میں بھی قدیم کا اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جو اپنے غیر سے پہلے ہو اس کا اطلاق ایسی ذات پر نہیں جس پر کبھی عدم طاری نہیں ہوا۔
ارشاد خداوندی ملاحظہ فرمائیں۔

حتیٰ عاد کالعرجون القدیم بیان تک کہ گھٹتے گھٹتے کچھور کی پرانی شاخ
(یونس ۲۹) کی طرح ہو جاتا ہے۔

پرانی شاخ کو اس وقت پرانی شاخ کہا جائے گا جب نئی شاخ نکل کٹے اور اس کے نکلنے کے وقت اس کا وجود ہو تو نئی شاخ کو جدید اور پرانی کو قدیم کہا جائے گا ارشاد خداوندی ہے
واذ لم یہتدوا بہ فسیقولون ہذا اور جب وہ اس سے ہدایت یاب نہ ہوئے

افذ قدیم (الاحقاقات ۱۱) تو اب کبیں گے کہ یہ پرانا جھوٹ ہے۔

یعنی پرانے زمانے کا جھوٹ ہے نیز ارشاد خداوندی ہے۔

اندر یتیم ماکنتم تعبدون انتم (ابراہیم نے) کہا کیا تم نے دیکھا جن کو تم پوجتے

دایاؤ کھرا لاقدامون الشعواء رہے ہو تم بھی اور تمہارے اگلے باپ دادا

(الشعواء ۷۵-۷۶) بھی۔

اس آیت میں اقدم مبالغہ کا صیغہ ہے چنانچہ فقر کی کتابوں میں عام طور پر ذکر آتا ہے کہ یہ قول امام شافعی کا قدیم ہے اور یہ جدید ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

یقدم قومہ یوم القیۃ فادردہم وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے

النار (ہود ۹۸) چلے گا اور ان کو درد زخیر آتا رہے گا۔

خیال رہے کہ (قدیم) لازم استعمال ہوتا ہے کہا جاتا ہے

اخذت ما قدم وما حدث۔ یعنی میں نے قدیم، جدید دونوں کو حاصل

کیا۔

اور متعدی بھی استعمال ہوتا ہے کہا جاتا (ہذا اقدم هذا) اور یقدم (یہ اس سے پہلے تھا) اسی سے قد کو قدم کہتے ہیں اس لئے کہ وہ انسان کے دوسرے بدن سے آگے ہوتا ہے۔

لیکن قدیم کا اطلاق اللہ پاک کی ذات پر کرنا درست نہیں اکثر سلف صالحین اس کا انکار کرتے ہیں۔ علامہ ابن حزم بھی ان میں داخل ہیں ہاں اکثر متکلمین کے ہاں اس کا اطلاق اللہ پر ہوتا ہے اس لئے کہ تمام کائنات کے لحاظ سے اللہ کا وجود قدیم ہے لیکن اسماء الہیہ میں خاص طور پر مدح و توصیف کو ملحوظ رکھا گیا ہے جب کہ اس قدیم میں مدح کی صورت نہیں ہے اور پھر قدیم کے تقدم کا یہ مطلب مہرگز نہیں کہ اس کو تمام حوادث پر تقدم حاصل ہے لہذا اس نام کو اسماء حسنی میں داخل نہیں کیا جاسکتا شریعت میں اس کی جگہ پر اللہ کا نام اول ہے اور اول بہر حال قدیم سے زیادہ بہتر اور عمدہ ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اس کا مابعد اس کی طرف لوٹنے والا اور اس کا تابع ہے لیکن قدیم میں یہ معنی موجود نہیں ہے اور پھر اللہ کے ناموں میں حسن مبالغہ کی مذک ہے اس کا بھی یہی تقاضا ہے کہ اللہ کا نام اول

ہو قدیم نہ ہو۔

ط :- وہ ذات نہ فنا ہوگی اور نہ اس پر ہلاکت طاری ہوگی۔
 ش :- اس میں اللہ پاک کے ہمیشہ باقی رہنے کا اقرار ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے۔
 کل من علیہا فان و یبقی وجہ (ہو) مخلوق زمین پر ہے سب کو فنا ہوتا
 ریلے ذوالجلال والاکرام ہے اور تمہارے پروردگار ہی کی ذات رہا
 (الرحمن ۲۱-۲۲) برکت) جو صاحبِ جلال و عظمت ہے
 باقی رہے گی۔

فنا ہو جانا اور ہلاک ہو جانا دونوں مترادف المعنی ہیں اور دونوں کو اکٹھا ذکر کرنے سے تاکید
 مفصود ہے اور قبل ازین جو وصف بیان ہوئی ہے کہ اللہ کی ذات دائم ہے اس کی انتہائیں
 اس کی تاثیر میں یہ وصف ذکر کی گئی ہے۔
 ط :- اور وہی کچھ ہوتا ہے جس کا وہ ارادہ کرتا ہے۔

ش :- اس میں قدریہ اور معتزلہ کا رویہ جب وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے تو تمام لوگوں
 سے ارادہ کیا تھا کہ وہ ایمان لائیں لیکن اللہ کے ارادہ کے خلاف کفار نے کفر کا ارادہ کیا ان
 کا یہ قول کتاب و سنت اور عقل صحیح کے خلاف ہے دراصل یہ تقدیر کا مشہور مسئلہ ہے
 آئندہ اوراق میں اس کی مزید وضاحت آئے گی۔

قدریہ کی وجہ تسمیہ ان کا نام قدریہ اس لئے ہے کہ یہ لوگ تقدیر کا انکار کرتے ہیں اسی
 طرح جبریہ جو تقدیر کے ساتھ جستہ پکڑتے ہیں ان کو بھی قدریہ کہا جاتا ہے لیکن قدریہ
 کا اطلاق پہلے فریق پر اکثر ہوتا ہے۔

اہل سنت کا تقدیر کے بارے میں موقف اہل سنت اگرچہ اس بات کے قائل
 ہیں کہ تقدیر میں تو یہ بات مثبت ہے کہ اللہ معاصی کا ارادہ کرتا ہے لیکن نہ تو وہ معاصی کو
 اچھا جانتا ہے نہ معاصی کو پسند کرتا ہے اور نہ ہی ان کا حکم دیتا ہے بلکہ ان کو مکروہ جانتا ہے
 ان کا ارتکاب کرنے والوں سے ناراض ہوتا ہے ان کو برا جانتا ہے اور ان سے روکتا ہے۔
 چنانچہ تمام اسلاف اس نظریہ پر متفق ہیں وہ برملا اعلان کرتے ہیں اللہ پاک جو چاہتا

ہے وہی کچھ ہوتا ہے اور جو کچھ وہ نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ فقہا اس بات پر متفق ہیں کہ قسم کھانے والا اگر کہتا ہے اللہ کی قسم اگر اللہ نے چاہا تو میں فلاں کام کروں گا تو اگر اس نے وہ کام نہ کیا تو حادثہ ہوگا اگر یہ وہ کام واجب یا مستحب ہی کیونہ ہو اور اگر اس نے کہا اللہ کی قسم میں یہ کام کروں گا اگر اللہ نے اس کو پسند کیا تو اگر وہ فعل واجب یا مستحب ہے تو حادثہ ہو جائے گا۔

ارادہ کی قسمیں محققین اہل سنت کہتے ہیں کتاب اللہ میں ارادہ کی قسمیں ہیں قسم اول ارادہ قدریہ تکوینیہ خلقیہ قسم ثانی ارادہ دینیہ تکلیفیہ شرعیہ چنانچہ ارادہ شرعیہ اس کی محبت اور رضا کو متضمن ہے اور ارادہ کوئیہ اس مشیت کا نام ہے جو موجودات کو شامل ہے جیسا کہ اللہ پاک فرماتے ہیں۔

فمن یرد اللہ ان یردہ یشرع مدادہ
السلام ومن یردان یضرب یجعل مدۃ
ضبطا حرجا کاذا یصح فی الامور
(الانعام ۱۲۶)

تو جس شخص کو خدا چاہتا ہے کہ ہدایت بخشنے
اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور
جسے چاہتا ہے کہ گمراہ کرے اس کا سینہ تنگ
اور گھٹا ہو کر دیتا ہے گمراہ وہ آسمان پر چڑھ
رہا ہے۔

نیز فرماتے ہیں حضرت نوحؑ نے کہا :-

ولا ینفعکم نفسی ان اردت ان انسح
لکون کان اللہ یرید ان ینغییکم
(ہود ۳۳)

اور اگر میں یہ چاہوں کہ تمہاری خیر خواہی کروں
اور خدا یہ چاہے کہ تمہیں گمراہ کرے تو میری
خیر خواہی تم کو کچھ فائدہ نہ دے گی۔

نیز فرمایا :-

ولکن اللہ ینفعل ما یرید۔

لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

(البقرہ ۲۵۳)

لیکن ارادہ شرعیہ تکلیفیہ ہے جیسا کہ اللہ پاک فرماتے ہیں۔

یرید اللہ بکوالیسر ولایبلیکم العسر
لیکن میں نہیں رکھنا چاہتا ہے تمہیں
تنگی میں نہیں رکھنا چاہتا۔

(البقرہ ۱۸۵)

نیز فرماتے ہیں :-

یرید اللہ لیبین دکر ویهدیکم
خدا چاہتا ہے کہ (اپنی ایتیں) تم سے کھول

کھول کر بیان فرمائے اور تم کو اگلے لوگوں کے طریقے
بتائے اور تم پر مہربانی کرے اور خدا جاننے والا
(اور حکمت والا ہے۔

سنن الذین من قبلکم دیتوب
علیکم واللہ علیم حکیم
(النساء ۲۶)

نیز فرمایا:-

اور اللہ تو چاہتا ہے کہ تم پر مہربانی کرے
اور جو لوگ اپنی خواہشوں کے پیچھے چلتے
ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم سیدھے رستے سے
بھٹک کر دور جا پڑو خدا چاہتا ہے کہ تم پر
سے بوجھ ہلکا کرے اور انسان (طبعاً) کمزور
پیدا ہوا ہے۔

واللہ یرید ان یتوب علیکم ویرید
الذین یتبعون اللہ ہوات ان تمیدوا میلہ
عظیما یرید اللہ ان یخفف عنکم و
خلق الانسان ضعیفاً (النساء ۲۷-۲۸)

نیز فرمایا:-

خدا تم پر کسی طرح کی تنگی نہیں کرتا چاہتا بلکہ یہ
چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور اپنی نعمتیں
تم پر پوری کرے۔

ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج
ولکن یرید لیطہرکم ولیتم نعمتہ
علیکم (المائدہ ۶۵)

نیز فرمایا:-

اے (پیغمبر کے) اہل بیت خدا چاہتا ہے
کہ تم سے ناپاکی (کا میل کھیل) دور کر دے
اور تمہیں بالکل صاف کر دے۔

راغما یرید اللہ لیبذہب عنکم ارجس
اہل البیت ذی طہرکم تطہیرا
(الاحزاب ۳)

ان آیات میں جس ارادہ کا ذکر کیا گیا ہے یہ وہ ارادہ ہے جو کہ ان لوگوں کے بارے
میں کہا جاتا ہے جو قیام کام کرتے ہیں کہ یہ ایسے کام کر رہے ہیں جن کا اللہ ارادہ نہیں کرتا یعنی
اللہ اس کو پسند کرتا ہے اور نہ اس کا حکم دیتا ہے۔
اور ارادہ کو نئیہ وہ ارادہ ہے جس کا ذکر مسلمانوں کے اس قول میں ہے کہ جو کچھ اللہ
چاہتا ہے ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔

دونوں ارادوں میں فرق اس صورت میں کہ کسی کام کا ارادہ کرنے والا خود ہی

کے کرتے کا ارادہ کرے اور اس صورت میں کہ وہ اپنے غیر سے کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرے بہت فرق ہے جب وہ خود کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو یہ ارادہ اس کے فعل کے ساتھ متعلق ہے اور جب وہ اپنے غیر سے کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس ارادہ کا تعلق غیر کے فعل کے ساتھ ہے دونوں صورتوں سے لوگ آشنا ہیں لیکن دوسری صورت میں ارادہ ثانیہ ضروری ہے جب کہ پہلی صورت میں ارادہ ثانیہ کی ضرورت نہیں ہے۔

پس اللہ پاک جب بندوں کو کسی کام کا حکم دیتا ہے تو اللہ پاک کبھی مامور انسان کی اعانت کرتا ہے اور کبھی ارادہ نہیں کرتا اگرچہ اس کام کے کرنے کا ارادہ ضرور کرتا ہے اس تحقیق سے اللہ کے امر میں جو نزاع پایا جاتا ہے وہ ختم ہو جاتا ہے۔

کیا اللہ کا امر اس کے ارادہ کو مستلزم ہے؟ اس امر میں نزاع یہ ہے کہ کیا اللہ کا امر اس کے ارادہ کو مستلزم ہے دیکھئے اللہ پاک نے اپنے پیغمبروں کی زبان پر غلوک کو ان باتوں کا حکم دیا ہے جو ان کے لئے مفید ہیں اور ان باتوں سے روک دیا جو ان کے لئے ضرر رساں ہیں البتہ لوگوں میں کچھ ایسے ہیں جنہوں نے ان کے کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ پاک نے بھی ان میں ان کاموں کے فعل کو پیدا فرمایا اور انسان کو فاعل بنا دیا اور بعض انسانوں میں ان کے فعل کو پیدا نہ کیا پس بندوں کے افعال کا خلق اللہ کی جانب سے ہے افعال کے خلق اور ان کے حکم دینے یا نہ دینے میں نمایاں فرق ہے ظاہر ہے کہ اس کام کا حکم دیا ہے جس میں بندوں کی مصلحت ہے اور اس کام سے روک دیا ہے جس میں بندوں کا نقصان ہے مثلاً اللہ پاک نے جب فرعون اور ابولہب وغیرہ کفار کو ایمان لانے کا حکم دیا تو ان کے سامنے مصالح کو کھول کر بیان کیا اور فوائد سے روشناس کرایا لیکن اللہ کے حکم دینے کو یہ بات مستلزم نہیں کہ اللہ پاک ان کی اطاعت بھی فرمائے بلکہ کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ اللہ پاک ان میں فعل کا خلق تو کرتا ہے لیکن چونکہ اس فعل میں مفید ہوتا ہے اس لئے اللہ پاک اعانت نہیں فرماتا پس خلق اور امر میں واضح فرق ہے جس طرح اللہ پاک حکم تو دیتا ہے لیکن بعض اوقات اعانت نہیں فرماتا اسی طرح انسانوں میں بھی یہی صورت پائی جاتی ہے ہم دیکھتے ہیں ایک آدمی اپنے غیر کو مصلحتاً کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم دیتا ہے اس کا مقصد اس کی خیر خواہی ہوتا ہے لیکن باوجود اس بات کے کہ وہ اس کی اعانت نہیں کرتا پس ضروری نہیں کہ جب کوئی شخص مصلحتاً اپنے غیر کو کسی کام کے کرنے کا حکم دیتا ہے وہ

مصلحتاً اس کی اعانت بھی کرے بلکہ کبھی مصلحت اس کے مخالف ہوتی ہے لہذا امر اور فعل میں بھی فرق واضح ہو گیا۔

قدریہ کا استدلال قدریہ کہتے ہیں کہ جب ایک شخص دوسرے کو کوئی حکم دیتا ہے تو اس صورت میں کہ جس امر کا حکم دیا گیا ہے وہ مامور بہ کو مرغوب ہے اس کے کرنے سے اسے راحت ہوتی ہے اور وہ خوشی محسوس کرتا ہے بلکہ بعض اوقات حکم دینے والے کا استقبال کرتا ہے اور اس کی آسائش وغیرہ کا اہتمام کرتا ہے۔

جواب ایک شخص کا دوسرے کو حکم دینا دو قسم پر ہے قسم اول میں کام کے کرنے کی مصلحت کا تعلق حکم دینے والے کے ساتھ ہے جیسے بادشاہ جب اپنے لشکر کو ایسے احکامات دیتا ہے جس میں اس کی بادشاہت کو تقویت حاصل ہوتی ہے اسی طرح آقا اپنے غلام کو ایسے کاموں کا حکم دیتا ہے جن کے سرانجام پانے سے آقا کو مفاد حاصل ہوتا ہے بالکل اسی طرح ایک کاروبار میں دو شریک انسانوں کا حال ہے کہ جب ایک انسان دوسرے کو حکم دیتا ہے تو اس میں حکم دینے والے انسان کی مصلحت کا رفرما ہوتی ہے۔

قسم ثانی میں حکم دینے والا مامور انسان کی اعانت چاہتا ہے اس میں مامور کی مصلحت کا خیال رکھا جاتا ہے جیسے امر بالمعروف کا مسئلہ واضح ہے کہ اس میں مامور کی مصلحت کا خیال دامن گیر ہوتا ہے کہ اس سے کوئی نیک کام بن آئے ظاہر ہے کہ جب وہ اسے ایک نیک کام پر ابھارتا ہے تو ابھارنے والے کا مقصد یہ ہوتا کہ اس سے اس کو بھی ثواب حاصل ہو گا اور اس کے ذہن میں یہ تصور جاگزیں ہوتا ہے کہ اللہ اس بندے کی مدد کرتا ہے جب وہ اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے۔

پس اگر تسلیم کر لیا جائے کہ حکم دینے والے نے مامور کو اس کی مصلحت کے لئے حکم دیا ہے اور حکم دینے والے کا اس میں ذاتی فائدہ کچھ نہیں جیسے وہ مشیر جو حیر خواہ ہے وہ جب مشورہ دیتا ہے تو بعض اوقات مشورہ دینے والے کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے جیسے وہ شخص جو شہر کے کنارے سے دوڑتا ہوا آیا اور موسیٰ علیہ السلام سے یوں گویا ہوا:-

ارشاد خدا وندی ہے۔

ان الملایا قسودن بک یقتلوه (شہر کے رئیس تمہارے بارے میں صلا میں
 فاخرج انی لا من الناصحین کرتے ہیں کہ تم کو مار ڈالیں سو تم بیان سے نکل جاؤ
 (القصاص) میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔

اس آیت میں آنے والے انسان کا مقصود حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فائدہ پہنچانا مقصود
 ہے کہ وہ شہر چھوڑ کر چلا جائے اس کی اعانت کرنے سے قاصر ہے ظاہر ہے اگر وہ اعانت کرتا ہے
 تو اسے قوم کی جانب سے تکالیف کا سامنا کرنا پڑے گا اس قسم کی بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں
 پس جب ہم کہتے ہیں کہ اللہ پاک بندوں کو اصلاح کاموں کا حکم دیتا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ
 ان کو جن کاموں کا حکم دیتا ہے ان پر ان کی مدد بھی کرتا ہے خاص طور پر قدریہ کے ہاں ہرگز یہ بات قابل تسلیم
 نہیں کہ اللہ کسی کی اعانت کرتا ہے تاکہ کہیں یہ لازم نہ آجائے کہ اللہ فاعل ہے۔

پس جب اللہ پاک صلح کا حکم دیتا ہے تو ثابت ہو کہ اس کے افعال معلل بال حکمت ہیں اور نفس
 الامریہ حکم وغیرہ موجود ہیں اگرچہ کبھی وہ ہماری نظروں سے اوجھل رہیں اور جب حکم دینے والا حکم
 کا خیال رکھتا ہے تو اس کو مستلزم نہیں کہ مامور بہ فعل کی اعانت میں بھی حکمت کو دخل ہے بلکہ بعض
 اوقات مصلحت کا تقاضا ہوتا ہے کہ اس کی اعانت نہ کی جائے۔

پس جب مخلوق میں حکمت و مصلحت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ امور کی مصلحت دیکھ کر حکم نہ
 لیکن اسی مصلحت کا تقاضا یہ بھی ہوتا ہے کہ اس کام میں اس کی اعانت نہ کرے تو اللہ پاک کے حق میں
 بھی مصلحت کا تقاضا تسلیم کیا جائے گا کہ اس کا حکم مصلحت کے ساتھ وابستہ ہے لیکن اعانت میں
 بعض اوقات مصلحت نہیں ہوتی۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب ایک انسان دوسرے کو کسی کام کا حکم دیتا ہے لیکن اس کی اعانت نہیں کرتا
 تو اسی طرح خالق بھی اعانت نہیں کرتا۔

پس اللہ پاک جس شخص کو حکم دیتا ہے پھر اس کی اعانت بھی کرتا ہے تو اس صورت میں فعل
 کے ساتھ اللہ کا تعلق بلحاظ خلق اور امر کے ہے لیکن اگر اس کی اعانت نہیں کرتا تو اس صورت میں
 بلحاظ امر کے تو تعلق ہے بلحاظ خلق کے نہیں ہے اس لئے کہ البسی حکمت موجود نہیں ہے جو خلق کے
 تعلق کی متقاضی ہو بلکہ ایسی حکمت موجود ہے جو اس کی ضد کے خلق کی متقاضی ہے اور ایک ضد کا خلق
 دوسری ضد کے خلق کے منافی ہے اس کو ایک مثال سے سمجھیں۔

مثالے جب انسان بیمار ہوتا ہے تو اس سے تواضع، انکساری پیدا ہوتی ہے۔ بیمار انسان

توبہ کرتا ہے مگر گڑا تا ہے خدا سے دعا میں مانگتا ہے اس سے اس کے گناہ دور ہوتے ہیں اس کا دل صیقل ہوتا ہے کبر و نخوت کا خاتمہ ہوتا ہے اور کسی پر زیادتی کرنے کا داعیہ سر دھڑکتا ہے نوبہاری کے یہ فوائد ہیں لیکن صحت میں یہ فوائد حاصل نہیں ہوتے۔

اسی طرح عالم کے ظلم سے مظلوم کی طبیعت میں رقت طاری ہوتی ہے بالکل جس طرح رضا میں رقت پیدا ہوتی ہے پس اس ظلم سے جو فوائد حاصل ہو رہے ہیں وہ عدل سے حاصل نہیں ہوتے اگرچہ مصالح عدل کا تقاضا کرتے ہیں۔

اللہ کے خلق اور امر میں جو حکمتیں کارفرما ہیں ان کی تفصیل سے معرفت حاصل کرنا ممکن نہیں انسانی عقل عجز کا اعتراف کرتی ہے لیکن فرقہ قدریہ علتوں کے بیان میں فاسد طریقہ اختیار کئے ہوئے ہیں وہ اللہ کو مخلوق کے ساتھ مشابہ قرار دیتے ہیں اور اللہ کی حکمتوں کو ثابت نہیں کرتے ہیں۔ (ط) نہ تو وہاں وہم کی رسائی ہے اور نہ ہی انسانی فہم اس کا ادراک کر سکتا ہے۔ (شرح) ارشاد خداوندی ہے :-

وَلَا يَحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا (ظہ: ۱۱۰) اور وہ اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے۔
 صحاح میں وہم کا معنی ظن اور فہم کا معنی علم کیا گیا ہے مقصود یہ ہے کہ اللہ کی ذات تک وہم کی رسائی نہیں اور نہ ہی علم اس کا احاطہ کر سکتا ہے بعض کہتے ہیں وہم کا معنی ظن ہے کہ وہ فلان صفت کا مالک ہے اور فہم کا حصول عقل سے ہوتا ہے اور وہ اس کا احاطہ کرتی ہے اور اللہ سبحانہ کی کیفیت کے بارے میں کسی کو کچھ علم نہیں وہ خود ہی اس کا علم رکھتا ہے ہاں ہم اللہ سبحانہ کو اس کی صفات کے ساتھ پہچانتے ہیں وہ ایک ہے بے نیاز ہے نہ اس نے جنا اور نہ وہ جنا گیا ہے اور کوئی بھی اس کی برابر ہی کرنے والا نہیں ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَّهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ (البقرہ ۲۵۵)
 خدا وہ معبود برحق ہے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں زندہ ہمیشہ رہنے والا
 لے نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔

نیز ارشاد خداوندی ہے :-

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقَدُّوْسُ
 السلام المؤمن المہین العزیز الجبار المتکبر
 وہی خدا ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں بادشاہ (حقیقی) پاک ذات (ہر عیب سے)

سبحان اللہ عما یشرکون ہو
 اللہ الخالق البارئ المصور له
 الاسماء الحسنى یسبح له ما
 فی السموات والارض وهو
 العزیز الحکیم
 (الحشر ۲۳-۲۴)

سلامتی امن دینے والا نگبان غالب زبردست
 برصائی والا خدا ان لوگوں کے نزدیک مقرر کرنے
 سے پاک ہے وہی خدا تمام مخلوقات کا خالق ایجاد
 و اختراع کرنے والا صورتیں بنانے والا ہے اس
 کے سب اچھے سے اچھے نام ہیں جتنی چیزیں آسمانوں
 اور زمین میں ہیں سب اس کی تسبیح بیان کرتی ہیں
 اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

(ط) مخلوق اس کے مشابہ نہیں ہے۔

اس میں مشبہہ کا رد ہے جو خالق کو مخلوق کے مشابہ قرار دیتے ہیں حالانکہ ارشاد خداوندی ہے
 لیس کثرتہ شئی وهو السميع البصیر
 اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہی سننے والا
 دیکھنے والا ہے۔ (الشوریٰ ۱۱)

لیکن عدم مماثلت کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اہل بدعت کی طرح اللہ سبحانہ سے اس کی صفات کی
 کبھی نفی کی جائے۔

امام ابو حنیفہ کا قول چنانچہ امام ابو حنیفہؒ الفقیہ الاکبرؒ میں لکھتے ہیں کہ اللہ اپنی مخلوق میں کسی کے
 ساتھ مشابہت نہیں رکھتا اور نہ ہی مخلوق اس کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے اور اللہ سبحانہ کی تمام
 صفات مخلوق کی صفات کے منافی ہیں اس کا علم ہمارے علم کے مشابہ نہیں اس کی قدرت ہماری
 قدرت جیسی نہیں اور نہ ہی اس کی رؤیت ہماری رؤیت کی طرح ہے۔

نعیم بن حماد کا قول جو شخص اللہ پاک کو مخلوق کے مشابہ قرار دیتا ہے وہ کافر ہے اور جو شخص
 اللہ پاک کی ان صفات کا انکار کرتا ہے جن کا اثبات خود اللہ پاک نے کیا ہے وہ بھی کافر ہے اور
 اللہ پاک کے جن اوصاف کا ذکر خود اس نے کیا یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا وہ مخلوق کی
 صفات کے ساتھ مشابہ نہیں ہیں۔

اسحاق بن راہویہ کا قول جو شخص اللہ کے اوصاف کو کسی مخلوق کے اوصاف کے مشابہ

قرار دیتا ہے وہ اللہ عظیم کے ساتھ کفر کرتا ہے نیز اس میں جہم بن صفوان اور اس کے رفقاء کے علامات پائے جاتے ہیں لیکن وہ نہایت دیدہ دلیری کے ساتھ اہل سنت پر الزام تراشی کرتے ہیں اور انہیں مشبہ بلکہ معطلہ کا لقب دیتے ہیں۔

امام اسحاق بن راہویہ کے علاوہ بھی کثیر ائمہ کرام سے یہ قول منقول ہے کہ جہمیہ کی علامت یہ ہے کہ وہ اہل سنت والجماعت کو مشبہ قرار دیتے ہیں اس لئے کہ جو لوگ اللہ پاک کے اسماء اور صفات کا انکار کرتے ہیں وہ ان لوگوں کو مشبہ کہتے ہیں جو اللہ پاک کے اسماء اور صفات کا اثبات کرتے ہیں۔ خیال رہے کہ قرامطہ، فلاسفہ دیگر زندیقی فرقے جو کلیئہ اللہ کے اسماء کا انکار کرتے ہیں اور ہٹ دھرمی کے ساتھ اس بات کے مدعی ہیں کہ اللہ پاک کو عالم، قادر کہنا درست نہیں اس لئے کہ اللہ پاک کو ان اسماء کے ساتھ پکارنے والا شبح کی جماعت سے تعلق رکھتا ہے ظاہر ہے کہ اشتراک فی الاسم، اشتباہ فی المعنی کو مستلزم ہے اور جو شخص اللہ پاک کے لئے ان اسماء کو مجازاً ثبات کرتا ہے جیسا کہ غالی قسم کے جہمیہ کا خیال ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ پاک کو حقیقتاً عالم، قادر قرار دینا تشبیہ کے دروازہ کو کھولنا ہے پس جہمیہ صفات خداوندی کا انکار کرتے ہیں وہ نہ تو اللہ کے علم و قدرت کو تسلیم کرتے ہیں اور نہ ہی کلام، محبت، ارادہ کو مانتے ہیں ان صفات کے ماننے والوں کو مشبہ اور مجسمہ کہتے ہیں جیسا کہ جہمیہ، معتزلہ، رافضیہ، مگر وہ فرقوں کی کتابوں کے مطالعہ سے یہ حقیقت الم نشرح ہو رہی ہے چنانچہ وہ بلا بھجک کہتے ہیں کہ فرقہ مجسمہ سے ہی مالکیہ ہیں جو اپنی نسبت امام مالک کا جانب کرتے ہیں اور شوافع جو اپنی نسبت امام محمد بن ادریس شافعی کی جانب کرتے ہیں بلکہ ان میں جو قرآن پاک کے مفسر ہیں جیسے زمخشری، عبدالمبار و غیرہ وہ بھی اپنی تفاسیر میں صفات ثابت کرنے والوں کو مشبہ کا لقب دیتے ہیں متاخرین میں یہ اصطلاح کثرت کے ساتھ منداول ہے۔

اہل سنت علماء کی تصریحات اہل سنت علماء کے نظریات مشہور ہیں وہ اگرچہ تشبیہ کا تو انکار کرتے ہیں لیکن صفات کا انکار نہیں کرتے ان کے ہاں اللہ پاک اسماء صفات، افعال میں کسی مخلوق کے ساتھ مشابہ نہیں جیسا کہ سابقہ اوراق میں امام ابو حنیفہ کا قول گزر چکا ہے کہ اللہ کا علم اس کی قدرت اور رویت ہمارے علم، قدرت اور رویت جیسی نہیں ہے اور فرمان خداوندی (ایس کئذہ شئی دھو السمع البصیر

کا یہی معنی ہے اس آیت میں مثلیت کی نفی ہے اور صفات کا اثبات ہے۔

آئندہ اوراق میں خود شیخ کے کلام میں مزید وضاحت ذکر کی جائے گی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تشبیہ کی نفی صفات کی نفی کو مستلزم نہیں۔

مقدمات کی ترتیب مزید وضاحت کے لئے ہم چند مقدمات کی ترتیب پیش کرتے ہیں اولاً علم الہی کے اثبات میں قیاس تمثیلی سے استدلال جائز نہیں جس میں اصل، فرع مساوی ہوتے ہیں ثانیاً قیاس شمولی کے ساتھ بھی استدلال ممکن نہیں اس لئے کہ اس کے افراد مساوی ہوتے ہیں حالانکہ اللہ کا کوئی مثیل نہیں اس کو کسی کے برابر نہیں کہا جاسکتا ثالثاً اللہ پاک اور اس کے غیر کو کسی کلیہ کے تحت داخل نہیں مانا جاسکتا ہے جس کے افراد مساوی ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جب فلاسفہ اور متکلمین نے مطالب الہیہ کے اثبات میں اس قسم کے قیاسات کو پیش کیا تو وہ یقین و اذعان کی منزل پر رسائی حاصل نہ کر سکے بلکہ ہم دیکھتے ہیں ان کے دلائل میں تناقض رونما ہو گیا اور بالآخر حیرت اور اضطراب نے ان کے حواس کو ناکارہ بنا دیا اور ان کے دلائل کا ضعف واضح ہو گیا کہ کسی دلیل کو فی الحقیقت دلیل کہنا درست نہ رہا البتہ قیاس اولیٰ کا استعمال صحیح ہے خواہ اس کی بظاہر صورت تمثیلی ہو یا شمولی ہر ارشاد خداوندی ملاحظہ فرمائیں (وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (العن ۶۰) ہم کہتے ہیں کہ ہر کمال جو ممکن، محدث کے لئے ہو سکتا ہے کہ اس میں کسی قسم کا کوئی نقص، عیب نہ ہو اور پھر اس کے وجود کو کسی وقت بھی عدم مستلزم نہ ہو تو اللہ پاک واجب قدیم اس کا حقدار ہے اور ہر وہ کمال جو کسی مخلوق میں پایا جاتا ہے کہ اس میں کسی قسم کا نقص نہیں ہے اس کو اس مخلوق نے اپنے خالق، رب، مدبر سے حاصل کیا ہے اور وہی اس کا زیادہ حقدار ہے اور ہر نقص اور عیب جو کمال کے سلب کو متضمن ہے جب اس کی نفی مخلوقات، ممکنات، محذورات سے ضروری ہے تو اللہ پاک سے اس کی نفی بطریق اولیٰ ضروری ہوگی۔

مزید تعجب خیز بات یہ ہے کہ وہ لوگ جو صفات خداوندی کی نفی میں غلو کی حد تک پہنچے ہوئے ہیں وہ مذکورہ آیت و اللہ المثل الاعلیٰ سے صفات اور اسماء کی نفی کرتے ہیں چنانچہ ان کا کہنا ہے کہ اللہ پاک واجب الوجود ہے اس میں فلاں فلاں وصف نہیں ہے اس کے باوجود وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اصل فلسفہ یہ ہے کہ حسب استطاعت خدا کو تشبیہ کے ساتھ ثابت کیا جائے اور یہی شائی کمالات کی انتہا ہے کہ وہ اخلاق میں خدا کے ساتھ مشابہت رکھتا ہو چنانچہ وہ لوگ اس کے اثبات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی حدیث پیش کرتے ہیں (تَخْلُقُوا بِاخْلَاقِ

اللہ یعنی تم اپنے آپ کو اللہ کے اخلاق کے ساتھ منصف کرو) ہم ان سے دریافت کرتے ہیں کہ جب آپ اللہ کی صفات کی نفی کرتے ہیں تو پھر آپ کے خیال میں وہ کون سے اوصاف ہیں جن کے ساتھ کوئی انسان موصوف ہوگا۔

ہمارا مسلک بالکل واضح ہے کہ اللہ کی صفات کا تو اقرار کرتے ہیں لیکن اللہ پاک نہ تو کسی مخلوق کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے اور نہ ہی کوئی مخلوق اللہ کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے عیسائی، ملولہ، اتحادیہ، انجم اللہ ہماری رائے کے ساتھ متفق نہیں ہیں۔

تن میں شیخ نے صرون ایک پہلو کا ذکر کیا ہے کہ لوگ اس کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتے اس لئے کہ جب لوگوں کی مشابہت کی نفی ہو گئی تو یہ نفی اس بات کو مستلزم ہے کہ اللہ پاک بھی کسی مخلوق کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتا۔

شیخ نے تن میں لفظ انام کا استعمال کیا ہے جس کا معنی ہم نے (الناس) یعنی لوگ کیا ہے اگرچہ بعض لوگوں نے اس کا معنی ذی روح بعض نے جن وانس کیا ہے لیکن ارشاد خداوندی ہے: (والارض وضعها للانام) (الرحمن ۱۰) سے پہلا معنی ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس میں بھی انام کا معنی لوگ ہیں۔

(ط) وہ زندہ ہے اس پر موت طاری نہیں ہوگی وہ قیوم ہے اس کو نیند نہیں آتی۔
(ش) ارشاد خداوندی ہے

اللہ لا الہ الا هو الہی القیوم لا تاخذا
سنۃ ولا نوم (البقرۃ ۲۵۵)
اللہ (معبود حقیقی ہے) کوئی معبود نہیں سوائے
اس کے وہ زندہ قائم ہے نہ اس کو اونگھ آتی

ہے اور نہ نیند۔

پس اونگھ نیند کی نفی اس کی کمال حیات اور اس کی قیومیت پر دل ہے ارشاد خداوندی ہے

الہ الا الہ الا هو الہی القیوم نزل
الم اللہ (معبود حقیقی ہے) اس کے سوا کوئی معبود

علیہ الکتاب بالحق (آل عمران ۳۰)
نہیں وہ زندہ قائم ہے اس نے حق کے ساتھ

تجدد پر کتاب نازل کی

نیز فرمایا:-

لہ کتب حدیث میں اس کا اصل موجد نہیں ہے بلکہ سلوٹی کی جامع الکیبر میں بھی یہ حدیث نہیں ہے۔

وَعَنْتَ الْوَجْوهَ لِلْحَى الْقَيُومِ
(ظہ ۱۱۱) اور اس زندہ قائم کے ردِ بردِ منہ نیچے ہو جائیں گے۔

نیز فرمایا۔
وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَى الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ
(الفرقان ۵۸) اور اس (خدا نے) زندہ پر بھروسہ رکھو جو (کبھی) نہیں مرے گا اور اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہو۔

نیز فرمایا۔
هُوَ الْحَى لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ (غافر ۶۵) وہ (معبود) زندہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔
إِنَّ اللَّهَ لَا يَنَامُ وَلَا يَتَبَغَّى لَهُ أَنْ يَنَامَ
بے شک اللہ پر نیند طاری نہیں ہوتی اور اس کے لئے نیند کرنا لائق بھی نہیں ہے۔

فاضل مصنف نے جب تشبیہ کی نفی کی تو ان صفات کا اشارۃً ذکر فرمایا جن کی وجہ سے مخلوق اور خالق کے درمیان نمایاں فرق نظر آتا ہے اس لئے کہ وہ صفات صرف خدا تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں مثلاً یہ صفت کہ اللہ زندہ ہے اس پر موت طاری نہیں ہوتی لیکن مخلوق پر موت طاری ہوتی ہے۔ اور یہ صفت کہ اللہ قیوم ہے وہ نیند اونگھ سے منزہ ہے لیکن اس کی مخلوق اس صفت کے ساتھ موصوف نہیں ہے لیکن مقصود اللہ اور مخلوق کے درمیان تشبیہ کی نفی کرنا ہے صفات کی نفی کرنا نہیں ہے ظاہر ہے کہ مخلوق بھی حیات کی صفت کے ساتھ موصوف ہے اگرچہ ان کی یہ صفت زائل ہونے والی ہے لیکن اللہ کی یہ صفت زائل ہونے والی نہیں ہے اسی لئے دنیا کی زندگی کمناع لود و لعب قرار دیا گیا ہے اور آخرت کی زندگی کو اصل زندگی کہا گیا ہے گویا کہ دنیا کی زندگی زائل ہونے کے لحاظ سے نیند کی مانند ہے اور آخرت کی زندگی بیداری کی مثل ہے۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ آخرت کی زندگی کاہل اکمل ہے اس لئے کہ ہم کہتے ہیں کہ آخرت کی زندگی جو کہ کامل اور دائمی ہے اللہ پاک نے ہی مخلوق کو یہ دائمی زندگی عطا کی ہے

لے مسلم، ابن ماجہ۔

جس طرح اللہ کی حیات کو بالذات دوام حاصل ہے مخلوق کو بالذات دوام نہیں ہے بالکل اسی طرح دیگر صفات کا حال ہے پس اللہ پاک کی صفات اس کے ساتھ ہیں جس طرح کہ وہ اس کے ساتھ لائق ہیں اور مخلوق کی صفات اس کے ساتھ ہیں جس طرح کہ وہ اس کے ساتھ لائق ہیں۔

الحی القيوم کی تشریح اللہ پاک کے یہ دونوں نام قرآن پاک میں تین سورتوں میں ذکر ہوئے

ہیں اور یہ دونوں اللہ پاک کے اسم اعظم ہیں اور اکمل اصدق صفات ہیں اور قیوم ازلیت ابدیت پر لفظ قدیم سے زیادہ دلالت کرتا ہے نیز یہ لفظ اللہ پاک کو واجب الوجود ثابت کرتا ہے اور قیام سے ابلیغ ہے اس لئے کہ نسبت الف کے واو میں قوت زیادہ ہوتی ہے تمام مفسرین اور اہل لغت متفق ہیں کہ اس کا مفہوم قائم بالذات ہے اور بجاہت یہی معنی معلوم ہو رہا ہے۔ لیکن کیا وہ اپنے غیر کو قائم کرتا ہے اور اس کا قیام اس کے ساتھ ہے اس میں دو قول ہیں صحیح قول یہی ہے کہ وہ اسی کا فائدہ بخشتا ہے یعنی اس میں قیام کا دوام اور کمال موجود ہے صیغہ مبالغہ کا بھی یہی تقاضا ہے پس اللہ سبحانہ نہ زائل ہوگا نہ غائب ہوگا نہ اس میں نقص پیدا ہونے کا امکان ہے نہ اس پر

فاخاری ہوگا اور نہ ہی وہ معدوم ہوگا بلکہ وہ ذات دائم ہے باقی ہے ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گی کمال کے تمام اوصاف کے ساتھ موصوف رہے گی اور قیوم کے ساتھ لفظ حی کا اقزان تمام صفات کا ملکہ مستلزم ہے اور اللہ کی ذات کے دوام اور بقا پر دل ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس سے نقص اور عدم منتفی ہے یہی وجہ ہے کہ (اللہ لا الہ الاہو الحی القيوم) قرآن پاک میں اعظم ایت ہے جیسا کہ صحیح روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے اور ان دونوں پر تمام اسماء حسنی کا دارومدار ہے اور تمام اسماء کے معانی کا مرجع یہ دونوں ہیں ظاہر ہے کہ صفت حیات تمام صفات کمال کو مستلزم ہے اگر کوئی صفت مختلف ہوتی ہے تو اس کا مواضع مطلب یہ ہے کہ حیات میں ضعف ہے لیکن اگر اللہ کی حیات کی صفات اکمل اور اتم ہیں تو حیات کا اثبات کمال کے خباثت کو مستلزم ہے۔

اور صفت قیومیت اس کے کمال استغناء اور کمال قدرت کو مستلزم ہے وہ بذاتہ قائم ہے وہ کسی لحاظ سے بھی اپنے غیر کا محتاج نہیں ہے بلکہ اپنے غیر کو قیام عطا کرنے والا ہے بلکہ غیر کے قیام کا اسکے قیام پر انحصار ثابت ہو اگر یہ دونوں اسم صفات کمال پر مکمل طور پر مشتمل ہیں۔

(ط) وہ خالق ہے لیکن خلق کی اسے ضرورت نہیں وہ رازق ہے لیکن وہ مشقت سے عاری ہے۔

(ش) ارشادِ خداوندی ہے:-

وما خلقت الجن والانس الا ليعبدن
ما اريد منهم من رزق وما اريد
ان يطعمون ان الله هو الرزاق
ذوالقوة المتين
(الذاریات ۵۶-۵۸)

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے
پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں میں ان سے
طالب رزق نہیں اور میں یہ چاہتا ہوں کہ
مجھے (کھانا) کھلائیں خدا ہی تو رزق دینے والا
زور آور اور مضبوط ہے۔

نیز ارشاد خداوندی ہے۔

يا ايها الناس انتم الفقراء الى الله والله
هو الغني المحيى (فاطر ۱۰)
نیز فرمایا۔

اے لوگو! تم محتاج ہوا اللہ ہی وہ ذات
ہے جو بے پرواہ اور تعریف دالی ہے۔

والله الغنى وانتم الفقراء (محمد ۳۸)
نیز فرمایا۔

اور اللہ بے پرواہ اور تم محتاج ہو۔

قل اغني الله اتخذ وليا فاطر السموات
والارض وهو يطعم ولا يطعم
(الانعام ۱۴)

کہو کیا میں خدا کو چھوڑ کر کسی اور کو مددگار بناؤں
کہو ہاں تو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے
اور وہی (سب کو) کھانا دیتا ہے اور خود کسی سے
کھانا نہیں لیتا۔

حضرت ابوذر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

يا عبادي لئن اولئك واخلوكم وانكم
وجنكم كانوا على اتقى قلب رجل
واحد منكم ما زادني ملكي شيئا
يا عبادي لئن اولئك واخلوكم
وانكم واخلوكم كانوا على اتقى
قلب رجل واحد منكم ما نقص
ذائلك في ملكي شيئا يا عبادي لئن
اولئك واخلوكم وانكم واخلوكم
قاموا في معيدين واحد فساؤوني

اے میرے بندو! اگر تمہارے پہلے اور بعد
والے تمہارے انسان اور جن تم میں سے زیادہ
تقویٰ انسان کے دل والے ہو جائیں تو وہ میری
بادشاہت میں کچھ اضافہ نہیں کریں گے اے میرے
بندو! اگر تمہارے پہلے اور بعد والے اگر تمہارے
انسان اور جن تم میں سے زیادہ بد معاش انسان
کے دل والے ہو جائیں تو اس سے میری بادشاہت
میں کمی نہیں ہوگی اے میرے بندو! اگر تمہارے
پہلے اور بعد والے اگر تمہارے انسان اور جن

فَاعْطِيتَ كُلَّ الْإِنْسَانِ مَسْئَلَتَهُ
 مَا نَقَصَ ذَلِكَ مَعَانِدِي
 أَلَا كَمَا يَنْقُصُ الْخَيْطُ إِذَا دَخَلَ
 الْمَجْرَاهُ الْحَدِيثَ مَسْلُوعًا وَقَوْلَهُ بَلَدًا
 مَوْثِقَةً بَلَدًا ثَقُلَ وَلَا كَلْفَةً
 کسی چٹیل زمین میں اکٹھے ہو جائیں اور مجھ سے
 سوال کریں اور میں ہر شخص کے سوال کو پورا
 کروں تو اس سے میری بادشاہت میں صوف
 اتنی ہی کمی واقع ہوگی جس قدر کہ سوئی کو جب
 سمندر میں داخل کیا جائے پھر نکال لیا جائے سمندر
 کے پانی میں کمی آتی ہے (مسلم)

بلا مؤنۃ کا معنی بلا مشقت ہے۔

(ط) وہ مارنے والا ہے اسے کسی کا ڈر نہیں ہے وہ اٹھانے والا ہے اس میں اسے کچھ مشقت نہیں
 (ش) موت و جدوی صفت ہے فلاسفہ اس کے مخالف میں ارشاد خداوندی ہے۔

الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ
 أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا (مائدہ ۲)
 اسی نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ آزمائش کرے
 کہ تم میں کون اچھے کام کرتا ہے۔

جب اس آیت میں موت پر خلق وارد ہے تو معلوم ہوا کہ موت و جدوی صفت ہے اگر عدمی ہوتی
 تو اس پر خلق وارد نہ ہوتا۔

حدیث میں ہے کہ موت کو قیامت کے دن میٹھے کی شکل میں لایا جائے گا جنت اور
 دوزخ کے درمیان اس کو ذبح کر دیا جائے گا (بخاری، مسلم)
 موت اگرچہ عرض ہے لیکن اللہ پاک اس کو مین کی شکل میں تبدیل فرمائیں گے جیسا کہ
 نیک عمل کے بارے میں لیا ہے کہ نیک عمل خوبصورت نوجوان کی شکل میں آئے گا اور برا عمل
 برصورت انسان کی شکل میں لائے گا اسی طرح قرآن پاک کے بارے میں مذکور ہے کہ وہ بھی
 خوبصورت نوجوان کی شکل میں آئے گا۔

(دوامی)

غیر اعمال کے بارے میں وارد ہے کہ ان کو ترازو میں رکھا جائے گا حالانکہ اعراض کا
 وزن نہیں ہو سکتا۔

معلوم ہوا کہ انہیں اعیان میں تبدیل کر دیا جائے گا اور سورتہ بقرہ اور آل عمران
 کے بارے میں وارد ہے کہ قیامت کے دن وہ دونوں سورتیں دو بادلوں یا دو سایوں یا
 پر پھیلانے والے پرندوں کی دو جماعتوں کی مانند ہوں گی اور جو شخص ان کو پڑھا کرتا تھا

ان پر سایہ کریں گی (مسلم)
نیز صحیح حدیث میں ہے کہ بندوں کے اعمال آسمان کی جانب بلند ہوتے ہیں
(بخاری)

مزید بحث البعث والنشور کے باب میں ذکر ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ
(ط) مخلوق پیدا کرنے سے پہلے وہ ہمیشہ قدیم صفات کے ساتھ رہا مخلوق پیدا
کرنے سے اس کی صفات میں کچھ اضافہ نہیں ہوا جو پہلے نہ تھا اور جس طرح اس کی
صفات ازلی ہیں اسی طرح وہ ابدی رہیں گی۔

(شرح) بے شک اللہ پاک اور بلند ہمیشہ کمال کی صفات کے ساتھ موصوف رہا عام ہے کہ وہ صفات
ذاتی ہیں یا فعلی اور ہرگز یہ کہنا جائز نہیں کہ اللہ کسی ایسی صفت کے ساتھ موصوف ہوا جو اس میں پہلے نہ
تھی اس لئے کہ اللہ پاک کی صفات کامل ہیں اور ان کا فقدان نقص کو مستلزم ہے بھلا اللہ پاک کے بارے
میں یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ پہلے وہ کمال کے ساتھ موصوف نہ تھا اسے بعد میں کمال حاصل ہوا اس طرح
صفات فعلی اور اختیاری وغیرہ مثلاً پیدا کرنا، شکل بنانا، مارنا، زندہ کرنا، بند کرنا، فراخ کرنا، اپینا،
مستوی ہونا، آنا، اترنا، ناراض ہونا، راضی ہونا وغیرہ صفات جن کے ساتھ خود اللہ نے اپنے آپ کو موصوف
فرمایا ہے اور جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ پاک کو موصوف فرمایا ہے اگرچہ ہم ان
کی کہ اور حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتے اور نہ ہی ہم اپنی رائے سے ان کی تاویل کر سکتے ہیں اور نہ ہی اپنی
خواہشات کے ساتھ ہم ان کی کوئی بھی صورت پیش کر سکتے ہیں اگرچہ صفات کا اصل معنی ہمیں معلوم
ہے جیسا کہ امام مالکؒ سے (تجو استولی علی العرش الاعزۃ) وغیرہ آیات صفات کے بارے
میں سوال ہوا کہ اس کے مستوی ہونے کی کیفیت کیا ہے۔

امام مالک کا قول امام مالک نے فرمایا:

الاستواء معلوم والکیف مجهول ۱۰
اللہ کا مستوی ہونا معلوم ہے اور کیفیت مجهول ہے

۱۰ صاحب کتاب نے امام مالک کا مکمل جواب ذکر نہیں کیا بقیہ الفاظ یہ ہیں: الإیمان به واجب والموال
عنه مباح (۱) اس پر ایمان ضروری ہے اور سوال کرنا بدعت ہے

اگرچہ بعض صفات ایسی ہیں جن کا لفظ کبھی ظہور ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا جیسا کہ شفاعت والی حدیث میں ہے: میرا رب آج اس قدر غصہ میں ہے کہ اس سے پہلے اس طرح غصہ میں نہ تھا اور نہ پھر کبھی اس طرح غصہ میں ہوگا (بخاری، مسلم)

ظہور کے لحاظ سے کسی صفت کا حدوث ممکن نہیں ہے اس لئے کہ یہاں بھی ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ صفت پہلے نہ تھی اب اس کا حدوث ہوا ہے۔

مثال ایک شخص آج کلام کر رہا ہے اس سے قبل وہ کل بھی کلام سے موصوف ہوا تھا تو ہم یہ نہیں کہیں گے کہ اس کا کلام کرنا حادث ہے جب کہ وہ کسی رکاوٹ کی وجہ سے بھی کلام نہیں کرتا ہے مثلاً بچپن یا جب کوئی گونگا ہے تو اس میں کلام کرنے کی قوت موجود ہے وہ جب چاہے کلام کر سکتا ہے اسی طرح بلا کسی رکاوٹ کے کلام نہ کرنے والا بھی متکلم بالقوۃ ہے اور جب وہ کلام کرے گا تو وہ متکلم بالفعل ہوگا بالکل اسی طرح وہ کاتب جو بالفعل کتابت کر رہا ہے وہ کتابت نہ کرنے کی صورت میں کاتب ہونے کے دائرہ سے خارج نہیں۔

کیا اللہ تعالیٰ محل حوادث ہے؟ اللہ پاک کی ذات میں نہ تو حوادث کا حلول ہوتا ہے اور نہ ہی کسی جدید وصف کے ساتھ وہ موصوف ہوتا ہے جو وصف پہلے نہ تھا لیکن اس سے صفات اختیاری کا سلب درست نہیں مثلاً یہ کہ وہ جو چاہتا ہے نہیں کر سکتا ہے اور وہ جب چاہتا ہے جو بات کرنا چاہتا ہے نہیں کر سکتا ہے اور جس طرح مخلوق میں ناراضگی اور رمانندی کے اوصاف پائے جاتے ہیں اس میں نہیں پائے جاتے اور جس طرح اس نے اپنے آپ کو اترنے، مستوی ہونے اور اُترنے کے ساتھ اپنی شان اور عظمت کے مطابق موصوف کیا ہے ہم اس کو موصوف نہیں کر سکتے ہیں تو یہ نفی درست نہیں ہے۔

متکلمین مطلقاً حوادث کے حلول کی نفی کرتے ہیں لیکن اہل سنت اللہ پاک سے ان چیزوں کی نفی تو کرتے ہیں جو اللہ کے جلال کے مناسب نہیں لیکن صفات اختیاری اور فعلی کی نفی نہیں کرتے

کیا صفات اللہ کا غیر ہیں یا نہیں ائمہ اہل سنت اللہ کی صفات کے بارے میں یہ رائے رکھتے ہیں کہ نہ تو وہ اللہ کا غیر ہیں اور نہ ہی لاغیر ہیں ان کا مطلقاً نفی کرنا عینیت کو ثابت

کرتا ہے اور مطلقاً ثابت کرنا تابین کو ثابت کرتا ہے اور صفات اللہ کا غیر ہیں اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ وہ اللہ کا عین نہیں ہیں دوسرے معنی یہ ہے کہ انکاذات سے جدا ہونا جائز ہے۔

اس اجمال کی وضاحت یوں ہے کہ اگر اللہ کی ذات سے مراد ایسی ذات مجرور ہے جو قائم بالذات ہے اور ان صفات سے الگ ہے جو ذات سے زائد ہیں تو یہ صحیح نہیں ہے اور اگر صفات زائدہ سے مراد یہ ہے کہ جو معنی ذات سے سمجھا جاتا ہے وہ صفات سے نہیں سمجھا جاتا تو یہ صحیح ہے لیکن نفع میں کوئی ایسی ذات نہیں ہے جو صفات سے مجرور ہو بلکہ وہ ذات جو کمال کی صفات کے ساتھ موصوف ہے وہ صفات اس کے ساتھ ثابت ہیں اس سے منفصل نہیں ہوتے البتہ ذہن ذات اور صفات میں سے ہر ایک کو الگ الگ فرض کر لیا ہے لیکن خارج میں کوئی ذات صفت کے بغیر نہیں ایسا ہونا محال ہے اسی طرح صرف صفت کا وجود بھی موصوف کے بغیر محال ہے اگرچہ ذہن ہر ایک کا الگ الگ تصور کرتا ہے لیکن خارج میں کوئی دوسرے سے الگ نہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ صفت نہ موصوف کا عین ہوتی ہیں نہ ہی غیر ہوتی ہیں یہ قول درست ہے اس لئے کہ صفت ذات موصوف کا عین نہیں جس کو ذہن مجرور ثابت کرتا ہے بلکہ موصوف کا غیر ہے اور غیر بھی نہیں بلکہ موصوف اور صفات مل کر دونوں ایک ذات ہوتی ہیں جن میں تعدد نہیں ہوتا مثلاً جب آپ کہتے ہیں میں اللہ کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں تو آپ نے ایک ذات قدس مطلق کی جو صفات کمال کیساتھ موصوف ہے وہ ایسی مقدس صفات ہیں جو کسی بھی صورت میں انفصال قبول نہیں کرتی ہیں۔

لیکن جب آپ اعوذ بجزۃ اللہ کہتے ہیں تو اللہ کی صفات میں سے ایک صفت کے ساتھ پناہ حاصل کرتے ہیں اور یہی معنی لفظ ذات سے بھی سمجھا جاتا ہے اس لئے کہ ذات بھی مفاد ہو کر استعمال ہوتی ہے مثلاً ذات وجود، ذات قدرت، ذات عز، ذات علم، ذات کرم ان سب میں ذات کا معنی صاحب کا ہے یعنی وہ ذات جو وجود والی ہے قدرت والی ہے وغیرہ۔

معلوم ہوا کہ ذات سے صفات کا انفصال کسی صورت میں ممکن نہیں ہاں ذہن میں صفات سے منفصل کسی ذات کا فرض کرنا ممکن ہے جیسا کہ محالات کو فرض کر لیا جاتا ہے۔

ارشاد نبوی ملاحظہ فرمائیں:-

اعوذ بجزۃ اللہ وقدرتہ من شر ما

اجدا واحاذر

میں اللہ کی عزت اور اس کی قدرت کے ساتھ

ان چیزوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جو مردوبہ

ہیں اور جن سے میں ڈر محسوس کرتا ہوں۔

نیز آپ نے فرمایا:-

اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق (مسلمو۔ ابوداؤد)
 میں اللہ کے کامل کلمات کے ساتھ ان چیزوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جن کو اس نے پیدا فرمایا
 آپ کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ آپ اللہ کے غیر کے ساتھ پناہ مانگیں۔
 نیز آپ دعا فرماتے:-

اللہم انی اعوذ برفاۃ من مخطئو معافاۃ من عقوبتہ واعوذ بک منک (مسلمو)
 اے اللہ میں تیری رفا کے ساتھ تیری ناراضگی سے اور تیرے معاف کرنے کے ساتھ تیری سزا سے اور تیرے ساتھ تجھ سے پناہ طلب کرتا ہوں۔
 نیز آپ دعا فرماتے:-

ونعوذ بعظمتک ان نقتال من تحتنا (ابوداؤد، احمد)
 ہم تیری عظمت کے ساتھ اس سے پناہ ڈھونڈتے ہیں کہ ہم اپنے نیچے سے ہلاک کئے جائیں۔
 نیز آپ دعا فرماتے ہیں:-

اعوذ بنور وجہک الذی اشرفک لہ الظلمات لہ (ابن اسحاق)
 میں تیری ذات نور کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں جس سے تمام اندھیرے (جھٹکے) منور ہو گئے۔

کیا اسم مسمی کا عین ہے یا غیر کبھی اسم سے مراد مسمی ہوتا ہے اور کبھی وہ لفظ ہوتا ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے مثلاً جب آپ کہتے ہیں اللہ نے فرمایا:- یا اللہ نے حمد کرنے والے کی حمد کو سنا تو اس سے مراد ذات مسمی ہے اور جب آپ کہتے ہیں اللہ عربی اسم ہے الرحمان عربی اسم ہے الرحیم اللہ کے اسماء میں سے ہے اس میں اسم سے مراد لفظ اللہ ہے مسمی نہیں ہے لیکن اس کا غیر بھی نہیں ہاں اگر مغایرت سے مراد یہ ہے کہ لفظ معنی میں مغایرت ہے تو درست ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ اللہ پاک تھا اس کا کوئی نام نہ تھا پھر اس نے اپنے اسماء کا خلق کیا یا مخلوق نے اللہ کے وہ نام رکھے اس لئے کہ اللہ نے ان کو بنایا تو یہ بہت بڑی گراہی اور الجاد ہے وہ راہ صواب سے ہٹک چکے ہیں۔

معتزلہ، جہمیہ، شیعہ کا رد شیخ رحمہ اللہ نے متن میں صفات خداوندی کے بارے میں ضعیف ہے۔

میں وضاحت فرما کر معتزلہ، جہمیہ اور شیعہ کا رد کرنا چاہا ہے ان کا خیال ہے کہ اللہ پہلے تو فعل اور کلام پر قادر نہ تھا اس کے بعد قادر ہوا پہلے تو اس سے فعل اور کلام متنع تھا پھر ممکن ہوا علی بن کلاب اور اشعری اور ان کے ہم خیال لوگ بھی یہی کہتے ہیں کہ پہلے فعل متنع تھا پھر ممکن ہوا البتہ کلام، مشیت اور قدرت کے تحت مندرج نہیں وہ تو اس کی ذات کیساتھ لازم ہے اور ایک ہی چیز

جہمیہ کا قول وہ کہتے ہیں حوادث کا دوام متنع ہے تو پھر ضروری ہوا کہ حوادث کا آغاز ہو اس لئے کہ حوادث میں یہ بات متنع ہے کہ اس کی ابتداء ہو اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ سے غافل متکمل ہونا متنع ہوا بلکہ اس پر قادر ہونا بھی متنع ہوا اس لئے کہ متنع پر قدرت ہونا بھی متنع ہے ان کی یہ سب باتیں فاسد ہیں اس لئے کہ ان سے تو عالم کے حدوث کا امتناع لازم آتا ہے حالانکہ عالم حادث ہے اور حادث جب عدم کے بعد معرض وجود میں آتا ہے تو وہ ممکن ہوتا ہے اور امکان کے لئے کوئی وقت متعین نہیں کیا جاسکتا جو وقت بھی متعین کیا جائے گا امکان اس میں ثابت ہوگا۔ اس کے لئے کوئی مبداء قرار نہیں دیا جاسکتا تو ثابت ہوا کہ اس کا فعل بھی عدم امکان میں ہے اور اللہ اس پر ہمیشہ سے قادر ہے اس سے ایسے حوادث کا جواز اور امکان ثابت ہوا جن کے مبداء کی انتہا نہیں۔

جہمیہ کا اعتراض جہمیہ اور ان کے ہم خیال فرقہ کہتے ہیں ہم نہیں مانتے کہ حوادث کے امکان کا مبداء ہی نہیں ہے ہاں ہم یہ ضرور کہتے ہیں کہ حوادث کا امکان اس شرط کے ساتھ کہ وہ مسبوق بالعدم ہیں انکا مبداء نہیں ہے اس لئے کہ ہمارے نزدیک حوادث کا قدیمۃ النوع ہونا متنع ہے بلکہ انواع کا حدوث واجب ہے اور ان کا قدم متنع ہے لیکن کسی متعین وقت میں حدوث نہیں پس حوادث کا امکان اس شرط کے ساتھ کہ حوادث مسبوق بالعدم ہوں ان کا مبداء نہیں ہے ہاں جنس حوادث اس کے خلاف ہیں۔

جواب جوابات تم کہتے ہو ہم اسے تسلیم کر لیتے ہیں لیکن تم یہ بتاؤ کیا تمہارے نزدیک جنس حوادث کے امکان کے لئے مبداء ہے اس لئے کہ تمہارے نزدیک پہلے جنس کا حدوث ممکن نہ تھا پھر ممکن ہوا اور اس امکان کے لئے کچھ معین وقت نہیں ہے بلکہ جو وقت بھی فرض کیا جائے گا اس سے

پہلے امکان ثابت ہوگا تو اس سے امکان کا دوام لازم آتا ہے وگرنہ لازم آئے گا جنس امتناع سے امکان کی جانب پلٹ جائے اور یہ بات معلوم ہے کہ جنس حدوث یا جنس حوادث کسی چیز کے حدوث کے بغیر یا جنس فعل یا جنس احوال وغیرہ کی حقیقت میں تبدیلی امتناع سے امکان کی جانب ہے یعنی وہ بلا سبب تجدد ممتنع ہونے کے بعد ممکن اور جائز بننے والا ہے یہ بات مراحت عقل کے ساتھ ممتنع ہے اس لئے کہ یہ تو جنس کا انقلاب امتناع ذاتی سے امکان ذاتی کی طرف ہو رہا ہے اس لئے کہ جنس حوادث کی ذات ان کے ہاں ممتنع ہونے کے بعد ممکن ہو جاتی ہے اور یہ تبدیلی کسی خاص وقت کے ساتھ مختص نہیں ہے اس لئے کہ جو وقت بھی تسلیم کیا جائے گا اس سے پہلے امکان ثابت ہوگا اس سے لازم آیا کہ تبدیلی ہمیشہ ممکن ہے اس سے یہ بھی لازم آیا کہ ممتنع ہمیشہ ممکن ہے ہمارا یہ انداز امتناع کے بارے میں اس انداز سے زیادہ مؤثر ہے کہ حادث ہمیشہ ممکن ہوتا ہے اس لئے کہ انہوں نے جس طرف فرار اختیار کیا اس سے انہیں جو چیز لازم آئی وہ زیادہ بیغ ہے نسبت اس کے کہ جس سے انہوں نے فرار اختیار کیا اس پر ان کو لازم آئی ظاہر ہے کہ حادث کا ممکن ہونا معقول ہے اور امکان کا دوام بھی معقول ہے البتہ ممتنع کا ممکن ہونا یہ فی نفسہ ممتنع ہے تو کس طرح یہ جملہ کہا جاتا ہے کہ امتناع کا ہمیشہ امکان رہا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ نوع حوادث کا دوام مستقبل اور ماضی میں ممکن ہے یا نہیں یا صرف مستقبل میں ممکن ہے یا صرف ماضی میں ممکن ہے اس میں تین اقوال ہیں۔

اضعف قول اس شخص کا ہے جو کہتا ہے حوادث کا دوام ماضی، مستقبل میں ممکن نہیں یہ

قول جہم بن صفوان اور ابو الہذیل علاؤ کا ہے۔

دوسرا قول اس شخص کا ہے جو کہتا ہے مستقبل میں تو دوام ممکن ہے لیکن ماضی میں ممکن نہیں

یہی قول اکثر متکلمین اور ان کے ہم مشرب فقہاء وغیرہ کا ہے۔

تیسرا قول ان لوگوں کا ہے جو کہتے ہیں حوادث کا دوام ماضی، مستقبل دونوں میں ممکن ہے

یہی بات ائمہ حدیث بھی کہتے ہیں البتہ کسی نے یہ نہیں کہا کہ حوادث کا دوام ماضی میں ممکن ہے مستقبل میں ممکن نہیں ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ تمام مکتب فکر کے لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ جو چیز اللہ کے سوا

ہے وہ مخلوق ہے وہ پہلے نہ تھی بعد میں وجود میں آئی یہی قول تمام پیغمبروں اور ان کے پیروکار

مسلمانوں پر دلیوں جیسا یوں کا ہے۔

اس بات کے بد یہی ہونے میں کچھ شک نہیں کہ کسی مفعول کا فاعل کے ساتھ زمانہ ماضی اور مستقبل میں ہمیشہ کے لئے مقارن ہونا محال ہے اور جب مستقبل میں حوادث کا تسلسل اس سے مانع نہیں کہ اللہ سبحانہ آخر ہو جس کے بعد کوئی چیز نہ ہو اسی طرح ماضی میں حوادث کا تسلسل اس سے مانع نہیں ہے کہ اللہ سبحانہ اول ہو جس سے پہلے کوئی چیز نہیں اس لئے کہ اللہ سبحانہ ہمیشہ سے رہا ہے اور ہمیشہ تک رہے گا۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جب چاہتا ہے کلام کرتا ہے۔
ارشاد خداوندی ہے۔

قال كذا الله يفعل ما يشاء
اس نے کہا اس طرح اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے
(ال عمران ۴۰)

نیز فرمایا
ولكن الله يفعل ما يريد (البقرة ۲۵۳)
لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

نیز فرمایا
ذو العرش المجید فعال لما يريد
عرش کا مالک بڑی شان والا ہے جو چاہتا ہے
کر دیتا ہے۔ (البروج ۱۶۵)

نیز فرمایا
ولوان ما فی الارض من شجرة الا قد امد
اور اگر یوں ہو کہ زمین میں جتنے درخت ہیں (سب
کے سب) قلم ہوں اور سمندر (کا تمام پانی) سیاہی
ہو اور اس کے بعد سات سمندر اور رسیا ہی
ہو جائیں) تو خدا کی باتیں (یعنی اس کی صفیں) ختم نہ ہوں
البحر مدید من بعد سبعه ابحر ما نفذت
کلمات اللہ
(لقمان ۲۷)

نیز فرمایا
قل لو كان البحر مدادا لكلمات ربي لنفد
البحر قبل ان تنفد كلمات ربي ولو جئنا مثله
مدادا
(الکریم ۱۰۹)
کہہ دو کہ اگر سمندر میرے پروردگار کی باتوں
کے (لکھنے کے) لئے سیاہی ہوں تو قبل اس کے
کہ میرے پروردگار کی باتیں تمام ہوں سمندر ختم
ہو جائے اگرچہ ہم ویسا ہی اور اس کی مدد کو
لائیں۔

تسلسل اور اس کی اقسام یہ لفظ مجمل ہے کتاب و سنت میں نہ اس کی نفی ہے اور نہ اس کا اثبات ہے کہ اس کے لفظ کا خیال رکھنا ضروری ہو اس کی تین قسمیں ہیں واجب، متمنع، ممکن مؤثرین میں تسلسل محال متمنع بالذات ہے مؤثرین میں تسلسل کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنے پہلے سے اثر لیا ہے اور یہ لائی سنا یہ ہو۔

تسلسل واجب پر عقل اور شرع دونوں دلالت کرتی ہیں مثلاً اللہ کی نعمتیں اہل جنت کے لئے ہمیشہ ہیں جب بھی اہل جنت کی نعمتیں اختتام پذیر ہوں گی قرآن کے لئے متبادل نعمتیں پیدا کر دی جائیں گی جو ختم نہ ہوں گی اسی طرح اللہ کے افعال میں تسلسل ازلی ابدی ہے یعنی اللہ کا ہر فعل دوسرے کے بعد ہے یہی تسلسل اللہ کے کلام میں بھی ہے وہ ہمیشہ سے متکلم رہا ہے جب چاہتا ہے کلام کرتا ہے لیکن اس کی صفت کلام کے لئے حدوث نہیں ہے اسی طرح اللہ سبحانہ کے افعال جو اس کی صفت حی کو لازم ہیں اس لئے کہ ہر حی کی صفت والا فعل ہوتا ہے ظاہر ہے کہ حی اور میت میں فرق صرف فعل کا ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر سلف صالحین اہل الفضائل کہتے ہیں عثمان بن سعید نے کہا کل حی فعال یعنی حی وہ ہے جو کام کرنے والا ہے۔

پس ہمارا رب کسی وقت میں بھی کمال کی صفت سے خالی نہیں ہے اسی طرح نہ وہ کلام ارادہ فعل کے وصف سے خالی ہے۔

تسلسل ممکن اس کے مفعولات کے لحاظ سے ہے ازلیت وابدیت دونوں طرفوں کا خیال رکھا جاتا ہے اس لئے کہ جب اللہ سبحانہ ہمیشہ سے ہی قادر مدبر متکلم ہے تو ان صفات کے لحاظ سے اللہ سبحانہ کے لئے افعال ممکن ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے افعال اکمل ہوں لیکن ان صفات سے یہ لازم نہیں آتا کہ پیدا کرنا ہمیشہ اس کے ساتھ رہا ہے ظاہر ہے کہ اللہ سبحانہ تو تمام مخلوق پر مقدم ہیں جس کا اول ہی نہیں ہے جب کہ ہر مخلوق کا اول ہے وہ کیلا خالق ہے اور اس کے ماسوی تمام مخلوق ہے عدم کے بعد انہیں وجود ملا پس اس قول کے علاوہ باقی تمام اقوال باطل ہیں صریح عقل بھی ان کا رد کرتی ہے ہر وہ شخص جو اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فعل پر ہمیشہ قادر ہے اس کو دو باتوں میں سے ایک بات لازم آئے گی یا اس کو اس بات کا قائل ہونا ہوگا کہ فعل ہمیشہ ممکن ہے یا اس بات کا کہ وہ ہمیشہ سے وقوع پذیر ہے ورنہ ظاہر اتنا قاض لازم آئے گا جب اس کا خیال ہے کہ اللہ ہمیشہ فعل پر قادر ہے اور فعل محال متمنع لذاتہ کا اگر وہ ارادہ کرے تو اس کا وجود ممکن نہیں بلکہ اس کے نزدیک تو اس کے ارادہ کو

فرض کرنا محال ہے جب کہ وہ اس پر قادر ہے اس قول کا بعض دوسرے بعض کا مخالف ہے۔

مقصود یہ ہے کہ جس چیز پر شریعت اور عقل دلالت کر رہی ہے کہ اللہ کے ماسوئ ہر چیز محدث ہے پہلے اس پر عدم طاری تھا اب وجود میں آگیا لیکن اللہ کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ ہمیشہ فعل سے معطل رہا پھر اس نے فعل کیا شرع اور عقل میں اس کا اثبات نہیں ہے بلکہ دونوں اس کا رد کرتے ہیں۔

تسلسل فی الماضی پر ابو المعالی اور دیگر اہل فکر نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہلے کہ اگر آپ کہیں میں تجھے ایک درہم نہیں دوں گا مگر اس کے بعد تجھے ایک درہم دوں گا یہ تو ممکن ہے اور اگر آپ کہیں کہ میں تجھے ایک درہم نہیں دوں گا یہاں تک کہ تجھے اس سے پہلے ایک درہم دوں گا تو یہ ناممکن ہے۔

مذکورہ تمثیل اور موازنہ صحیح نہیں ہے صحیح موازنہ یہ ہے کہ آپ کہیں میں نے تجھے ایک درہم نہیں دیا مگر اس سے پہلے ایک درہم دیا ہے اس میں ماضی سے پہلے ایک اور ماضی کا ذکر کیا ہے جیسا کہ تو نے پہلے مستقبل کے بعد مستقبل کا ذکر کیا ہے لیکن قائل کا یہ قول کہ میں تجھے نہیں دوں گا یہاں تک کہ اس سے پہلے تجھے دوں اس میں مستقبل کی نفی ہے اس کا حصول مستقبل میں ہوگا تو اس مستقبل سے پہلے مستقبل کی نفی کر دی ہے یہ متنع ہے البتہ ماضی کی نفی کہ اس سے پہلے ماضی ہو یہ ممکن ہے وہ عطاء جو زمانہ مستقبل میں ہے اس کا آغاز بھی مستقبل میں ہے اور وہ عطا جس کی ابتدا اور انتہا ہے اس سے قبل وہ چیز نہیں ہے جس کی انتہا نہیں ہے اس لئے کہ غیر متناہی کا متناہی میں ہونا متنع ہے۔ (ط) کائنات کی تخلیق کے بعد اللہ کا خالق ہونا ثابت نہیں ہوا اور نہ ہی کائنات کو معرض وجود میں لانے کے بعد اس کا باری ہونا ثابت ہوا (بلکہ وہ پہلے سے ہی خالق اور باری ہے)۔

(ش) شیخ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ہاں زمانہ ماضی میں حوادث کا تسلسل ممنوع ہے لیکن مستقبل میں ممنوع نہیں ہے چنانچہ شیخ کا قول (جنت، دوزخ مخلوق ہیں نہ ان پر فنا طاری ہوگا اور نہ ہی وہ کبھی اقسام پذیر ہوں گی) بھی اس پر دلالت کر رہا ہے جمہور محدثین کا یہی مذہب ہے جیسا کہ اس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ جو لوگ حوادث کے تسلسل کو ماضی، مستقبل دونوں میں ممنوع قرار دیتے ہیں ان کا قول فاسد ہے جیسا کہ ہم بن صفوان اور اس کے ہم خیال لوگ کہتے ہیں کہ جنت اور دوزخ دونوں فنا ہو جائیں گی۔

لیکن ان لوگوں کا قول (جو حوادث کے جواز کے قائل ہیں کہ نہ ان کا اول ہے اور نہ ان کا آخر

ہے) ان لوگوں کے قول سے زیادہ درست معلوم ہوتا ہے جو فرق پیدا کرتے ہیں اللہ سبحانہ ہمیشہ سے
فی ہے اور جی کے لوازم سے فعل ہے پس وہ ہمیشہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ارشاد در بانی ہے

ذوالعرش المجید فعال لما ییرید عرش کا مالک بزرگی والا جو چاہتا ہے کرتا ہے

(البروج ۱۵-۱۶) ❖ ❖ ❖

اس آیت سے چند مطالب اخذ کئے جاتے ہیں :-

اولاً :- اللہ پاک اپنے ارادہ اور مشیت کے ساتھ جو چاہتا ہے کرتا ہے ۔

ثانیاً :- وہ ہمیشہ سے اس طرح ہے اس نے اس وصف کا ذکر مدح و ثنا کے مقام میں کیا ہے
اور یہ اللہ کا کمال ہے یہ کمال اس سے کسی وقت میں بھی معدوم نہیں ہو سکتا ۔
ارشاد خداوندی ہے ۔

افمن یخلق من لا یخلق اخلدنا کون تو جو (اتنی غنکوات) پیدا کرے کیا وہ ویسا
(العمل، ۱) ہے جو کچھ پیدا کر سکے تو پھر تم خور کیوں نہیں

❖ ❖ ❖ کرتے ۔

جب یہ اللہ پاک کا کامل وصف ہے تو اس کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ پہلے معدوم
تھا پھر وجود میں آیا ۔

ثالثاً :- وہ جب کسی فعل کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو کرتا ہے (خیال رہے کہ اس ارادہ کا تعلق
اس کے فعل کے ساتھ ہے) اور جب اس کے ارادہ کا تعلق بندہ کے فعل کے ساتھ ہے تو اس کا
حال مختلف ہے اگر وہ بندہ کے فعل کا ارادہ کرتا ہے لیکن اس کو مدد دینے کا ارادہ نہیں کرتا اور نہ اس
کو فاعل بنانا چاہتا ہے تو فعل وجود میں نہیں آتا لیکن اگر اس کا ارادہ ہوتا ہے کہ وہ فعل کرے تو فعل
معرض وجود میں آتا ہے ۔

یہاں وہ نکتہ ہے جو قدریہ اور جبریہ کی نظروں سے اوجھل رہا اور وہ مسئلہ تقدیر میں راہ صواب سے
بھٹک گئے پس فرق واضح ہو گیا اس میں کہ اللہ ارادہ کرتا ہے کہ بندہ فعل کرے اور اس میں کہ وہ اس کو
فاعل بنانے کا ارادہ کرتا ہے مزید وضاحت مسئلہ تقدیر میں آئے گی ۔

رابعاً :- اللہ کا ارادہ اور اس کا فعل دونوں متلازم ہیں جس کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے اسے
کر لیتا ہے اور جس کام کو کیا اس کا اس نے ارادہ کیا لیکن مخلوق کا معاملہ خالق کے برعکس ہے اس لئے
کہ مخلوق کبھی ایسے کام کا ارادہ کرتی ہے جس کو نہیں کر پاتی اور کبھی جہہ کام کا ارادہ نہیں کرتی اس کو کر

یقینی ہے پس یہاں اللہ سبحانہ کی ذات کے علاوہ کوئی ہستی ایسی نہیں جس کا وصف یہ ہو کہ وہ جو ارادہ کرے اسے کرے۔

غامساً۔ افعال کے لحاظ سے متعدد ارادے ثابت ہیں اور ہر فعل کا خاص ارادہ ہے یہ نظریہ فطرت انسانی میں راسخ ہے لیکن اللہ سبحانہ کی شان یہ ہے کہ وہ دائماً ارادہ کرتا ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

سادساً۔ ہر وہ فعل جس کے ساتھ اس کے ارادہ کا تعلق صحیح ہے اس کا کرنا درست ہے توجیب وہ ارادہ کرتا ہے کہ ہر رات آسمان دنیا کی جانب نزول کرے اور قیامت کے دن فیصلہ کے لئے آئے اور اپنے بندوں کو اپنا دیدار کرائے اور اپنی مشیت کے مطابق ان کے سامنے بجلی فرمائے ان سے ہمکلام ہو ان سے منسی کرے ان کے علاوہ جو کچھ بھی اللہ پاک کرنا چاہے تو اس کا فعل اس پر متنع نہیں ہوتا اس لئے کہ اللہ پاک جو چاہتا ہے کرتا ہے البتہ ان سب افعال کی صحت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خبر دینے پر ہے توجیب کسی فعل کی خبر دیتے ہیں تو اس کو تسلیم کرنا ضروری ہوتا ہے اسی طرح وہ جس کو مٹانا چاہتا ہے اس کو مٹاتا ہے اور جس کو ثابت کرنا چاہتا ہے اس کو ثابت کرتا ہے ہر دن وہ کسی کام میں ہوتا ہے

کیا حوادث کا اول ہے؟ یہ قول کہ حوادث کا اول ہے درست نہیں اس لئے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ اس سے پہلے بیکار تھا اور اللہ پر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ وہ فاعل نہ تھا پھر فاعل بنا اللہ کے بارے میں یہ نظریہ غلط ہے۔

ہاں جب ہم یہ کہتے ہیں کہ حوادث کا اول نہیں تو اس سے عالم کا قدیم ہونا لازم نہیں آتا اس لئے کہ اللہ کے ماسوئی ہر چیز حادث ممکن الوجود ہے اس کا وجود اللہ کے پیدا کرنے کے ساتھ ہے وگرنہ فی نفسہ اس پر عدم جاری تھا اور اللہ کے ماسوئی ہر چیز میں فقر اور احتیاج ذاتی طور پر موجود ہے ہاں اللہ واجب الوجود لذاتہ ہے ذاتی طور پر اس میں غنا موجود ہے۔

اولاً کس چیز کو پیدا کیا گیا عالم کے بارے میں یہ اختلاف تو موجود ہے کہ کیا وہ مادہ سے مخلوق ہے یا نہیں پھر اس عالم میں اولاً کس کو پیدا کیا گیا ارشاد خداوندی ہے۔

وهو الذي خلق السموات والارض في ستة ايام وكان عرشه على الماء (ہوڈ)

بخاریؒ اور دیگر کتب میں عمران بن حصینؓ سے مروی ہے کہ یمن کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے ہم آپ کے پاس دین میں سمجھ حاصل کرنے کے لئے آئے ہیں اور ہم آپ سے اس عالم کے آغاز کے بارے میں دریافت کرتے ہیں آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس سے پہلے کچھ نہ تھا (ایک روایت میں) اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی (ایک روایت میں) اس کے ساتھ اس کا غیر نہ تھا اور اس کا عرش پانی پر تھا اس نے لوح محفوظ میں ہر چیز کو لکھا ہوا ہے اس نے آسمانوں زمین کو پیدا کیا حدیث میں الذکر سے مراد لوح محفوظ ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

ولقد كتبنا في الزبور من بعد الذکور اور ہم نے نصیحت (کی کتاب یعنی تورات) کے بعد زبور میں لکھ دیا تھا۔ (الانبیاء ۱۰۵)

لوح محفوظ کو ذکر اس لئے کہا جاتا ہے کہ جس چیز میں ذکر لکھا جاتا ہے اس کو بھی ذکر کہا جاتا ہے جیسا کہ جس چیز کو کتاب میں لکھا جاتا ہے اس کو بھی کتاب کہا جاتا ہے۔ مذکورہ حدیث میں لوگوں کا اختلاف ہے مشہور و دقول میں۔

پیلا قول حدیث میں مقصود اللہ کا خبر دینا ہے کہ اللہ اکیلا ہی موجود تھا وہ ہمیشہ اسی طرح رہا پھر اس نے تمام حوادث کو پیدا فرمایا شروع کیا پس حوادث جنس اور اعیان تمام پر عدم طاری ہوا اور جنس زمان بھی حادث ہے اور اللہ پاک فعل کرنے والا ہے جب کہ وہ ازل سے ابتدا فعل تک کچھ نہیں کرتا تھا اور نہ فعل ممکن تھا۔

دوسرا قول اللہ پاک خبر دے رہے ہیں کہ اس نے اس جہان کو اولاً پیدا کیا اور ان کو چھ دن میں خلق کیا پھر عرش پر مستوی ہوا اسی قسم کا مضمون قرآن پاک میں متعدد مقامات میں موجود ہے۔

صحیح مسلم میں عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا اللہ پاک نے مخلوق کی تقدیر کو آسمانوں زمین کی تخلیق سے بچاس ہزار سال

بخاری میں ایک مقام پر مکمل روایت نہیں ہے کچھ حصہ بدو الخلق اور کچھ حصہ التوحید میں ہے۔

قبل مقدر فرمایا اور اس کا عرش پانی پر تھا۔

اس حدیث میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آسمانوں زمینوں کی تخلیق سے پہلے ہزار سال قبل اللہ نے مخلوق کی تقدیر کو مقدر فرمایا اس وقت اللہ کا عرش پانی پر تھا یہ قول صحیح ہے

دوسرے قول کی صحت کے وجوہ یمن کے لوگوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا ہم آپ کے پاس اس لئے آئے ہیں تاکہ ہم آپ سے اس کائنات کے آغاز کے بارے میں دریافت کریں آپ نے ان کو کائنات کے آغاز کے بارے میں جواب دیا ہے آپ نے مخلوقات کی جنس کے بارے میں نہ جواب دیا نہ ان کا یہ سوال تھا آپ نے انہیں مطلع کیا کہ جب اس نے آسمانوں زمین کو پیدا فرمایا تو اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا اس حدیث میں عرش کی تخلیق کا ذکر نہیں ہے ظاہر ہے کہ عرش اس سے پہلے پیدا کیا جا چکا تھا

نیز اس قول سے کہ اللہ تھا اس سے پہلے اور کچھ نہ تھا سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عرش بعد میں مخلوق ہوا اس روایت میں قبل (یعنی پہلے) کے علاوہ (معہ) (اس کے ساتھ) وغیرہ (اس کے علاوہ) کے الفاظ بھی آئے ہیں معلوم ہوتا ہے رواۃ نے روایت بالمعنی کی ہے جب کہ ایک ہی مجلس میں یہ بات کی گئی ہے البتہ (قبل) کے لفظ کو ترجیح ہے ایک دوسری روایت میں ہے۔
مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں یہ کلمات کہا کرتے تھے۔

(اللهم انت الاول فليس قبلك اے اللہ تو اول ہے تجھ سے پہلے کوئی

شئی) چیرہ زخمی۔

پس اس حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ اول کس کو پیدا فرمایا ہاں آسمانوں زمین کے پیدا فرمانے کا ذکر ہے کہ انہیں چھ دن میں پیدا فرمایا یہ ذکر نہیں ہے کہ کس مخلوق کو اول پیدا فرمایا اور آسمانوں زمین سے پہلے کیا پیدا فرمایا۔

اور یہ حدیث نہ اللہ تھا اس کے ساتھ کچھ نہ تھا سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ پاک آسمانوں زمین کے پیدا کرنے سے قبل بے کار تھا اس لئے کہ حدیث کا یہ جملہ کہ اس کا عرش پانی پر تھا سے یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ اللہ صرف اکیلا تھا اس کے ساتھ قطعاً کوئی مخلوق نہ تھی یہ جملہ حالیہ ہوا معطوف بہ حال اس وقت عرش موجود تھا البتہ اس عالم سے جو ہمیں نظر آ رہا ہے کچھ

موجود نہ تھا۔

(ط) اللہ سبحانہ، میں ربوبیت کا وصف موجود تھا جب کہ وہاں مربوب نہ تھا اس میں خالق کا وصف موجود تھا جب کہ وہاں مخلوق نہ تھی۔

(ث) خلاصہ یہ ہے کہ اس سے پہلے کہ مخلوق کو وجود میں لایا جائے وہ خالق تھا بعض مشائخ شارحین کہتے ہیں کہ شیخ نے لفظ ربوبیت کے ساتھ خالق کا ذکر کیا ہے خالقیت کا ذکر نہیں کیا اس لئے کہ خالق وہ ہوتا ہے جو ایک چیز کو عدم سے وجود کی طرف لے جاتا ہے اور لفظ رب کثیر معانی کا تقاضا کرتا ہے اس میں ملک، حفاظت، تدبیر، تربیت کے معانی بھی موجود ہیں یعنی کسی چیز کو بالذریعہ کامل تک لے جانا اس بنا پر ایسا لفظ استعمال کیا جو ان تمام معانی پر مشتمل ہے اور وہ ربوبیت ہے لیکن یہ قول محل نظر میں ہے اس لئے کہ خلق کا معنی بھی تقدیر کا ہوتا ہے۔

(ط) جیسا کہ وہ مردوں کو زندہ کرنے والا ہے لیکن وہ ان کو زندہ کرنے سے پہلے اس وصف کے ساتھ موصوف تھا زندہ کرنے کے بعد موصوف نہیں ہوا اسی طرح مخلوق کو پیدا فرمانے سے پہلے وہ وصف خالق کے ساتھ موصوف تھا۔

(ث) اللہ سبحانہ ان کو زندہ کرنے سے قبل اس وصف کے ساتھ موصوف تھا اسی طرح وہ ان کو پیدا کرنے سے پہلے خالق کی صفت کے ساتھ موصوف تھا معتزلہ اس کے مخالف ہیں وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔

(ط) یہ اس لئے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور ہر چیز اس کی محتاج ہے اور ہر معاملہ اس پر آسان ہے وہ کسی کا محتاج نہیں اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

(ث) مقصود یہ ہے کہ کائنات کے خلق سے پہلے ازل سے وہ ان صفات کے ساتھ موصوف ہے واللہ علیٰ کل شیء قدیر سے جو معنی مفہوم ہوتا ہے معتزلہ نے اس میں تحریف پیدا کی اور کہا کہ اللہ ان افعال پر قادر ہے جو اس کے مقدور میں ہیں لیکن بندوں کے افعال پر وہ قادر نہیں ہے اس طرح انہوں نے اللہ کی قدرت کا ملہ کا انکار کیا اور کہا کہ وہ صرف ان چیزوں کا علم رکھتا ہے جن کا اس کو علم ہے اور جن کو اس نے پیدا کیا بس ان کا وہ خالق ہے گویا کہ انہوں نے اللہ کی صفات کا ملہ کو اللہ سے سلب کر لیا۔

اہل سنت کا مسلک وہ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے

تمام ممکن چیزیں اس میں داخل ہیں البتہ محال لذاتہ مثلاً ایک چیز کا ایک ہی حالت میں موجود اور معدوم ہونا تو اس کی کچھ حقیقت ہے اور نہ ہی اس کے وجود کا تصور ہو سکتا ہے تمام عقلمندوں کا اس پر اتفاق ہے کہ ایسی کوئی چیز نہیں ہے محالات کے قبیل سے یہ بھی ہے اللہ کا اپنا مثل پیدا کرنا اللہ کا اپنے آپ کو معدوم کر دینا۔

اللہ کی ربوبیت عامہ تامہ پر ایمان کا مطلب یہ ہے کہ وہی شخص اللہ کو ہر چیز کا رب قرار دیتا ہے جس کا ایمان ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے البتہ معدوم ممکن میں اختلاف ہے کیا وہ کوئی چیز ہے یا نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ معدوم خارج میں کوئی چیز نہیں ہے البتہ اللہ پاک ہونے والی چیز کو ہونے سے پہلے جانتا ہے اور اس کو لکھ لیتا ہے اور اس کی خبر دیتا ہے جیسے ارشاد باری ہے :-

ان ذلزلت الساعة شئ عظیم کر قیامت کا زلزلہ ایک حادثہ عظیم ہے
(الحج ۱)

اس آیت میں قیامت ایسی چیز ہے جو اللہ کے علم میں ہے لوح محفوظ میں ہے خارج میں نہیں ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

انما امره اذا اراد شيئاً ان يقول اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ
له كن فيكون کرے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ
(یس ۸۲)

نیز فرمایا۔

وقد خلقته من قبل ولم تكد اور میں پہلے تم کو پیدا کر چکا ہوں اور تم کچھ
شيئاً (مریم ۹)

یعنی تو خارج میں نہ تھا اگرچہ اللہ کے علم میں تھا۔

نیز فرمایا۔

هل اتي على الانسان حين من الدهر بے شک انسان پر زمانے میں ایک ایسا
لم يكن شيئاً مذكوراً وقت بھی آچکا ہے کہ وہ کوئی چیز قابل
(الدھر ۱)

ارشاد ربانی لبس کمندہ شئی۔ اس کی مثل کوئی چیز نہیں میں مشبہہ کا رد ہے اور هو السميع

البصیر۔ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے میں معطلہ کا رد ہے پس اللہ پاک صفات کمال کے ساتھ موصوف ہے ان میں اس کا کوئی مشابہ نہیں ہے اگرچہ مخلوق بھی سمیع، بصیر کے ساتھ موصوف ہے لیکن مخلوق کا سمیع، بصیر اللہ کے سمیع، بصیر کی مانند نہیں ہے محض اثبات صفت سے تشبیہ لازم نہیں آتی مخلوق کی صفات مخلوق کے ساتھ اپنی شان کے ساتھ ہیں اور خالق کی صفات اس کے ساتھ اس کی اپنی شان سے ہیں۔

اس بات کا خیال رہنے کہ آپ اللہ سبحانہ سے ان صفات کی نفی نہ کریں جن کے ساتھ اس نے اپنے آپ کو موصوف کیا ہے اور جن کے ساتھ اللہ پاک کو اعرف الملق برہ جو امت کے بہت بڑے خیر خواہ اور فصیح بلیغ قادر الکلام ہیں نے موصوف کیا ہے اسی طرح جن صفات کو واجب قرار دیا اور جن کو ممتنع کہا ان کو واجب، ممتنع قرار دینا ہوگا اگر آپ ان صفات میں سے کسی صفت کا انکار کریں گے تو جو کچھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے اس کے ساتھ کفر کریں گے لیکن جب آپ اللہ سبحانہ کی صفات اس کے لئے ثابت کریں تو آپ ان کو کسی مخلوق کے ساتھ تشبیہ نہیں دے سکتے اس لئے کہ اللہ کا کوئی مثیل نہیں تو جب آپ، مخلوق کے ساتھ تشبیہ دیں گے تو آپ کا کفر ہو جائیں گے۔

نعیم بن حماد کا قول نعیم بن حماد امام بخاریؒ کے استاذ ہیں وہ کہتے ہیں جس شخص نے اللہ کو اس کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دی وہ کافر ہو گیا اسی طرح جس شخص نے ان صفات کا انکار کیا جن کو اللہ نے اپنی ذات کیلئے ثابت کیا ہے وہ بھی کافر ہو گیا اللہ کی وہ صفات جن کو اس نے خود بیان فرمایا یا ان کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ان کی کسی مخلوق کے ساتھ مشابہت نہیں ہے۔

آئمہ اوراق میں امام طحاوی کے کلام میں بھی وضاحت موجود ہے کہ جس شخص نے نفی تشبیہ میں احتیاط نہ کی وہ جادہ حق سے پھسل گیا اور اس نے اللہ کو منزہ قرار دینے میں کچھ صحیح قدم نہ اٹھایا۔

اللہ سبحانہ نے اپنا وصف بیان کرتے ہوئے کہا ہے :-

لَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ مَثَلُ
السُّوءِ وَشَاطِلُ الْأَعْيَالِ (النمل ۲)

جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے انہیں کے لئے بری باتیں (رشایاں) ہیں اور خدا کو صفت

اعلیٰ (زیب دیتی ہے)

نیز فرمایا۔

وله المثل الاعلیٰ فی السموات والارض
 و هو العزیز الحکیم
 اور اس کو آسمانوں اور زمین میں صفت اعلیٰ
 (زیب دیتی ہے) اور وہ غالب (اور) حکمت
 والا ہے۔ (المراد ۲۷)

تو اللہ سبحانہ نے بری مثال (جو عیوب نقائص اور سلب کمال کو متضمن ہے) اپنے دشمن
 مشرکین اور ان کے معبود بتوں کے بارے میں دی ہے اور بلند مثال (جو تمام قسم کے کمالات کو متضمن
 ہے) صرف اللہ وحدہ کیلئے ثابت کی ہے تو اب جس شخص نے اللہ سے صفت کمال کا سلب کیا
 اس نے اللہ کے لئے بری مثال دی اور اس سے باند و صفت کی نفی کر دی یعنی اس کمال مطلق کو ختم
 کر دیا جو امور وجودیہ معانی ثبوتیہ کو متضمن ہے وہ جس قدر بھی کسی موصوف میں زیادہ ہوں گے اسی
 قدر وہ موصوف اکمل اور اعلیٰ ہوگا۔

اور جب اللہ کی صفات اکمل اور اعلیٰ ہیں تو اس کی مثال بھی اعلیٰ ہے اور وہ ماسوی اللہ سے
 اس کا زیادہ حقیدار ہے بلکہ مطلق مثل اعلیٰ میں دو کا شریک ہونا محال ہے اس لئے کہ اگر وہ دونوں
 لحاظ سے مساوی ہیں تو ان میں سے کوئی دوسرے سے اعلیٰ نہ ہوا اگر مساوی نہیں ہے تو پھر صرف ایک
 موصوف ہوگا اس صورت میں جس کو مثل اعلیٰ ثابت ہے اس کا مثیل، نظیر محال ہوگا۔

المثل الاعلیٰ کی تشریح میں توجیحات مفسرین اس کی تشریح میں مختلف توجیحات ذکر
 فرماتے ہیں۔

پہلی توجیہ: اعلیٰ صفات اللہ کے لئے ثابت ہیں خواہ مخلوق ان کا علم رکھتی ہے یا نہیں
 دوسری توجیہ: ان کا وجود علم اور شعور میں ہے متقدین متاخرین وضاحت کرتے
 ہوئے کہتے ہیں کہ اس سے مراد معرفت ذکر محبت، تعظیم، خوف، امید، توکل، انابت ہے۔
 جو عبادت گزار اور ذکر کرنے والوں کے دل میں موجود ہوتی ہیں یہ روحانی نعمتیں ان کے دلوں
 میں اللہ کو اعلیٰ ثابت کرتی ہیں کہ اس کے ساتھ اس کا غیر اس میں بالکل شریک نہیں ہوتا یا یوں سمجھیں
 کہ جس طرح آسمانوں کی مخلوق اس سے محبت کا اظہار کرتی ہے اس کی تعظیم بجا لاتی ہے اس کی عبادت
 میں مجرحتی ہے اسی طرح زمین پر رہنے والی مخلوق بھی اس کی عبادت وغیرہ میں مصروف رہتی ہے لہذا جذبہ محبت اس سے
 کچھ کم نہیں ہوتا۔

وہ دیکھتے ہیں کہ لوگ اس کے ساتھ شرک کر رہے ہیں اس کی نافرمانی کر رہے ہیں اس کی صفات کا انکار کر رہے ہیں ارشاد خداوندی ہے:-

ولہ من فی السموات والارض کل
لہ قانتون (الہود ۲۶) میں ہیں تمام اس کے مطیع ہیں۔

تیسری توجیہ :- اللہ سبحانہ کی صفات کا ذکر کرنا اور ان سے خرد دنیا اور ان کو غیب نقائص تمثیل سے منزه رکھنا۔

چوتھی توجیہ :- اللہ پاک جو اعلیٰ صفات والا ہے اس سے محبت کا اظہار کرنا اس کو ایک جاننا اس کے ساتھ اخلاص کرنا اس پر توکل رکھنا اور اس کی جانب جھکنا ظاہر ہے کہ جس قدر صفات پر ایمان اکمل ہوگا اسی قدر محبت اور اخلاص میں قوت زیادہ ہوگی۔ ہم دیکھتے ہیں سلف صالحین کی عبارات ان چار توجیہات پر دائر ہیں پس اس شخص سے زیادہ کون گمراہ ہے جو ارشاد خداوندی ولہ المثل الاعلیٰ اور ایس کمنثلہ شئی میں معارضہ ثابت کرتا ہے اور ایس کمنثلہ شئی سے صفات کی نفی پر استدلال کرتا ہے اور مکمل ایت سے آنکھیں بند کر لیتا ہے (جس میں اللہ کا سمیع اور بصیر ہونا ثابت کیا گیا ہے) یہاں تک کہ گمراہی لے احمد بن ابی دؤاد قاضی کو برا ٹھینے کیا تو اس نے خلیفہ مامون کو مشورہ دیا کہ وہ خلاف کعبہ پر ایس کمنثلہ شئی کے بعد دھواغریزا حکیم کنبہ کر ائے یعنی اللہ کے کلام میں تحریف کرے جب کہ کلام اللہ میں دھواغریزا البصیر ہے مقصود یہ تھا کہ وہ اللہ کے سمیع اور بصیر ہونے کی نفی کرے جیسا کہ ایک دوسرے گمراہ جہم بن صفوان نے کہا میں چاہتا ہوں کہ قرآن پاک سے شر استوی علی العرش کے الفاظ کھرچ دوں۔

ہم اللہ عظیم سمیع بصیر سے دما کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے فضل و کرم سے دنیا اور آخرت میں ثابت قدمی عطا فرمائے۔

مکملہ کا محل اعراب (وجہ اول) کا ف تاکید کیلئے زائد ہے جیسے اوس بن جبر کہتا ہے۔

ایس کمنثلہ الفتی وھ یخلق یولسایہ فی الفضل نوجوان زمیزی کا ہم فضل میں کوئی نہیں ہے۔ ایک اور شاعر کہتا ہے۔

ھا ان کمنثلہ فی الناس من البشر ان جیسا لوگوں میں کوئی انسان نہیں ہے۔

ایک دوسرا کہتا ہے۔

ومثلی لمثل جذع الخیل میری مثال کھجور کے تنہ کی مانند ہے۔
اس صورت میں لفظ مثله لیس کی خبر ہے لفظ شئی اس کا اسم ہے یہ توجیہ قوی اور اچھی
ہے عربی زبان میں یہ توجیہ متعارف ہے اس میں کچھ خفا نہیں ہے کلام عرب میں عام طور پر
کاف تاکید کے لئے زائد استعمال ہوتا ہے شاعر کہتا ہے۔

وصالیات لکما یثنین - جملے ہوئے پھر جو ملے کے پھر ہیں جن پر بانڈی

رکھی جاتی ہے -

دوسرا شاعر کہتا ہے۔

فاصحت مثل کعصف ما کول پس تو کھدے ہوئے بھوسہ کی مانند ہو گیا۔

وجہ ثانی مثل کا لفظ زائد ہے یعنی لیس کھوشی لیکن یہ توجیہ بعید از استعمال ہے
اس لئے کہ مثل اسم ہے اس کو زائد کہنے کی بجائے حرف کو زائد کہنا اولیٰ ہے۔

وجہ ثالث کوئی لفظ زائد نہیں ہے یہ جملہ مثلاً لا یفعل کذا کے قبیل سے ہے
مثلاً لا یفعل کا معنی ہے کہ تو اس کام کو نہیں کر رہا ہے لفظ مثل مبالغہ کے لئے ہے
اور لیس کمنہ میں بھی مبالغہ ہے یعنی اگر اس کا مثل فرض بھی کیا جائے تب بھی اس کا مثل
نہیں تو اس کا مثل کیسے ہو سکتا ہے جب کہ اس کا مثل نہیں ہے اس کے علاوہ بھی کچھ اور
توجیہات کا احتمال ہے لیکن پہلی توجیہ واضح اور ظاہر ہے۔

(ط) اس نے مخلوق کو اپنے علم سے پیدا فرمایا۔

(ش) لفظ (خَلَقَ) (اوجد) اس نے ایجاد کیا (اَنشَأَ) اس نے بنایا (ابدرغ) اس نے
بلاغور بنایا کے معانی میں استعمال ہوتا ہے نیز (خَلَقَ) (قادر) اس نے مقدر کیا کے
معنی میں بھی آتا ہے لفظ خلق مصدر مخلوق کے معنی میں ہے اور لفظ بعلم محلاً حال
کی بنا پر منصوب ہے معنی یوں ہوا کہ اس نے ان کو پیدا فرمایا اور وہ ان کے بارے میں علم رکھتا
ہے ارشاد خداوندی ہے۔

الایعلم من خلق وهو اللطیف بلا جس نے پیدا کیا وہ بے خبر ہے وہ تو

الخبیر (الملك ۴۷) پوشیدہ باتوں کا جاننے والا اور ہر چیز سے آگاہ

نیز فرمایا۔

وعندہ مفتح الغیب لا یعلمہا
الہو ویعلمہ ما فی البر والبحر
والسقط من ودفنہ الا یعلمہا ولا حجة
فی ظلمت الارض ولا رطب ولا یابس
الا فی کتاب مبین وهو الذی یتوفاکم
باللیل ویعلم ما جرحتم بالظہار
(الانعام ۵۹-۶۰)

اور اسی کے پاس غیب کی کتبیاں ہیں جن کو
اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اسے جنگلوں
اور دریاؤں کی سب چیزوں کا علم ہے اور کوئی
پتہ نہیں جھڑتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے اور زمین
کے اندھروں میں کوئی دانہ اور کوئی ہری یا سوکھی
چیز نہیں ہے مگر کتاب روشن میں (لکھی ہوئی) ہے
اور وہی تو ہے جو رات کو (سوئے کے حالت میں)

تمہاری روح قبض کر لیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اس سے خبر رکھتا ہے۔

اس میں معتزل کا رد ہے۔

امام عبدالعزیز مکی کا بشر مریسی کے ساتھ مناظرہ امام عبدالعزیز مکی جو امام شافعی
کے تلامذہ سے ہیں انہوں نے اپنی تالیف الحیدہ نامی میں بشر مریسی معتزلی کے ساتھ اپنے
مناظرہ کا ذکر کیا ہے۔

ماموں عباسی کی مجلس میں بشر مریسی اور امام عبدالعزیز مکی دونوں موجود ہیں ماموں نے بشر
سے اللہ کی صفت علم کے بارے میں سوال کیا بشر نے جواب دیا اللہ میں جہل نہیں ہے ماموں پھر
اسی سوال کو دہراتا ہے لیکن بشر یہی جواب دیتا ہے کہ اللہ جہل کے ساتھ موصوف نہیں لیکن اللہ
کو علم کی صفت کے ساتھ موصوف کرنے کے لئے تیار نہیں امام عبدالعزیز بول اٹھے اور کہا کہ
کسی سے جہل کی نفی کرنا تو اس کی مدح نہیں ہے حالانکہ اللہ پاک نے انبیاء و ملائکہ اور ایمانداروں
کی جب تعریف کی ہے تو ان کے وصف علم کا ذکر کیا ہے ان سے جہل کی نفی نہیں کی اس لئے کہ علم
کے اثبات سے جہل کی نفی ہوتی ہے لیکن جہل کی نفی سے علم کا اثبات نہیں ہوتا پس تمام مخلوق کے
لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ پاک کے لئے ان اوصاف کو ثابت کریں جن کو اللہ پاک نے خود بیان
کیا ہے اور ان صفات کی نفی کریں جن کی خود اللہ پاک نے نفی کی ہے اور جن اوصاف کے
ذکر سے اللہ پاک خاموش رہے ہیں ان سے خاموشی اختیار کی جائے۔

اللہ کے علم پر عقلی دلیل جمل میں اللہ کا اشیاء کو ایجاد کرنا محال ہے اس لئے کہ اللہ کا اشیاء کو ایجاد کرنا اس کے ارادہ کے ساتھ ہے اور ارادہ مراد کے تصور کو مستلزم ہے اور تصور مراد اور علم بالمراد مترادف ہیں پس ایجاد ارادہ کو مستلزم ہوا اور ارادہ علم کو مستلزم ہوا نتیجہً ایجاد علم کو مستلزم ہوا۔

نیز مخلوقات میں جو احکام اور مضبوطی موجود ہے وہ فاعل کے علم کو مستلزم ہے اس لئے کسی محکم فعل کا صدور علم کے بغیر نہیں ہے۔

نیز ہم دیکھتے ہیں کہ بعض مخلوقات میں بھی عالم ہیں اور علم صفت کمال ہے تو لازم آیا کہ خالق کا عالم نہ ہونا متنع ہے اس کو وضاحت سے سمجھیں اس کی دو صورتیں ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ ہم بالفرض اس بات کا علم رکھتے ہیں کہ خالق مخلوق سے اکمل ہے اور واجب ممکن سے اکمل ہے نیز ہم بالفرض اس بات کا بھی علم رکھتے ہیں کہ اگر ہم دو انسان فرض کریں ایک عالم ہو دوسرا غیر عالم ہو تو عالم اکمل ہو گا پس اگر خالق عالم نہیں تو لازم آیا کہ ممکن اس سے اکمل ہو اور یہ متنع ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مخلوقات میں جو علم ہے وہ اللہ کی جانب سے ہے اور یہ بات متنع ہے کہ کمال کا فاعل اور موجد کمال سے عاری ہو بلکہ وہ کمال کا زیادہ مستحق ہے اللہ کے لئے اعلیٰ مثال ہے پس نہ قیاس تمثیلی نہ شمولی میں اللہ اور مخلوق مساوی نہیں ہیں بلکہ ہر وہ کمال جو مخلوق کے لئے ثابت ہے خالق اس کا زیادہ مقدر ہے اور ہر وہ نقص جس سے مخلوق منزہ ہے خالق کا اس سے منزہ ہونا زیادہ بہتر ہے۔

(ط) اللہ نے مخلوق کیلئے تقدیر بنائی۔

(ش) ارشاد خداوندی ہے۔

انا کل شئ خلقناہ بقدر

بے شک ہم نے ہر چیز اندازہ مقرر کے ساتھ پیدا کی ہے۔ (القرۃ ۳۰)

نیز فرمایا۔

وکان امر اللہ قدراً مقدوراً اور خدا کا حکم ٹھہر چکا تھا۔

(الاحزاب ۳۸)

نیز فرمایا۔

اللہ ی خلق فسوی والذی قدر قہما
 جس نے (انسان کو) بنایا پھر (اس کے اعضا کو)
 درست کیا اور جس نے (اس کا) اندازہ ٹھہرایا (پھر)
 (الاعلیٰ ۲-۳)

اس کی رستہ بتایا

صحیح مسلم میں عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا اللہ نے آسمانوں زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل مخلوق کی تقدیر بنائی اور اس کا عرش پانی پر تھا۔

(ط) اللہ نے مخلوق کی اجل مقرر فرمادی ہے۔

(ش) اللہ پاک نے مخلوق کی اجل مقرر فرمادی ہے کہ جب ان کی اجل آجائے گی تو نہ ایک ساعت تاخیر ہوگی اور نہ ایک ساعت تقدیم ہوگی ارشاد خداوندی ہے:-

اذا جاء اجلهم لا يستأخرون ساعدا
 جب ان کا وقت آجائے گا تو نہ ایک ساعت
 ولا يستقدمون - (یونس ۴۹)
 تاخیر والے ہوں گے نہ تقدیم والے ہوں گے
 نیز فرمایا۔

وما كان لنفس ان تموت الا باذن
 اور کسی شخص میں طاقت نہیں کہ خدا کے حکم کے بغیر
 الله كتابا مؤجلا (ال عمران ۱۴۵)
 مرجائے (اس نے موت کا وقت مقرر کر کے
 لکھ رکھا ہے۔

صحیح مسلم میں عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے اس نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ام حبیبہ نے دعا کی اے اللہ! مجھے میرے خاوند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوسفیان اور میرے بھائی معاویہ کا مجھے فائدہ عطا فرما یعنی عمر میں اضافہ کر راوی بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے اللہ سے سوال کیا ہے کہ متعین اجل میں تاخیر ہو جائے اور جس قدر زندگی کے دن لکھے جا چکے ہیں ان میں اضافہ ہو اور جو رزق قسمت میں لکھا جا چکا ہے اس میں اضافہ ہو (یاد رکھو) وقت مقرر میں تقدیم تاخیر نہیں ہو سکتی بجائے اس کے اگر تو اللہ سے سوال کرتی کہ وہ تجھے جہنم کے عذاب یا عذاب قبر سے بچائے تو تیرے حق میں بہتر ہوتا۔

پس جو شخص قتل ہوتا ہے اپنی اجل کے مطابق قتل ہوتا ہے یہ اللہ کا علم اور اس کی تقدیر ہے کہ یہ انسان فلاں بیماری کے ساتھ فوت ہوگا اور فلاں قتل ہوگا اور فلاں پر عمارت گرے گی اور فلاں آگ میں جل کر مرے گا اور فلاں پانی میں ڈوب کر مرے گا۔

پس اللہ پاک نے موت، زندگی کو پیدا کیا اور ان کے اسباب کو پیدا کیا۔

معتزلہ کا نظریہ معتزلہ کہتے ہیں جو شخص قتل ہوا وہ اپنی اجل سے نہیں مرا اگر قتل نہ ہوتا تو اپنی اجل تک زندہ رہتا گویا کہ معتزلہ کے ہاں اس کی دو اجل ہیں ان کا یہ خیال باطل ہے اس لئے کہ اللہ کی جانب یہ نسبت نہیں ہو سکتی کہ اس نے کسی مخلوق کی اجل مقرر کی ہے اور وہ اس اجل تک زندہ نہیں رہتا بلکہ پہلے ہی قتل ہو جاتا ہے یا کسی حادثہ کا شکار ہو جاتا ہے یا دو اجل ہیں گویا کہ اللہ پاک کو عواقب کا علم نہیں ہے ہاں قاتل پر قصاص کا واجب ہونا یا اس پر ذیت کا واجب ہونا اس لئے ہے کہ اس نے منہی عنہ کا ارتکاب کیا ہے اور اس ناجائز کام کو کیا ہے یہی وجہ ہے کہ جو شخص اپنی عمر میں اضافہ چاہتا ہے وہ صلہ رحمی کرے اس سے عمر بڑھتی ہے اور یہ بھی تقدیر میں لکھا ہوا ہے کہ فلاں صلہ رحمی کرے گا تو اس سبب سے عمر میں اضافہ ہوگا اگر نہیں کرے گا تو اضافہ نہیں ہوگا۔

سوال کیا عمر میں اضافہ یا کمی صلہ رحمی کی بنا پر اسی طرح ہے جس طرح کہ دعا سے بھی اضافہ یا کمی ہوتی ہے۔

جواب یہ ضروری نہیں جیسا کہ ام حبیبہ کی حدیث سے یہ بات واضح ہو رہی ہے۔ ابھی ابھی اس کا ذکر گزر چکا ہے معلوم ہوا انسانوں کی عمریں متعین ہیں ان میں اضافہ کے لئے دعا مشروع نہیں ہے ہاں آخرت کے عذاب سے رستگاری کے لئے دعا مشروع ہے اور نافع بھی ہے دیکھئے انروی نفع کے لئے عمر میں اضافہ کی دعا کرنا مشروع ہے نسائی میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے دعا کی کلمات یہ تھے۔

اللهم عجل لى العيب وقد ارتكبه	اے اللہ تیرے غیب کا علم رکھنے اور غلو
على الخلق احبني ما كانت الحية	پر قدرت رکھنے کے ساتھ مجھے اس وقت
خيرائي و توفني اذا كانت الوفاة	تک زندگی عطا کر جب تک کہ میرے لئے زندہ
خيرائي (الى اخر الدعاء)	رہنا بہتر ہے اور مجھے فوت کر جب فوت ہونا
✽	میرے لئے بہتر ہو۔

اس کی تاکید ایک دوسری حدیث سے ہو رہی ہے جو صحیح حاکم میں ہے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا تقدیر کو دغا رکھ سکتی ہے اور نیک کام ہی عمر میں اضافہ کر سکتے ہیں اور آدمی گناہ کا مرتکب ہونے کی وجہ سے رزق سے محروم ہو جاتا ہے لہٰذا اس حدیث میں انکار دے جو کہتے ہیں کہ نذر دفع بلا اور حصول نعمت کا سبب بنتی ہے جب کہ صحیحین میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے نذر سے منع فرمایا اور فرمایا کہ نذر سے کوئی بھلائی حاصل نہیں ہوتی البتہ بخیر سے مال اگلوانے کا ایک ذریعہ ہے۔

خیال رہے کہ دعا بعض کاموں میں مشروع اور مفید ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ پاک دعائیں مبارک آرائی کرنے والوں کو پسند نہیں جانتا چنانچہ امام احمد کے بارے میں منقول ہے کہ وہ مکروہ جانتے تھے کہ کوئی شخص ان کے لئے درازی عمر کی دعا کرے وہ فرمایا کرتے تھے یہ ایسا کام ہے جس سے فارغ ہوا جا چکا ہے۔

ارشاد خداوندی :-

وما یعسر من معسر ولا یفقص من عجز
الذی کتاب (فاطو ۱۱) ہے اور اس کی عمر کم جاتی ہے مگر (سب کچھ کتاب میں لکھا ہوا)

اہل مذکورہ میں من عمرہ کی ضمیر ان کے اس قول عندی درہم ونصفہ کے موافق ہے درہم اور دوسرا نصف درہم مراد ہے اسی طرح ایت میں عمرہ کی ضمیر کا مرجع دوسرا معمر ہے بعض کہتے ہیں اس سے مراد وہ زیادتی اور کمی ہے جو صحیفوں میں ہے جو فرشتوں کے ہاتھوں میں ہیں اسی طرح یہ ایت

لکل اجل کتاب یمحو اللہ ما یشاء
وینتہا عندہ ام الکتب (المعد ۴۹) خدا جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے اور اسی کے پاس اصل کتاب ہے۔

بھی اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ نحو اور اثبات صحیفوں سے ہے جو فرشتوں کے

لہ حدیث حسن ہے

ہاتھوں میں ہیں اور اہم کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے بعض کہتے ہیں اللہ پاک جن شرائع کو مسموع کرنا چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جن شرائع کو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اس میں دیگر اقوال بھی ہیں واللہ اعلم بالصواب۔

(ط) مخلوق پیدا کرنے سے پہلے بھی اس پر کچھ غصی نہ تھا اور مخلوق پیدا کرنے سے پہلے بھی اس کو علم تھا کہ وہ کیا عمل کریں گے۔

(ش) اللہ پاک جانتا ہے جو ہو چکا ہے اور جو ہو گا اور جو نہیں ہوا اگر وہ ہوتا تو کیسے ہوتا ارشاد خداوندی ہے:-

وَلَوْ رَدُّوا لَعَادُوا لَمَّا فَهِمُوا عَنْهُ (الانعام)

اور اگر یہ (دنیا میں) لوٹنے بھی جائیں تو جن رکائی

سے ان کو منع کیا گیا تھا وہی پھر کرنے لگیں گے۔

اگرچہ اللہ پاک جانتا ہے کہ انہیں رد نہیں کیا جائے گا لیکن مطلع کیا ہے کہ اگر انہیں روک دیا گیا تو وہ انہی کاموں کا اعادہ کریں گے ارشاد ربانی ہے:-

وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَأَسْمَعَهُمْ وَلَا يَسْمَعُونَ

اور اگر خدا ان میں نیکی (کا مادہ) دیکھتا تو ان کو

سننے کی توفیق بخشتا اور اگر بغیر صلاحیت ہوتے

(کے) سماعت دیتا تو وہ منہ پھیر کر بھاگ جاتے

(الانفال ۲۳)

اس میں روافض اور قدریہ اور ان لوگوں کا رد ہے جن کا خیال ہے کہ اللہ پیدا کرنے اور ایجاد کرنے سے پہلے کچھ علم نہیں رکھتا مزید وضاحت آ رہی ہے۔

(ط) اللہ نے انسانوں کو اپنی فرمانبرداری کا حکم دیا اور اپنی نافرمانی سے منع کیا۔

(ش) خلق، قدر کے بعد شیخ نے امر نہی کا ذکر کیا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اللہ نے انسانوں کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ارشاد خداوندی ہے:-

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا

کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں

(الذاریات ۵۱)

نیز فرمایا:-

الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ

اسی نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہارا

ایکواہن عملاً (الملک ۲)

انزالش کرے کہ کون تم میں اچھے کام کرتا ہے

(ط) مہرِ جبر اللہ کی مشیت اور تقدیر کے ساتھ جاری ہے اس کی مشیت نافذ ہوتی ہے۔

لیکن بندوں کی کچھ مشیت نہیں مگر اللہ کی مشیت ہے اللہ پاک نے ان کے لئے جو چاہا ہوا اور جو نہیں چاہے گا نہیں ہوگا۔
(ش) ارشاد خداوندی ہے۔

وما تشاؤون الا ان يشاء الله ان الله
كان عليما حكيمًا (الدھر ۲)
تم وہی چاہتے ہو جو اللہ چاہتا ہے
بے شک اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے
نیز فرمایا۔

وما تشاؤون الا يشاء الله سب العالمين
(التکویر ۲۹)
اور تم وہی چاہتے ہو جو اللہ رب العالمین
چاہتا ہے۔
نیز فرمایا۔

ولما ننزلنا اليهم الملائكة وكلمهم
الموتى وحشرنا عليهم كل شي قبلاً
ما كانوا اليوم موتاً الا ان يشاء الله
(الانعام ۱۱۲)
اور اگر ہم ان پر فرشتے بھی اتار دیتے
اور مردے بھی ان سے گفتگو کرنے لگتے
اور ہم سب چیزوں کو ان کے سامنے لا موجود
بھی کر دیتے تو بھی یہ ایمان نہ لاتے الا ان شاء
اللہ۔

ولو شاء ربك ما فعلوه (الانعام)
نیز فرمایا۔
اور اگر تیرا رب چاہتا تو وہ یہ نہ کرتے۔

ولو شاء ربك لاولن من في الارض
كلهم جميعاً (يونس ۶۹)
اگر تیرا پروردگار چاہتا تو زمین پر رہنے
والے تمام لوگ ایماندار ہو جاتے۔
نیز فرمایا۔

فمن يرد الله ان يهديه يشرح صدره
للاسلام ومن يرد ان يعقبه يجعل صدره
صيقاً حراً كامناً يصد في السماء
(الانعام ۱۱۶)
تو جس شخص کو خدا چاہتا ہے کہ ہدایت بخشنے
اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور
جسے چاہتا ہے کہ گمراہ کرے اس کا سینہ تنگ
اور رکھتا ہوا کہہ دیتا ہے گمراہ آسمان پر چڑھ
رہا ہے۔

الشُرَکَک نے نوح علیہ السلام کی جانب سے حکایت بیان کرتے ہوئے فرمایا جب اس نے اپنی قوم سے کہا

ولا ینفعکم نعیمی ان اوردت ان اضع
لکم ان کان اللہ یرید ان ینغویکم
(ہود ۳۷)

اور اگر میں یہ چاہوں کہ تمہاری خیر خواہی کرو
اور خدا یہ چاہے کہ تمہیں گمراہ کرے تو میری خیر
خواہی تمہیں کچھ فائدہ نہیں دے سکتی۔

نیز فرمایا۔

من یشاء اللہ یمصلکم و من یشاء یجعلکم
علی صراط مستقیم (الانعام ۳۹)

جس کو خدا چاہے گمراہ کر دے اور جسے
چاہے سیدھے رستے پر چلا دے۔

ان کے علاوہ بھی کثیر آیات اس مضمون کی ہیں کہ وہی کچھ ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے اگر نہیں چاہتا
نہیں ہوتا جیسا اس کی بادشاہت میں ایسا کام کیسے ہو سکتا ہے جس کو وہ نہیں چاہتا ہے اور اس شخص
سے زیادہ گمراہ اور کافر کوئی نہیں ہو سکتا جس کا خیال ہے کہ اللہ نے چاہا کہ کافر ایمان لائے لیکن
کافر نے کفر اختیار کیا اس طرح کافر کی مشیت اللہ کی مشیت پر غالب آگئی۔
تعالیٰ اللہ عما یقولون علواً کبیراً۔

ایک اشکال اور اس کا جواب ارشاد ربانی :-

سَیَقُولُ الَّذِینَ اشْرَکُوا لَوْ شَاءَ اللّٰهُ
مَا اشْرَکْنَا وَلَا اٰبَاؤُنَا (الانعام ۱۳۹)

جو لوگ شرک کرتے ہیں وہ کہیں گے کہ اگر خدا
چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ
داوا (شرک کرتے)

ارشاد ربانی

وَقَالَ الَّذِینَ اشْرَکُوا لَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا عٰبَدْنَا
مِنْ دُونِهِ مِنْ شَیْءٍ (النحل ۳۵)

اور مشرکین نے کہا اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے
سوا کسی چیز کی عبادت نہ کرتے۔

نیز ارشاد ربانی ہے۔

وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمٰنُ مَا عٰبَدْنَا هُم
مَا هُوَ بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا یُخَوِّنُوْنَ
(الزخرف ۲۰)

انہوں نے کہا اگر اللہ چاہتا تو ہم ان کی عبادت
نہ کرتے ان کو اس کا رعب وہ تو اٹکل سے (الہیں)
بات کہتے ہیں۔

ان آیات میں اللہ پاک نے شرک کرنے والوں کی مذمت ذکر کی ہے۔ جب انہوں نے کہا کہ ہمارا شرک کرتا اللہ کی مشیت کے ساتھ ہے اسی طرح اہلبیت کی مذمت بیان کرتے ہوئے کہا جب اس نے اپنے گمراہ ہونے کی نسبت اللہ کی جانب کی جب کہ اس نے کہا:-

رب بما اغویتني لاذنن لهم في الاذن
دلا غوینہموا جمعین (الحجۃ ۳۹) تو نے مجھے گمراہ کیا میں زمین کا ان کیلئے (خیر)

کہا میں کروں گا اللہ ان سب کو بہکا دوں گا

اگرچہ ان کے اعراض کے مختلف جواہرات دیئے گئے ہیں لیکن سب سے احسن جواب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی مشیت کے ساتھ ساتھ ثابت کیا کہ وہ ہمارے اس فعل پر راضی ہے اور ہمیں محبوب سمجھتا ہے ان کا یہ ادعا غلط ہے اللہ کی مشیت کا ہرگز یہ تقاضا نہیں ہے کہ اللہ نے ان کو ایسے کاموں کا حکم بھی دیا ہے اور پھر انہوں نے مشیت ایزدی کو بطور توحید کے ذکر نہیں کیا ہے بلکہ بطور معارضہ کے ذکر کیا ہے وہ مشیت ایزدی کا بہانہ بنا کر اوامر و نواہی سے اعراض کرنا چاہتے ہیں شریعت اسلامیہ کو پس پشت ڈالنا چاہتے ہیں جیسا کہ عام طور پر زندقہ جابل لوگوں کو جب کسی کام کا حکم دیا جاتا ہے یا انہیں کسی کام سے روکا جاتا ہے تو وہ تقدیر کا سہارا لیتے ہیں چنانچہ ایک چور نے حضرت عمر کے دور خلافت میں جب تقدیر کا سہارا لیا تو حضرت عمر نے فرمایا میں تیرا ہاتھ اللہ کی قضا اور تقدیر کے ساتھ ہی تو قطع کر رہا ہوں۔ اس کا شاہد اللہ کا قول ہے۔

كذالك كذب الذين من قبلهم اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے تکذیب کی۔

(الانعام ۱۴۸)

معلوم ہوا ان کا مقصد شریعت کی تکذیب ہے۔

سوال آدم علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا آپ مجھے ایسے کام پر ملامت کر رہے ہیں جس کو میرے پیدا کرنے سے چالیس سال قبل لکھا ہوا تھا اس قول سے حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آگئے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی گواہی دیتے ہوئے فرمایا کہ آدم موسیٰ پر غالب آگئے معلوم ہوا گناہ میں تقدیر کا سہارا لینا درست ہے۔

جواب مذکورہ حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے لہذا ہم اس حدیث کو تسلیم کرتے ہیں نہ تو قدریہ کی طرح ہم حدیث کی تکذیب کرتے ہیں نہ ہی کسی کمزور تاویل کے مرتکب ہوتے ہیں۔

صحیح صورت حال یہ ہے کہ حضرت آدم اپنے گناہ پر تقدیر کا سہارا لے کر غالب نہیں آئے وہ اپنے گناہ کو سمجھتے تھے اور اللہ کے بارے میں بھی انہیں علم تھا اسی طرح ایمانداروں کے بارے میں بھی ہماری رائے یہ ہے کہ وہ اپنے گناہوں پر تقدیر کا سہارا نہیں لیتے ہیں ان پر اس قسم کا الزام درست نہیں اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اپنے باپ آدم اس کے گناہ کے بارے میں خوب علم رکھتے تھے وہ حضرت آدم کو ایسے گناہ پر کیسے ملامت کر سکتے تھے جس سے حضرت آدم علیہ السلام تاب ہر چکے تھے اور اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی تھی ان کو منتخب فرمایا اور نور ہدایت سے نوازا۔

اصل ملامت تو اس مصیبت پر کی جا رہی ہے جس نے حضرت آدم کی اولاد کو جنت سے نکال دیا پس حضرت آدم مصیبت پر تقدیر سے استدلال کرتے ہیں گناہ پر تقدیر سے استدلال نہیں کرتے ہیں اس لئے کہ مصیبت پر تقدیر کا سہارا لینا درست ہے گناہ پر سہارا لینا درست نہیں حدیث کی جو تشریح ہم نے کی ہے وہ نہایت مناسب ہے پس جو مصیبت تقدیر میں لکھی جا چکی ہے تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں اللہ پر راضی ہونے کی یہ بہترین صورت ہے البتہ گناہ کے بارے میں اصل یہ ہے کہ گناہ نہ کیا جائے اگر گناہ ہو جائے تو استغفار کی جائے اور توبہ کی جائے یعنی گناہوں سے توبہ کی جائے اور مصیبتوں پر صبر کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فاصبر ان دعاء اللہ حق واستغفر لذنبک
الایۃ (المؤمن ۵۵)

تو صبر کرو بے شک خدا کا وعدہ سچا ہے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔

نیز فرمایا۔

وان تصبروا و انتقموا لا ینصرونکم و یدھم
شیئاً (ال عمران ۱۳۰)

اور اگر تم تکلیفوں کی برداشت اور لان سے کاؤ کشی کرتے رہو گے تو ان کا فریب تمہیں کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔

اور ابلیس کا قول

رب بما اخونیتی

اے رب بسبب اس کے کہ تو نے مجھے گمراہ کیا

سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ تقدیر کا معترف تھا البتہ اس نے تقدیر کے ساتھ استدلال کو مذہوم کہا ہے دیکھئے حضرت نوح علیہ السلام کہتے ہیں

ولا ینفعکم نصی ان اردت انی الفع
لکون کان اللہ ببیدان یغویکھو
ربکم والیہ ترجعون
اور اگر میں یہ چاہوں کہ تمہاری غیر خواہی کروں احد
خطا یہ چاہے کہ تمہیں گمراہ کرے تو میری غیر خواہی
تم کو کچھ فائدہ نہیں دے سکتی وہی تمہارا پروردگار
ہے اور تمہیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ (ہود ۳۲)

شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

فما شئت کان وان لم اشاء
وما شئت ان لو تشاء لعلیکن
جو تو نے چاہا ہو گیا اگرچہ میں نہ بھی چاہوں
اور جو میں نے چاہا نہ ہوا اگر تو نے نہ چاہا

وہب بن منبہ کا قول میں نے تقدیر میں غور کیا حیران ہو گیا پھر غور کیا مزید حیران ہوا البتہ میں نے دیکھا کہ مسئلہ تقدیر کو وہ انسان زیادہ جانتا ہے جو اس میں بحث کرنے سے رکتا ہے اور وہ زیادہ جاہل ہے جو تقدیر میں بحث کرتا ہے۔

(ط) وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت عطا کرتا ہے محفوظ کرتا تندرستی عطا کرتا ہے یہ اس کا فضل ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے مدد چھوڑتا ہے مصائب میں گرفتار کرتا ہے یہ اس کا عدل ہے (ش) اس میں معتزلہ کا رد ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ پر واجب ہے کہ وہ بندہ کے لئے اصلح کا انتخاب کرے چنانچہ وہ ہدایت کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ کی جانب سے ہدایت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ راہ صواب کو واضح کرتا ہے اور اضلال کا معنی ہے کسی بندے کو گمراہ کہنا کسی بندہ پر گمراہ بننے کا حکم من جانب اللہ اس وقت ہوتا ہے جب بندہ خود گمراہی کو پیدا کرتا ہے اس کی بنیاد ان کے فاسد اصل پر ہے کہ بندے اپنے افعال کے خود خالق ہیں۔

ہدایت کا وہ معنی جو معتزلہ کرتے ہیں غلط ہے ان کے بیان کردہ معنی کی روشنی میں ان لا تھتد
من اجبت ولكن الله يهدي من يشاء (القصاص ۵۶)

کا معنی صحیح نہیں رہتا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راہ ہدایت کے بیان کی نفی صحیح نہیں جب کہ آپ ہر شخص کو صحیح راہ دکھاتے ہیں خواہ وہ پسند کرے یا نہ پسند کرے۔ نیز فرمایا۔
ولو شئت لاتینا کل نفس حد نسها
اگر ہم چاہتے تو ہر جان کو ہدایت دے دیتے
(السجدة ۱۳)

نیز فرمایا۔

بِضَلِّ اللَّهِ مِنْ يَشَاءُ وَجِهْدِي مَنْ
اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس
یشاء (المائدہ ۳۱) کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

یہ آیات بھی ان کے بیان کردہ معنی کا رد کرتی ہیں نیز اگر ہدایت کا معنی راہ حق کو بیان کرنا ہی ہوتا تو اسے مشیت کے ساتھ مقید کرنا صحیح نہ تھا جب کہ راہ حق کے بیان میں تمام مساوی ہیں اور عام ہیں اسی طرح وہ

لَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّي لَكُنْتُ مِنَ الْخَاسِرِينَ
اور اگر میرے پروردگار کی مہربانی نہ ہوتی تو
الصفات ۵۷ میں بھی ان میں ہوتا جو غضب میں ماسز کے ہیں

اور

مَنْ يَشَأُ اللَّهُ يُضِلَّهُ وَمَنْ يَشَأْ يُعِدِّ
جس شخص کو اللہ چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس
عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (الانعام ۲۶) کو چاہتا ہے سیدھے رستے پر رکھتا ہے
بھی ان کے بیان کردہ معنی کو غلط قرار دیتی ہیں

(ط) تمام کے تمام اس کی مشیت میں پھر رہے ہیں تمام اللہ کے فضل اور عدل کے درمیان ہیں
(ش) ارشاد ربانی ہے:-

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ
وہی خدا ہے جس نے تمہیں پیدا کیا تو کچھ تم میں
مُؤْمِنٌ (التغابن ۲) سے کافر اور کچھ مومن ہیں۔

پس جس کو اس نے ایمان کی ہدایت عطا کی اس پر اس کا فضل ہے اور اسے اللہ کی حمد کرنی چاہیے اور جس کو اس نے گمراہ کیا اس کے ساتھ عدل ہوا اسے بھی اللہ کی حمد کرنی چاہیے مزید وضاحت آئندہ اوراق میں کی جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ دراصل شیخ امام طحاوی مسئلہ تقدیر پر کسی ایک مقام پر مکمل بحث نہیں کرتے ہیں مختلف مقامات پر بحث کرتے ہیں پس میں نے بھی ان کی ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے۔

(ط) اللہ پاک مخالفین اور برابری کرنے والوں سے بلند ہیں۔

(ش) ضد مخالف کو اور متر مثل کو کہتے ہیں پس اللہ پاک کا کوئی معارض نہیں بلکہ اس نے جو چاہا ہوا اور جو نہ چاہا نہ ہوا اور اس کی برابری کرنے والا بھی کوئی نہیں ارشاد ربانی ہے۔

وَلَعَلَّكُمْ لِمَ كُفُّوا أَحَدَ (الاحزاب ۴) اور اس کو کوئی برابری کرنے والا نہیں۔

شیخ امام طحاوی معتزلہ کا رد کرتے ہوئے اللہ کے مخالف اور مماثل کی نفی کرتے ہیں جب کہ معتزلہ بندے کو اپنے فعل کا خالق قرار دیتے ہیں۔

(ط) اس کے فیصلوں کو کوئی رد نہیں کر سکتا اس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور اس کے امر پر کوئی غالب نہیں۔

(ش) اللہ کے فیصلوں کو کوئی رد کرنے والا نہیں اور اس کے حکم کو کوئی ٹال سکتا ہے اور اس کے امر پر کوئی غالب آ سکتا ہے بلکہ وہ اللہ ایک ہے غالب ہے۔

(ط) ان سب پر ہمارا ایمان ہے اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ ہر ہونے والی چیز اللہ کی جانب سے ہے۔
(ش) ایمان پر بحث آئندہ اوراق میں ذکر ہوگی اور ایقان استقرار کا نام ہے کما جاتا ہے۔
قرالماء فی الخوض اذا استغفر۔ پانی کا حوض میں قرار پکڑنا۔

جب وہ اس میں قرار پکڑ جائے اور کلاگی تنوین بدل اضافت کی ہے یعنی ہر وہ چیز جو اللہ کی جانب سے ہونے والی ہے یعنی اس کے قضا، تقدیر، ارادہ، مشیت اور تحوین کے ساتھ ہے مزید وضاحت آئندہ اوراق میں ذکر کی جائے گی۔

(ط) بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے برگزیدہ بندے اس کے چنے گئے پیغمبر اور اس کے پسندیدہ رسول ہیں۔

(ش) الا صطفاء الاجتباء، الاستقاء ہم معنی الفاظ ہیں۔

خیال رہے کہ مخلوق کا کمال یہ ہے کہ اس میں اللہ کی عبودیت کا تحقق ہو پس جس قدر بندے میں عبودیت کا تحقق زیادہ ہوتا چلا جائے گا اس کے کمال میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ اور اس کے درجات بلند ہوں گے۔

اور جو شخص اس وہم میں مبتلا ہے کہ مخلوق کو عبودیت سے کسی کسی طرح نکلنا چاہیے۔ اور جب وہ عبودیت سے نکل جائے گی تو وہ اکمل ہوگی۔

اس قسم کے وہم میں مبتلا لوگ بہت بڑے گمراہ اور جاہل ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے ۱۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا سُبْحَانَ اللَّهِ بَلْ عِبَادٌ مُّكْوَنُونَ (الانبیاء)

اللہ پاک نے اپنے پیغمبر کو اشرف مقام میں عہد کے ساتھ ذکر کیا فرمایا۔

سبحان الذی اسرىٰ عبداً (الاسراء) وہ ذات پاک جس نے اپنے بندے کی سیر کرائی

بیز فرمایا۔

دانکہ لما قام عبد اللہ یدعوہ (الحج۱۹) اور جب خدا کے بندے (محمد) اس کی عبادت کو کھڑے ہوتے
نیز فرمایا۔

فاوحی الی عبدہ ما اوحی (البقرہ ۱۰) پھر اس نے اپنے بندے کی طرف بھیجا سو بھیجا
نیز فرمایا

وان کنتم فی سبیب صا منزلنا علی عبدنا اگر تم اس کتاب کے بارے میں شک میں ہو جس
(البقرہ ۲۳) کو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا

انسان عبدیت کی وجہ سے دنیا و آخرت میں تقدیم کا حق دار ہوا چنانچہ حضرت مسیح علیہ السلام
(قیامت کے روز جب لوگ اس کے پاس شفاعت کیلئے جائیں گے) کہیں گے تم محمد صلی اللہ علیہ
وسلم کے پاس جاؤ وہ بندہ ہے جس کے پہلے، پچھلے تمام گناہ معاف ہو چکے ہیں (بخاری، مسلم)
پس آپ کو یہ مرتبہ تکمیل عبودیت کی وجہ سے حاصل ہوا۔

سچی نبوت اور جھوٹی نبوت میں امتیاز متکلمین کے ہاں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام
کی نبوت کی صداقت پر معجزات سے استدلال کیا جاتا ہے۔ اکثر متکلمین معجزات کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ
والسلام کے ساتھ مختص کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ماسوائے
دوسرے لوگوں سے کرامات اور معجزات کا انکار کرتے ہیں۔

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ معجزات کے ظہور سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کا
پتہ چلتا ہے لیکن صرف معجزات کو محض اور صداقت کا معیار قرار دینا درست نہیں ہم دیکھتے ہیں
کہ نبوت کا دعویٰ کرنے والوں میں جہاں نہایت راستباز موجود ہیں وہاں کذاب بھی موجود
ہیں قرآن سے دونوں میں امتیاز کیا جاسکتا ہے اور صادق، کاذب کو الگ الگ کیا جاسکتا ہے
بلکہ عام لوگوں کے احوال دیکھ کر معلوم کیا جاسکتا ہے کہ ان میں کس تک راستبازی موجود ہے
یا یہ لوگ دھوکہ باز ہیں۔

حضرت حسان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

لولہ یکن فیہ آیات مبینۃ کانت

بایدہت تاتیلک بالاخبار

اگر آپ میں واضح آیات نہ بھی ہوں پھر بھی آپ کے پاس ان کی فی البدیہہ خبریں اصل حقیقت کو واضح کر رہی ہیں۔

اسی طرح جھوٹے نبیوں کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں نہ صرف جہالت، کذب فسق و فجور موجود ہے بلکہ ان پر شیطانوں کا تسلط ہوتا ہے اس کی گفتار، کردار اور اس کا چال چلن شریف لوگوں جیسا نہیں ہوتا جبکہ سچے انبیاء کی زندگی قابل رشک ہوتی ہے اور ان کے عادات و اخلاق باعث کشش ہوتے ہیں۔

انبیاء کی سطح سے نیچے اتر کر ہم دیکھتے ہیں کہ دو انسانوں نے ایک بات کا دعویٰ کیا ان میں ایک سچا اور ایک جھوٹا ہے اگرچہ ابتدا میں بظاہر ہم دونوں میں تمیز نہیں کر پاتے ہیں لیکن بالآخر کچھ مدت کے بعد ہم ان میں فرق کر سکتے ہیں اور معلوم ہو جاتا ہے کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا ہے ظاہر ہے کہ سچا انسان نیکو کار ہوگا اور جھوٹا انسان بدکردار ہوگا۔

صحیحین میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا سچائی اختیار کرو اس لئے کہ سچائی نیک کار راہ دکھاتی ہے اور نیکی جنت کا راہ دکھاتی ہے ایک آدمی سچ بولتا رہتا ہے اور سچائی کا دلدادہ رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے ہاں استباز لکھا جاتا ہے اور جھوٹ سے بچاؤ اختیار کرو اس لئے کہ جھوٹ بولنا بدکاری کا راہ دکھاتا ہے اور بدکاری جہنم کا راہ دکھاتی ہے ایک آدمی ہمیشہ جھوٹ بولتا رہتا ہے اور اس کو پیشہ بنا لیتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے ہاں جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:-

هل انبئكم على من تنزل الشياطين	اچھا میں نہیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں
تنزل على كل افاك اثم يلقوت	ہر جھوٹے گنہگار پر اترتے ہیں جو سچی ہوئی
السمع واكثرهم كاذبون والشعراء	بات (اس کے کان میں) لا ڈالتے ہیں اور وہ
يتبعهم الغاؤون الموتراهمو	اکثر جھوٹے ہیں اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ
في كل واديهيمون واتهم يقولون	کیا کرتے ہیں کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی
مالا يفعلون (الشعراء ۲۲)	میں سرائے پھرتے ہیں اور کہتے وہ ہیں جو کہتے

لے (مسلم) صحیحین کی طرف نسبت درست نہیں مؤلف کو تسامع ہو گیا ہے

نہیں ہیں

کاہن، نجومی اور مستقبل کی خبریں دینے والوں کی باتیں کبھی سچی بھی ہوتی ہیں لیکن ان کا عام جھوٹ بولنا اور بدکردار ہونا پتہ دیتا ہے کہ وہ جو غیب کی خبریں بتاتے ہیں ان کی خبروں کا اصل کوئی فرشتہ نہیں اور نہ ہی ان کو انبیاء تسلیم کیا جاسکتا ہے۔

خیال کریں حبیب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن صیاد سے کہا میں نے دل میں کچھ چھپا رکھا ہے بتاؤ وہ کیا ہے؟ اس نے لفظ دَخ کہا اس کے جواب میں آپ نے فرمایا ذلت تیرا مقدر ہے کبھی تجھے ملبدی حاصل نہ ہوگی یعنی تو محض کاہن ہے یہ لقب آپ نے اس کو تب دیا جب اس نے کہا میرے پاس سچا اور جھوٹا دونوں آتے ہیں اور میں پانی کی سلج پر تخت دیکھتا ہوں دراصل اسے شیطان کا تخت نظر آتا تھا۔

جس طرح کاہنوں کی زندگی فسق و فجور سے اٹی ہوتی ہے اسی طرح شاعروں کی زندگی بھی سنائیت تاریک ہوتی ہے اسی لئے کاہنوں کے بعد ان کا ذکر کیا ہے اور بیان کیا کہ ان کی پیروی کرنے والے گمراہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنی خواہشات کا اتباع کرتے ہیں اگرچہ انجام کار انہیں نقصان سے دوچار ہونا ہوتا ہے۔

پس جو شخص رسول خدا کی زندگی کا جائزہ لے گا اسے معلوم ہوگا کہ اس کے قول فعل میں بقیہ ہے اور یہ تو اخلاق حمیدہ کا مرقع ہے اس کو شاعر یا کاہن نہیں کہا جاسکتا۔

صدق، کذب کے قرآن راستباز اور دروغ گو میں امتیاز کچھ مشکل نہیں جیسا کہ وہ لوگ جو کاشتکاری کرتے ہیں یا کپڑا بناتے ہیں یا فن کتابت سے مزاوالت رکھتے ہیں ہم ان میں مراتب کے لحاظ سے فرق کر سکتے ہیں اسی طرح جو لوگ علم نحو، علم طب اور علم فقہ میں دلچسپی رکھتے ہیں ان میں بھی مدارج ہیں اور ان کا تعین کرنا کچھ مشکل نہیں اسی طرح ایک پیغمبر میں اعلیٰ درجہ کی صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں وہ علم و عمل میں اونچے مقام پر فائز ہوتا ہے لیکن کاہن کے حالات اس سے مختلف ہوتے ہیں ان دونوں میں اشتباہ کا سوا ہی پیدا نہیں ہوتا۔

بعض اوقات قرآن سے علم یقین حاصل ہو جاتا ہے اگرچہ جردینے والا ایک فرد یا دو یا تین افراد ہوتے ہیں۔

بالکل اسی طرح بعض اوقات ایک انسان کے خدو خال اس کا حسن سلوک پتہ دیتا ہے

کہ اس کے دل میں کیا ہے؛ اسی طرح بظاہر غم کے آثار یا خوشی کی چمک دمک ناراضگی کے علامات یا رضا و رغبت کے جذبات اصل حقیقت کی عکاسی کرتے ہیں اگرچہ فی الواقع زبان سے اظہار نہیں ہوتا اور بعض دفعہ اظہار ممکن بھی نہیں ہوتا۔

ارشاد خداوندی ہے :-

(ولولنا، لادرنا کہم فلعرفہم یسیرا) اور اگر ہم چاہتے تو وہ لوگ تم کو دیکھا بھی دیتے
(مجموعہ ۳۰) اور تم ان کو ان کے چہروں ہی سے پہچان لیتے

نیز فرمایا :-

(ولتعر فہم فی لحن القول) (محمد ۳۰) اور تم (ان کے) انداز گفتگو ہی سے پہچان لو گے
بعض لوگوں کا قول ہے :-

ما اسرا خدا سریرۃ الا اظہرھا للہ جو شخص دل میں جو چھپاتا ہے اللہ پاک اس
علی صفت وجہہ و فلتات لسان کے ضد و خال اور اس کی زبان پر کبھی نہ کبھی
اس کے اثرات نمایاں کر دیتا ہے ۔

معلوم ہوا کہ مجز کے صدق و کذب کا قرآن سے پتہ چلتا ہے تو مدعی نبوت کا صدق و کذب کیسے معفی رہ سکتا ہے اور کیوں کر سچے اور جھوٹے میں امتیاز نہیں ہو سکتا ہے ۔

حضرت خدیجہ کا بیان دیکھئے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یقین رکھتی تھیں کہ آپ راست باز نیکو کار ہیں تو وحی کے نزول کے بعد جب آپ نے حضرت خدیجہ سے کہا کہ مجھے جان کا خطرہ ہے تو حضرت خدیجہ نے جواب میں کہا بالکل نہیں سبحان اللہ تیری معاونت ترک نہیں کرے گا جب کہ تو صلہ رحمی کرتا ہے، سچ بولتا ہے لوگوں کے بوجھ اٹھاتا ہے مہمان نوازی کرتا ہے فقیروں کو سال دیتا ہے راہ حق میں اعانت کرتا ہے حضرت خدیجہ نے آپ کو اطمینان دلاتے ہوئے جو کچھ کہا ہے وہ اس بنا پر نہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پیغمبر ہونے میں کچھ شک تھا بلکہ آپ خوفزدہ ہو گئے کہیں آپ حادثہ کا شکار نہ ہو جائیں اور نصرت الہی سے محروم نہ ہو جائیں تو حضرت خدیجہ نے اس کی نفی کرتے ہوئے کہا کہ آپ میں فطرتاً اچھے اوصاف پائے جاتے ہیں اور اللہ کی سنت یہ ہے کہ جس میں مکام اخلاق موجود ہوں اور وہ برے اخلاق سے کنارہ کش رہتا ہو تو اللہ پاک اس کو ذلیل نہیں کرتا نہ

اس کی مدد چھوڑتا ہے۔

نجاشی کا بیان جب نبجاشی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہجرت کرنے والوں سے دریافت کیا اور انہیں قرآن پاک کی تلاوت کرنے کے لئے کہا تو قرآن سن کر بول اٹھا کہ جو کچھ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوتا رہا اس کا اور اس کلام کا ایک مخرج ہے اور ایک معنوں ہے دونوں میں ہم آہنگی موجود ہے۔

درقہ بن نوفل کا بیان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم درقہ بن نوفل کے پاس گئے آپ نے اس کو وحی اور جبریل کے دیکھنے کے بارے میں کہا تو درقہ بن نوفل رجو مسانی عالم تھا اور انجیل کا عربی زبان میں ترجمہ کر رہا تھا) نے کہا یہ وہی جبریل فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کرتا تھا اور حضرت خدیجہ نے بھی جب اپنے چچا درقہ بن نوفل سے کہا اپنے بھتیجے پر نازل شدہ کلام سنیں تو اس کا بھی انہوں نے وہی جواب دیا۔

ہرقل کا بیان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب روم کے بادشاہ ہرقل کی جانب خط بھیجا تبھی اس کو اسلام کی طرف دعوت دی تھی تو ہرقل نے وہاں موجود عرب کے باشندوں کو جمع کیا ان دونوں ابوسفیان قریش قبیلہ کے چند لوگوں کی رفاقت میں تجارتی قافلہ لے کر شام آیا ہوا تھا تو ان سے عموماً اور ابوسفیان سے خصوصاً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کے بارے میں دریافت کیا لیکن جب وہ ابوسفیان سے دریافت کر رہا تھا تو اس نے دیگر عرب باشندوں کو کہہ رکھا تھا کہ اگر ابوسفیان کہیں کذب بیانی سے کام لے تو تم نے اس کے جھوٹ کو ظاہر کرنا ہو گا وہ مجلس میں خاموش رہے ابوسفیان کے بیان میں انہوں نے کچھ نہ کہا اس نے دریافت کیا: کیا اس کے آباؤ اجداد میں کوئی بادشاہ گزارا ہے انہوں نے نفی میں جواب دیا۔

اس نے دریافت کیا: کیا اس کے قبیلہ سے اس سے پہلے بھی کسی نے یہ بات کہی ہے انہوں نے نفی میں جواب دیا۔ اس نے دریافت کیا: بھلا کیا وہ تم میں اونچے نسب کا مالک ہے انہوں نے اثبات میں جواب دیا اس نے دریافت کیا: کیا اس بات کے کہنے سے پہلے بھی تم نے اس کو جھوٹ کے سانچہ متسم کیا ہے انہوں نے نفی میں جواب دیا اور کہا ہم نے اس سے کبھی جھوٹ نہیں سنا۔

پھر اس نے دریافت کیا: اس کی پیروی کرنے والے کمزور لوگ ہیں یا اونچے لوگ ہیں انہوں نے جواب میں کہا کہ اس کی پیروی کرنے والے تو کمزور لوگ ہیں۔ پھر اس نے دریافت کیا: کیا ان کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے یا ان میں کمی آرہی ہے انہوں نے جواب دیا کہ ان کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ پھر اس نے دریافت کیا: کیا کوئی شخص دین میں داخل ہونے کے بعد ناراض ہو کر دین سے برگشتہ بھی ہوا انہوں نے نفی میں جواب دیا پھر اس نے دریافت کیا: کیا تم نے اس کے ساتھ لڑائی کی ہے جواب اثبات میں تھا پھر سوال کیا: لڑائی میں کون غالب رہا انہوں نے جواب دیا کبھی وہ ہم پر غالب آیا اور کبھی ہم اس پر غالب آئے۔

پھر اس نے دریافت کیا: کیا وہ عہد شکنی کرتا ہے انہوں نے نفی میں جواب دیا۔ پھر اس نے دریافت کیا: وہ تمہیں کن باتوں کا حکم دیتا ہے انہوں نے جواب دیا وہ ہمیں اس بات کا حکم دیتا ہے کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں اور وہ ہمیں ان تینوں کی عبادت سے روکتا ہے جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے اور وہ ہیں نماز، بھائی، پاکدامنی اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے دس سے زیادہ مسائل کا ذکر کیا اور ان کے دلائل بیان کئے۔

پھر اس نے کہا میں نے تم سے دریافت کیا: کیا اس کے آباؤ اجداد میں کوئی بادشاہ تھا تم نے نفی میں جواب دیا میں نے محسوس کیا اگر اس کے آباؤ اجداد میں کوئی بادشاہ ہوتا تو میں سمجھتا کہ وہ اپنے باپ کی بادشاہت کا طالب ہے پھر میں نے تم سے دریافت کیا: کیا تم میں سے پہلے بھی کسی نے یہ دعویٰ کیا ہے تمہ نے نفی میں جواب دیا میں نے محسوس کیا کہ اگر اس سے پہلے کسی نے یہ دعویٰ کیا ہوتا تو میں سمجھتا کہ وہ اپنے سے پہلے کی اقتدار کر رہا ہے پھر میں نے تم سے دریافت کیا اس کے اس دعویٰ سے پہلے بھی تم اسے جھوٹ کے ساتھ متہم کرتے ہو تم نے نفی میں جواب دیا میں نے محسوس کیا جب یہ لوگوں پر جھوٹ سے گریز کرتا ہے تو اثر پر کیسے جھوٹ بول سکتا ہے پھر میں نے تم سے دریافت کیا اس کے پیروکار کمزور لوگ ہیں یا اونچے طبقہ کے لوگ ہیں تم نے جواب دیا کمزور ہیں اور شروع شروع میں پیغمبروں کے پیروکار کمزور لوگ ہی ہوا کرتے ہیں پھر میں نے تم سے دریافت کیا: کیا وہ زیادہ ہو رہے ہیں یا ان کی تعداد کم ہو رہی ہے تم نے جواب دیا تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے ایمان کا حال ایسے ہی ہوتا ہے یہاں تک کہ ایمان اکمل اکمل ہو جاتا ہے پھر میں نے تم سے دریافت کیا: کیا دین میں داخل ہونے کے بعد ناراض ہو کر کوئی شخص مرتد بھی ہوا ہے تم نے نفی میں جواب دیا ایمان کا یہی حال ہوتا ہے جب ایمان کی بنیاد دل میں پیوست ہو جاتی ہے تو پھر دین سے کوئی برگشتہ نہیں ہوتا اور یہ کسی سچائی کی بہت بڑی علامت ہے ظاہر ہے کہ جھوٹ بالآخر ختم ہو جاتا ہے اور اس کے ماننے

داوں میں کمی آجاتی ہے نیز اس میں کسی کے داخل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا یعنی جھوٹ چند روز ظہور پذیر رہتا ہے اس کے بعد جلد ہی اس کی پذیرائی ختم ہو جاتی ہے۔

پھر میں نے تم سے دریافت کیا: تمہارے ساتھ اس کی لڑائی کا حال کیا ہے تم نے جواب دیا کبھی ہم غالب کبھی وہ غالب۔ اسی طرح پیغمبروں کا ابتلا ہوتا ہے آخر کار انہیں کامیابی حاصل ہوتی ہے پھر میں نے تم سے دریافت کیا: کیا وہ عہد شکن ہے تم نے نفی میں جواب دیا اور حقیقت بھی یہی ہے کہ پیغمبر عہد شکنی نہیں کرتے ہاں رسولوں کے بارے میں اللہ کی سنت یہ ہے کہ کبھی اللہ پاک انہیں کامیاب کرتا ہے اور کبھی آزمائش میں مبتلا کرتا ہے تو ابتلا کے ایام میں بھی وہ عہد شکنی نہیں کرتے اور یہی حال ایمانداروں کا ہے اللہ پاک خوشحالی اور مصائب کے ساتھ انہیں آزماتا ہے تاکہ وہ شکر اور صبر کے درمیان فائز رہیں

صحیح مسلم میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اللہ پاک مومن کے لئے جو فیصلہ صادر فرماتا ہے وہ اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے لیکن اس میں صرف مومن مراد ہیں اگر مومن خوشحالی سے ہمکنار ہوتا ہے تو وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے شکر ادا کرتا اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے۔ اگر کسی مصیبت سے دوچار ہوتا ہے اور صبر کرتا ہے تو یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے۔

جنگ امد میں دشمن نے مسلمانوں پر اچانک ایسا وار کیا جس سے مومنوں کی صفوں میں جھگڑ چمک گئی اس میں بھی حکمت تھی اس کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

دَلَا قَهْنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَانْقِمِ الْاَعْلُونَ اور (دیکھو) بے دل نہ ہونا اور نہ کسی طرح کا غم
اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ (الاحقاف ۱۳۹) کرنا اگر تم مومن (مصدق) ہو تو تم ہی غالب رہو گے
نیز فرمایا۔

اَلْحَوَاحِشِبِ النَّاسِ اِنْ يَتَرَكُوْا اَنْ يَّعُوْذُوْا اَلَمْ تَكُنْ لَّوْگِ يَ خِيَالُ كُنْے ہوئے ہیں کہ صرف یہ کہنے
اَمَّا دَهْوٌ لَا يَفْتَنُوْنَ (العنکبوت ۲۴) سے کہ ہم ایمان لے آئے چھوڑ دیئے جائیں گے اور
اور ان کی آزمائش نہیں کی جائیگی۔

ان کے علاوہ اور آیات احادیث اس مضمون کی وارد ہیں جو بندوں کے بارے میں اللہ کی سنت اور حکمت کو بیان کرتی ہیں جس سے عقلیں حیران ہو جاتی ہیں۔

پھر میں نے دریافت کیا وہ پیغمبر کن باتوں کا حکم دیتا ہے تم نے بیان کیا کہ وہ تم کو حکم دیتا ہے

کہ تم اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ نیز وہ تم کو نماز ادا کرنے سے روکے بغیر پکڑ لے پکڑ لے
اختیار کرنے اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور تم کو ان تین کی عبادت سے روکتا ہے جن کی عبادت تمہارے
باپ دلاؤ کیا کرتے تھے۔

پس ہی تو ایک پیغمبر کی صفت پہلو مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ نبی مبعوث ہونے والا ہے لیکن مجھے یہ
خیال نہ تھا کہ وہ تم میں سے ہو گا البتہ میں پسند کرتا ہوں کہ میں اس کی خدمت میں پہنچوں اگر میرے پاس
بادشاہت نہ ہوتی تو میں ضرور وہاں جاتا اور اگر تیری باتیں درست ہیں تو یقیناً اس کو اس جگہ کی بادشاہت
مل کر رہے گی ہر قل کی باتوں کا اصل مخاطب ابوسفیان تھا وہ ان دنوں کافر تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کا بہت بڑا دشمن تھا۔

ابوسفیان بیان کرتا ہے میں نے اپنے رفقاء سے کہا جب ہم اس کی مجلس سے نکل رہے تھے کہ
ابن ابی کبشہ کا معاملہ بہت عظیم ہو گیا ہے کہ روم کا بادشاہ بھی اس کی تعظیم کرتا ہے پھر ہندوستان میں اس
یقین میں رہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دین عام ہو جائے گا یہاں تک کہ بادل نخواستہ میں بھی دین
اسلام میں داخل ہو گیا۔

صدق، کذب کے دلائل میں تفاوت جس طرح بعض خبریں مفید للظن ہوتی ہیں اور بعض
مفید للیقین ہوتی ہیں اسی طرح صدق، کذب کے دلائل میں بھی ضعف اور قوت کے لحاظ سے تفاوت
ہوتا ہے ہم دیکھتے ہیں اس عالم میں ایسے آثار بھی پائے جاتے ہیں جو حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام
اور ایماندار لوگوں کی عظمتوں کا تابندہ نشان ہیں نیز پیغمبروں کی تکذیب کرنے والوں پر وقتاً فوقتاً جہنم
نازل ہوتے رہے (جیسے قوم نوح کو پانی کے طوفان سے لیا میٹ کر دیا فرعون اور اس کے لشکر
کو سحر طہر میں غرق کر دیا) ان کے آثار اللہ کے غیظ و غضب کا پتہ دیتے ہیں ان واقعات کا ذکر
کرنے کے بعد تقریباً ہر واقعہ کے بعد یہ جملہ موجود ہے۔

ان فی ذالک لآیتہ دما کان اکثرھم
مومنین وان ربک لھو العزیز الرحیم
بے شک اس میں عبرت ہے اور ان کی اکثریت
ایمان لانے والی نہیں اور تیرا رب غالب اور رحم
کرنے والا ہے ﴿الشعراء﴾

مختصر یہ کہ زمین میں ایک انسان نے اپنے پیغمبر ہونے کا دعویٰ کیا کچھ لوگوں نے اس کی پیروی
کی اور کچھ نے مخالفت کی لیکن اللہ پاک نے پیغمبروں، ایمانداروں کو غلبہ عطا فرمایا اور ان کا انجام اچھا کیا

اور پیغمبروں کے دشمنوں کو مختلف تکلیفوں میں مبتلا کیا اور وہ عذاب خداوندی میں گرفتار ہوئے اس قسم کے واقعات تو اتر کے ساتھ ثابت ہیں شاید فارس کے بادشاہ اور یونان کے اہل باطل جالیون بطلمیوس، سقراط، افلاطون، ارسطو اور اس کے پیروکار تاریخ میں اتنی شہرت کے مالک نہیں جس قدر وہ قومیں مشہور ہیں جو عذاب خداوندی بیک گرفتار ہوئیں۔ یا جو قومیں پیغمبروں کی اطاعت کر کے دنیوی اخروی سعادتوں سے ہمکنار ہوئیں۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واقعات متواتر ہیں حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے پیروکاروں کے حالات نیز ان کے مخالفوں کے حالات متواتر کے ساتھ ثابت ہیں اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام راہ حق پر تھے اور سچائی کے ساتھ جو بیعت تھے

انہوں نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ جو لوگ ہماری اطاعت کریں گے وہ کامیاب ہونگے اور نہ اطاعت کرنے والے ذلیل و خوار ہوں گے چنانچہ ایسے ہی ہوا اللہ پاک نے ان کے ماننے والوں کو غلبہ عطا کیا اور دشمنوں کو تباہ و برباد کر ڈالا جیسے فرعون بحر قلزم میں غرق ہوا تو نوح پانی میں ڈوب کر مر گئی۔

اور جب انبیاء کی جانب سے پیش کردہ شریعت اور اس کے احکام پر غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کا علم دیگر تمام لوگوں سے زیادہ ہے اور کیا جو زیادہ علم والے ہوں ان کو کذاب، جاہل کہا جاسکتا ہے اس کے ساتھ ساتھ انبیاء رحمت، ہدایت، حیر و دیگر مصلحتوں مفید مشوروں سے لوگوں کو نوازتے رہے ظاہر ہے کہ جن سے اس قسم کے عظیم کام سرزد ہوئے اور جنہوں نے مخلوق خدا پر رحمت خداوندی کی بارش بر سادی وہ کبھی سخت دل نہیں ہو سکتے ان کے شفیق اور مہربان ہونے میں کچھ شبہ ہو سکتا ہے؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا تفصیل تذکرہ یہاں نہیں ہو سکتا آپ کے معجزات پر مستقل تصانیف موجود ہیں مثلاً امام بیہقی کی کتاب ”دلائل النبوة“ گراں قدر معلومات کی حامل ہے بلکہ ہم تو یہاں تک کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کرنا درحقیقت اللہ پاک کی ذات میں طعن کے مترادف ہے اور اللہ کو ظلم اور سفاکت کی طرف منسوب کرتا ہے بلکہ بالکل اللہ کے انکار کے مترادف ہے تعالیٰ اللہ عن ذلک علواً کبیراً۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت صادقہ کی دلیل ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا بنی مانتے ہیں جن لوگوں کے ہاں آپ سچے نبی نہیں تھے بلکہ نعوذ باللہ آپ ظالم مکران تھے ان کے متعلق ہم بھی کہیں گے کہ وہ اللہ پر افسوسناک باندھ رہے ہیں اور آپ پر ایک انہونی بات کا الزام دے رہے ہیں۔

ہم دریافت کرتے ہیں اگر آپ سچے نبی نہ تھے تو ہم حیران ہیں کہ کیوں آپ کو اتنی مہلت ملتی ہے آپ دور نبوت میں چند چیزوں کو حلال گردانتے ہیں بعض کو حرام کہتے ہیں فرائض کا تعین فرماتے ہیں احکام کا نفاذ کرتے ہیں پہلی ملتوں کو منسوخ ٹھہراتے ہیں گردنوں پر تلواریں چلاتے ہیں یہودیوں، عیسائیوں (جو پیغمبروں کے پیروکار ہیں) کو قتل کرتے ہیں ان کی عورتوں کو لونڈیاں بناتے ہیں ان کے بچوں کو غلام بناتے ہیں ان کے مال کو لٹٹے ہیں ان کی آبادیوں کو تہس نہس کرتے ہیں فتوحات کا سلسلہ شروع رہتا ہے اور پھر آپ ان تمام کی نسبت اللہ پاک کی جانب کرتے ہیں اور اللہ سے اپنی محبت کا اظہار فرماتے ہیں اللہ پاک ان سب کاموں کا مشاہدہ فرماتے ہیں اور پیغمبر کے خلاف کچھ غم و غصہ کا اظہار نہیں کرتے اور مسلسل تیس سال آپ اللہ پر افسوسناک باندھ رہے ہیں اس کے باوجود اللہ آپ کی تائید و نصرت فرماتا ہے آپ کے امر کو غلبہ عطا کرتا ہے اور آپ کو اتنی بڑی کامیابی سے ہمکنار فرماتا ہے جس سے انسانی طاقت عاجز ہے مزید برآں آپ کی دعائیں قبول ہوتی ہیں آپ کے دشمن ہلاک کر دیئے جاتے ہیں آپ کی شہرت میں اضافہ ہوتا ہے افسوس ان تمام انعامات خداوندی کے باوجود ان لوگوں کے نزدیک معاذ اللہ کذاب افترا پر داز ظالم ہیں حالانکہ وہ انسان بہت بڑا ظالم ہے جس نے اللہ پر افسوسناک باندھا انبیاء کی شریعتوں کو باطل سمجھا ان کو تبدیل کیا اللہ کے اولیاء کا قتل کیا پھر بھی اللہ کی نصرت اس پر ہمیشہ نازل ہوتی رہی اور اللہ اس کو اسی حالت پر برقرار رکھتا رہا پھر اللہ نے اس کا مواخذہ نہ کیا اللہ نے اس کی شہ رگ کو قطع نہ کیا اس سے ان پر لازم آئے گا کہ وہ کہیں اس عالم کا نہ کوئی صانع ہے نہ کوئی مدبر ہے اگر اس عالم کا کوئی صانع مدبر حکیم ہوتا تو اس کے ہاتھوں کو روکتا اور اس کے مقابلہ میں اترتا اور صالحین کے لئے اسے عبرت ناک سزا دیتا اس لئے کہ بادشاہ قویوں ہی کرتے ہیں تو بادشاہوں کا بادشاہ احکم الحاکمین کیوں ایسا نہیں کرتا اس میں شک نہیں کہ اللہ نے آپ کے ذکر کو عام کیا آپ کی دعوت کو غلبہ عطا کیا اور تمام ملکوں میں سب کے سامنے آپ کی نبوت کی شہادت دی نیز ہم اس بات کا بھی انکار نہیں کر سکتے کہ کثیر تعداد میں

کذاب اس کے مقابلہ میں آئے اپنی شان و شوکت کا انہوں نے اظہار بھی کیا لیکن انہیں کامیابی حاصل نہ ہوئی اور نہ ہی ان کا اقتدار زیادہ عرصہ رہا بلکہ اللہ نے ایسے ظالم کے استیصال کے لئے اپنے رسولوں کو بھیجا جنہوں نے ان ظالموں کو تہ تیغ کیا اور ان کی نسل کو ختم کیا اللہ کی یہ سنت قدیم زمانہ سے جاری ہے یہاں تک کہ کفار بھی اس سے ناواقف نہیں ہیں۔

ارشادِ خداوندی ہے :-

۱۴ یقولون شاعر ندریں یہ دیب کیا کافر کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہے (اور) ہم اس کے
المنون قل تریبموا فانی معکم مت حق میں نہانے کے حوادث کا انتظار کر رہے ہیں
المنزہین (الطور ۳۰-۳۱) کہہ دو کہ انتظار کئے جاؤ میں بھی تمہارے ساتھ
انتظار کر رہا ہوں۔

دیکھئے اللہ پاک خبر دے رہے ہیں کہ اللہ کی کمال حکمت اور قدرت کا تقاضا ہے کہ وہ اللہ پر افترا باندھنے والوں کو قرار عطا نہیں کرتا بلکہ اس کو اپنے بندوں کے لئے عبرت بناتا ہے یہی اس کی سنت ان لوگوں کے بارے میں ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔

نیز فرمایا :-

۱۵ یتولون اذ تری علی اللہ کذابا و ان کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ نبی نے خدا پر جھوٹ باندھ
یشاء اللہ یخذل علی قلبک لیا ہے اگر خدا چاہے تو (اے محمد) تمہارے دل
(الشوریٰ ۲۱) پر ہر گز دے

جواب شرط کے بعد خبر ملازم غیر معلق ہے کہ وہ باطل کو محو کرتا ہے اور حق کو ثابت رکھتا ہے نیز ارشادِ خداوندی ہے :-

۱۶ وما قدسنا اللہ حق فدا اذ قالوا اور ان لوگوں نے خدا کی قدر جیسے جانتی چاہنے
ما انزل اللہ علی بشر من شئ - تھی نہ جانی جب انہوں نے کہا کہ خدا نے انسان
(الانعام ۹۲) پر وحی اور کتاب وغیرہ کچھ بھی نازل نہیں کیا

اس میں اللہ پاک نے اطلاع دی ہے کہ جس شخص نے اللہ سے رسول ارسال کرنے اور کلام کی نفی کی ہے اس نے اللہ کو صحیح معنی میں سمجھا نہیں ہے اور نہ اس کی شان کو سمجھا ہے۔

رسول اور نبی میں فرق متعدد وجوہ بیان کئے جاتے ہیں لیکن سب سے بہتر وجہ

یہ ہے جس پر آسمانوں سے وحی نازل ہوتی ہے اور اس کو حکم ہوتا ہے کہ وہ لوگوں تک آسمانوں کی خبریں پہنچائیں وہ نبی رسول ہے اور اگر اس کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ لوگوں تک پہنچائے وہ نبی ہے رسول نہیں ہے پس رسول نبی سے خاص ہے ہر رسول نبی ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں ہے یعنی رسالت عام ہے نبوت اس کی جز ہے لیکن لفظ رسل انبیاء اور ان کے غیر کو متناول نہیں البتہ لفظ انبیاء رسل کو بھی شامل ہے۔

رسولوں کی بعثت اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ رسولوں کا مبعوث کرنا اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے خصوصاً حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مبعوث ہونا بہت بڑا احسان ہے ارشاد ربانی ہے۔

لقد امن الله على المؤمنين اذ بعث فيهم
رسولاً من انفسهم ويتوكلون عليه
واياته
ديداً لهم ويعلمهم الكتاب والحكمة
وان كانوا من قبل لغى ضلل مبين
فدا لے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں انہیں
میں سے ایک پیغمبر بھیجے جو ان کو خدا کی باتیں پڑھ
پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو پاک کرتے ہیں
اور (خدا کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں اور
پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔
(زال عمران ۱۶۴)

تیز فرمایا۔

وما ارسلناك الا رحمة للعالمين
(الانبیاء ۱۰۷)
اور (اے محمد) ہم نے تم کو تمام جہاں والوں کے
لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

(ط) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔

(ش) ارشاد ربانی ہے۔

ولكن رسول الله وخاتم النبیین
(الاحزاب ۴۰)
لیکن آپ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین
میں۔

ارشاد نبوی ہے۔ میری اور محمد سے پہلے انبیاء کی مثال ایک محل کی ہے جو بہت خوبصورت بنا ہوا ہے لیکن ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے محل کی زیارت کرنے والے اس کی خوبصورتی پر تعجب کا اظہار کرتے ہیں لیکن ایک اینٹ کی کمی پر عیب لگاتے ہیں تو وہ اینٹ میں ہوں میں نے محل کے عیب کو ختم کر دیا میرے ساتھ عمارت مکمل ہو گئی اور میرے ساتھ ہی رسولوں کا آنا

ختم ہو گیا (بخاری، مسلم)

نیز آپ فرماتے ہیں میرے کئی نام ہیں میرا نام محمد اور احمد ہے اور میں مٹانے والا ہوں میرے ساتھ اللہ کفر کو مٹائے گا۔ اور میں حاشریوں میرے بعد لوگوں کو اٹھایا جائے گا۔ اور میں سب کے بعد آنے والا ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا (بخاری، مسلم)

صحیح مسلم میں حضرت ثوبان سے روایت ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں تیس کذاب ہوں گے سب کہیں گے کہ وہ نبی ہیں حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا (الحديث)

صحیح مسلم میں ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھے انبیاء پر چھ باتوں کے ساتھ فضیلت ہے مجھے جامع کلمات دیئے گئے ہیں اور میرا رعب چھایا رہے گا اور میرے لئے فیستبى حلال کر دی گئی ہیں اور میرے لئے تمام زمین مسجد اور پاک بنا دی گئی ہے اور مجھے تمام مخلوق کی جانب بھیجا گیا ہے اور میرے ساتھ انبیاء کو ختم کیا گیا ہے۔

(ط) آپ پر سب زکا روں کے پیشوا ہیں۔

(ش) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیشوا ہیں آپ کی پیروی کی جاتی ہے ارشاد ربانی ہے۔

قل ان کنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم ۵ کہہ دو اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری پیروی کرو تم سے اللہ محبت کرے گا پس جو شخص آپ کی اتباع کرے گا وہ

(آل عمران ۳۱)

(ط) آپ رسولوں کے سردار ہیں۔

(ش) ارشاد نبوی ہے قیامت کے روز میں اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی اور میں اٹھوں گا سب سے اول سفارش کرنے والے ہوں گا اور سب سے پہلے میری ہی سفارش قبول ہوگی (مسلم)

نیز مسلم کی شفاعت والی حدیث کے شروع میں ہے میں قیامت کے دن تمام لوگوں کا سردار ہوں گا۔

مسلم، ترمذی میں واثق بن اسقع رضی اللہ عنہ سے ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ نے حضرت اسماعیل کی اولاد سے کنزہ کا انتخاب کیا اور کنزہ سے قریش کا اور قریش سے بنو ہاشم کا اور بنو ہاشم سے میرا انتخاب کیا۔

ایک اشکال اور اس کا جواب میں سب سے پہلے اٹھایا جاؤں گا اور میں سید البشرؐ پر حدیث کے مضمون کے خلاف دوسری حدیث آتی ہے ارشاد تبویٰ ہے: تم مجھے حضرت موسیٰؑ پر فضیلت عطا نہ کرو اس لئے کہ قیامت کے دن تمام لوگ بے ہوش ہو جائیں گے۔ سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا لیکن اس وقت حضرت موسیٰؑ نے عرش کے پائے کو پکڑا ہو گا پس مجھے علم نہیں کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے یا وہ ان سے ہیں جن کو اللہ نے مستثنیٰ رکھا بخاری، مسلم ان دونوں میں موافقت کی صورت کیا ہوگی۔

در اصل آپؐ نے جو یہ کہا کہ تم مجھے انبیاء پر فضیلت نہ دو تو اس کا ایک سبب تھا اور وہ یہ تھا کہ ایک یہودی نے کہا اس ذات کی قسم جس نے حضرت موسیٰؑ کو تمام انسانوں سے چن لیا یہ سن کر ایک مسلمان نے اس کو طمانچہ لگا دیا اور کہا تو کیسی بات کہتا ہے جب کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں موجود ہیں چنانچہ یہودی مسلمان کی شکایت لے کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ تم مجھے انبیاء پر فضیلت نہ دو اس لئے کہ تمہارا یوں فضیلت دینا عصبيت اور حمیت کی بنا پر ہے شرعاً یہ مذموم ہے جب کہ جہاد بھی اگر حمیت اور عصبيت کی بنا پر کیا جائے تو وہ بھی مذموم ہوتا ہے اس لئے کہ اللہ نے فخر و مباحات کو حرام قرار دیا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے۔

ولقد فضلنا بعض النبيين على بعض
هم نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت بخشی ہے۔
(الاسراء ۵۵)

بیز فرمایا ہے۔

تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض
یہ پیغمبر (جو ہر وقتاً فوقتاً بھیجتے رہے ہیں) ان میں سے
منهم من كلفناهم ورفع بعضهم
ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے بعض
درجبت (البقرہ ۲۵۳)
ایسے ہیں جن سے خدا نے گفتگو کی بعض کے (دوسرے)
امور میں رتبے بلند کئے

معلوم ہوا فخر کے ساتھ ایک کو دوسرے پر فضیلت عطا کرنا مذموم ہے یا اگر دوسرے کے تفصیل کا پہلو نکلتا ہو اس عمل پر حدیث (تم انبیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو) کو محمول کیا جائے گا اگر حدیث ثابت ہے اس میں کچھ شبہ نہیں کہ یہ حضرت موسیٰؑ کی حدیث کا ایک حصہ ہے اور وہ بخاری

کی حدیث ہے اس کے باوجود بعض لوگ اس میں علت ثابت کرتے ہیں اگرچہ اس ٹکڑے کے علاوہ بقیہ حدیث بالکل صحیح ہے بعض لوگ موافقت کی ایک دوسری صورت نکالتے ہیں کہ کسی خاص پیغمبر پر کسی دوسرے کو فضیلت دینا درست نہیں ہاں عمومیت کے ساتھ فضیلت دینے میں کچھ حرج نہیں مثلاً آپ کا یہ ارشاد کہ میں اولاد آدم کا سردار ہوں اس پر مجھے فخر نہیں عام طرح کی فضیلت ہے لہذا اس سے نہیں روکا جائے گا اس کی مثال یوں سمجھیں فلاں تمام شہر والوں سے افضل ہے یہ کلام درست ہے لیکن یوں کہنا فلاں تجھ سے افضل ہے نادرست ہے یہی جواب شیخ طحاوی نے بھی شرح معانی الآثار میں دیا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کہ تم مجھے حضرت یونس بن متیٰ پر فضیلت دے دو یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ ثابت نہیں اور یہ واقعہ (کہ بعض شیوخ نے تلامذہ سے کہا میں اس حدیث کی تفسیر نہیں بتاؤں گا جب تک کہ مجھے کثیر مال نہیں دیا جائے گا جب تلامذہ شیخ کو کثیر مال دے دیاتو اس نے تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا کہ حضرت یونس جب مچھلی کے پیٹ میں تھے تو وہ اللہ کے اسی قدر قریب تھے جس قدر کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات اللہ کے قریب تھے) بھی بالکل غلط ہے اللہ اور اس کے رسول کے کلام سے ناواقفیت پر مبنی ہے اس تفسیر کو کسی صورت میں صحیح نہیں سمجھا جاسکتا۔

ہاں صحیح روایت کے الفاظ یوں ہے کہ کسی انسان کے لئے لائق نہیں کہ وہ کہے میں یونس بن متیٰ سے بہتر ہوں (مسلم، احمد) ایک روایت میں ہے جس نے کہا میں یونس بن متیٰ سے بہتر ہوں اس نے جھوٹ کہا ان دونوں میں عام الفاظ ہیں کہ کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے آپ کو یونس بن متیٰ پر فضیلت عطا کرے لیکن اس میں یہ بھی نہیں کہ مسلمانوں کو روکا گیا ہو کہ تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت یونس بن متیٰ پر فضیلت نہیں دے سکتے ہو جب کہ اللہ نے حضرت یونس کے بارے میں فرمایا کہ اس کو مچھلی نے نگل لیا اس نے قابل ملامت کام کیا۔

ارشاد ربانی ہے۔

وَذَالنُّونِ اِذْ ذٰہَبَ مَغْضٰبًا فَنُجِّنٰہُ وَاِذْ جَعَلْنَا دَالِیَہٗٓ اِلٰیہٗٓ نَجۡوً ۝۱۰۱

یہ حدیث صحیح ہے بخاری ۲/۳۶۰ - ۳۶۱ اگرچہ شارح نے حدیث میں علت کا ذکر کیا ہے لیکن صحیح نہیں حافظ ابن حجر نے بھی اس پر کچھ نقد نہیں کیا پھر اس حدیث کے شاہد بھی موجود ہیں۔

انہن نقدر علیہ فنادی فی الظلمات
ان لا الہ الا انت سبحانک انی کنت
من الظالمین (الدنیا ۸۷)

سمجھا کہ ہم نے پکڑ سکیں گے پھر اس نے اندھیروں
میں پکارا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو مجھے غیب
ہے جسے شک میں گناہگاروں سے تھا۔

اس واقعہ سے بعض لوگوں کو وہم ہوا اور انہوں نے اپنے آپ کو حضرت یونس سے بہتر سمجھا تو حدیث
میں اس کی نفی موجود ہے۔

پس جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ اس سے قابل ملامت کام نہیں ہوتا وہ جھوٹا ہے بلکہ تقریباً اللہ کے تمام
بندوں نے وہی کلمات دہرائے جو حضرت یونس نے کہے یعنی۔

لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ
الظَّالِمِينَ

تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے میں ظالموں
میں سے ہوں۔

حضرت آدم نے کہا!

دبت ظلماتنا انفسنا وان لم تغفر لنا
وترحمنا لنكونن من الخاسرين۔ (الاعراف ۲۳)

لمے ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جاؤں پر ظلم
کیا اور اگر تو ہمیں نہیں بخشنے گا اور ہم پر رحم نہیں
کرے گا تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔

تمام پیغمبروں کے سردار خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث میں ہے۔

اللهم انت الملاك لا اله الا انت
انت ربى وانا عبدك ظلمت نفسى
واعترفت بذنبى فاغفر لى ذنوبى
جميعا لا يغفر الذنوب الا انت

اے اللہ تو بادشاہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں
تو میرا رب ہے اور میں تیرا بند ہوں میں نے
اپنے نفس پر ظلم کیا ہے اور اپنے گناہ کا اعتراف
کیا میں تو میرے تمام گناہ معاف فرما تیرے سوا
کون گناہوں کو معاف کر سکتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ظلم کا اعتراف کیا فرماتے ہیں۔

رب انى ظلمت نفسى فاغفر لى
فغفر لہ انه هو الغفور الرحيم

اے پروردگار میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا تو مجھے
بخش دے تو خدا نے ان کو بخش دیا یہے شک وہ
بخشنے والا مہربان ہے۔ (القصاص ۱۶)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت یونس کے ساتھ موافقت کرنے سے روکا اور کہا

ولا تکن کما صاحب الخوت۔ آپ جھیلی دلوں کی طرح نہ ہوں۔

لیکن اولوالعزم پیغمبروں کے ساتھ مشابہت کا حکم دیا فرمایا:-

فاصبر کما صبر اولوالعزم من الرسل پس (اے محمد) جس طرح علی ہمت پیغمبر صبر کرتے رہے ہیں اسی طرح تم بھی صبر کرو۔ (الاحقاق)

پس جو شخص حضرت یونس سے افضل ہے اس کو حق پہنچتا ہے کروہ اپنے آپ کو حضرت یونس پر فضیلت عطا کرے لیکن اگر وہ افضل نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ اور فخر کرنے والوں کو پسند نہیں جانتا۔
 صحیح مسلم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا میری جانب وحی کی گئی ہے کہ تو اختیار کرو نہ کوئی کسی پر فخر کرے اور نہ کوئی کسی پر زیادتی کرے تو اللہ پاک نے عام ایمانداروں پر فخر سے روکا تو کیسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر فخر کرنا جائز ہو گا اسی لئے آپ نے فرمایا کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ کہے کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں پس یہ بھی عام ہے کسی کو حضرت یونس پر فخر کی اجازت نہیں اگرچہ تسلیم بھی کر لیا جائے کروہ افضل ہے تب بھی فخر کی اجازت نہیں جیسا کہ فرمایا
 لئن اشرکت لیحبطن عملک (النہم) اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے عمل ضائع ہو جائیں گے۔

اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شرک سے معصوم تھے پھر بھی کہا اگر آپ سے بالقرض شرک صادر ہوا اسی طرح اگرچہ آپ افضل ہیں تب بھی آپ فخر نہیں کر سکتے اصل اعمال میں جن پر جزا سزا ملے گی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی کہ آپ اولاد آدم کے سردار ہیں آپ کے اس اعزاز کا علم ہیں آپ کے بتانے پر ہوا ہے اس لئے کہ آپ کے بعد تو کوئی نبی آنے والا نہ تھا جو ہمیں آپ کے بارے میں اس قسم کے اعزازات سے مطلع کرتا جیسا کہ آپ نے پہلے انبیاء کے فضائل کا ذکر فرمایا ہے اسی طرح آپ نے اپنی فضیلت کا ذکر کرنے کے فخر کا لفظ استعمال فرمایا کہ مجھے اس پر فخر نہیں ہے۔

چنانچہ ایک روایت میں یوں ہے کیا وہ شخص جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ رسول اکرم کا مقام جنہیں معراج کرایا گیا اور جنہیں اللہ کریم کا عظیم قرب حاصل ہوا۔ اس پیغمبر کے مقام کے برابر ہے جو پھیل کے پیٹ میں گرایا گیا اور اس سے قابل ملامت فعل سرزد ہوا وہ امتحان میں مبتلا کیا گیا اور اسے ادب سکھایا گیا دونوں میں نمایاں فرق ہے ایک پیغمبر اللہ کا بہت بڑا مقرب ہے اور دوسرا پیغمبر ابھی تادیب کی منازل طے کر رہا ہے۔ استدلال کے الفاظ محرف

ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ سے ثابت نہیں ہے۔

پھر اس سے اللہ کے مالک کی نفی ہوتی ہے جب کہ دلائل کی مسیحہ قاطعہ موجود ہیں جن سے مخلوق پر اللہ کا علو ثابت ہوتا ہے غالباً ایک ہزار سے بھی زائد دلائل اس مضمون کے موجود ہیں شیخ کے قول محیط بکل شیء وقوقہ کے ضمن میں ان کا ذکر کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(ط) آپ رب العالمین کے حبیب ہیں۔

(ش) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے عند اللہ محبت کا سب سے اونچا مقام حاصل ہے اسی کا نام خلت ہے جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا مجھے اللہ نے خلیل بنایا جیسا کہ اس نے حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا (مسلم، البوعوان)

نیز آپ نے فرمایا اگر میں نے زمین والوں سے کسی کو خلیل بنانا ہوتا تو حضرت ابوبکر کو خلیل بناتا لیکن میں تو اللہ کا خلیل ہوں (مسلم ترمذی)

مذکورہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں ان کی روشنی میں اس شخص کا قول باطل ہو جاتا ہے جو کہتا ہے خلت حضرت ابراہیم کو عطا کی گئی اور محبت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی گئی اس لحاظ سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حبیب اللہ ہیں نیز صحیح حدیث میں مذکور ہے کہ میں اللہ کے علاوہ تمام کی خلت سے برات کا اظہار کرتا ہوں (مسلم) جب کہ محبت آپ کے غیر کے لئے بھی ثابت ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔

واللہ یحب المحسنین (آل عمران ۴۴) امد اللہ بکبر کاروں کو محبوب جانتا ہے۔

نیز فرمایا۔

فان اللہ یحب المنتقین (آل عمران ۶۶) بے شک اللہ پریمیز کاروں کو محبوب جانتا ہے

نیز فرمایا۔

ان اللہ یحب التوابین و یحب المتطہرین بے شک اللہ توبہ کرنے والوں اور پاک مانا

(البقرہ ۲۲۲) رہنے والوں کو محبوب جانتا ہے۔

تو ان دلائل کی روشنی میں اس شخص کا قول باطل ہو جاتا ہے جو خلت کو حضرت ابراہیم کے ساتھ خاص کرتا ہے اور محبت کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص کرتا ہے اصل حقیقت یہ ہے کہ خلت دونوں کا خاصہ ہے اور محبت عام ہے۔

عبداللہ بن عباس سے مروی حدیث، حضرت ابراہیم اللہ کے خلیل ہیں خبردار میں اللہ کا حبیب ہوں اس پر مجھے فخر نہیں (یہ حدیث ثابت نہیں ہے اس حدیث میں زمعہ بن صالح اور سلمہ بن وہب ضعیف ہیں)۔

محبت کے مراتب پہلا مرتبہ علاؤ الدل کا محبوب کے ساتھ معلق ہونا دوسرا مرتبہ ارادہ! دل کا محبوب کی جانب میلان کرنا اور اس کی طلب کرنا تیسرا مرتبہ الصباہ :- دل کا محبوب کی محبت میں اس قدر جھک جانا کہ وہ آپ کے کنٹرول میں نہ رہے جیسے پانی پھلی سطح کی زمین میں گرتا ہے۔ چوتھا مرتبہ الغرام! ایسی محبت جو دل میں پیوست ہو جائے اسی سے غریم ہے اس لئے کہ آپ اس کے ساتھ چپکے رہتے ہیں اسی سے ہے اللہ کا قول :-

ان عذابہا کان غراماً (الفرقان ۴۵) بے شک کہ اس کا مذاق بڑی تکلیف کی چیز ہے پانچواں مرتبہ مودت اور ود ہے! اس کا معنی محبت کا صاف اور خالص ہونا ہے۔ ارشاد ربانی :-

سيجعل دہم الرحمان دداً خدا ان کی محبت (مخلوقات کے دل میں) پیدا کر دے گا (ہریم ۶۶)

چھٹا مرتبہ شغف! محبت کا دل کے شغاف میں سرایت کر جانا ساتواں مرتبہ عشق! انتہا درجہ محبت میں سے جان کا خطرہ محسوس کیا جائے لیکن اللہ پاک نہ کسی بندے کی محبت جو خدا کے ساتھ ہے دوڑوں کو عشق کے لفظ سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا اگرچہ بعض نے ان پر بھی اس لفظ کا اطلاق کیا ہے۔

اس لفظ کے عدم استعمال کی وجہ یا تو یہ لفظ کتاب و سنت میں موجود نہیں یا اس لئے کہ عشق میں محبت کے ساتھ شہوت بھی ہوتی ہے یا کوئی اور سبب بھی ہو سکتا ہے۔

آٹھواں مرتبہ نیم! ایسی محبت کہ آپ محبوب کے غلام بن جائیں۔ نواں مرتبہ تقبہ ہے۔ دسواں مرتبہ غلت! ایسی محبت جو محب کے دل و دماغ میں سرایت کر جائے۔

بعض لوگ دوسرے انداز کی ترتیب ذکر کرتے ہیں لیکن ہم نے جس ترتیب کو اختیار کیا ہے یہ ترتیب بہت اچھی ہے خود و فکر سے اس کا حسن آشکارا ہو گا اللہ کے وصف محبت اور خلت کی کیفیت خدا ہی جانتا ہے بس اس کی شان و عظمت کے لحاظ سے جو لائق ہے ہم وضاحت نہیں کر سکتے

دیگر صفات جن کے بارے میں نص وارد ہے ان کے بارے میں بھی ہم یہی نظریہ رکھتے ہیں۔ محبت کے حدود میں تقریباً تین اقوال ذکر کئے جاتے ہیں لیکن اس کی جو بھی تعریف کی جاتی ہے اس سے اس کے خفا میں اضافہ ہوتا ہے، معاملہ واضح نہیں ہوتا اصل بات یہ ہے کہ محبت واضح ہے اس کی تعریف کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی جیسے پانی، ہوا، مٹی، بھوک وغیرہ کسی تعریف کے محتاج نہیں ہیں۔

(ط) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنا گمراہی ہے اور نفسانی خواہش کی تسلیں کے لئے ہے)

(ش) جب آپ کا مخالف بتدین جتنا بہت ہو گیا تو جو شخص آپ کے بعد نبوت کا دعویٰ ہو گا وہ جھوٹا ہے اور یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ اگر نبوت کا دعویٰ کرنے والا معجزات اور سچے دلائل پیش کرے تو ہم اس کی کیسے تکذیب کریں اس لئے کہ یہ تصور ہی محال ہے کہ اب نبوت کا دعویٰ کرنے والا سچے دلائل پیش کر سکتا ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ نبوت کا دعویٰ کرنے والا ہر اس کے جھوٹے ہونے کے علاوہ کافا ہر ہونا محال ہے تو ہم سمجھتے ہیں کہ اس کا دعویٰ نفسانی خواہش پر مبنی ہے اس کے پاس کوئی دلیل موجود نہیں ہے اور وہ گمراہ ہے۔

(ط) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں اور جنوں کی جانب حق، ہدایت اور نور کے ساتھ مبعوث ہوئے)

(ش) آپ جنوں کی جانب بھی مبعوث کیے گئے اللہ پاک جنوں کے قول کی حکایت بیان فرماتے ہیں

يَا قَوْمَنَا اجيبوا داعي الله اے قوم خدا کی طرف بلائے والے کی بات

(الاحقاف ۲۱) کو قبول کرو۔

نیز سورہ جن بھی دلائل کرتی ہے کہ آپ ان کی جانب بھی بھیجے گئے تھے۔

لیکن مقاتل کا یہ کہنا کہ آپ سے پہلے انسانوں، جنوں کی طرف کوئی رسول نہیں بھیجا گیا۔

ناقابل فہم ہے جب کہ ارشاد خداوندی

يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ

سہل منکھو (الانعام ۱۲۰) تم ہی میں سے پیغمبر نہیں آتے رہے۔

موجود ہے پھر سیدوں کا سلسلہ انسانوں سے رہا ہے کوئی جن رسول بن کر نہیں آیا مگر اور

دیگر ائمہ کا یہی قول ہے۔

عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں رسولوں کا سلسلہ تو نبی آدم سے ہے اور جنوں سے ڈرانے والے آتے رہے اور جنوں کا یہ قول :-

انا سمعنا کتابا انزل من بعد موسیٰ ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد (الاحقاف ۳۰) نازل ہوئی ہے۔

دلائل کرتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کی جانب بھی بھیجے گئے تھے واللہ اعلم ضماک بن مزاحم کا قول (جو طبری میں ہے کہ جنوں میں بھی رسول آتے رہے اور استدلال سابقہ ایت سے ہے) محل نظر میں ہے یہ ایت صریح نہیں ہے محتمل ضرور ہے اور احتمال سے استدلال نہیں ہو سکتا جیسا کہ

يَخْرُجُ مِنْهَا اللَّوْثُ وَالْمُحْجَانُ دوڑوں دریاؤں سے مرق اور مونگے نکلتے (الرحمن ۲۲) ہیں۔

سے مراد دونوں نہیں ہیں بلکہ ایک سمندر مراد ہے

آپ کی بعثت عام تھی ارشادِ ربانی ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ اور (اے محمد) ہم نے تم کو تمام لوگوں کے لئے
نَبِيًّا وَنَذِيرًا (سبا ۲۸) خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا
نیز فرمایا۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ ائْتُوا بِلِسَانِكُمْ جَمِيعًا (الاعراف ۱۵۸)
خدا کا بھیجا ہوا ہوں یعنی اس کا رسول ہوں
نیز فرمایا۔

وَادْعَىٰ إِلَىٰ هَٰذَا الْقُرْآنِ لِأَنَّكَ كُنتَ بِهِ دَعِيًّا (الانعام ۱۹)
اور یہ قرآن مجھ پر اس لئے اتارا گیا ہے کہ اس کے
ذریعے سے تم کو اور جس شخص تک وہ پہنچ سکے
آگاہ کر دوں۔

مَنْ بَلَغَ كَافَّةً عَامًّا نَبِيًّا (الانعام ۱۹)
اور (اے محمد) ہم نے تم کو لوگوں کی ہدایت کے
لئے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور اس بات کا خدا ہی
شہید

گواہ کافی ہے۔

نیز فرمایا۔

اكان للنا س عجبان اوحيتا الي س اجل
منهم وان انذر الناس وبشرو الذين
امنوا ان لهم قدام صديق عند ربهم
(یونس ۲)

کیا لوگوں کو تعجب ہوا کہ ہم نے انہیں میں سے
ایک مرد کو حکم بھیجا کہ لوگوں کو ڈر سنا دو اور
ایمان لانے والوں کو خوشخبری دے در کہ ان کے
پروردگار کے ان کا سچا درجہ ہے۔

نیز فرمایا۔

تبارك الذي نزل الفرقان على عبدہ
ليكون للعالمين نذیراً
(الفرقان ۱)

وہ (محلے عزوجل) بہت ہی بابرکت ہے
میں نے اپنے بند سے پر قرآن نازل فرمایا تاکہ
اہل عالم کو ہدایت کرے۔

نیز فرمایا۔

وقل للذين ادتوا الكتاب والاديين
اسلمتم فان اسلموا فقد اهتدوا وان
قولوا فاما عليكم البلاغ
(آل عمران ۲۰)

اہل کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے کہو کہ کیا
تم بھی (خدا کے فرمانبردار بننے اور) اسلام
لاتے ہو اگر یہ لوگ اسلام لے آئیں تو بیشک
ہدایت پالیں اور اگر (تمہارا کلمہ) نہیں تو تمہارا

کام صرف خدا کا پیغام پہنچا دینا ہے۔

ارشاد نبوی! مجھے پانچ چیزیں عطا کی گئی ہیں مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کو یہ چیزیں نہیں دی
گئیں ایک ماہ کی مسافت تک مجھے رعب عطا کیا گیا ہے اور تمام زمین میرے لئے مسجد اور
پاک کر دی گئی ہے پس میری امت کے کسی فرد پر جب نماز کا وقت آجائے تو وہ نماز ادا کرے
اور میرے لئے غنیمتیں حلال کر دی گئی ہیں مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھیں اور مجھے شفاعت
کا عطیہ دیا گیا ہے ہر نبی اپنی قوم کی جانب مبعوث ہوا اور مجھے سب لوگوں کی جانب مبعوث
کیا گیا ہے (بخاری، مسلم)

نیز آپ نے فرمایا! اس امت کا کوئی یہودی، عیسائی میرے بارے میں معلوم کرنے
کے بعد اگر ایمان نہیں لائے گا تو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔ (مسلم)

آپ کا تمام لوگوں کی جانب مبعوث ہونا بالضرورة دین اسلام کا تقاضا ہے لیکن بعض

عیسائیوں کا یہ قول کہ آپ خاص طور پر عرب کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے بالکل باطل ہے اس لئے کہ جب وہ آپ کو اللہ کا رسول مانتے ہیں تو آپ جو باتیں کہتے ہیں ان کو وہ سب باتیں تسلیم کرنی چاہئیں۔

آپ نے جب فرمایا کہ میں تمام لوگوں کی جانب رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں پھر ظاہر ہے کہ رسول جھوٹ نہیں بولتا ہے تو آپ کی تصدیق ضروری ہے۔ چنانچہ آپ نے روئے زمین کے تمام اطراف میں قاصد ارسال کئے اور کسریٰ قیسر، سبشتی، مقوقس، دیگر بادشاہوں کی جانب خطوط ارسال کئے اور انہیں اسلام کی جانب دعوت دی۔

لفظ کافہ کی صرفی نحوی تحقیق چونکہ لفظ کافہ کلام عرب میں بطور حال استعمال ہوتا ہے اس لئے اس کو زبردے کر پڑھنا درست نہیں چنانچہ اللہ کا قول :-

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ
(سبا ۲۸) اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔

لفظ کافہ کے اعراب میں تین قول ہیں پہلا قول وہ کاف سے حال ہے اور اسم فاعل کا صیغہ ہے تا مبالغہ کی ہے یعنی آپ لوگوں کو باطل سے پھرنے والے ہیں یا یہ کف کا مصدر ہے معنی یوں ہوگا کہ آپ لوگوں کو باطل سے روکیں اور مصدر حال آتا رہتا ہے دوسرا قول الناس سے حال ہے لیکن اعتراض واقع ہوتا ہے کہ مجرد کمال مجرور سے پہلے نہیں آسکتا جمہور کا یہی مسلک ہے لیکن یہ اعتراض صحیح نہیں اس لئے کہ کلام عرب میں یہ ترکیب کثرت کے ساتھ موجود ہے لہذا اس کو تسلیم کیا جائے چنانچہ ابن مالک نحوی نے اسی کو ترجیح دی ہے اصل یوں گا وَاَرْسَلْنَاكَ اِلَى النَّاسِ كَافَّةً۔

تیسرا قول مصدر محذوف کی صفت ہے یعنی ایسی رسالت جو لوگوں کو باطل سے روکنے والی ہے عربی عبارت متن میں حق، ہدایت، نور، ضیاء، دراصل اس دین کے اوصاف ہیں جس کو آپ لائے اور لفظ ضیاء میں لفظ نور سے مبالغہ ہے۔
ارشادِ ربانی ہے۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَ الْقَمَرَ نُورًا
وہی تو ہے جس نے سورج کو روشن اور چاند کو منور بنایا۔ (یونس ۵)

(ط) بلاشبہ قرآن پاک اللہ کا کلام ہے قرآن پاک ایسا قول ہے جس کا اللہ سے ظہور ہوا ہم اس کی کیفیت نہیں جانتے ہیں اس کو اللہ پاک نے اپنے رسول پر بطور وحی کے نازل فرمایا ایمانداروں نے اس کے حق ہونے کی تصدیق کی اور اس یقین کا اظہار کیا کہ وہ حقیقتاً اللہ کا کلام ہے انسانوں کے کلام کی طرح مخلوق نہیں جس شخص سے قرآن سنا اور اس کو انسانی کلام کہا وہ کافر ہے اللہ نے اس کی مذمت کی ہے اس کو عیب والا کہا اور اس پر جہنم کی دھمکی فرمائی چنانچہ فرمایا:-

ساحلیہ سقر (المائدہ ۲۶) ہم اس کو لاذناب دوزخ رسید کریں گے۔

عیب اللہ نے اس انسان کو جہنم کی دھمکی جس نے کہا

ان هذا الا قول البشر (المائدہ ۲۵) یہ (قرآن) تو انسانوں کا کلام ہے تو ہم اس یقین پر ہیں کہ یہ انسانوں کے خالق کا قول ہے انسانوں کے قول کے مشابہ نہیں (ش) امام طحاوی نے ایک بہترین اصول اور قاعدہ ذکر فرمایا ہے جس میں اکثر لوگ گمراہ ہو گئے امام طحاوی نے جو وضاحت ذکر کی ہے اس کے سچے ہونے میں کچھ کلام نہیں کتاب و سنت کے دلائل میں غور و فکر کرنے والوں کی نظروں سے اس کی حقانیت اور جمل نہیں ہو سکتی پھر فطرت سلیمہ بھی اس کا اقرار کرتی ہے بشرطیکہ شکوک و شبہات اور باطل آراء کا وہاں گزر نہ ہو

مسئلہ قرآن پاک کے بارہ میں نواقول ہیں۔

۱۔ **مبہلا قول:**۔ فلاسف اور صاحبوں کا قول ہے کہ قرآن پاک اللہ کا کلام ہے اس کے معانی کا عقل فعال کی طرف سے نفوس پر فیضان ہوتا ہے۔

۲۔ **دوسرا قول:**۔ قرآن پاک مخلوق ہے اللہ سے منفصل ہے یہ قول معتزلہ کا ہے۔

۳۔ **تیسرا قول:**۔ قرآن پاک معنی ہے جو اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے اس میں امر نہی خبر، استفہام سبھی اسلوب ہیں جب ان معانی کو عربی میں تعبیر کیا جاتا ہے تو وہ قرآن ہے اور اگر عربی میں تعبیر کیا جاتا ہے تو تورات ہے یہ قول ابن کلابن اور اس کے ہم خیال اشعری وغیرہ کا ہے۔

۴۔ **چوتھا قول:** قرآن پاک حروف اور ازیلی آوازوں کا نام ہے جو ازل میں مجتمع تھیں یہ قول بعض متکلمین اور بعض محدثین کا ہے۔

۵۔ **پانچواں قول:**۔ قرآن پاک حروف اور اصوات کا نام ہے اللہ پاک ان کے ساتھ

معلوم ہوا بچھڑے کی عبادت کرنے والے کافر ہونے کے باوجود معتزلہ سے زیادہ خدا کی معرفت رکھتے تھے انہوں نے یہ تو نہیں کہا کہ تیرا رب بھی کلام نہیں کرتا ہے نیز بچھڑے کے بارے میں فرمایا۔
 افلا یرون ان لا یدرج الیہم قولک کیا وہ ملاحظہ نہیں کرتے ہیں کہ وہ ان کی بات
 ولا یسلط لہم ضرراً ولا نفعاً کا جواب نہیں دیتا اور نہ ان کے نفع نقصان
 (علمہ ۸۹) کا مالک ہے۔

معلوم ہوا بات کا جواب نہ دینا اور کلام نہ کرنا ایسا عجیب ہے جس سے بچھڑے کے نہ خدا ہونے پر استدلال کیا جا رہا ہے۔

معتزلہ کے شبہ کا ازالہ معتزلہ کہتے ہیں اگر خدا میں کلام کی صفت کو تسلیم کر لیا جائے تو اس سے اس کا مجسم ہونا اور مشابہ ہونا لازم آتا ہے ہم جواب میں کہیں گے اللہ کا کلام کرنا اس کی شان کے مطابق ہے ہم اس کی کیفیت نہیں جانتے کیا آپ کو معلوم نہیں ہے۔
 اللہ پاک فرماتا ہے۔

الیوم نختتم علی افواہہم وتکلسنا آج ان کے مونوں پر جبر لگا دیں گے اور جو کچھ
 ایداہم وتشدہا اس حبلہم پکرتے رہے تھے ان کے ہاتھ ہم سے بیان کر
 دیں گے اور ان کے پاؤں (اس کی گواہی دیں گے) (یس ۶۵)

ہمارا ایمان ہے کہ ان کے ہاتھ پاؤں کلام کریں گے۔ لیکن ہم ان کے کلام کی کیفیت کا علم نہیں رکھتے ہیں اسی طرح اللہ پاک کا قول :-

وقالوا لجلودہم لہم شہادتہم علینا اور وہ اپنے چمڑوں (یعنی اعضاء) سے کہیں
 قالوا انطقنا اللہ الذی انطق کل شئ کے کہہ رہے ہیں ہمارے خلاف کیوں شہادت
 (حکو السجدۃ ۲۱) دی وہ کہیں گے کہ جس خدا نے سب چیزوں کو

نطق بخشتا ہے اسی نے ہم کو بھی گویا کر دیا

اسی طرح کتروں اور کھانے کا سہمان اللہ کنا اور تیر کا سلام کہنا یہ سب ایسی چیزیں ہیں جن کا منہ نہیں ہے لیکن ان سے آواز نکل رہی ہو گی جس میں حروف سنائی دے رہے ہوں گے پھر اللہ کے اس قول میں مضمر تاکید کے لئے لایا گیا۔

وکلّم اللہ موسیٰ تکلیماً اور اللہ نے موسیٰ سے کلام کیا۔

فَمَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ -

ایک معتزلی نے البرعمرین العلاء قاری سے کہا آپ وکلم اللہ موسیٰ لفظ اللہ کو مفعول بنا کر کہیں نہیں پڑھتے تاکہ متکلم حضرت موسیٰ قرار پائیں اللہ پاک متکلم نہ بنیں انہوں نے کہا جلد میں دیر نہیں نکادوت کر لیتا ہوں لیکن اللہ کے اس قول کا تیرے پاس کیا جواب ہے دلمعا جاد موسیٰ لم یفقا تنا وکلمہ سربہ یہ سن کر معتزلی حیران ہو گیا اس سے کوئی جواب نہ بن آیا۔

اللہ کے متکلم ہونے پر کتاب و سنت سے دلائل اللہ پاک جنتیوں سے ہم کلام ہوں گے ارشاد ربانی ہے۔

سلام قولاً من رب رحیم سلامتی والا قول اللہ رحم کرنے والے کی طرف سے ہے۔ (پس ۵۸)

حضرت جابر رادی ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک بار اہل جنت نعمتوں میں ہوں گے تو وہ روشنی سے ہنسا رہوں گے نگاہیں اٹھائیں گے تو دیکھیں گے کہ اللہ جل جلالہ اوپر سے ان کی جانب جھانک رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں السلام علیکم بے جنت والو۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

سلام قولاً من رب رحیم سلامتی والا قول اللہ رحم کرنے والے کی طرف سے (پس ۵۸)

کی یہی تشریح ہے تو وہ جب تک اللہ کا مشاہدہ کرتے رہیں گے انہیں جنت کی نعمتوں کی جانب کچھ دھیان نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ اللہ پاک پر دے میں ہو جائیں گے لیکن اس کی برکت اور اس کا نور باقی رہے گا۔ (ابن ماجہ حدیث ضعیف ہے)

اس حدیث میں اللہ کا کلام کرنا اور اس کی صفت رؤیت و نزول ثابت ہو رہی ہیں نیز اللہ کا علو بھی ثابت ہو رہا ہے لیکن کلام کا صرف ایک معنی نہیں ہے۔ دیکھئے ارشاد خداوندی ہے

ان الذین یشترون بعہد اللہ وایمانہم ثمنًا قلیلًا اُولَٰئِکَ اَوْخِلُوْا لَلْہٰوِیِ
الاحدۃ ولا ینظروا ولا ینظروا
الہمہ (العملان ۷۷)
جو لوگ خدا کے اقرار اور اپنی قسموں کو بیچ ڈالتے ہیں اور ان کے عوض ٹھوڑی سی قیمت حاصل کرتے ہیں ان کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں ان سے خدا نہ تو کلام کرے گا اور نہ

ہی قیامت کے روز ان کی طرف دیکھے گا۔

اللہ نے ان کو ذلیل گردانتے ہوئے کہا کہ وہ ان سے عزت والی کلام نہیں فرمائے گا ورنہ دوسری آیت میں جنہیں سے کلام کا ذکر موجود ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

اِخْأُوا فِيهَا دَلَّتْكُمْ لَكُمْ اِذَا تَكَلَّمْتُمْ

اَلْمَوْمِنُونَ ﴿۱۸﴾ سے کلام نہ کرو۔

تو اگر اللہ پاک ایسا ڈار بندوں سے بھی کلام نہ فرمائیں تو وہ اور اللہ کے دشمن برابر ہونے اور دشمنوں سے نہ کلام کرنے کے ذکر میں کچھ فائدہ نہ ہوا چنانچہ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں ایک باب کا عنوان یوں منعقد کیا ہے کہ (اللہ کا جنت والوں کے ساتھ کلام کرنا) اس باب کے تحت متعدد حدیثیں ذکر کی ہیں۔

پس جنت والوں کے ہاں سب سے بڑی نعمت اللہ پاک کا دیدار ہے اور اس کا کلام کرنا ہے تو پھر ان نعمتوں کا انکار جنت کی روح کا انکار ہے۔

قرآن پاک کے مخلوق ہونے پر معتزلہ کے دلائل معتزلہ قرآن پاک کے مخلوق ہونے پر
درج ذیل آیت پیش کرتے ہیں ارشاد ربانی ہے۔

اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (الرعد ۱۸) اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔

پس قرآن بھی شئی ہے لہذا وہ بھی مخلوق ہوا ان کا قول عجیب ہے جب کہ معتزلہ قائل ہیں کہ بندوں کے افعال کا خالق خدا نہیں ہے بلکہ خود بندہ اپنے افعال کے خالق ہیں تو کیا انہوں نے افعال کو عمومیت سے خارج نہیں کر دیا ہے اگر شئی کا لفظ عموم کے لحاظ سے قرآن پاک کو شامل ہے تو بندوں کے افعال کو شامل کیوں نہیں ہے ان کو کیوں خارج کیا جاتا ہے تعجب ہے کہ بندوں کے افعال کو تو خلق کیا جاتا ہے اور کلام جو اللہ کا وصف ہے اس کو خارج کیوں نہیں کیا جاتا حالانکہ اس کے ساتھ مخلوقات معرض وجود میں آئی ہیں ارشاد ربانی ہے۔

وَاللَّهُمَّ وَالْقَمَرُ وَالنَّجْمُ مَسْخَرَاتُ بَاهِ لَاحِلَا

لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ

(الاعراف ۵۴) لگے ہوئے ہیں دیکھو سب مخلوق بھی اسی کی ہے

اور حکم بھی ۔

بیس امر اور خلق میں نمایاں فرق ہے اگر امر کو بھی مخلوق تسلیم کر لیا جائے تو لازم آئے گا کہ وہ کسی دوسرے امر کے ساتھ مخلوق ہو اور وہ پھر کسی دوسرے کے ساتھ ہو اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہے گا تو تسلسل لازم آئے گا وہ باطل ہے ۔

کل کی عمومیت کا یہ نفاذ ہے کہ اللہ کا وصف علم ، قدرت وغیرہ بھی مخلوق ہوں حالانکہ اللہ کی صفات کو مخلوق کہنا صریح کفر ہے تعالیٰ اللہ عما یقولون علواً کبیراً اللہ پاک کے بارے میں یہ نظریہ رکھنا کہ وہ متکلم بالکلام ہے لیکن کلام کا قیام اللہ کے غیر کے ساتھ ہے درست نہیں اگر یہ درست ہوتا تو اللہ نے جنادات اور حیوانات میں جو کلام پیدا کیا ہے وہ اس کا کلام ہو اس لحاظ سے نطق اور انطق میں کچھ فرق نہیں ہو گا حالانکہ قرآن پاک میں ہے کہ چڑھے کہیں گے ہم کو اللہ نے نطق دیا ہے یہ نہیں کہا کہ اللہ نے کلام کیا ہے ۔

اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ جو کلام اللہ کے غیر میں ہے خواہ وہ جمعوٹ ہے یا کفر یا کبواہی ہے اس کا متکلم اللہ ہو (اللہ پاک اس سے بلند ہے)

یہ نظریہ تو ان لوگوں کا ہے جو وحدت الوجود کے قائل ہیں چنانچہ ابن عربی کہتا ہے
(وکل کلام فی الوجود کلام
سواء علیما بشیرہ ونظامہ)
جو کلام موجود ہے وہ اس کا ہے خواہ وہ
نثر ہے یا نظم ہے)

اگر یہ درست ہوتا کہ ہم موصوف کو اس صفت کے ساتھ موصوف کرتے ہیں جو اس کے غیر کے ساتھ قائم ہے تو ہم بصیر کو اعمیٰ کہتے یا اعمیٰ کو بصیر کہتے اس لئے کہ بصیر میں وصف عیٰ اس کے غیر کے ساتھ قائم ہے اسی طرح اعمیٰ میں بھی وصف بصر اس کے غیر کے ساتھ قائم ہے اسی طرح پھر یہ بھی درست ہوتا کہ اللہ کو ان صفات کے ساتھ موصوف کیا جائے جن کو اللہ نے اپنے غیر میں پیدا فرمایا جیسے مختلف قسم کے رنگ ، خوشبوئیں ، ذائقے ، طول عرض وغیرہ

امام عبد العزیز کی اور بشریسی کا مناظرہ یہ مناظرہ ماموں عباسی کے سامنے ہوا امام عبد العزیز

لے امام عبد العزیز بن شافعی السک فقیہ تھے ماموں نے دعو میں بغداد آئے اماموں کی موجودگی میں یہ مناظرہ ہوا چنانچہ امام عبد العزیز نے اس مناظرہ پر الحیۃ کتاب تالیف کی لیکن یہ مناظرہ ثابت نہیں مناظرہ بیان کرنے والا دوسری عمر بن من بن ازہر مقرر ہے خلیف نے اس کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ وہ حدیث وضع کیا کرتا تھا پس نہ کہا کہ اس مناظرہ کو بھی اسے وضع کیا (الیزان)

کلی کا امر ارتقا کے مناظرہ میں نص قرآن کے علاوہ کسی دیگر دلیل کو پیش نہ کیا جائے لیکن بشر مسمیٰ نے امیر المؤمنین سے مطالبہ کیا کہ مناظرہ میں اس شرط کو ختم کیا جائے کہ دلیل صرف نص قرآن سے ہو پھر دیکھنا کہ وہ کس طرح اپنے قول سے رجوع کرتا ہے اور قرآن پاک کو مخلوق کہتا ہے اگر اس طرح نہ ہوا تو میں اپنے خون کے حلال ہونے کی اجازت دیتا ہوں چنانچہ مناظرہ شروع ہوتا ہے امام عبدالعزیز نے دریافت کیا تو پہل کرتا ہے یا میں تجھ سے سوال کروں بشر نے کہا تم پہلے سوال کرو اور وہ میرے بارے میں پراسید تھا میں نے کہا تین باتوں میں سے ایک ضروری ہے اولاً یہ اقرار کرو کہ اللہ نے قرآن پاک کو اپنے نفس میں پیدا کیا (جب کہ میں تو قرآن پاک کو اللہ کا کلام سمجھتا ہوں) یا یوں کہو کہ اللہ نے قرآن پاک کو اس حال میں پیدا کیا کہ وہ اس کی ذات یا اس کے نفس کے ساتھ قائم ہے یا پھر تیسری صورت یہ ہے کہ اس نے قرآن کو اپنے غیر میں پیدا کیا۔

اس نے جواباً کہا اللہ نے قرآن پاک کو اسی طرح پیدا فرمایا جس طرح اس نے تمام چیزوں کو پیدا کیا اور جواب سے گریز کیا ماموں نے بشر کا جواب سنا تو امام عبدالعزیز سے کہا کہ تم اس کی تشریح کرو بشر تو ناکام ہو چکا ہے وہ اب کیا بات کرے گا، چنانچہ ماموں کے کہنے پر امام عبدالعزیز نے تشریح کرتے ہوئے کہا اگر بشر کہے کہ اللہ نے اپنے کلام کو اپنے نفس میں پیدا کیا تو یہ محال ہے اس لئے کہ اللہ کی ذات حواریت مخلوق کا محل نہیں ہے اس کی ذات میں کوئی چیز مخلوق نہیں اگر یہ کہے کہ اللہ نے اس کو اپنے غیر میں پیدا کیا وہ کلام ہے یہ بھی محال ہے اور قائل کو تسلیم کرنا ہوگا کہ ہر وہ کلام جس کو اللہ نے اپنے غیر میں پیدا کیا ہے وہ اللہ کا کلام ہو اس کو قائل نہیں ماننا اگر یہ کہے کہ اللہ نے کلام کو پیدا کیا اس حال میں کہ وہ اس کے نفس اور ذات کے ساتھ قائم ہے تو یہ بھی محال ہے اس لئے کہ کلام تو متکلم سے ہوتا ہے جیسا کہ ارادہ اس سے ہوتا ہے جو ارادہ کرنے والا ہے اور علم عالم سے ہوتا ہے اور کسی ایسے کلام کا متعلق ہونا ممکن نہیں جو بنفسہ قائم ہو تو جب ان وجوہ سے اس کا مخلوق ہونا محال ہے تو معلوم ہوا کہ وہ اللہ کا وصف ہے۔

قرآن پاک میں کل کا استعمال کل استعمال کے لحاظ سے مختلف ہے قرآن کے ساتھ اس کا تعین کیا جاسکتا ہے ارشاد ربانی ہے :-

نفاہ کل شئی باہرہ، بھاہا صبحوا الیہی
 الامساکنہم لا احقاق ۲۵

ہر چیز کو اپنے پروردگار کے حکم سے نباہ لئے
 دیتی ہے تو ایسے ہو گئے کہ ان کے گھروں کے سوا کچھ

نظری نہیں آتا تھا

مساکن کا استثناء رہے حالانکہ مساکن بھی توشی میں داخل ہونے چاہئیں لیکن داخل نہیں اس لئے
 کہ آندھی نے ان چیزوں کو تباہ و برباد کیا جو عادیہ آندھی کے ساتھ تباہ و برباد ہوتی ہیں
 نیز ارشادِ ربانی۔ (ملقیس کی حکایت بیان کرتے ہوئے) ہے۔

و ادقیت من کل شیء (الفعل ۲۲) اور ہر چیز اسے میسر ہے۔

اس کل سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کے بادشاہ محتاج ہوتے ہیں قرآن سے یہی معنی سمجھ میں آتا
 ہے اس لئے کہ ہر ہد کا مقصد یہ تھا کہ وہ کامل با اختیار بادشاہِ زادی ہے اسے مزید کسی چیز کی ضرورت
 نہیں ان امثلہ کی روشنی میں ارشادِ ربانی

خالق کل شیء (السرحد ۱۶) وہ ہر چیز کا خالق ہے۔

سے مراد ماسوی اللہ ہر چیز مراد ہے تو اس عموم میں لازماً بندوں کے افعال بھی داخل ہیں لیکن اس
 میں خالق داخل نہیں ہے چرنگہ اس کے صفات اس کی ذات کا غیر نہیں ہیں ظاہر ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ
 کمال کے ساتھ موصوف ہے اور اس کے صفات اس کی ذات مقدس کے ساتھ لازم ہیں صفات
 کا انفصال ذات سے مقصور نہیں ہو سکتا جیسا کہ اس معنی کا ذکر اشارۃً پہلے آچکا ہے ان کے خیال
 میں (جب اللہ کا قول اللہ خالق کل شیء مخلوق ہے تو اس کا دلیل بننا کیسے صحیح ہو سکتا ہے !

قرآن پاک کے مخلوق ہونے پر دوسری دلیل معتزلہ قرآن پاک کو مخلوق مانتے ہیں اس
 کے اثبات کے سلسلہ میں وہ درج ذیل آیت بھی پیش کرتے ہیں۔

اناجعلنا قورا نا عریبا۔ (الزخرف) بے شک ہم نے اس کتاب کو قرآن عربی زبان میں

بنایا۔

یعنی اس آیت میں جعل بمعنی خلق ہے۔ لیکن ان کا یہ استدلال بالکل فاسد ہے اس لئے کہ
 جعل جب خلق کے معنی میں آتا ہے تو اس وقت ایک مفعول کی جانب متعدی ہوتا ہے اور
 درج ذیل آیت میں جعل دو مفعولوں کی جانب متعدی ہے جعل جب ایک مفعول کی طرف متعدی
 ہے اور اس کا معنی خلق ہے اس کی مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔
 ارشادِ ربانی ہے۔

وجعل الظلمات والنور (الانعام) اور اس نے اندھیرے اور روشنی کو پیدا کیا

نیز فرمایا

وجعلنا من الماء كل شئ حي افلا يؤمنون
ہم نے پانی سے ہر چیز کو زندگی عطا کی یہ لوگ ایمان
کیوں نہیں لاتے (الانبیاء ۳۰)

نیز فرمایا۔

وجعلنا فی الارض من سوا سی ان تمسید
اور ہم نے زمین میں پیڑ بنائے تاکہ لوگوں کے
بوجھ سے چلنے (اور جھکنے) نہ لگیں اور اس میں
دھندلاد (الانبیاء ۳۱)

نیز فرمایا۔

وجعلنا السماء سقفا محفوظا
اور آسمان کو محفوظ چھت بنایا۔

(الانبیاء ۳۲)

اور جب دو مفعولوں کی جانب متعدي ہوتا ہے تو پھر خلق کے معنی میں نہیں بلکہ ارشاد ربانی
ولا تقضوا ایمان بعد توکید ہاقد
اور جب یہی قسمیں کھاؤ تو ان کو مت توڑو کہ
خجلتم اللہ علیکم کفیدا (الخل ۹)
تم خدا کو اپنا خدا من مقرر کر چکے ہو۔
نیز فرمایا۔

ولا تجعلوا اللہ عرضة لایمانکم
اور خدا کے نام کو اس بات کا حیلہ نہ بنانا
کہ (اس کی) قسمیں کھا کھا کر۔ (البقرہ ۲۲)

نیز فرمایا۔

الذین جعلوا القرآن عضین
وہ لوگ جنہوں نے قرآن کے ٹکڑے کر
ڈالے۔ (الحجرات ۹)

نیز فرمایا۔

ولا تجعل یدک مغرلة الی عنقک
اور اپنے ہاتھ کو نہ تو گردن سے بندھا ہوا یعنی
(بست تنگ) کر لو۔ (الاسراء ۴)

نیز فرمایا۔

ولا تجعل مع اللہ الذہا الخس
اور خدا کے ساتھ کوئی معبود نہ بنانا۔
(الاسراء ۳۹)

نیز فرمایا۔

وجعلنا الملائكة الذين هم عباد الرحمن . اوتانوا نرى فرشتوں کو وہ بھی خدا کے بند
اتانوا (النہضت ۱۹) ہیں (خدا کا) بیسیاں مقرر کیا۔
دیگر کثیر آیات موجود ہیں۔

معزلہ کا ایک اور استدلال قرآن پاک میں ہے۔

ذی من شاطئ الواد الايمن فی البقعة . تو پھر ان کے دائیں کنارے سے ایک مبارک
المباركة من الشجرة (القصاص ۳۰) جگہ میں ایک درخت میں سے آواز آئی۔
اس آیت میں شریک نے کلام کو درخت میں پیدا فرمایا چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے
درخت سے کلام کو سنا۔
ان کا استدلال باطل ہے یہ لوگ آیت کے ماقبل مابعد پر غور کرتے تو حقیقت واضح ہوتا
ارشاد ربانی ملاحظہ فرمائیں:-

فلما اتاها ذی من شاطئ الواد . جب وہاں پہنچے تو میدان کے دائیں کنارے
الايمن . (القصاص ۳۰) سے آواز آئی۔

غور فرمائیے کہ خدا کا معنی تو دوسرے آواز دینا ہے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وادی
کے کنارے سے آواز سنی جب کہ آواز درخت کے قریب مبارک جگہ سے آرہی تھی جیسا کہ
اپ کہتے ہیں میں نے گھر سے زید کے کلام کو سنا تو اس مثال میں گھر متکلم نہیں ہے آواز کا آغاز
گھر سے ہو رہا ہے ان کے خیال کے مطابق اگر کلام کو درخت مخلوق مانا جائے تو تسلیم کرنا پڑے
گا کہ درخت کہہ رہا ہے اے موسیٰ بے شک میں اللہ رب العالمین ہوں کیا یہ کلمہ اللہ رب العالمین
کے علاوہ کوئی دوسرا کہہ سکتا ہے اگر اس قسم کا کلمہ اللہ کے علاوہ کسی کی جانب سے سنا گیا ہے تو
وہ فرعون ہے جس نے کہا۔

اتاسر بکوا لعلی (النساء ۲۴) میں تمہارا اعلیٰ رب ہوں۔

دونوں کلام معزلہ کے ہاں مخلوق ہیں جن کو اللہ کے غیر نے کہا لیکن ایک کلام کو اللہ نے
درخت میں پیدا فرمایا اور دوسرے کلام کو فرعون نے پیدا کیا اس طرح دین میں تحریف کے مرتکب
ہوئے اور یہ اعتقاد قائم کر لیا کہ خالق غیر اللہ ہے۔

معتزلہ کا ایک اور استدلال ارشاد ربانی ہے۔

انہ لقول رسول کریم (الحاقۃ ۴) وہ عزت والے رسول کا قول ہے۔
اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ قرآن پاک کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا جبریل نے بنایا ہے۔

جواب ہے۔ آیت میں رسول کا ذکر بطور مبلغ کے ہے یعنی وہ اللہ کی جانب سے پہنچانے والا ہے اور اس کو عام کرنے والا ہے اس کا یہ معنی لینا بالکل غلط ہے کہ یہ رسول یا فرشتے کا قول ہے یا اپنی طرف سے اس کو بنایا ہے خیال رہے کہ رسول کا لفظ دو الیتوں میں ہے ایک سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور دوسرے سے مراد حضرت جبریل امین ہیں اور اضافت تبلیغی ہے اس لئے کہ اگر تم تسلیم کریں کہ ایک نے اس کا احدث کیا ہے تو پھر دوسرے سے احدث ممنوع ہے نیز رسول امین کا جملہ اس پر دلالت کر رہا ہے کہ وہ اس میں کمی بیشی نہیں کر رہا ہے وہ امانت دار ہے وہ اس کو مرسل کی جانب سے پہنچا رہا ہے مزید برآں جس نے قرآن پاک کو بشر کا کلام کہا اللہ نے اس کو کافر کہا ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو بشر ہیں پس جس نے یہ کہا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بنایا ہوا کلام ہے وہ کافر ہے۔ اس میں کچھ فرق نہیں کہ آپ اس کو انسان، جن یا فرشتے کا کلام کہیں ظاہر ہے کہ کلام کی نسبت تو اس طرف ہوتی ہے جس نے ابتداء کلام کیا جس نے کلام کو آگے پہنچایا یا کسی کہنے والے سے سنا اس کی جانب کلام کی نسبت نہیں کی جاسکتی مثلاً آپ کسی انسان سے امر القیس کا شعر ہے

قفانید من ذکرئی حبیب ومنزل

ٹھہرو مجھیں محبوب اور اس کی منزل کا ذکر کر کے مدنیہ

سنئے ہیں تو میں سے آپ نے شعر سنا یہ اس کا کلام نہیں ہے کلام یہ حال امر القیس کا ہے

اسی طرح۔

انما الاعمال بالنیات وانما کل امرئ

اعمال نیات کے ساتھ ہیں اور ہر آدمی کیلئے

ماقودی

وہ ہے جو اس نے نیت کی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے جیسا کہ

الحمد للہ رب العالمین اللہ کا کلام ہے اس کا کلام نہیں جس سے آپ یہ جملہ سن رہے

ہیں کیا آپ دیکھتے نہیں ہیں کہ جب آپ کسی انسان سے کوئی عمدہ شعر یا نثریہ کلام سنتے ہیں تو آپ اس سے دریافت کرتے ہیں یہ کس کا شعر ہے یہ کس کا کلام ہے۔ آپ کا ہے یا کسی اور کا ہے؟

قرآن پاک اہل سنت کے نزدیک غیر مخلوق ہے اہل سنت مذاہب اربعہ وغیرہ

کے حاملین متقدمین اور متاخرین اس نظریہ پر متفق ہیں کہ قرآن مجید اللہ کا کلام اور غیر مخلوق ہے بعد میں متاخرین مختلف ہو گئے کہ اللہ کا کلام ایک معنی ہے جو قائم بالذات ہے یا حروف اصوات کا نام ہے اللہ ان کے ساتھ متکلم ہوا جبکہ وہ پہلے متکلم نہ تھا یا وہ ہمیشہ متکلم رہا جب اس نے چاہا اور جس وقت چاہا اور جیسے چاہا اور کلام قدیم ہے بعض معتزلہ قرآن پاک کو غیر مخلوق اس معنی میں کہتے ہیں کہ وہ کلام جھوٹا نہیں اس کا افترا نہیں کیا گیا بلکہ وہ سچا کلام ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ معنی تو اس لفظ سے کوئی شخص نہیں لیتا اور تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ قرآن پاک جھوٹا کلام نہیں ہے۔

اختلاف تو اس مسئلہ میں ہے کیا قرآن مخلوق ہے یا اللہ کا کلام ہے اس کے ساتھ قائم ہے معتزلہ کے توحید اور صفات میں جو عقائد ہیں ان کی عقل کی پیداوار ہیں کتاب و سنت سے ماخوذ نہیں ہیں اگرچہ بظاہر ہی کہتے ہیں کہ ہم تمام مسائل ائمہ سے اخذ کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر لوگوں کو فطرت سلیمہ پر آزاو چھوڑ دیا جائے اور وہ اپنی عقلوں سے صحیح راہ جانچنا چاہیں تو تمام جھگڑے ختم ہو سکتے ہیں لیکن شیطان نے بعض لوگوں کو مغالطوں میں ڈال دیا ہے جس سے ان میں افتراق پیدا ہو گیا ہے ارشاد ربانی ہے۔

وَالَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ ۚ ذَٰلِكَ جَزَاءُ الْفَاسِقِينَ (البقرہ ۱۷۵)

وہ ضد میں (اگر نیکی سے) دھڑلے ہو گئے ہیں۔

امام طحاوی کا کلام واضح ہے کہ اللہ پاک ہمیشہ متکلم رہا جب چاہا اور جس طرح چاہا وہ متکلم ہوا اور اس کا کلام قدیم ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کا قول فقہ اکبر میں ہے۔

الْفَرَاقُ فِي الْمَصَاحِفِ مَكْتُوبٌ وَ

فِي الْقُلُوبِ مَحْفُوظٌ وَعَلَى الدَّائِمِ

مَقْرُوءٌ وَعَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

بَنِي صُلَيْبٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ

منزل ولعظنا بالقرآن مخلوق
والقرآن غیر مخلوق وما ذکر اللہ
فی القرآن عن موسیٰ علیہ السلام
وغیرہ وعن فرعون وابلیس فان
ذالک کلام اللہ احباً منہم وکلام
موسىٰ وغیرہ من المخلوقین مخلوق
والقرآن کلام اللہ لا کلام مہود سمع
موسىٰ علیہ السلام کلام اللہ فلما
کلمہ موسیٰ کلمہ یکلّمہ الذی
هو من صفاتہ لم یزل و صفاتہ
کما خلافت صفات المخلوقین
یعلم لا کعلمنا ویقدر لا کقدرنا
وسیوی لا کوسیٰ یتنا دینک لا کلامنا
انہی۔

جیسی جیسے اللہ کا ردیت ہماری رویت جیسی نہیں ہے اور اللہ کا کلام ہمارے کلام جیسا نہیں ہے
خیال رہے جب اللہ نے حضرت موسیٰ سے کلام کیا تو وہ اللہ کا وصف تھا یعنی جب حضرت
موسیٰ آئے تو اللہ اس کے ساتھ ہم کلام ہوئے یوں کہہا جائے کہ اللہ کا وہ کلام بھی ہمیشہ سے ہے
اور ہمیشہ رہے گا اور اللہ کتنا رہے گا اے موسیٰ لے موسیٰ
ارشادِ ربانی ملاحظہ فرمائیے۔

فلما جاء موسیٰ لم یقاتنا وکلمہ دیہ
(الاعراف ۱۴۳)

اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کئے ہوئے
وقت پر (کوہ طور) پر پہنچے اور ان کے پروردگار

نے ان سے کلام کیا۔

اس آیت میں ان لوگوں کا رد مقصود ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ کا وصف کلام اگرچہ اس کے نفس
کے ساتھ قائم ہے اس کا سننا متصور نہیں لیکن اللہ فقنا میں آواز پیدا فرما لیتا ہے جیسا کہ
ابن مہر ماتریدی کا قول ہے۔

معجزہ کا کہنا (کہ اللہ کا کلام اس کی مشیت اور قدرت کے ساتھ متعلق ہے وہ جب چاہتا ہے کلام کرتا ہے اور وہ شیا بعد شئی کلام کرتا ہے بالکل صحیح اور درست ہے نیز ان کا کہنا کہ اللہ کا کلام اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور کلام اس کا وصف ہے ظاہر ہے کہ صفت کا قیام موصوف کے ساتھ ہوتا ہے یہ بھی صحیح ہے اس کو ماننا اور اس کے مطابق کہنا درست ہے ان کا وہ قول تسلیم نہ ہو گا جو عقل اور شرح کے خلاف ہو گا۔

لیکن معجزہ کا یہ کہنا (کہ حوادث کا قیام اللہ کے ساتھ ہے) مجمل ہے ہم ان سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کون ائمہ ہیں جو اللہ کے ساتھ حوادث کے قیام کو تسلیم نہیں کرتے ہیں جب کہ قرآن و سنت کے نصوص اس پر دال ہیں نیز ائمہ کے نصوص اور صریح عقل بھی اس بات کو تسلیم کرتی ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ پیغمبر و لوگوں سے مخاطب ہوئے اور انہیں بتایا کہ اللہ نے فلاں بات کہی فلاں کی تادی دی اور فلاں سرگوشی کی یا وہ فلاں بات کہتا ہے ان تمام صورتوں میں ان کا نظریہ یہ معای نہیں ہوتا کہ وہ ان کو مخلوق مانتے ہیں اور اس کی ذات سے منفصل مانتے ہیں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ کلام اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے خود اللہ متکلم ہوا جیسا کہ حضرت عائشہ کے واقعہ نقل ہیں وہ خود کہتی ہیں کہ میری شان ایسی کہاں تھی کہ میرے بارے میں اللہ کلام فرماتا اور وحی نازل فرماتا کہ اس کی تلاوت ہوتی۔

نیز لغت عرب میں اور میدان عقل میں اس وقت تک کسی کو متکلم نہیں کہا جاسکتا جب تک کہ اس کے ساتھ کلام کا قیام نہ ہو معجزہ کا یہ کہنا کہ اگر ہم نے کلام کو اللہ کے ساتھ متعلق کر دیا تو پھر تشبہ لازم آئے گی اس سے بچنے کے لئے انہیں تاویلات کا سہارا لینا پڑتا ہے حالانکہ تشبیہ تو اس سے بھی ختم ہو جاتی ہے جب ہم کہتے ہیں کہ اللہ متکلم ہے لیکن اس کا تکلم ہمارے جیسا نہیں ہے جیسا کہ ہم نے کہا کہ اللہ کا علم ہمارے علم جیسا نہیں اسی طرح تمام صفات سمجھ لیجئے ہم سوال کرتے ہیں کیا قادر کا تصور قدرت کے بغیر اور کیا حی کا تصور حیات کے بغیر ممکن ہے؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذیل کے دعاویہ کلمات مروی ہیں کیا آپ جب کلمات اللہ کے ساتھ پناہ طلب کر رہے ہیں تو آپ مخلوق کے ساتھ پناہ مانگ رہے ہیں ہرگز نہیں کلمات اللہ مخلوق نہیں ہیں اللہ کے کلمات غیر مخلوق ہیں۔

الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔

اعوذ بکلمات اللہ التامات التي
لا یجاد منهن بزل ولا فاجر
میت صحیح ہے (مسند احمد)
میں اللہ کے کلمات کے ساتھ (جو پورے ہیں)
پناہ طلب کرتا ہوں جن سے کوئی نیک اور برا
انسان متجاوز نہیں ہو سکتا۔

نیز آپ فرماتے ہیں۔

اعوذ برضاك من سخطك واعوذ
بمعافتك من عقوبتك
(مسلم)

میں تیری رضا کے ساتھ تیری ناراضگی اور تیرے
عفو کے ساتھ تیری سزا سے پناہ مانگتا ہوں

نیز آپ دعا فرماتے

اعوذ بجزا اللہ وقداسہ من شرها
اجدادا حادس (مدیت صحیح ہے)

میں اللہ کی عزت اور اس کی تدرت سے
ساتھ اس چیز کے شر سے پناہ مانگتا ہوں
جو موجود ہے۔ اور جس کا مجھے خطرہ ہے

نیز آپ دعا فرماتے۔

اعوذ بعظمتك ان نغفل عن تحننا
کر زمین کے نیچے سے ہلاکت میں ڈالے جانے۔

میں تیری عزت کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں

ان تمام کلمات میں جن صفات کے ساتھ پناہ طلب کی گئی ہے ان کو مخلوق کہنا درست
نہیں وہ سب غیر مخلوق ہیں اس لئے کہ مخلوق کے ساتھ پناہ طلب کرنا درست نہیں۔

متاخرین حنفیہ کا قرآن پاک کے بارے میں نظریہ اور ان کا رد اکثر
متاخرین حنفیہ کہتے ہیں کلام بس ایک معنی ہے متعدد، مکرر بلحاظ دلالت کے ہے بلحاظ مدلول
کے نہیں ہے اور کلام کی عبارتیں مخلوق ہیں اور عبارتوں کو کلام اللہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اس
پر دلالت کرتی ہیں اور ان کے ساتھ اس کی ادائیگی ہوتی ہے ان کو عربی میں پیش کرد تو قرآن ہے
عربی میں ذکر کرد تو تورات ہے بس اختلاف عبارت میں ہے کلام میں نہیں مجازاً عبارت
کو ہی کلام اللہ کہا گیا ہے

جواب ان کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ لا تقربوا الزنی کا وہی معنی ہے جو اتیموا الصلوة

کا ہے اور ایہ الکرسی کا وہی معنی ہے جو ایستدائینہ کا ہے اور سورۃ اخلاص کا وہی معنی ہے جو تبت، ید الیٰ حب کا ہے معمولی غور و فکر رکھنے والا انسان بھی اس کو صحیح تسلیم نہیں کرتا ہے۔ نیز یہ نظریہ سلف صالح کے نظریہ کے بھی خلاف ہے پس حقیقت یہ ہے کہ تورات، انجیل، زبور اور قرآن فی الحقیقت اللہ کا کلام ہیں اور اللہ کے کلام کا انہما ماننا بھی درست نہیں وہ ہمیشہ سے کلام کرتا رہا اور ہمیشہ کلام کرتا رہے گا۔ جس طرح اس نے چاہا اور جب چاہا ارشاد ربانی ملاحظہ فرمائیں۔

قل لو کان البحر مداً الکلمات رجب کہ دو کہ اگر سمندر میرے پروردگار کی باتوں
لتفد البحر قبل ان تنفذ کلمات کے (کہنے کے لئے) سیاہی ہو تو قبل اس کے
دبی دو جتنا بمثلہ امداً کہ میرے پروردگار کی باتیں تمام ہوں سمندر
(الکہف ۱۰۹) ختم ہو جائے اگرچہ ہم ویسا ہی اور اس کی مد
کو لائیں۔

نیز فرمایا۔

ولوان مانی (لاارض من شجرة اقلد) اور اگر یوں ہو کہ زمین میں جتنے درخت ہیں وہ
د البحر مداد من یعدا سبعة البحر (سب کے سب) قلم ہوں اور سمندر رک کا تمام پانی سیاہی
ما نفذت کلمات اللہ ان اللہ عزیز ہو (اور) اس کے بعد سات سمندر اور سیاہی
حکیم (لقمان ۲۷) ہو جائیں تو خدا کی باتیں (یعنی اس کی صفات) ختم
نہ ہوں بے شک خدا غالب حکمت والا ہے۔

پس اگر جو مصحف میں ہے اس کو عبارتہ مانا جائے کلام اللہ نہ کہا جائے تو جنہی اور بے وضو انسان کا اس کو ہاتھ لگانا کیسے ممنوع ہوتا اور اگر قاری کا پڑھنا قرآن نہ ہو تو جنہی اور بے وضو انسان کے لئے اس کا پڑھنا کیسے ناجائز ہو تا پس اللہ کا کلام دلوں میں محفوظ ہے زبانوں سے پڑھا جاتا ہے مصاحف میں لکھا ہوا ہے جیسا کہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے گزر چکا ہے۔

ہاں قرآن پاک کی کتابت کے بارے میں کہنا کہ فلاں کی ہے درست ہے کتابت سیاہی سے ہوئی ہے درست ہے نیز کسی قائل کا یہ کہنا کہ مصحف میں آسمان زمین ہیں اس میں حضرت محمد علی علیہما الصلوٰۃ والسلام ہیں درست ہے لیکن یہ کہنا کہ اس میں اللہ کا کلام ہے درست نہیں

اس لئے کہ سیاہی اور حرفوں کی بناوٹ کو اللہ کا کلام نہیں کہا جاسکتا ان میں فرق کو سمجھنے کی ضرورت ہے اور جو شخص یہ فرق نہیں سمجھتا وہ گمراہ ہے جیسا کہ قاری کا فعل قرات اور جو پڑھا جا رہا ہے وہ اللہ کا کلام ہے اور جو شخص اس فرق کو نہیں سمجھتا وہ گمراہ ہے اس کی مزید وضاحت ایک مثال سے ہو رہی ہے مثلاً ایک کاغذ پر ذیل کا شعر لکھا ہوا ہے الا کل شیء ما خلا اللہ یا لہل اور یہ شعر کسی معروف کاتب کا لکھا ہوا ہے تو جس شخص کو معلوم ہے کہ یہ شعر لبید کا ہے وہ یہ نہیں کہے گا کہ یہ فلان کاتب کا ہے وہ اس کی نسبت لبید کی طرف کرے گا بالکل اسی طرح اگرچہ ہم قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں لیکن قرآن پاک اللہ کا کلام ہے ہمارا کلام نہیں اگرچہ منظم ہم ہیں۔

قرآن کن معانی میں استعمال ہوتا ہے؟ قرآن اصل میں مصدر ہے کبھی اس سے قرات اور کبھی جس کو پڑھا جاتا ہے وہ مراد ہوتا ہے درج ذیل آیت

وَقُرْآنَ الْفَجْرِ ۖ قُرْآنَ الْفَجْرِ ۖ قَات
مشہوداً (الاسراء ۷۸)
اور درج ذیل حدیث -

ذیلاً القرآن باصوات کھولے
اپنی آوازوں کے ساتھ قرات کو زینت
عطا کرو۔

میں قرآن قرات کے معنی میں ہے۔

اور درج ذیل روایات اور ایک حدیث میں قرآن سے مراد ہے جس کو پڑھا جا رہا ہے ارشاد ربانی :-

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ
من الشیطان الرجیم (النمل ۹۸)
ارشاد ربانی -

وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَمِعُوا لَهُمْ
لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (الاعراف ۲۰۴)
اور جب قرآن پڑھا جائے تو تم تو مبرا کر دو اور
خاموش رہا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

لہ البرادود -

ارشاد نبوی -

ان هذا القرآن انزل علی سبعة

یہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے -

احرف لہ

ان کے علاوہ بھی متعدد آیات اور احادیث ان مذکورہ معانی پر دلالت کرتی ہیں پس حقائق کا دھور عینی، ذہنی، لفظی اور رسمی ہوتا ہے پہلے ان کے وجود کو معلوم کیا جاتا ہے پھر ان کا ذکر کیا جاتا ہے پھر انہیں وسط و تحریر میں لایا جاتا ہے تو معانی کو مصحف میں لکھنا چوتھا درجہ ہے لیکن کلام اور اس کے مصحف میں لکھنے میں کچھ واسطہ نہیں وہ بلا واسطہ ہی لکھا جاتا ہے -

قرآن پاک کے بارے میں مذکور ہے کہ وہ لوح محفوظ میں یا کتاب کمون (پوشیدہ کتاب) یارق منشور (کتابہ اوراق) میں ہے ان تینوں کا مفہوم ایک ہے یعنی قرآن پاک لوح محفوظ میں ہے یا وہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے لیکن قرآن پاک کے بارے میں اللہ کا یہ قول :-

وانہ نفی ذہن الادلین (الشعر ۱۹۶) اور بے شک وہ (قرآن) ضرور پہلی کتابوں میں

اس کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن کا ذکر اور اس کا بیان پہلی سماوی کتابوں میں موجود تھا۔ جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اوصاف کا ذکر بھی پہلی کتب میں موجود تھا۔ لیکن یہ معنی درست نہیں کہ قرآن پہلے صحیفوں میں ہے جب کہ قرآن پاک کو اللہ پاک نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا آپ کے علاوہ کسی پر نازل نہیں فرمایا ہمارے اس موقف کی وضاحت ایک دوسری آیت سے بھی ہو رہی ہے ارشاد ربانی ہے

الذی یحبہ و نھ مکتوباً عندھم وہ شخص جس کا (وصف) اپنے ہاں لکھا

(الاعراف ۱۷) ہوا پاتے ہیں -

خیال رہے کہ زبر کا معنی لکھنا اور جمع کا آتا ہے یعنی اس کا ذکر پہلی سماوی کتابوں میں لکھا ہوا ہے -

اور لفظ کتاب سے کبھی محل کتابت اور کبھی کلام مکتوب مراد لیا جاتا ہے اور کتاب میں کلام لکھنا اور ان چیزوں کو لکھنا جو خارج میں موجود ہیں ان دونوں میں فرق واضح ہے اس لئے کہ جو چیزیں خارج میں موجود ہیں ان کے لکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا کتاب میں ذکر ہو -

لہ بخاری، مسلم

اللہ کا کلام جو آج میں حقیقتاً موجود ہے اولاً بواسطہ جبریل اللہ سے سنا گیا پھر پہنچانے والے سے اسے سنا جاتا ہے جب سامع کو کہتا ہے تو اس کو اس کا علم حاصل ہو جاتا ہے اور وہ اس کو حافظ میں محفوظ رکھتا ہے پس اس لحاظ سے اللہ کا کلام مسموع، محفوظ، معلوم ہے جب سامع اس کی قراءت کرتا ہے تو وہ مقروء ہوا۔

اور جب تحریر میں آگیا تو وہ مکتوب ہو گیا ان تمام صورتوں میں اللہ کا کلام حقیقی ہے اس کی نفی کرنا درست نہیں جب کہ مجاز کی نفی کرنا درست ہے تو یہ کہنا بالکل جائز نہیں کہ مصحف میں اللہ کا کلام نہیں ہے اس طرح جب قاری اس کی تلاوت کر رہا ہے تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ جس کو اس نے پڑھا ہے وہ کلام نہیں ارشاد ربانی ملاحظہ فرمائیں

وان احد من المشركين استنجدك . اور اگر کوئی مشرک تم سے پناہ کا خواستگار ہو تو

فاجرة حتى يسمع كلام الله (التوبة ۶) اسکو پناہ دو یہاں تک کہ وہ کلام خدا سنے لگے

کیا اس صورت میں مشرک اللہ سے اللہ کا کلام سنے گا ؛ وہ تو اللہ کی جانب سے جو مبلغ ہے اس سے سنے گا پس اس آیت کی روشنی میں اس شخص کا قول قابل اعتبار نہیں جو کہتا ہے کہ مشرک اللہ کا کلام نہیں سن رہا ہے وہ تو اللہ کے کلام کی عبارت سن رہا ہے حالانکہ مذکورہ آیت میں کلام اللہ ہے عبارت کلام اللہ نہیں اور اصل بات یہ ہے کہ ہر لفظ کا حقیقی معنی امرادیا جائے اسی طرح جو شخص کہتا ہے کہ مصاحف میں لکھا ہوا عبارت کلام اللہ یا حکایت کلام اللہ ہے کلام اللہ نہیں ہے اس نے کتاب و سنت اور سلف امت کے مسلک کی مخالفت کی ہے اور یہی گمراہی کافی ہے۔

امام طحاوی کا قول (قرآن پاک اللہ کا کلام ہے اس سے اس کی ابتدا ہے دیگر ائمہ اضافہ کرتے ہوئے کہتے ہیں اس کی طرف ہی اسی کی انتہا ہے) ان لوگوں کے قول کے مخالف ہے جو کہتے ہیں اللہ کا کلام ایک معنی ہے جس کا سننا ممکن نہیں اور مسموع، منزل، مقروء، مکتوب اللہ کا کلام نہیں وہ تو عبارت کلام اللہ ہے۔

نیز امام طحاوی کی اس تشریح سے جمیہ، معتزلہ کالد ہو رہا ہے جو قائل ہیں کہ اللہ نے کلام کا معنی میں خلق کیا تو وہاں سے کلام کا آغاز ہے اللہ سے نہیں جب کہ سلف امت کا نظریہ ہے کہ اللہ متکلم ہے اس سے کلام کا آغاز ہے مخلوقات سے آغاز نہیں ہے ارشاد ربانی ملاحظہ فرمائیں

تنزيل الكتاب من الله العزيز

اللہ غالب حکمت دے کی طرف سے کتاب

الحکیم (الزمرا) اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے کتاب

نیز ولكن حق القول مني (السمیة) کو نازل کرنا سے نیز میرا قول حق ہے۔

نیز قل نزلہ روح القدس من ربک کہ وہ کہ اس (قرآن) کو تیرے رب کی طرف

بالحق (التم ۱۰۲) سے حق کے ساتھ روح القدس نے اتارا ہے۔

امام طحاوی کا قول کہ اللہ کی طرف کلام کا انتہا ہوگا اس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ کا کلام

سینوں اور مصاحف سے اٹھایا جائے گا تو سینوں اور مصاحف میں اللہ کے کلام کا کچھ اثر باقی

نہیں رہے گا۔ جیسا کہ متعدد آثار میں اس کا ذکر موجود ہے۔

امام طحاوی کا قول اللہ کے تکلم کی کیفیت معلوم نہیں اللہ نے اپنے کلام کی فرشتے کے ذریعہ

اپنے رسول کی جانب ۔۔۔۔۔ وحی کی حضرت جبریل نے کلام کو اللہ سے سنا اور حضرت جبریل

سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا آپ نے لوگوں پر اس کو پڑھا۔

ارشاد ربانی ہے۔

وقرانا فو قنا لتقرء علی الناس اور ہم نے قرآن کو جزد جزد کر کے نازل کیا

علی صکت و نزلنا تنزیلا تاکہ تم لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھ کر سناؤ

اور ہم نے اس کو آہستہ آہستہ اتارا ہے (الاسراء ۱۰۶)

نیز فرمایا۔

نزل به الروح الامین اس کو امانت دار فرشتہ لے کر اترا ہے

علی قلبک لتکون من (یعنی اس نے) تو تمہارے دل پر القاء

المنذرين بلسان عربیہ کیا ہے تاکہ (لوگوں کو) نصیحت کرتے رہو

صہب (اور انقلص) فہم عربی زبان میں (کیا

(الشعراء ۱۹۳) ہے

اس میں اللہ کے لئے علو کی صفت کو ثابت کیا گیا ہے۔

اعترض معترضہ کی جانب سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے قرآن پاک بالکل اسی طرح اتارا ہے جیسا کہ

اس نے بارش نازل کی ہے یا موبہ نازل کیا ہے یا چار پاویں کے آٹھ جوڑوں کے نازل کرنے

کا ذکر ہے۔

جواب ہرگز نہیں قرآن پاک کے نازل کرنے کے ذکر میں صحت ہے کہ وہ اللہ کی جانب سے نازل ہوا جبکہ باقی چیزوں کے نازل کرنے میں صرف یہ ذکر ہے کہ ان کو ہم نے علو سے نازل کیا۔ ارشاد ربانی ہے:-

خُفِّرَ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ (غافر ۲)

کتاب قرآن کو اللہ غالبِ علم والے کی طرف سے نازل کرنا ہے۔

نیز فرمایا:-

تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ (النّھر ۱)

کتاب قرآن کو اللہ غالبِ حکمت والے کی طرف سے نازل کرنا ہے

نیز فرمایا:-

تَنْزِيلُ مِنَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ (فصلت ۴)

رحم کرنے والے مہربان کی طرف سے نازل کرنا ہے۔

نیز فرمایا:-

تَنْزِيلُ مِنَ حَكِيمٍ مُّبِينٍ (رحمہا السجدة ۴)

حکمت والے بزرگ والے کی طرف سے نازل کرنا ہے

نیز فرمایا:-

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ أَمْراً مِنْ عِنْدِنَا إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ (الدخان ۳-۵)

کہ ہم نے اس کو مبارک رات میں نازل فرمایا ہے ہم تو رستہ دکھانے والے ہیں اسی رات میں تمام حکمت کے کام کے فیصلے کئے جاتے ہیں (یعنی ہمارے ہاں سے حکم ہو کر بے شک ہم ہی بھیجتے ہیں۔)

نیز فرمایا:-

فَاقْرَأْ بَلَّتَابَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ هَوَاهُا مِنْهَا تَبَعُهُ ان كُنْتُمْ صَادِقِينَ (القصص ۴۹)

تم اللہ کی جانب سے ایسی کتاب لاؤ جو ان دونوں سے زیادہ ہدایت والی ہو اگر تم سچے ہو۔

نیز فرمایا:-

والذین اتیناھم الکتاب یعلمون انہ
منزل من ربک بالحق (الانعام ۱۱۴)
اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب (تورات) دی ہے
وہ جانتے ہیں کہ وہ تمہارے پروردگار کی طرف سے
برحق نازل ہوئی ہے۔

نیز فرمایا:-

قل نزلہ روح القدس من ربک بالحق (الخلع ۱۰۲)
کہہ دو کہ اس کو میرے رب کی طرف سے روح القدس
نے برحق اتارا ہے۔

معلوم ہوا قرآن پاک کا نزول اللہ کی جانب سے ہوا جب کہ بارش کا نزول آسمان سے ہوا۔
ارشاد ربانی ہے:-

انزلنا من السماء ماءً اطہراً (الفرقان)

ہم نے بادلوں سے پانی پانی اتارا۔
ایہ میں لفظ سماء کا معنی علو ہے ایک دوسرے مقام میں ہے کہ اس نے بارش کو بادلوں سے
نازل کیا پھر ایک اور مقام میں فرمایا کہ ہواؤں سے بارش کو نازل کیا البتہ لوسے اور چار پایوں کے بابے
میں آیات مطلق ہیں تو قرآن پاک کے انزال کو ان کے انزال کے مشابہ کیسے قرار دیا جاسکتا ہے۔
پس لوہا کا زون سے نکلتا ہے جو پہاڑوں میں ہرتی ہیں اور پہاڑ سطح زمین سے بلندی پر ہوتے ہیں عالم
طور پر مشہور کہ لوسے کی کان جس قدر زیادہ بلند ہوگی اسی قدر لوہا اعلیٰ اور عمدہ ہوگا۔

اور چار پایوں کا تو الدو تناسل ظاہر ہے کہ نر کا مادہ منویہ اس کی کمر سے خارج ہو کر
مادہ کے رحم میں جاتا ہے پھر وہ بچہ بن کر مادہ کے پیٹ سے باہر آتا ہے۔

اس میں بھی ایک طرح کا علو کا نرمایا ہے جب کہ وحی کے وقت نر مارہ پر بلند ہوتا ہے
اور نر کا پانی بلندی سے پستی کی جانب یعنی مادہ کے رحم میں پہنچتا ہے مادہ کا جب حمل پورا ہو
جاتا ہے تو وہ بچے کو بلندی سے پستی کی جانب بھیجتی ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:-

وانزل لکمھن الانعام (النہق)

اور اس نے تمہارے لئے چار پایوں سے بنایا

جعل لکمھن انفسکم انما جا ومن

الانعام انما جا -

اسی نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کے

جوڑے بنائے ہیں اور چار پایوں کے بھی

جوڑے

(الشوری ۱۱)

امام طحاوی کا قول اللہ کا کلام مخلوق کے کلام کی طرح مخلوق نہیں اس میں بھی معتزلہ کا رد مقصود ہے اور اس قول میں بھی کہ اللہ کا کلام حقیقی معنی میں ہے ان کا رد ہے جب کہ وہ کلام کو ایک معنی کہتے ہیں جو اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے لیکن اللہ سے سنا نہیں جاتا یعنی ان کے ہاں نفسانی کلام ہے اس لئے کہ جس کے ساتھ نفسانی کلام کا قیام ہو اور وہ اس کے ساتھ متکلم نہ ہو تو اس کلام کو حقیقی کلام نہیں کہا جاسکتا وگرنہ ماننا پڑے گا کہ گونگا انسان بھی متکلم ہے اور ماننا پڑے گا کہ جو کچھ مصاحف میں ہے وہ قرآن نہ ہو اور نہ اللہ کا کلام ہو بلکہ عبارت اللہ ہو۔

جیسا کہ جب ایک گونگا انسان کسی دوسرے شخص کی جانب اشارہ کرے جس سے مقصود سمجھ میں آئے تو وہ شخص معنی کی عبارت کو تحریر کرے پس اس صورت میں مکتوب معنی کی عبارت ہے یہ ایسی مثال ہے جس کے بارے میں معتزلہ کہتے ہیں کہ ہمارے نظریہ کو واضح انداز میں پیش کرتی ہے اگرچہ مثال کی مطابقت کے لحاظ سے اللہ کو کوئی شخص گونگا کہنے کے لئے تیار نہیں۔ البتہ ان کے ہاں اس کی وضاحت یوں ہے کہ فرشتے نے اللہ سے وہ معنی سمجھا جو اس کے ساتھ قائم تھا۔ اگرچہ فرشتے نے اللہ سے کسی آواز کو نہیں سنا اور نہ کسی حرف کو سنا ہے بس ایک معنی کو سمجھا اس کو تعبیر کیا پھر قرآن پاک کی ترتیب و تالیف کو پیدا فرمایا بلکہ اللہ نے بعض اجسام میں جو فرشتے سے بہت پست درجہ والے ہیں اس قسم کی عبارت کا خلق کیا۔

امام طحاوی فرماتے ہیں :- جو شخص اللہ کے کلام کو ایک معنی سمجھتا ہے ہم اس سے دریافت کریں گے کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تمام معنی کو سنا یا بعض کو سنا اگر وہ کہے تمام کو سنا تو یہ قول فاسد ہے اگر بعض کا کہے تو دعویٰ ٹوٹ گیا کہ وہ ایک معنی ہے۔ نیز جب اللہ نے فرشتوں سے کہا:-

انجا اعلیٰ فی الاوض خلیقة (البقرة) بے شک میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ نیز جب اللہ نے کہا آدم کو سجدہ کر دان میں یہ اللہ کا تمام کلام ہے یا بعض کلام ہے اگر کہے تمام ہے تو یہ بکا رہے اگر بعض کہے تو معنی ایک نہ رہا اس میں تعدد آگیا۔ کلام اور قول سے کیا مراد ہے؟ اس میں چار قول ہیں۔

پہلا قول :- کلام لفظ معنی دونوں کو متناول ہے جیسا کہ لفظ انسان جسم اور روح دونوں کو متناول ہوتا ہے یہ سلف امت کا قول ہے۔

دوسرا قول :- کلام سے مراد صرف لفظ ہے اور معنی اسمیٰ کا جز نہیں بلکہ معنی کا مدلول ہے

یہ معتزلہ کی ایک جماعت کا قول ہے۔

تیسرے قول :- کلام صرف معنی کا نام ہے لفظ پر اس کا اطلاق مجازاً ہے یہ قول ابن کلاب اور اس کے ہم خیال لوگوں کا ہے۔

چوتھا قول :- کلام لفظ اور معنی میں مشترک ہے یہ قول بعض متأخرین کلابیہ کا ہے۔

پانچواں قول :- کلام کا لفظ کلام اللہ میں مجاز اور انسانوں کے کلام میں حقیقت ہے اس لئے کہ انسانوں کے حروف ان کے ساتھ قائم ہیں پس کلام کا قیام غیر متکلم کے ساتھ نہ ہوا لیکن اللہ کا کلام اس کے ہاں اس کا قیام اللہ کے ساتھ نہیں ہے تو اس کو اللہ کا کلام کہنا منع ہوا۔

کلام ایک معنی ہے اس پر ایک شعر سے استدلال کیا جاتا ہے جو فاسد ہے شعر ملاحظہ فرمائیں :-

ان الکلام لغی الفؤاد وانما کلام کا تعلق تو دل کے ساتھ ہے۔

جعل اللسان علی الفؤاد دلیلاً زبان تو دل پر صرف راہ غائی کا کام دیتی ہے۔

لیکن یہ شعر موضوع ہے اگرچہ اخطل کی جانب منسوب ہے جب کہ اس کے دیوان میں نہیں ہے بعض لوگوں نے ان البیان نقل کیا یہ اقرب الی الصحتہ ہے اس کو صحیح تسلیم کرنے کے لئے باوجود بھی اس سے استدلال صحیح نہیں ہے۔ شعر موضوع سے استدلال بالکل ناقص ہے جب کہ اگر صحیحین سے استدلال کیا جائے تو اس پر بھی ہم کہتے ہیں کہ حدیث خبر واحد ہے جو یقین کا فائدہ نہیں دیتی اگرچہ علماء نے صحیحین کو شرف قبول سے نوازا ہے نیز جب کہ ہم دیکھتے ہیں عیسائی کلام کا معنی بیان کرنے میں گمراہ ہو گئے انہوں نے حضرت عیسیٰ کو کلمۃ اللہ کہا اور لاہوت کا ناسوت کے ساتھ اتحاد ہو گیا یعنی اللہ اور لوگ ایک ہو گئے تو کیا ہم کلام کے معنی کے سلسلہ میں عیسائیوں کے قول سے استدلال کریں جو کلام کا معنی بیان کرنے میں سیدھے راہ سے بھٹک گئے یعنی انہوں نے کلام کا وہ معنی بیان نہ کیا جو لغت عرب میں ہے پھر معنی صحیح نہیں ہے اس لئے کہ لازم آتا ہے کہ ہم آخر میں معنی گوئی کو متکلم کہیں جب کہ کلام کا قیام اس کے دل کے ساتھ ہے زبان سے نہ وہ بات کرتا ہے اور نہ اس سے کوئی بات سُنی جاتی ہے۔

پس یہ معنی عیسائیوں کے قول کے کس قدر مشابہ ہے جو لاہوت ناسوت کے قائل ہیں

۱۔ صحیحین سے استدلال اور اس کی حدیث کو خبر واحد کہہ کر مدکر دینا ائمہ کے اتفاق اور اجماع کے منافی ہے بلکہ انکار حدیث کے مترادف ہے

یعنی اللہ اور مخلوق میں وحدت ہے اور اللہ کا کلام ایک معنی ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے لیکن اس کا سننا ممکن نہیں اور جس ترتیب کو ہم سن رہے ہیں وہ مخلوق ہے پس قدیم معنی کو مخلوق ترتیب کے انداز سے بتانا بالکل اسی طرح ہے جس طرح لاہوت کو ناسوت کی شکل میں ظاہر کیا جانے کو حضرت عیسیٰ خدا ہیں یعنی اللہ حضرت عیسیٰ کے وجود میں ظہور پذیر ہے۔

امام طحاویؒ ان لوگوں کے قول کا رد کرتے ہوئے (جو کلام کو معنی سے تعبیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ معنی اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے) ایک حدیث نقل کرتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہماری نمازوں میں لوگوں کا کلام درست نہیں (مسلم) نیز اللہ پاک احکام میں تجدید فرماتا رہتا ہے اب جو اللہ نے حکم دیا ہے وہ یہ ہے کہ تم نماز میں کلام نہ کرو (نسائی) علماء اس بات پر متفق ہیں کہ جب نمازی عداً بلا مصلحت نماز میں کلام کرتا ہے تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے لیکن کیا دل میں جو تصدیق کا معنی موجود ہے یا امور دنیویہ کی طلب ہے تو اس سے بھی نماز باطل ہوگی برگز نہیں نماز کلام کرنے سے باطل ہوگی معلوم ہوا معنی کو کلام کتنا درست نہیں۔

نیز صحیحی میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے میری امت کے نفسانی خیالات کو معاف کر دیا ہے جب تک کہ وہ کلام نہ کریں یا عمل نہ کریں معلوم ہوا دل کے خیالات کلام نہیں خیالات آنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی نماز کلام کرنے سے باطل ہوتی ہے لغت عرب میں کلام کا معنی زبان سے بات کرنا ہے یہی شریعت کے احکام عربی زبان میں ہی بتائے گئے ہیں نیز سنن میں ہے معاذ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم جو زبان سے کہتے ہیں اس پر ہمارا مواخذہ ہوگا آپ نے فرمایا لوگوں کو ناک کے بل جہنم میں گرانے والیاں ان کی تیز زبانیں تو ہیں معلوم ہوا کلام کا تعلق زبان کے ساتھ ہے اور قول، کلام نیز ان سے جو شیخ مشق ہوتے ہیں کتاب و سنت اور کلام عرب میں ان کا تعین موجود ہے لفظ کلام اور قول میں صحابہ، تابعین کرام کے درمیں کچھ نزاع نہ تھا یہ نزاع متاخرین اہل بدعت علماء میں رونما ہوا پھر وسیع ہوتا چلا گیا۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ کلام اور قول کا مفہوم واضح ہے اس کے بیان کے لئے کسی شاعر کے شعر کو پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے تمام اہل زبان متقدمین اور متاخرین کلام کے معنی سے اسی طرح متعارف ہیں جس طرح وہ سر، ہاتھ، پاؤں کے معنی سے متعارف ہیں۔

نیز اس میں بھی شک نہیں کہ اللہ کا کلام معنی نہیں جو اللہ کے ساتھ قائم ہے اور

نہی مقرر محفوظ، مکتوب، مسموع کلام اللہ کی حکایت ہے بلکہ کلام اللہ ہے اور نہ ہی وہ مخلوق ہے جو شخص قرآن پاک کو مخلوق کہتا ہے اس میں کچھ شعور نہیں ہے۔ ارشاد درباری ہے۔

تل لئن اجتمعت اللہس والجن علی کہ دو کہ اگر انسان اور جن اس بات پر مجتمع ہوں کہ ان یأتوا بمثل هذا القرآن لا یأتون بمثله اس قرآن جیسا بنا لائیں تو اس جیسا نہ لاسکیں گے

(الاسراء ۸۸)

کیا اس آیت میں اشارہ اس معنی کی جانب ہے جو اس کے نفس میں ہے یا اس سے مراد متکلم مسموع ہے ظاہر ہے کہ اشارہ متکلم، مسموع کی طرف ہے اس لئے کہ جو چیز اللہ کی ذات میں ہے نہ اس کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے نہ وہ آرا گیا ہے نہ وہ مقرر ہے اور نہ ہی مسموع ہے اگر اشارہ اس چیز کی طرف ہوتا جو اس کے نفس میں ہے تو یوں کہا جاتا

لا یأتون بمثل ما فی نفسی اور جو چیز اللہ کے نفس میں ہے نہ وہ مسموع ہے

نہ اس کی طرف پہنچنا ممکن ہے۔ اور نہ ہی اس کا علم حاصل ہو سکتا ہے۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ مذکورہ آیت میں اشارہ اس چیز کی حکایت کی طرف ہے جو اللہ کے نفس میں ہے اور وہ متکلم، مکتوب، مسموع ہے پس اشارہ یا تو اللہ کی ذات کی طرف ہوگا۔

یہ درست نہیں اس لئے کہ یہ تو صریح قول ہے کہ قرآن مخلوق ہے بلکہ یہ لوگ تو معتزلہ سے بھی زیادہ کافر ہیں اس لئے کہ کسی چیز کی حکایت اس کے مثل اور مشابہ کے ساتھ ہوتی ہے اور یہ دھنا ہے کہ اللہ کے صفات کی حکایت بیان کی جاتی ہے اگر تلاوت حکایت نام ہو تو سب دیکھ اللہ کے کلام کا مثل پیش کر سکتے تھے اور انہیں عجز حاصل نہ ہوتا اور ان کے خیال میں تلاوت کرنے والا آواز اور حروف کی حکایت کرنے والا ہے آواز اور حروف نہیں ہے حالانکہ قرآن پاک ترسورتوں اور آیات کے مجموعہ کا نام ہے جو پاکیزہ صحائف میں ہے ارشاد درباری ہے۔

فانکوا بعشر موعس مثله مفتريات تو اس جیسی دس سورتیں لاؤ جو جھوٹ موعس ہوں۔ (ہود ۱۳)

نیز فرمایا:-

بل هو آیات بینات فی صدورس الذین اوتوا العلم وما یجد با یا لنا الالفاظون (العنکبوت ۳۹) بلکہ یہ روشن آیتیں ہیں جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے ان کے سینوں میں (محفوظ) ہیں اور ہماری آیتوں سے وہی لوگ انکار کرتے ہیں جو بے انصاف ہیں

نیز فرمایا۔

فی صحف مکرمة مرفوعة مطهرة قابل ادب ورتوں میں (لکھا ہوا) جو بلند مقام پر رکھے ہوئے (اور) پاک ہیں۔ (عجس ۱۳-۱۴)

پس جو شخص قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے اس کو ہر حرف کے بدلے میں دس نیکیاں حاصل ہوتی ہیں ارشاد نبوی ہے۔

میں نہیں کہتا ہوں کہ الہم ایک حرف ہے لیکن الف ایک حرف لام دوسرا حرف اور میم تیسرا حرف ہے قرآن پاک حفظا کے سینوں میں محفوظ ہے تلاوت کرنے والوں کی زبانوں سے اسے سنا جاتا ہے

شیخ حافظ الدین النسفی کا قول شیخ حافظ الدین المناریں رقمطراز ہیں۔

قرآن پاک الفاظ معانی دونوں کے مجموعہ کا نام ہے دیگر ماہرین اصول بھی اسی کے قائل ہیں امام ابو حنیفہ کی جانب اس قول کی نسبت درست نہیں کہ جو شخص نماز میں فارسی زبان میں قرآن پاک پڑھتا ہے اس کی نماز درست ہے اس لئے کہ امام صاحب کا اس قول سے رجوع ثابت ہے وہ فرماتے ہیں عربی میں پڑھنے میں قدرت ہو تو دوسری زبان میں پڑھنا درست نہیں بلکہ ائمہ کا قول ہے نماز میں عربی میں قرآن پاک کی تلاوت نہ کرنے والا اگر دیوانہ ہے تو اس کا علاج کیا جائے اگر زندیق ہے تو واجب القتل ہے اس لئے کہ اللہ نے اپنا کلام عربی میں بھیجا ہے اور اس کا اعجاز بھی عربی میں ہے اس لئے کہ اعجاز کا تعلق نظم، معنی، دونوں کے ساتھ متعلق ہے۔

امام طحاوی کا قول جو شخص قرآن پاک کو انسان کا کلام سمجھتا ہے وہ کافر ہے بلکہ اگر وہ اس کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی فرشتے یا کسی بھی مخلوق کا کلام کہتا ہے وہ بھی کافر ہے اسی طرح جو شخص اس کو اللہ کا کلام تو سمجھتا ہے لیکن تحریف اور تاویل کا دروازہ کھولتا ہے وہ بھی ان لوگوں کے زمرہ میں داخل ہے جو قرآن کو انسان کا کلام سمجھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کو شیطان نے راہ حق سے پھسلا دیا ہے

امام طحاوی کا قول: قرآن پاک انسانی کلام کے مشابہ نہیں ہے یعنی یہ کلام اشرف اور انفع ہی نہیں بلکہ نہایت سچا کلام ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

لے ترمذی، ابن ماجہ سند صحیح ہے۔

ومن اصدق من الله حديثاً اور اللہ سے زیادہ کون سی بات والا ہے

(النساء ۸۷) ❖ ❖ ❖

نیز فرمایا۔

قل لئن اجتمعت اللہ والناس علیٰ کہ دو کر اگر انسان اور جن اس بات پر مجتمع ہوں
ان یا تو بمثل هذا القرآن لایاتون بمثلہ کہ اس قرآن جیسا بنالین تو اس جیسا نہ لاسکیں
(الاسراء ۸۸) محسوس

نیز فرمایا۔

قل فأتوا بسورۃ مثله (یونس ۳۸) کہ دو کر اس جیسی ایک سورت بنالادو۔
تو حالانکہ وہ فصیح بلیغ تھے اور اسلام کے بہت بڑے دشمن تھے اس کے باوجود قرآن پاک
کا مقابلہ نہ کر سکے بلکہ اس کی مثل ایک سورت بھی نہ لاسکے جس سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت
نمایں ہوئی اور قرآن پاک کا معجز ہونا ثابت ہوا نہ صرف نظم یا معنی کی بنیاد پر بلکہ دونوں کے لحاظ سے اعجاز
ثابت ہوا اس کے ساتھ ہم کہتے ہیں قرآن پاک واضح عربی زبان میں ہے اس میں کسی قسم کا اوجاج نہیں
ہے پس کوئی کلام نہ صرف لفظ، معنی کے لحاظ سے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا بلکہ کلمات، حروف اور
تکلم کے لحاظ سے بھی مقابلہ نہیں ہے چنانچہ سورتوں کے آغاز میں حروف مقطعات لاکر اشارہ کیا
کہ قرآن پاک کا اسلوب ان کی زبان کے اسلوب جیسا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حروف مقطعات کے
بعد قرآن پاک کا ذکر ہوتا ہے۔ ارشاد درباری ہے۔

اتخذ الذالک کتاب لادیب فیہ یہ کتاب اس میں شک نہیں ہے۔

(البقرة ۲-۱) ❖ ❖

نیز فرمایا۔

انزلنا الذالک الی الہدٰی القیوم نزل علیہ الذالک بالحق رال محمدان (۳)
الم خدا رحیم و مدبر حق ہے اس کے سوا کوئی
عبادت کے لائق نہیں وہ دئمہ ہمیشہ رہنے
والا ہے اس نے (اے محمد) تم پر بھی کتاب نازل کی

نیز فرمایا۔

المصن کتاب انزل الیہ الذالک (۴)
(المصن) کتاب آپ پر نازل کی گئی۔

نیز فرمایا۔

اَلتَّوَكُّلُ اٰیَاتِ الْکِتَابِ الْحَکِیْمِ اتری حکمت والی کتاب کی آیات ہیں۔

(یونس ۱۰۱)

اس قسم کی دیگر آیات چتر دیتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس ایسی کتاب نہیں لائے جس کو وہ پہچانتے نہ ہوں اور نہ ایسی زبان میں ہے جس سے انہیں شناسائی نہ ہو بلکہ ان کی روزمرہ گفتگو کی زبان ہے۔

لیکن فاسد از نظ آیات کے حامل اس قسم کی باتیں کر کے انکار کرتے ہیں کہ قرآن پاک اللہ کا کلام ہوا حضرت جبریل نے اللہ سے سنا ہو جیسا کہ وہ صفات کا انکار کرتے ہیں مثلاً لیس کتہہ شئی سے صفات کی نفی کرتے ہیں حالانکہ اس کا مفہوم واضح ہے کہ کوئی شخص صفات میں اس کا مثیل نہیں دیکھے اللہ کی صفات کا اثبات دھوا السميع البصير میں موجود ہے اور جو جودف کی نفی کرتے ہیں ان کا رد فاتو بسورۃ مثلہ میں موجود ہے سب سورتوں سے مختصر سورت تین آیات پر مشتمل ہے اسی لئے امام ابو یوسف اور محمد کہتے ہیں کہ نازی کم از کم تین آیات چھوٹی یا ایک آیت لمبی سے اکتفا ہوگا اس سے کم میں اعجاز کا چیلنج ممکن نہیں۔

(ط) اور جس شخص نے اللہ کو کسی انسانی وصف کے ساتھ موصوف کیا وکافر ہو گیا جس شخص نے اللہ کی ثنات کردہ صفات کو بعیرت کی آنکھ کے ساتھ دیکھا وہ قابل اعتبار ہے اور کافروں کے قول سے رک گیا اس نے معلوم کر لیا کہ اللہ اپنے اوصاف کے ساتھ انسان کی مانند نہیں ہے۔

(ث) پہلے بیان ہو چکا ہے کہ قرآن پاک اللہ کا حقیقی کلام ہے اسی کے ساتھ اس کا قیام ہے اس کے بعد خبردار کیا کہ اللہ اپنی صفات کے ساتھ انسانوں کی مانند نہیں ہے گویا کہ مشابہت کی نفی ہے جب کہ صفات کا اثبات ہے یعنی اللہ تعالیٰ کلام کے وصف کے ساتھ موصوف ہوا اور منکسر تو ہے لیکن یہ وصف انسان کی وصف کلام کے مانند نہیں ہے اس لئے کہ اللہ کی مانند کوئی چیز نہیں وہ ذات سننے والی دیکھنے والی ہے۔

عمدہ مثال جو لوگ اللہ کی صفات بلا تشبیہ اور بلا تعطیل اللہ کے لئے ثابت کرتے ہیں وہ اس کی ایک نہایت عمدہ مثال بیان کرتے ہیں۔

خالص دودھ ایسا مشروب ہے جس کا خوشگوار ہونا مسک ہے لیکن وہ گوبر اور خون کے درمیان سے نکلتا ہے اس میں گوبر اور خون کی آمیزش نہیں ہوتی اسی طرح اللہ تعطیل اور تشبیہ سے پاک ہے

گویا کہ وہ لوگ جو اللہ کی صفات کا انکار کرتے ہیں وہ معدوم کی عبادت کرتے ہیں اور جو اللہ کی صفات کو انسانوں کی صفات کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں وہ کسی بت کی عبادت کرتے ہیں۔
 آئندہ اوراق میں اس کا ذکر آ رہا ہے کہ جو شخص نفی اور تشبیہ سے کنارہ کش نہ رہا وہ راہ حق سے بھٹک گیا اور اللہ کو منزه قرار دیے ہوئے اس نے راہ صواب کو اختیار نہیں کیا شیخ کے اس قول کا بھی یہی مطلب ہے کہ دین اسلام میں اللہ پاک تعطیل اور تشبیہ کے درمیان ہے اس میں کچھ شبہ نہیں کہ اللہ کی صفات کا انکار کرنا تو اللہ کو تشبیہ دینے سے بھی بدتر ہے اس کا ذکر آئندہ اوراق میں بھی ہو رہا ہے خیال رہے کہ جہاں کہیں اللہ تعالیٰ نے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی صفات کا ذکر کیا ہے تو اس سے تشبیہ کا پہلو نہیں نکلتا اس لئے کہ خالق کی صفات اس طرح ہیں جس طرح اس کے شایانِ شان ہیں اور مخلوق کی صفات اس کے ساتھ اس طرح ہیں جس طرح اس کے ساتھ لائق ہیں۔ شیخ کا قول :-

”فَمَنْ أَجَعَلَ هَذَا الْعَتَبَ“ جس شخص نے اللہ کی صفات کے اثبات میں بصیرت سے کام لیا تشبیہ کی نفی کی اور اس کی وعید سے عبرت حاصل کی اور کفار جیسی باتوں کے کہنے سے رک گیا۔ اسے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں کسی کے ساتھ مشابہہ نہیں ہے۔
 (ط) جنت والوں کو اللہ کا دیدار حاصل ہو گا لیکن اس کا احاطہ یا اس کی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ہے۔

وَجِئُوا يَوْمَ الْحُجَّةِ إِلَى اللَّهِ ذَاقُوا وَبَأْسَ الْيَوْمِ الْحَاقِ
 (الفیاضۃ ۲۲-۲۳)

اللہ کا دیدار۔ جس کے ارادہ اور علم کے ساتھ ہو گا اس بارے میں جس قدر صحیح احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں ہم انہیں درست مانتے ہیں ان کا وہی معنی صحیح ہے جس کا آپ نے ارادہ کیا ہے ہم اپنی جانب سے دخل اندازی کو جائز نہیں سمجھتے۔ نہ تو اپنی ارادہ کے ساتھ کسی تاویل کا ارتکاب کرتے ہیں اور نہ اپنی خواہشات کے مطابق کسی وہم میں مبتلا ہونے میں اس لئے کہ دین میں وہی شخص سلامتی کے ساتھ ہم کنار ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی تشریحات کو مانتا ہے اور مستحبہ چیزوں کے علم کو ان کے اُجانتے والوں کی جانب رد کرتا ہے۔

(ش) صحابہ کرامؓ، تابعینؓ، ائمہ اسلامؓ، محدثینؓ، متکلمین اہل سنت اللہ کی رؤیت کے قائل ہیں جب کہ جمہیہ، معتزلہ، خوارج، امامیہ انکار کرتے ہیں لیکن کتاب و سنت کے دلائل ان

کے قول کا رد کر رہے ہیں۔

اللہ کی رویت کا مسئلہ اصول دین کے اشرف اور جلیل القدر مسائل سے ہے معروف اہل علم نے اس مسئلہ میں عرق ریزی سے کام لیا ہے اور خدا واد صلا حیتوں کو صرف کیا ہے لیکن جن لوگوں کے مقدرمیں خدا کی رویت سے محرومی ثبت تھی اور بارگاہ خداوندی میں باریابی سے ہمکنار ہونا جن کے نصیب میں نہیں تھا انہوں نے سرے سے ہی انکار کر دیا۔

امام طحاوی نے رویت کے سلسلہ میں جو دلائل پیش کئے ہیں ان میں درج ذیل فرمان باری بھی ہے
وجوه یومئذناخرة الی دہانناخرة بہت سے مندرجہ ذیل وارہوں گے اور پیسے پر درجہ
(الفتاویٰ ۲۲-۲۳) کے محو ویدار ہوں گے۔

جو تمام دلائل سے زیادہ روشن اور واضح ہے لیکن انکار کرنے والے نہ صرف یہ کہ نصوص کی تاویل کرتے ہیں بلکہ تحریف کے مرتکب ہوتے ہیں جہاں تک حشر، نشر، جنت، جہنم، حساب وغیرہ مسائل میں تاویلات ہو رہی ہیں وہ ان تاویلات کی نسبت آسان ہیں جن کا ارتکاب مسئلہ رویت میں ہو رہا ہے باطل پرست حقائق کا انکار کرنے والوں کے لئے نصوص کی تاویل بلکہ تحریف کچھ مشکل نہیں وہ ہر صورت نہایت ہوشیاری اور چالاکی کے ساتھ راستہ نکال لیتے ہیں یہی وہ چیز ہے جس نے ان کی دنیا و آخرت کو برباد کر ڈالا یہود و نصاریٰ کی گمراہی کی وجہ بھی یہی تھی کہ انہوں نے قرأت، انجیل کے نصوص میں تحریفات لیں اللہ پاک ہمیں ان کے نقشہ کشی پر چلنے سے محفوظ رکھے۔ لیکن اس امت کے گمراہ لوگ ان کے نقش قدم پر چلتے رہے اور فاسد تاویلات کرتے رہے جن کے اثرات سے نہ دین اسلام محفوظ رہ سکا اور نہ اہل اسلام ان کے نقصانات سے بچ سکے کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سانحہ فاسدانہ تاویلات کا نتیجہ نہ تھا اور کیا جنگ جمل، جنگ صفین، جنگ مدہ اور حضرت حسین کی شہادت جیسے سنگین واقعات کا ظہور بھی تاویلات فاسدہ کا رہی منت نہیں اور خوارج معتزلہ اور روافض گمراہ فرقوں کا وجود نیز امت مسلم کا تہتر فرقوں میں بٹ جانا ان کا ہی کرشمہ نہیں ہے؟

محول بالا آیت میں لفظ نظر کی نسبت چہرہ کی جانب ہے جو نظر کا محل ہوتا ہے پھر وہ لفظ الی کے ساتھ متعدی ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ اہل جنت کی نگاہیں اللہ پاک پر پڑیں گی۔ نیز یہاں کوئی ایسا قرینہ بھی نہیں ہے جو غلاب حقیقت معنی کو ترجیح دے۔
لفظ نظر کے استعمالات لفظ نظر کے اصولوں وغیرہ کے لحاظ سے مختلف ہوتے

ہیں اگر یہ لفظ بنفسہ متعدی ہو تو اس کے معنی توقف اور انتظار کے ہوتے ہیں۔
ارشاد ربانی ہے۔

انظرونا نقتب من نورکم (الحادیثا) ہمارا انتظار کرو کہ ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کریں۔

اگر فی کے ساتھ متعدی ہو تو اس کا معنی تفکر اور اعتبار کا ہوتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔
اولہو ينظروا في ملكوت السموات و کیا انہوں نے آسمان اور زمین کی بادشاہت
الارض (الاعراف ۱۸۵) میں غور و فکر نہیں کیا۔
اگر ائی کے ساتھ متعدی ہو تو آنکھوں کے ساتھ معائنہ کا معنی ہوتا ہے۔
ارشاد ربانی ہے۔

انظروا الى ثمره اذا اشهر جب پھلتی ہیں تو ان کے پھولوں پر نظر کرو
(الانعام ۱۰۰)

جب لفظ نظر چہرہ کی جانب (جو نظر کا محل ہے) مضاف ہو تو پھر بالاولیٰ اس کا معنی
معائنہ کا ہوگا؛ چنانچہ ابن مردویہ میں سند کے ساتھ مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا ناضرة کا معنی ہے کہ چہرے تروتازہ، بارونق اور خوبصورت ہوں گے۔
ناظرۃ کا معنی ان کی نظر میں اللہ کے چہرہ پر ہوں گی۔

حضرت حسنؑ سے مروی ہے میرے چہرے نے اپنے رب کا مشاہدہ کیا تو چہرہ تروتازہ
ہو گیا ابوصالح حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ناظرہ کا معنی اللہ کے چہرہ کی جانب دیکھنا
ہے حضرت عمارہ بیان کرتے ہیں لفظ ناظرہ کا معنی ہے کہ چہرے نعمتوں کی وجہ سے بارونق ہوں
گے اور ناظرہ کا معنی اپنے رب کی جانب دیکھنے والے ہوں گے اہل حدیث اہل سنت مفسرین کا
بھی یہی قول ہے۔

نیز ارشاد ربانی ہے:-

لھم ما یشادون فیہا ولدینا مزید وہاں وہ جو چاہیں گے ان کے لئے حاضر ہے اور
(ق ۳۵) ہمارے وہاں اور بھی بہت کچھ ہے۔

۱۔ یہ روایت بہت ضعیف ہے اس کی سند میں ثور بن ابی فاختہ کذاب ہے۔

میں لفظ مزید کا معنی حضرت علی اور حضرت انس نے اللہ کے چہرے کی جانب دیکھنا کیا ہے نیز ارشاد ربانی

لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ ان لوگوں کے لئے جنہوں نے نیک عمل کئے
(یونس ۲۶) جنت اور (خلا کا) دیدار ہے۔

میں حسنی کا معنی جنت ہے اور زیادۃ کا معنی اللہ کے چہرے کی جانب دیکھنا ہے یہ تفسیر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے مروی ہے صحیح مسلم میں حضرت صہیبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ ان لوگوں کیلئے جنہوں نے نیک عمل کئے جنت
اور (خلا کا) دیدار ہے

کی تلاوت کی اور فرمایا جب جنت والے جنت میں اور جہنم والے جہنم میں داخل ہو جائیں گے تو آواز دینے والا آواز دے گا۔ اے جنت والو! اللہ کے ہاں تمہارے ساتھ وعدہ ہے اللہ اس کو پورا کرنا چاہتا ہے وہ دریافت کریں گے وہ کونسا وعدہ ہے کیا اس نے ہمارے اعمال کو شرف پذیرائی نہیں بخشا کیا اس نے ہمارے چہروں کو روشن نہیں کیا؟ کیا اس نے ہمیں جنت میں داخلہ نہیں دیا؟ کیا اس نے ہمیں جہنم سے نہیں بچایا؟ اس پر پردہ درمیان سے اٹھ جائے گا تو وہ اللہ پاک کا دیدار کریں گے تو جو کچھ اللہ نے ان کو دے رکھا ہوگا ان سب سے زیادہ محبوب نعمت ان کے ہاں اللہ کا دیدار ہوگا یہی لفظ زیادۃ کی تشریح ہے۔

نیز یہ حدیث متعدد اسناد اور مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے جس میں زیادۃ کا معنی اللہ کے چہرے کی جانب دیکھنا ہے۔

ابن جریر میں حضرت ابو بکر صدیقؓ، حذیفہؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ اور ابن عباسؓ سے یہی تفسیر مروی ہے۔

اللہ کی رویت پر امام شافعیؒ کا استدلال ارشاد ربانی ہے۔

كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّحَيُّونَ
المطففين ۱۵

لے ترمذی، ابن ماجہ حدیث صحیح ہے۔

(کے دیدار) سے اوٹ میں ہوں گے۔

اس آیت سے امام شافعیؒ استدلال کرتے ہیں کہ جب وہ لوگ جن پر خدا تعالیٰ ناراضی ہوں گے وہ دیدار الہی سے محروم کیے جائیں گے تو اہل جنت جن پر خدا تعالیٰ راضی ہوں گے انہیں اللہ کا دیدار حاصل ہوگا امام شافعیؒ سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے اہل جنت کے لئے دیدار الہی ثابت کیا امام طبری نے امام شافعیؒ کے شاگرد منزی سے نقل کیا نیز حاکم میں سند نے ساتھ مروی ہے۔

معتزلہ کا استدلال عدم رویت پر ارشادِ ربانی۔ **لَنْ تَرَانِي** سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ اسی آیت ہی سے رویت کا مسئلہ ثابت ہوتا ہے۔

اولاً: حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اللہ کے رسول اور کلیم اللہ کے لقب کے ساتھ معروف ہیں ان کے بارے میں یہ باور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اپنے خدا سے ایسا سوال کریں جس کا کچھ جواب نہ ہو بلکہ وہ محال ہو۔

ثانیاً: پھر اللہ پاک نے ان کے سوال پر انکار نہیں کیا ہے حالانکہ حضرت نوحؑ نے جب اپنے بیٹے کے بارے میں اس کی نجات کا سوال کیا تو اللہ پاک نے ان کے سوال کا رد فرمایا ثالثاً: جواب میں اللہ پاک نے یوں نہیں فرمایا کہ مجھے دیکھا نہیں جاسکتا میں مرنے نہیں ہوں بلکہ لے جتنا ہی کہا میں دیکھا تو جاسکتا ہوں لیکن آپ مجھے نہیں دیکھ سکتے ان دونوں میں فرق واضح ہے ایک مثال سے فرق سمجھیں ایک شخص کی بغل میں پتھر ہے دوسرا آدمی یہ سمجھ کر کہ اس کی بغل میں کھانا ہے اس سے سوال کرتا ہے مجھے کھانا دیجئے اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ جو کچھ میں نے بغل میں دیا ہوا ہے وہ کھایا نہیں جاسکتا لیکن اگر بغل میں کھانا ہو تو صحیح جواب یہ ہے کہ آپ اسے نہیں کھا سکتے معلوم ہوا اللہ پاک مرنے ہے لیکن اس دنیا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قویٰ میں اتنی قوت نہیں تھی کہ وہ اللہ پاک کو دیکھ سکتے!

رابعاً: اس کی وضاحت اللہ کے اس قول

وَلَكِنْ انْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنَّ اسْتَغْفَرَ
مَكَانَهُ ضُوفٌ تَرَانِي

ان پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو اگر یہ اپنی جگہ قائم رہا تو تم مجھ کو دیکھ سکو گے۔

(الاعراف ۱۴۳)

سے ہو رہی ہے یعنی حضرت موسیٰ کو باور کرایا کہ اللہ کی تجلی کے سامنے پہاڑ جس میں اس قدر قوت اور صلابت موجود ہے اس دنیا میں برقرار نہیں رہ سکتا تو انسان خدا کی تجلی سے کیسے ہلکا رہ سکتا ہے جو فطر تاگزور ہے۔

خاصاً :- اللہ پاک قادر ہے کہ وہ پہاڑ کو استقر عطا کرے یہ ممکن بھی ہے جب کر ویت کے جواز کو اس پر معلق کیا اگر رویت محال ہوتی تو پھر یہ لہو کما جاتا اگر پہاڑ برقرار رہا (جو کہ محال ہے) تو میں کھاؤں گا پیئوں گا سووں گا (یعنی یہ محال ثابت ہوتا)۔
سادہ :- ارشاد ربانی۔

فلما تجلی سابعہ للجبل جعلہ دکا جب ان کا پروردگار پہاڑ پر نمودار ہوا تو
(الاعراف ۱۴۲) (تجلی الہیہ ربانی نے) اس کو ریزہ ریزہ کر دیا

معلوم ہوا پہاڑ جو جمادات میں سے ہے جسے جزائز کے ساتھ کچھ تعلق نہیں جب اس کو تجلی ہو سکتی ہے تو پیغمبروں اور اولیاء اللہ کو جنت میں دیدار کیوں نہیں ہو سکتا لیکن اللہ پاک نے حضرت موسیٰ کو معلوم کرایا کہ جب اس دنیا میں پہاڑ جیسی قوی چیز تجلی کو برداشت نہیں کر سکی تو انسان جو کمزور واقع ہوا ہے وہ کیسے تجلی کو برداشت کر سکتا ہے۔

سادہ :- اللہ پاک کا حضرت موسیٰ سے کلام کرنا آواز دینا سرگوشی کرنا ثابت ہے اور جس سے کلام ثابت ہے بلا واسطہ اس سے مخاطب ثابت ہے تو رویت کے جواز سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا اور رویت کا انکار تب صحیح ہے جب پہلے کلام کا انکار کیا جائے اس لئے دونوں درست ہیں۔

معتزلہ کا اپنے دعویٰ کے اثبات میں نفی کی تاکید کا ذکر کرتا (یعنی لن ترآنی کا مفہوم یہ ہے کہ رویت ہرگز ہرگز حاصل نہ ہوگی یعنی آخرت میں بھی نہ ہوگی) بالکل باطل ہے اس لئے کہ اگر اس جملہ میں لفظ ابداً بھی ہوتا تب بھی نفی کا دوام ثابت نہ ہوتا لیکن جملہ مطلق ہے اسے ایسا مثال سے سمجھیں ارشاد ربانی ہے۔

وَلَنْ يَتَخَوَّعَهُ اَبَدًا (البقرہ ۹۵) اور وہ اس کی ہرگز آرزو نہ کریں گے۔
اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ہرگز ہرگز موت کی آرزو نہ کریں گے حالانکہ اس کے ساتھ ساتھ اللہ کا یہ قول بھی مذکور ہے۔

وَتَادُوا يَمَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا اور پکاریں گے کہ اے مالک تمہارا پروردگار

دلیل (الترخیف ۷۷) ہمیں موت دے دے۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ موت طلب کریں گے پھر نفی کی تاکید میں اگر ابدیت مطلق طور پر ہو تو اس کے بعد فعل کی تحدید کا جواز نہیں حالانکہ تحدید موجود ہے۔

ارشاد خداوندی ہے :-

فلن ابرح الادم حتی یا ذن لی ابی جب تک والد صاحب مجھے مکہ ذہب میں تو اس

(یوسف: ۸۰) جگہ سے ہلنے کا نہیں۔

ثابت ہوا لفظ لن نفی مؤبد کا مقتضی نہیں شیخ ابن مالک نحوی بھی اسی کے قائل ہیں ان کا

شعر ملاحظہ ہو۔

ومن رأى النفى بلن مؤبداً

فقوله اردد وسواك فاعفنا

جو شخص نفی بلن میں ابدیت کا قائل ہے اس کا قول مردود ہے اور اس کے غیر کا قول قویہ ہے۔

ہے

معتزلہ کا استدلال عدم رویت کے مسئلہ پر استدلال کہ الابدان (الانعام ۱۰۳)

سے استدلال کرتے ہیں لیکن اہل سنت اسی آیت سے رویت پر استدلال کرتے ہیں۔

تفصیل یہ ہے کہ اللہ پاک نے اس کا ذکر مدح کے سیاق میں کیا ہے ظاہر ہے کہ مدح میں مثبت

صفات کا ذکر ہوتا ہے لیکن عدم محض میں کچھ کمال نہیں نہ اس سے مدح کو ثابت کیا جاتا ہے اس

مقام میں اللہ تعالیٰ نفی کی شکل میں مدح کر رہے ہیں اس لئے کہ نفی میں مثبت امر موجود ہے

جیسا کہ اوٹھ، نیند کی نفی اللہ پاک کی کمال قیومیت موجود ہے اور موت کی نفی میں کمال حیات

موجود ہے تھکاوٹ کی نفی میں کمال قدرت موجود ہے شریک، بیوی، اولاد مددگار وغیرہ کی نفی میں

کمال ربوبیت اور غلبہ موجود ہے کھانے پینے کی نفی میں کمال بے نیازی اور استغناء موجود ہے

شفاعت کی نفی میں کمال وحدانیت اور غنا موجود ہے ظلم کی نفی میں کمال عدل، علم، ہمت

موجود ہے نسیان کی نفی میں کمال علم، احاطہ موجود ہے مشیت کی نفی میں اس کی ذات اور صفات

کا کمال موجود ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ پاک کی مدح کبھی محض عدم سے ثابت نہیں جس کے ضمن میں

مثبت صفت موجود نہ ہو پس آیت کا معنی یوں ہوا کہ وہ دیکھا جاسکتا ہے لیکن اس کا ادراک

اور احاطہ نہیں ہو سکتا اس لیے کہ وہ کمال عظمت والا ہے ہر چیز سے بڑا ہے اس لیے اس کا اور اک یعنی احاطہ نہیں ہو سکتا ظاہر ہے کہ احاطہ کا معنی رویت سے زائد ہے ارشاد ربانی ملاحظہ فرمائیں۔

فلما تدرأ الجمع ان قال اصحاب موسى جيب دوني جاعتين آمنه سامنه يورينك
انا لمدركون قال كلا (الشعر ۲۳) کے ساتھی کہنے لگے کہ ہم تو پچھڑے گئے موسیٰ نے کہا کہ ہرگز نہیں۔

دیکھئے درج بالا آیت میں حضرت موسیٰ نے رویت کی نفی نہیں کی اور اک کی نفی کی ہے معلوم ہوا اور اک اور رویت دونوں ایک دوسرے کے ساتھ نیز بدون دوسرے کے بھی پائے جا سکتے ہیں پس الشیباک کو دیکھا جا سکتا ہے اس کا اور اک نہیں ہو سکتا اس کا علم حاصل ہوتا ہے لیکن احاطہ نہیں ہو سکتا صحابہ کرامؓ، ائمہ اس آیت سے یہی معنی مراد لیتے ہیں۔

الشیباک تو خالق ہی سورج جو مخلوق ہے دیکھنے والا اس کے اور اک پر قادر نہیں ہے تو اللہ پاک کے اور اک پر کیسے قادر ہو سکتا ہے۔

رویت کے اثبات میں احادیث اس مسئلہ میں احادیث متواتر ہیں اور صحاح سنن مسانید تمام کتب میں موجود ہیں حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں چند لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا قیامت کے دن ہم اپنے رب کا دیدار کریں گے آپ نے فرمایا کیا چودھویں رات کے چاند دیکھنے میں تمہیں کچھ تکلیف ہوتی ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا نہیں اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا کیا سورج کے دیکھنے میں تمہیں کچھ تکلیف ہوتی ہے جب کہ بادل نہ ہوں صحابہؓ نے عرض کیا نہیں اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا تم اسی طرح اللہ کو دیکھو گے بخاری، مسلم نیز حضرت ابو سعید خدریؓ سے اسی مضمون کی حدیث مروی ہے۔

حضرت جریر بن عبد اللہ بجليؓ بیان کرتے ہیں ہم بنی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بیٹھے ہوئے تھے آپ نے چودھویں رات کے چاند کی جانب دیکھ کر فرمایا تم اپنے رب کو صاف دیکھو گے جیسا کہ تم چاند کو دیکھ رہے ہو اس کے دیکھنے میں تمہیں تکلف کی ضرورت نہیں ہوتی (بخاری، مسلم) اسی مضمون کی حدیث حضرت صہیب سے مروی صحیح مسلم میں ہے۔

حضرت ابو موسیٰؓ بنی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا:۔ دو جفتیں چاندی کی

ہیں ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے چاندی کا ہے اور دو جنتیں سونے کی ہیں ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے سونے کا ہے جنت عدن میں جنتیوں اور ان کے پروردگار کو دیکھنے میں تکبر کی چادر حاصل ہوگی جو اس کے چہرے پر ہوگی بخاری، مسلم)

حضرت عدی بن حاتمؓ بیان کرتے ہیں قیامت کے روز تم اللہ سے ملاقات کرو گے درمیان میں نہ پردہ حاصل ہوگا نہ ہی ترجمان ہوگا۔ اللہ پاک دریافت کریں گے کیا میں نے تمہاری جانب رسول نہیں بھیجے جنہوں نے تمہارے پاس میرے احکامات پہنچائے؟ وہ اثبات میں جواب دیں گے۔ اس کے بعد اللہ پاک دریافت کریں گے کیا میں نے تمہیں مال و دولت سے نہیں نوازا وہ جواب میں کہیں گے ضرور نوازا تھا (بخاری) روایت کی احادیث تقریباً تیس صحابہ کرامؓ سے مروی ہیں ان کی معرفت کہے بعد یقین حاصل ہو جاتا ہے کوئی شبہ باقی نہیں رہتا اگر میں نے اختصار کا التزام نہ کیا ہوتا تو میں تمام احادیث کو ذکر کرتا۔

روایت کی احادیث میں ہے کہ اللہ پاک جس سے چاہتا ہے جو چاہتا ہے کلام کرتا ہے وہ قیامت کے دن لوگوں کے درمیان فیصلے کرنے کے لئے آئے گا وہ عالم کے اوپر ہے اور وہ ان کو ایسی آواز دے گا جو دور سے بھی اسی طرح سنائی دے گی جس طرح نزدیک سے سنائی دیتی ہے وہ اپنے بندوں پر تجلی فرمائے گا وہ ان کے سامنے بیٹھے گا۔

اللہ پاک کی ان صفات کا جہیمہ انکار کرتے ہیں وہ صفات کی آیات سننے سے یوں گھبراتے ہیں جیسے بجلی کی آواز سے کانپتے ہیں۔

حالانکہ اصول دین کا علم کتاب و سنت سے ہی ہو سکتا ہے اور کتاب اللہ کی تفسیر وہی درست ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے جن کی زبان میں قرآن پاک کا نزول ہوا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس شخص نے قرآن پاک میں اپنی رائے کو داخل کیا وہ بایا ٹھکانہ جہنم میں بنائے (ترمذی، حدیث ضعیف ہے)

ایک روایت میں ہے جس شخص نے قرآن پاک کی تفسیر بغیر علم کے کی وہ اپنا مقام جہنم میں بنائے (البوداؤد، ترمذی حدیث ضعیف ہے)

حضرت ابو بکرؓ سے اللہ کے قول :- وفا کہتے دایا (عبس ۳۱) سے دریافت کیا گیا ابے کیا ہے جواب دیا مجھے مہلا آسمان اپنے تلے جگہ دے گایا مجھے زمین اپنے اوپر جگہ دے گی جب میں اللہ کی کتاب میں ایسی بات کا اضافہ کروں جس کا مجھے علم نہیں۔

مذکورہ حدیث میں یہ نہ سمجھا جائے کہ اللہ کو سورج چاند کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے بلکہ رؤیت کی رؤیت کے ساتھ تشبیہ ہے یعنی اللہ کو دیکھنے کی تشبیہ سورج چاند دیکھنے کے ساتھ ہے مرنی کی تشبیہ مرنی کے ساتھ نہیں ہے البتہ اللہ کے مخلوق پر علو ہونے کی دلیل موجود ہے وگرنہ رؤیت کا تعقل بلا مقابلہ کیسے ہو سکتا ہے لیکن جو لوگ کہتے ہیں کہ خدا دیکھا جاسکتا ہے لیکن وہ کسی جہت میں نہیں ہے ان کی بات عقل کے منافی ہے اس لئے کہ جب کوئی شخص کہتا ہے میں ایک چیز کو دیکھ رہا ہوں۔ لیکن نہ وہ سامنے ہے نہ پیچھے ہے نہ دائیں نہ بائیں ہے اور نہ ہی اوپر ہے نہ نیچے ہے تو فطرت سلیمہ رکھنے والا اس کی بات تسلیم نہ کرے گا۔ معتزلہ کہتے ہیں رؤیت کا تعقل بلا مقابلہ نہیں ہو سکتا اور نہ ہی بغیر جہت کے ہو سکتا ہے اس لئے وہ خدا کی نہ جہت مانتے ہیں نہ اس کی رؤیت تسلیم کرتے ہیں۔

لیکن اہل سنت قائل ہیں کہ اس دنیا میں تو ہم اللہ کو نہیں دیکھ سکتے اس لئے نہیں کہ اس کی رؤیت کا امتناع ہے بلکہ اس لئے کہ ہماری نظریں عاجز ہیں غور فرمائیں سورج (جو اللہ کی مخلوق) ہے اس کا جانب دیکھنے والا انسان جب اپنی نظر کو پھیلاتا ہے تو اس کی شعاعوں کا تقابل کرنے سے نظر چند صیحات جاتی ہے اور سورج کو دیکھا مشکل ہو جاتا ہے اس لئے نہیں کہ مرنی کا دیکھنا ممکن ہے بلکہ دیکھنے والا عاجز آجاتا ہے لیکن آخرت میں اللہ پاک انسانوں کی قوتوں میں اضافہ فرمائی گے تو ان میں دیکھنے کی قوت پیدا ہو جائے گی یہی وجہ ہے کہ جب اللہ پاک کچھار پر شبلی کی ارشاد فرمائی ہے۔

وخرموسیٰ معقلاً لما افاق قال
سبعتک تبت الیہ وانا اول
المؤمنین (الاعراف ۱۴۳)
اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے جب ہر ش
میں گئے تو کہنے لگے کہ تیری ذات پاک ہے
اور میں تیرے حضور میں تو پہنچا ہوں اور جو ایمان
لانے والے ہیں ان میں سب سے اول ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اعتراف کیا کہ کوئی جاندار تجھے نہیں دیکھ سکتا وہ دیکھتے ہی مر جائے گا اور بے جان پر جب شبلی ہوگی تو وہ اپنا مقام چھوڑ دے گا یہی وجہ ہے کہ انسان تو فرشتوں کو ان کی شکل میں دیکھنے کی قدرت نہیں رکھتے ہاں جن کو تائید آیز دی حاصل ہو جائے جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی جانب سے قوت حاصل تھی آپ نے حضرت جبریل کو اصل شکل میں دیکھا ارشاد فرمائی ہے۔

مَقَالُوا لَوْلَا اَنْزَلْ عَلَيْهِ مَلَكٌ وَّلَوْ اَنْزَلْنَا
 مَلَكًا لَّفُضِيَ الْاَمْرُ (الانعام ۹)
 اور کہتے ہیں کہ ان پیغمبر پر فرشتہ کیوں نازل نہ ہوا
 (جوان کی تفسیر کرتا) اگر ہم فرشتہ نازل کرتے تو کام
 ہی فہل ہوجاتا۔

اکثر علماء اس خیال کے ہیں کہ انسان فرشتوں کو ان کی اصلی شکل میں نہیں دیکھ سکتے اگر ہم ان پر
 کسی فرشتہ کو نازل کرتے تو اسے بھی ہم انسانی شکل میں بھیجتے تو پھر وہ اشتباہ میں پڑ جاتے کیا یہ
 انسان ہے یا فرشتہ ہے چنانچہ اللہ کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے کہ اس ہم میں ہم سے ہی رسول بھیجا
 پس معزز ہو کہتے ہیں (اللہ موجود ہے دیکھا جاسکتا ہے لیکن وہ کسی جہت میں نہیں ہے) ان کا
 قول ان سے اقرب الی العقل ہے جو کہتے ہیں اللہ نہ عالم میں داخل ہے نہ خارج ہے وہ موجود قائم
 بنفسہ ہے نہ اسے دیکھا جاسکتا ہے اور نہ وہ کسی جہت میں ہے۔

پس جو شخص رؤیت کا فی بنیاد جہت کی نفی پر استوار کرتا ہے ہم اس سے دریافت کریں گے
 جہت امر وجودی ہے یا عدمی ہے اگر وہ کہے وجودی ہے تو ثابت ہوا جو چیز موجود نہیں اسے
 دیکھا نہیں جاسکتا لیکن یہ مقدمہ تسلیم نہیں کیا جاسکتا اس کے اثبات پر دلیل نہیں ہے لہذا باطل
 ہے دیکھئے اس عالم کی سطح کو دیکھنا ممکن ہے اور یہ عالم دوسرے عالم میں نہیں ہے اگر جہت سے
 مراد امر عدمی ہے تو دوسرا مقدمہ ممنوع ہے ہم تسلیم نہیں کرتے ہیں کہ وہ اس اعتبار کے ساتھ
 کسی جہت میں نہیں ہے۔

کتاب وسنت کی اہمیت اصول دین سمجھنے میں عقل کے گھوڑوں کو نہیں دوڑانا
 چاہیے بلکہ کتاب وسنت کی روشنی میں سمجھنا چاہیے لوگوں کے اقوال اور آراء پر بھی اعتماد
 نہیں کیا جاسکتا اگر کوئی شخص سمجھتا ہے کہ وہ کتاب اللہ سے احادیث صحیحہ کے بدوں علم اخذ
 کر سکتا ہے اسے قرآن پاک کی تفسیر کے سلسلہ میں نہ صرف یہ کہ صحابہ اور تابعین کے اقوال کی ضرورت
 نہیں بلکہ وہ احادیث رسول سے بھی مستغنی ہے تو وہ کیسے استفادہ کر سکتا ہے حالانکہ احادیث
 رسول، اقوال صحابہ و تابعین ہم تک ایسے راویوں کے پیچھے ہیں جو ثقہ تھے ناقدین ان پر تنقید
 نہ کر سکے پھر ان رواۃ نے صرف قرآن پاک کے الفاظ ہی کو نقل نہیں کیا بلکہ اس کے معانی کو بھی نقل
 کیا ہے صحابہ کرام بچوں کی طرح قرآن پاک کے صرف الفاظ ہی کی تلاوت نہیں کیا کرتے تھے بلکہ
 اس کے معانی کا بھی علم حاصل کرتے رہے اب جو شخص ان کا راستہ اختیار نہیں کرتا وہ اپنی رائے

کو دین میں داخل کر رہا ہے اور جو شخص اپنی رائے کو دین سمجھتا ہے وہ گناہگار ہے اگرچہ اس کی رائے صحیح بھی ہو اور جو شخص کتاب و سنت سے انحراف کرتا ہے اگرچہ وہ خطا پر بھی ہو تب بھی اس کو ثواب ملتا ہے اگر رائے درست ہو تو ثواب دوگنا حاصل ہوتا ہے۔

امام طحاوی کا قول (جنتیوں کو اللہ پاک کا دیدار ہوگا) معلوم ہوا غیر جنتیوں کو دیدار نہیں ہوگا جنتیوں کو جنت میں دیدار ہوگا اس سے پہلے میدانِ محشر میں بھی انہیں دیدار ہوگا صحیحین کی ایک حدیث سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے نیز ارشادِ ربانی :-

تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلَامٌ
جس روز وہ ان سے ملیں گے ان کا تحفہ خدا
(الاحزاب ۴۴) کی طرف سے) سلام ہوگا۔

سے بھی رویت کا اثبات ہو رہا ہے البتہ محشر کے میدان میں اہل محشر کو اللہ پاک کا دیدار حاصل ہوگا اس میں علماء کے تین قول ہیں۔

پہلا قول :- صرف ایمانداروں کو دیدار ہوگا۔

دوسرا قول :- تمام مشر والے دیدار کریں گے۔ مومن، کافر سب برابر ہیں پھر کافروں کو پریشی میں کر دیا جائے گا۔ وہ نزدیکہ سکیں گے۔

تیسرا قول :- ایمانداروں کے ساتھ منافقین کو بھی دیدار ہوگا۔ البتہ کفار کو دیدار نہیں ہوگا خیال رہے جس طرح کا اختلاف دیدارِ الہی میں ہے اسی طرح کا اختلاف محشر کے میدان میں اہل محشر سے کلام کرنے کے بارے میں بھی ہے۔

کیا اس دنیا میں اللہ کو دیکھنا ممکن ہے؟ تمام امت کے علماء اس بات پر متفق ہیں کہ اس دنیا میں اللہ پاک کو دیکھنا ممکن نہیں البتہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاص طور پر مستثنیٰ ہیں یعنی انہیں دنیا میں اللہ کی رویت حاصل ہوئی لیکن بعض علماء نے کہا کہ آپ نے بھی ان آنکھوں کے ساتھ اللہ کو نہیں دیکھا قاضی عیاضی نے الشفاء میں اس مسئلہ کے بارہ میں صحابہ کرامؓ کا اختلاف نقل کیا ہے حضرت عائشہ سے ثابت ہے کہ انہوں نے انکار کیا ہے کہ آپ نے اللہ پاک کو ان آنکھوں سے نہیں دیکھا اور جب مسروق نے حضرت عائشہ سے سوال کیا :- کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے تو عائشہ نے فرمایا تیرے اس سوال سے میرے بدن کے سرے سرے

کھڑے ہو گئے (یعنی میں کاپ اٹھی) پھر اس نے کہا جو شخص تجھے بتائے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے وہ جھوٹا ہے اہل علم کی ایک جماعت کا قول بھی حضرت عائشہ کے قول کے مطابق ہے عبد اللہ بن مسعود اور ابو ہریرہ سے بھی یہی قول مروی ہے محدثین، فقہاء، متکلمین کی ایک جماعت دنیا میں اللہ کی رؤیت کا مطلقاً انکار کرتی ہے۔ عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے عطاء نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے آپ نے اللہ کو دل کے ساتھ دیکھا ہے بعد ازاں چند اقوال اور فوائد ذکر کر کے بعد قاضی عیاض فرماتے ہیں: کتنا کہ آپ نے اللہ کو آنکھوں سے دیکھا ہے اس پر کوئی قطعی نص موجود نہیں ہے اس مسئلہ میں سورہ نجم کی دوایتوں پر اعتماد کیا جاتا ہے ان کے مفہوم کے تعین میں اختلاف ثابت ہے اور دونوں کا احتمال ممکن ہے قاضی عیاض کا قول اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے دنیا میں بھی رؤیت ممکن ہے اگر ممکن نہ ہوتی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کا سوال نہ کرتے تاہم ہر حال کوئی ایسی نص قاطع نظر نہیں آتی جس سے معلوم ہو کہ آپ نے اپنی آنکھوں سے اللہ کو دیکھا ہو اس کے خلاف رؤیت کی نفی والی حدیثیں موجود ہیں صحیح مسلم میں حضرت ابو ذر سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے آپ نے فرمایا وہ تو مرایا نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں ایک روایت میں ہے میں نے نور دیکھا نیز صحیح مسلم میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر ہمیں پانچ باتیں بتائیں آپ نے فرمایا اللہ سوتا نہیں اور اس کے لئے سونا لائق نہیں ہے وہ ترازو کو نیچا اوٹھا کرتا ہے اس کی جانب دن کے اعمال سے پہلے رات کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں اور رات کے اعمال سے پہلے دن کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں اس پر نور کا حجاب ہے ایک روایت میں ناریضی آگ کا لفظ ہے اگر وہ حجاب کھول دے تو اس کے پھرے کے انوار جہاں تک اس کی مخلوق پر نظر حاقی ہے ان کو جھسم کر دے۔

پس آپ کا ابو ذر سے کہنا کہ میں نے نور دیکھا ہے اس کا مطلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ذلت الہی پر حجاب دیکھا اور یہ کہنا کہ وہ نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں اس سے مراد حجاب کا نور ہے جو اللہ کی رؤیت سے مانع ہے یہ حدیث رؤیت کی نفی میں واضح ہے واللہ اعلم۔

لہذا ابن خلدون علیہ الرحمہ حدیث ضعیف ہے۔

عثمان بن سعید دارمی نے اس قول پر صحابہ کا اتفاق نقل کیا ہے اور ہم حضرت جبریل کی روایت ثابت کر سکیں تو یہ غنیمت ہے چہ جائیکہ ہم اللہ کی روایت ثابت کرتے پھر اس لئے کہ اللہ کی روایت تو بہت عظیم بات ہے پھر نبوت کا اثبات اللہ کی روایت پر موقوف نہیں ہے۔
امام طحاوی کا قول ہے اللہ کا احاطہ نہیں ہو سکتا نہ اس کی کیفیت بیان ہو سکتی ہے (اس سے اللہ کی کمال عظمت اور بلندی معلوم ہوتی ہے نہ اس کی ذات کا احاطہ ہو سکتا ہے نہ اس کے علم کا احاطہ ہو سکتا ہے ارشاد ربانی ہے۔

لا تدركه الابصار (الانعام ۱۰۳) آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔

نیز ارشاد ربانی ہے۔

ولا يحيطون به علما (طہ ۱۱۰) اور وہ اپنے علم سے خدا کے علم پر احاطہ نہیں کر سکتے

امام طحاوی کا قول ہے اللہ کی ذات کے بارے میں ہم اپنی رائے کو دخل دے کر تاویلات نہیں کریں گے اور نہ ہم و گمان کا عمل دخل کریں گے (مقصود یہ ہے کہ ہم معجزہ کی طرح مسئلہ روایت اور دیگر مسائل میں کتاب و سنت کے نصوص کی تاویل نہیں کریں گے۔

اس لئے کہ اللہ کے کلام اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں ہم تحریف سے اعتدال کرتے ہیں صحیح تاویل وہ ہوتی ہے جو سنت کے موافق ہو اور جو مخالف ہو وہ فاسد ہوتی ہے پس وہ تاویل جس پر سیاق و سباق سے کوئی دلیل نہ ملتی ہو نہ ہی قرینہ اس کا متقاضی ہو تو سمجھنا چاہئے کہ متکلم کا وہ مقصود نہیں ہے جو آپ مراد لے رہے ہیں اگر اس سے وہ مقصود ہوتا جو آپ سمجھ رہے ہیں تو وہاں اس کے مطابق قرآن موجود ہوتے اور ظاہری معنی کے خلاف کے منع پر اشارات موجود ہوتے تاکہ سنیے والا التباس میں نہ واقع ہوتا اور نہ ہی اسے غلطی لگتی ظاہر ہے کہ اللہ نے اپنا کلام ہدایت کے لئے نازل فرمایا اس میں وضاحت و بیان موجود ہے لیکن واضح معنی کے خلاف معنی مراد لینا جب کہ اس کی موافقت میں قرآن بھی موجود نہیں ہیں تو اس کا معنی یہ ہے کہ لفظ کا کلام واضح نہیں لیکن اس کے غلط ہونے میں کچھ شبہ نہیں۔

خیال ہے کہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں اکثر لوگوں کو غلط فہمی ہو جاتی ہے جب کہ مقصود تو یہ ہوتا ہے کہ متکلم نے جس معنی کا قصد کیا ہے اسے سمجھا جائے مثلاً جب کہا جاتا ہے اس لفظ کا یہ معنی ہے یعنی متکلم نے اس معنی کا ارادہ لیا ہے یہ جملہ خبر ہے اگر خبر واقع کے مطابق

نہ تو وہ جھوٹی ہوتی ہے منکلم نے جس معنی کا ارادہ کیا ہے اس کو ذیل کے طریقوں سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔

اولاً:- اس معنی کے ارادہ کی وضاحت کرے۔

ثانیاً:- وہ لفظ استعمال کرے جس کا وضعی معنی ظاہر ہو نیز ایسا قرینہ لائے جس سے وضعی معنی کا ابطال ہوتا ہو بلکہ ایسے قرائن موجود ہوں جو حقیقی، وضعی معنی کو ترجیح دیں۔

ارشاد دربانی ملاحظہ فرمائیں۔

وکلہ اللہ موسیٰ ذکّل عیا

اور اللہ موسیٰ سے ہم کلام ہوا۔

(الذیل ۱۹۳)

نیز ارشاد نبوی ملاحظہ فرمائیں۔

تم اپنے رب کو کھلم کھلا دیکھو گے جیسا کہ تم دو پہر کے وقت بادل نہ ہوں سورج کو دیکھتے ہو یہ کلام اپنے وضعی معنی پر دلالت کرنے میں واضح ہے۔

پس اگر کسی خبر میں منکلم کے الفاظ معنی مراد پر حقیقتاً دلالت کر رہے ہیں، قرائن مؤکدہ بھی موجود ہیں تو خبر سچی ہے اور اگر منکلم کا معنی مراد نہیں لیا جا رہا ہے، بلکہ تاویل سے کام لیا جا رہا ہے اور تاویل کے لئے قرائن بھی موجود نہیں ہیں تو خبر جھوٹی ہے ہاں اگر لفظ کا حقیقی، ظاہری وضعی معنی مراد لینا محال ہو تو اس کا مجازی معنی مراد ہوگا کیونکہ کسی کلام کو لایعنی قرار دینا بھی تو درست نہیں جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ منکلم خود ظاہری معنی کے خلاف معنی مراد لے رہا ہے تو اس صورت میں منکلم کے خیال کے لحاظ سے مجازی معنی مراد لینا صدق ہے اور حقیقی معنی مراد لینا کذب ہے امام طحاوی کا قول:- اس شخص کا دین صحیح ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے یعنی کتاب و سنت کے نصوص کو تسلیم کرتا ہے شکوک و شبہات اور تاویلات فاسدہ کا دروازہ نہیں کھولتا اور مشتبہ چیزوں کے علم کو اس کے جاننے والے کی طرف رد کرتا ہے۔

خیال رہے کہ عقل صریح اور نقل صمیم میں تو کبھی تعارض نہیں ہوتا تعارض کی صورت میں نقل کو مقدم رکھا جائے گا لیکن امام طحاوی کا عقل کو مقدم کرنا درست نہیں ہے ہاں اگر نقل صمیم نہ ہو تو پھر اس کا معارضہ عقل کے ساتھ نہ ہوگا عقل نقل کے تعارض میں نقل کو مقدم کرنا ضروری ہے دونوں کو تسلیم کرنے میں جمع بین النقیضین ہے اور عدم تسلیم میں رفع بین النقیضین ہے عقل کو مقدم کرنا متنع ہے اس لئے کہ عقل ہی تو ہے جو نقل کے صمیم ہونے پر دال ہے۔

اور فرمودات رسول کے وجوب کا تقاضا کرتی ہے پس اگر ہم نقل کو باطل قرار دیں تو ہم نے عقل کی دلالت کو بھی باطل کر دیا اور عقل کی دلالت کو باطل کرنے کی صورت میں اس کا معارضہ نقل کے ساتھ درست نہیں اس لئے کہ جس میں دلیل بننے کی صلاحیت نہیں وہ کسی کا معارضہ بھی نہیں کر سکتی پس عقل کی تقدیم تو عدم تقدیم کی وجہ سے ٹھہری لہذا اس کی تقدیم جائز نہیں اس میں کچھ شبہ نہیں کہ عقل ہی تو ہے جو نقل کے صدق اور صحت پر دال ہے اور اسی سے پتہ چلتا ہے کہ خبر واقع کے مطابق ہے پس اگر جائز ہوتا کہ نقل کے بطلان کی وجہ سے عقل کی دلالت، باطل ہوتی تو لازم آتا کہ عقل صحیح دلیل نہیں ہے اور جب وہ صحیح دلیل نہیں ہے تو پھر جائز نہیں کہ کسی صورت میں اس کے پیچھے چلا جائے چہ جائیکہ اس کو مقدم رکھا جائے پس عقل کو نقل سے مقدم رکھنا عقل کو عیب والا بنانا ہے۔

پس ہمارے لئے ازیں ضروری ہے کہ ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام باتوں کو مکمل طور پر تسلیم کریں آپ کے حکم کے سامنے سر جھکائیں آپ کی عادیث کی تصدیق کریں کسی باطل خیال، عقل، شک، شبہ کے ساتھ معارضہ نہ کریں نہ لوگوں کی آراء اور ان کے ذہنی تخیلات کو آپ کے حکم سے مقدم کریں جس طرح ہم ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں اس کے سامنے غمزہ، انکاری، تواضع اختیار کرتے ہیں اسی پر توکل کرتے ہیں اسی طرح ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام باتوں کو تسلیم کریں اس کیلئے کی تحکیم تسلیم کریں اس کی باتوں پر یقین کریں اور اس کی اطاعت کریں۔

توحید فی الرسالت ہم اس وقت تک نجات حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ ہم اللہ کو ایک معبود نہ سمجھیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مطاع نہ سمجھیں نہ آپ کے غیر کی جانب فیصلہ لے جائیں نہ اس کے فیصلہ کو تسلیم کریں اور نہ ہی آپ کے حکم کے نفاذ میں توقف اختیار کریں یا آپ کے حکم کو کسی امام، شیخ کے قول پر پیش کریں اگر ان کے قول کے مطابق ہو تو نافذ کریں وگرنہ ائمہ، مشائخ کی طرف تفویض کریں اور تحریف کے مرتکب ہو کر اس کا نام تاویل رکھیں یہ سب کچھ توحید فی الرسالت کے منافی ہے اور اس قسم کے نظریات والا انسان نجات حاصل نہیں کر سکتا بلکہ شرک کے علاوہ دیگر تمام گناہوں کے ساتھ اگر کوئی شخص بارگاہ الہی میں جاتا ہے تو اس کے لئے بہتر ہے اس سے کہ وہ بارگاہ الہی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے دستکش ہو کر کسی امام شیخ کی اطاعت کو ترجیح دیتا ہو یا ان کے اقوال کو آپ کے اقوال پر تفوق عطا کرتا ہو پس ایک مسلمان کا یہ حال ہو کہ جب اسے صحیح حدیث کا علم ہو جائے تو وہ یوں سمجھے کہ وہ اس حدیث کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رہا ہے کیا کسی انسان کے لئے یہ بات نزیب و تنبی ہے اور کیا اس کا کچھ حراز ہے کہ وہ

حدیث رسول کو قبول کرنے اور اس پر عمل سے پہلے اس کو کسی امام کے قول، مذہب پر پیش کرے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ حدیث رسول کو بلا پس و پیش تسلیم کرے اس کے غیر کی طرف التفات بھی نہ کرے اور نہ ہی یہ اشکال پیش کرے کہ یہ حدیث تو علما امام کی رائے کے خلاف ہے ائمہ کی آرا کو حدیث رسول کے سامنے ترک کرے نص کے مقابلہ میں قیاس کا معارفہ نہ کرے تمام قیاسات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے تصور سنت کے ساتھ وابستگی اختیار کر لے کسی قسم کی تحریف کا ارتکاب نہ کرے نہ ہی الفاظ کو اس کے حقیقی معانی سے تبدیل کر کے عقل کے مطابق دھمالنے کی کوشش کرے سنت کے مقابلہ میں عقل مجہول ہے بلکہ راہ صواب سے بعید ہے حدیث رسول کو بہر حال قبول کیا جائے خواہ کسی کی موافقت ہوتی ہو یا نہ ہو کسی کا خیال نہ کیا جائے۔

مسند احمد میں عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جلداء کی سند کے ساتھ روایت ہے کہ میں اور میرا ایک بھائی ہم دونوں ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے مجھے پسند نہیں کہ اس مجلس کے بدلے مجھے سرخ اونٹ دستیاب ہوں (یعنی وہ مجلس دستیاب نہ ہو) ہم کیا دیکھتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جو زیادہ عمر والے تھے وہ آپ کے دروازہ پر بیٹھے تھے ہم نے پسند نہ کیا کہ ان کے درمیان ہماری وجہ سے تفریق ہو اس لئے ہم ایک کنارے میں ہو کر بیٹھ گئے صحابہ کرام نے ایک آیت کی تلاوت کی پھر اس میں بحث کرنے لگے ان کی آوازیں بلند ہو گئیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے آپ ناراض دکھائی دیتے تھے آپ کا چہرہ سرخ نظر آتا تھا آپ ان پر مٹی پھینک رہے تھے اور فرما رہے تھے لوگو! رک جاؤ تم سے پہلے لوگوں کی ہلاکت کی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے انبیاء کی تعلیمات میں اختلاف کیا اور کتب الہیہ کے احکام کا انکار کیا بے شک قرآن پاک کا نزول اس لئے نہیں ہوا کہ اس کا کچھ حصہ باقی حصہ کی تکذیب کرے اس کی آیات ایک دوسرے کی تصدیق کر رہی ہیں قرآن پاک کے جن مسائل کی تمہیں معرفت حاصل ہو جائے ان پر عمل کرو اور جن کی معرفت حاصل نہ ہو سکے ان کو کسی عالم کی طرف لوٹاؤ

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ قرآن پاک کی تفسیر بلا علم حرام ہے ارشاد ربانی ہے۔

قل اتما حرم ربی الا فرا حتی ما
ظہر منہا وما یطن والا شحرو
البتی بخیر الحق وان تشروکوا باللہ
ما لکم ینزل من سلطانا وان تقولوا
کہدو کہ میرے پسند و ناکار نے تو یہ حیاتی
کی باتوں کو ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور گناہ کو اور
ناحق زیادتی کرنے کو حرام کیا ہے اور اس کو
بھی کہ تم کہو کہ خدا کا شریک بناؤ جس کی اس نے

یہ یغوی شرح السنۃ حدیث صحیح ہے۔

علیہ السلام ما لا تعلمون
 کوئی سزا نازل نہیں کی اور اس کو بھی
 (الاعراف ۳۳) خدا کے بارے میں ایسی باتیں کہہ رہے ہیں کہ انہیں
 کچھ علم نہیں

نیز فرمایا۔

ولا تعفوا ما لیس لکم بہ علم (الاسراء ۲۹)
 اور (استغفر) جس چیز کا تجھے علم نہیں
 اس کے پیچھے نہ پڑ

پس ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس حق راہ کی اتباع کرے جس کو اس کے پیغمبر
 اور اس کی کتابوں نے بیان فرمایا دیگر تمام لوگوں کے کلام کو اللہ کی کتاب پر پیش کرے اگر کتاب اللہ
 سے موافقت ہو جائے تو درست ہے وگرنہ باطل ہے اگر موافقت مخالفت کا علم نہ ہو سکے
 تو کلام کو محل سمجھا جائے یعنی اس کا معنی معلوم نہیں ہے یا معنی تو معلوم ہے لیکن یہ معلوم
 نہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تصدیق یا تکذیب کا علم نہیں تو اس سے باز رہا
 جائے گا اس لئے کہ علم کے بغیر کلام کو نا درست نہیں سمجھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر سے
 بھی علم حاصل ہوتا ہے لیکن یہ علم امور دنیویہ کے بارے میں ہے مثلاً علم طب، حساب، زراعت
 وغیرہ کا علم دنیوی امور کا علم ہے لیکن امور الغیبیہ معارف دینیہ کے علم کا ماخذ رسول اکرم صلی اللہ علیہ
 وسلم میں کوئی دوسرا نہیں ہے۔

(ط) کسی شخص کے قدم اسلام کی منزل پر ثابت نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ اسلام کے سامنے
 تسلیم خم نہ کر دے اور اپنے آپ کو مکمل طور پر اس کے سپرد نہ کر دے۔
 (ش) امام غزالی کا کلام استعاذہ کے انداز کا ہے ظاہر ہے کہ کسی طور پر کسی کے ذہن کا واقع
 ہونا کسی چیز کی پشت پر ہوگا (حالات) اسلام معنوی چیز ہے جس میں ہے (مقصود یہ ہے کہ
 اس شخص کا اسلام درست نہیں جو کتاب و سنت کے نصوص تسلیم نہیں کرتا ان کی اطاعت
 نہیں کرتا بلکہ اعتدال رکھتا ہے یا اپنی رائے کے ساتھ معارفہ کرتا ہے عقل اور قیاس کو ترجیح
 دیتا ہے امام بخاری، امام زہری سے ذکر کرتے ہیں اللہ پاک نے دین اسلام کو نازل فرمایا اس
 کے رسول نے لوگوں تک پہنچایا ہمارے لئے اس کو ماننا ضروری ہے امام زہری کا کلام بظاہر
 نہایت جامع اور مفید ہے۔

عقل و نقل کی مثال عقل و نقل کے مابین تفاوت کو ایک مثال سے سمجھیں عقل و نقل کے

ماہرین نسبت اور تعلق کو یوں سمجھو جیسے عامی مقلد اور عالم مجتہد کے درمیان نسبت ہے اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ عامی مقلد کا عالم بننا ممکن ہے لیکن کسی عالم کا رسول بننا ممکن نہیں تو اس صورت میں جب ایک عامی مقلد کسی عالم کی معرفت حاصل کرتا ہے اور اس کے بارے میں کسی دوسرے عامی مقلد کو خبر دیتا ہے پھر کسی مسئلہ میں (مفتی عالم اور عامی مقلد جس نے دوسرے عامی کو مفتی عالم کے بارے میں راہ نمائی کی) دونوں کا اختلاف ہو جاتا ہے تو اس صورت میں مستفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ مفتی کے فتویٰ کو تسلیم کرے جس نے مستفتی کی راہ نمائی کی اس کے قول کو اگر وہ مفتی کے قول کے خلاف ہو تو تسلیم نہ کرے اگر راہ نمائی کرنے والا کہتا ہے میرا قول درست ہے مفتی کا قول درست نہیں اس لئے کہ اصل علم سے مستفتی کو میں نے آگاہ کیا اور بتایا کہ فلاں مفتی ہے تو اگر مستفتی، مفتی کے قول کو میرے قول پر مقدم کرتا ہے تو وہ اس پر قہر کر رہا ہے۔

حالانکہ اصل سے ہی اسے مفتی کا علم حاصل ہوا تھا تو اصل پر قہر سے فرع پر قہر ہوا لیکن مستفتی عامی مقلد راہ نمائی کرنے والے سے کہتا ہے درست ہے کہ تو نے مجھے مفتی کی راہ نمائی کی تیری راہ نمائی کا مطلب یہ تھا کہ تو اس کی تقلید کے وجوب کی گواہی دیتا ہے اپنی تقلید کی دعوت نہیں دیتا ہے راہ نمائی کی حد تک تو میں تیری موافقت کروں گا لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہر مسئلہ میں تیری موافقت کی جائے اگر آپ کی رائے مفتی کی رائے کے خلاف ہے جو تجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے تو آپ کی رائے درست نہیں لیکن مفتی کا بھی خطا کرنا ممکن ہے لیکن ہر عقل مند انسان جانتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو باتیں اللہ کی طرف سے بتاتے ہیں آپ ان میں معصوم ہیں ان میں غلطی کا جواز نہیں ان کا تسلیم کرنا ضروری ہے اگر کوئی شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتا ہے جس قرآن کو آپ پیش کر رہے ہیں اور جس سنت کا آپ پر جبار کر رہے ہیں ان میں ایسے مسائل موجود ہیں جو ہماری عقل کے خلاف ہیں حالانکہ آپ کی صداقت کا علم ہمیں عقل سے ہی ہوا ہے اگر ہم آپ کی تمام باتیں تسلیم کرتے ہیں حالانکہ ہماری عقل ان کی مخالفت کرتی ہے تو عقل کے ساتھ ہی تو ہم نے آپ کو سچا مانا تھا اس میں ہر مسئلہ میں عقل پر الزام عائد ہو گا پس اس قسم کے نظریات رکھنے والا انسان مؤمن نہیں کہلا سکتا جو آپ کے علم و ہدایت سے روگردانی کرتا ہے اور عقل کا اتباع کرتا ہے اگر یہ راہ کھل جائے گا تو چونکہ لوگوں کی عقلیں مختلف ہیں اور شبہات بھی کثرت سے موجود ہیں اور شیاطین لوگوں کے نفوس میں وسوسہ اندازی کرتے رہتے ہیں تو ہر شخص اپنی عقل پر انحصار کرتا ہوا شریعت کے بہت سے

مسائل سے انکار کرے گا۔

ارشاد ربانی ہے۔

وما علی الرسول الا البلاغ المبین (النور ۵۴)
اور رسول کے ذمہ تو صاف صاف (احکام)
خدا کا پہنچا دینا ہے:

نیز فرمایا۔

فهل علی الرسول الا البلاغ المبین (النمل ۳۵)
پس پیغمبروں پر تو (احکام خداوندی) کا صاف
صاف پہنچا دینا ہے۔

نیز فرمایا۔

وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ
لیبین لہم فی فضل اللہ من یشاء ویہدئ
من یشاء (ابراہیم ۴)
اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اپنی قوم کی
زبان بولتا تھا تاکہ انہیں (احکام خدا) کھول
کھول کر سامنے بھر خدا جیسے چاہتا ہے گراہ
کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے

نیز فرمایا۔

قد جاد کھ من اللہ فوسر و کتاب
مبین (المائدہ ۱۵)
بے شک تمہارے پاس نور اور روشن کتاب
آچکی ہے۔

نیز فرمایا۔

خطہ و الکتاب المبین۔
(الدخان ۱-۲) - (الزخرف ۱-۲)
حکم۔ کھول کھول کر بیان کرنے والی کتاب
کی قسم۔

نیز فرمایا۔

تلك آیات الکتاب المبین
(یوسف ۲)
یہ بیان کرنے والی کتاب کی آیتیں ہیں

نیز فرمایا۔

ما کان حیدثاً یفتتری ولكن نھتاً
الذی بین یدایہ وتفصیل کل
شیء وھدای ودحمتہ لقوم یؤمنون
ایسی بات نہیں ہے جو اپنے دل سے بنائی
گئی ہو بلکہ جو کتابیں اس سے پہلے نازل ہوئی
ہیں ان کی تصدیق (کرنے والا) ہے اور ہر چیز

(یوسف ۱۱۱) کی تفصیل ذکر کرنے والا ہے اور مومنوں کے

لئے ہدایت اور رحمت ہے

نیز فرمایا۔

ونزلنا عليك الكتاب تبيا لكل

شیء وهدى ورحمة وبشرى للمسلمین

(النحل ۸۹) اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور رحمت

اور بشارت ہے۔

اس مضمون کی بے شمار آیات ہیں جن میں ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کا ذکر ہے آپ نے دین اسلام کو واضح شکل میں پہنچایا اجمال باقی نہ رہا اس کی شہادت تمام امت دے رہی ہے اور قیامت کے روز اللہ ایک بھی گواہی دیں گے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اسلام کو مکمل حقہ پہنچایا جو شخص اس کا انکار کرے وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء باندھ رہا ہے۔

(ط) پس جس شخص نے ایسے علم حاصل کرنے کا قصد کیا جس سے روکا گیا تھا اور قناعت اختیاً نہ کی اسے خالص توحید (جو اصل مقصود ہے) کی صحیح معرفت اور ایمان کی نعمت سے محروم ہوگی (ش) اگرچہ اس عبارت سے سابقہ عبارت کی تاکید ہو رہی ہے مزید تہنہ کیا گیا ہے کہ اصول دین میں عدم علم کی صورت میں کلام سے گریز کیا جائے۔

ارشاد ربانی ہے۔

ولا تقف ما ليس لك به علم

السمع والبصر والفؤاد كل أولئك

كان عنه مسؤولاً

(الاسراء ۳۶) اور (اے بندے) جس چیز کا تجھے علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑ کہ کان اور آنکھ اور دل ان سب (جو ارج) سے ضرور باز پرس ہوگی۔

نیز فرمایا

ومن الناس من يجادل في الله بغير

علم ويتبع كل شيطان مريد

عليه انه من تولاه فانه يضل

يهدي به الى عذاب السعير (الحج ۲۲)

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو خدا (کی شان) میں علم (و دانش) کے بغیر جھگڑتے اور ہر شیطان سرکش کی پیروی کرتے ہیں جس کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ جو اسے دھست رکھے

تو وہ اس کو گمراہ کر دے گا اور دوزخ کے عذاب کا راستہ دکھائے گا)

نیز فرمایا۔

ومن الناس من يجادل في الله بغير
علم ولا هدى ولا كتاب منير ثماني
عطفه ليعضل عن سبيل الله له في
الدنيا خسر وفي الآخرة عذاب
العذاب الحريق
(المج ۸-۹)

اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو خدا کی
شان میں بغیر علم (و دانش) کے اور بغیر ہدایت
کے اور بغیر کتاب روشن کے جھگڑتا ہے (اور
مکھڑے) گردن موڑ لیتا (ہے) تاکہ (لوگوں کی)
خدا کے رستے سے گمراہ کر دے اس کے لئے
دنیا میں ذلت ہے اور قیامت کے دن ہم
اسے (آتش) سوزاں کا منہ چکھا میں گے)

نیز فرمایا۔

ومن اضل ممن اتبع هواه بغير هدى
من الله ان الله لا يهدي القوم الظال
(القصص ۵۰)

اور اس سے زیادہ کون گمراہ ہو گا جو خدا کی
ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش کے پیچھے
چلے بے شک خدا ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں
دیتا ہے۔

نیز فرمایا۔

ان يتبعون الا الظن وما ظنوا
بالنفس ولقد جاءهم من ربهم
الهدى
(الجنحہ ۲۳)

یہ لوگ محض ظن (فاسد) اور خواہشات نفس
کے پیچھے چل رہے ہیں حالانکہ ان کے پروردگار
کی طرف سے ان کے پاس ہدایت اسپکی ہے

ان کے علاوہ بھی آیات قرآنہ اس مضمون پر دلالت کر رہی ہیں۔

حضرت ابوامامہ باہلیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہدایت کے بعد جو لوگ
گمراہ ہوئے ان میں مجاہد لکھس آیا اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:۔ ترمذی حدیث حسنہ
ما ضربوا لك الا جدلاً
انہوں نے جو اس (عیسیٰ) کی مثال تم سے بیان
کی ہے تو صرف جھگڑے کو۔ (النخرف ۵۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے ہاں

تمام لوگوں سے زیادہ مبعوض جھگڑا لوگوں ہی (بخاری، مسلم)
اس میں کچھ شک نہیں کہ جو شخص فرمان رسول کے سامنے تسلیم خم نہیں کرتا اپنی رائے اور خواہش
کی اتباع کرتا ہے اس کی توحید ناقص ہے اس لئے کہ اس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا بنا لیا ہے
ارشاد ربانی ہے۔

افرویت من اتخذنا الله هاداً
کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے
(الفرقان ۲۲) خواہش نفس کو معبود بنا رکھا ہے۔

یعنی اس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا ہے غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم میں فساد
پھیلانے والے تین فرقے ہیں۔

چنانچہ عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں ۵

سایت الذنوب قمت القلوب وقلوب رث الذل ادمانها
وترك الذنوب حياة القلوب وخيل لنفسك عصيانها
وهل افسد الدين الا الملوك واحبار سوء وسهيانها

میری رائے یہ ہے کہ گناہ دلوں کو موت کے حوالہ کر دیتے ہیں اور گناہوں پر اصرار ذلت کو
جنم دیتا ہے گناہوں کے ترک سے دلوں کو زندگی حاصل ہوتی ہے اور گناہوں کی نافرمانی نفس
کے لئے بہتر ہے دین اسلام میں فساد رونما کرنے والے بس بادشاہ، برے عالم اور صوفی ہی
تو ہیں۔

پس بادشاہ شریعت اسلامیہ پر سیاسیات کو مقدم گردانتے ہیں اور علماء سوء شریعت پر
اپنی آراء مقدم کرتے ہیں محرمات کو حلال گردانتے ہیں مباحات کو حرام ٹھہراتے ہیں شریعت کے
نقاظوں کو پورا نہیں کرتے ہیں لایعنی چیزوں کو اسلام میں داخل کرتے ہیں حدود اللہ کے نفاذ میں
مداہنت برتتے ہیں بے جا پابندیوں کو اسلام میں داخل کر کے اس کا حلیہ بگاڑتے ہیں اور جہل مونیاد
شریعت کے حقائق کا تمسخر اڑاتے ہیں وجد، حال، کشف، دیگر صوفیاء کی اختراع کردہ اصطلاحات
کو دین کا جز قرار دیتے ہیں الغرض شریعت کو ایسا لباس پہنتے ہیں جس سے اس کی شکل و صورت
بدل جاتی ہے اس کو اسلامی شریعت نہیں کہا جاسکتا جس کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش
کیا تھا نتیجہً وہ ایمان کی دولت سے محروم ہرچکے ہیں شیطان اور ان کے نفس کا ان پر غلبہ نظر آتا ہے
شریعت اور کشف وغیرہ کے معارضہ میں وہ کشف کو ترجیح دیتے ہیں جیسا کہ سیاستدان صاحب

اقتدار شریعت کو سیاسیات کے تابع کرتے ہیں اور علماء سود عقل کو نقل پر ترجیح دیتے ہیں۔

امام غزالی کا قول احیاء علوم الدین جو امام غزالی کی جلیل القدر تالیف ہے آپ اس میں تحریر فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دریافت کرے کہ علم بدل اور علم کلام دونوں کا علم نجوم کی طرح حاصل کرنا مذموم ہے یا مباح بلکہ مذہب ہے تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اس میں اہل علم مختلف رائے رکھتے ہیں بعض اس کو بدعت بلکہ حرام ٹھہراتے ہیں اور کہتے ہیں کوئی شخص اگر شرک کے علاوہ دیگر تمام گنہوں کا مرتکب ہے اور اسی حالت میں اللہ کے بار جاتا ہے تو اس حالت میں اسکا جانا بدرجہا بہتر ہے اس سے کہ وہ علم کلام میں مشغولیت اختیار کرتا ہو جب کہ بعض لوگ اس کو فرض کفایہ بلکہ فرض عین قرار دیتے ہیں اور اس کو تمام اعمال سے افضل اور تقرب الہی کے تمام ذرائع سے اس کو اعلیٰ سمجھتے ہیں اس لئے کہ علم کلام سے مزا دلت رکھنے والا توحید کی حقیقت سے باخبر ہوتا ہے اور دین اسلام پر اعتراضات کرنے والوں کی مدافعت کرنے کی اس میں بدرجہ اتم صلاحیت ہوتی ہے چنانچہ امام شافعی، مالک، احمد بن منیل، سفیان تمام ائمہ حدیث اس علم کی تحصیل کو حرام قرار دیتے ہیں اور اس مذمت میں وہ خاصے تیز نظر آتے ہیں، چنانچہ وہ کہتے ہیں صحابہ کرام جو شریعت کے حقائق سے بخوبی واقف تھے اور جن کا کلام اسلوب اور معانی کے لحاظ سے فصاحت و بلاغت کے میدان میں فائق نظر آتا ہے وہ صرف اس لئے علم کلام سے اجتناب برتتے رہے کہ اس علم میں مشغولیت کے نتائج اچھے ثابت نہیں ہو سکتے نیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسائل میں تعقن اور تکلف کے ساتھ بحث کرنے والے تباہی کے کنارے پہنچ جاتے ہیں نیز علم کلام میں بحث کرنا اگر دین اسلام کی خدمت ہوتا تو اس کی اہمیت کے پیش نظر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے حصول کا حکم دیتے اور اس میں مزا دلت اختیار کرنے والوں کی تعریف فرماتے نیز اس علم کے مقدمات اور نتائج سے پردہ کوئی فرماتے اس کے بعد امام غزالی متکلمین کے دلائل کا ذکر فرماتے ہیں اس کے ساتھ ہی مخالفین کے دلائل سے ان کا رد کرتے ہیں پھر انہی رائے کا ذکر کرتے ہیں کہ اس علم میں فوائد بھی ہیں اور نقصانات بھی فوائد کو دیکھا جائے تو اس علم کی تحصیل نہ صرف یہ کہ مذہب ہے بلکہ واجب ہے نقصانات کی طرف دیکھا جائے تو پھر اس کا طلب کرنا حرام دکھائی دیتا ہے اس لئے کہ اس علم میں مزا دلت رکھنا شبہات کو جنم دیتا ہے عقائد میں تزلزل پیدا کرتا ہے اور حزم و یقین کی کیفیت کو ختم کرتا ہے اور بعض لوگ اس قدر شکوک و

شبہات کی دلدل میں پھنس جاتے ہیں کہ مضبوط دلائل کے ساتھ بھی ان کو وہاں سے نکالنا مشکل ہو جاتا ہے وہ لوگ جادہ مستقیم سے سرک جاتے ہیں ان کے عقائد میں فساد رونما ہو جاتا ہے بدعات کا دروازہ کھل جاتا ہے اور عقیدہ تندی رواداری کا جذبہ چڑھتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ دلوں پر بدعات کی حکومت ہوتی ہے نتیجہ سنت کی طمع فروزاں بھج جاتی ہے اور اس کے تقاضے سر دپڑ جاتے ہیں اور بدعات کے دواعی اند آتے ہیں ان کے ساتھ تعصب میں دن بدن اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور جنگ و جدل اور بحث مباحثہ کا بازار گرم ہو جاتا ہے جس سے اسلام کی ساکھ کو ناقابل تلافی نقصان اٹھانا پڑتا ہے متکلمین اس علم کے فوائد کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس علم سے حقائق سے پردہ کشائی ہوتی ہے ان کی معرفت حاصل ہوتی ہے لیکن اگر حقیقت میں نگاہوں سے دیکھا جائے تو کمنا پڑتا ہے کہ علم کلام سے اس قسم کے عمدہ اور مفید نتائج حاصل نہیں ہوتے ہیں بلکہ شاید میں قدر بعض انکشافات سے ہم بہکنار ہوتے ہیں اس سے کہیں زیادہ گہرائی کے قریب پہنچتے ہیں اور مسائل منفعہ ہونے کی بجائے الجھ جاتے ہیں اور ان کا حل ناممکن ہو جاتا ہے۔

اصل حقیقت یہ ہے جس سے کسی محدث کسی متکلم کو انکار نہیں کہ جس علم سے لوگ آشنا نہیں ہوتے اس کے دشمن ہوتے ہیں یہی حال علم کلام کا ہے اگر آپ اس سے دور رہیں گے تو آپ کے دل میں اس کے ساتھ محبت کا شائبہ تک بھی نہ ابھرے گا لیکن اگر آپ اس میں بے پناہ مشغولیت اختیار کریں گے اور تحقیق کی حد تک اس کے ہی ہو کر رہ جائیں گے تو اس علم سے تو حقائق کی معرفت حاصل نہ ہو سکے گی اس علم میں تو معرفت کا دروازہ بالکل ہی مسدود ہے البتہ بعض امور کی وضاحت بعض چیزوں کی تعریف وغیرہ تو کبھی حاصل ہو سکے گی انکشاف ناممکن ہے جب کہ دیگر علوم میں تحقیق اختیار کرنے سے آپ بے شمار فوائد کا استخراج کرنے کی صلاحیت حاصل کر سکیں گے۔

علم کلام مذموم کیوں ہے؟ امام غزالیؒ کے علاوہ دیگر سلف صالح نے بھی علم کلام کو مذموم قرار دیا ہے لیکن اس لئے نہیں کہ علم کلام کوئی جدید اصطلاح ہے جب کہ دیگر علوم جدیدہ کی اصطلاحات بھی پائی جاتی ہیں اور ان اصطلاحات کی وجہ سے ہم انہیں مذموم نہیں سمجھتے نہ اس لئے کہ علم کلام بھی حق کی راہ نمائی کرتا ہے اور باطل پرست لوگوں کے ساتھ غماز آرائی اختیار کرتا ہے۔ بلکہ اس لئے کہ یہ علم ایسے قضایا پر مشتمل ہے جو سچے نہیں ہیں ان کو تسلیم کرنے سے

کتاب وسنت اور ان میں مذکورہ علوم صحیحہ کی مخالفت لازم آتی ہے اس کے ساتھ ساتھ متکلمین کو اس علم کی تدوین میں دشوار گزار گھاٹیوں کو عبور کرنا پڑا ہے پھر طول طویل بحثیں ہیں لیکن فائدہ کچھ نظر نہیں آتا اس علم کی مثال تو یوں ہے جیسے کسی دشوار گزار پہاڑ کی چوٹی پر کسی لاغر اونٹ کا گوشت رکھا ہوا ہے اب نہ تو راستہ آسان ہے نہ پہاڑ کی چوٹی پر آسانی سے پہنچا جائے نہ گوشت ہی اتنا عمدہ ہے کہ اس کی عمدگی کی وجہ سے مشکل راہ عبور کر کے اسے حاصل کیا جائے یہی حال اس علم کا ہے اس میں تکلف، تطویل، لاطائل اور گنگناہ موجود ہے اگر اس علم میں کچھ صحیح چیزیں بھی موجود ہیں تو وہ چیزیں قرآن پاک میں نہایت عمدہ پیرایہ میں مذکور ہیں اس علم کی مذمت میں کہا گیا ہے

ولا التناقض في الدنيا لما وضعت
كتب التناظر ولا المعنى ولا العمد
يحللون بزعمهم عقدا
وبالذمى وضعوة من ادت العقدا
زعم میں ہوتے ہیں کہ وہ کسی گرہ کو کھول رہے ہیں جبکہ ان کے وضع کرنے سے مزید گرہیں پیدا ہوئیں ہیں۔

مقصود یہ ہے کہ وہ سمجھتے ہیں ہم نے کتابیں مدون کر کے شکوک و شبہات کا ازالہ کر دیا ہے۔ جب کہ ہوش مند لوگ خوب جانتے ہیں کہ ان کی کتابوں نے مزید شکوک پیدا کئے ہیں۔ پھر یہ تصور اتنا ناقابل فہم نہیں کہ کتاب اللہ اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تو علم و یقین کی دولت حاصل نہ ہو نہ اسے رشد و ہدایت کا سرچشمہ قرار دیا جاسکے اور علم کلام جو آئینہ دماغ لوگوں کی ذہنی کاوشوں کا مجموعہ ہے ایسے نسخہ شفا سمجھ لیا جائے۔

چاہیے تو یہ تھا کہ قال اللہ قال الرسول کو اصل قرار دیا جاتا معافی پر تدبیر کیا جاتا پیش کردہ دلائل کا تجزیہ کیا جاتا عقلی، خبری، سمعی براہین کی معرفت حاصل کی جاتی پھر ان کے مدلولات کو دیکھا جاتا لوگوں کے اقوال سے انکا تقابل کیا جاتا اگر لوگوں کے اقوال ان مدلولات کے موافق ہوتے تو انہیں قبول کیا جاتا ورنہ رد کر دیا جاتا وضاحت کے لئے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

اصطلاحات متکلمین عام طور پر متکلمین کی کتب میں ذیل کی اصطلاحات ذکر کی جاتی ہیں اور ان کے ارد گرد ان کی ابھارت و انہیں مثلاً مرکب، جسم، تجزیم، جوہر، جہت، حیز، عرض وغیرہ ان اصطلاحات

سے یہ لوگ جو معانی مراد لیتے ہیں ان معانی میں یہ الفاظ کتاب و سنت میں استعمال نہیں ہیں بلکہ لغت عرب میں بھی استعمال نہیں ہیں اور ان الفاظ سے جو معانی لئے جا رہے ہیں غالباً ان کے علاوہ کسی دوسرے علم و فن میں ان کے یہ معانی نہیں ہیں ان میں ان معانی کو دیگر الفاظ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

اس علم کے مقابلہ میں جب ہم قرآن پاک کے عقلی، سمعی و لائل پر غور کرتے ہیں اور پیش آمد مسائل میں راہ نمائی چاہتے ہیں تو عام گریں کھل جاتی ہیں حق و باطل میں امتیاز ہر جاتا ہے کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ لیکن یہ علم توحید گویوں کا مجموعہ ہے یہ کسی محاکمہ عمل نہیں کرتا مزید اس میں گریں ڈالتا ہے مثلاً لفظ ترکیب متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

پہلا معنی اگر دو یا دو سے زائد متبائن چیزوں سے مرکب ہے تو اس کو ترکیب استخراج کہتے ہیں جیسے حیوان عناصر اربعہ اور اعضاء وغیرہ سے مرکب ہے پس معنی کے لحاظ سے اللہ کی ذات پر لفظ ترکیب کا اطلاق نہیں ہوتا اگرچہ اللہ پاک علو اور دیگر صفات کے ساتھ موصوف ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ کو مرکب کہا جائے دوسرا معنی ترکیب الجوار کا ہے جیسے رد لز کن رسے والی دو لکڑیوں سے مل کر تیار ہوتا ہے اگرچہ اللہ پاک صفات کمال کے ساتھ موصوف ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس میں ترکیب الجوار موجود ہو تیسرا معنی متماثل اجزائے مرکب ہو اس کا نام الحوام المفردہ رکھا جاتا ہے جو تھا معنی بیہوشی اور صورت سے مرکب ہوتا ہے جیسے انگوٹھی اس میں چاندی بیوی ہے اس کی صورت معروف ہے متکلیف جسم کو جو امر مفردہ سے مرکب مانتے ہیں اور اس کے ضمن میں طول و لیل بے فائدہ بحث کرتے ہیں مثلاً کہتے ہیں کیا وہ دو اجزاء یا چار یا چھ یا آٹھ یا سولہ سے مرکب ہے جب کہ اللہ پاک مرکب نہیں اس لئے کہ اللہ پاک تو اپنے صفات اور علو کی وجہ سے مخلوق سے الگ ہے پھر بات تیسرے کہ جسم بھی ان اشیاء سے مرکب نہیں ہوتا متکلیف کا قول صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ پانچواں قول ذات صفات سے مرکب ہوتا ہے اس وضاحت کے ساتھ وہ اللہ کی صفات کی نفی کرنا چاہتے ہیں۔ یہ انکی ایسی اصطلاح ہے جو لغت میں معروف ہے نہ اسے شارح نے استعمال کیا ہے لہذا ہم ان کی موقت کو پسند نہیں کرتے اور ہم تسلیم نہیں کرتے کہ صفات ماننے سے ترکیب لازم آئے گی۔ جب کہ اعتبار معانی کا ہوتا ہے الفاظ کا نہیں ہوتا نام میں کیا دھرا ہے جو چاہے کسی کا نام رکھ لو معانی کے بغیر کسی پر کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا مثلاً اگر دودھ کا نام شراب رکھ دیا جائے تو دودھ حرام نہیں ہو جائے گا چھٹا معنی بہ نسبت اور اس کے وجود

مرکب ہونہ ان میں تغایر ثابت کرتا ہے جب کہ خارج میں کسی ذات کا وجود سے مجرد ہونا ممکن نہیں پس متکلیف کہتے ہیں کیا اللہ کی ذات کا وجود ہے یا وجود نہیں ہے اس مسئلہ میں متکلیفین حواس باختہ ہیں جبکہ اس مسئلہ میں صحیح مسلک یہ ہے کہ توقف اختیار کیا جائے جب کہ عام مسائل میں تفصیل اور وضاحت سے غلط باتوں کی نشاندہی ہوتی ہے اور باطل کی قلعی کھل جاتی ہے۔

ان لوگوں کی گمراہی کا اصل سبب یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے کلام پر تدبر نہیں کرتے بس ان کا سرمایہ فلسفہ یونان اور پریشان افکار ہیں ان کو اہل کلام اس لئے نہیں کہتے کہ انہوں نے علوم میں مزید فوائد کا اضافہ کیا ہے بلکہ اس لئے کہ بے فائدہ کلام کا اضافہ کیا یہ لوگ قیاس کو مطمح نظر مانتے ہیں اگرچہ بعض صورتوں میں قیاس کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن جو لوگ نص کی موجودگی میں قیاس کو غلبہ دیتے ہیں اپنی عقل کو ترجیح دیتے ہیں محسوسات کا انکار کرتے ہیں ذوق کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں نص کا معارضہ اپنی رائے اور اپنے فہم سے کرتے ہیں وہ ابلیس کے چیلے چاٹتے ہیں اس نے بھی اپنے پُرگاہ کے حکم کو تسلیم نہ کیا عجب میں آکر اپنے آپ کو بہتر قرار دیا اللہ پاک اس کا قول نقل فرماتے ہیں۔

انا خیر منہ خلققتی من نار وحقنہ
میں اچھ افضل ہوں مجھے تیرے اللہ سے پیدا
کیا ہے اور اسے ٹھی سے بنایا ہے۔
من طین

(الاعراف: ۲)

ارشاد ربانی ہے۔

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ ومن
جو شخص رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو یقیناً اس
توئی فبما ارسلناک علیہم حفیفاً
نے خدا کی فرمانبرداری کی اور جو بنا فرمائی کرے تو
اسے پیغمبر تمہیں ہم نے ان کا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا
(النساء: ۸۰)

نیز فرمایا۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحبکم اللہ
قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحبکم اللہ
دینفر لکم واذبحکم واللہ غفور رحیم۔
اے پیغمبر لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے
ہو تو میری پیروی کرو خدا بھی تمہیں دوست رکھے
کا اور تمہارے گناہ بھی معاف کر دے گا اور خدا بخشنے
(آل عمران: ۳۱)

والا تمہارا ہے۔

اور فرمایا۔

فلادربعد لایؤمنون حتی یتحکروا فیما
تمہارے پروردگار کی قسم کہ لوگ جب تک اپنے

شجر بیتھو شجر لا یجید والی افشہو حریکا تازعات میں تمیں منصف نہ بنائیں اور فیصلہ
مما قضیت ویسلوا تسلیما [الفسادہ ۷۵] تم کرو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ
اس کو خوشی سے جان میں تب تک مومن نہیں ہونگے۔

یا در ہے اللہ پاک نے اپنی قسم اٹھا کر فرمایا کہ یہ لوگ مومن نہیں جب تک کہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ
وسلم کو حکم نہیں مانتے اور آپ کے فیصلوں پر رضامندی کا اظہار نہیں کرتے اور سر تسلیم خم نہیں ہوجاتے
(ط) علم کلام کا قائل کفر، ایمان تصدیق، تکذیب اور اقرار، انکار کے بین مذہب رہتا ہے دوسری
میں مبتلا رہتا ہے متحیر متشکک زندگی بسر کرتا ہے وہ مومن تو ہوتا ہے لیکن اس میں تصدیق نہیں
ہوتی اس میں انکار تو ہوتا ہے لیکن بظاہر تکذیب نہیں کرتا۔

(ش) امام طحاوی نے علم کلام کے قائل کے حال کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس میں اضطراب، تردد
ہوتا ہے کتاب وسنت سے روگردانی کرتا ہے علم کلام کی جانب رجحان رکھتا ہے یا نہایت ہوشیار
کے ساتھ دونوں کو یکجا کرنے کی ناکام کوشش میں لگا رہتا ہے جب دونوں میں تعارض دیکھتا ہے تو
نص کی تاویل کر کے اپنی رائے یا دیگر لوگوں کی آراء کی جانب لوٹتا ہے نتیجہً تحیر شک و اضطراب کی
عمیق وادی میں جا گرتا ہے۔ اس رائے کا اظہار ابن رشد کرتا ہے جو فلاسفہ کے مذاہب کا خوب
واقف ہے اور جس نے تنافت التماثلت میں فلاسفہ پر مقابلے تحریر کئے ہیں اور جس نے الہیات
میں قابل ذکر عمدہ اصول ذکر کئے ہیں نیز علامہ آمدی جو اپنے دور کا بہت بڑا فلسفی تھا ہم دیکھتے ہیں
وہ بھی مسائل کلامیہ میں متحیر دکھائی دیتا ہے بالکل اسی طرح امام غزالی عمر کے آخری حصہ میں مسائل
کلامیہ میں دلچسپی نہیں رکھتے ہیں توقع اختیار کرتے ہیں پھر ان سب مسائل سے اعراض کرتے ہیں ان
کی مکمل توجہ احادیث رسول کی طرف ہوجاتی ہے چنانچہ جب وہ فوت ہوئے تو بخاری شریف ان کے
سینہ پر پتی اسی طرح امام رازی اقسام اللذات میں رقمطراز ہیں۔

ذہایۃ اقدام العقولے عقالے عقل کی آخری منزل رک جانا ہے اور عالمین
و غایتہ سعی العالمین ضلال کی آخری کوشش گمراہی ہے ہمارے جموں
دار و احناف و حشۃ من جہونا سے ہماری رو میں وحشت میں ہیں اور ہماری
و عاملے دنیا نا اذی و وبالے دنیا کا حاصل رنج و غم ہے لمبی عمر نے بحث
و مستفید من بحثنا طول عمرنا تحمیں میں گزار دی لیکن سوائے قیل و قال جمع
سوی ان جعنا فیہ قیلہ و قالوا کرنے کے ہم نے کچھ کام نہ کیا ہم نے کثرت

فکھ قد ۷ دینا من سرحالے ودولة
 فبا دو اجمیعا صرعین و ذوالو
 دکومن جبال قد عدلت فمرفانها
 سرحال فزالوا والجبال جبال
 کے ساتھ حکمرانوں کو دیکھا کہ وہ تمام سرعت
 رفتاری کے ساتھ تباہ و برباد ہو گئے اور فنا
 ہو گئے لیکن کتنے ایسے پاٹھ میں جن کی چوٹیوں کو
 لوگوں نے سر کیا سر کرنے والے تو ختم ہو گئے لیکن
 پاٹھ اپنی جگہ پر قائم ہیں۔

آپ نے متکلمین اور فلاسفہ کے انداز پر غور کیا ہوگا لیکن ان کے علم سے کوئی عباد شغایاب نہیں ہو سکتا
 اور نہ کسی کی علمی پیاس بجھ سکتی ہے سمجھنے کے لئے مختصر راستہ تو قرآن کا راستہ ہے۔

اثبات صفات میں ارشاد باری ہے:-

الرحمن علی العرش استوی (طہ: ۵۰) اللہ عرش پر مستوی ہوا

نیز ارشاد باری ہے:-

الیہ یجمع الکل الطیب (فاطمہ: ۱۰) اسی کی جانب پاکیزہ کلمات پڑھتے ہیں۔

منفی صفات میں فرمایا:-

لیس کملہ شئی را مشوری الہ اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔

نیز فرمایا:-

ولا یحبیہون بہ علما (طہ: ۱۱) اور وہ اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

اس کے بعد وہ فرماتے ہیں جس شخص کو میرے جیسا تجربہ حاصل ہوا اسے میرے جیسی
 معرفت حاصل ہوگی انہی خیالات کا اظہار شیخ محمد بن عبد الکریم شعرستانی کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ فلاسفہ
 اور متکلمین کی مجلس سے تولے تولے تجریر اور ندامت کے کچھ نہیں ملا نیز اس کے اشعار ہیں:-

مصری لقد حفظت المعاهد کلہا وسیرت طرفی بین تلك المعاهد

فلو اسر الا واضعاً کف حاشر علی ذقن او قمار عا سمن سنا و

مجھے اپنی زندگی کی قسم! میں تمام مدارس میں گھومتا پھرتا رہا اور میں نے اپنی نگاہ کو تمام بڑے بڑے
 علمی اداروں میں متحرک رکھا میں نے صرف یہ دیکھا کہ اہل علم تجریر و ندامت کے عالم میں اپنی ٹھوڈی پر
 ہتھیلی رکھے ہوئے ہیں یا پیشانی کے عالم میں دانت پیس رہے ہیں۔

امام ابوالمعالی جوینی کا قول میرے ساتھیو! علم کلام کے ساتھ مشغولیت اختیار

رکھو اگر مجھے علم ہوتا کہ علم کلام مجھے یہاں تک پہنچا دے گا تو میں کبھی اس کے ساتھ مشغولیت اختیار نہ کرتا اس نے بوقت مرگ کہا میں گھر سے سمندر میں غوطہ زن ہوا میں نے اہل اسلام اور ان کے علوم کو خیر باد کہا اور اس علم میں مشغول ہو گیا۔ جس سے انہوں نے مجھے روکا تھا اگر اس وقت مجھے اللہ کی رحمت میسر نہ ہو تو میرے لئے بربادی ہے میں اعلان کرتا ہوں کہ اب اس وقت میں اپنی والدہ کے عقیدہ یا نیشاپور کی بوڑھی عورتوں کے عقیدہ پر فورت ہو رہا ہوں۔

شمس الدین خسرو شاہی کا قول وہ امام فخر الدین رازی کے جلیل القدر تلامذہ سے ہیں ان کے ہاں ان کے ایک فاضل دوست آئے انہوں نے ان سے ان کے عقیدہ کے بارے میں سوال کیا انہوں نے جواباً کہا میرا عقیدہ وہی ہے جو عام مسلمانوں کا ہے انہوں نے دریافت کیا اس عقیدہ پر آپ کو انشراح صدر ہے اور یقین کی کیفیت موجود ہے انہوں نے اثبات میں جواب دیا امام خسرو شاہی نے ایسی نعمت کے حصول پر اللہ کا شکر ادا کیا اور کہا لیکن مجھے اللہ کی قسم کچھ علم نہیں کہ میرا عقیدہ کیا ہے، تین بار یہی کلمات دہرائے یہاں تک کہ آنسوؤں سے ریش مبارک بھیگ گئی۔

عراق کے مشہور عالم ابن ابی الحدید کے اشار

فیک یا اغلوطة الفکر حار امری وانقضی عمری

ساخت فیک العقول فمارجت الا اذی السفر

فلما اشد الاولی زعموا انک المعروف بالمنظر

کذبوا ان الذی ذکر داخرا من عن قوۃ البشر

اے غلط فکر تیری وجہ سے مجھے حیرانی ہے اب میری عمر بھی ختم ہو رہی ہے۔ عقل نے تیرے بارے میں سوچا لیکن عقل کو سوائے سوچ کی تکلیف کے کچھ حاصل نہ ہوا اللہ ان لوگوں کو برباد کرے جن کا خیال یہ ہے کہ تیرا فکر صحیح ہے وہ جھوٹ کہتے ہیں وہ جس چیز کا ذکر کرتے ہیں وہ انسانی قوت سے باہر ہے۔

خونجی کا قول موت کے قریب کہتے ہیں میں زندگی بھر فلسفہ کی تختیاں سلجھاتا رہا لیکن مجھے اس سے زیادہ کچھ حاصل نہ ہو سکا کہ ممکن کسی مریض کا محتاج ہے اور احتیاج سبلی وصف ہے اب میں

فوت ہو رہا ہوں لیکن میں علم سے بے بہرہ ہوں اسی قسم کے خیالات کا اظہار ایک دوسرے فلسفی کرتا ہے وہ کہتا ہے میں اپنے بستر پر جب لیٹتا ہوں اور اپنے چہرے کو حافات سے ڈھانپتا ہوں تو میں فلاسفہ کے مختلف دلائل کے تقابل میں مصروف رہتا ہوں یہاں تک کہ صبح صادق نمودار ہو جاتی ہے اور میں کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ پاتا۔

پس حقیقت یہ ہے جو شخص فلسفہ علم کلام میں اس حد تک مستغرق ہے اگر اس پر اللہ کی رحمت سایہ افکن نہ ہو تو وہ زندیق ہو جاتا ہے۔

امام ابو یوسف کا قول جو شخص علم کلام میں دین اسلام کو طلب کرتا ہے وہ زندیق ہے اور جو شخص کیما گری اس لئے اختیار کرتا ہے کہ اسے مال مل جائے وہ مفلس ہے اور جو شخص غریب حدیثوں کو طلب کرتا ہے وہ تجوہا ہے

امام شافعی کا قول علم کلام والوں کے بارے میں میرا فیصلہ یہ ہے کہ ان پر کورسے برسانے جائیں انہیں جوتے لگائے جائیں اور ان کو آبادیوں میں پھرایا جائے اور مبادی کی جائے اس شخص کا یہ حال ہوگا جو کتاب و سنت چھوڑ کر علم کلام میں دلچسپی لے نیز وہ فرماتے ہیں: مجھے علم کلام والوں سے ایسی باتوں کے سننے کا اتفاق ہوا ہے میرا خیال نہیں کہ کسی مسلمان کی زبان سے اس قسم کی باتیں نکل سکتی ہیں۔ نیز اگر کوئی شخص شرک کے ماسوا تمام گناہوں میں مبتلا ہو بہتر ہے اس سے کہ وہ علم کلام میں مشغولیت رکھتا ہو۔

ان مذکورہ اقوال پر غور و فکر کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ متکلمین میں سے کچھ لوگ موت کے وقت اقرار کرتے ہیں کہ ان کا وہی عقیدہ ہے جو بوہی عورتوں کا ہے گویا کہ وہ عمر کے آخری حصہ میں فلسفیانہ موڑ لگانیوں سے اعراض کرتے ہیں جن میں وہ زندگی بھر مصروف رہے اب انہیں معلوم ہوا کہ وہ خیالات درست نہ تھے اب عذاب خداوندی سے بچاؤ کی راہ اختیار کرتے ہوئے اپنے آپ کو بچوں بوہی عورتوں، جنگلیوں کی صفوں میں کر رہے ہیں جو اہل علم کی اتباع کرتے ہیں۔

اس کا علاج اس بیماری کو دور کرنے کے لئے وہی علاج تجویز کیا جائے جو اس امت کے طبیب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز فرمایا ہے آپ تزکیہ قلب کے لئے رات کو

اٹھتے نوافل ادا کرتے اور فیل کی دعا کے ساتھ نماز کا افتتاح فرماتے۔

اللهم دب حبييل وبعبكاشيل واسئليل
فاطر السموات والارض عالم الغيب
والشهادة انت تحكم بين عبادك فيها
كالغيبه يختلفون اهداني لما اختلف فيه
من الحق باذنك انك تهدي من تشاء الى
صراط مستقيم (مسلم)

سے اللہ! جبریل، میکائیل، اسرافیل کے پروردگار
تو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے غیب ظاہر کا
علم رکھنے والا ہے تہذیب کے دریا لے آئیں کے اختلافات
کا صحیح فیصلہ اپنے اذن کے ساتھ کرے گا۔
بے شک تو جس شخص کو چاہتا ہے سیدھے
راہ کی ہدایت عطا کرتا ہے۔

اس دعا میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پروردگار کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے جبریل، میکائیل اسرافیل کی ربوبیت کا ذکر فرماتے ہیں اور صحیح راہ کی ہدایت کا سوال کرتے ہیں اس لئے کہ دونوں کی زندگی ہدایت کے ساتھ ہے اور یہ تینوں فرشتے زندگی کے مختلف شعبوں کے ساتھ متعلق ہیں۔

حضرت جبریل وحی کے ساتھ متعلق ہیں جس سے دلوں کو تازگی حاصل ہوتی ہے حضرت میکائیل بارش پر مقرر ہیں جس سے حیوانات کو زندگی ملتی ہے اور حضرت اسرافیل صور بھونکنے پر مامور ہیں جس سے تمام عالم کو زندگی ملے گی اور ارواح کا اجسام کی طرف لوٹنا ہوگا پس اللہ سبحانہ کی بارگاہ میں ان ارباب غیبیہ کی ربوبیت کا وسیلہ لے جانا (جن کا بہر صورت زندگی کے ساتھ تعلق ہے) مطلوب کے حصول میں بہت بڑا موثر ہے واللہ المستعان

(ط) جنت والوں کو جنت میں اللہ کی رؤیت حاصل ہوگی لیکن رؤیت کی تاویل و ہم یا فہم کے ساتھ کرنا ایمان کی صحت کی علامت نہیں ہے رؤیت اور دیگر معانی جن کی اضافت ربوبیت کی طرف ہے ان کی تاویل نہ کرنا بلاچوں و چراغ تسلیم کرنا دین اسلام کا تقاضا ہے اور جو شخص ان معانی میں نفی اور تشبیہ سے بچا وہ سیدھے راہ سے پھسل گیا اس نے اللہ کو منزہ قرار دینے میں صحیح راہ اختیار نہ کیا۔

(ش) امام طحاوی معتزلہ اور ان کے ہم خیال فرقوں کی تردید کرتے ہیں جو رؤیت کی نفی کرتے ہیں اور اللہ کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح چودھویں کے چاند کو دیکھتے ہو بخاری، مسلم حدیث میں کافی تشبیہ یا مصدریہ یا موصولہ پر داخل ہے جس سے فعل مصدر کے معنی میں ہو گیا ہے یعنی تشبیہ رؤیت میں ہے مرنی میں نہیں مقصود رؤیت کا اثبات ہے دیگر احتمالات کو ختم کرنا ہے پس معنی کے

واضح ہونے میں کچھ شبہ نہیں اگر نص کی تاویل کی جائے تو پھر کوئی نص استدلال کے قابل نہ رہے گی غور کیجئے اگر اس حدیث میں روایت کی تاویل علم کے ساتھ کرتے ہیں اور اس فاسد تاویل پر اللہ کے اس قول :-

الحدیث کیف نفل ربك باصحاب الفضل
کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے سرور کو کاشف نے
باقی والوں کے ساتھ کیا کیا ہے۔

سے دلیل اخذ کرتے ہیں اس لئے کہ اس آیت میں روایت افعال قلوب سے ہے لیکن اس سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ ہر جگہ راہی افعال قلوب سے ہوتا ہے بلکہ کبھی روایت سے مراد روایت بصری کبھی روایت قلبی اور کبھی خواب دیکھنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے قرآن کی روشنی میں معنی متعین ہوتا ہے اگر قرآن موجود نہ ہوں تو کلام میں اجمال ہوتا ہے وضاحت مفقود ہوتی ہے لیکن مذکورہ حدیث میں وضاحت موجود ہے کہ روایت سے مراد روایت بصری ہے ابہام نہیں ہے یہ معنی اس شخص پر محض رہتا ہے جس کے دل کو اللہ نے نابینا کر دیا ہے

مقتزلہ کا سوال اور اس کا جواب اگر معتزلہ کہیں چونکہ اللہ کی روایت محال ہے ممکن نہیں ہے اس لئے عقل نے ہمیں مجبور کیا تب ہم نے روایت کی تاویل کی ہے ہم انہیں کہیں گے یہ صرف تمہارا دعویٰ ہے وگرنہ عقل اس کو محال نہیں سمجھتی اکثر عقلمند اس میں تمہارے مخالف ہیں مثلاً اگر عقل پر پیش کیا جائے کہ ایک موجود قائم بنفسہ ہے لیکن اس کی روایت ممکن نہیں تو عقل کا فیصلہ ہوگا روایت کا ممکن نہ ہونا محال ہے۔

عدم روایت کا اظہار کر کے یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم نے اللہ کو منزہ قرار دیا ہے لیکن ہم ان سے درافتہ کرتے ہیں کیا کسی موجود سے کمال کی صفت کی نفی کرنا اس کو منزہ بنانا ہے روایت کی نفی تو کمال کی صفت نہیں ہے اس لئے کہ معدوم کو تو دیکھا ہی نہیں جاسکتا صفت کمال تو روایت کے اثبات میں ہے البتہ ادراک کی نفی میں کمال کا اثبات ہے علم کی نفی میں کمال کی نفی ہے۔ علم کے اثبات میں کمال کا اثبات ہے اور اس کا احاطہ کرنے کی نفی ہے ظاہر ہے کہ اللہ سبحانہ کا نہ تو روایت میں احاطہ کیا جاسکتا ہے نہ ہی علم میں اس کا احاطہ ہو سکتا ہے۔

تاویل کے معانی متاخرین کے ہاں تاویل کا معنی یہ ہے کہ لفظ کو اس کے ظاہری معنی سے بدل لیا جائے چنانچہ نصوص کی تحریف کرنے والوں نے برملا کہا کہ ہم ان تمام نصوص کی تاویل کریں گے

جو ہمارے اقوال کے مخالف ہوں گی انہوں نے تحریف کا نام تاویل رکھا تاکہ اس کی ترمیم و آرائش کر کے اسے قابل قبول بنایا جائے قرآن پاک میں ایسے لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو باطل کو خوبصورت انداز میں پیش کرتے ہیں ارشادِ ربانی ہے -

وَلَكِنَّ اللَّهَ جَعَلَنَا كُلَّ نَفْسٍ عِدَا شَاطِئِينَ
الذِّنِّ وَالْجَنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ لِي بِبَعْضٍ
سَخَّرَ لَهَا الْقَوْلَ عَزَّ دَنَا (الانعام ۱۱۳)
اور اسی طرح ہم نے شیطان (سیرت) انسانوں
اور جنوں کو ہر پیغمبر کا دشمن بنایا تھا وہ دعو کہ
دینے کے لئے ایک دوسرے کے دل میں
طبع کی باتیں ڈالتے رہتے تھے -

حالانکہ اعتبار معافی کا ہوتا ہے الفاظ کا نہیں ہوتا ہم دیکھتے ہیں کتنے باطل نظریات ہیں جن کے اثبات میں بظاہر مزین دلائل پیش کئے گئے ہیں جن سے حق کا معارضہ کیا گیا ہے اور اس کے دلائل کو بیجا دکھایا گیا ہے پس اس تاویل سے مراد تحریف ہے - اس لئے کہ برتاویل کو ترک نہیں کیا جاسکتا البتہ تاویلات فاسدہ مبتدعہ جو کتاب و سنت کے خلاف ہوں یا سنت صالحین کے طریق کے خلاف ہوں ان کا ترک ضروری ہے مثلاً روایت کے دلائل کی تاویل یا علو کے دلائل کی تاویل یا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ کا کلام فرمانا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنانا کی تاویل فاسدہ تاویل ہے -

کتاب و سنت میں تاویل کتاب و سنت میں تاویل سے مقصود وہ حقیقت ہے جس کی طرف کلام کا لوٹنا ہوتا ہے - پس خبر کی تاویل سے مراد عین خبر یہ ہے امر کی تاویل سے مراد نفس فعل ہے جس کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں رسول اللہ علیہ وسلم رکوع میں سبحانہ اللہم وربنا وبحمدہ اللہم اغفر لی - تلاوت فرماتے قرآن پاک کی تاویل فرماتے (بخاری، مسلم) حدیث میں تاویل سے مراد اصل مقصود معنی ہے نیز ارشادِ ربانی ہے -

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا تَأْوِيلَهُ يَوْمَ يَأْتِي تَأْوِيلَهُ
يَقُولُ الَّذِينَ نَسُوا مِنْ قَبْلُ قَدْ جَاءَتْ
رَسُولَ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (الاعراف ۵۳)
کیا یہ لوگ اس کے وقوع کے منتظر ہیں جس
دن وہ واقعہ ہر جائے گا تو جو لوگ اس کو پہلے
سے بھولے ہوئے ہوں گے وہ بول اٹھیں
گے کہ بے شک ہمارے پروردگار کے رسول
حق لے کر آتے تھے -

تاویل کا معنی تاویل رؤیا، خواب کی تاویل، تاویلِ عل بھی ہے ارشادِ ربانی ہے:-

هَذَا تَاوِيلُ رُؤْيَايَ مِنْ قَبْلِ (يُوسُفَ) (۱)

یہ میرے اس خواب کی تعبیر ہے جو میں نے پہلے (بچپن میں) دیکھا تھا۔

نیز فرمایا:-

وَيَعْلَمُكَ مِنْ تَاوِيلِ الْاَحَادِيثِ (يُوسُفَ) (۲)

اور (خواب کی) باتوں کی تعبیر کا علم سکھائیگا

نیز فرمایا:-

ذَلِكَ خَيْرٌ وَاحِسٍ تَاوِيلُ (النساء ۵۹)

یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا مال بھی اچھا

نیز فرمایا:-

سَابِقُ تَاوِيلِ مَالٍ تَسْتَطِيعُ عَلَيْهِ صَبْرًا

(مگر) جن باتوں پر تم صبر کر سکتے ہیں ان کا

تمہیں بھیجتا ہے دیتا ہوں۔ (الکہف ۷۲)

نیز فرمایا:-

ذَلِكَ تَاوِيلِ مَالٍ تَسْتَطِيعُ عَلَيْهِ صَبْرًا

یہ ان باتوں کی حقیقت ہے جن پر تم صبر

کر سکتے۔ (الکہف ۸۲)

تو کون ہے جو اس قسم کی تاویل کا انکار کرتا ہے جس کا تعلق امرِ دینی سے ہے ہاں اگر اللہ کے متعلق یا آخرت کے دن کے بارے میں خبر ہے تو اس کی تاویل یعنی اس کی حقیقت کا علم نہیں ہے ظاہر ہے کہ صرف خبر دینے سے حقیقت کیے منکشف ہوگی اس کی تاویل کو اللہ ہی جانتا ہے لیکن تاویل کے علم کی نفی سے اس علم کی نفی نہیں ہوتی جو مقصود ہے یعنی اس میں تدبیر کیا جائے۔

تاویل بمعنی تفسیر اکثر مفسرین ابن جریر وغیرہ تاویل سے مراد تفسیر لیتے ہیں یعنی کلام کا معنی بیان کرنا خواہ ظاہر کے موافق ہو یا مخالف ہو اس معنی میں تاویل محدود ہے اگر حق ہو اور اگر باطل ہو تو قابلِ رد ہے ارشادِ خداوندی ہے:-

وَمَا يَعْزُبُ عَنْ تَاوِيلِهِ اَللّٰهُ (ال عمران)

اور اس کی حقیقت کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں

جانتا۔

اس آیت کی دو قراءتیں ہیں ایک قراءت میں اَللّٰهُ پر وقف اور دوسری قراءت

میں وقف نہیں ہے دونوں قراءتیں درست ہیں پہلی قراءت میں متشابہ فی نفسہ مراد ہے جس کا علم خدا کے پاس ہے اور دوسری قراءت میں متشابہ اضافی ہے جس کی تاویل، تفسیر کو راسخ علم والے ہی جانتے ہیں لیکن اللہ پر وقف کی صورت میں تاویل کا معنی تفسیر کا نہیں ہے اس لئے کہ اس کے لازم آتا ہے کہ اللہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسا کلام نازل فرمایا ہے جس کا معنی نہ امت کو معلوم ہے نہ ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہے اور راسخ فی العلم کو بھی اس کے معنی کا کچھ پتہ نہیں وہ صرف اپنے ایمان کا اقرار کرتے ہیں لیکن غلط بات یہ ہے کہ غیر راسخ بھی ایمان کا اقرار کرتے ہیں تو غیر راسخ فی العلم کا عوام سے الگ کرنا بے سود ہے حضرت ابن عباس کا قول کس قدر حقیقت پر مبنی ہے وہ کہتے ہیں میں ان راسخ فی العلم لوگوں میں سے ہوں جو اس کی تاویل کا علم رکھتے ہیں وہ اپنے قول میں بے ہیں۔

جب کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حق میں دعا فرماتے ہوئے کہا اے اللہ! اس کو دین کی سمجھ عطا کر اور اس کو تاویل کا علم دے (بخاری) اور آپ مستجاب الدعوات تھے آپ کی دعا رد نہیں ہوتی تھی ابن عباس کے شاگرد مجاہد فرماتے ہیں میں نے اول سے آخر تک ابن عباس پر قرآن پاک پیش کیا ہر آیت پر ٹھہرتا اور سوال کرتا چنانچہ متواتر آثار موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباس سے قرآن پاک کے تمام معانی منقول ہیں اور کسی آیت کے بارے میں ان سے منقول نہیں ہے کہ وہ متشابہ ہے اور اس کی تاویل اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

امام ابو حنیفہ کے تلامذہ کا قول الاصول میں موجود ہے کہ متشابہ سے مراد سورتوں کے شروع میں حروف مقطعات ہیں یہی قول ابن عباس سے بھی مروی ہے حالانکہ اکثر مفسرین نے ان کے معانی ذکر کئے ہیں پس ان کے بیان کردہ معانی اگر معروف ہیں تو متشابہ کا معنی معروف ہو گیا اگر معروف نہیں ہیں تو متشابہ ہوئے معلوم ہوا کہ ان معانی کے علاوہ معانی معلوم ہیں یہی ہمیں ثابت کرتا تھا نیز اللہ پاک نے آیات کو متشابہ کہا ہے حروف کو متشابہ نہیں کہا جب کہ حروف مقطعات تمام شمار کنندگان کے ہاں آیات نہیں ہیں حروف ہیں۔

متاخرین فقہاء اور متکلمین کے ہاں تاویل کا معنی یہ ہے کہ کسی لفظ کا راجح معنی ترک کر کے مرجوح معنی مراد لینا اس لئے کہ مرجع معنی کا متقاضی موجود ہے یہ وہ تاویل ہے جس میں تلذع پایا جاتا ہے خبر انشاء دونوں میں تاویل صحیح وہ ہے جو کتاب و سنت کے نصوص کے موافق ہو اور جو مخالف ہو وہ تاویل فاسد ہے۔

عمر بن اسماعیل کا قول تبصر میں مرقوم ہے عمرو بن اسماعیل سے دریافت کیا گیا وہ آیات اور احادیث جن میں صفات خداوندی کا ذکر ہے ان کا ظاہر معنی تشبیہ کی خبر دیتا ہے آپ نے فرمایا ہم ان آیات کو ظاہر پر محمول کرتے ہیں ان پر ہمارا ایمان ہے لیکن کیفیت کا ہمیں علم نہیں ہے خیال رہے نص کے ظاہر ہی معنی کو فاسد قرار دینا یا افتقاء النفس کو فاسد کہنا صحیح نہیں ہے اور جو شخص نص سے فاسد معنی اخذ کرتا ہے اس کا فہم درست نہیں ہے اور اس کا علم کوتاہ ہے شاعر کہتا ہے

وكم من حائب فولج معيماً
واخت من الغم المسقيم

اکثر لوگ صحیح قول کو معیوب گردانتے ہیں اصل بیماری یہ ہے کہ ان کا فہم صحیح نہیں ہے
بزرگ کیا ہے یہ

على نعت القواني من مقاطعها وما على لعمري ان قطعهم البقر
میری ذمہ داری ہے تو بس اتنی ہے کہ قوافی؛ مقاطع کو بنا سنوار کر پیش کروں لیکن میری ذمہ داری
نہیں کہ گائے وغیرہ کو میرا کلام سمجھائے۔

توجب شعراً لوگ اپنے کلام کو اتنا اوسپنا سمجھتے ہیں نہ سمجھنے کی صورت میں وہ لوگوں کے فہم
پر اعتراض کرتے ہیں تو اللہ کا کلام جو تمام کلاموں سے سچا اور عمدہ ہے اس میں کس طرح نقص
کا ادعا کیا جاسکتا ہے اس کی تعریف کرتے ہوئے خود خداوند تعالیٰ فرماتے ہیں۔

احسنت اياتهم ثم فصلت من
الدين حكيم خبير (هود: ۱)

اس کی آیتیں حکیم ہیں پھر حکمت والے خبر رکھنے
والے فضل کی جانب سے ان کی تفصیل کی گئی

ہے۔

پس مؤدین کا یہ قول (کہ قرآن پاک اور حدیث پاک کے ظاہر میں گمراہی ہے اس میں ایسا ملو
نہیں ہے جس سے عقائد کی اصلاح ہو سکے نہ ہی اس میں توحید، تنزیہ کا ذکر ہے، درست نہیں ہے
بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ جن علوم کی قرآن پاک نے خبر دی ہے وہ صحیح ہیں اور جن کی خبر سے غموش
رہا ہے وہ درست نہیں ہیں لیکن مؤدین کا دعویٰ ہے کہ قرآن پاک کی دلالت باطل پر ہے لہذا
اس کی تاویل ضروری ہے۔

ہم ان سے کہیں گے یہ دروازہ جو تم نے کھول رکھا ہے اس میں تم غلط فہمی میں مبتلا ہو
تم سمجھتے ہو کہ تم اس طرح اپنے ایماندار بھائیوں پر چند نامعلوم مواقع میں غلبہ حاصل کرو گے لیکن یاد

رکھو اس طرح تم شرک و بدعت کے دروازوں کو کھول رہے ہو جن کو پھر بند کرنے کی تم میں طاقت نہ ہوگی کیا یہ حقیقت نہیں کہ جب تم بلادلیل شرعی قرآن پاک کے الفاظ کو اس کی دلالت وضعی سے پھیرنے کو جائز سمجھتے ہو تو پھر جائز اور ناجائز تاویلات کے درمیان امتیاز قائم کرنے کے لئے کونسا قاعدہ ہوگا اگر تم کہو عقل جس دلالت کو محال کہے گی ہم اس کی تاویل کریں گے وگرنہ ہم اس کو تسلیم کر لیں گے اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ کس کی عقل کو میزان قرار دیا جائے گا جب کہ باطنی ذہنی والا کہتا ہے ایسے قطعی دلائل موجود ہیں جو شریعت کے ظواہر کو باطل قرار دیتے ہیں اور فلسفی کا خیال ہے کہ حشر شر کی عدم صحت پر قطعی دلائل موجود ہیں اور معتزلی کا نظریہ ہے اللہ کی رؤیت کے امتناع پر قطعی دلائل موجود ہیں اسی طرح علم کلام میں رحمت کے اللہ کے ساتھ قیام پر امتناع کے مضبوط دلائل پائے جاتے ہیں اس طرح تاویلات کا دروازہ کھل جائے گا مودلین بظاہر عقلی دلائل کیساتھ اس قدر تاویلات کریں گے جن کا یہاں شمار کرنا ممکن نہیں نیز وہ بہت بڑی قباحتوں کا سامنا کرنا پڑے گا پہلی قباحت یہ ہے کہ ہم کتاب و سنت کے مشمولات کی صحت کا اس وقت تک اقرار نہ کریں گے جب تک کہ ہم اپنی عقل کے ساتھ اس کے امکان پر طول طویل اسماٹ نہ کریں گے نتیجتاً مختلف مکتب فکر کے حاملین میں سے ہر ایک کا دعویٰ ہوگا کہ ہمارا مسلک عین عقل کے مطابق ہے اس طرح فضا میں بے چینی کی کیفیت رونما ہو جائے گی کوئی فیصلہ نہ کر سکے گا دوسری قباحت یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن عقائد صحیحہ کا ابلاغ کیا ہے ہمارے دلوں سے ان کی صحت کا جزم ختم ہو جائے گا۔ جب کہ الفاظ سے جو ظاہری معنی معلوم ہو رہا ہے وہ قابل اعتماد نہیں اور مختلف قسم کی تاویلات موجود ہیں اس طرح کتاب و سنت سے جن معانی کا قصد اللہ پاک نے فرمایا ہے اس سے بیگانگی ہوگی نیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن باتوں سے خبردار کیا ہے اور جن کا ذکر قرآن پاک میں ملاحظہ کیساتھ موجود ہے اس کا ترک لازم آئے گا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ تاویل کرنے والے کتاب و سنت کے نصوص کو اصلاً استدلالی کے لئے ذکر نہیں کرنے ہاں تقویت کے لئے ذکر کرتے ہیں اگر نصوص عقل کی دلالت کے ساتھ موافق ہیں تو اسے قبول کرتے ہیں اگر مخالفت ہیں تو نصوص کی تاویل کرتے ہیں اس طرح الحاد و بدعتی کا دروازہ کھلتا ہے (نسأل اللہ العالیٰ)۔

(ط) جو شخص نفی اور تشبیہ سے دور نہ رہا اس کا قدم پھسل گیا اس نے صبیح معنی میں اللہ کو منزه قرار نہ دیا (ش) نفی اور تشبیہ دونوں دل کی بیماریاں ہیں چنانچہ دل کی بیماریاں دو طرح کی ہیں اولاً شبعات کی بیماری۔ ثانیاً شہوات کی بیماری؛ دونوں کا قرآن پاک میں ذکر ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے

فلا تختصن بالقول فيطبع الذي في قلبه (الاحزاب ۳۲)
 (کسی اجنبی شخص سے) نرم نرم باتیں نہ کیا کرو
 تاکہ وہ شخص جس کے دل میں کسی طرح کا مرض
 ہے کوئی امید نہ پیدا کرے۔

اس میں شہوت کی بیماری کا ذکر ہے نیز ارشاد ربانی ہے۔
 في قلوبهم مرض فزادهم الله مرضاً (البقرة ۱۰)
 ان کے دلوں میں کفر کا مرض تھا خدا نے ان کا مرض
 اور زیادہ کر دیا۔

نیز فرمایا۔

واما الذين في قلوبهم غموض فمن ادقهم
 رجساً الى رجسهم (التوبة ۵۳)
 اور جن کے دلوں میں غموض ہے ان کے حق میں
 خبیثت پر خبیثت زیادہ کیا۔

اس میں شبہ کی بیماری کا ذکر ہے جو شہوت کی بیماری سے کہیں زیادہ نقصان دہ ہے اس لئے
 کہ شہوت کی بیماری سے شفا حاصل کرنا ممکن ہے جب شہوت پوری ہو جاتی ہے تو اس کو تسکین
 حاصل ہو جاتی ہے لیکن شبہ کی بیماری اس وقت تک دور نہیں ہوتی جب تک اللہ کی رحمت سایہ افکن
 نہ ہو چنانچہ نفی اور تشبیہ کا شبہ صفات خداوندی کے ساتھ متعلق ہے ان دونوں میں سے نفی کا شبہ
 زیادہ نقصان دہ ہے ظاہر ہے کہ نفی کے شبہ میں اس شریعت کا رد ہے جس کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ
 وسلم نے پیش فرمایا لیکن تشبیہ کے شبہ میں ان حدود سے تجاوز کرنا ہے جن کا آپ نے تعین فرمایا ہے کسی قدر
 واضح ہے کہ اللہ کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ دینا کفر ہے ارشاد ربانی ہے۔

لیس كذلك شيء (النور ص ۱۱)
 اس کا مثل کوئی نہیں۔
 اس طرح صفات کی نفی کرنا بھی کفر ہے ارشاد ربانی ہے۔

هو السميع البصير (المشورى ۱۱)
 اور وہ (فعل) سننے والا اور دیکھنے والا ہے

تشبیہ کی دو قسمیں ہیں پہلی قسم یہ ہے کہ خالق کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ دینا اس کے رد میں اہل کلام
 کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اس ذہن کے لوگ بنسبت دوسری قسم کے لوگوں کے کم ہیں دوسری
 قسم کے وہ لوگ ہیں جو مخلوق کو خالق کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں جیسے مشائخ حضرت عزیر، سورج، چاند
 اصنام، فرشتوں، آگ، پانی، گائے، قبروں، جنوں وغیرہ کی عبادت کرنے والے ان کو خالق کے
 برابر قرار دیتے ہیں۔

ان کی جانب انبیاء مبعوث کئے گئے کہ انہیں ایک اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دیں جس کا

کوئی شریک نہیں۔

(ط) بلاشبہ ہمارا رب بزرگ و برتر سے وہ وحدانیت کی صفات کے ساتھ موصوف ہے نیز فردانیت کی صفات کے ساتھ بھی موصوف ہے مخلوق کا کوئی فرد اس کے معنی میں نہیں ہے۔

(ش) امام طحاویؒ اس بات کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ اللہ منزہ ہے اس نے بعض صفات اپنے لئے ثابت کی ہیں اور بعض کی نفی کی ہے چنانچہ سورہ اخلاص کا یہی مفہوم ہے غالباً ان کا کلام سورہ اخلاص سے ماخوذ ہے چنانچہ اللہ پاک وحدانیت کے ساتھ موصوف ہے اس کو (قل ہو اللہ احد) سے اخذ کیا ہے اور فردانیت کی صفات کے ساتھ موصوف ہے اس کو (اللہ الصمد لم یلد ولم یولد) سے اخذ کیا ہے۔ مخلوق کا کوئی فرد اس کے معنی میں نہیں ہے اس کو (لم یکن لہ کفو) احد سے اخذ کیا ہے نیز اس سے ان صفات کی تاکید ہوتی ہے جن کا پہلے اثبات ہے نیز تشبیہ کی نفی کی بھی تاکید ہے امام طحاوی نے لفظ وصف اور صفت استعمال کیا ہے دونوں مترادف ہیں یا متقارب ہیں یعنی لفظ وصف ذات پر بولا جاتا ہے جب کہ لفظ صفت فعل کے لئے ہے اسی طرح وحدانیت اور فردانیت مترادف ہیں بعض فرق کرتے ہیں وحدانیت ذات کے ساتھ خاص ہے جبکہ فردانیت صفات کے لئے ہے پس اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں تو وحدہ ہے اپنی صفات میں منفرد ہے اس کی صحت میں کچھ کلام نہیں البتہ لفظ ایک قسم کا تکرار موجود ہے امام طحاوی معمولی کے مطابق تکرار کرتے رہتے ہیں بنسبت عقائد کے خطبہ اور ہادوں میں تکرار انسب ہے جبکہ خطبوں میں موزوں الفاظ مناسب ہیں اسی طرح (لیس کلمۃ شئی) جملہ اللہ کو منزہ قرار دینے میں (لیس فی معنایہ احد من البدیۃ) سے اکمل ہے۔

(ط) اللہ پاک حدود اور غایات سے بلند ہے اسی طرح ارکان اعضاء اور ادوات سے بھی بلند ہے تمام ایجاد کردہ مخلوقات کی طرح اس کو چھ جہات حاوی نہیں ہیں۔

(ش) امام طحاوی کے کلام کی تشریح سے پہلے ہم ایک مقدمہ ذکر کرتے ہیں تاکہ امام طحاوی کے کلام کو بخوبی سمجھا جاسکے۔

مقدمہ خیال رہے اللہ پاک پر اس قسم کے الفاظ کے اطلاق میں علماء کے تین قول ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ ان الفاظ کی نفی کی جائے اللہ پر ان کا اطلاق نہ ہو دوسرا قول یہ ہے کہ ان الفاظ کو ثابت کیا جائے تیسرا قول یہ ہے کہ ان الفاظ کی نفی اور اثبات مطلق نہیں ہے جو الفاظ شرعاً ثابت ہیں انہیں ثابت کیا جائے جو منہی ہیں ان کی نفی کی جائے یہ قول سلف صالح اور ان کے پیروکاروں

کا ہے اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ الفاظ اصطلاحی ہیں ان میں اجمال، ابہام موجود ہے ضروری نہیں کہ ان الفاظ کو ان کے لغوی معنوں میں استعمال کیا جائے چنانچہ بعض لوگوں نے ان سے ان معانی کا قصد کیا ہے جو کتاب و سنت اور سلف صالح کے نظریات کے منافی ہیں جب کہ بعض دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ کتاب و سنت میں قرآن کا اثبات ہے نہ ہی ان کی نفی ہے اس لئے ہم اللہ تعالیٰ کے صفات کے ساتھ موصوف نہیں کر سکتے جن کے ساتھ اللہ نے خود اپنے آپ کو موصوف نہیں کیا اور نہ اس کے رسول نے آپ کو موصوف کیا ہے پس ہم تو سلف کی تابعداری کر لے والے ہیں کوئی پیارا نہ لکھنے کے لئے تیار نہیں ہیں لہذا مسئلہ صفات میں ہم غور کریں گے جن صفات کو اللہ اور اس کے رسول نے ثابت کیا ہے ہم ان کا اثبات کریں گے اور جن کی اللہ اور اس کے رسول نے نفی کی ہے ہم ان کی نفی کریں گے لفظ جو الفاظ ثابت ہیں ہم تو ان کے ساتھ ہی اعتصام کریں گے اور جن الفاظ کا نفیاً اثباتاً ذکر نہیں ہے ان کا اطلاق نہیں کریں گے جب تک کہ ہم قائل کا مقصود نہ دیکھ لیں اگر قائل نے جو معنی لیا ہے وہ درست ہے تو ہم اس کو قبول کریں گے لیکن ان کی تعبیر نصوص کے ساتھ کریں گے مجمل الفاظ کے ساتھ تعبیر کریں گے ہاں ضرورت کے وقت قرآن کی موجودگی میں مجمل الفاظ استعمال کریں گے۔ مثلاً ہم جس سے مخاطب ہیں جب تک ہم مجمل الفاظ استعمال نہیں کرتے ہیں وہ ہمارے مقصد سے واقف نہیں ہوتا اب ہم امام طحاوی کے کلام کی تشریح کرتے ہیں۔

مشبہہ کا رد امام صاحب کا مقصود مشبہہ کی تردید ہے جیسے داؤد جواری اور اس کے بھتیجی لوگ جو قائل ہیں کہ اللہ کا جسم ہے نیز اس کے اعضاء ہیں (تعالی اللہ عما یفکون علواً کبیراً)

یہ نظریہ درست ہے کہ اللہ کا جسم نہیں لیکن کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے نفی کے عموم میں حق و باطل کو ملا دیا ہے اس کی وضاحت کی ضرورت ہے۔

سلف صالح کا مسلک سلف صالح کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انسان اللہ کی حد کا علم نہیں رکھتے نہ اس کی صفات کی حد کا انہیں علم ہے امام ابو داؤد طیالسی فرماتے ہیں حضرت سفیان شعبہ، حماد بن زید، حماد بن مسلمہ، شریک، ابو عرواح کا قول ہے کہ وہ نہ اللہ کی حد کا ذکر کرتے ہیں نہ اس کی تشبیہ اور تمثیل کے قائل ہیں وہ صفات کی احادیث روایت کرتے ہیں لیکن ان کی کیفیات کا ذکر نہیں کرتے اور جب ان سے دریافت کیا جاتا ہے تو وہ انکار پیش کرتے ہیں۔

چنانچہ امام طحاوی بھی ذرا آگے چل کر تحریر کرتے ہیں کہ اللہ کی مخلوق اس کا احاطہ کرنے سے

عاجز ہے معلوم ہوا اللہ پاک اس سے بلند ہے کہ کوئی شخص اس کا احاطہ کر سکے اس لئے کہ اللہ مخلوق سے الگ ہے منفصل ہے اور اس سے مباہن ہے۔

عبداللہ بن مبارک کا بیان ان سے دریافت کیا گیا ہم اپنے رب کی کیسے معرفت حاصل کریں آپ نے فرمایا وہ عرش پر ہے اپنی مخلوق سے مباہن ہے پھر دریافت کیا گیا اللہ اور مخلوق کے درمیان حد ہے فرمایا ہاں حد ہے۔

اور ہم سب جانتے ہیں کہ حد کا اطلاق ایسی چیز پر ہوتا ہے جس کے ساتھ کسی چیز کا دوسری چیز سے انفصال ہوتا ہو اور تیز ہوتا ہو۔ اور اللہ پاک اپنی مخلوق میں نہ حلول کرنے والا ہے نہ اس کے ساتھ قائم ہے بلکہ وہ قیوم قائم بنفسہ ہے اپنے ماسویٰ کو قائم رکھنے والا ہے اس معنی میں لفظ حد میں فی الحقیقت کچھ منازعت نہیں ہے اس لئے کہ اس کی نفی کے بعد تو اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی حقیقت کی نفی ہے ہاں لفظ حد کا معنی علم اور قول بھی ہے کہ بندے اس کی حد کریں اس معنی کے لحاظ سے لفظ حد کا اللہ سے انتفاء ہے تمام اہل سنت کا یہی قول ہے

سہل بن عبد اللہ تستری کا قول ابوالقاسم قشیری نے اپنے رسالہ میں سند کے ساتھ سہل بن عبد اللہ سے نقل کیا ہے ان سے اللہ کی ذات کے بارے میں سوال ہوا انہوں نے جواب دیا اللہ کی ذات علم کے ساتھ موصوف ہے احاطہ کے ساتھ اس کا ادراک نہیں ہو سکتا اور نہ دنیا میں ان آنکھوں سے اس کو دیکھا جاسکتا ہے اللہ کی ذات ایمان کے حقائق کے ساتھ موجود ہے یعنی وہ حد کے ساتھ نہیں ہے نہ اس کا احاطہ ہے نہ اس کے لئے حلول ہے دار آخرت میں آنکھیں اس کا دیدار کر سکیں گی وہ ذات اپنی بادشاہت اور قدرت کے لحاظ سے ظاہر ہے لیکن اس نے مخلوق کو اپنی ذات کی حقیقت کی معرفت سے محاب میں کر دیا ہے البتہ آیات کے ساتھ اپنی ذات پر راہ نمائی کی ہے پس دل اس کی معرفت رکھتے ہیں آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتی ہیں مؤمن آنکھوں کے ساتھ اللہ کو دیکھ سکتے ہیں لیکن اس کا احاطہ اور ادراک نہیں کر سکتے۔

امام طحاوی نے ارکان، اعضاء، ادوات کی نفی کی ہے لیکن جو صفات اولہ قطعہ کے ساتھ ثابت ہیں جیسے چہرہ، ہاتھ وغیرہ بعض نفی کرنے والوں نے ان کی بھی نفی کر دی ہے یہ درست نہیں۔

امام ابو حنیفہ کا قول فقہ اکبر میں امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں اس کا ہاتھ چہرہ اور نفس ہے جیسا کہ ان کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے البتہ ان کی کیفیت معلوم نہیں اسی طرح یہ یعنی ہاتھ کی تاویل قدرت اور نعمت سے کرنا بھی درست نہیں اس طرح بھی اللہ کی صفات کا ابطال ہوتا ہے امام ابو حنیفہ کا قول اول قطعہ کے ساتھ ثابت ہے ارشاد خداوندی ہے۔

ما منع ان تسجد لما خلقت بيدى
 جس شخص کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا
 اس کے آگے سجدہ کرنے سے تمہیں کس چیز
 (ص ۷۵)
 نے منع کیا۔

نیز فرمایا۔

والادمن جميعاً قبضته يوم القيامة و
 اور قیامت کے دن تمام زمین اس کی ٹھکی
 السموات مطويات بيمينه
 میں ہوگی اور آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں
 (الزمر ۶۷)
 لپیٹے ہوں گے۔

نیز فرمایا۔

كل شئ حالك الا وجهه
 اس کی ذات کے علاوہ ہر چیز فنا ہونے
 والی ہے۔
 (القصاص ۸۸)

نیز فرمایا۔

ويبقى وجه ربك ذو الجلال والاكرام
 اور تیرے پروردگار عزت اور بزرگی والے
 کی ذات باقی رہے گی۔
 (الرحمن ۲۷)

نیز فرمایا۔

تعلم ما في نفسي ولا اعلم ما في نفسك
 جو بات میرے دل میں ہے تو اسے بھی
 جانتا ہے اور جو تیرے ضمیر میں ہے مجھے میں
 (المائدہ ۱۱۶)
 نہیں جانتا ہوں۔

نیز فرمایا۔

كتب ربك على نفسه الرحمة
 خدا نے اپنی ذات پر رحمت کو لازم کر
 لیا ہے۔
 (الانعام ۵۴)

نیز فرمایا

واصطنعت لنفسی (ط: ۱۴) اور میں نے اپنے نفس کے لئے تیرا انتخاب کیا

نیز فرمایا

ووجدتكم لله نفسه (الاحقران) اور اللہ تم کو اپنے نفس سے ڈراتا ہے۔

نیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی شفاعت کی حدیث میں ہے کہ تمام لوگ حضرت آدم کے پاس پائیں گے اسے کہیں گے تجھے اللہ نے اپنے ہاتھ کے ساتھ پیدا کیا اور فرشتوں سے تجھے سجدہ کرایا نیز تجھے تمام چیزوں کے نام سکھائے (سماری) پس جو شخص ید کی تاویل قدرت سے کرتا ہے اس کی تاویل درست نہیں اس لئے کہ اللہ کے قول

لما خلقت بیدی (ص ۷۵) جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا۔

میں قدرت کا معنی اور مست نہیں جبکہ لفظ ید کا یہاں تشبیہ واقع ہے نیز اگر اس کا معنی قدرت درست سمجھا جائے تو پھر اہل بیت کہہ سکتا تھا کہ آدم کو بھی تو نے قدرت کے ساتھ پیدا کیا ہے اس کی بھرپور فضیلت کس لئے ہے معلوم ہوتا ہے ایسی اگرچہ کافر تھا لیکن اسے اللہ کی معرفت جمیع سے زیادہ تھی ہاں اللہ کے اس قول

اولو بیدانا خلقنا لهم مما عملت ايدينا
انما فخرهم فاما لكون
ایمانوں نے نہیں دیکھا ہے کہ جو چیزیں
ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائی انہیں سے
ہم نے ان کے لئے چارپائے پیدا کر دیئے
(یس: ۷۵)

اور یہ ان کے مالک ہیں۔

سے بھی ان کا استدلال درست نہیں اس لئے کہ اس آیت میں لفظ ایدی جمع ہے اس کی اضافت جمع کی ضمیر کی طرف ہے تاکہ تناسب قائم رہے اور ان دونوں کی دلالت اللہ کی بادشاہت اور عظمت پر ہے اسی طرح ایدی کی اضافت مفرد کی ضمیر کی جانب نہیں کی ہے نہ ہی تشبیہ کا بیغہ لاکر ضمیر جمع کی طرف مضاف کیا ہے پس (مما عملت ايدينا) لما خلقت بیدی کی نظیر نہیں ہے نیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کا وصف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں اس کا حجاب بھی نور کا ہے اگر وہ حجاب کو اتار دے تو اس کے چہرے کے انوار جہاں اس کی مخلوق تک اس کی نظر جاتی ہے اس کو ملامت (صدیث صحیح ہے)

لیکن ان صفات کو اعضاء، جوارح، ادوات، ارکان کا نام نہیں دیا جاسکتا اس لئے کہ رکن مابیت کا جز ہے جب کہ اللہ ایک ہے بے نیاز ہے اس کے اجزا نہیں ہیں وہ پاک اور بلند

ہے اعضاء میں انگ انگ کرنا اور ٹکڑے ٹکڑے کے معانی موجود ہیں اللہ اس سے بھی بلند ہے اس کا ذکر اللہ کے اس قول میں موجود ہے ۔

الذین جعلوا القرآن عضین
وہ لوگ جنہوں نے قرآن کو پارہ پارہ کیا۔

(الحجرات: ۱۰)

جوارح میں اکتساب اور امتناع کا معنی موجود ہے اسی طرح ادوات ان آلات کو کہا جاتا ہے جن کے ذریعہ فوائد حاصل ہوتے ہیں اور نقصانات سے دور رہا جاتا ہے یہ تمام معانی اللہ سے منفی ہیں اسی لئے صفات خداوندی میں ان کا ذکر نہیں ہے۔

معلوم ہر اجزا الفاظ شریعت میں مستعمل ہیں ان کے معانی صحیح ہیں نیز وہ فاسد احتمالات سے محفوظ ہیں

اسی لئے شرع میں نفیاً یا اثباتاً الفاظ شرعیہ سے اعراض نہیں کی جاتا تا کہ ناسد معنی ثابت نہ ہو جائے یا صحیح معنی کی نفی نہ ہو جائے اور یہ تمام محل الفاظ بظاہر حق و باطل دونوں کے لئے ممکن ہیں۔

جھٹ کی وضاحت کبھی جھٹ سے موجود چیز مراد لی جاتی ہے اور کبھی معدوم، ظاہر ہے کہ خالق اور مخلوق کے سوا کوئی چیز موجود نہیں ہے تو جب جھٹ سے مراد اللہ کے ماسویٰ موجود چیز ہے تو وہ مخلوق ہے لیکن اللہ کو کوئی چیز محض نہیں کر سکتی اور نہ ہی کوئی مخلوق اس کا احاطہ کر سکتی ہے اللہ پاک اس سے بلند ہے اور اگر جھٹ سے مراد عدمی چیز ہے یعنی مافوق العالم مراد ہے تو وہاں ایک اللہ کے علاوہ کوئی نہیں تو جب کہا جاتا ہے کہ وہ اس اعتبار کے ساتھ جھٹ میں ہے یہ صحیح ہے مقصود یہ ہے کہ اللہ عالم سے مافوق ہے جہاں مخلوق کی انتہا ہے وہ سب سے اوپر ہے سب سے بلند ہے اور لفظ جھٹ کی نفی کرنے والے جن کا ارادہ علو کی نفی ہے وہ اپنے دلائل ذکر کرتے ہیں کہ تمام جہات مخلوق میں اللہ جہات سے پہلے تھا اور جو شخص اس کو جھٹ میں مانتا ہے گویا کہ وہ عالم کی کسی چیز کو قدیم مانتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ اللہ جھٹ سے مستغنی تھا پھر جہات میں چلا گیا اس قسم کے الفاظ اس بات پر دال ہیں کہ اللہ مخلوقات میں نہیں ہے خواہ اس کا نام جھٹ ہے یا کوئی اور ہے یہی مسلک صحیح ہے۔

لیکن جھٹ امر وجودی نہیں ہے بلکہ اعتباری ہے نیز اس میں شک نہیں کہ جہات کی انتہا

نہیں ہے اور جو چیز مالاخصاً یہ میں موجود نہیں وہ موجود نہیں ہے۔

امام طحاوی کا قول اللہ کو چھ جہات حاوی نہیں ہیں جس طرح کہ مخلوقات کو حاوی ہوتی ہیں۔ درست ہے ظاہر ہے کہ کسی مخلوق نے اللہ کا احاطہ نہیں کیا ہوا ہے بلکہ اللہ ہر چیز کو محیط ہے اور اس پر بلند ہے امام طحاوی کا یہی مقصود معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ آگے چل کر وہ کہتے ہیں کہ اللہ ہر چیز کو محیط اور اس کے اوپر ہے معلوم ہوا اللہ کو کوئی چیز حاوی نہیں نہ اس کا کسی نے احاطہ کیا ہوا ہے جیسا کہ اللہ کے علاوہ مخلوقات کا احاطہ ہے۔

البتہ اس مقام میں دو باتیں ایسی ہیں جن پر غور کیا جائے۔ اولاً: مجمل متعل لفظ کا اطلاق نہ کرنا زیادہ بہتر ہے وگرنہ احاطہ، فوقیت اور ملوکیت کی نفی دونوں لازم آئیں گی جن میں تناقض ہے اگر کہا جائے کہ نفی اس بات کی ہے کہ اس پر مخلوقات حاوی ہیں اس لحاظ سے الفاظ شرعیہ کو اختیار کرنا انبہ ہے۔ ثانیاً: امام طحاوی نے (کسائر المبتدعات) الفاظ استعمال کئے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مبتدع یعنی مخلوق کا احاطہ کیا ہوا ہے لیکن یہ قول قابل اعتراض ہے اس لئے کہ اگر اس کا احاطہ وجود چیز کے ساتھ ہے تو یہ قابل تسلیم نہیں اس لئے کہ یہ عالم کسی دوسرے عالم میں نہیں ہے۔ وگرنہ تسلسل ہوں آئے گا اگر عدمی کے ساتھ ہے تو کوئی مخلوق عدم میں نہیں ہے بلکہ بعض تو اس کے غیر میں داخل ہیں جیسے آسمان زمین، کرسی میں داخل ہیں اور بعض چیزیں تو مخلوقات کا انتہا ہیں جیسے عرش ہے اس لحاظ سے عالم کی سطح اپنے غیر میں نہیں ہے تاکہ تسلسل لازم نہ آئے پس اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ لفظ سائر باقی کے معنی میں ہے تمام کے معنی میں نہیں ہے یہی اس کا اصل لغوی معنی ہے اسی سے لفظ سائر استعما ہوتا ہے جس کا معنی اپنے والا جو برتن میں باقی چھوڑتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ مقصود اکثر مخلوق ہے تمام مخلوق نہیں ہے اس لئے کہ لفظ سائر کی دلالت اکثر پر نسبت جمع کے زیادہ ہے تو معنی برون ہوگا کہ اللہ کا احاطہ نہیں ہوا ہے جیسا کہ اکثر مخلوقات کا احاطہ ہے بلکہ اللہ پر تو کوئی چیز حاوی نہیں ہے۔ اللہ اس سے بلند ہے خیال رہے کہ ہم امام طحاوی کے بارے میں یہ خیال نہیں کرتے ہیں کہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ عالم میں داخل نہ خارج ہے یعنی مدون کی نفی ہے کسی کی تعین نہیں ہے جیسا کہ بعض شارحین کا یہی خیال ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ اللہ اس سے منزہ ہے کہ اس کا کسی مخلوق نے احاطہ کیا ہوا ہے اور وہ کسی چیز کا محتاج ہے یعنی عرش وغیرہ کا بھی محتاج نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہ پر غلط الزام امام ابو حنیفہ کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ اللہ کو نہ عالم میں داخل سمجھتے ہیں نہ خارج سمجھتے ہیں۔ درست نہیں اس لئے کہ اگر ان سے اس قسم کا قول منقول ہوتا تو ان کے مخالفین لازماً اس کا ان پر اعتراض کرتے جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے مخالفین نے معمولی معمولی باتوں کو بھی معاف نہیں کیا اور انہیں مطعون قرار دیا ہے۔

چنانچہ ابو مطیع یحییٰ نے امام ابو حنیفہ سے نقل کیا ہے کہ وہ اللہ کے لئے علو ثابت کرتے ہیں جب کہ ان کے سابقہ کلام سے اس کی نفی ہوتی ہے کتب و سنت میں بھی اس کا کچھ جواز نہیں ہے اسی لئے ہم اس قسم کے قول کی امام ابو حنیفہ کی جانب نسبت صحیح نہیں سمجھتے البتہ جو الفاظ شریعت میں استعمال ہوتے ہیں ہم انہیں استعمال کرتے ہیں جیسے لفظ استواء اور نزول ہے اور جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ اللہ جب آسمان دنیا کی جانب نزول کرتا ہے تو عرش اللہ سے اوپر ہو جاتا ہے اللہ عالم کے دو طبقات میں محصور ہو جاتا ہے وہ جاہل ہے اس کا قول اجماع سلف کے مخالف ہے بلکہ کتاب و سنت کے مخالف ہے۔

چنانچہ شیخ الاسلام عثمان صابری اپنے استاذ ابو منصور سے اللہ کے نزول کی حدیث بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں امام ابو حنیفہ سے نزول کے بارے میں سوال ہوا آپ نے فرمایا اللہ نزول کرتا ہے لیکن اس کی کیفیت معلوم نہیں۔

پس جس شخص نے علو کی نفی میں توقف اختیار کیا ہے دراصل اس کو کتاب و سنت اور اقوال سلف کی معرفت نہیں ہی وجہ ہے کہ بعض لوگ اللہ کے عرش کے اوپر ہونے کا انکار کرتے ہیں وہ کہتے ہیں نہ مہا بن ہے نہ الگ ہے نہ عالم میں داخل ہے نہ عالم سے خارج ہے وہ اللہ کو عدم اور اتماع کی صفت کے ساتھ موصوف کرتے ہیں لیکن جن صفات کے ساتھ خود اللہ نے اپنے آپ کو موصوف کیا ہے۔ انہوں نے ان کے ساتھ موصوف نہیں کیا مثلاً اس کے علو ہونے اور عرش پر مستوی ہونے کے اوصاف وغیرہ

بعض نے کہا اس کا ہر موجود میں حلول ہے بعض نے اسکو ہر موجود کا وجود قرار دیا تعالیٰ للہ عما یقول الظالمون والی اللہ احدون علو کبیراً اس کی مزید تفصیل آگے آئے گی۔

(ط) معراج کا واقعہ صحیح ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اراد اور آسمان کی جانب آپ کا معراج بیداری میں ہوا پھر جس بلندی پر اللہ نے چاہا آپ کو لے جایا گیا اللہ نے آپ کو جس طرح چاہا عزت عطا کی اور آپ کی جانب جو وحی کرنا چاہی اس کی وحی کی دل نے جو دیکھا اس کو جھوٹ نہ جانا آپ پر آخرت اور دنیا میں اللہ کی رحمتیں ہوں۔

(ش) لفظ معراج کا اشتقاق و العروج سے ہے اس سے مراد وہ آلہ ہے جس کے ذریعہ
بلندی کی طرف جایا جاتا ہے معراج کو ایک قسم کی سیڑھی سمجھیں جبکہ اس کی کیفیت معلوم نہیں ہے اس
کے بارے میں وہی حکم ہے۔ دیگر غائب چیزوں کے بارے میں ہے کہ ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں
لیکن ان کی کیفیت سے بے خبر ہیں۔

اسرار کا ذکر اسرار کے مسئلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے ایک قول یہ ہے کہ اسرار روح
کے ساتھ ہوا آپ کا جسم ہوا موجود رہا حضرت عائشہ، معاویہ کا یہی قول ہے حضرت حسن بصری
سے بھی یہی منقول ہے لیکن اس میں کہ اسرار نیند کی حالت یا آپ کے روح کو لے جایا گیا (جسم نہیں لے
جایا گیا) دونوں میں فرق ہے جس کو سمجھنا چاہیے چنانچہ حضرت عائشہ اور معاویہ کا خیال ہے
آپ کی روح کو لے جایا گیا جسم وہیں موجود رہا یعنی یہ واقعہ خواب کا نہیں ہے اس لئے کہ
نیند میں انسان بعض معلوم چیزوں کے اشال کو محسوس شکل میں دیکھتا ہے تو نیند میں اسرار کی کیفیت یہ
ہو گی آپ دیکھتے ہیں گویا کہ آپ کو آسمان کی جانب چڑھا گیا نیز آپ کو لے جایا گیا لیکن آپ کی روح کو
معود نہیں ہوا وہ کہیں گئی ہے صرف اتنا ہوا کہ خواب پر مقرر فرشتہ نے آپ کے سامنے اشال کو
پیش کر دیا تو یہ معاملہ نیند کا ہے ظاہر ہے کہ آپ کا اسرار عالم خواب میں نہ تھا بلکہ اسرار میں آپ
کی روح کو لے جایا گیا وہ جسم سے علیحدہ ہو گئی پھر آپ کے جسم میں واپس آگئی پس یہ آپ کی
خصوصیت ہے جب کہ آپ کے غیر کی روح کا اس دنیا میں آسمان کی جانب صعود کامل نہیں ہوتا۔
دوسرا قول یہ ہے کہ اسرار دوبار ہوا ہے ایک بار عالم بیداری میں پیش آیا دوسری بار حالت
خواب میں پیش آیا اس قول سے روایات میں توافق ہو جاتا ہے بظاہر تناقض ختم ہو جاتا ہے بعض
کا خیال ہے ایک بار نزول وحی سے پہلے دوسری بار نزول وحی کے بعد ہوا بعض کا خیال ہے
تین بار ہوا ایک بار وحی سے پہلے دوبار وحی کے نزول کے بعد ہوا اس قول والے بھی کہتے ہیں
کہ اس سے اسرار کے واقعہ میں جو تضاد ہے ختم ہو جاتا ہے الگ الگ محصل بن جاتے
ہیں لیکن صرف تضاد ختم کرنے کے لئے واقعہ میں تعدد پیدا کرنا مضبوط لوگوں کا کام نہیں اس سے
ان کا ضعف مترتب ہو رہا ہے جب کہ صبیح قول یہ ہے کہ واقعہ اسرار صرف ایک بار مکہ میں پیش آیا
جب آپ مبعوث ہو چکے تھے البتہ ہجرت سے ایک سال قبل بعض کے ہاں ایک سال دو

قبل ہوا (ابن عبد البر)

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں: ان لوگوں سے تعجب ہے جو کہتے ہیں اسرار کئی بار ہوا بھلا اس

بات کو کیسے جائز سمجھا جاسکتا ہے کہ ہر بار پچاس نمازیں فرض ہوئی ہوں اور آپ حضرت موسیٰ اور اللہ پاک کے درمیان چکر لگاتے رہے ہوں یہاں تک کہ نمازیں پانچ رہ گئیں پھر اللہ پاک نے فرمایا میں نے نماز کی فرضیت کو جاری کر دیا اور اپنے بندوں پر تخفیف کر دی چنانچہ تعدد کے الفاظ کی غلطی کو حفاظ نے شریک کی جانب منسوب کیا ہے دیکھئے امام مسلم نے اسرار کی حدیث کو مسند ذکر فرمایا اور واضح کیا کہ الفاظ کی تقدیم، تاخیر، کمی، زیادتی کی ذمہ داری شریک پر ہے۔

واقعہ اسراء کی تفصیل صحیح روایت کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کا اسراء عالم بیداری میں ہوا پہلے آپ کو براق پر سوار کرایا گیا حضرت جبریل آپ کے ساتھ تھے آپ براق پر سوار ہو کر مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی جانب روانہ ہوئے مسجد اقصیٰ میں آپ نے نزول فرمایا وہاں براق کو مسجد کے دروازہ پر ایک حلقہ سے باندھا آپ نے مسجد میں انبیاء کی امامت کرائی یہ کہنا کہ اس سفر میں آپ بیت اللحم میں اترے وہاں بھی آپ نے نماز ادا کی، صحیح نہیں پھر اسی رات آپ کو بیت المقدس سے آسمان دنیا کی طرف لے جایا گیا حضرت جبریل نے آپ کے لئے دروازہ کھولنے کا مطالبہ کیا چنانچہ دروازہ کھولا گیا دونوں کو اوپر جانے کی اجازت مل گئی پہلے آسمان میں آپ نے حضرت آدم ابو البشر کو دیکھا انہیں سلام کہا حضرت آدم نے جواباً سلام کہا اور مرجا کہا نیز آپ کی نبوت کا اقرار کیا پھر آپ کو دوسرے آسمان کی طرف لے جایا گیا آپ کے لئے دروازہ کھولنے کا مطالبہ کیا گیا وہاں آپ کی ملاقات حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ سے ہوئی ہے آپ نے انہیں سلام کہا انہوں نے سلام کا جواب دیا اور آپ کو مرجا کہا نیز آپ کی نبوت کا اقرار کیا پھر آپ کا معراج تیسرے آسمان کی جانب ہوا وہاں آپ نے حضرت یوسف کو دیکھا حضرت یوسف نے آپ پر سلام کہا اور مرجا کہا نیز آپ کی نبوت کا اقرار کیا پھر آپ کو چوتھے آسمان کا معراج کرایا گیا وہاں آپ نے حضرت ادریس کو دیکھا حضرت ادریس نے آپ پر سلام کہا اور مرجا کہا نیز آپ کی نبوت کا اقرار کیا پھر آپ کو پانچویں آسمان پر لے جایا گیا وہاں آپ نے حضرت ہارون کو دیکھا حضرت ہارون نے آپ کو سلام کہا اور مرجا کہا نیز آپ کی نبوت کا اقرار کیا وہاں سے آپ کو چھٹے آسمان کا معراج کرایا گیا وہاں آپ کی ملاقات حضرت موسیٰ سے ہوئی اس نے بھی آپ کو سلام کہا مرجا کہا اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا جب وہاں سے اگے جانے لگے تو حضرت موسیٰ رو دیئے ان سے دریافت کیا گیا آپ کے رونے کا کیا سبب ہے جواب دیا میں اس لئے رو دیا ہوں

کہ میرے بعد ایک نوجوان مبعوث ہوا کہ اس کی امت سے نسبت میری امت کے زیادہ تعداد میں لوگ جنت میں جائیں گے پھر آپ کو ساتویں آسمان کا معراج کرایا گیا وہاں آپ کی ملاقات حضرت ابراہیم سے ہوتی ہے اس نے آپ کو سلام کہا مرحبا کہا نیز آپ کی نبوت کا اقرار کیا پھر آپ کو سدرة المنتہی کی جانب لے جایا گیا وہاں آپ کے سامنے بیت المعمور پیش کیا گیا وہاں سے آپ کو اللہ جبار کی طرف لے جایا گیا آپ اللہ کے قریب ہوئے قریب دو کمان یا اس سے بھی کم فاصلہ ہو گا وہاں اللہ نے اپنے بندے کی طرف جو وحی کرنا تھی کی نیز آپ پر پچاس نمازیں فرض کیں آپ واپس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انہوں نے دریافت کیا آپ کو کیا حکم ملا ہے؟ فرمایا پچاس نمازیں حضرت موسیٰ نے کہا آپ کی امت میں اس کی استطاعت نہیں ہے آپ اپنے رب کی جانب واپس جائیں اور اپنی امت کے لئے تخفیف کی درخواست کریں آپ نے جبریل کی جانب یوں دیکھا کہ آپ اسے مشورہ طلب کر رہے ہیں تو حضرت جبریل نے مشورہ دیا کہ درست ہے اگر آپ کا ارادہ ہو چنانچہ حضرت جبرائیل آپ کو اللہ جبار کے اسی مقام کی جانب لے گئے (الفاظ بخاری کے ہیں) بعض روایات میں ہے کہ اللہ نے دس نمازیں معاف کر دیں پھر آپ نیچے اترے آپ حضرت موسیٰ کے پاس سے گزرے انہیں بتایا حضرت موسیٰ نے مشورہ دیا کہ آپ پھر واپس جائیں اور تخفیف کا مطالبہ کریں چنانچہ آپ حضرت موسیٰ اور اللہ کے درمیان آتے جاتے رہے یہاں تک کہ نمازیں پانچ رہ گئیں پھر بھی حضرت موسیٰ نے واپس جانے کا مشورہ دیا اور کہا کہ آپ تخفیف کا مطالبہ کریں اس پر آپ نے فرمایا مجھے اپنے رب سے شرم آ رہی ہے اب میں اس پر رضامندی کا اظہار کرتا ہوں اور تسلیم کرتا ہوں جب اس حکم کا نفاذ کامل ہو گیا تو منادی کرنے والے نے منادی کر دی میں نے اپنا فریضہ نافذ کر دیا ہے اور اپنے بندوں پر تخفیف کر دی ہے لہ

کیا معراج میں آپ نے اللہ کا دیدار کیا؟ اس میں صحابہ کرام کا اختلاف ہے کہ آپ نے

لے حدیث صحیح ہے متفرق احادیث کے الفاظ یکجا کر دیئے گئے ہیں البتہ آپ کا اللہ کے قریب ہونے کے بارے میں الفاظ شریک کی روایت کے ہیں جس پر حفاظ نے خاص طور پر اس حدیث کو محل تنقید بنایا ہے۔

اللہ کو ان آنکھوں سے دیکھا یا دل کی آنکھوں سے دیکھا صحیح مسلک یہ ہے کہ آپ نے دل کی آنکھوں سے دیکھا سوالی آنکھوں سے نہیں دیکھا لیکن اللہ کے قول۔

ما کذب البؤاد ہمارائی (النجم)

جو کچھ انہوں نے دیکھا ہے ان کے دل نے اس کو جھوٹ نہ مانا

نیز فرمایا۔

ولقد ساء نزلة اخری (النجم ۱۲) اور انہوں نے اس کو ایک اور بار بھی دیکھا ہے
میں صحیح بات یہ ہے کہ آپ نے حضرت جبریل کو دیکھا صحیح روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت جبریل کو اس کی اصل صورت میں دوبار دیکھا۔

سورہ نجم میں اللہ کے قول

شعرونی فتدلی (پھر قریب ہوئے اور آگے بڑھے)

اس دنو اور تدلی سے مراد وہ دنو اور تدلی نہیں جس کا ذکر سورہ اسراء میں ہے سورہ نجم میں دنو اور تدلی سے مراد حضرت جبریل کا قریب آنا اور اترنا مراد ہے یہی قول حضرت عائشہ اور ابن مسعود کا ہے ارشاد ربانی ہے۔

علمہ شدید القوی ذمیرۃ فاستوی ان کو نہایت قوت والے نے سکھایا (یعنی

دھوبالافتق الاعلیٰ شعرونا فتدلی جبریل) طاقتور نے پھر وہ پورے نظر آئے

(النجم ۵-۸) اور وہ آسمان کے اونچے کنرے میں تھے پھر

قریب ہوئے اور آگے بڑھے۔

اس میں تمام ضماائر کا مرجع شدید القوی یعنی حضرت جبریل ہیں البتہ اسراء کی حدیث میں اللہ پاک مراد ہیں کہ اللہ آپ کے قریب ہوا ہے

آپ کو اسراجم کے ساتھ بیداری میں ہوا اس پر اللہ کا قول

سبحان الذی اسرّی بعبیدہ یبلا من وہ ذات) پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے

المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس

تک لے گیا۔ (الاسراء)

لے یہاں شاعر کو غلطی لگی ہے سورہ اسراء میں تو اس کا ذکر ہی نہیں۔

ولایت کر رہا ہے اس لئے کہ لفظ عبد کا اطلاق جسم، روح و دونوں کے مجموعہ پر ہوتا ہے جیسا کہ انسان بھی جسم، روح کے مجموعہ کا نام ہے اس لحاظ سے اسراء دونوں کا ہوا پھر عقلاً بھی یہ بات محتمل نہیں ہے اگرچہ جس طرح فرشتوں کا آسمان سے نازل ہونا مستبعد ہے اسی طرح ان کا بھی اوپر صعود کرنا مستبعد ہے لیکن اگر ہم مسئلہ اسراء کا انکار کرتے ہیں تو اس سے نہ صرف نبوت کا انکار لازم آتا ہے بلکہ کفر بھی لازم آتا ہے۔

بیت المقدس کی طرف اسراء میں مکملت آپ کو اگر مسجد حرام سے ہی آسمانوں کی جانب لے جایا جاتا اور بیت المقدس کی جانب نہ لے جایا جاتا تو آپ کی نبوت کی صداقت ظاہر نہ ہوتی اس میں جب قریش نے آپ سے بیت المقدس کے نشانات کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے انہیں بتایا۔ مزید اس قافلہ سے بھی آپ نے بتایا جو آپ کو راستہ میں ملا تھا بصورت دیگر آپ کی نبوت کی صداقت پر دلیل تھی مثلاً اگر آپ آسمان کے واقعات کے بارے میں بتاتے ہیں تو وہ ان واقعات سے باخبر نہ تھے اس لئے وہ کیسے آپ کی تصدیق کرتے اب آپ نے جب ان نشانات کا ذکر کیا جن سے وہ متعارف تھے تو اس سے آپ کی صداقت نمایاں ہو گئی۔ تدبر اور تفکر کے بعد اس حدیث سے اللہ کا وصف علو ثابت ہو رہا ہے (و باللہ التوفیق)

(ط) حوض کوثر وہ نعمت ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو خاص طور پر عزت بخشی۔ (دش) جن احادیث میں حوض کوثر کا ذکر ہے وہ حدیث تراجم سنہی ہیں تیس سے زائد صحابہ کرام سے مروی ہیں حافظ ابن کثیر نے الیاریہ والنہایہ میں تمام طرق کا استیعاب کیا ہے امام بخاری حضرت انس سے بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے حوض کی وسعت اتنی ہے جتنی ایلہ اور صنعہ کے درمیان مسافت ہے حوض کوثر پر آسمان کے ستاروں کے برابر آبِ بخیر ہوں گے لہٰذا نیز حضرت انس سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر کچھ لوگ میرے صحابہ سے وارد ہوں گے جن کو پہچان لوں گا تو انہیں مجھ سے الگ کر دیا جائے گا میں کہوں گا یہ تو میرے صحابہ تھے جواب ملے گا آپ نہیں جانتے ہیں انہوں نے آپ کے بعد کیا نئے کام کئے نیز امام احمد

لہٰذا مسلم میں سونے چاندی کے آبجوروں کا ذکر ہے۔

لہٰذا بخاری مؤلف اگر بخاری کا ذکر فرماتے تو بیتر تھا اس لئے کہ حدیث کے بعینہ الفاظ بخاری کہے ہیں۔

حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر غزوہ بدر طاری ہونے لگا آپؐ نے سزاؤں سے فرمایا آپؐ سکر رہے تھے (راوی کو شک ہے) آپؐ نے ان سے کہا یا انہوں نے آپؐ سے دریافت کیا آپؐ کیوں مسکرائے آپؐ نے فرمایا ابھی مجھ پر سورہ کوثر کا نزول ہوا آپؐ نے تلاوت فرمائی:-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - اِنَّا عَطَيْنَاكَ الْکُوثَرَ ﴿۱﴾ پوری مسودت کی تلاوت کی پھر آپؐ نے ان سے کہا تم جانتے ہو کوثر کیا ہے صحابہ نے جواب دیا اللہ اور اس کے رسولؐ خوب جانتے ہیں آپؐ نے فرمایا وہ جنت میں ایک منہ کا نام ہے میرے رب نے مجھے اس کا عطیہ دیا ہے۔ وہاں بہت زیادہ خیر ہوگی وہاں مجھ پر میری امت داخل ہوگی حوض کوثر کے آبِ حور سے ستاروں کی گنتی کے برابر مہل گئے داخل ہونے والوں میں سے ایک بندے کو بٹایا جائے گا۔ میں مومنوں کا اسے رب نے تو میری امت سے ہے مجھے کہا جائے گا آپؐ نہیں جانتے ہیں انہوں نے آپؐ کے بعد کیا کیا نئے کام نکال لئے تھے (مسلم نیز مسلم کے الفاظ یوں ہے وہ ایک منہ ہے جس کا اللہ نے مجھ سے وعدہ کیا ہوا ہے اس پر بہت زیادہ بھلائی ہوگی وہی حوض ہے جہاں مجھ پر قیامت کے روز میری امت وارد ہوگی باقی الفاظ اس کے مثل ہیں مقصود یہ ہے کہ حوض میں کوثر سے دو پر نالے گر رہے ہوں گے ملے حوضِ عشر کے میدان ہوگا اس کا محل وقوع پل صراط سے پہلے عجیب کہ ثابت ہے کہ کچھ لوگوں کو رد کیا دیا جائے گا۔ جنہوں نے ارتداد اختیار کیا تو ایسے لوگ پل صراط پر نہیں گزر سکیں گے پس حوضِ عشر کے میدان میں ہے جنت میں نہیں الینہ حوض کوثر جنت میں ہے۔

جذب بن عبد اللہ بکلی بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپؐ فرماتے تھے میں تم سے پہلے حوض پر ہوں گا (بخاری، مسلم) حضرت سہل بن سعد بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم سے پہلے حوض پر ہوں گا جس شخص کا مجھ پر گزر ہوا وہ پانی پی لے گا اور جس نے پانی پی لیا وہ کبھی پیسا نہیں ہوگا کچھ لوگ مجھ پر وارد ہوں گے جن کو میں پہنچانا ہوں وہ مجھے پہچانتے ہیں پھر میرے اور ان کے درمیان پردہ حامل ہوگا میں کون گایہ تو میری امت سے ہیں جواب ملے گا آپؐ نہیں جانتے انہوں نے آپؐ کے بعد کیا نئے کام کئے اس پر

ملہ مقصود یہ ہے کہ نہ کوثر جنت میں واقع ہے لیکن حوض کا محل وقوع عشر کے میدان میں ہوگا تو اس حوض میں کوثر سے پانی کے دو پر نالے گر رہیں گے اس لئے اس کا نام حوض کوثر ہے۔

کہتا ہو گا وہ لوگ ہیں جنہوں نے میرے بعد تنبیہ لیاں کیں۔

حوض کے بیان میں جس قدر احادیث مروی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ بہت بڑا حوض ہے عظمت و شرف والا پانی کا گھاٹ ہے نہر کو توجہ ت کی نہر ہے اس میں پانی گرے گا جو دو دھ سے زیادہ سفید رنگ سے زیادہ ٹھنڈا شدہ سے زیادہ شیریں کستوری سے زیادہ خوشبودار ہوگا۔ بہت زیادہ وسیع عرض ہوگا اس کا طول عرض مساوی ہوگا اس کے ایک زاویہ کی مسافت ایک ماہ میں طے ہوگی ایک روایت میں ہے اس سے جس قدر پانی لیا جائے گا اس سے زیادہ وسعت میں ہو جائے گا۔ اس کے وسط سے کستوری موی اور سونے کی سلاخیں اگیں گی۔ رنگارنگ کے موی نمودار ہوں گے یساک ہے وہ خالق ہو کسی چیز کے پیدا کرنے سے عاجز نہیں ہے۔

یہ احادیث میں وارد ہے کہ ہر نبی کو حوض ملے گا لیکن ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا حوض سب سے بڑا سب سے شیریں سب سے زیادہ ازدحام والا ہوگا۔ جعلنا اللہ منہم بفضلہ ذکر مر۔

علامہ ابو عبد اللہ قزطبیؒ التذکرہ میں رقمطراز ہیں ترازو دار حوض کے بارے میں اختلاف ہے کہ کون پہلے ہوگا، بعض نے ترازو کا ذکر کیا، بعض نے حوض کا ذکر کیا ہے ابو الحسن قابسیؒ کہتے ہیں صحیح یہ ہے کہ حوض پہلے ہوگا علامہ قزطبیؒ فرماتے ہیں یہی بات درست معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ لوگ قبروں سے نکلیں گے تو بیاہے ہوں گے تو ترازو اور پہل صراط سے پہلے انہیں حوض کو نثر سے گزرنا ہوگا۔

امام غزالیؒ کشف علم الاخرۃ میں فرماتے ہیں بعض سلف کا قول ہے کہ حوض پہل صراط کے بعد ہوگا یہ درست نہیں، علامہ قزطبیؒ، امام غزالیؒ کی تائید فرماتے ہیں اور کہتے ہیں اس غلط فہمی سے بچنا چاہیے کہ اس کا محل وقوع دنیا کی اس زمین پر ہوگا بلکہ وہ تبدیل شدہ زمین پر ہوگا جو چاندی کی طرح سفید ہوگی جس پر کسی نے کسی کا نہ عموں بیاہے نہ کسی پر ظلم کیا ہے اس قسم کی زمین کا ظہور اس وقت ہوگا جب اللہ جبار فیصلہ فرمائے کے لئے نازل فرمائیں گے۔

اللہ پاک ان لوگوں کو نیاہ و برباد فرمائے جو حوض کو نثر کے وجود کا انکار کرتے ہیں ان کی سزا یہ ہوتی چاہیے کہ انہیں قیامت روز بیاس کے دن حوض کو نثر پر نہ آنے دیا جائے۔

(ط) شفاعت کا مسئلہ (جیسا کہ احادیث میں اس کا ذکر ہے) درست ہے امت محمدیہ کے لئے حاصل ہے۔ (ش) شفاعت کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جس پر امت کے لوگوں کے درمیان اتفاق موجود ہے ایک شفاعت وہ ہے جس میں معتزلہ اور دیگر بدعتی فرقے اختلاف کرتے ہیں۔



شفاعتِ عظمیٰ

یہ شفاعت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے جسی احادیث میں اس کا ذکر ہے وہ احادیث صحابہ کرام کی ایک جماعت سے مروی ہیں چنانچہ حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گوشت لایا گیا آپ نے اس سے دستی کے گوشت کو اٹھایا (آپ کو دستی کا گوشت پسند تھا) آپ نے اس سے ذرا لیا اس کے بعد آپ نے فرمایا قیامت کے روز میں تمام لوگوں کا سرفراہ ہوں گا (بھلا) تمہیں اس کا سبب معلوم ہے اللہ پہلوں پھیلوں کو ایک زمین میں اکٹھا کریں گے تو لوگ ابلیس میں باتیں کریں گے کہیں گے تم دیکھتے نہیں ہو تمہارا کیا حال ہے؟ تم دیکھتے نہیں ہو تم کف کمال پہنچ چکے ہو؟ تم غور نہیں کرتے کہ تمہارے رب کے سامنے تمہاری شفاعت کون کرے؟ کچھ لوگ حضرت آدم کا نام لیں گے، چنانچہ لوگ حضرت آدم کے پاس آئیں گے ان سے کہیں گے اے آدم! آپ تمام انسانوں کے باپ ہیں اللہ نے آپ کو اپنے ہاتھ کے ساتھ پیدا فرمایا اور تمہیں ابی روح کو بھروسہ فرشتوں کو حکم دیا انہوں نے تجھے سجدہ کیا تو اپنے رب کے سامنے ہماری شفاعت کر آپ دیکھ نہیں دے ہیں ہمارا کیا حال ہو آپ کو معلوم نہیں ہم کہاں پہنچے ہوئے ہیں، حضرت آدم جواب دیں گے میرا اب آج جس قدر ناراضگی میں ہے اس سے پہلے اس طرح وہ ناراض نہیں ہوا اور نہ ہی بعد میں وہ اس قدر ناراض ہوگا اس نے مجھے درخت سے روکا میں نے اس کی نافرمانی کی (نفسی، نفسی، نفسی، نفسی، یعنی مجھے نجات مل جائے تو غیبت ہے میرے بغیر کی طرف جاؤ۔ نور بغیر کی طرف جاؤ چنانچہ لوگ حضرت نور کے پاس آئیں گے ان سے کہیں گے اے نور! آپ زمین میں پہلے پیغمبر ہیں اللہ نے آپ کو فکر گزارا، تدبیر دیا ہے آپ اپنے رب کے ہاں ہماری شفاعت فرمائیں کیا آپ ہمارا حال نہیں دیکھتے ہیں؟ کیا آپ نہیں دیکھ دے ہیں کہ ہم کہاں پہنچے ہوئے ہیں، حضرت نور جواب دیں گے میرا اب آج جس قدر غضب میں ہے اس قدر اس سے پہلے غضب میں نہ تھا نہ آج کے بعد اس قدر غضب میں ہوگا (آپ کو معلوم ہے) میں نے اپنی قوم کے حق میں بددعا کی (نفسی، نفسی، نفسی، نفسی) مجھے اپنے مقام پر رہنے دو، تم میرے بغیر کی طرف جاؤ، تم ابراہیم پیغمبر کی طرف جاؤ چنانچہ لوگ حضرت ابراہیم کے پاس آئیں گے ان سے کہیں گے اے ابراہیم! آپ اللہ کے نبی اور زمین والوں سے اللہ کے خلیل ہیں آپ ہمارا حال نہیں دیکھ دے ہیں ہم کس حال میں ہیں، حضرت ابراہیم جواب دیں گے میرا اب آج جس قدر غیظ و غضب میں ہے اس سے پہلے نہ وہ اس قدر غیظ و غضب میں آیا نہ اس کے بعد اسے گا (بھروسہ) کا اظہار کرتے ہوئے) اپنے چند بھوٹوں کا ذکر کریں گے، نفسی، نفسی، نفسی، نفسی) مجھے بھروسہ میرے بغیر کے پاس جاؤ، موسیٰ پیغمبر کے پاس جاؤ چنانچہ لوگ موسیٰ کے پاس جاؤ گے ان سے کہیں گے اے موسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں آپ کا اللہ نے راستہ کے لئے انتخاب فرمایا آپ کی لوگوں پر فضیلت ہے کہ آپ سے اللہ پاک ہم کلام ہوئے اپنے رب کے پاس

ہماری شفاعت کرو ہمارا حال نہیں دیکھتے ہو وہ کہاں پہنچا ہوا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے کہیں گے
 آج ہمارا رب اتنا نادان ہے کہ اس سے پہلے کبھی اتنا نادان ہوا نہ بعد میں اتنا نادان ہوگا (معذرت کرنے
 ہوئے کہیں گے) میں نے ایک انسان کو قتل کیا جس کے قتل کا مجھے حکم نہیں تھا (نفسی نفسی نفسی) مجھے اپنے
 حال پر رہنے دو (میرے غیر کے پاس جاؤ عیسیٰ یغیر کے پاس جاؤ جتنا پتھر لوگ حضرت عیسیٰ کے پاس جاؤ ہیں گے
 ان سے کہیں گے) اے عیسیٰ! آپ اللہ کے رسول! اللہ اس کے کلمہ ہیں جس کا انقاد حضرت مریم کی طرف ہوا اور
 آپ اللہ کے روح ہیں حضرت عیسیٰ جواب دیں گے واقعی اسی طرح ہے پھر لوگ کہیں گے آپ نے لوگوں سے بگڑے
 میں کلام کیا آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کریں کیا آپ ہمارا حال نہیں دیکھتے ہیں کہ ہم کہاں پہنچ چکے ہیں،
 حضرت عیسیٰ انہیں جواب دیئے میرا رب آج جتنا نادان ہے اتنا نہ کبھی پہلے ہوا نہ بعد میں ہوگا اپنے کسی گناہ کا ذکر نہ
 کوئی گے (اور کہیں گے) میرے غیر کے پاس جاؤ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ جتنا پتھر لوگ میرے
 پاس آئیں گے کہیں گے اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں خاتم الانبیاء ہیں اللہ نے آپ کے پہلے اور پچھلے تمام
 گناہ معاف کئے ہماری اپنے رب کے پاس شفاعت کرو کیا آپ ہمارا حال نہیں دیکھ رہے ہیں کہ ہم کس حال
 میں ہیں اس پر میں انھوں کو عرض کے نیچے آؤں گا وہاں اپنے رب کے سامنے سجدہ میں گر پڑوں گا پھر اللہ مجھ پر اپنی
 حمد و ثنا کا انکشاف اور انعام فرمائیں گے کہ اس سے پہلے کسی پر کبھی اس کا انکشاف نہ ہوا تھا اور انہیں گے
 اے محمد! اپنا سرا لٹھا کر سوال کرو آپ کا سوال پورا ہو گا شفاعت کرو آپ کی شفاعت قبول ہوگی تو میں کہوں گا
 اے رب میری امت میری امت اے رب میری امت میری امت اے رب میری امت میری امت
 (اس پر) اللہ فرمائے گا اپنی امت میں سے ان لوگوں کو جن کا حساب نہیں جنت کے درجوں و درجات سے داخل کرو
 جب کہ یہ لوگ دوسرے دروازوں سے بھی عام لوگوں کے ساتھ داخل ہو سکتے ہیں پھر آپ نے فرمایا اس ذات
 کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جنت کے دروازے دو تو لوگ نادوں کے درمیان انتہی مسافت ہے جتنی کہ
 اور مجھ پر مسافت ہے یا کہ اور بھری میں ہے (بخاری مسلم) الفاظ مستند احمد کے ہیں۔

ان ائمہ پر تعجب ہے جو شفاعت کی حدیث کا مختلف طرق سے ذکر کرتے ہیں ایک پہلی شفاعت کا ذکر نہیں کرتے
 جب اللہ تعالیٰ فیصلوں کے لئے آئیں گے جیسا کہ اس کا ذکر (مولد السرائیل) کی حدیث میں ہے اور یہی اس سے مفصّل
 ہے حدیث کا سیاق و سباق یوں ہے کہ تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد دوسرے پیغمبروں کے ہاں شفاعت کے
 لئے جائیں گے کہ لوگوں میں فیصلہ ہو جائے تاکہ انہیں آرام حاصل ہو شفاعت کے بعد جب لوگوں کو ان کے اعمال کا
 بدلہ ملے گا تو اس مقام پر ذکر ہے کہ امت کے گناہ گار لوگوں کی شفاعت ہوگی انہیں دوزخ سے نکالا جائے گا۔
 ائمہ کرام نے صرف اس شفاعت کے ذکر پر اقتصار اس لئے کیا ہے کہ وہ خواج معترف کا ذکر نہ چاہتے ہیں

جو کہتے ہیں کہ دوزخ میں اہل کبار شروع ہونے کے بعد نہیں نکلیں گے حالانکہ احادیث میں تصریح موجود ہے کہ اس کے حق میں شفاعت ہوگی تو وہ دوزخ سے نکلے جائیں گے طوالت کے ڈر سے تفصیل سے گزرتا ہوں۔ مختصر یہ ہے کہ لوگ حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام ان کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیں گے آپ عرض گئے نیچے جائیں گے وہاں سجدہ کریں گے اللہ فرمائے گا کیا بات ہے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ کو خوب علم ہے میں عرض کروں گا اے اللہ! آپ نے مجھ سے شفاعت کا وعدہ کر دیا ہے تو اپنی مخلوق میں میری شفاعت قبول فرما ان میں فیصلہ فرما اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں نے آپ کی شفاعت کو قبول کیا میں اہل ہوں اور فیصلہ کرنا ہوں آپ فرماتے ہیں میں واپس آکر لوگوں کے ساتھ کھڑا ہوں جاؤں گا اس کے بعد آسمانوں کے پھٹ جانے اور فرشتوں کے اترنے کا ذکر ہے پھر فیصلوں کے لئے اللہ تعالیٰ آئیں گے منفرد فرشتے مختلف الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کر رہے ہوں گے اللہ تعالیٰ جہاں زمین پر چاہیں گے اپنی کرسی دیکھیں گے پھر اللہ فرمائے گا جب سے میں نے تمہیں پیدا کیا اس وقت سے لے کر اب تک میں خاموش رہا تمہارا ہی باتیں سننا رہا، تمہارا بے اعمال دیکھنا رہا اب تم میرے سامنے خاموش ہو جاؤ تمہارے سامنے تمہارے اعمال ناٹے بڑھ کر سنائے جاتے ہیں پس جو شخص نیک اعمال دیکھے وہ اللہ کی حمد بیان کرے اور جو شخص بُرے اعمال دیکھے وہ اپنے آپ کو ہی طاعت کرے (اختصار کے پیش نظر کچھ حصہ چھوڑتے ہوئے آگے ذکر کرتے ہیں) جب جنت و جہنم قریب پہنچیں گے تو کہیں گے ہمارے رب کے پاس ہماری کون سا قدریں کرے کہ ہم جنت میں داخل ہو جائیں خود ہی کہیں گے تمہارے باپ آدم سے زیادہ اور کسی کو اس کا استحقاق ہو سکتا ہے اُن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اس میں اپنی دوزخ کو بھی نکالا اس سے آسمان کے سامنے حکام کیا جتنا بچہ لوگ حضرت آدم کے پاس آئیں گے اس سے شفاعت کا مطالبہ کریں گے پھر حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے آپ فرمائیں گے میں جنت کے دروازہ پر پہنچ کر اس کے حلقہ کو پکڑوں گا پھر دروازہ کھولنے کا مطالبہ کروں گا تو میرے لئے جنت کا دروازہ کھل جائے گا مجھے خوش آمدید اور میرا کہا جائے گا جب میرا داخلہ جنت میں ہو جائے گا تو میں اپنے پروردگار کا مشاہدہ کرتے ہی سجدہ میں گر پڑوں گا مجھے اپنی تحمید و تمجید کے ایسے کلمات معلوم کرائے گا جی کا علم کسی دوسرے انسان کو نہیں پھر اللہ تعالیٰ مجھے فرمائیں گے اے محمد! اپنا سراٹھائیں شفاعت کریں آپ کی شفاعت قبول ہوگی سوال کریں آپ کا سوال پورا کیا جائے گا جب میں سجدہ سے سر اٹھاؤں گا تو اللہ تعالیٰ (اگرچہ محبوب علم رکھتے ہیں) دریافت کریں گے آپ کا حال کیسا ہے میں کہوں گا اے رب! تو نے میرے ساتھ شفاعت کا وعدہ کر دیا ہے پس جنت والوں میں میری شفاعت قبول فرماتا کہ ان کا جنت میں داخلہ ہو جائے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں نے آپ کی شفاعت کو قبول کیا اور انہیں جنت میں داخل ہونے

کی اجازت دے۔ تفسیر ابن جریر طبرانی، ابویعلیٰ، بیہقی۔

شفاعت کی دوسری قسم | رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کی سفارش کریں گے جن کی نیکیاں اور برائیاں
ملا دیں تو آپ اس لئے سفارش فرمائیں گے تاکہ انہیں جنت میں داخل کر دیا جائے۔

شفاعت کی تیسری قسم | کچھ لوگوں کے بارے میں حکم ہوگا کہ انہیں دوزخ میں بھیج دیا جائے آپ کی سفارش
سے انہیں دوزخ بھیجنے سے روک لیا جائے گا۔

شفاعت کی چوتھی قسم | جو لوگ جنت میں داخل ہو گئے ان کے درجات کی بلندی کے لئے آپ سفارش
فرمائیں گے معتزلہ خاص طور پر اس شفاعت کے قائل ہیں دیگر شفاعتوں کا انکار

کرتے ہیں حالانکہ ان کے بارے میں متواتر احادیث مروی ہیں۔

شفاعت کی پانچویں قسم | کچھ لوگوں کے بارے میں آپ شفاعت فرمائیں گے کہ انہیں بلا حساب جنت میں
داخل کر دیا جائے اس کا ذکر عکاشہ بن محسن کی حدیث میں ہے آپ نے ان

کے حق میں دعا کی کہ اللہ پاک انہیں ستر ہزار لوگوں میں جگہ عطا فرمائیں جن کا جنت میں بلا حساب داخل ہوگا
(بخاری، مسلم)

شفاعت کی چھٹی قسم | عذاب کے مستحق لوگوں سے آپ کی شفاعت کے ساتھ عذاب میں تخفیف ہوگی
جیسا کہ آپ نے اپنے چچا ابوطالب کے بارے میں شفاعت کی تو اس کے

عذاب میں تخفیف کر دی گئی (مسلم)

علامہ قرطبی: التذکرہ میں اس شفاعت کے ذکر کے بعد رقمطراز ہیں کہ اللہ کا قول فما تنفعهم شفاعۃ

الشافعین و قد تمس ان کو سفارش کرنے والوں کی سفارش فائدہ نہ دے گی (کفار کی شفاعت کا رد کرتا ہے تو

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کی شفاعت کے ساتھ کفار دوزخ سے نہ نکل سکیں گے عذاب میں تخفیف ممکن

نہ جب کہ موحیدین و فرمان آپ کی شفاعت کے ساتھ دوزخ سے مکالمے جائیں گے اور جنت میں

داخل کئے جائیں گے۔

شفاعت کی ساتویں قسم | آپ تمام ایمانداروں کے لئے جنت میں داخلہ کی سفارش فرمائیں گے اس
کا ذکر پہلے ہو چکا ہے مسلم میں حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی

صلی (حدیث ضعیف ہے) اسمعیل بن رافع، زید بن ابی زیاد و قنبل ضعیف راوی ہیں لیکن حافظ ابی نعیم کا کہنا کہ یہ حدیث مشہور ہے

اس سے حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا ۱۲

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں داخلہ کے لئے اولائیں سفارش کروں گا۔

شفاعت کی آٹھویں قسم | امت میں کہا شرکا ارتکاب کرنے والوں کے حق میں آپ شفاعت کریں گے جنہیں

گناہوں کی سزا میں دوزخ بھیجا گیا پھر آپ کی شفاعت سے انہیں نکالا جائے گا اس مضمون کی متواتر حدیثیں مروی ہیں بخوار مج، معتزلہ اس کے مخالف ہیں وہ ان احادیث کی صحت سے بے خبر نہیں البتہ ان میں عناد کا دفرما ہے خیال رہے اس شفاعت میں آپ کے ساتھ فرشتے، انبیاء، ایماندار بھی شریک ہوں گے نیز چار بار آپ شفاعت فرمائیں گے حضرت انس بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اپنی امت کے ان لوگوں کی شفاعت کروں گا جو کبار کے مرتکب ہوئے (مسند احمد حدیث صحیح ہے)

معبدی حلال غری بیان کرتے ہیں میری معیت میں بصرہ کے کچھ لوگ انس تک مالک کے محل میں پہنچے ثابت بنانی بھی ہمارے ساتھ تھے انہوں نے حضرت انس سے حدیث شفاعت کے بارے میں استفسار کرنا تھا حضرت انس اپنے محل میں چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے ہم نے اجازت طلب کی ہمیں اجازت دی گئی ہم نے دیکھا کہ وہ اپنے بستر پر تشریف فرما ہیں ہم نے ثابت سے کہا آپ ان سے پہلا سوال شفاعت کے بارے میں کریں چنانچہ ثابت حضرت انس سے مخاطب ہوئے اسے ابو حمزہ ایبرہہ لوگ بصرہ سے ہیں آپ کے پاس شفاعت کی حدیث سننے کے لئے آئے ہیں انہوں نے بیان کیا ہمیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا قیامت کے دن لوگ سخت اضطراب میں ہوں گے وہ آدم کے پاس جائیں گے اس سے شفاعت کی درخواست کریں گے وہ جواب دیں گے میں اس مقام میں نہیں ہوں البتہ تم حضرت ابراہیم خلیل الرحمنؑ کے پاس جاؤ چنانچہ لوگ حضرت ابراہیمؑ کے پاس جائیں گے وہ بھی کہیں گے میں اس کا اہل نہیں ہوں، تم حضرت موسیٰؑ کے ہاں جاؤ وہ کلیم اللہ ہے چنانچہ لوگ حضرت موسیٰؑ کے پاس جائیں گے وہ جواب دیں گے مجھے یہ مقام حاصل نہیں ہے تم حضرت عیسیٰؑ کے پاس جاؤ اسے اللہ کا روح اور کلمہ ہونے کا اعزاز حاصل ہے چنانچہ لوگ حضرت عیسیٰؑ کے ہاں جائیں گے وہ بھی کہیں گے میں اس کا اہل نہیں البتہ تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں جاؤ چنانچہ سب لوگ میرے پاس آئیں گے میں ان سے کہوں گا مجھے یہ اعزاز حاصل ہے چنانچہ میں اپنے رب کے ہاں جانے کی اجازت طلب کروں گا مجھے اجازت مل جائے گی اللہ پاک مجھے تعریف کے کلمات کا انعام فرمائیں گے اب مجھے ان کا علم نہیں میں ان کلمات کے ساتھ اللہ کی تعریف کروں گا اور اللہ نعم کے صلے میں مجھ پر پڑوں گا مجھے کما جائے گا اسے محمد! اپنا سراٹھائیں کہیں آپ کی بات سنی جائے گی شفاعت کریں آپ کی شفاعت قبول ہوگی سوال کریں آپ کا سوال پورا کیا جائے گا میں کہوں گا اسے رب! میری امت! میری امت اس پر مجھے کما جائے گا آپ دوزخ سے ان لوگوں کو نکال لیجئے جی کے دل میں جو کے دانے کے برابر ایمان موجود ہے چنانچہ میں ان لوگوں کو دوزخ سے نکال لوں گا پھر دوبارہ میں اللہ کی حمد و ثنا کروں گا سجدہ میں گر پڑوں گا مجھے

کہا جائے گا اے محمد! اپنا سراٹھائیں کہیں آپ کی بات سلتے ہیں شفاعت کریں آپ کی شفاعت قبول کرتے ہیں سوال کریں آپ کا سوال پورا ہو گا میں کہوں گا اے رب! میری امت! میری امت! تو اس پر مجھے کہا جائے گا آپ دوزخ سے ان لوگوں کو باہر لائیں جی کے دل میں ذرہ یا لائی کے بقدر ایمان موجود ہے میں ان کو دوزخ سے باہر لاؤں گا پھر میں اللہ کی حمد و ثنا کروں گا اور سجدہ میں گر پڑوں گا تو کہا جائے گا اے محمد! اپنا سراٹھائیں کہیں آپ کی بات سنی جائے گی سوال کریں آپ کا سوال پورا کیا جائے گا شفاعت کریں آپ کی شفاعت قبول ہوگی میں کہوں گا اے رب! میری امت! میری امت! اس پر اللہ پاک فرمائیں گے جس کے دل میں ادنیٰ اسے بھی ادنیٰ دانی کے دانے کے برابر ایمان ہے اس کو دوزخ سے نکال لو چنانچہ میں ان کو نکال لوں گا (بخاری کتاب التوحید) راوی بیان کرتے ہیں کہ جب ہم وہاں سے نکلے تو میں نے اپنے رفقاء سے کہا کیوں نہ ہم حضرت حسن سے ملاقات کر لیں آپ ابو حلیہ کے گھر میں چھپے ہوئے ہیں تاکہ جس طرح ہمیں حضرت انس نے حدیث بیان کی ہے اسی طرح ہم ان سے بھی یہ حدیث سنی لیں چنانچہ ان کے ہاں گئے ہم نے سلام کیا اس نے ہمیں آنے کی اجازت دی ہم نے کہا اے ابو سعید ہم ابھی ابھی آپ کے بھائی حضرت انس کے پاس سے آ رہے ہیں جس طرح انہوں نے ہمیں شفاعت کی حدیث سنائی ہے ہم نے کبھی اس طرح نہیں سنی تھی انہوں نے کہا لاؤ کیا حدیث ہے ہم نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا حضرت انس نے ہمیں بیس سال ہوئے حدیث بیان کی تھی میں نہیں جانتا کیا وہ بھول گئے ہیں یا انہوں نے ناپسند کیا کہ تم بھروسہ نہ کر دو ہم نے ان سے کہا آپ بیان فرمائیں اس پر وہ مسکرا دیئے اور کہنے لگے انسان خلقت کمزور ہے اس تذکرہ سے میرا مقصد تمہیں حدیث بیان کرنا تھا یہ تحقیق ہے کہ جس طرح انہوں نے آپ سے حدیث بیان کی ہے اس طرح انہوں نے مجھ سے بھی حدیث بیان کی ہے اس نے مزید اضافہ کرتے ہوئے کہا آپ نے فرمایا میں چوتھی بار پھر اللہ کی بارگاہ میں جاؤں گا اور اس کی حمد و ثنا کروں گا پھر میں سجدہ میں گر پڑوں گا مجھے کہا جائے گا اے محمد! اپنا سراٹھائیں آپ کہیں آپ کی بات سنی جائے گی سوال کریں آپ کا سوال پورا ہو گا شفاعت کریں آپ کی شفاعت قبول ہوگی اس پر میں کہوں گا اے رب! مجھے اجازت دیجئے میں ان لوگوں کو دوزخ سے نکالوں جنہوں نے لا الہ الا اللہ کہا اس پر اللہ پاک فرمائیں گے مجھے اپنی عزت، جلال، کبریائی، عظمت کی قسم میں دوزخ سے ان لوگوں کو نکالوں گا جنہوں نے لا الہ الا اللہ کہا ہوگا (صحیح مسلم)

حضرت عثمان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا نبی امت کے روزِ نبی گدہ سفاد کریں گے انبیاء ان کے بعد علماء پھر شہداء (مسند ابویعلیٰ) اسی ماجہ حدیث موضوع ہے عبدالرحمن بن عقیب قرشی راوی حدیثیں وضع کیا کرتا تھا

نیز ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ فرمائیں گے فرشتوں نے

شفاعت کی انبیاء کے شفاعت کی ایمانداروں نے بھی شفاعت کی اب صرف اکرم المرءین باقی ہیں تو اللہ تعالیٰ دوزخ سے ایک مٹھی بھر کر ایسے لوگوں کو نکالیں گے جنہوں نے کبھی کوئی نیک کام نہیں کیا (بخاری، مسلم)۔
مسئلہ شفاعت میں اختلاف | اس مسئلہ میں بھی قول ہیں مشرک، عیسائی اور بدعتی جو مشائخ کی تعظیم میں غلو اختیار کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جو مشائخ کی تم تعظیم کرتے ہیں وہ ہماری شفاعت کریں گے جیسا کہ دنیا میں بھی شفاعت کا کام معروف ہے۔

معتبرہ اقوال | اہل کبار کی شفاعت کا انکار کرتے ہیں یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی شفاعت نہ کریں گے۔

اہل ملت والجماعت | اہل کبار کی شفاعت کا اقرار کرتے ہیں رسول اکرم بھی ان کی شفاعت فرمائیں گے۔
 یہی آپ نے کوئی دوسرا شخص اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر شفاعت نہ کریں گے پھر شفاعت بھی محدود ہوگی جیسا کہ شفاعت کی حدیث میں تصریح ہے کہ تمام لوگ حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ کے پاس آئیں گے حضرت عیسیٰ ان سے کہیں گے آپ سب حضرت محمد کے ہاں جاؤ وہ اللہ کا ایسا بندہ ہے کہ اللہ نے اس کے تمام پہلے اور پچھلے گناہ معاف کر دیئے ہیں تو سب لوگ میرے پاس آئیں گے میں اللہ کی بارگاہ میں جاؤں گا جب میں اپنے رب کو دیکھوں گا تو مجھ میں گر پڑوں گا میں اپنے رب کی حمد و ثنا ایسے کلمات سے کہوں گا جن کا اللہ تعالیٰ مجھ پر انعام فرمائیں گے اب مجھے وہ کلمات اچھی طرح محفوظ تھیں تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اے محمد اپنا سر اٹھاؤ اور کہیں آپ کی بات سنی جائے گی شفاعت کریں آپ کی شفاعت قبول ہوگی میں کہوں گا اے میرے رب! میری امت! تو میرے لئے حد مقرر ہوگی میں انہیں جنت میں لے جاؤں گا اس کے بعد پھر میں سجدہ میں گر پڑوں گا تو میرے لئے ایک حد مقرر ہوگی آپ نے تین بادا اس کا ذکر فرمایا (بخاری، مسلم)

کیا بحق نبینا کے ساتھ شفاعت درست ہے | دنیا میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے علاوہ دیگر نیک لوگوں کا اللہ کی طرف شفاعت لے کر دعا کرنا کیسا ہے؟

اس میں ذرا تفصیل ہے اگر دعا کرنے والا بحق نیک یا بحق فلاں کے ساتھ دعا کرتا ہے اللہ کی مخلوق میں سے کسی مخلوق کی اللہ پر قسم دیتا ہے تو وہ وجہ سے یہ ناجائز ہے اولاً غیر اللہ کی قسم اٹھانی گئی ہے جو ناجائز ہے ثانیاً یہ اعتقاد رکھا گیا ہے کہ کسی کا اللہ پر حق ہے پس نہ تو غیر اللہ کی قسم اٹھانا جائز ہے نہ ہی اللہ پر کسی کا حق ہے کہ اسے جتنا یا جائے ہاں اللہ نے اپنے نفس پر جس حق کا ذکر کیا ہے وہ صحیح ہے ارشاد دہانی ہے (وكان حقاً علينا ان نعبد الله وحنيناً (الروم ۷۷)، اولیما نداؤں کی مدد کرنا ہم پر فرض ہے) نیز بخاری، مسلم میں ہے: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ سے کہا (وہ آپ کے بچے سوار تھے) اے معاذ!

آپ جانتے ہیں اللہ کا اس کے بندوں پر کیا حق ہے میں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول خوب جانتے ہیں آپ نے فرمایا اللہ کا حق اس کے بندوں پر یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں کیا تو جانتے ہے؟ بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے جب وہ یہ کام کریں، میں نے کہا اللہ اور اس کے رسول خوب جانتے ہیں فرمایا بندوں کا اللہ پر یہ حق ہے کہ وہ ان کو عذاب میں مبتلا نہ کرے (نخاری مسلم) تو یہ حق اللہ پر اس کے کلمات تامہ اور سچے وعدہ کے ساتھ ہوا ہے نہ یہ کہ بندے کا اللہ پر کچھ حق ہے جیسا کہ مخلوق کا مخلوق پر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ تو تمام بندوں پر ہر قسم کے خیر کا انعام کرنے والا ہے بندوں کا حق اللہ کے وعدہ کے لحاظ سے ہے کہ اللہ ان کو عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا اور ان کو عذاب میں نہ ڈالنا ایسا معنی ہے کہ اس کے ساتھ قسم اٹھانا درست نہیں نہ اس کے ذریعہ سوال ہو سکتا ہے نہ اس کو وسیلہ بنایا جا سکتا ہے اس لئے کہ سبب کو اللہ نے سبب بنایا ہے اسی طرح حضرت ابوسعید سے مروی مرفوع حدیث جس میں نماز کے لئے جانے والا دعا کرتے ہوئے کہتے ہیں حق سے اپنے اس چلنے کے حق آؤ مجھ پر سوال کرنے والوں کا حق ہے اس کے ساتھ سوال کرنا ہوں (حدیث ضعیف ہے) (سلسلہ الاحادیث العجیبہ رقم ۲۴)

تو یہ حق وہ ہے جس کو خود اللہ نے اپنے آپ پر لازم کیا ہے تو اس نے ساتلین کو حق بخشا ہے کہ وہ ان کی دعا قبول فرمائے گا اور عبادت گزار لوگوں کو بدلہ دے گا۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔
 ما للعباد علیہ حق واجب کلا ولا سعی لدیہ خضائع۔
 ان عدو ابوا فبعد له او نعموا ففضلہ دھوا لکریم السامع۔
 بندوں کا اللہ پر کوئی حق واجب نہیں ہے ہرگز نہیں اللہ کے ہاں کسی کی کوشش ضائع نہیں ہے۔
 اگر عذاب میں گرفتار رکھے جائیں تو یہ اس کا عدل ہے یا انعامات میں ہوں تو یہ اس کا فضل ہے وہی کویم
 سننے والا ہے۔

حق السائلین کا جواز بحق نیک کا عدم جواز | آخر حق السائلین کے ساتھ دعا کرنا کیونکر جائز ہے جبکہ بحق نیک کے ساتھ دعا کرنا ناجائز ہے ان دونوں میں جو فرق ہے اسے سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ بحق السائلین: ترکیب میں دعا کرنے والا اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ اے اللہ! تو نے سوال کرنے والوں سے وعدہ کر رکھا ہے کہ ان کا سوال پورا کیا جائے گا پس میں بھی ان ساتلین میں سے ہوں تو میری دعا قبول فرمائیے لیکن بحق فلاں ترکیب میں اگرچہ اس کا اللہ تعالیٰ پر حق ہے اس لئے کہ خدا کے وعدے سچے ہیں لیکن اس میں اور سائل کی دعا کے قبول کرنے میں کچھ مناسبت نہیں ہے گویا کہ دعا کرنے والوں کو مناسبت ہے چونکہ فلاں تیرا نیک بندہ ہے اس لئے میری دعا قبول فرما ان میں کچھ مناسبت نہیں لہذا اس کو دعا میں زیادتی

کچھ جلتے گا جس سے دعا کا ٹیلا ہے ارشاد ربانی ہے ادا عوار یکھر تضرعاً و خفياً انہ لا یحب المقتدین (الاعراف ۵۵) (بے شک وہ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا) خیال رہے اس قسم کی دعائیں اپنی ایجاد ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تو کچھ صحابہ کرام، تابعین، ائمہ سے بھی ثابت نہیں اس قسم کی دعائیں تعویذات مندوبہ وغیرہ بھی لکھی جاتی ہیں کا ہی قسم کے لوگوں سے اس قسم کی دعاؤں کا ذکر آتا ہے حالانکہ دعا افضل عبادت ہے عبادت کی بنیاد کتاب و سنت اور اتباع پر ہے خواہشات اور بدعات پر نہیں ہے۔ اگر بحق فلاں سے مقصود اللہ کی قسم مراد ہے تو یہ بھی ناجائز ہے اس لئے کہ مخلوق کی قسم اٹھانا ناجائز ہے چر جائیکہ اللہ پر اس قسم کی قسم اٹھائی جائے ارشاد نبوی ہے: جس نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی اس نے شرک کیا (مسند احمد حاکم)

ائمہ ثلاثہ کا مسلک

ایمہ ثلاثہ کا مسلک | امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد کا مسلک یہ ہے دعا کرنے والے انسان کا بحق فلاں کرنا مکروہ ہے ہاں امام ابو حنیفہ، امام محمد تو (معتقد العز من عرشک) کے توسل کو بھی مکروہ جانتے ہیں جبکہ امام ابو یوسف کے ہاں یہ مکروہ نہیں ان کے ہاں اس کے جوائزہ پر ایک اثر موجود ہے اسی طرح بجاہ فلاں والتوسل بالانبیاء والرسول والا و لیا عر الفاظ کے ساتھ بھی دعا کرنا مکروہ ہے۔ مقصود اس توسل سے یہ ہے کہ چونکہ فلاں انسان کا آپ کے ہاں مرتبہ ہے اس کو وجاہت حاصل ہے تو اس کے شرف کے وساطت سے جاری دعا قبول فرما۔

صحابہ کرام کا معمول تھا کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ تھے تو وہ آپ کی خدمت میں جاتے آپ سے دعا کرتے آپ دعا کرتے صحابہ آمین کہتے جیسا کہ ناذ استفاد میں مروی ہے جب آپ فوت ہو گئے تو خلافت فادتی میں حضرت عمر استخار کے لئے نکلتے ہیں تو حضرت عباس کو ساتھ لے کر چلتے ہیں دعا کرنے ہیں اے اللہ! جب ہم قحط سالی میں مبتلا ہوتے تھے تو ہم آپ کے ہاں اپنے پیغمبر کا وسیلہ لاتے تھے اب ان کی وفات کے بعد ہم نبی کے چچا کا وسیلہ لاتے ہیں وہ ہماری دعا کریں گے اور شفاعت فرمائیں گے یہی صحابہ کرام سے نہ تو کسی قسم کا واسطہ دیا نہ کسی کی جاہ کا واسطہ پیش کیا اگر جاہ و منزلت کا واسطہ پیش کرنا جائز ہو تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جاہ تو بر حال حضرت عباس کی جاہ سے زیادہ تھی تو آپ کی جاہ کا توسل اختیار کرتے۔

ابتداءً اتباع سنت، محبت، ایمان باللہ ایمان بالانبیاء و تصدیق بالانبیاء کا توسل اختیار کر کے دعا مانگنا احسن طریق ہے

لیکن کسی دوسرے انسان کی شخصیت کا تو تسل اگر وہ زندہ ہے تو اس سے دعا کروانا جب کہ وہ آپ کا دوست ہے غیر خواہ ہے جائز ہے اگر وہ زندہ ہے لیکن آپ اس سے دعا نہیں کروا سکتے بلکہ اس کے ساتھ آپ کو جو محبت اور عقیدت ہے آپ اس کا واسطہ دے کر دعا کرتے ہیں تو یہ کمزور ہے اور اس سے رد کا گیا ہے۔

نیک اعمال کے ساتھ شفاعت | صحیح حدیث میں ہے تین انسانوں نے ایک غار میں پناہ لی تو غار کے منہ پر پتھر آگیا جس سے غار کا منہ بند ہو گیا تو انہوں نے اپنے اعمال صالحہ کا تو تسل اختیار کیا اللہ میں سے ہر ایک نے کہا اگر میں نے یہ نیک کام تیری رضا کے لئے کیا ہے تو ہمیں اس مصیبت سے نجات فرما چنانچہ پتھر غار کے منہ سے الگ ہو جانا ہے وہ غار سے باہر نکل آئے (بخاری، مسلم) پس ان تینوں نے نیک اعمال کا وسیلہ پیش کر کے دعا کی ہے حیاں ہے اعمال صالحہ بہت بڑا وسیلہ ہیں اللہ پاک ایمان والوں اور نیک اعمال کرنے والوں کی دعا قبول کرتا ہے مزید اپنے فضل سے تو ازلتا ہے شفاعت عند اللہ اور شفاعت عند الناس میں نمایاں فرق ہے کسی انسان کے پاس شفاعت کرنے والا جیسا کہ وہ درخواست گزار کی شفاعت کرتا ہے اسی طرح درخواست گزار اس سے بھی درخواست کر رہا ہے گو یا کہ مطلوب منہ اب ایک نہیں دو ہیں اگر اللہ کے ہاں شفاعت کرنے والے کو سمجھا جائے کہ وہ بھی طالب کا مطلوب منہ ہے تو اس لحاظ سے مطلوب منہ دو ہو جائیں گے جب کہ اللہ تنہا ہے کوئی اس کو جوڑا نہیں کر سکتا معلوم ہوا اللہ کے ہاں اس کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کی شفاعت نہیں کر سکتا تمام امور اس کے ہاتھ میں ہیں کسی لحاظ سے اس کا کوئی شریک نہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سید الشفاء ہیں آپ قیامت کے روز جب سجدہ میں گریں گے اللہ کی حمد و ثنا کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ سے کہیں گے آپ اپنا سراٹھائیں کہیں آپ کی بات سنی جائے گی سوال کریں آپ کا سوال پورا ہو گا شفاعت کریں آپ کی شفاعت قبول ہوگی آپ محمد و تعداد کو جنت میں داخل فرمائیں گے جن کا تعین اللہ پاک کی جانب سے ہو گا اس لئے کہ تمام امور اللہ کے ہاتھ میں ہیں ارشاد باری ہے قد ان الامر کذلک (آل عمران ۱۵) کہ دوسرے شک تمام معاملات اللہ کے لئے ہیں نیز فرمایا (یونس ۱۰۱) من الامر شیء لاکل امران (۱۲۸) آپ کو کسی امر میں اختیار ہے (نیز فرمایا) (اللہ الخلق والامر) خبردار اس کے لئے ہی پیدا کرنا اور حکم دینا ہے) پس اللہ کے ہاں اس کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کی شفاعت نہیں کر سکتا البتہ جب شفاعت کرنے والے کی شفاعت قبول ہو جاتی ہے تو اس سے اس کی عند اللہ عزت و قبولیت کا پتہ چلتا ہے ارشاد نبوی ہے: آپ شفاعت کریں آپ کو ثواب حاصل ہو گا ہاں اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کی زبان پر بھی جو چاہتا ہے فیصلہ فرماتا ہے (بخاری، مسلم)

نیز صحیح روایت میں ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے عبد منات! میں تمہارے لئے اللہ سے کسی چیز کا حق نہیں رکھتا ہے صغیر رسول اللہ کی پھوپھی! میں تیرے لئے بھی اللہ سے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں اسے عباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا میں تیرے لئے اللہ سے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں (مسلم) نیز صحیح روایت میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میں تم میں سے کسی شخص کو اس حالت میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر ادھڑ ہو جو آواز دے رہا ہو یا بکری آواز دے رہی ہو یا کپڑے حرکت کر رہے ہوں وہ کچھ گلاب میری مدد فرمائیں! آپ میری مدد فرمائیں۔ میں جواب دوں گا میں نے تو اللہ کا پیغام پہنچا دیا تھا میں تیرے لئے اللہ سے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں (بخاری، مسلم)

پس جب تمام مخلوق کے سردار اور سید الشفعا اپنے خاص قریبی و شہداء و اولادوں سے کہتے ہیں میں تمہارے لئے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا تو بغیر کیا حال ہے اور یہ بھی مزید یہ نہیں کہ دعا کرنے والے کی دعا قبول ہو اور شفاعت کرنے والے کی شفاعت قبول ہو یعنی جس طرح مخلوق کی مخلوق کے ہاں شفاعت مؤثر ہوتی ہے ضروری نہیں کہ اللہ کے ہاں بھی شفاعت کرنے والے کی شفاعت مؤثر ہو اللہ پاک سے بہت بلند ہے وہی ہے جس نے ایک کو دعا مانگنے والا بنایا ایک کو شفاعت کرنے والا بنایا وہی تمام بندوں کے افعال کا عاقل ہے وہی ہے جس نے کسی کو توبہ کی توفیق دی پھر اس کی توبہ قبول کی وہی ہے جس نے عمل کرنے کی توفیق بخشی پھر اس پر ثواب دیا وہی ہے جس نے دعا کرنے کی توفیق عطا کی پھر اس کو ثمرت قبول بخشا۔

اہل سنت تقدیر پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ سیدھے دلوں پر گامزن ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ہے۔

(ط) وہ وعدہ ہوا اللہ تعالیٰ نے آدم اور اس کی اولاد سے لیا یہ حق ہے۔

(ش) اور شاد دہائی ہے (واذا اخذ دیک من بنی آدم من ظہور ہم ذریتہم ذوا شعہم علیٰ نفسہم استیریکم قالوا بلیٰ شہدنا ان تقووا یوم القیمۃ اننا کننا من ہذا عاقلیں الاعراف ۱۷۲) اور جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی ان کی پیشگوئوں سے ان کی اولاد نکالی تو ان کے عہد ان کے سامنے اقرار کروایا (یعنی ان سے پوچھا کہ) کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں وہ کہنے لگے کیوں نہیں ہم گواہ ہیں کہ تو ہمارا پروردگار ہے) (یہ افراد اس لئے گواہ یا عاقل کہ قیامت کے دن (کہیں یوں نہ) کہنے لگو کہ ہم کو اس کی خبر ہی نہ تھی)۔ اللہ پاک نے بتایا کہ اس نے اولاد آدم کو ان کے آباء کی پشتوں سے نکالا وہ گواہی دے رہے تھے کہ اللہ ان کا رب اور ان کا باپ و شام ہے اور اس کے سوا ان کا کوئی معبود نہیں اس معنوں کی احادیث مروی ہیں جو میں یہ ذکر بھی ہے کہ دائیں جانب والوں کو دائیں جانب اور بائیں جانب والوں کو بائیں جانب کر دیا احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابن عباسؓ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا: عرفہ کے دن لعنان دادی میں اللہ نے حضرت آدمؑ کی پیٹھ سے تمام اولاد نکال کر انہیں اپنے سامنے پھیلا کر بالمشافہ ان سے کلام کرنے، بوئے وعدہ لیا کیا میں تمہا طلب نہیں ہوں سب نے اثبات میں جواب دیا (نسائی، ابن جریر، ابن ابی حاتم، مستدرک حاکم۔ حاکم نے کہا سند صحیح ہے)

حضرت عمرؓ سے اس روایت کے بارے میں دریافت کیا گیا انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ سے بھی اس روایت کے بارے میں سوال ہوا تھا آپ نے فرمایا ہے شک اللہ نے حضرت آدمؑ کو پیدا فرمایا پھر اس کی پشت پر اپنا داہنا ہاتھ پھیر کر اس سے اولاد کو نکالا اور فرمایا میں نے ان کو جنت کے لئے پیدا کیا ہے ان کے عمل بھی جنتیوں والے ہوں گے پھر کر پھر ہاتھ پھیرا اس سے اولاد کو نکالا فرمایا میں نے ان کو دوزخ کے لئے پیدا کیا ہے یہ دوزخیوں والے کام کو ہی گئے۔

ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ! تو عمل کی کیا مزدور ہے آپ نے فرمایا ہے شک اللہ نے جس بندے کو جنت کے لئے پیدا فرمایا ہے اس سے اعمال بھی جنتیوں والے کرنا ہے یہاں تک کہ وہ جنتیوں کے عمل پر فوت ہوا تو اس کو جنت میں داخل کیا اور جب کسی بندے کو دوزخ کے لئے پیدا کیا تو اس سے اعمال بھی دوزخیوں والے کرنا ہے یہاں تک کہ وہ دوزخیوں کے عمل پر فوت ہوا تو اس کو دوزخ میں داخل کیا گیا۔ (صحیح ہے) (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ابی حاتم، ابن جریر، صحیح ابن حبان)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو پیدا فرمایا اس کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو اس کی پشت سے وہ دو جین نکلیں جو ان کی اولاد سے قیامت تک پیدا ہونے والی خفیں ہیں تمام انسانوں کی آنکھوں کے درمیان روشنی کی چمک پیدا فرمائی پھر ان کو حضرت آدمؑ پر پیش کیا، حضرت آدمؑ نے سوال کیا اے رب! یہ کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ آپ کی اولاد ہے ان میں سے ایک انسان کی آنکھوں کے درمیان چمک نے حضرت آدمؑ کو تعجب میں ڈالا، حضرت آدمؑ نے سوال کیا اے رب! یہ کون ہے فرمایا یہ آپ کا بیٹا داؤد ہے، حضرت آدمؑ نے سوال کیا اے رب! اس کی عمر کتنی ہے؟ اللہ نے فرمایا اس کی عمر ساٹھ سال ہے حضرت آدمؑ نے کہا اے رب! اس کی عمر میں میری عمر سے چالیس سال کا اضافہ کر دو مجھے تو جب حضرت آدمؑ کی عمر اٹھتھام کو پہنچی تو اس کے پاس ملک الموت آیا حضرت آدمؑ نے کہا میری عمر سے ابھی چالیس سال باقی نہیں ہیں انہیں جواب دیا گیا آپ نے وہ عمر اپنے بیٹے داؤد کو نہیں دی تھی مددی بیان کرتے ہیں حضرت آدمؑ نے انکار کیا تو اس کی اولاد نے بھی انکار کیا حضرت آدمؑ بھول گئے اس کی اولاد بھی بھول گئی حضرت آدمؑ نے خطا کی تو اس کی اولاد نے بھی خطا کی (ترمذی حدیث حسن صحیح ہے) (حاکم اس نے کہا حدیث صحیح مسلم کی شرط پر ہے)

انس بن مالک بیان کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ کو قیامت کے دن کہا جائے گا اگر تجھے زمین کی کسی چیز پر ملکیت دی جائے کیا تو اس کا قدر دینے کے لئے تیار ہے وہ اثبات میں جواب دے گا اللہ پاک فرمائے گا میں نے تجھ سے اس سے معمولی چیز کا مطالبہ کیا تھا میں نے تجھ سے جب تو آدم کی پیٹھ میں نقاد وعدہ لیا تھا کہ تو نے میرے ساتھ شرک نہیں کرنا ہو گا لیکن تو نے میرے ساتھ شرک کیا (بخاری، مسلم) ان کے علاوہ کثیر احادیث ہیں جو اس بات پر دال ہیں کہ اللہ نے آدم کی اولاد کو اس کی پشت سے نکالا اور دوزخیوں جنتیوں کے درمیان امتیاز کیا بیسی بیسی بعض لوگ استدلال کرتے ہیں کہ ارواح کی تخلیق اجسام سے پہلے ہوئی لیکن یہ آئنا ارواح کے تقدم یا اجسام پر دال نہیں ہیں کہ کس کو ایسا تقدم حاصل ہے جو ثابت ہے زیادہ سے زیادہ ان کی دلالت اس بات پر ہے کہ ان کو پیدا کرنے والے اللہ پاک نے ارواح کو اشکال عطا کیں پھر ان کی پیدائش ان کے مشاغل اور ان کی اہل کو مقدر فرمایا اور مادہ سے صورتوں کا استخراج کیا پھر اس کی طرف ان کا اعادہ کیا اور ہر فرد کے سکھنے کا وقت مقرر کیا بیسی یہ بات درست نہیں کہ تمام ارواح کی تخلیق ایک ہی جگہ میں ہوئی ہو انہیں استغراق حاصل رہا ہوا ہے وہ ہمیشہ موجود رہے ہیں اور ان میں قوت نطق موجود رہی پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں اجسام کی طرف تدریجی طور پر بھیجا جیسا کہ ابن حزم کا خیال ہے اور آثار بھی اس پر دال نہیں ہیں ہاں اللہ پاک جملہ ارواح سے تدریجی طور پر بعض ارواح کو پیدا فرماتا رہتا ہے جیسا کہ تقدیر میں لکھا ہوا ہے پس خارج اور واقع میں جو کچھ پیدا ہوتا رہتا ہے وہ سابق تقدیر کے مطابق ہے تمام کائنات کے بائیس میں اللہ پاک کا یہی طریق ہے اللہ پاک نے سب کی ہیئت، صفات، افعال اور تقادیر کا تعین فرمایا پھر طے شدہ تقدیر کے مطابق انہیں صورت و وجود میں ظاہر کیا پس ذکر کردہ آئنا تو سابق تقدیر پر دال ہیں اور بعض اس پر دال ہیں کہ اللہ پاک نے ان کی صورتوں کا استخراج کیا اور سعید و گول کا بدست لوگوں سے امتیاز کیا اور ان پر گواہی کا ذکر و حدیثوں میں موجود ہے جو حضرت ابن عباس اور حضرت عمرؓ سے موقوف نامروی ہیں۔

اس لئے متقدمین، متاخرین اس بات کے قائل ہیں کہ اس شہاد سے مراد دراصل ان کی فطرت سلیمہ ہے جو توحید کی منقاضی ہے سابقہ اوراق میں اسی آیت کے تحت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں مفسرین کا کلام گزر چکا ہے اور (شہدنا) کا معنی یوں ہے (کہوں نہیں ہم نے گواہی دی کہ تو ہمارا رب ہے) یہ قول ابن عباس اور انی کا ہے نیز ابن عباس سے مروی ہے کہ ان کے بعض نے بعض پر گواہی دی بعض نے کہا (شہدنا) فرشتوں کا قول ہے لفظ تجلی پر توقف ہے یہ قول مجاہد اور ضحاک کا ہے نیز سدی نے کہا یہ اللہ کی جانب سے اس کے نفس اور اس کے فرشتوں کی طرف سے ہے کہ انہوں نے بزادہ کے اقراء پر گواہی دی پہلا معنی واضح ہے دیگر معانی محتمل ہیں جن پر دلیل نہیں ہے نیز ظاہر آیت پہلے معنی پر شاہد ہے۔

خیال رہے امام ثعلبی، بقوی مفسرین نے صرف اس کا قول ذکر کیا ہے کہ اللہ نے آدم کی اولاد کو اس کی پشت سے نکالا پھر ان پر ان کو ہی گواہ بنا یا پھر ان کا اعادہ کیا نہ مختصری و نیزہ نے اس قول کا ذکر نہیں کیا اس کے بجائے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے اپنی ربوبیت، وحدانیت پر دلائل بیان فرمائے ان کی عقلوں نے اس پر گواہی دی لیکن واحدی، لازمی، قرطبی نے دونوں قول ذکر کیے ہیں علامہ رازی نے پہلے قول کو اہل سنت کی طرف منسوب کیا ہے جب کہ دوسرے قول معتزلہ کا ہے۔ کچھ شیعہ نہیں کہ آیت مذکورہ پہلے قول پر دال نہیں ہے بعض روایت میں یہ ذکر نہیں کہ اللہ نے ارواح کو آدم کی پشت سے نکالا بلکہ روایت میں صرف اس قدر وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارواح کو بنو آدم کی پیٹھوں سے نکالا ہاں بعض احادیث میں ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارواح کو نکالنے نیز جنت دوزخ کی جانب لے جانے کا بھی ذکر ہے جیسا کہ حضرت عمر سے مروی حدیث میں اس کا ذکر ہے بعض احادیث میں ارواح کو نکالنے اور آدم کو دکھانے کا ذکر ہے، ان میں اشہاد اور فیصلہ کا ذکر نہیں ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ سے مروی حدیث میں اس کا ذکر ہے پہلے قول کا ذکر حضرت ابن عباس اور عمر سے مروی حدیث میں موجود ہے لیکن محدثین نے اس حدیث پر جرح کی ہے سوائے حاکم کے کسی محدث کا خیال رکھنے والے امام نے اس حدیث کا ذکر نہیں کیا ہے جب کہ حاکم کا نسخا اہل مشہور ہے۔

جس حدیث میں ذکر ہے کہ بعض کو جنت اور بعض کو دوزخ کی جانب بھیجا جائے گا اس سے مسئلہ تقدیر کا اثبات ہوا ہاں یہ نیز اس کے شواہد بھی کثیر ہیں اور اہل سنت میں اس کے بارے میں کچھ اختلاف نہیں ہے اس میں صرف فقہیہ مخالفت کرنے والے ہیں جو باطل پر ہیں اور ان کی بدعات عام ہیں۔

پہلے قول میں اہل سنت متقدمین، متاخرین کا اختلاف ہے اگر اختصار و طوطا ملاحظہ ہو تا تو میں اس کے موافق احادیث کا بسط سے ذکر کرتا نیز اعتراضات، معانی معقولہ اور روایت کی دلالت کا تفصیل سے ذکر کرتا۔

امام قرطبی کی وضاحت

امام قرطبی نے اس آیت کو مشکل قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ علماء نے اس آیت کی تاویل میں شدید اختلاف کیا ہے ہم اپنے علم کی حد تک وضاحت کرنے ہیں ایک فرقہ نے کہا آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کے یعنی بعض کو بعض کی پشت سے نکالا اور اشہاد سے مقصود ان کی توجہ کی جانب راہ نمائی کرنا ہے اس لئے کہ ہر بالغ عاقل فطرثاً جانتا ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو پاک ہے پس راہ نمائی اشہاد کے قائم مقام ہے۔ جیسا کہ آسمانوں زمین کے بارے میں ارشاد ربانی ہے (قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا) انہوں نے کہا ہم بخوشی آتے ہیں نیز امام قفال کا مسلک بھی ہے۔

دوسرے فرقہ کا قول یہ ہے کہ اللہ پاک نے اجسام کی تخلیق سے پہلے ارواح کو نکالا پھر ان میں معرفت کو ودیعت فرمایا جس سے وہ اللہ تعالیٰ کے خطاب کو سمجھ سکیں اس کے بعد علامہ قرطبی نے اس مسئلہ میں مروی احادیث

کا ذکر کیا ہے البتہ پہلے قول کی صحت پر حضرت انس سے مروی حدیث دال ہے جو بخاری، مسلم میں مذکور ہے جس میں یہ بھی مذکور ہے کہ میں نے مجھ سے اس سے بھی معمولی کام کا مطالبہ کیا یعنی میں نے مجھ سے وعدہ لیا جب تو آدم کی بیٹہ میں تھا کہ تو نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا ہو گا بیٹکی تو شرک پر ڈٹ گیا۔ ایک دوسرے طریق سے مروی ہے کہ میں نے مجھ سے نہایت معمولی اور انسان کام کا مطالبہ کیا بیٹکی تو نے اس کو پورا نہ کیا تو اسے دوزخ لے جایا گیا عیال رہے کہ اس حدیث میں آدم کی پشت کا ذکر نہیں ہے نیز پہلی روایت میں احوال کو آدم کی پشت سے نکالنے کا اس طرح ذکر نہیں ہے جس طرح پہلے قول والوں نے اس کا ذکر کیا ہے پہلا قول دو عجیب باتوں کو منضمی ہے اولاً اس میں ہے کہ لوگوں نے کلام کیا ایمان کا اقرار کیا اسی اقرار کی وجہ سے قیامت کے دن ان پر حجت قائم ہوگی ثانیاً آیت اس پر دال ہے حالانکہ اس کے نہ دلالت کرنے کے ہمارے پاس چند اسباب ہیں۔

سبب اول: اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کہا آدم تمہیں کما سبب ثانی، اللہ نے من ظہور ہر فرمایا من ظہور نہیں فرمایا یہ بدل بعض یا بدل اشتغال ہے اس کے احسن ہونے میں کچھ کلام نہیں۔ سبب ثالث: اللہ تعالیٰ نے جمع کا لفظ ذریات استعمال کیا ہے اس کا واحد ذریتہ استعمال نہیں کیا۔ سبب رابع: اللہ پاک نے ۲۷ شہد ہم علی الخضر کما حالانکہ شاہد کو اپنی شہادت یاد ہوتی ہے کہ وہ اس دنیا کی جانب آنے کے بعد شہادت کو یاد رکھتا ہے جیسا کہ یہ چیز اشارہ نامعلوم ہے۔ سبب خامس: اللہ تعالیٰ نے بتایا اس اشہاد میں حکمت ان پر حجت قائم کرنا تھا تاہم وہ قیامت کے روز یہ نہ کہیں کہ ہم تو اس سے غافل تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء بھیج کر ان پر حجت قائم کی نیز فطرت سلیمہ بھی حکمت ہے ارشاد ربانی ہے: **رسلنا مبشرون و منذرین لعلنا یکون للناس علی اللہ حجتہ** بعد الرسل (النساء ۱۶۵) (سب) پیغمبروں کو (خدا نے) خوشخبری سناتے والے اور ڈھٹے والے (بنا کر بھیجا تھا) تاکہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کو خدا پر الزام کا موقع نہ رہے۔ سبب سادس: ان کو یاد دلانا تاکہ وہ قیامت کے دن یہ نہ کہیں کہ ہم تو اس سے غافل تھے اور یہ معلوم ہے کہ وہ اپنے آدم کی پشت سے نکالے جائے نیز اس وقت ان تمام کے گواہی دینے سے غافل ہیں چنانچہ اس کا ذکر ان میں سے کوئی بھی نہیں کر رہا ہے۔ سبب سابع: ارشاد خداوندی (اول تقولوا انما اشرکنا باؤنا من قبل و کننا من یثیہ

من بعد ہم الاعراف ۱۷۳) یا یہ (نہ) کہو کہ شرک تو پہلے ہمارے بڑوں نے بھی کیا تھا اور ہم تو ان کی ان کے بعد اولاد تھے اس اشہاد میں دو حکمتوں کا ذکر ہے تاکہ وہ غفلت یا تقلید کا دعویٰ نہ کریں غافل میں شعور میں ہوتا اور مقلد تقلید میں اپنے غیر کا پیرو کار ہوتا ہے اور ان دونوں حکمتوں کا ترتیب صرف ان چیزوں پر ہے جن

لے مسلم

پہلے پیغمبروں سے دلیلیں پیش کی ہیں مزید فطرت سیدہ کا بھی اس پر اٹھنا ہے۔

سبب ناسخ: ارشاد ربانی ہے: ﴿اَقْتُلْهُمْ لَکِنَّا بِمَا قَعَلُوا لَیْسَ بِکُمْ مِنْهُمْ﴾ ان کے انکار اور شرک پر انہیں دھکایا جا رہا ہے یعنی اللہ پاک انہیں اس لئے تباہ و برباد کرنا ہے کہ وہ رسولوں کی مخالفت بلکہ ان کی تکذیب کرتے ہیں نیز اللہ پاک نے بتایا کہ وہ معتبدین کو ظلم کے ساتھ برباد نہیں کرتا جب کہ مسلمانوں والے غافل ہوتے ہیں ان کو رسولوں کے بھیجے اور معذور گردانتے کے بعد ہلاک کرتا ہے۔

سبب ناسخ: اللہ پاک نے ہر ایک کو اس کے نفس پر گواہ بنایا کہ وہ اس کا رب اور خالق ہے اس پر اس آیت سے استدلال کیا ہے جس کا ذکر متعدد مقامات میں ہے ارشاد ربانی ﴿وَلَعِنَ سَائِغَ لَہُمْ مِنْ خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ لَیَقُولُنَّ اَللّٰہُ لَقَدْ اَنۡزَلَ ۲۵﴾ اگر تو ان سے دریافت کرے کہ آسمانوں اور زمین کا کون خالق ہے تو وہ کہیں گے اللہ (خالق) ہے یہ وہ دلیل ہے جس سے ان پر اٹھنا ہے پھر پیغمبروں نے اس کی یاد دہانی بھی کرائی ارشاد ربانی ہے اِنِّیْ اَللّٰہُ شَکَّ فَاطَرُ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ (براہیم ۱۰) کیا اللہ میں شک ہے، جو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے) سبب عاشر: اللہ پاک کی آیات اپنے دلوں پر واضح دلالت کرتی ہیں ارشاد ربانی ہے وَکَذَٰلَکَ نَقُصُّ ۲ لَاٰیَاتٍ وَلَعَلَّہُمْ یَرْجِعُوْنَ الْاَعْرَافَ ۴۴) اسی طرح ہم آیتوں کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تاکہ وہ لوٹ آئیں۔ نیز اس کا تعلق فطرت کے ساتھ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا فرمایا اللہ کے خلق میں کچھ تبدیلی نہیں کہ ہرچیز فطرت پر پیدا ہوتا ہے یہ ایسی چیز ہے جس سے خارج ہو گیا ہے اس میں تغیر تبدیل نہیں ہو سکتا نیز اس کا ذکر پہلے اشارۃً بھی ہو چکا ہے

ابن عطیہ وغیرہ نے آیت کا معنی سمجھا لیکن وہ خوفزدہ ہو گئے کہ کس طرح ان احادیث صریحہ کی مخالفت کی جائے جس میں مذکور ہے کہ اللہ نے ان کو نکالا اور ان کو ان کی جانوں پر گواہ بنایا پھر ان کا اعادہ کیا نیز اسی طرح شیخ ابو منصور ماتریدی نے ان دونوں اقوال کو شرح التاویلات میں ذکر کیا دوسرے قول کو ترجیح دی اس پر مزید بحث کی جس سے ان کے میلان کا پتہ چلتا ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرنا فطری امر ہے اور شرک بعد

دین اسلام دین عقل اور علم ہے

پسند کرتی ہے چنانچہ قیامت کے دن جب وہ معذرت پیش کریں گے کہ ہم نے اس لئے شرک کیا کہ ہمارے باپ دادا شرک کرتے تھے ہم ان کے رسم و رواج پر چلتے رہے (جیسا کہ عام طور پر لوگ کھانے پینے لباس و ہائش وغیرہ میں اپنے ماہر باپ کی بود و باش کو پسند کرتے ہیں) تو ان سے کہا جائے گا بھلا تم صانع کا اقرار کرتے ہو تو نیز تم مانتے ہو کہ اللہ تمہارا رب ہے اس کا کوئی شریک نہیں تم نے یہ گواہی اپنی جانوں پر دی ظاہر ہے کہ اکوئی کی گواہی اس

کے نفس پر یہی توبہ کہ وہ اس کا اقرار کرے ارشاد ربانی ہے (یا ایہا الذین امنوا کو نوا توبوا میں بالقسط شہداً علی اللہ وعلیٰ انفسکم الفساد ۱۳۵) اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور خدا کے سلعے بھی گواہی دو خواہ (اس میں) تمہارا انقصان ہی ہو) اس سے یہ مقصود نہیں کہ انصاف کے میں اپنے آپ پر گواہی دیتا ہوں بلکہ جس شخص نے بھی کسی چیز کا اقرار کیا تو اس نے اپنے نفس پر گواہی دی پس تم اس معرفت اور اقرار کو چھوڑ کر شرک کی جانب کیوں چلے گئے اور ایک معلوم متین چیز چھوڑ کر کیوں ایسی چیز کی طرف چلے گئے جس کی حقیقت ہی معلوم نہیں تم نے بلا حدیں تقلید کی ہاں اگر تم عادات دنیوی میں اپنے ماں باپ کے پیچھے چلتے رہے تو اس میں تمہیں فائدہ تھا کچھ نقصان نہ تھا لیکن شرک کے بارے میں تمہیں معرفت حاصل تھی اور تم نے اپنے آپ پر گواہی دی کہ شرک میں فساد ہے اور شرک سیدھے راہ سے پھیر دیتا ہے۔

اس مسئلہ کو ایک مثال سے سمجھنے کی کوشش کریں ایک بچہ اپنے ماں باپ کی تربیت میں نشو و نما پاتا ہے وہ ان سے دنیوی مفادات حاصل کرنے کے طریقے سیکھتا ہے اسی طرح دین کے بارے میں بھی بچہ اپنے ماں باپ کے ساتھ ہوتا ہے اس لئے شریعت میں ہے کہ بچہ اپنے ماں باپ کے دین پر ہونا ہے عدم بلوغت کے عرصہ میں اگر وہ اسلام قبول نہیں کرتا تو کچھ مضائقہ نہیں بلوغت کے بعد جب بچہ عقل و شعور والا ہوتا ہے تو اس وقت اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ دین اسلام و دین عقل اور علم کو اختیار کرے اگر عقل کے ساتھ اس دین پر غور کرے گا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ دین اسلام ہی اصل دین ہے جو عقل کے عین مطابق ہے اگر ماں باپ ہدایت یافتہ ہیں تو بہت اچھا ہے جیسے حضرت ابوسف نے اپنے آباء کے دین پر ہونے کا اقرار کیا ارشاد ربانی ہے (تبع ملة اباؤی ابراہیم واسحاق و یعقوب یوسف ۲۸) میں نے اپنے باپ ابراہیم، اسحاق، یعقوب کے دین کی اتباع کی ہے) نیز حضرت یعقوب کو ان کے بیٹوں نے کہا (تعبد الہک والہم باعزک ابراہیم واسماعیل واسحاق) (ایقرہ ۱۳۳) ہم تیرے خدا اور تیرے باپ ابراہیم، اسماعیل، اسحاق کے خدا کی عبادت کریں گے) لیکن اگر اس کے ماں باپ پیغمبروں کے مخالف ہیں تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ پیغمبروں کا اتباع کرے ارشاد ربانی ہے (و وصینا الانسان بوالدیسہ حسنا وان جاهدک لتشرک فی مالیس لک بہ علم فلا تطعہما) (النسکوت ۸) اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا (اے مخاطب) اگر تیرے ماں باپ تیرے واسطے ہوں تو تیرے ساتھ کسی کو شریک بنانے جس کی حقیقت کی تجھے واقفیت نہیں تو ان کا کہنا نہ مانو)

پس جو شخص بلا بعیرت اپنے باپ دادا کے دین کی اتباع کرتا ہے راہ حق سے اعراض کرتا ہے وہ

اپنی خواہش کی اتباع کرتا ہے ارشاد باری ہے (وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا الْفِئْتَانُ عَلَيْهِ أَتَابَعْنَا وَلَوْ كَانَ إِلَّا يَدُ هَمٍّ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ (البقرہ ۱۷۰) اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اس کتاب کی پیروی کرو جس کو اللہ نے نازل کیا تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس دین کی پیروی کرتے ہیں جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا بھلا اگر ان کے باپ دادے کسی چیز کا عقل نہیں رکھتے تھے اور وہ ہدایت والے تھے تو ان کے پیچھے چلتے دیں گے)

اس طرح اکثر لوگوں کا حال ہے جو اسلام پر پیدا ہوتے ہیں اپنے باپ دادا کی اتباع کرتے ہیں جو بھی ان کا اعتقاد اور مذہب ہوتا ہے اگرچہ غلط کیوں نہ ہو وہ اپنی بصیرت کے مطابق نہیں چلتے یہی وہ شخص ہے کہ جب اس سے خبر میں سوال ہوگا کہ تیرا رب کون ہے تو کہے گا افسوس افسوس مجھے اس کا علم نہیں میں نے جو کچھ لوگوں سے سنا اسی طرح کہہ دیا۔

یہ ایسا مقام ہے جہاں صاحب بصیرت انسان کے لئے فکر یہ ہے وہ اپنے آپ کی غیر خواہی کرے اسے غور کرنا چاہیے کہ وہ کس فرقہ میں شامل ہوتا چاہتا ہے اگرچہ توفیق دینے والا اعد ہے تاہم توحید فی الالوہیت کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں یہ توفیق انسان میں مرکوز ہے ہر انسان اپنی تخلیق پر غور کرے کہ وہ پہلے باپ کی کمراد بیٹے کی ہڈیوں میں نطفہ تھا پھر یہ نطفہ مقبوض آرام کی جگہ میں جلا گیا جہاں وہ یمن اندھیروں میں ہوتا ہے وہاں کسی کی تدبیر کی اسے ضرورت نہیں بلکہ وہ اس حالت میں ماں باپ سے بھی بالکل پردے میں ہے غور کیجئے یہی نطفہ اگر کسی تختہ پر رکھ دیا جائے اور دنیا کے تمام حکماء اس پر جمع ہو جائیں کہ وہ اس نطفے سے کسی چیز کو پیدا کریں تو انہیں ہرگز قدرت حاصل نہیں اس پر کسی مادی چیز کا کچھ اثر نہیں ہو سکتا ظاہر ہے کہ نطفہ ایک قسم کا بے جان فضلہ ہے جس میں زندگی کا کچھ اثر نہیں نہ اس پر کسی کے فعل اور تدبیر کا کچھ اثر ہے تو جب ماں کے رحم میں نطفہ مختلف حالتوں میں تبدیل ہوتا ہے تو اس سے اللہ کی توحید فی الہیہیت کا پتہ چلتا ہے توحید فی الہیہیت پر غور کرنے سے انسان توحید فی الالوہیت کی طرف پہنچتا ہے جب عقل نے اسے بتایا کہ اس کو پیدا کرنے والا اس کا رب ہے تو پھر کیسے ہاں ہے کہ وہ اپنے رب کی عبادت نہ کرے اور جس قدر وہ زیادہ تفکر، تدبیر کرتا جائے گا اس کے یقین میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا اور اس کی توحید پختہ ہو جائے گی واللہ الموفق لادب غیرہ ولا اللہ سواہ۔

(ط) اللہ پاک کو ہمیشہ سے اس بات کا علم ہے کہ کس قدر تعداد میں لوگ ایک ہی بار جنت میں داخل ہوں گے اور کس قدر تعداد میں لوگ ایک ہی بار دوزخ میں داخل ہوں گے اس تعداد میں کمی زیادتی نہیں ہوگی اس طرح اللہ کو اس بات کا بھی علم ہے کہ لوگ کیا کام کریں گے ؟

(ش) ارشاد ربانی ہے (ان اللہ بكل شیء علیم الانفال ۷۵) بے شک اللہ کو ہر چیز کا علم ہے (بیز ارشاد ربانی ہے) (وکان اللہ بكل شیء علیماً الاحزاب ۸۴) اور اللہ کو ہر چیز کا علم ہے (معلوم ہوا اللہ پاک ازل ابد سے اس صفت کے ساتھ موصوف ہے کہ اس کو ہر چیز کا علم ہے کبھی بھی علم سے قین جہل کا تصور تک بھی نہیں کیا جا سکتا نیز ارب بھولنے والا نہیں ہے۔

حضرت علی بیان کرتے ہیں کہ ہم بفتح الغرقہ قبرستان میں ایک جنازہ میں تھے کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ بیٹھ گئے ہم بھی آپ کے گرد بیٹھ گئے آپ کے پاس ایک چھڑی تھی آپ نے سر جھکایا ہوا تھا چھڑی کے ساتھ زمین کرید رہے تھے تو آپ نے فرمایا جو نفس پیدا ہو چکا ہے اس کا ٹھکانا جنت یا دوزخ لکھا جا چکا ہے نیز اس کا نیک بخت یا بد بخت ہونا بھی لکھا جا چکا ہے اس پر ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ! تو کیا ہم لکھے ہوئے پر بھروسہ نہ کریں اور عمل چھوڑ دیں آپ نے فرمایا جو شخص نیک بخت لکھا گیا ہے وہ نیکوں جیسے عمل کرے گا اور جو شخص بد بخت لکھا گیا ہے وہ بد بختوں جیسے عمل کرے گا پھر آپ نے فرمایا عمل کرو ہر ایک کو اس کی تقدیر کے مطابق توفیق حاصل ہوگی نیک بخت لوگ نیکیاں کریں گے اور بد بخت برا بھلا کریں گے اس کی تصدیق میں آپ نے آیت تلاوت فرمائی (فاما من اعطی و اتقى و صدق یا تحسنىٰ فسنیسرہ لیسویٰ و اما من یخلف و استغیٰ فاکون بالحقسنىٰ فسنیسرہ للعسکرى) مسلم ہیں نیکی جس نے دیا اور تقویٰ اختیار کیا اور جنت کی تصدیق کی ہم اس کو آسانی کی توفیق عطا کریں گے اور جس نے کھل کیا اور بے پرواہ ہوا اور جنت کی تکذیب کی اس کو مشکل کی توفیق دیں گے۔

(ط) ہر شخص کو اسی کام کی توفیق حاصل ہوگی جس کے مقدر میں ہے اور اعمال کا تعلق خاتمہ کے ساتھ ہے اور نیک بخت وہ ہے جو اللہ کی تقدیر میں نیک بخت ہے اور بد بخت وہ ہے جو اللہ کی تقدیر میں بد بخت ہے (ش) حضرت علی کی حدیث اور ارشاد نبوی (کل میسر لما خلق له) ابھی ابھی ان کا ذکر ہوا ہے، نیز حضرت جابر سے روایت ہے مرآتہ بن مالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں ہمارے دین کے واسطے میں بتائیں گویا کہ ہم ابھی پیدا ہوئے ہیں عمل کا تعلق دورِ حاضر کے ساتھ ہے یا اس کی تقدیر میں قلم نہ لکھ دیا ہے یا پھر مستقبل کے ساتھ ہے آپ نے فرمایا میں تقدیر میں قلم نے سب کچھ لکھ دیا ہے، حضرت سراقہ نے کہا پھر عمل کرنے کی کیا ضرورت ہے آپ نے فرمایا عمل کرو ہر شخص کو توفیق اور نافی ہوتی ہے (مسلم، احمد)

حضرت سہیل بن سعد ساعدی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک آدمی بظاہر لوگوں کے سامنے جنتیوں والے کام کرتا ہے حالانکہ وہ دوزخی ہوتا ہے اور ایک آدمی بظاہر لوگوں کے سامنے

دوزخیوں کے کام کرنا نہ ہے حالانکہ وہ جلتی ہو تا ہے (بخاری مسلم) بخاری میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ اعمال کا دار و مدار خاتمہ پر ہے۔

بیز حضرت عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو صادق اور مصدق ہیں انہوں نے ہمیں حدیث سنائی کہ تم میں سے ہر شخص کا اصل مادہ ماں کے رحم میں چالیس دن تک نطفہ کی حالت میں رہتا ہے پھر چالیس روز مجھ خون کی شکل میں رہتا ہے پھر چالیس روز گوشت کے ٹوٹنے کی حالت میں رہتا ہے پھر اللہ پاک اس کی جانب ایک فرشتہ بھیجتے ہیں جو اس میں روح پھونکتا ہے اسے چار چیزوں کے کھنے کا حکم دیا جاتا ہے اس کا رزق، موت، عمل نیز اس کا نیک بخت یا بد بخت ہونا بھی لکھا جاتا ہے پس اس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں بیشک ایک شخص جنتیوں والے عمل کرتا ہے اس شخص اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس پر تقدیر غالب آتی ہے تو وہ دوزخیوں کے عمل کرتے لگتا ہے چنانچہ وہ دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور ایک شخص دوزخیوں والے عمل کرتا ہے یہاں تک کہ اس شخص اور دوزخ کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فرق رہ جاتا ہے تو اس پر تقدیر غالب آجاتی ہے وہ جنتیوں کے عمل شروع کر دیتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے (بخاری مسلم)

اس مضمون کی احادیث اور آثار کثرت کے ساتھ مروی ہیں چنانچہ علامہ ابن عبد البر المنہج میں نقل فرماتے ہیں کہ اس باب میں لوگوں نے کثیر آثار مذکور کئے ہیں نیز متکلمین نے بھی اس میدان میں بہت بحثیں کیں ہیں لیکن اہل سنت کا اتفاق ہے کہ ان آثار پر ایمان لانا چاہیے اور ان کے مطابق اعتقاد بھی ہو اور ہر قسم کا جھگڑا مباحثہ ترک کیا جائے وباللہ العزمہ والتوفیق۔

(ط) تقدیر میں اصل بات یہ ہے کہ یہ اللہ کی مخلوق میں ایک لائق ہے نہ تو تقدیر کا کسی مقرب فرشتے کو علم ہے نہ ہی کسی نبی رسول کو اس کا علم ہے اس مسئلہ میں بحث کرنا گمراہی میں جانا اللہ کی توفیق سے محرومی کا سبب ہے ناکامی کا پیش خیمہ ہے سرکشی کا مقام ہے پس اس مسئلہ میں غور و فکر اور ہر قسم کے وسوسہ سے پرہیز کیا جائے اور درود رہا جائے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تقدیر کے علم کو لوگوں سے لپیٹ لیا ہے اور اس کو مقصود بنانے سے روک دیا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے لا یسل عما یفعل وہم یسلون (الانبیاء ۲۳)

وہ جو کام کرتا ہے اس کی پرکش نہیں ہوگی اور (جو کام یہ لوگ کہتے ہیں اس کی) ان سے پرکش ہوگی۔ پس جس شخص نے سوال کیا کہ یوں کیوں ہے اس نے اللہ کی کتاب کے حکم کا رد کیا اور جس نے کتاب کے حکم کا رد کیا وہ کفار سے ہے۔

ش) مسئلہ تقدیر پر بحث تقدیر اصل میں اللہ کا نام ہے اللہ نے مخلوق کو پیدا فرمایا اسی نے فنا کیا اسی نے فیر کیا اسی نے مالدار بنایا اسی نے مادا اسی نے زندہ کیا اسی نے گمراہ کیا اسی نے ہدایت دی، حضرت علی فرماتے ہیں تقدیر اللہ کا نام ہے ہم اس کو نہیں جان سکتے اس مسئلہ میں لوگوں میں جو اختلاف ہے وہ مشہور ہے۔

اہل سنت کا مسلک اہل سنت اس بات کے قائل ہیں کہ ہر چیز اللہ کی تقدیر کے ساتھ ہے نیز اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کا خالق ہے ارشاد ربانی ہے (۱) انا کل شیء خلقناہ بقدر القدر (۲) یہ حکم نے ہر چیز کو تقدیر کے ساتھ پیدا کیا (نیز فرمایا) (خلق کل شیء فقد کانت تقدیر القرآن ۲) اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کی تقدیر بتائی (۱) لیکن کافر سے اللہ تعالیٰ کفر کا ارادہ کرتا ہے جبکہ اس کو ناپسند کرتا ہے اور نہ اس کو اچھا جانتا ہے یعنی بلحاظ تنکیر بن کے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے بلحاظ دین کے اللہ اس کو پسند نہیں جانتا۔

تقدیر معتزلہ کا مذہب تقدیر معتزلہ کا مذہب اہل سنت کے خلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے تو کافر سے چاہا تھا کہ وہ ایمان لائے لیکن کافر نے کفر چاہا اس تاویل کی انہیں اس سے ضرورت محسوس ہوئی کہ اگر کافر سے اللہ کفر چاہے تو پھر اس کو عذاب میں کیسے گرفتار کرے لیکن وہ جس اعتراض سے بچنا چاہتے تھے اس سے عظیم اعتراض ان پر ہوتا ہے ان کی بیان کردہ دلیل اودان کے مسلک سے تو یہ لازم آتا ہے کہ کافر کی مشیت اللہ کی مشیت پر غالب آگئی یعنی ان کے قول کے مطابق اللہ نے تو کافر سے ایمان چاہا اور کافر نے کفر چاہا لیکن کافر کی مشیت و قورع پند ہو گئی اللہ کی مشیت مغلوب ہو گئی ان کا یہ عقیدہ نہایت فحیح اور بلا دلیل ہے۔

لا کافی سند کے ساتھ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں ان سے کہا گیا کہ ہمارے پاس ایک شخص آیا ہے جو تقدیر کی تکذیب کر رہا ہے حضرت ابی عباس نے کہا مجھے اس کے ہمارے میں بتاؤ وہ کہاں ہے اس عمر میں حضرت ابن عباس نابینا ہو چکے تھے لوگوں نے دریافت کیا آپ اسے کیا کہیں گے؟ فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر مجھے اس پر قدرت حاصل ہو جاتی ہے تو میں اس کا ناک پھوڑ دوں گا اور اگر اس کی گمشدہ میرے ہاتھ آگئی تو میں اس کی گردن توڑ دوں گا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے مجھے بنو فہم قبیلہ کی عورتیں دکھائی دے رہی ہیں جو عذر رج کا طواف کر رہی ہیں مشرک ہیں ان کے چوتڑ حرکت کر رہے ہیں مجھے اسلام میں یہ پہلا شرک نظر آ رہا ہے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ لوگ اس قسم کے برے اعتقادات سے باز آجائیں گے بیان تک کہ ان لوگوں نے اللہ کو اس سے نکال دیا ہے کہ وہ خیر مقرر کرنا

ہے جیسا کہ انہوں نے اللہ کو اس سے نکال دیا ہے کہ وہ شر کو مقدر کرنا ہے۔

نیز حضرت ابن عباس سے منقول ہے: تقدیر دلائل توحید کا ایک نظام ہے جس شخص نے ایک کو ایک مانا اور تقدیر کو جھٹلایا تو تقدیر کو جھٹلانے اس کی توحید کو توڑ ڈالا عمرو بن العیثم بیان کرتے ہیں ہم ایک کشتی میں سوار ہوئے ہمارے ساتھ ایک قدریہ اور ایک مجوسی تھا قدریہ نے مجوسی سے کہا تم مسلمان ہو جاؤ مجوسی نے کہا اللہ اگر ارادہ کرے قدریہ نے کہا اللہ تو ارادہ کرنا ہے لیکن شیطان ارادہ نہیں کرتا مجوسی نے کہا اللہ نے ارادہ کیا اور شیطان نے بھی ارادہ کیا شیطان کا ارادہ پورا ہو گیا تو شیطان قوی رہا پس میں تو اس کے ساتھ ہوں جو قوی رہا ایک اعرابی ایک مجلس میں آیا جس میں عمرو بن عبید بھی تھا اعرابی نے لوگوں سے کہا اے اللہ! تو نے میری اونٹنی چوری ہو گئی ہے تم اللہ سے دعا کرو کہ وہ مجھے واپس دلا دے عمرو بن عبید نے کہا اے اللہ! تو نے ارادہ نہیں کیا تھا کہ اس کی اونٹنی چوری ہو لیکن چوری ہو گئی پس اس پر اس کی اونٹنی واپس کر اعرابی نے کہا مجھے تیری دعا کی ضرورت نہیں اس نے دریافت کیا کیوں؟ اس نے جواب دیا میں ڈرتا ہوں جیسا کہ اس نے ارادہ کیا کہ اونٹنی چوری نہ ہو لیکن چوری ہو گئی اسی طرح وہ ارادہ کرے کہ وہ اس کو لوٹائے لیکن نہ لوٹائی جائے۔ ایک آدمی نے ابو عصام قسطلانی سے کہا مجھے بتاؤ اگر اللہ مجھ سے ہدایت دے کہ لے اوروں سے لے کر ابھی میں مبتلا کر دے پھر وہ مجھے عذاب میں گرفتار کرے تو کیا اس کا انصاف ہو گا ابو عصام نے جواب دیتے ہوئے کہا اگر ہدایت اس کے اختیار میں ہے تو وہ جس کو چاہے اس کا عطیہ دے اور جس سے چاہے اس کو روک لے۔

ارشاد ربانی ہے۔ (دوستنا لا یتنا کل نفس حواہا وکن حق کتاب و سنت سے دلائل) ۱ بقول منی لا ملأ من جہنم من الجنة والناس جمعین ۲ اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت دیدیتے لیکن میری طرف سے یہ بات قرار پالگاہے کہ میں دوزخ کو جہنم اور انسانوں سب سے بھروں گا) نیز فرمایا ر دوشا و ربک لا من من فی الارض کلہم جیسا افاقت نکرة الناس حقاً یکو ذلک من فی الارض ۹۹ اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو جتنے لوگ دین میں ہیں سب کے سب ایمان لے آتے تو کیا تم لوگوں پر زبردستی کرنا چاہتے ہو کہ وہ مومن ہو جائیں) نیز فرمایا وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ ان اللہ کان علما سیکما اللہ اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے ہو مگر وہی جو خدا چاہے بے شک خدا عالم والا حکمت والا ہے۔

۱۲ ضعیف ہے علامہ ابن حجاج جمہول ہے

نیز فرمایا: (من يشأ الله يصلح له من يشأ يجعله على صراط مستقيم) انتم لو جس شخص کو خدا چاہتا ہے گمراہ کرنا ہے اور جس شخص کو چاہتا ہے سیدھے راستے پر دکھانا ہے۔ نیز فرمایا (من يريد الله ان يهديه يسره صدره لا لاسلام ومن يرد الله ان يضلّه يجعل صدره ضيقاً حرجاً كأنما يصعد على السماء) انتم لو جس شخص کو خدا چاہتا ہے کہ ہدایت بخنئے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جب چاہتا ہے کہ گمراہ کرے اس کا سینہ تنگ اور گھٹا ہوا کر دیتا ہے گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے۔

ارادہ اور رضا میں فرق

گمراہی کا اصل سبب یہ ہے کہ ارادہ اور رضا کو مساوی سمجھ لیا گیا ہے چنانچہ جبریتہ قدسہ اس نظریہ کے حامل ہیں پھر ان میں اختلاف رونما ہوا جبریتہ نے کہا تمام امور اللہ کی تقدیر اور فیصلہ کے ساتھ ہیں پس جو کام ہو رہا ہے وہ محبوب اور پسندیدہ ہے قدسہ نے کہا نافرمانیاں اللہ کو پسند نہیں لہذا وہ فقہاء تقدیر میں داخل نہیں ہیں یعنی وہ اللہ کی مشیت اور اس کے خلق سے خارج ہیں حالانکہ فقہاء ارادہ، محبت، مشیت میں کتاب و سنت اور فطرت سلیمہ کے نقضوں کے مطابق فرق ہے مشیت، ارادہ کے تصور کا پہلے ذکر ہو چکا ہے محبت، رضا کے تصور کا ملاحظہ فرمائیں ارشادِ باری ہے واللہ لا يحب المفسد البقوہ اور اللہ فساد کو اچھا نہیں جانتا نیز فرمایا لا یرضی لعبادہ الکفر الزمر، وہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو ناپسند جانتا ہے نیز نمرک، ظلم، فواحش سے منع کرنے کے بعد فرمایا: کل ذلک کان سینہ عند ربک مکروہاً (الاسراء ۲۸) ان سب (عاد توں) کی برائی تیرے پروردگار کے نزدیک بہت ناپسند ہے۔ صحیح حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اللہ نے تمہارے لئے تین چیزوں کو مکروہ قرار دیا فضول بحث، مباحثہ، زیادہ سوال کرنا اور مال کا ضیاع (بخاری، مسلم) نیز سند کے ساتھ ہے بے شک اللہ محبوب جانتا ہے کہ اس کی نعمتوں پر عمل کیا جائے جیسا کہ وہ ناپسند جانتا ہے کہ اس کی نافرمانی کے کام کئے جائیں (مسند احمد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے اے اللہ! میں تیری رضا کے ساتھ تیری نافرمانی اور تیرے عفو کے ساتھ تیری سزا اور تیرے ساتھ تجھ سے پناہ طلب کرتا ہوں (صحیح ابوداؤد) خود کیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی صفت و رضا کے ساتھ اس کی نافرمانی سے اور معافات کے ساتھ اس کے فعل مغفوبت سے پناہ طلب کی ہے اس میں رضا صفت ہے اور نافرمانی سے مراد صفت نہیں بلکہ اس کا اثر مراد ہے پھر ان سب کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مربوط کر دیا ہے یعنی ان تمام کام میں اللہ تعالیٰ و وحدہ کی ذات ہی ہے پس میں جس سے پناہ طلب کرتا ہوں وہ تیری مشیت اور تیرے ارادہ کے ساتھ ہے اور جس کے ساتھ یعنی رضا اور معافات بھی تیری مشیت اور تیرے ارادہ کے ساتھ ہے اگر کہہ دے تو تو اپنے بندے سے لافنی ہو جائے اور اس کو معاف کر دے اور اگر تو چاہے تو تو اس پر نادم

ہو جائے اور اس کو سزا دے، پس ہر اس چیز سے پناہ طلب کرنا جس کو ناپسند جانتا ہوں اور اس کے روکنے کا مطالبہ کرنا کہ وہ مجھ پر اتنے سے یہ بھی تیری مشیت کے ساتھ ہے یقیناً ہر محبوب اور مکروہ تیرے قضا اور تیری مشیت کے ساتھ ہے پس میں تیرے ساتھ تجھ سے پناہ طلب کرتا ہوں اور میرا پناہ طلب کرنا تیری قوت کے ساتھ ہے اور تیری رحمت بھی تیری قوت کے ساتھ ہے اور تیرا عدل اور تیری حکمت بھی پس میں تیرے غیر کے ساتھ تیرے غیر سے پناہ طلب نہیں کرتا ہوں اور نہ تیرے ساتھ ایسی چیز سے پناہ طلب کرتا ہوں جو تیری مشیت کے غیر سے صادر ہو بلکہ وہ تجھ سے ہی ہے پس ان کلمات میں کس قدر توجید معارف، محبوبیت کے خزانے موجود ہیں ان کا علم صرف ان لوگوں کو ہے جو علم، معرفت الہی، معرفت عبودیت میں لاسخ ہیں۔

ارادہ اور رضا میں فرق کیوں؟ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کام کا ارادہ فرمائی لیکن اس پر وہ راضی نہ ہوں اور اس کو پسند نہ کریں کیا اس کا ارادہ اس کے ناپسند جاننے کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اس سوال نے ہی لوگوں کو مختلف ڈبیلوں میں تقسیم کر دیا ہے اور ان میں اختلاف رہنا ہو چکا ہے اس مسئلہ میں غور و فکر کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ارادہ دو قسم کا ہے ایک ارادہ لنفس ہے یہ وہ ارادہ ہے جو اللہ کو محبوب ہے اور اس میں بخلانی ہے دوسرا ارادہ لغیرہ ہے یہ اس کا مقصود نہیں ہے نہ ہی اس میں اللہ کی ذات کی کوئی مصلحت کا درما ہے اس کو مقصود کا وسیلہ کہا جاسکتا ہے پس یہ ارادہ اللہ کی ذات کے لحاظ سے نو مکروہ ہے لیکن فضا کے لحاظ سے مراد ہے اس میں ارادہ اور اس کا بعض دو وزن جمع ہو سکتے ہیں ان میں کچھ منافات نہیں اس لئے کہ ان دو وزن کا حمل الگ الگ ہے اس کو ایک مثال سے سمجھیں مثلاً ایک دو جو بظاہر بدو ارادہ کر دے ہے لیکن اس کے استعمال سے بیماری کا عائد ہوتا ہے اس طرح جسم کا ایک عضو گل گیا ہے اگر اس کو کاٹ کر الگ نہ کیا جائے تو دوسرے اعضاء کے گل جانے کا بھی خطرہ ہے پس بیان بظاہر عضو کا کاٹنا اگرچہ مکروہ ہے لیکن درحقیقت مفید ہے اسی طرح دو دروازہ سفر طے کرنے سے مقصود حاصل ہوتا ہے تو اگرچہ سفر میں مشقت ہے لیکن وہ اس لئے گوارا ہے کہ مشقت اٹھانے کے بعد راحت حاصل ہوگی اور گوہر مقصود حاصل ہوگا تو غفلت انسان مکروہ چیز کو پسند کرنا ہے جب اس کا ظن غالب یہ ہے کہ انجام اچھا ہے اگر انجام اچھے ہونے کا یقین ہے کچھ تحفا نہیں تو بطریق اولیٰ مکروہ کا ارادہ کرے گا۔

پس اللہ پاک ارادہ لغیرہ کرتا ہے اور اس کو مکروہ بھی جانتا ہے دو وزن متضاد نہیں ہیں مکروہ تو محبوب کے حصول کا سبب بھی بنتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو پیدا کیا جو کہ بد اعمالیوں اور فسادات

کا مجموعہ ہے وہ بہت سے بندگانِ عہدِ گمراہی کا سبب بنتا ہے ان کی بد اعمالیوں سے خدا تعالیٰ ناراض ہوتا ہے نیز ابلیس ایسے کاموں میں لگا رہتا ہے جو خدا کو پسند نہیں ہیں لیکن دوسری طرف وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مہلہ کے اثبات کا وسیلہ بھی بنتا ہے یعنی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ متضاد چیزوں کے پیدا کرنے پر قادر ہے اگر وہ انجبت نہیں ذات کے پیدا کرنے پر قادر ہے جو تمام شرور اور فسادات کا منبع ہے تو وہ اثراتِ نریس پاکیزہ بہتر تر۔ ذاتِ حضرت جبریل علیہ السلام کے پیدا کرنے پر بھی قادر ہے جو تمام بھلائیوں کا مجموعہ ہے پس اللہ کی ذات بابرکت ہے جس نے شیطان کو بھی پیدا کیا اور اس کے بالمقابل حضرت جبریل علیہ السلام کو بھی پیدا فرمایا متضادات ، متضادات کا سلسلہ خاصا طویل ہے مثلاً بیماریاں ، ادویات ، زندگی ، موت ، خوبصورتی ، بدصورتی ، نیکی ، برائی ان سب کا وہ خالق ہے ان کی تخلیق پر غور کرتے سے اس کی کمال قدرت ، بادشاہت ، سلطنت عظمت کا پتہ چلتا ہے یہ سب اس کے تصرفات میں ہیں لیکن اگر ان میں سے بعض چیزیں وجود میں نہ آئیں تو اس کے کمالِ تصرف اور تدبیر کے اظہار میں ہمیں کچھ بچکا ہٹ ہوتی نیز اللہ پاک کی ذاتِ جہاں مغفور اور رحیم کے درمیان کمالِ ساتھ موصوف ہے وہاں وہ قہار ، منتقم بھی ہے ظاہر ہے کہ اس کی قہاریت اور اس کا انتقام بد اعمالیوں کے نتیجہ میں ہوگا بلکہ اللہ پاک کے جس قدر اسماء ہیں ان کے متعلقات کا ہونا ضروری ہے مثلاً اللہ شدید العقاب ، سریع العقاب ، ذوالبطش ، الشدید سخت پکڑنے والا ، نیچا دکھانے والا ، ذلیل کرنے والا ، نکالیت پہنچانے والا ان سب کے متعلقات وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو برے اعمال کرتے ہیں لیکن اگر تمام جن والوں فرشتے ہی جائیں تو ان اسماء کے متعلقات کون ہوں گے اسی طرح اللہ کے وہ اسماء جن میں علم ، مغفرت ، پردہ پوشی ، معاف کرنا ، آزاد کرنا کے معانی پائے جاتے ہیں ان کے متعلقات وہ لوگ ہیں جو مختلف قسم کے گناہوں میں مبتلا ہیں اللہ کی نافرمانیاں کر رہے ہیں اگر اس قسم کے لوگ نہ ہوں تو پھر یہ اسماء بے کار ہو کر رہ جائیں گے چنانچہ اس معنی کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں اگر تم گناہ نہ کرو گے تو اللہ تم کو لے جائے گا اور ایسے لوگوں کو لے آئے گا جو گناہ کریں گے اللہ سے مغفرت طلب کریں گے تو ان کو معاف کر دیا جائے گا (مسلم)

اسی طرح اللہ کے ناموں میں سے حکم ، خیر بھی ہیں جن کا اقتضاء یہ ہے کہ وہ تمام چیزوں کو ان کے مقام پر رکھتا ہے اس کے پیش نظر مصلحت اور حکمت رہتی ہے اس کا کمال علم اور حکمت جن چیزوں کا جس طرح تقاضا کرتی ہے اسی طرح اسی مناسبت کے ساتھ وہ چیزیں تیار ہوتی ہیں وہ خوب جانتا ہے کہ کون کون سے رسول بننے کا مستحق ہے اور اس میں اس کی اہلیت موجود ہے نیز وہ اس مرتبہ پر فائز ہونے کے بعد اللہ کا شکریہ ادا کرتا ہے ، نیز کون ہے جس میں یہ صلاحیت موجود نہیں اگر تسلیم کر لیا جائے کہ مکرر اسبابِ سرے سے موجود ہی نہیں ہیں تو بے شمار حکمتیں بے کار ہو جائیں اور بہت سی مصلحتیں ختم ہو جائیں اگر صرف شر کے باعث جانے کی وجہ سے ان اسباب کو معطل

کر دیا جائے تو نتیجہ خیر بھی معطل ہو جائے گی جو ان اسباب میں ٹسرے زیادہ مؤثر انداز میں موجود ہے جیسے سورج، بادش، ہوا ان میں مصالح کے ساتھ ساتھ مضر بھی موجود ہیں اسی طرح اگر ابلیس کو نہ پیدا جاتا تو عبودیت میں جس قدر تنوع موجود ہے وہ بھی حاصل نہ ہوتا ظاہر ہے کہ جہاد کی عبودیت دیگر تمام انواع سے اللہ کے ہاں زیادہ محبوب ہے یہی اگر تمام لوگ ایمان لائے ہو جائیں تو جہاد کی عبودیت محکم ہو کر رہ جائے گی یعنی آپ کس سے جہاد کریں گے اور اللہ کے ساتھ موالات اور معادات کو کیسے سمجھا جائے گا اسی طرح امر بالمعروف نہی عن المنکر صبر، عرا، ہش نفسانی کی مخالفت، اللہ کی محبت کو ترجیح دینا، توبہ اور استغفار اللہ کے ساتھ اس کے دشمن سے پناہ طلب کرنا اور اس کے مکراہذ تکلیف سے محفوظ رہنا وغیرہ ایسی عبودیتیں ہیں جن کی حکمتوں کے ادراک سے انسانی عقل عاجز ہے۔

سوال و جواب کیا اسباب کے بغیر حکمتوں کا وجود ممکن ہے اس سوال کے فاسد ہونے میں کچھ اختلاف نہیں اس سے ملزم کے وجود کو لازم کے بغیر فرم کر ناپائیدار ہے جو محال ہے جیسے باپ کے بغیر بیٹے کے وجود کو فرم کرنا ہے کسی محرک کے بغیر حرکت کو فرم کرنا ہے توبہ کرنے والے کے بغیر توبہ کو فرم کرنا ہے۔

سوال و جواب کیا یہ اسباب اس لحاظ سے پسندیدہ ہیں یا بمرحال ناپسندیدہ ہیں ہم اس کے جواب میں کہیں گے یہ سوال دو جہتیں رکھتا ہے اس کی ایک جہت اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے یعنی کیا اللہ تعالیٰ ان اسباب کو اس لئے محبوب جانتا ہے کہ یہ اسباب ایک محبوب متفعل کی جانب سے جلتے ہیں اگرچہ اسباب کی ذات کے لحاظ سے ان کو ناپسند جانتا ہے اس کی دوسری جہت بندوں کے لحاظ سے ہے یعنی بندہ کے لئے ان اسباب کے ساتھ اللہ کی رضا جوئی کی کوئی صولت ہے یہ ایک اہم سوال ہے جس کا ہم جواب پیش کرتے ہیں خیال رہے تمام شرعاً معلوم ہے اس لحاظ سے تو وہ محض ٹسرے لیکن محض اپنے وجود کے لحاظ سے اس میں شریعتیں مثلاً وہ نفوس جو شریعتیں ان کا وجود بلحاظ ان کے موجود ہونے کے بغیر ہے ان میں شرک داخل ہو واجب ان سے غیر کا مادہ محکم ہوا ظاہر ہے کہ نفوس اصل میں متحرک پیدا ہوتے اگر علم، خیر کے الہام کے ساتھ انہیں مدد ملتی رہے تو وہ حرکت میں رہتے ہیں اگر انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ اپنی طبیعت کے تقاضے کے لحاظ سے خیر کے علا کی طرف حرکت کرتے ہیں ان کا اپنے طور پر متحرک ہونا تو خیر ہے ان میں شرعاً رضائی ہے بلحاظ حرکت کے شرعاً نہیں ہے اور شرعاً تہاً ظلم ہے ظلم سے مراد ہے کہ کسی چیز کو اس کے محل میں نہ رکھنا اگر اپنے محل میں ہے تو وہ شرعاً نہیں ہے معلوم ہوا اس میں شرعاً رضائی ہے یہی وجہ ہے کہ ہم سزاؤں کو فی نفساً خیر کہتے ہیں اگرچہ وہ محل کے لحاظ سے شرعی اس لئے کہ سزاؤں سے جسم کو تکلیف ہوتی ہے جب کہ جسم طبعی طور پر لذت کو قبول کرتا ہے اور اس

کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنا ہے، پس سزا عذوبت، تکلیف، بقیت لذت کے شر ہے اور بقیت فاعل کے خیر ہے اس لئے کہ فاعل نے جرم کیا تو اس کو سزا دی گئی معلوم ہوا تمام وجوہ سے کوئی چیز شر نہیں اللہ کی حکمتیں اس کا اتحاد کرتی ہیں پھر اللہ پاک کے لئے کیسے لائق ہے کہ وہ ایسی چیز کا املاہ کرے جو ہر لحاظ سے شر ہو اور اس کے خلق میں معصیت کا کوئی پہلو کا فرمان ہو یہ تو واضح طور پر محال ہے۔

ظاہر ہے کہ تمام خیر اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے اور شر اللہ کی طرف منسوب نہیں ہے بلکہ جو اس کی طرف منسوب ہے وہ سب خیر ہی خیر ہے اور شر اس وجہ سے تو شر ہے کہ اس کی اللہ کی طرف نسبت میں ہے اگر اس کی نسبت اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف ہو جاتی تو وہ شر نہیں ہے یعنی اللہ کی جانب سے اس کی نسبت کے انقطاع نے اس کو شر بنایا۔

ایک سوال اور اس کا جواب سوال پیدا ہوتا ہے شر کی نسبت کا بلحاظ پیدا کرنے اور مشیت کے تو اللہ کی طرف نسبت ہو سکتی ہے اس لحاظ سے وہ شر نہیں ہاں اس لحاظ سے شر ہے کہ اللہ اس کی خیر اور اس کے اسباب کے ساتھ مدد نہیں فرماتا پس وہ عدم ہوا عدم کی کسی طرف نسبت نہیں ہو سکتی چر جائے کہ اس کی نسبت ایسی ذات کی طرف ہو جس کے ہاتھ میں تمام بھلائیاں ہیں مزید وضاحت یوں ہے کہ تیر کے اسباب میں ہیں ایجاد اعداد، امداد خیر میں ہیں یسینوں میں یسین اگر کسی چیز میں ایجاد ہے (اعداد، امداد نہیں ہے تو وہ شر ہے یعنی معدوم ہے اس کا وہ فاعل نہیں وہ تو خیر کا فاعل ہے۔

ایک سوال اس کا جواب جب شر میں اللہ کی جانب سے ایجاد ہے تو امداد کیوں نہیں ہے ہم کہیں گے اللہ کی حکمت نے اس کے ایجاد، امداد دونوں کا تقاضا نہیں کیا صرف ایجاد کا تقاضا کیا امداد کا تقاضا نہیں کیا ہے بلکہ ترک امداد ہے اس کا ایجاد خیر ہے لیکن عدم امداد کی وجہ سے شر ہے۔

ایک سوال اس کا جواب اللہ نے تمام موجودات کی مدد کیوں نہ فرمائی ہم کہیں گے یہ تو سوال ہی ناسد ہے یہ سوال اس بنیاد پر ہے کہ تمام موجودات میں مساوات ہو یہ بات محال کا کرشمہ ہے حکمت خداوندی کا تو تقاضا یہ ہے کہ موجودات میں بہت بڑا تفاوت ہے جبکہ ایک نوع والی موجودات میں تفاوت میں تفاوت تو عدلی امور میں ہے جن کے ساتھ پیدا کرنے کا تعلق نہیں وہ نہ پیدا کرنے میں تو کچھ تفاوت نہیں اگر آپ کے ذہن میں بات نہیں آرہی ہے تو ذہن کے شر سے کھچے کی کوشش کریں۔

اذا لم تستطع شيداً فادعه وجاوزه الى ما تستطيع جب تجھ میں کسی کام کی استطاعت نہ ہو تو اس کو ترک کر دیجیے اور اس کام کی طرف تجاوز نہ کریں جس کی طاقت ہے۔

ایک سوال اس کا جواب

اللہ اپنے بندے کے لئے ہر چیز کو کیسے پسند فرماتا ہے جب کہ وہ اس کی اعانت نہیں کرنا ہم کہیں گے اللہ کسی کام پر اعانت کرتا کبھی ایسی محبوب چیز کے فوٹ ہونے پر مستلزم ہوتا ہے جو اس فرمانبرداری کے حصول سے زیادہ عظمت والی ہوئی ہے جس کو اللہ نے اس کے لئے پسند فرمایا اور کبھی اس فرمانبرداری کا وقوع ایسے مفسدہ کو متضمن ہوتا ہے جو اللہ پاک کو فرمانبرداری کی محبت سے زیادہ مکروہ ہوتا ہے اللہ کے اس قول میں اس کی حقیقت کی جانب اشارہ ملتے ہے ارشاد خداوندی ہے۔ **وَلَوْ ارَادُوا الْخُرُوجَ لَأَعَدُّوا لَهُ عُدَّةً وَلَكِنْ كَرِهَ اللَّهُ انْبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ** (متوبہ ۴۶)

اور اگر وہ نکلنے کا ارادہ کرتے تو اس کے لئے سامان تیار کرتے لیکن خدا نے ان کا اٹھنا (اور نکلنا) پسند ہی نہ کیا تو ان کو روک دینے جتنے ہی نہ دیا کہ ان کا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جنگ کے لئے نکلنا فرمانبرداری ہے لیکن اللہ نے ان کی اس فرمانبرداری کو مکروہ جانتا ہے تو جب اللہ نے ان کو مکروہ جانا تو اس نے ان میں جلتے سے تکاسل پیدا کر دیا اس کے بعد اللہ نے بعض ان مفسدوں کی نشان دہی فرمائی مگر ان کے اللہ کے رسول کے ساتھ جانے میں مرتب ہوتے تھے فرمانبرداروں کو جو اخیکہ ما زادو کمہ الا خبا (لاؤلا وضعوا اخلاقکم) بیغونکہم الفتنة و فیکم سائلون (متوبہ ۴۷) (مکروہ تم نہیں (شامل ہو کر) مکمل بھی کھڑے ہوتے تو تمہارے حق میں شرارت کرتے اور تم میں فساد ڈالنے کی غرض سے دوڑے پھرتے اور تم میں ان کے جاسوس بھی ہیں) یعنی اگر وہ نکلنے تو تمہارے درمیان فساد پیدا کر دیتے پھر تم میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو ان کی باتوں پر کان دھرنے والے ہیں ان سے متاثر بھی ہیں اگرچہ ان کا نکلنا بظاہر مفید نظر آتا ہے لیکن ان کے نکلنے سے جو نقصانات اٹھنے پڑتے ہیں وہ ان فائدوں سے کہیں زیادہ ہیں اس لئے مصلحت خداوندی متقاضی ہوئی کہ ان کے جانے سے روک دیا اس مثال سے مذکورہ قاعدہ کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے مزید تفصیلات کو اس پر منطبق کریں۔

وہ اسباب جن کو بندہ بروئے کار لاتا ہے نہ صرف یہ کہ وہ ممکن ہیں بلکہ واقع ہیں مثلاً بندہ فسق و فجور مٹا ہوں کو ناپسند جانتا ہے اور ناراضگی کا اظہار کرتا ہے جب کہ یہ کام اس کے فعل اور کسب کے ساتھ ہیں لیکن اللہ کے علم اس کی مشیت ارادہ امر تکوینی کے لحاظ سے گناہوں کو پسند جانتا ہے صرف اے کے ایک گروہ کا بھی مسلک ہے جب کہ دوسرا گروہ مطلق طور پر گناہوں کو ناپسند جانتا ہے مثلاً صریح کہ فسق و فجور کی نسبت اللہ کی طرف ہو تو مکروہ نہیں اور بندے کی طرف ہو تو مکروہ ہے۔

لیکن یہ کہنا کہ بندے کا ان برے کاموں میں کچھ اختیار نہیں بالکل غلط ہے اس لئے کہ یہ تو جبر محض ہے جو باطل ہے جو لوگ اس کے قائل ہیں ان کے لئے اس سے چھٹکارا حاصل کرنا مشکل ہے بلکہ قدسی یعنی تقدیر کا انکار کرنے والا نسبت جبری کے راہ اعتدال کے اقرب ہے جب کہ اہل سنت جو جبریہ، قدسیہ

دو ذوں کے درمیان ہیں راہ اعتدال پر گامزن ہیں۔

اللہ کے ارادہ اور اس کے امروں نمایاں فرق موجود ہے
کیا تقدیر کی موافقت اطاعت ہے؟ اس لئے اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ مجھے کسی گناہ پر نادم ہونے
 کی ضرورت نہیں نہ ہی توبہ کرنے کی ضرورت ہے اس لئے کہ تقدیر الہی میں جو کچھ لکھا ہوا ہے اس کے مطابق
 ہی توبہ کام ہوا ہے اللہ کی مشیت اس کی قیود میں جلوہ گر ہے درست ہے کہ میں نے اس کے حکم کی توبہ
 نافرمانی کی ہے لیکن اس کے ارادہ، مشیت کی نافرمانی نہیں ہے چنانچہ اس معنی کو ایک شاعر نے یوں بیان
 کیا ہے: صبیحت منفعلاً لا یختارہ معنی فعلی کلام طاعات جو کچھ اللہ پسند فرماتا ہے مجھ سے وہی کچھ
 ہو رہا ہے پس میرے تمام افعال میں اسی کی اطاعت کی جلوہ گری ہے۔

ہم کہیں گے یہ لوگ راہ صواب سے دور ہیں ان کی ذہنی بصیرت مغلوچ ہو کر رہ گئی ہے ان کی گمراہی
 اظہر من الشمس ہے درحقیقت یہ لوگ نکلویں شرعی امور میں فرق کرنے کی صلاحیتوں سے عاری ہیں، اللہ کی
 معرفت کا انہیں کچھ علم نہیں انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ امور دنیویہ شرعیہ کی موافقت کا نام اطاعت ہے،
 تقدیر، مشیت کی موافقت کا نام اطاعت نہیں ہے اگر تقدیر کی موافقت کا نام اطاعت ہوتا تو ابلیس کو
 بھی اللہ کا بہت بڑا اطاعت گزار سمجھا جاتا اسی طرح قوم نوح، ہود، صالح، لوط، شعیب اور قوم فرعون
 کو اطاعت کرنے والوں میں شمار کیا جاتا حالانکہ کوئی بھی انہیں اطاعت کرنے والوں میں نہیں سمجھتا پس امر
 اور مشیت میں فرق نہ کرنے والے غایت درجہ جہالت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

غور فرمائیے کہ جب کوئی شخص اپنے بچر کا اعتراف کرتا ہے تو مشیت ایزدی اور تقدیر الہی کو تسلیم
 کرتا ہے اس کے ساتھ ساتھ نہ وہ اپنے آپ کو گناہوں سے معصوم سمجھتا ہے نہ ہی وہ کسی فخر میں مبتلا ہوتا
 ہے بلکہ وہ سراپا احتیاج بنا ہوا ہوتا ہے تو ایسی حالت میں وہ اپنے نفس پر اعتماد نہیں کرتا ہے بلکہ اپنے
 آپ کو خدا کے سپرد کر دیتا ہے تو وہ شخص ایک مضبوط قلعہ میں محفوظ ہو جاتا ہے اس حالت میں اس سے گناہ
 کا صدور نہیں ہوتا ایسے ہی انسان کے حق میں اللہ پاک فرماتے ہیں کہ میں اس کا کال بن جاتا ہوں جس کے
 ساتھ وہ سنتا ہے آنکھ بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ دیکھتا ہے ہاتھ بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ
 پکڑتا ہے پاؤں بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ چلتا ہے اس قابل رشک حالت میں اس سے گناہ کا
 صدور بھی نہیں ہو سکتا۔

لیکن اگر اسے اپنے نفس پر گھمند ہوتا ہے وہ بارگاہ ایزدی سے دور ہو جاتا ہے تو وہ اپنے نفس کے
 حکم کا تابع ہو جاتا ہے دام نزویر میں اُلجھ جاتا ہے شرک کے جال میں پھنس جاتا ہے گمراہ کرنے والے

شکاردی چارہ سو سے اس کے شکار کے لئے بچاؤ درجہ بند کھڑے ہو جاتے ہیں جن سے بچ نکلے ہیں اسے کامیابی نہیں ہو سکتی جب کبھی یہ حجابات دور ہوتے ہیں اور اسے اپنے گناہوں پر ندامت ہوتی ہے تو وہ توبہ کرتا ہے اس میں اثابت الی اللہ کا داعیہ ابھرنا ہے۔ گناہ سے کنادہ کش ہو جاتا ہے اس حالت میں اس کا تعلق اس کے رب کے ساتھ استوار ہوتا ہے۔

اعتراض جب کفر اللہ کے قضا اور تقدیر کے ساتھ ہے تو ہم اسے مکروہ نہیں سمجھیں گے اس لئے کہ ہم مامور ہیں کہ اللہ کی تقدیر پر راضی رہیں۔

جواب اولاً ہم کہیں گے کہ ہمیں اس بات کا حکم نہیں دیا گیا ہے کہ ہم اللہ کے تمام فیصلوں پر رضامندی کا اظہار کریں نہ ہی ایسا کرنے کا حکم کتاب و سنت میں موجود ہے بلکہ اللہ کے بعض فیصلے ایسے ہیں جن پر رضامندی کا اظہار کیا جائے جب کہ بعض ایسے فیصلے ہیں جن پر ناراضگی کا اظہار کیا جائے یعنی ایک قضا ہے جو اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے وہ تو تمام تر خیر، عدل اور حکمت ہے ہم تمام قضا پر راضی ہیں اور ایک مقضی جس کا فیصلہ کیا گیا ہے اس کی دو قسمیں ہیں بعض فیصلہ شدہ امور وہ ہیں جن پر رضا کا اظہار کیا جائے اور بعض امور وہ ہیں جن پر رضا کا اظہار نہیں ہونا مثلاً جب کہ قضا کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے اور اس کی طرف منسوب ہے تو اس لحاظ سے اس پر قضا کا اظہار کیا جائے اور اس لحاظ سے کہ اس کا تعلق بندے کے ساتھ ہے اور اس کی طرف نسبت ہے کبھی اس پر رضا کا اظہار ہوتا ہے اور کبھی اس پر رضا کا اظہار نہیں کیا جاسکتا دیکھئے قتل نفس کے دو اعتبار ہیں اس لحاظ سے کہ وہ تقدیر الہی ہے اللہ نے مقتول کی عمر کی انتہاء کو مکھ دیا ہے اس پر رضا کا اظہار کیا جائے لیکن اس لحاظ سے کہ قاتل سے یہ جرم اس کے اختیار کے ساتھ ہوا ہے اس نے یہ جرم کر کے اللہ کی نافرمانی کی ہے ہم اس پر ناراض ہوں گے رضا کا اظہار نہیں کر سکتے۔

امام طحاوی فرماتے ہیں: مسئلہ تقدیر میں بحث و فکر اور کا نتیجہ محمودی ہے لہذا اس میں زیادہ غور و فکر سے اجتناب کیا جائے۔

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ چند صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے آپ سے دریافت کیا کہ ہمارے دلوں میں ایسے خیالات ابھرتے ہیں کہ جی کے اظہار کو ہم گناہ سمجھتے ہیں آپ نے استغماہ انداز میں سوال کیا واقعہ تم پر محسوس کرتے ہو انہوں نے اثبات میں جواب دیا آپ نے فرمایا یہی تو صریح ایمان کی علامت ہے (مسلم)

نیز عبد اللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسرے کے بارے میں دریافت

کیا گیا آپ نے فرمایا دوسرے کو دوسرے بھنا عین ایمان کی علامت ہے اسی طرح دوسرے کو شیطانی دوسرے کہنا اور اس کے دفع کی کوشش کرنا منہج ایمان ہے چنانچہ صحابہ کرام، تابعین، عظام کا یہی دستور تھا جب کہ بعد میں آنے والے ناعلم لوگوں نے دوسروں، شلوک و شبہات سے کٹنا میں سیاہ کہیں بلکہ دلوں کو بھی سیاہ کر دیا اس طرح باطل کی سرپرستی کرتے ہوئے انہوں نے حق کو بچا دکھانے کی کوشش کی ہے یہی وجہ ہے کہ امام طحاوی نے مسئلہ تقدیر کو قدر طولانت سے بیان کیا ہے اور اس مسئلہ میں مبالغہ آرائی کے ساتھ بحث و تمحیص کو مذکور قرار دیا ہے حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے نزدیک وہ انسان مغضوب ہے جو مجادلہ آرائی سے کام لیتا ہے (بخاری، مسلم)

نیز عمر بن شعیب عن ابیہ عن جده بیان کرتے ہیں ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر گئے لوگ مسئلہ تقدیر میں بحث کر رہے تھے راوی بیان کرتے ہیں گویا کہ آپ کے چہرہ میں اناہ بخود اگیا ہے (یعنی غصے کی وجہ سے آپ کا چہرہ سرخ دکھائی دے رہا تھا) آپ نے ان سے کہا نہیں کیا ہو گیا ہے تم کتاب اللہ میں اختلاف کر رہے ہو اس اختلاف نے ہی تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر ڈالا (راوی بیان کرتا ہے) کئی مجلس جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوں مجھے کسی یہ آرزو نہ ہوئی تھی کہ میں اس مجلس میں شریک نہ ہوتا سوا اس روز کے کہ میں نے آرزو کی کاش میں اس مجلس میں شریک نہ ہوتا (احمد، ابن ماجہ) ارشاد ربانی ہے:

فَاتَمْتَعْتُم بِخُلُقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ خَلَقْتُمْ خَلْقًا كَالَّذِي خَلَقْتُمُ النَّبِيَّةَ) جس طرح تم سے پہلے لوگ اپنے حصے سے فائدہ اٹھا چکے ہیں اسی طرح تم نے اپنے حصے سے فائدہ اٹھا لیا ہے اور جس طرح وہ باطل میں ڈوبے رہے اسی طرح تم بھی باطل میں ڈوبے رہے (یعنی تم نے اپنے حصے کا فائدہ اٹھا یا جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں نے اپنے حصے کا فائدہ اٹھا یا اور اس طرح بحث کی جس طرح انہوں نے بحث کی۔

پس اس آیت میں عمل، اعتقاد و لوازم کو یکجا کر دیا ہے اس لئے کہ دینی کے فساد کا انحصار دونوں پر ہے شہوت بد عملی کو جہنم جتنی ہے اور شبہات کا سد اعتقادات کو جہنم دیتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت پہلے لوگوں کے راہ پر چلے گی کچھ فرق نہ ہو گا صحابہ نے دریافت کیا آپ کی مراد فاسد اور روم کے لوگ ہیں آپ نے فرمایا وہی نہیں اور کون ہیں (بخاری)

نیز عبد اللہ بن عمر بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کا وہی حال ہو گا جو بنی اسرائیل کا ہوا کچھ فرق نہ ہو گا جیسے ایک جو نادوسرے جوتے کے عین برابر ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر ان سے کسی شخص نے علانیہ ماں سے نہ نکالیا تو میری امت میں بھی ضرور ایسا کرنے والا شخص ہو گا نیز یاد رکھو

بنی اسرائیل کے امتز فرقے ہوئے اور میری امت کے امتز فرقے ہوں گے جو سب کے سب دوزخ میں ہوں گے سوائے ایک جماعت کے صحابہ نے دریافت کیا یا رسول اللہ! وہ کون ہیں آپ نے فرمایا جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں (ترمذی)

نیز حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہودیوں کے اکثر یا امتز فرقے ہوئے اور میری امت کے امتز فرقے ہوں گے (ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی)

حضرت معاذ پر فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہودی، عیسائی دین میں امتز فرقوں میں تقسیم ہو گئے لیکن یہ امت امتز فرقوں میں تقسیم ہوگی تمام فرقے خواہش پرست ہوں گے صرف ایک جماعت الی سے مستثنیٰ ہے۔

امت کا جس مسائل میں اختلاف ہے الی میں سب سے بڑا مسئلہ تقدیر کا ہے اس لحاظ سے اس مسئلہ میں ذرا بحث طویل ہو گئی ہے۔

اور امر تو ابھی کی حکمت معلوم کرنا | امام عطاء دی فرماتے ہیں جس شخص نے دریافت کیا کہ فلاں حکم کی علت کیا ہے اس نے کتاب کے حکم کو رد کر دیا اور جس نے کتاب کے حکم کو رد کیا وہ کافروں سے ہو گیا۔

یاد رہے کہ عبودیت، ایمان باللہ، ایمان بالکتاب، ایمان بالرسول کی بنیاد اس بات پر ہے کہ بلا جبر و جبرائی تسلیم کیا جائے اور امر تو ابھی کی حکمت کے بارے میں سوال نہ کیا جائے یہی وجہ ہے کہ اللہ پاک نے کسی نبی کی امت کے بارے میں جو اپنے پیغمبر پر ایمان لائی اور اس کی لائی ہوئی شریعت کی تصدیق کی، یہ ذکر صحت فرمایا کہ امت نے شریعت کی علت اور حکمت کے بارے میں بھی سوال کیا ہو اگر کوئی امت ایمان لانے کے ساتھ حکمت کے متعلق سوال کرتی تو قطعاً اس کے ایمان کو صحیح نہ سمجھا جاتا پس ایمان لانے کے بعد انقیاد سر پا تسلیم اور اذعان ضروری ہے جو حکمت معلوم ہو سکی اس پر اکتفا کیا مزید استفسار نہ کیا اور جس کی حکمت معلوم نہ ہو سکی وہاں انفیاد کو حکمت کی معرفت پر موقوف قرار نہیں دیا پھر ہر امت کے پیغمبر کا امت کے ہاں اتنا عظیم مقام ہے کہ وہ اس کے حکم کے سامنے جوں چر کو کسی صودت میں جائز نہیں سمجھتی چنانچہ انجیل میں مرقوم ہے۔

اے بنی اسرائیل! تم یہ سوال نہ کرو کہ ہمارے رب نے اس حکم کیوں دیا ہے بس تم یہ سوال نہ کرو کہ ہمارے رب نے ہمیں یہی حکم دیا ہے یہی وجہ ہے کہ امت محمدیہ (جو تمام امتوں سے عقل، علم، معرفت کے لحاظ سے اکمل ہے) کے اسلاف میں اپنے پیغمبر سے یہ سوال نہیں کیا کہ اللہ نے فلاں حکم کیوں دیا

ہے یا فلاں کام سے کیوں منع کیلئے اس لئے کہ انہیں یہ بات معلوم تھی کہ ان کا یہ سوال ایمان، اسلام کے مخالف ہے نیز اسلام کے درجہ تسلیم پر ہی ثابت قدم رہ سکتے ہیں چنانچہ جس کام کا حکم پیغمبر علیہ السلام کی جانب سے ہوا ہے اس کا پہلا درجہ یہ ہے کہ اس کی تصدیق کی جائے پھر اس کے سرانجام دینے پر عزم بالجزم کیا جائے پھر اس کے امتثال کے لئے جذبہ مسابقت اختیار کیا جائے موانعات وغیرہ سے احتراز کیا جائے پھر عملاً اس کو اکل صورت میں پیش کرنے کے لئے بھرپور کوشش صرف کی جائے اور خیر خواہی کے دامن کو ہاتھ سے جانے نہ دیا جائے پھر اس کو کرگزشتہ اس لئے کہ اس کے کرنے کا حکم ہے اور کرنے کا حکم اس کی حکمت کی معرفت پر موقوف نہیں ہے کہ اگر حکمت معلوم ہو تو کرگزشتہ کرے ورنہ نہ کرے یہ طرز عمل انبیاء کے منافی ہے اور امتثال کے مخالف ہے۔

علامہ قرطبی، ابن عبد البر سے نقل کرتے ہیں: جو شخص دریافت کرتا ہے تاکہ اسے علم حاصل ہو اور وہ حالت دود ہو یا نہ ہو جس قدر علم کی ضرورت ہے اسی قدر زحمت کرے اس میں کچھ مضائقہ نہیں جہالت کا علاج سوال کرنا ہے لیکن جو شخص سوالات پیدا کرے خواہ مخواہ تکالیف کا دوا نہ کھوتا ہے تنقہ، تنہم مقصود نہیں اس شخص کے لئے سوال کرنا قطعاً جائز نہیں۔

امام کے لئے لائق ہے کہ وہ بسط کے ساتھ دلائل پیش کرے اور نقطہ نظر کی وضاحت کرے اجتہاد کے مقدمات کا ذکر کرے اور ان وسائل کا ذکر کرے جس سے اصل مسئلہ کی معرفت میں مدد مل سکے پس جب کوئی واقعہ رونما ہو تو اس کے حل کے لئے صحیح راہ اختیار کیا جائے اور اس کی جستجو میں ہمدردی کی جائے تاکہ اس کا صحیح حل معلوم ہو سکے اس طرح یقیناً اللہ تعالیٰ اس کو راہ صواب کی ہدایت کرے گا۔

ارشاد نبوی ہے وہ اچھا مسلمان ہے جو لا یعنی باتوں کو ترک کر دیتا ہے (ترمذی) پس جو شخص کتاب اللہ کے حکم کا رد کرتا ہے اس کے کافر ہونے میں کچھ شبہ نہیں البتہ جو شخص کسی شیعہ کی دہرے کتاب اللہ کے حکم کی تاویل کرتا ہے اس کے سامنے راہ صواب واضح کر دیا جائے تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کرے پس اللہ سبحانہ سے سوال نہیں کیا جاسکتا کہ وہ کیا کرتا ہے اس کو ہم اللہ کی کمال حکمت، رحمت، عدل پر محمول کرتے ہیں اس کے قدر قدرت پر محمول نہیں کرتے جیسا کہ ہم اور اس کے ہم خیال لوگ سمجھتے ہیں مزید وضاحت آگے آئے گی۔

(ط) جسے مسائل کا ذکر ہو یا وہ مسائل ہیں جن کی ضرورت وہ لوگ محسوس کرتے ہیں جو ادیان اللہ پر نبی کے دل منور ہیں نیز وہ راسخ فی العلم کے درجہ پر فائز ہیں یا وہ علم و دہش پر ہے ایک علم تو وہ ہے جو پایا جاتا ہے دوسرا علم موجود نہیں بلکہ مفقود ہے پس موجود علم کا انکار کفر ہے اور مفقود علم کا مدعی کرنا بھی کفر

ہے ایمان نیا ثابت ہو گا جب آپ موجود علم کو قبول کریں اور مفقود علم کو طلب نہ کریں۔

(ش) پہلے جن باتوں کا ذکر ہو چکا ہے وہ ایسی باتیں ہیں جو شریعت میں موجود ہیں نہ صرف ان کا اعتقاد ضروری ہے بلکہ ان کے مطابق عمل کرنا بھی ضروری ہے۔

دراستح فی العلم لوگ اس علم سے واقف ہوتے ہیں جس کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمایا وہی علم موجود ہے لیکن مفقود علم سے مراد تقدیر کا علم ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق سے لپیٹ لیا ہے اور اس میں نکتہ کرنے سے منع کیا ہے پس جو شخص اس علم کا انکار کرتا ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمایا وہ کافر ہے جس طرح وہ انسان بھی کافر ہے جو مفقود علم کا مدعی ہے ارشاد ربانی ہے تالم الغیب فلا یظہر علی غیبہ احدًا الا من ارتفع من رسلنا (یعنی ۲۶-۲۷) (وہی غیب کی بات) جانتے والا ہے اور کسی اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا ہے ہاں جس پیغمبر کو پسند فرمائے نیز فرمایا (ان اللہ عندہ علم الساعة وینزل نقیث و یعلم ما فی الارحام و ما تدری نفس ماذا تأکسب غداً و ما تدری نفس بای ارض موت ان اللہ علیم خبیر لقمان ۳۲) خدا ہی کو نیاست کا علم ہے اور وہی مینہ برساتا ہے اور وہی عاملہ کے پیٹ کی چیزوں کو جانتا ہے (کہ نہ بے یا مادہ) اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کام کرے گا اور بی متغیر نہیں جانتا کہ کس سر زمین میں اسے موت آئے گی بے شک خدا جانتے والا (اور) خبردار ہے) یاد ہے اگر ہمیں کسی حکم کی حکمت کا علم نہیں ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی کوئی حکمت نہیں ہے مثلاً سانپ بویا جو ہے اور زمین کے کیڑے مکوڑے کہ ہم جن کی معصرت سے ہی واقف ہیں ان کے پیدا فرمانے کی حکمت ہمیں واقفیت نہیں اس سے لازم نہیں آتا کہ فی الحقیقت ان کے پیدا کرنے میں کوئی حکمت ہی نہ ہو یا ہم نفی میں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا ہی نہیں فرمایا وہ خود بخود پیدا ہو گئے ہیں اس لئے کہ علم کا نہ ہوتا حکمت کے ردوم ہونے کو مستلزم نہیں۔

(ط) ہم لوح اقلم اور جو کچھ اس میں مرقوم ہے سب پر ایمان رکھتے ہیں۔

(ش) ارشاد خداوندی ہے بل هو قرآن مجید فی لوح محفوظ (البروج ۲۱-۲۲) بلکہ وہ قرآن کریم (لوح محفوظ میں ہے)

امام طبرانی سند کے ساتھ ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ کو سفید رنگ کے موتی سے پیدا فرمایا جس کے صفحات سرخ رنگ کے یا قوت کے ہیں قلم قوسمے فریمیں قوسمے اللہ تعالیٰ ہر مرقوم اس میں تین سو ساٹھ بار دہکھتا ہے اس کی پہنائی آسمان زمین کی پہنائی کے برابر ہے اللہ تعالیٰ پیدا فرماتا ہے رزق عطا کرتا ہے مادہ تاسے زندہ کرتا ہے عزت بخشتا ہے ذلت

دینا ہے جو چاہتا ہے کہ تاسے۔

روح محفوظ سے مراد وہ کتاب ہے جس میں تمام مخلوق کی تقدیر لکھی ہوئی ہے اور قلم سے مراد وہ قلم ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور اس کے ساتھ لوح محفوظ میں تمام کائنات کی تقدیر تحریر فرمائی۔ عبادہ بن صامت بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے سب سے اول خدا نے قلم کو پیدا فرمایا اس سے کہا تحریر کرو اس نے دریافت کیا یا اللہ! میں کیا لکھوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا قیامت قائم ہونے تک ہر چیز کی تقدیر تحریر کرو (ابوداؤد)

سب سے اول کس کو پیدا فرمایا علماء کا اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاً قلم کو پیدا فرمایا یا عرش کو پیدا فرمایا۔ اس میں دو قول ہیں جن کو حافظ ابوالعلاء ہمدانی نے ذکر کیا ہے صحیح قول یہ ہے کہ اللہ نے قلم سے قبل عرش کو پیدا فرمایا صحیح حدیث میں ہے عبد اللہ بن عمرو روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آسمانوں زمین کے پیدا فرمانے سے پچاس ہزار سال پہلے اللہ نے مخلوق کی تقدیر تحریر فرمائی اس کا عرش پانی پر تھا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عرش پیدا فرمانے کے بعد تقدیر لکھی گئی اس کا آغاز قلم پیدا فرمانے سے ہوا اس لحاظ سے قلم کے بارے میں کہا کہ اس کو اللہ نے پہلے پیدا فرمایا اس تفصیل سے دو لجن حدیثوں میں جو تعارض تھا وہ دفع ہو گیا اس لئے کہ عرش تو تقدیر سے پہلے ہی موجود تھا اور تقدیر اور قلم کے پیدا فرمانے میں مغالطہ نہ ہے دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں جب اللہ نے قلم پیدا فرمایا تو اس سے کہا تحریر کرو پس یہ قلم پہلا قلم ہے اور افضل ہے نیز اکثر مفسرین کا قول ہے کہ یہی وہ قلم ہے جس کی حمد انعام نے قسم اٹھائی اور شادمانی ہے وَالْقَلَمُ وَمَا يَسْطُرُونَ (العلقم ۱-۲) قلم اور ان (کلمات) کی قسم جن کو وہ لکھتے ہیں) دوسری قلم کو قلم وحی کہا جاتا ہے جس کے ساتھ وحی لکھی جاتی ہے جو انبیاء کی طرف کی جاتی ہے اس قلم والوں کو تمام عالم پر حاکم ہونے کا شرف حاصل ہے اور باقی تمام اقلام ان کی عباد ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسرار کی رات ایسے ہوا مقام پر لے جایا گیا جہاں آپ کو اقلام کی آوازیں سنائی دیتی تھیں تو دراصل یہی وہ اقلام ہیں جو اللہ کے احکامات (جو عالم علوی اور سفلی کی تدابیر کے بارے میں ہیں) تحریر کرتی ہیں۔

(ط) پس اگر تمام مخلوق اس بات پر جمع ہو جائے کہ جو کچھ اللہ نے لکھ دیا ہے کہ وہ مستقبل میں ہونے والا ہے اس کو نہ ہونے دے تو وہ اس پر قادر نہیں اور اگر تمام اس پر جمع ہو جائیں کہ جو کچھ اللہ نے نہیں

لے حدیث ضعیف ہے زیادہ بن عبد اللہ اور لیث و قزوینی راوی ضعیف ہیں البتہ موقوفہ روایت کی سند حسن ہے بخاری ص ۱۳

لکھا اس کو کر کے دکھائیں تو وہ اس پر بھی قادر نہیں ہیں جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے قلم میں لکھ کر یہ کر کے خشک ہو چکی ہے۔

(ش) حضرت جابر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا مراقد بن مالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس نے کہا یا رسول اللہ! ہمیں ہمارے دین سے آگاہ فرمائیں جو یا کہ ہم ابھی پیدا ہوئے ہیں آج جو ہم عمل کر رہے ہیں کیا اس کو پہلے سے اقلام نے لکھ دیا ہے اور تقدیر میں ثابت ہو چکا ہے یا عمل کرنے سے اس کا وجود مستقبل میں ظاہر ہوتا ہے آپ نے فرمایا نہیں بلکہ اقلام اس کو لکھ کر خشک ہو چکی ہیں اور تقدیر میں ثابت ہو چکا ہے (حدیث صحیح ہے)

نیز حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھا آپ نے فرمایا اے بچے! میں تجھے چند کلمات کی تعلیم دیتا ہوں تو اللہ کی حفاظت کر اللہ تیری حفاظت کرے گا تو اللہ کی حفاظت کر تو اس کو اپنے ساتھ پائے گا اور جب تو سوال کرے تو اللہ سے سوال کر اور تو مدد کا سوال کرے تو اللہ سے مدد کا سوال کر نیز یاد رکھو اگر تمام امت اس بات پر جمع ہو جائے کہ وہ تجھے کچھ فائدہ پہنچانا چاہیں تو تجھے اتنا ہی فائدہ پہنچا سکتے ہیں جس قدر اللہ نے نیرے لئے لکھ دیا ہے اور اگر وہ اس بات پر جمع ہو جائیں کہ تجھے کچھ نقصان سے ہمکنار کریں تو تجھے صرف اسی قدر نقصان پہنچا سکیں گے جس قدر اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے اقلام رک چکی ہیں اور اقی کی سیاہی خشک ہو چکی ہے (ترمذی حدیث صحیح ہے)

ترمذی کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں ہے تو اللہ کی حفاظت کر اس کو اپنے ساتھ پائے گا، خوشحالی میں اللہ کی معرفت پیدا کر وہ بد حالی میں تیری پہچان رکھے گا نیز اس کا یقین کر کہ جو چیز تجھے خطا لگتی اس نے تجھے پہنچانا ہی نہ تھا اور جو چیز تجھے پہنچ چکی ہے اس نے تجھ سے خطا نہیں جانا تھا نیز معلوم کرو میرے مدد ملے گی مصیبت کے بعد خوشحالی ہوگی اور تنگی کے بعد آسائش حاصل ہوگی۔

اقلام کی تعداد مذکورہ احادیث کے علاوہ دیگر احادیث میں بھی اقلام جمع کے صیغہ کے ساتھ والد ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ قلم ایک نہیں متعدد ہیں چنانچہ سنت سے پتہ چلتا ہے کہ اقلام چار ہیں یعنی یہ تقسیم سابقہ تقسیم کے علاوہ ہے۔

پس پھر قلم عام ہے جو تمام مخلوقات کو شامل ہے اس کا ذکر لوح کے ساتھ ہو چکا ہے دوسرا قلم جس نے آدم کے پیدا ہونے کی خبر دی یہ بھی عام ہے البتہ آدم کی اولاد کے لئے ہے اس کے اثبات میں چند روایات وارد ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے آدم کو پیدا فرمانے کے بعد آدم کی اولاد کے اعمال، ارتقا، اجل

سعادت وغیرہ کو مقدر فرمایا ۔

تیسرا قلم وہ ہے جس کو (جب فرشتے کو ماں کے پیٹ میں بچے کی جانب بھیجا جاتا ہے وہ اس میں روح پھونکتا ہے) چار باتوں کے تحریر کرنے کا حکم ملتا ہے بچے کا رزق، اجل، اجل، اجل، نیک نعت، بد نعت ہونا لکھا جاتا ہے احادیث صحیحہ میں بھی اس کا ذکر آتا ہے ۔

چوتھا قلم وہ ہے جو انسان کی بلوغت کے وقت اس پر رکھا ہوتا ہے وہ قلم کرنا کاتبین کے ہاتھ میں ہوتا ہے جس سے وہ ان تمام کاموں کو لکھتے ہیں جو کام انسان کرتے ہیں جیسا کہ اس کا ذکر کتاب وسنت میں موجود ہے ۔

تقویٰ و خشیت کی اہمیت | جب بندہ اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ سب کچھ اللہ کی جانب سے ہے تو پھر مروت اسی ایک کا ڈر رکھنا چاہیے ارشاد ربانی ہے (فلا تخشون الناس و اخشون الله) (المائدہ ۴۴) تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو (نیز فرمایا) (وایا ی فارصون) (البقرہ ۴۰) اور مجھ سے ڈرو۔ (وایا ی فاتقون البقرہ ۴۱) (اور مجھ ہی سے بچو) (نیز فرمایا) (ومن یطع الله حدسوله و یخش الله و یقلعہ فاولئک ہم الفائزون النور ۵۲) (اور جو شخص خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اور اس سے ڈرے گا تو ایسے ہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں)۔

نیز فرمایا (و اهل التقویٰ و اهل المغفرۃ) (المائدہ ۷۰) وہ اس لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور اس سے مغفرت طلب کی جائے ۔

اس مضمون کی آیات قرآن پاک میں کثرت کے ساتھ موجود ہیں۔ تو ہر انسان کو چند چیزوں سے بچنا چاہیے۔ جب کہ کوئی مہاشان اکیلا ہے تو زندگی بسر نہیں کر رہا ہے اگرچہ کوئی شخص بادشاہ کیوں نہ ہو جس کی لوگ اطاعت کرتے ہوں اس کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی رعیت کا خیال رکھتے ہوئے چند چیزوں سے بچاؤ کرے اس لحاظ سے ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ تقویٰ اختیار کرے (بقرہ ۱۷۷) اگر کوئی شخص اللہ کا ڈر نہیں رکھتا ہے تو وہ مخلوق کا ڈر رکھتا ہے اس لئے کہ تمام لوگ نہ آپ کے دشمن ہیں نہ آپ کے دوست ہیں اگر کچھ دوست ہیں تو دوسرے دشمن ہیں تمام کو راضی کرنا ممکن نہیں ۔

امام شافعی کا قول | تمام لوگوں کو خوش رکھنا ممکن نہیں اس لئے صلاح کو لازم کہیں دیگر باتوں کو بالائے طاق رکھیں عدا کی رضا تلاش کریں جس کا حکم بھی دیا گیا ہے اور جس پر قدرت بھی حاصل ہے جب کہ مخلوق کو راضی رکھنا تو کسی کی قدرت میں ہے اور نہ اس کا حکم دیا گیا ہے نیز مخلوق کسی انسان کو اللہ کی گرفت سے نہیں بچا سکتی ہاں اگر بندہ اپنے رب سے ڈرتا ہے تو اللہ اس کو لوگوں کا محتاج نہیں کرتا

حضرت عائشہ سے مرفوعاً اور موقوفاً مروی ہے ۔

حضرت عائشہ کا قول | جس شخص نے لوگوں کو ناراض کر کے اللہ کو راضی کر لیا اللہ اس سے راضی ہو گیا اور اللہ نے لوگوں کو بھی اس سے راضی کر دیا اور جس شخص نے اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کو راضی کیا تو اس کی تعریف کرنے والے بھی اس کی مذمت کرنے لگ جاتے ہیں اور جس نے اللہ کو راضی نہ کیا اللہ اس کو لوگوں کی تکلیفوں سے محفوظ کرے گا اور اس سے راضی ہو گا نتیجہً لوگ اس سے راضی ہو جائیں گے، اللہ پاک اس سے محبت کریں گے تو لوگ بھی اس سے محبت کریں گے پرہیز گاروں کا انجام نہایت اچھا ہوتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ کسی بندے کو محبوب جانتا ہے تو اللہ تعالیٰ جبریل کو آواز دیتے ہیں اے جبریل! میں فلاں سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر تو جبریل اس سے محبت کرتا ہے پھر جبریل آسمانوں میں منادی کرتا ہے اللہ فلاں سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کر دو آسمانوں کے مکیں اس سے محبت کرتے ہیں پھر زمین میں بھی اسے قبولیت حاصل ہو جاتی ہے یہی صورت حال بغض میں بھی اختیار کی گئی ہے علامہ یہ کہ لوگ یا اللہ کا ڈرا اختیار کریں گے یا اللہ سے ڈریں گے لیکن لوگوں سے ڈرنے میں جو نقصان ہوتا ہے وہ نفع پر غالب ہے جب کہ اللہ کا ڈرا اختیار کرنے سے دنیوی و آخری سعادتیں حاصل ہوتی ہیں پس اللہ پاک کی ذات ہی کا ڈر رکھا جائے اور اسی سے ہی مغفرت طلب کی جائے وہی وہ ذات ہے جو گناہوں کو معاف کر دیتی ہے جب کہ لوگوں میں یہ طاقت نہیں کہ وہ کسی انسان کو اللہ کے عذاب کی گرفت سے محفوظ رکھیں اور اس کی غلطیاں معاف کر دے پس یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ اللہ کی ذات تو پناہ دیتی ہے لیکن اس کے عذاب کسی کو پناہ حاصل نہیں چنانچہ بعض متقدمین کا قول ہے کہ متقی انسان بھی محتاج نہیں ہوتا۔ ادا دہ باقی ہے کہ من یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً ویرزقہ من حیث لا یحتسب (الطلاق ۲-۳) اور جو کوئی خدا سے ڈرے گا وہ اس کے لیے (رنج و محن سے) غمخی کی صورت پیدا کر دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا۔ جہاں سے وہم و گمان بھی نہ ہو گا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پرہیز گاروں کو منانیت دی ہے کہ جب لوگ تنگ حالی ہوں گے تو انہیں خوشحالی عطا کرے گا۔ اور ایسی جگہ سے رزق عطا کرے گا جس جگہ ان کو خیال بھی نہیں ہو سکتا پس اگر کسی انسان کو یہ مقام حاصل نہیں ہوتا تو اسے اپنی حالت کا جائزہ لینا چاہیے کہ کس اس کے تقویٰ میں خلل تو نہیں ہے۔ پس وہ اللہ سے مغفرت طلب کرے اس کی طرف توبہ کرے۔ ارشاد ربانی ہے۔

۱۲۔ موقوف کی سند صحیح ہے لیکن مرفوع کی سند ضعیف ہے ۱۲

ومن يتوكل على الله فهو حسبه (الطلاق ۳) (اور جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے تو وہ اس کو کافی ہوتا ہے) یعنی اللہ تعالیٰ اس کو کافی ہو جاتا ہے اس کو غیر کا محتاج نہیں بنانا۔

کیا اسباب مہیا کرنا توکل کے منافی ہے؟ کچھ لوگ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ اسباب مہیا کرنا توکل کے منافی ہے اور جب کسی چیز کا حصول مقدر میں ہے تو اسباب مہیا

کرنے کی ضرورت نہیں ہے ان کا یہ قول ناسد ہے ظاہر ہے کہ بعض ایسے وسائل ہیں جن کو فراہم کرنا فرض ہے بعض مستحب اور مباح ہیں جب کہ بعض مکروہ اور حرام ہیں خود کیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی متوکل نہیں لیکن آپ میدان جنگ میں جب جاتے تو زہرہ زبیب بن فراتے خود پیٹنے ضروریات کے حصول کے لئے بازو ارجاتے، چنانچہ کفارس نے آپ پر اعتراض کرتے ہوئے کہا (ما ازلہذا) ۱۲ درصولی یا کل الطعام ویحشی فی الاسواق (یہ کیسا پیغمبر ہے کہ کھانا کھانا ہے اور بازو اڑوں میں چلتا پھرتا ہے) یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگ جو وسائل کی فراہمی کو توکل کے منافی قرار دیتے ہیں ان کی ضرورتیں یا صدقہ خیرات سے پوری ہوتی ہیں یا انہیں محتافت ملتے ہیں اور ان کو دینے والے کبھی جنگی وصول کرنے والے کبھی پولیس والے یا اس قسم کے لوگ ہوتے ہیں جن کی آمدنی کافی حد تک مشکوک ہوتی ہے یہاں اس کی تفصیل بیان کرنا مشکل ہے اشارۃً بعض قول ذکر ہوئے ہیں (ادشاد خداوندی) (یحواللہ مایشاء ویشیت عندہ) ۱۰ الکتاب الیہ خدا جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور (جس کو چاہتا ہے) قائم رکھتا ہے اور اسی کے پاس اصل کتاب ہے) کے تحت پہلے بیان ہو چکے ہیں البتہ (ادشاد خداوندی) (کل یوم موحی شان الاحقار) وہ ہر روز کام میں مہرور رہتا ہے) اس کی تفسیر میں مغافل کا قول بغوی میں مرقوم ہے اس آیت کا نزول یہود کے بارے میں ہے جب انہوں نے کہا کہ اللہ ہفتہ کے روز کوئی کام نہیں کرتا مفسرین کہتے ہیں (اللہ ہر روز شان میں ہے) سے مراد یہ ہے کہ اللہ زندہ کرتا ہے موت دیتا ہے، رزق دیتا ہے ایک قوم کو عزت بخشتا ہے جب کہ دوسروں کو ذلیل کرتا ہے یہاں کو مشفا دیتا ہے قیدیوں کو خلاصی دیتا ہے معصیت زدہ لوگوں کے مصائب دور کرتا ہے دعا کرتے والوں کی دعا قبول کرتا ہے مانگنے والوں کو عطا کرتا ہے گناہگاروں کے گناہ معاف کرتا ہے ان کے علاوہ اللہ پاک کے افعال اس کی مشیت کے لحاظ سے شمار نہیں کئے جاسکتے۔

(ط) جو چیز کسی انسان کو حاصل نہیں ہوتی وہ اس کو حاصل نہیں ہوتی لہذا اور جو چیز اس کو حاصل ہوتی ہے اس نے اس سے خطا نہیں کرتی لہذا۔

(ن) پہلے لگد چکا ہے کہ تقدیر ہو کر رہتی ہے ایک شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے

ما قضی اللہ کائن لا محالہ - والشی الجہول من لام حالہ

اللہ نے تقدیر میں جو کچھ لکھ دیا ہے وہ لا محالہ ہو کر رہے گا اور بد بخت جاہل ہے جو اپنے حال پر ملامت کتا ہے ایک دوسرے شاعر نے کہلے سے

(اجتمع بما تروق يا ذا الفتى فليس ينشئ بنا نخله - ان اقبل الدهر فقم قائما فان تولي مدبر انك لم)

اے تو جوان! جو رزق تجھے دیا جا رہا ہے اس پر قناعت اختیار کر ہمارا ذہب بھولنے والا نہیں ہے بلکہ وہ علم والا ہے، اگر زمانہ تجھے صاحب اقبال کر دے تو تجھے اس کے لئے اپنے آپ کو کھڑا کرنا چاہیے اور اگر زمانہ پیٹھ پھیر جائے تو بیٹھ جا لیے۔ اس لئے کہ سب کچھ تقدیر کے ساتھ ہے۔

(ط) ہر انسان کو یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ اللہ پاک کی تمام مخلوق کے بارے میں اس کا علم پہلے سے موجود ہے اللہ پاک نے ہر چیز کی تقدیر کو لکھ رکھا ہے۔ جو ثابت.... حکم اور مضبوط ہے اس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ نہ اس میں کمی اور نہ یا دتی ہو سکتی ہے۔ نہ ہی جو مخلوق زمین و آسمان میں ہے اس کے گوشہ تقدیر میں رد و بدل ہو سکتا ہے۔

(ش) پہلے بیان ہو چکا ہے کہ کائنات کے بارے میں اللہ کا علم ازلی ہے۔ اور کائنات کی تخلیق سے پہلے اللہ نے ہر چیز کی تقدیر لکھ دی ہے۔ جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ پاک نے آسمان و زمین کے پیدا کرنے سے پہلے ہزار سال پہلے تمام مخلوق کی تقدیر کو لکھ دیا تھا اور اللہ کا ہر شے پائی پر ہے۔ معلوم ہو کہ اللہ پاک کو تمام چیزوں کے بارے میں علم ہے کہ وہ کس وقت وجود میں آئیں گی اور کب اللہ کی حکمت بالغہ وجود میں لانے کی مقتضی ہوگی۔ چنانچہ اللہ کے علم کے مطابق تمام چیزیں وجود میں آئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ تمام کائنات اور ان میں جو عجائبات موجود ہیں۔ ان تمام کا تصور اللہ پاک کے علم میں موجود تھا۔ اس کے مطابق ہی وہ چیزیں وجود میں آئی ہیں۔

ارشادِ باری ہے (وَلَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ وَاللَّهُ عَلِيمٌ خَبِيرٌ) (بلاغ جس نے پیدا کیا وہ تو پوشیدہ باتوں کا جانتے والا اور ہر چیز سے (آگاہ ہے) لیکن معتزلہ اس کا انکار کرتے ہیں، وہ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ کا علم الہی نہیں یعنی اللہ پاک بتوں کے افعال کو نہیں جانتا ہے۔ بلکہ جب بندے کوئی کام کر لیتے ہیں تو پھر اللہ کو علم ہوتا ہے۔

امام شافعی کا قول ہے: تقدیر کا مقابلہ علم سے کرنا اگر وہ اقرار کریں تو مطلوب ہو گئے اگر انکار کریں تو کافر ہو گئے اس لئے کہ اللہ جانتا ہے کہ فلاں شخص استطاعت کے مطابق عمل کر رہا ہے تو اس کو اس پر بدلہ ملے گا اور فلاں یا وجود استطاعت کے عمل میں کر رہا ہے تو اس کو عذاب ہوگا اس لئے کہ قدرت ہوتے ہوئے اس نے عمل نہیں کیا جب کہ اللہ پہلے سے ہی اس بات کا علم رکھتا تھا ہاں اگر کسی میں استطاعت تھی تو نہ

اللہ اس کو حکم دیتا ہے نہ ہی نہ عمل کرنے کی وجہ سے اس کو عذاب میں گرفتار کرتا ہے۔

اگر کہا جائے (اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ بندہ اللہ کے حکم کو تبدیل کرنے پر قادر ہے اس لئے کہ اللہ کا حکم تو یہ ہے کہ بندہ یہ فعل نہیں کرے گا لیکن جب بندے کو فعل پر قدرت حاصل ہے تو اس کو اللہ کے حکم تبدیل کرنے پر بھی قدرت ہے۔)

تو ہم کہیں گے یہ تو ایک مغالطہ ہے اس لئے کہ کسی فعل پر مجرد قدرت کا حاصل ہونا حکم کی تبدیلی کو مستلزم نہیں اور جو شخص فعل کے وقوع پر حکم کی تبدیلی کا خیال کرتا ہے اس کا مرتب خیال ہی ہے اس لئے کہ اگر فعل وقوع پذیر ہو گیا ہے تو فعل کے وقوع کا حکم ہے عدم وقوع کا حکم نہیں ہے پس کسی فعل کا واقع ہونا (جب کہ اللہ کا حکم وقوع پر ہے) مستلزم ہے ہاں اگر فعل وقوع پذیر ہوا ہے تو اللہ کا حکم بھی یہی تھا کہ وہ وقوع پذیر ہوگا اور وقوع پذیر ہوگا اور اگر وقوع پذیر نہیں ہوا تو اللہ کا حکم بھی یہی تھا کہ وہ وقوع پذیر نہیں ہوگا اور حکم اللہ کے حکم سے صرف ظاہر کا حکم رکھتے ہیں اور اللہ کا حکم واقع کے مطابق ہوتا ہے پس کسی ایسی چیز کا وقوع مستلزم ہے جو حکم کی تبدیلی کو مستلزم ہو بلکہ جو چیز بھی وقوع پذیر ہوگی وہ معلوم کمال ہے گا اور بندے نے جب کوئی فعل نہیں کیا تو اس نے کوئی ایسا فعل نہیں کیا جو حکم کو تبدیل کرے بلکہ وہ ایسے فعل پر قادر ہے جو وقوع پذیر نہیں ہوا اگر وقوع پذیر ہو گیا ہے تو اللہ کو حکم تھا کہ وہ وقوع پذیر ہوگا نہ یہ کہ وقوع پذیر نہیں ہوگا۔

اگر کہا جائے (کسی فعل کے عدم وقوع کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو حکم ہے کہ وہ فعل وقوع پذیر نہیں ہوگا پس اگر بندے کو اس کے وقوع پر قدرت حاصل ہے تو حکم کی تبدیلی پر بھی قدرت حاصل ہے) تو ہم کہیں گے بات یوں نہیں ہے بلکہ بندہ فعل کے وقوع پر قادر تو ہے لیکن اس نے فعل کو واقع نہیں کیا اگر وہ فعل کو واقع کرے تو جو چیز معلوم ہے وہ فعل کا وقوع ہے اور انہوں نے فرض کیلئے کہ فعل وقوع پذیر ہو گیا ہے حالانکہ اس کے عدم وقوع کا حکم تھا اس طرح ایک محال چیز کا فرض کرنا لازم آتا ہے اس کی صورت بالکل اس طرح ہے کہ کوئی شخص کسی فعل کا وقوع اور عدم وقوع دونوں کو فرض کرے ظاہر ہے کہ یہ صورت جحش میں انقیض کی ہے۔

اگر کہا جائے (کسی محال کا وقوع جب کہ اللہ کا حکم اس کے عدم وقوع کا ہے) محال ہے اس پر قدرت حاصل نہیں ہے) تو ہم کہیں گے یہاں لفظ محال محال ہے اسے ہم محال نہیں کہیں گے اس لئے کہ نہ تو اس کی استطاعت سے خارج ہے نہ اس کے کرنے سے وہ عاجز ہے اور نہ ہی نفسہ وہ مستلزم ہے بلکہ ممکن ہے قدرت حاصل ہے استطاعت بھی موجود ہے لیکن جب فعل وقوع پذیر ہوا جاتا ہے تو اللہ کو حکم تھا کہ فعل وقوع پذیر ہوگا اور جب وقوع پذیر نہیں ہوا تو اللہ کو حکم تھا کہ وقوع پذیر نہیں ہوگا جب فعل کے

دفعہ کو فرض کیا جائے حالانکہ وقوع فعل کا لازم منتفی ہے تو فعل کا وقوع محال ہوگا اس لئے کہ مزدوم کا اثبات لازم کے بغیر محال ہے اور جو چیزیں اس اعتبار کے ساتھ ہوں گی وہ محال ہوں گی اس لئے اس سے توجیر لازم آتا ہے کہ کوئی بھی اللہ نہ مخلوق کسی چیز پر قادر نہ ہو اس لئے کہ اللہ جب علم رکھتا ہے کہ فلاں کام کرے گا تو اس کے علم سے اس کے ترک پر اس کی قدرت کا منتفی ہونا لازم نہیں آتا اسی طرح جب وہ علم رکھتا ہے کہ وہ فلاں کام نہیں کرے گا تو اس سے اس کے فعل پر اس کی قدرت کا منتفی ہونا لازم نہیں آتا اسی طرح بندوں کے ان تمام افعال کا معاملہ ہے جو اللہ نے تقدیر میں ثبت فرما دیا ہے۔

رطہ مذکورہ چیزیں ایمان کے عقائد اور معرفت کے اصول نیز اللہ کی توحید اور اس کی ربوبیت کا اعتراف کہلاتی ہیں جیسا کہ ارشاد ربانی ہے وخلق کل شئ فقد رآہ تقدیراً (اھل قن) وہ ہر چیز کا خالق ہے اور اس نے ان کی تقدیر بنائی ہے) نیز فرمایا وکان امر اللہ قدراً لھم قدراً (الاحزاب) اور اللہ کا حکم تقدیر میں مقدم ہے)

(رض) سابقہ اوراق میں ایمان بالقدس کی جو ابجاث گزر چکی ہیں ان کی جانب اشارہ ہے، یعنی کائنات کی تخلیق سے پہلے اللہ کو ان کا علم تھا ایمان کے سوال کا جواب دیتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تیرا ایمان ان فرشتوں، کتابوں، رسولوں اور آخرت کے دن پر ہو، نیز تیرا تقدیر یعنی خیر و شر بہ ایمان ہو حدیث کے آخر میں ہے آپ نے فرمایا اے عمر! تجھے معلوم ہے سائل کون تھا؟ اس نے کہا اللہ اور اس کے رسول جانتے ہیں آپ نے فرمایا وہ جبریل تھا تمہارے پاس تمہیں دین کی تعلیم دینے آیا تھا (مسلم)

توحید فی الربوبیت کا انقضاء یہ ہے کہ اللہ کی صفات پر ایمان لایا جائے پس جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے غیر کو خالق سمجھا اس نے شرک کیا تو جو لوگ ہر شخص کو اپنے فعل کا خالق سمجھتے ہیں وہ مشرک کیوں نہ ہوں گے اسی لئے ہم تدریہ کو مجوسی کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تقدیر اس امت کے مجوسی ہیں اگر وہ بیمار ہو جائیں تو انکی بیماری پر کسی نہ کر د اگر فوت ہو جائیں تو ان کے جنازہ پر نہ جاؤ، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر امت میں مجوسی ہوتے ہیں اور اس امت کے مجوسی وہ لوگ ہیں جو سمجھتے ہیں تقدیر کوئی چیز نہیں ہے جو شخص ان سے فوت ہو جائے تم ان کے جنازہ پر نہ جاؤ اور جو بیمار ہو جائے اس کی بیماری پر کسی نہ کر د، یہ لوگ دجال کے ساتھی ہیں اللہ نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ وہ ان کو دجال

لے (بوداؤ) حدیث ضعیف ہے البتہ طرق کثیرہ کے ساتھ مروی ہے جس سے تقویت حاصل ہوتی ہے

کے ساتھ ملائے گا نیز آپ نے فرمایا نہ تقدیر کے پاس بیٹھو اور نہ ان سے سلام کی پس کرو نیز آپ نے فرمایا آدم کی اولاد سے دو قسم کے لوگوں کا اسلام میں کچھ حصہ نہیں ان سے مراد مرجئہ اور تقدیر ہیں لیکن تقدیر کے بارے میں مروی تمام مرفوع حدیثیں ضعیف ہیں البتہ موقوف احادیث صحیح ہیں۔

ابن عباس کا قول تقدیر تو حید کا ایک نظام ہے جس نے اللہ کو ایک جانا اور تقدیر کا انکار کیا تو اس کے انکار نے اس کی توحید کو ختم کر دیا۔ یہ اس لئے کہ ایمان بالقدر ایمان بعلم اللہ کو متضمن ہے اور اللہ کا علم قدیم ہے نیز اس کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا اس نے تمام کائنات کی تقدیر لکھ دی ہے لیکن اس میدان میں مشرک، صابی فلاسفہ وغیرہ راہ صواب سے بھٹک گئے ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ کو جزئیات کا علم نہیں ہے ان کا یہ انکار تکذیب بالقدر میں داخل ہے تقدیر اس بات کا بھی انکار کرتے ہیں کہ اللہ کو ہر چیز پر قدرت حاصل ہے انہاں اللہ بندوں کے افعال کا خالق نہیں ہے یعنی بندوں کے افعال اس کی قدرت اور خلق سے خارج ہیں اس طرح یہ لوگ تقدیر کا انکار کرتے ہیں حالانکہ کتاب و سنت اور اجماع تقدیر کے اثبات پر دلالت کرتے ہیں اور صحابہ ائمہ کے کلام میں کثرت کے ساتھ تقدیر کی مذمت موجود ہے مروی ہے جب حضرت ابن عمر سے کہا گیا کہ تقدیر کہنے میں تقدیر کوئی چیز نہیں تمام امور مستقبل کے ساتھ وابستہ ہیں ماضی کے ساتھ نہیں ہیں تو انہوں نے کہا انہیں میری طرف سے خبردار کر دو کیوں ان سے بری ہوں اور وہ مجھ سے بری ہیں۔

تقدیر کے اہم اصول تقدیر جس کو اللہ کا علم بھی کہا جاتا ہے وہ چند اہم اصولوں کو متضمن ہے پہلا اصول اللہ تعالیٰ امور مقدروہ کو ان کے ہونے سے پہلے جانتا ہے ثابت ہوا کہ اللہ کا علم قدیم ہے نیز جو اللہ کے علم کو قدیم نہیں مانتے ہیں اس سے ان کا رد ہوتا ہے۔

دوسرا اصول: تقدیر مخلوقات کی مقادیر کو متضمن ہے مقادیر سے مراد مخلوقات کی صفات ہیں جو مخلوقات کے ساتھ خاص ہیں ظاہر ہے کہ ہر چیز کی تقدیر موجود ہے ارشاد رہا باقی ہے (دخل خلق کل شیء خقدرة تقدیرا الفوقان) (۲) (وہر چیز کا خالق ہے اور اس نے ان کی تقدیر بنائی ہے) پس خلق تقدیر کو متضمن ہے یعنی ہر چیز کے وجود سے پہلے اس نے اس کی تقدیر کو بنایا ہے تو جب اس نے ہر مخلوق کی خاص تقدیر (جو کیفیت پر مشتمل ہے) کو لکھ دیا ہے تو امر جزئیہ معینہ کا علم بھی اس کو حاصل ہو گیا یعنی تقدیر، علم قدیم اور علم بالجزئیات کو متضمن ہے۔

۱۲ ابو داؤد حدیث ضعیف ہے تہ ابو داؤد، حدیث ضعیف ہے تہ حدیث ضعیف ہے تہ سند ضعیف ہے ۱۲

تیسرا اصول: اللہ نے مخلوقات کے وجود سے قبل مخلوقات کے بارے میں تفصیلی خبریں دی ہیں اسی لئے تو اللہ نے اپنے بندوں کو اشیاء کے وجود سے پہلے اشیاء کا مفصل علم عطا کر دیا ہے تو جب مخلوق کو ان کا علم حاصل ہو سکتا ہے تو خالق کو بطریق اولیٰ ان کا علم حاصل ہوگا۔
چوتھا اصول: اللہ اپنے افعال میں صاحب اختیار ہے اپنی مشیت اور ارادہ کے ساتھ افعال کا فاعل ہے بذاتہ اللہ کو لازم نہیں ہے۔

پانچواں اصول: مخلوقات حادث ہیں پہلے نہ تھیں اولاً ان کو مقدر فرمایا پھر انہیں پیدا فرمایا۔
دعا اس انسان کے لئے ہے جو تقدیر میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ جھگڑے والا ہے اور تقدیر کی بحث میں بیمار دل لے کر آتا ہے اپنے دہم کے ساتھ غیب کی تنگ نائیوں میں مخفی چیزوں کو تلاش کرتا ہے اور جو باتیں اس نے کیں اہ کی وجہ سے وہ جھوٹا گناہگار ہے۔

ذہن نشین کر لیجئے کہ زندگی موت نیز بیماری اتندیستی وغیرہ دل کے عوارضات سے ہیں اور شاد و رباتی ہے اور من کاں میتا فاحیثینا کہ جعلنا لہ نوراً یبشئ بقی الناس کمن مثله فی الظلمات یس بخارج صلی اللہ علیہ وسلم
دعا جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور اس کے لئے روشنی کر دی جس کے ذریعہ سے وہ لوگوں میں چلتا پھر تپا ہے کہیں اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو اندھیرے میں پڑا ہوا (یعنی دل کفر کی بیماری کے باعث ہوا) اور اس سے نکل ہی نہ سکے۔ مردہ تھا ایمان کے ساتھ ہم نے اس کو زندگی عطا کی پس تندرست دل وہ ہے جس میں زندگی موجود ہو جب باطل اور فہم چیزیں اس سے معارض ہوں تو وہ ان سے نفرت کرے ان کو بٹسا جانے ان کی جانب دھیان نہ کرے یہی مردہ دل کبھی اچھائی اور برائی میں امتیاز نہیں کرتا۔ عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں۔

جس شخص کا دل معروف اور مشہور میں امتیاز نہیں کر سکتا وہ ہلاک ہو گیا اسی طرح
عبد اللہ بن مسعود کا قول | جو دل شہوت کی بیماری میں مبتلا ہے اس میں منفع موجود ہے بیماری کی قوت اور ضعف کے مطابق اس کا میدان عوارضات کی طرف ہوگا۔

دل کو دو قسم کی بیماریاں لاحق ہوتی ہیں شہوت کی بیماری، شہوات کی بیماری لیکن شدید
دل کی بیماریاں | نقصان دہ بیماری شہوات کی بیماری ہے ان میں سے زیادہ شدید مسئلہ تقدیر میں شک و شبہ کرنا ہے کبھی غیر شعوری طور پر دل کا مرض بڑھ جاتا ہے جب کہ دل کی صحت کے اسباب کی جانب

تو نہ نہ کی جائے بلکہ کبھی تو اس پر موت طاری ہو جاتی ہے علامت یہ ہے کہ قبیح باتوں کے زخموں سے اسے تکلیف نہیں ہوتی اور نہ ہی (اگر وہ حق سے بے برہ ہے اور عقائد باطلہ سے ناواقف ہے) اسے کچھ صدمہ ہوتا ہے کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ جب دل میں زندگی موجود ہو تو لازماً قبیح باتوں سے دل کو تکلیف ہوتی ہے اور جس قدر دل میں زندگی کے آثار ہوں اسی قدر اسے صدمہ ہوتا ہے جب کہ وہ حق سے بے برہ ہو مشہور مقولہ ہے (مرے ہوئے انسان کو زخم لگنے سے کیا تکلیف ہوگی) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دل بیماری کو معلوم کر لیتا ہے لیکن کڑوی کیسی دوا پینا اور اس پر صبر کرنا اسے دشوار معلوم ہوتا ہے تو وہ بیماری کی تکلیف تو برداشت کرتا ہے لیکن دوا پینا پسند نہیں کرتا اس لئے کہ دوا کا استعمال اس کی خواہش کے خلاف ہے چنانچہ دوا کا استعمال اس کے نفس پر دشوار گزار ہوتا ہے حالانکہ دوا سے زیادہ منفعت بخش چیز اس کے لئے کوئی نہیں ہے اور کبھی وہ اپنے نفس کو صبر پر آمادہ کرتا ہے لیکن اس کا عزم جواب دے جاتا ہے جب وہ علم بصیرت اور صبر کے ساتھ ہم کنارہ نہیں ہوتا جس طرح کوئی شخص کسی خوفناک راہ میں چلتا ہے اسے یقین ہے کہ اس کی منزل ماموں ہے پس اگر وہ صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑے گا تو ایک دن اس کا خوف ختم ہو کر رہے گا اور اسے اس صبر ہو گا جیسی اس کو مضبوط قوت اور صبر دیقین کی ضرورت ہے اگر وہ چلے ہوئے اس کا یقین منترزل ہو جاتا ہے اور اس کا بیمانہ صبر لبریز ہو جاتا ہے تو اس میں تکلیف اٹھانے کا جذبہ سرور چڑ جائے گا اور وہ راستہ سے ہی واپس آجائے گا خصوصاً جب وہ ساتھیوں سے محروم ہو اور تنہائی کی وحشتوں سے خوفزدہ ہو کر کہہ رہا ہو لوگ کہاں چلے گئے ہیں وہ میرے لئے نمونہ ہیں اکثر لوگوں کا یہی حال دیکھتے ہیں آیا ہے اور وہ تنہا ہی وہ برائی کے کنارے پہنچ چکے ہیں لیکن صبر اختیار کرنے والا صداقت شعار کبھی رفقائے قنوت یا ان کے ہم ہونے سے گھبراتا نہیں ہے لیکن جب اس کا دل سلف صالحین کی محبت سے مشعل ہو ارشاد رہا ہے مع الذین نعم اللہ علیہم من البیہین والصدیقین والشهداء والصلحین وحسن اولئک رقیقاً النساء (قیامت کے روز) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر خدا نے بڑا فضل کیا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہیدان و نیک لوگ ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی خوب ہے)

المحمد ابو شامہ کا قول | الخواص والبدع فی رخص الرای ہیں جہاں جماعت کے التزام کا حکم دیا گیا ہے اس سے حق کا التزام اور اس کی اتباع مراد ہے اگرچہ حق کا تسک اختیار

کرنے والے لیلیٰ کیوں نہیں ہیں اور مخالفت کرنے والے زیادہ تعداد میں کیوں نہیں ہیں اس لئے کہ حق وہ ہے جس پر عمدہ نبوی عمدہ صحابہ سے ایک جماعت کا عزم رہی اگر ان کے بعد باطل پرست لوگ کثرت میں ہیں تو ہم ان کی جانب نہیں دیکھیں گے۔

حسن بصری کا قول | فرماتے ہیں سنت اس راہ اعتدال کا نام ہے جو غلو اور کوتاہی کے درمیان ہے
تم پر اس کی رحمتیں ہوں تم اسی راہ پر ثابت قدمی اختیار کرو یا درگھو گذشتہ زمانہ
میں اہل سنت کی تعداد قلیل رہی ہے اب زمانہ بحال اور مستقبل میں پہلے سے بھی بہت کم ہوں گے وہ نہ تو
شاہانہ انداز کے ساتھ رہنے والوں کی رفاقت اختیار کرتے ہیں اور نہ ہی اہل بدعت کی مراقبت
اختیار کرتے ہیں وہ سنت پر ثابت قدم رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ اپنے رب سے جاملے ہیں پس تمہیں
ان کی طرح رہنا چاہیے۔

بیاد دل کی علامت: جو دل ایسی غذاؤں سے نفرت کرے، جو غذائی اس کے لئے مفید اور
قوت بخش ہیں اور ایسی غذاؤں کی طرف میلان کرے جو اس کے لئے نقصان دہ ہیں۔ اسی طرح ان ادویات
سے نفرت کرے جو دل کے لئے مفید ہیں۔ اور ایسی ادویات کی طرف راغب ہو۔ جو نقصان دہ ہیں تو وہ دل بیمار
ہے پس تندہست دل وہ ہے جو مفید شفا بخش غذا اور دوا کو پسند کرتا ہے اور نقصان دہ غذا اور دوا
سے نفرت کرتا ہے۔ خیال رہے کہ تمام غذاؤں سے زیادہ منفعت بخش غذا ایمان ہے اور تمام دواؤں
سے زیادہ مفید دوا قرآن پاک ہے اگرچہ ان دواؤں میں غذا اور دوا دونوں موجود ہیں۔ پس جو شخص کتاب
و سنت کے بغیر سے شفا کا طالب ہے وہ بہت بڑا جاہل اور بہت بڑا گمراہ ہے۔ ارشاد خداوندی ہے
قل هو اللہ بین المینوا ھدی و شفلو الذین لا یؤمنون فی اذا اتمم و قد وہو علیہم عی و لک ینلوا
من مکان بعیداً اگرچہ دو کو جو ایمان لائے ہیں ان کے لئے (یر) ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لائے
ان کے کالوں میں گمراہی (یعنی برہنہ) ہے اور یہ ان کے حق میں (موجب) ناپیدائی ہے گمراہی کے سبب
ان کو درجہ سے آواز دی جاتی ہے۔ نیز فرمایا و ننزل من القرآن ما هو شفاء و رحمة
للمؤمنین ولا یزید الظالمین الا خساراً (سورہ ابراہیم ۱۲۸) (کے ذریعہ) سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مؤمنوں
کے لئے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کے حق میں تو اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے) لفظ من القرآن کا من
جنس کے لئے ہے بمعنی کے لئے نہیں ہے۔ نیز فرمایا (یا ایھا الناس قد جاء تکم الموعدة من ربکم و شفاء
لما فی الصدور و ھدی و رحمة للمؤمنین یونسؑ) (تو تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت
اور دلوں کی بیماریوں کی شفا ہے اور مؤمنوں کے لئے ہدایت اور رحمت انجلی ہے) پس قرآن پاک دل
اور بدن نیر دنیا اور آخرت کی تمام بیماریوں کے لئے مکمل شفا ہے لیکن ہر ایک میں اس سے شفا حاصل
کرنے کی صلاحیت موجود نہیں ہے جب بیمار اچھے انداز کے ساتھ قرآن پاک سے شفا طلب کرتا ہے اور
صدق، ایمان، توجہ نام کے ساتھ بیماری کا علاج کرتا ہے نیز بخیر اعتقاد مکمل شرائط کا بھی اہتمام کرتا ہے

تو بیماری دو کامنظاہر نہیں کر سکتی بھلا کوئی بیماری آسمانوں زمین کے رب کے کلام کے سامنے کیسے ٹھہر سکتی ہے جس کا دمیت یہ ہے کہ اگر وہ پہاڑوں پر نالوں ہوتا تو ان کو بڑھ بڑھ کر دیتا اگر زمین پر نالوں ہوتا تو اس کو مختلف ٹکڑوں میں تقسیم کر دیتا، خیال رہے کہ دل و بدن کی تمام بیماریوں کا قرآن پاک میں نہ صرف علاج موجود ہے بلکہ بیماریوں کے اسباب، تشخیص، تجویز، پیرمیزر کا بھی ذکر موجود ہے لیکن جن کو کتاب کا فہم حاصل ہو، امام طحاوی کا قول: جس نے اپنے دہم کے ساتھ غیب کے اسرار سے پردہ کشائی کی وہ جھوٹا ادراگنا ہنگام ہے یعنی تقدیر بھی اس کی مخلوق میں ایک رائے ہے تو تقدیر پر بحث کرنے والا غیب پر مطلع ہونے کا قاعدہ کزناسے ارشاد خداوندی ہے (عالم الغیب فلا ینظر علی غیبہ احد) ۲۱ (لا من ارتضیٰ من رسول (الجن ۲۷-۲۸) (وہی) غیب (کی بات) جاننے والا ہے اور کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرنا ہے ہاں جس پیغمبر کو پسند فرمائے (ط) عرش اور کسی برحق ہیں۔

(رض) عرش کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یوں فرمایا ہے۔ ذوالعزیز محمد یحیٰ علیٰ لہما یرید (البروج ۱۵-۱۶) عرش کا مالک بڑی شان والا ہے جو چاہتا ہے کہ دیتا ہے (نیز فرمایا رفیع الدرجات ذوالعرش (غافر ۱) (بلند درجات والا عرش کا مالک ہے) (نیز فرمایا (ثم استوی علی العرش (الاعراف ۵۳) پھر وہ عرش پر مستوی ہوا)

اس مضمون کی متعدد آیات قرآن پاک میں ہیں نیز فرمایا

الرحمن علی العرش استوی (ط) (۵) رحمان عرش پر مستوی ہوا (نیز فرمایا۔

لا الہ الاہو رب العرش العزیز (المؤمنون) اس کے سوا کوئی خدا نہیں وہ عرش کا مالک ہے

عزت والا ہے۔ (نیز فرمایا)

اللہ لا الہ الاہو رب العرش العظیم (النمل ۲۶) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ عظمت والے

عرش کا مالک ہے۔ (نیز فرمایا)

الذین یحملون العرش ومن حوله لیسجنون بحمد ربہم و یؤمنون بہ

و یستغفرون للذین آمنوا (غافر ۶) جو لوگ عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے گرد اگر د (حلقہ بانگے ہوئے) ہیں (یعنی فرشتے)

وہ اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح بیان

کرتے رہتے ہیں اور اس کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں

مومنوں کے لئے بخشش مانگتے ہیں۔

نیز فرمایا

و یحمل عرش ربک فوقہم یومئذ ثمانیۃ اور نیز سے رب کے عرش کو اس دن آٹھ فرشتوں

(الحاقہ ۱۴)

وَقَرَى الْمَلَائِكَةُ حَافِينَ مِنْ حَوْلِ

۲۔ عرشِ یسجود بحمد ربہم هذا الزمرہ،

نے اٹھا رکھا ہوگا۔ (نیز فرمایا)

نودیکھتا ہے کہ عرش کے گرد اگر دو فرشتوں نے حلقے

باندھ رکھے ہیں اور وہ اپنے رب کی تسبیح بیان

کرتے ہیں۔

محبت زدہ کی دعا صحیح حدیث میں ان الفاظ کے ساتھ ہے۔

لا الہ الا اللہ العظیم العظیم لا الہ الا اللہ

نہیں کوئی معبود مگر اللہ عظمت والا علم والا ہے

نہیں کوئی معبود مگر اللہ جو عرش عظیم کا رب ہے نہیں

کوئی معبود مگر اللہ جو آسمان و زمین کا رب ہے جو عرشِ کریم

رب العرش العظیم لا الہ الا اللہ

رب السموات ورب الارض رب العرش

(الکریم)

کا رب ہے۔ (بخاری مسلم)

نیز حضرت عباس بیان کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو آسمان، زمین

میں کتنا فاصلہ ہے ہم تے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول کو خوب علم ہے آپ نے فرمایا ان کے درمیان

پانچ صد سال کی مسافت ہے اور ہر دو آسمان کے درمیان بھی پانچ صد سال کی مسافت ہے اور ہر

آسمان کا حجم بھی پانچ صد سال کی مسافت کے برابر ہے ساتویں آسمان کے اوپر ایک سمندر ہے

جس کی پھلی اور اوپر کی سطح کے درمیان بھی اتنا ہی فاصلہ ہے پھر اس کے اوپر آٹھ فرشتے پہاڑی پیرے ہیں کہ

ان کے گھٹنوں اور پٹلیوں کے درمیان بھی اتنا ہی فاصلہ ہے پھر اوپر عرش ہے اس کے اوپر اور نیچے کے

کنارے کے درمیان بھی اتنا ہی فاصلہ ہے پھر اس کے اوپر اللہ ہے اس پر آسمانوں کے پریم غنی نہیں،

(مسند احمد حدیث ضعیف ہے)

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا عرش آسمانوں پر انجلیوں کا قہر بنا کر فرمایا اس

طرح ہے (یوداد ترمذی ابن ماجہ حدیث ضعیف ہے) نیز بخاری میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا جب تم اللہ سے جنت کا سوال کرو تو فرمادے کہ سوال کرو وہ سب سے بہتر ہے اس کے اوپر اللہ

کا عرش ہے (حالتِ رعبی میں) اس کی ہیئت عرش ہے۔

عرش کے بارے میں متکلمین کی رائے

متکلمین کی رائے یہ ہے کہ عرش بھی آسمان سے جو تمام کتابوں

سے گول ہے اور تمام عالم کو برطوت سے محیط ہے اس کو

فلک اطلس اور فلک ناسع بھی کہتے ہیں ان کی رائے صحیح نہیں جب کہ ثمر غا عرش کے لئے پائے بھی ثابت

ہیں نیز اس کو فرشتوں نے اٹھا رکھا ہے اور شاد نبوی ہے لوگ بے ہوش ہو جاؤ گے سب سے پہلے میں

ہوش میں آؤں گا تو اس وقت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھوں گا۔ انہوں نے عرش کے پاسے کو پکڑا ہوا گا
 بین مجھے معلوم نہیں کیا وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے یا کوہ طور کی بے ہوشی کے عرصہ میں جلدی ہوش
 میں آگئے۔

لفظ عرش کی لغوی تہجیق | عرش شاہی تخت کو کہتے ہیں۔ چنانچہ بلقیس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے
 ہیں (درہ اعرش عظیم المقل ۲/۲۳) اور اس کا تخت عظیم ہے) اس لحاظ سے
 عرش آسمان نہیں ہے اہل عرب بھی عرش سے آسمان مراد نہیں لیتے ہیں جب کہ قرآن پاک عربی زبان میں
 نازل ہوا ہے پس عرش ایک تخت ہے جو پایوں والے فرشتوں نے اس کو اٹھا رکھا ہے وہ قبہ کی
 مانند تمام عام کا احاطہ کئے ہوئے ہے اس لحاظ سے اسے مخلوقات کی چھت کہنا چاہیئے امیر بن ابی الصلت
 کے اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

مجددۃ اللہ فہو للمجدد اھل ربنا اھل فی السماء کبیرۃ۱۔

بایناۃ العالی الذی بھصر الناس دسوی فوق انحاء سیرۃ۲

شرحاً لایناہ بصرا لعین تری حولہ لملأک صورا۳

تم اللہ کی بزرگی بیان کرو وہ بزرگی کا حقدار ہے ہمارا رب آسمان میں ہے بڑھائی والا ہے۔ اپنی عمارت
 کے ساتھ اس نے لوگوں کو حیرت زدہ کر دیا اور آسمانوں کے اوپر عرش بنایا جو بہت اونچا ہے اسی تک نظر
 نہیں جاسکتی اس کے گرد فرشتوں کو دیکھنے والا کروں جھکا کر دیکھتا ہے نیز عید اللہ بن روحہ کے اشعار
 ملاحظہ فرمائیے انہوں نے اپنی بیوی کو مخاطب کرتے ہوئے تعریفاً کہتے تھے جب اس نے اس کو اپنی کوہنری
 کے ساتھ منہم کیا ہے

شھدت بان وعد اللہ حق وان ساد متی الکافرین۴

وان العرش فوق الماء خاف وہ منہ و تراب العالمینا۵

وتحملہ ملائکۃ متداد ملائکۃ۶

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور دوزخ کھاد کا ٹھکانہ ہے اور عرش پانی کے اوپر
 ہے اور عرش پر رب العالمین ہے۔

اور عرش کو مضبوط فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہے جو علامتوں والے ہیں (ابن عبد البر)
 نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اجازت دی گئی کہ میں حاضرین عرش فرشتوں کے
 بارے میں وضاحت کروں ان کے کندھوں اور کان کی لودوں کے درمیان سات سو سال کی فاصلہ

سہے۔ (ابو داؤد حدیث صحیح ہے) نیز اس ابی حاتم میں ہے کہ کندھے لٹکان کالو کے درمیان اتنا فاصلہ ہے کہ پندرہ سات سو سال تک اڑتے رہیں گے۔

لیکن جو لوگ اللہ کے کلام میں تحریف کرتے ہیں اور عرش سے مراد بادشاہت لینے ہیں، وہ نصوص صریحہ کا کیا جواب دیں گے ارشاد ربانی ہے۔

وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ۚ
اور اس روز تیرے رب کے عرش کو اٹھ

ثَمَانِيَةَ - (الحاقة ۱۷)
فرشتوں نے اٹھا رکھا ہوگا۔ (نیز فرمایا)

وَكُنْ عَرْشًا عَلَى الْمَاءِ (هود ۷۷)
اور اس کا عرش پانی پر رکھا۔

اگر عرش سے مراد بادشاہت ہے تو کیا مذکورہ آیت کا ترجمہ یوں ہوگا کہ اس کی بادشاہت کو اٹھ فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہے اور اس کی بادشاہت پانی پر ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بادشاہت کے پائے کو کپڑا ہوگا کیا کسی عقلمند سے ممکن ہے کہ وہ ان معنوں کو صحیح سمجھے۔

ارشاد ربانی ہے دسم کرسیہ السموات والارض (البقرہ ۲۵۵)

اس کی کرسی آسمانوں اور زمین کو وسیع ہے) بعض کہتے ہیں کرسی سے

مراد عرش ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ دونوں الگ الگ ہیں ابن عباس وغیرہ سے یہی منقول ہے نیز حضرت ابی عباس سے منقول ہے کہ کرسی سے مراد فدموں کی جگہ ہے اور عرش کے تعین شخص کا علم اللہ ہی کو ہے (ابن ابی شیبہ فی کتاب صفۃ العرش مستدرک حاکم) سدی کا قول ہے آسمان زمین کی کرسی کے دائرہ میں عرش کے آگے ہے حضرت ابو داؤد فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کرسی عرش کے مقابلہ میں لوہے کے گول کمرے کی طرح ہے جو چٹیل میدان میں بڑا ہوا ہے (صحیح ہے) بعض کہتے ہیں کرسی سے مراد علم ہے کرسی سے مراد علم کا بغیر لینا کٹی لپٹی نہیں ہے محض ظن ہے صحیح بات یہ ہے جیسا کہ تشریف علماء کا قول ہے کہ کرسی عرش کے سامنے بیڑھی ہے۔

(ط) لیکن اللہ عرش اور اس سے کم تر اشیاء سے بے پروا ہے ہر چیز کا احاطہ کرنے والا اور اس کے اوپر ہے اور اس نے مخلوق کو اپنے احاطہ سے عاجز کر دیا ہے۔

(ش) ارشاد خداوندی ہے

اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ - (بے شک اللہ جہان والوں سے بے پروا ہے)

(۲ العنکبوت ۶) (نیز فرمایا)

وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ - اور خدا ہی غناء والا اور تعریف والا

(خاطرہ) (ہے)

عرش اور کرسی کا ذکر فرمانے کے بعد اللہ نے ذکر فرمایا کہ وہ عرش اور اس سے کم چیزوں سے مستغنی ہے مگر اصل اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ بنے عرش کو پیدا فرمایا تاکہ وہ اس پر مستنوی ہو جب کہ اللہ تعالیٰ اس کے محتاج نہیں ہیں اس کے پیدا کرتے ہیں حکمت کا فرما ہے اور عالی کا سافل کے اوپر ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ سافل عالی کا احاطہ کرنے والا ہے اس کو اٹھانے والا ہے اور نہ ہی اعلیٰ سافل کا محتاج ہے چنانچہ آپ غور کریں آسمان نہی کے اوپر ہے لیکن آسمان زمین کا محتاج نہیں پس اللہ تعالیٰ عظمت شان والا ہے اور اس کا علو اس بات کو مستلزم نہیں کہ وہ اسفل کا محتاج ہو بلکہ اس نے اپنی قدرت کے ساتھ سافل کو اٹھایا ہوا ہے اور سافل اس کا محتاج ہے لیکن وہ سافل سے مستغنی ہے سافل نے اس کا احاطہ نہیں کیا ہوا ہے پس وہ عرش پر ہے اس نے اپنی قدرت کے ساتھ عرش اور عالمی عرش کو اٹھایا ہوا ہے وہ عرش سے مستغنی ہے جب کہ عرش اس کا محتاج ہے اس نے عرش کا احاطہ کیا ہوا ہے عرش نے اس کا احاطہ نہیں کیا ہوا ہے اس نے عرش کا حصر کیا ہوا ہے عرش نے اس کا حصر نہیں کیا ہوا ہے لیکن یہ لوازمات مخلوق سے ملتی ہیں۔

اللہ سے علوی نفعی کرنے والے محصل ہیں اگر وہ ہمدی بیان کردہ تفصیلات پر غور کرتے تو انہیں راہ صواب کی ہدایت حاصل ہو سکتی تھی اور معلوم ہوتا کہ عقل و افتخار کتاب اللہ کے عین مطابق ہے تو وہ دیں کی اتباع کرتے لیکن وہ دیں سے دور رہے تو سیدھے راہ سے بھٹک گئے حالانکہ حقیقت وہی ہے جو امام مالک سے منقول ہے ان سے استواء علی العرش کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا استواء معلوم ہے اور کیفیت مجہول ہے یہی قول حضرت ام سلمہ سے بھی مرفوعاً درست نہیں۔

امام طحاوی کا قول اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا اور ہر چیز کے اوپر ہے ایک نسخہ میں لفظ (واؤ) انہیں ہے معنی یوں ہو گا کہ وہ عرش پر ہر چیز کا احاطہ کرنے والا ہے اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ عرش ہر چیز کے اوپر ہے معلوم ہوتا ہے بعض تسامی سے لفظ واء لگ گیا ہے یا بعض گمراہ قسم کے لوگوں نے قصداً وادھر کر دیا ہے تاکہ معنی فاسد ہو جائے اور عرش کی فوقیت ثابت نہ ہو حالانکہ دلائل شرعیہ موجود ہیں کہ عرش تمام مخلوقات کے اوپر ہے عرش پر کوئی مخلوق نہیں ہے جس نے عرش کا احاطہ کیا ہوا ہو، لہذا واء کا ہونا ضروری ہے تاکہ معنی میں فساد پیدا نہ ہو پس صحیح معنی یہ ہے کہ وہ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا ہے اور ہر چیز کے اوپر ہے۔

امام طحاوی کا قول: اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا ہے، الاشارة بانی ہے۔

والله من در لہم محیط ۲ البروج ۲۰) (اور خدا رہی) ان کو گرداگردے گھیرے ہوئے ہے
 نیز فرمایا۔ الا انہ بكل شئی محیط (تم السجدة ۵۴) خبردار بیشک خدا ہر چیز کا احاطہ کرنے والا ہے۔ نیز فرمایا۔
 والله ما فی السموات وما فی الارض
 وکان اللہ بكل شئی محیطاً۔
 اللہ کے ملک میں ہے اور اللہ ہر چیز کا احاطہ
 کرنے والا ہے۔ (النساء ۶۰)

اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ اس نے آسمان کی طرح اپنی مخلوق کا احاطہ کیا ہو اسے نہ ہی یہ مراد
 ہے کہ کائنات اللہ کی ذات مقدس میں داخل ہے
 تَعَالٰی اللّٰهُ عَنْ ذٰلِکَ عُنُوْا کَیْسَیْرًا۔
 ہے اور اس کا علم اور اس کی قدرت وسیع ہے اور تمام کائنات اللہ کی عظمت کے مقابلہ میں رانی کے
 دانہ کے برابر ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کیا ساتوں آسمانوں اور صاف
 زمینیں اور جو کچھ ان میں یا ان کے درمیان ہے وہ سب اللہ کے ہاتھ میں محض رانی کے برابر ہے
 جو کسی انسان کے ہاتھ میں ہے نیز برودن روشن کی طرح ظاہر ہے (اور اللہ ہی کے لئے بلند مثال ہے)
 کہ ہم میں سے ہر فرد جب اس کے ہاں رانی کا دانہ ہے اگر وہ چاہے تو اس کو مٹھی میں بند کرے یعنی اس کی
 مٹھی اس کا احاطہ کرے اور اگر چاہے تو اس کو اپنے نیچے کرنے دونوں حالتوں میں ہر فرد رانی کے دانہ
 کے برابر ہے تمام لحاظ سے اس پر بلند ہے تو اللہ کی عظیم ذات جس کی عظمت کا بیان نہیں ہو سکتا وہ کون
 نہ مخلوق سے مباہی ہو گا پس اگر اللہ چاہے تو آسمانوں، زمینوں کو آج بھی مٹھی میں بند کرے اور انہیں
 اس طرح حرکت دے جیسا کہ ان کو قیامت کے دن حرکت دے گا اس لئے کہ یہ تو صحیح نہیں کہ قیامت کے
 دن اللہ تعالیٰ میں نئی قوت ظہور پذیر ہوگی جو آج نہیں ہے تو پھر عقل اس بات کو کیسے بعید قرار دے سکتی
 ہے کہ اللہ پاک عالم کے بعض اجزاء کے قریب ہو جب کہ وہ آسمانوں کے اوپر عرش کے اوپر ہے یا
 جس مخلوق کو چاہے اپنے قریب کرے پس جو شخص ان باتوں کی نفی کرتا ہے اس نے اللہ کا صحیح حق نہیں
 پہچانا۔ رزق میں ایک مشہور حدیث ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے جس میں اللہ کی رؤیت
 کا ذکر ہے جب آپ سے دریافت کیا گیا کہ اللہ کی ذات تو واحد ہے اور ہم تمام ہیں تو ہم سب کو وہ اکبلا
 کیسے سنا سکتا ہے آپ نے فرمایا اس کے سمجھنے کے لئے اللہ کی نعمتوں پر غور و فکر کیجئے خاص طور پر
 چاند کو دیکھیں کہ وہ اللہ کی علامات میں سے ایک ہے ہم تمام اس کا شاہدہ یوں کرتے ہیں جیسے صرت
 ہم ہی اس کو دیکھ رہے ہیں جب کہ اللہ کی ذات تو چاند سے کہیں بڑی ہے اور جب چاند ڈوب جاتا

ہے تو معلوم ہوا کہ وہ ہر چیز سے عظیم اور بڑا ہے پس اس مثال سے تمام اشکالات زائل ہو جاتے ہیں اور تمام عام خیال یا تئیں باطل ہو جاتی ہیں۔

امام طحاوی کا قول کہ اللہ تمام مخلوقات سے اوپر ہے، ارشاد خداوندی ہے
 وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ (الانعام ۱۸) اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے۔

نیز فرمایا

يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ (النمل ۵) (وہ اپنے اوپر سے اپنے رب سے خائف ہیں)
 نیز ارشاد خداوندی: عرش تمام کائنات سے اوپر ہے اور اللہ ان سب سے اوپر ہے، کا ذکر پہلے
 گزر چکا ہے نیز عبد اللہ بن رواحہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وہ اشعار کہ جن کا ذکر پہلے
 ہو چکا ہے، آپ نے ان اشعار کے خلاف کچھ نہیں فرمایا بلکہ انہیں سن کر سنس دیئے اس طرح حضرت
 حسان نے یہ اشعار کہے تھے

شَهِدَتْ بِأَذْنِ اللَّهِ مِنْ مُحَمَّدٍ أَرْسُولَ الَّذِي خُوقَ السَّمَوَاتُ مِنْ عِلِّ

وَأَنْ أَبَا مِجْنِي وَيَجْنِي كَلَاهِمًا لَهُ عَمَلٌ مِنْ رَبِّهِ مُتَقَبِلٌ —

وَأَنْ الَّذِي عَادَى إِلَهُ يَهُودَ ابْنِ مَرْيَمَ رَسُولَ آتَى مِنْ عِنْدِ الْعَرْشِ مُرْسِلٌ

وَأَنْ خُتَا أَلْحَقَافَ أَذْقَامَ يَزِيدُهُمْ جَاهِدُ ذَاتِ الْإِلَهِ وَيَعْدِلُ —

جس اللہ کے حکم کے ساتھ گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس ذات کی جانب سے رسول ہیں جو آسمانوں
 کے اوپر بلند ہے، نیز میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ دونوں کا عمل ان کے رب کے ہاں
 مقبول ہے، نیز میں گواہی دیتا ہوں کہ جس پیغمبر سے یہود نے دشمنی کی وہ عیسیٰ بن مریم ہیں جن کو عرش والے
 کی جانب سے بھیجا گیا تھا، نیز میں گواہی دیتا ہوں کہ احقاف والوں کے پاس آئے والا پیغمبر ان میں کھڑا ہوا
 وہ اللہ کی ذات کے لئے جہاد کرتا رہا اور عدل و انصاف کرتا رہا۔

آپ نے ان اشعار کو سننا تو فرمایا مگر گواہی دیتا ہوں، نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے یہ اشعار
 سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا جب اللہ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو عرش کے اوپر ایک کتاب میں تحریر کیا
 کہ میری رحمت میرے غضب سے سبقت لے گئی ہے ایک روایت میں ہے میرے غضب پر غالب ہے۔ نیز
 ابی ماجہ میں حضرت جابر سے مرفوعاً ذکر ہے ایک بادیوں ہو گا کہ جنتی نعمتوں میں ہوں گے ان کے سامنے تو

لہ طغیات ابی سوزند و متقطع ہے سہ بخاری سلم

دو شہ ہو گا وہ اپنے سر بلند کر کے اس کی جانب دیکھیں گے تو اللہ جل جلالہ ان کے اوپر سے ان کی جانب بھائیں گے اور فرمائیں گے اے جنت والو تم پر سلام ہو پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔
(سلام تو لا من رب رحیم ص ۵۸) سلامتی والا کلمہ پانے والے مریدان کی طرف سے ہے۔

پس اللہ ان کی جانب دیکھے گا وہ اللہ کی جانب دیکھیں گے جب تک اللہ کی جانب دیکھتے رہیں گے وہ کسی نعمت کی جانب استغاثات نہیں کریں گے۔
نیز مسلم میں اللہ کے قول

هو الدل والآخر والظا هو الباطن (دہی اول ہے اور آخر ہے اور ظاہر اور باطن
۲۰ تحدید ۲) ہے) کی تشریح میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول

ہے تو اول ہے تجھ سے پہلے کوئی چیز نہ تھی تو آخر ہے نیز بعد کوئی چیز نہیں تو ظاہر ہے تیرے اوپر کوئی چیز نہیں تو باطن ہے تیرے نیچے کوئی چیز نہیں خیال رہے ظہور سے مراد ملندی ہے اسی سے اللہ کا قول ہے

فما استطاعوا ان يظهروا الكهف ۹۷ (ان کو اس پر جانے کی طاقت نہ (میر آئی) اس آیت میں ظہور کا معنی اعلو کا ہے پس اللہ کے ان چاروں اسماء میں تقابل ہے دو ناموں سے اللہ کی اذیت اور ابدیت مترشح ہو رہی ہے جب دوسرے دو ناموں سے اللہ کا علو اور قرب معلوم ہوا ہے۔ البود اذ میں حضرت جبریل بن مطعم سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بدوی آیا اس نے کہا اے اللہ کے رسول! لوگ مشقت میں ہیں اہل و عیال کمزور ہو رہے ہیں اموال ختم ہو رہے ہیں چار پیسے ہلاک ہو رہے ہیں اللہ سے ہمارے لئے بارش کی دعا فرمائیں ہم آپ کو اللہ کے ہاں سفارشی لے جاتے ہیں اور اللہ کو آپ کے ہاں سفارشی لاتے ہیں اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھ پر افسوس ہے تجھے معلوم ہے کہ تو کیا کہہ رہا ہے آپ نے تسبیح کے کلمات کہنے شروع کئے مسلسل ان کلمات کو دہراتے رہے یہاں تک کہ آپ کے صحابہ کے چہروں پر اس کے آثار دکھائی دے رہے تھے پھر آپ نے فرمایا تجھ پر افسوس ہے اللہ کو اس کی کسی مخلوق کے پاس بطور سفارشی نہیں لے جایا سکتا اللہ کی شان تو اس سے بلند ہے تجھ پر افسوس ہے کیا تجھے علم ہے کہ اللہ کہاں ہے اللہ عرش کے اوپر ہے اور

لے سند ضعیف ہے شیخ احمد خاں کا اسکی سند کو جبریل فرمادیتا دیتا جس میں صحیح مندرجہ ۱۳

عرش آسمانوں پر ہے انجلیوں کے ساتھ اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ آسمانوں پر قبہ کی طرح ہے اور عرش اللہ کے ساتھ یوں آواز کرتا ہے جیسا کہ لان سوار کی وجہ سے آواز کرتا ہے نیز جو قریظہ کے دن حضرت سعد بن معاذ کے واقعہ میں ہے جب اس نے ان کے بارے میں فیصلہ کیا کہ ان میں جو لڑائی کے قابل ہیں انہیں قتل کیا جائے اور ان کے بچوں کو قید کیا جائے، اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے ان میں اس اللہ بادشاہ کا فیصلہ کیا ہے جو سات آسمانوں کے اوپر ہے یہ حدیث صحیح ہے۔ اس حدیث کو اموی نے معاذی میں ذکر کیا ہے نیز اس کا اصل صحیحین میں ہے نیز بخاری میں حضرت زینب سے ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں پر فخر کرتی ہوئی کہا کرتی تھیں کہ تمہارا نکاح تو تمہارے گھر والوں نے کر دیا اور میرا نکاح سات آسمانوں کے اوپر اللہ نے کر لیا۔ نیز حضرت عمر سے مروی ہے کہ ان کا ایک بڑھیا کے پاس سے گزر رہا اس نے آپ کو کھڑا کر لیا آپ کھڑے ہو کر اس کے ساتھ بائیں کرتے رہے ایک آدمی نے عرض کیا اے امیر المومنین تو نے اس بڑھیا کی وجہ سے لوگوں کو روک رکھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تجھ پر افسوس ہے کیا تجھے معلوم ہے کہ یہ عورت کون تھی؟ یہ وہ عورت تھی جس کے شکوہ کو اللہ نے سات آسمانوں کے اوپر سے سن لیا اس کا نام خولہ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی

قد سمع اللہ قول التي تجادلك في زوجها وتشتكي الى الله -

(الجادلہ ۱)

(اے پیغمبر) جو عورت تم سے اپنے شوہر کے بارے میں بحث و جدال کرتی ہے اور خدا سے شکایت (سج و طال) کرتی تھی خدا نے اس کی انتہا سن لی ہے)

نیز حضرت ابی عباس سے ارشاد خداوندی -

ثُمَّ لَ تَنْفَعُ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ عَنِ إِيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ (الاعراف ۱۷)

پھر ان لوگوں کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے غرض ہر طرف سے انہیں کی انتہا نہیں ملے گی کی تعبیر میں منقول ہے کہ چونکہ شیطان

کو اوپر کی جانب سے آنے کی طاقت نہیں اس لئے کہ اوپر کی جانب تو اللہ تعالیٰ ہیں اس لئے آیت میں (فوق) یعنی اوپر کا لفظ نہیں ہے خیال ہے کہ احادیث رسول اور سلف صالحین کے بے شمار

لے مضبوط ہے صحیح ہے حدیث صحیح ہے ۱۲

اقوال کا ملاحظہ کرنے سے اللہ کا فوق ہونا ثابت ہوتا ہے نیز اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ سبحانہ نے جب مخلوق کو پیدا فرمایا تو اس نے ان کو اپنی پاک ذات سے پیدا نہیں فرمایا، اللہ کی پاک ذات اس سے کہیں بلند ہے وہ ایک ہے بے نیاز ہے اس نے کسی کو جنا ہے نہ وہ جنا گیا ہے پس یہ نظریہ قطعی ہے کہ اللہ نے ان کو اپنی ذات سے خارج پیدا کیا ہے اگر اللہ سبحانہ کی ذات فوقیت کے ساتھ موصوف نہ ہوتی (بلکہ وہ ذات قائم بنفسہ ہے عالم کے ساتھ اس کا اختلاط، التباس نہیں ہے) تو وہ اس مخالف وصف کے ساتھ موصوف ہوتی اس لئے کہ جو ذات کسی چیز کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے وہ ذات اس سے بالاتر کے مخالف سے بر حال خالی نہیں ہے ظاہر ہے کہ فوقیت کے مخالف تو سفلیت ہے وہ مطلقاً قائم ہے اس لئے بھی کہ سفلیت تو ابلیس اس کے اتباع اور اس کے لشکر کا ٹھکانہ ہے۔

اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے (کہ ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ اللہ کی ذات فوقیت کو قبول کرتے والی ہے تاکہ اس کی نفی سے اس کی مخالف وصف کا ثبوت لازم آئے) تو ہم کہیں گے اگر وہ ذات علو اور فوقیت کو قبول کرنے والی نہیں ہے تو اس ذات کی کچھ حقیقت نہ ہوتی جو اس کے ساتھ قائم ہے پس جب تم نے اقرار کر لیا ہے کہ اللہ کی ذات قائم بنفسہ ہے اس کا اس عالم کے ساتھ کچھ اختلاط نہیں ہے نیز وہ خارج میں موجود ہے اس کا وجود صرف ذہنی نہیں ہے بلکہ قطعاً وہ اذہان سے خارج ہے اور تمام عقلا ربوبی طور پر اس بات کا علم رکھتے ہیں کہ جس کا وجود اس طرح کا ہو وہ یا عالم میں داخل ہے یا اس سے خارج ہے اور اس کا انکار بلا شبہ بدہمیات کا انکار ہے بلکہ بدہمیات سے بھی زیادہ واضح اور جلی چیزوں کا انکار ہے پس اس پر جس دلیل سے بھی استدلال ہوگا غیبت اس دلیل کے ممانیت کا علم زیادہ واضح اور ظاہر ہے اور جب فوقیت اور علو کا وصف کمال کا وصف ہے نہ اس میں کچھ نقص ہے نہ وہ کسی نقص کو مستلزم ہے نہ ہی کسی ناجائز چیز کو واجب کرتا ہے اور ہر کتاب و سنت اور اجماع کا مخالف ہے پس اس کی حقیقت کی نفی باطل اور محال چیز کو ثابت کرتی ہے جس کو شریعت اسلامی نے ذکر نہیں کیا ہے پس کس طرح اس کو تسلیم نہ کیا جائے جب کہ اس کے وجود کا اقرار اور اس کے رسولوں کی تصدیق اور اس کی کتاب اور جس چیز کو پیغمبروں نے بتایا اس پر ایمان لانا بھی اسی کا نتیجہ ہے مزید برآں عقول سلیمہ اور فطرت مستقیمہ بھی اس پر گواہی دیتی ہیں اور متنوع حکم نصوص بھی داد دیں جو ثابت کرتے ہیں کہ اللہ اپنی مخلوق پر بلند ہے اور وہ بندوں کے اوپر ہے تقریباً جس نصوص اللہ کے فوق ہونے پر دلالت کرتے ہیں ارشاد خداوندی ہے :-

يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ (القل ۵۰)

(اور وہ اپنے رب سے خائف ہیں جو اوپر ہے)

اس آیت میں صراحتاً فوقیت کا ذکر ہے جو من کے ساتھ واسطہ ہے مراد ذات الہی کی فوقیت ہے۔ نیز ارشاد ربانی ہے۔

وهو القاهر فوق عباده (الدعاء ۱۸-۶۱) (اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے) اس میں فوقیت کسی حرف کے ساتھ مستعمل نہیں ہے نیز فرمایا۔
تعوذ الملائكة والروح اليه - (جس کی طرف روح (الایمن) اور فرشتے چڑھتے ہیں) (المعارج ۴-۲)

اس میں اللہ کی ذات کی طرف عروج کا ذکر ہے۔ نیز ارشاد نبوی ہے۔
يعرج الذين باقوا فيكم فيسألهم الله (جن فرشتوں نے تم میں رات بسر کی ہوئی ہے وہ اللہ کی جانب عروج کرتے ہیں تو اللہ ان سے سوال کرتا ہے)

نیز ارشاد ربانی ہے

اليه يصعد الكلم الطيب فاطر (۱۰) (اس کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں)
اس آیت میں اللہ کی طرف صعود کا صراحتاً ذکر ہے۔ نیز فرمایا۔
بل رفعه الله اليه النساء (۱۵۸) (بلکہ اللہ نے اس کو اپنی طرف بلند کیا)
اس آیت میں اس بات کی تصریح ہے کہ اللہ نے بعض مخلوقات کو اپنی طرف بلند کیا نیز اس کی تائید میں فرمایا

اني متوفيك ورافعك الى (ال عمران ۵۵) (میں تجھے کو پورا پورا اپنی طرف اٹھانے والا ہوں)
نیز فرمایا۔

وهو العلي العظيم (البقرة ۲۵۵) (اور وہ بلند عظمت والا ہے)
اس آیت میں علوم مطلق صراحتاً مذکور ہے جو علو کے تمام مراتب پر دلالت کرتا ہے نیز اس کی تائید میں ہے۔

وهو العلي الكبير (سبا ۲۳) (اور وہ بلند کبریا والا ہے)
انه عليه حكيم (الشورى ۵) (جسے شک وہ علم والا اور حکمت والا ہے)

لہ بخاری، مسلم

نیز ارشاد دہائی ہے :-

تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ
(غافر ۲)
اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے کتاب
(کو نازل کرنا ہے)

اس آیت میں اللہ کی جانب سے کتاب کے اتارنے کی صراحت ہے، نیز اس آیت کی تائید درج ذیل آیات سے بھی ہو رہی ہے -

تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ -
(الذراۃ ۱)
اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے کتاب
نازل کرنا ہے - نیز فرمایا -

تَنْزِيلُ مِنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ فَصَلَتْ (۲)
(رحمن اور رحیم کی طرف سے اتارنا
ہے) - نیز فرمایا -

قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ
(النمل ۱۰۲)
روح القدس نے نازل کیا - نیز فرمایا -

حَمْدُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ اِنَّا نَزَّلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ
مُبَارَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ فَيُهَا يَفْرَقُ كُلُّ
اَمْرٍ حَكِيْمًا مَّا مِّنْ عِنْدِنَا اِنَّا كُنَّا
مُرْسِلِيْنَ -

(الرحاۃ ۱)
الحکم اس کتاب روشن کی قسم کہ ہم نے اس کو
مبارک رات میں نازل فرمایا ہے ہم تو راستہ
دکھانے والے ہیں اسی رات میں تمام حکمت
کے کام فیصلہ کئے جاتے ہیں (یعنی ہمارے
ہاں سے حکم ہو کر بے شک ہم جی (پیغمبر کو)
بھیجتے ہیں) -

نیز ارشاد دہائی -

اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا یَعْرِفُوْنَ
اس کی تائید دوسری آیت میں موجود ہے فرمایا :-

وَلَهُ مِنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهٗنْ
عِنْدَهُ (الانبیاء ۱۹)
(اور اسی کے ملک میں ہیں جو آسمانوں اور زمین
میں اور جو اس کے پاس ہیں) -

ان میں تفریح ہے کہ بعض مخلوقات کو اختصاص حاصل ہے کہ وہ اللہ کے قریب ہیں اور بعض اللہ کی طرف

لے جا کر

بعض سے زیادہ قریب ہیں یعنی لفظ (من له) امد (من عندہ) میں فرق ہے (من له) عموم کے لئے ہے امد (من عندہ) سے مراد فرشتے اور اس کے خاص قربانہ و ار بندے ہیں، نیز ارشاد نبوی (کہ اللہ کی کتاب اس کے پاس عرش سے اوپر ہے) سے بھی تاثر ہو رہی ہے اس میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں میں ہے اہل سنت مفسرین کے نزدیک باللفظ (فی) (علی) کے معنی میں ہے جس میں علو کا معنی ہے یا سماء سے مراد علو ہے اس میں کسی قسم کا اختلاف نہیں نہ ہی یہاں کسی دوسرے معنی کا احتمال ہے استواء (علی) کے ساتھ متصل ہوتا ہے جو عرش کے ساتھ خاص ہے جو تمام مخلوقات سے بلند ہے اکثر و بیشتر اس کا استعمال (تہ) کے ساتھ ہوتا ہے جو ترتیب اور محنت پر دلالت کرتے ہیں نیز ارشاد نبوی ہے بے شک اللہ اپنے بندے سے جبار کرنا ہے (جب کہ وہ اس کی طرف اپنے ہاتھ اٹھاتا ہے) کہ وہ انہیں عالی لوٹائے، اس حدیث میں صراحت ہے کہ ہاتھ اللہ کی جانب بلند ہوتے ہیں لیکن یہ سمجھنا کہ اوپر کی جانب دعا کے لئے قیہ ہے بدیہی اور فطرتی طور پر باطل ہے ہر دعا کرنے والا اس کے باطل ہونے کا معترف ہے اے اس کا ذکر کرے گا۔ نیز صراحتاً حدیث میں ہے کہ اللہ ہر ذات آسمان دنیا کی طرف نزول کرتا ہے جب کہ غفلتاً نزول کا اطلاق بلندی سے پستی کی جانب اترنا ہے نیز حساً اللہ کی جانب اشارہ علوی طرف ہوتا ہے جیسا کہ اشارتاً اس کا ذکر اس انسان نے کیا ہے جو تمام انسانوں سے زیادہ اپنے رب کے بارے میں علم رکھتا ہے۔ نیز اللہ کے لئے کیا ثابت ہے اور کیا منقطع ہے اس کا بھی علم رکھتا ہے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں چنانچہ آپ نے ایک بہت بڑے مجمع میں عظمت والے مکان میں فرمایا لوگو! تم سے میرے بارے میں سوال ہو گا تم کیا جواب دو گے لوگوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو نے پہنچا دیا حق ادا کر دیا اور خیر خواہی کی تو آپ نے اپنی انجلی مبارک کو آسمان کی جانب بلند کرنے ہوئے ایسی ذات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے (جو تمام مخلوق سے اوپر ہے) فرمایا اے اللہ گواہ ہو جاؤ کہ ہم آپ کی انجلی مبارک کا مشاہدہ کر رہے ہیں جب وہ اللہ کی جانب بلند ہوئی ہے اور اس زبان کا بھی مشاہدہ کر رہے ہیں جو انجلی کو اٹھاتے وقت (اے اللہ گواہ ہو جاؤ) کے کلمات فرما رہی تھی نیز ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے کمال طریقہ سے اللہ کے پیغام کو پہنچا دیا اور امت کی ہدایت و رہبر خواہی کی رہیں آپ کے بیان، وضاحت، تبلیغ کے بعد کسی تکلف کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی واللہ رب العالمین، نیز متعدد احادیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زبان سے (جو تمام مخلوق سے زیادہ علم والے تھے) اور سب سے زیادہ امت کے خیر خواہ اور سب

لہ مسلم ہے، صحیح مسلم ۵۸۵ بخاری ۱۲

سے زیادہ فصیح بلیغ کلام کرنے والے تھے جس میں کسی غلط بات کا قطعاً کچھ نشانہ نہ تھا، ایمن اللہ کا جملہ وارد ہے اور اس انسان کو آپ نے مومن قرار دیا جس نے (ایمن اللہ) (اللہ کہاں ہے) کے جو آپ بھی گواہی دی کہ آسمان میں ہے نیز قرآن پاک میں اللہ نے فرعون کے بارے میں بتا دیا ہے کہ اس نے آسمان کی جانب چڑھنے کا اس لئے قصد کیا تاکہ وہ حضرت موسیٰ کے خدا پر مطلع ہو سکے اور موسیٰ کی تکذیب کر سکے کہ خدا تو آسمان میں نہیں ہے تو جھوٹ کہتا ہے، ارشاد ربانی۔

يَا هَامَانَ ابْنِ لِي صَبْرًا لَعَلِّي اَبْلُغُ اَلْاَسْبَابَ
اَسْبَابَ السَّمَوَاتِ فَاحْلُلْ اِلَيَّ اَلدُّمُوسَى
وَافِي لَظَنَدِ كَاذِبًا السَّمُومَ (۳۶)

(اے ہامانی میرے لئے ایک محل بناؤ تاکہ میں
(اس پر چڑھ کر) رستوں پر پہنچ جاؤں (بیٹے)
آسمانوں کے رستوں پر پھر موسیٰ کے خدا کو
دیکھ لوں اور میں تو اسے جھوٹا سمجھتا ہوں)

پس جو شخص جہمیہ سے اللہ کی ذات کے بارے میں علوی نفی کرتا ہے وہ فرعونؑ ہے اور جو شخص علوی کو ثابت کرتا ہے وہ موسیٰ اور محمدؐ ہے نیز معراج کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی تخفیف کے لئے کئی بار اپنے پروردگار کی جانب صعود فرماتے ہیں اور حضرت موسیٰ کی جانب آتے ہیں نیز انھوں نے صریحاً یہ ہے کہ قیامت کے دن جنتیوں کو اللہ کی رؤیت حاصل ہوگی وہ اللہ کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح سورج، چاند کو دیکھتے ہیں جب کہ فضا میں بادل نہ ہوں خدا کو بلند میں دیکھیں گے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ایک باریوں ہوگا کہ جنتی نعمتوں میں ہوں گے اچانک ان کے سامنے روشنی نمودار ہوگی وہ اپنا سر بلند کریں گے تو اللہ تبارک و تعالیٰ ان پر بلند می سے دیکھ رہے ہوں گے اور فرما رہے ہوں گے، اے جنت والو! تم پر سلام ہو اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

سَلَامٌ قَوْلًا مِنْ رَبِّ رَحِيمٍ - (سلامتی والا قول رحم فرمانے والے رب

(۱- س ۵۸) کی طرف سے ہے)

پھر اللہ ان سے پردے میں ہو جائے گا لیکن اس کی رحمت اور برکت ان پر جاری رہے گی۔
معلوم ہوا کہ جو لوگ اللہ کے فوق ہونے کا انکار کرتے ہیں وہ اس کی رؤیت کا بھی انکار کرتے ہیں
یہی وجہ ہے کہ جہمیہ ان دونوں کا انکار کرتے ہیں جبکہ اہل سنت دونوں کا اثبات کرتے ہیں اور جو لوگ
رؤیت کا انکار کرتے ہیں لیکن علوی نفی کرتے ہیں وہ متذبذب ہیں نہ وہ ان میں داخل ہیں نہ ان میں۔ اگر

اس مسئلہ کے دلائل کو تفصیل سے بیان کیا جائے تو تقریباً ایک ہزار دلائل فراہم کئے جاسکتے ہیں اور تاویلات کا باب کھولنے والوں کو تمام اولہ کا جواب دینا ہو گا جب کہ وہ بعض اولہ کا بھی جواب نہیں دے سکتے۔

علم کے اثبات میں سلف صالح سے بہت کچھ منقول ہے چنانچہ شیخ الاسلام ابو اسماعیل انصاری اپنی کتاب (الفاروق) میں سند مطیع علی تک پہنچانے ہوئے ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے امام ابو حنیفہ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا جس کا قول یہ ہے کہ میں نہیں جانتا کہ میرا رب آسمان میں ہے یا زمین میں ہے انہوں نے جواب میں فرمایا کہ وہ کافر ہو گیا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کافران ہے۔

(الرحمن علی العرش استوی ط ۵) (رحمن عرش پر مستوی ہوا)

جب کہ اللہ کا عرش ساتوں آسمانوں پر ہے پھر سوال ہوا اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اللہ عرش پر ہے لیکن میں نہیں جانتا کہ عرش آسمان میں ہے یا زمین میں ہے امام صاحب نے فرمایا اس نظر پر کافران بھی کافر ہے اس لئے کہ اس نے اللہ کے آسمان میں ہونے کا انکار کیا اور جو شخص اللہ کو آسمان میں نہیں مانتا وہ کافر ہے اس لئے کہ اللہ اعلیٰ علیین میں ہے اس کا بلندی میں تصور کرتے ہوئے پکارا جاتا ہے اسفل میں اس کا تصور کرتے ہوئے نہیں پکارا جاتا۔

اب اگر کچھ اہل علم جو امام ابو حنیفہ کی جانب اپنی نسبت کرتے ہیں وہ اس کا انکار کرتے ہیں تو ہم ان کے انکار کا کچھ خیال نہیں کریں گے جب کہ معتزلہ وغیرہ بھی ان کی جانب اپنی نسبت کرتے ہیں حالانکہ اکثر اعتقادی مسائل میں امام ابو حنیفہ کی مخالفت کرتے ہیں اسی طرح ہم دیکھتے ہیں امام مالک، شافعی، احمد کی طرف نسبت کرتے والے لوگ بعض اعتقادات میں ان کی مخالفت کرتے ہیں اور ابو یوسف کا واقعہ جب انہوں نے بشر مری سے کہا کہ وہ تو یہ کہیں اس لئے کہ وہ اللہ کو عرش کے اوپر نہیں مانتے ہیں بہت مشہور ہے ابن ابی حاتم نے اس کا ذکر کیا ہے۔

اللہ عرش کے اوپر ہے کی تاویل | جو لوگ اللہ کے عرش کے اوپر سے مراد لیتے ہیں کہ اللہ اپنے بندوں سے بہتر اور افضل ہے اور وہ عرش سے بھی افضل

اور بہتر ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے امیر و ذریعہ اوپر ہے اور دینار و دہم کے اوپر ہے ان کی تاویل ایسی ہے جس سے عقول سلیمہ نفرت کرتی ہیں اور صحیح فکر اس کو غلط قرار دیتی ہے اس لئے کسی شخص کا یہ کہنا کہ اللہ اپنے بندوں سے بہتر ہے اور عرش سے بھی بہتر ہے بالکل بدیہی ہے بلکہ اس انداز کی بات ہے کہ برت میں ٹھنڈک ہے آگ میں حرارت ہے سورج کی روشنی چراغ کی روشنی سے زیادہ ہے آسمان مکان

کی چھت سے بلند ہے، پہاڑ کنگر سے بوجھل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلاں یہودی سے افضل ہیں
۲۔ آسمان زمین سے بلندی پر ہے ظاہر ہے کہ یوں کہنے سے اللہ کی بزرگی ثابت ہوتی ہے نہ ہی اس کی
تعظیم اور مدح کا پہلو نکلتا ہے بلکہ یہ تو نہایت ردی کلام ہے اور اس کے تلخ ہونے میں کچھ کلام نہیں
وہ اللہ کے کلام کے برابر کیسے ہو سکتا ہے۔ اگر حیرت آمیز و انس اس پر مجتمع ہو جائیں کہ وہ اسی کا مثل پیش
کر سکیں تو وہ کبھی اس کا مثل نہیں پیش کر سکیں گے اگرچہ وہ سب جمع ہو کر ایک دوسرے کی معاد بھی کریں
بلکہ یہ انداز تو نہایت معیوب ہے جیسا کہ عام ضرب المثل ہے کہ

المرتات السیفت ینقص قدراً

اذا قیل ان السیفت امنی من العصا

کیا آپ نہیں جانتے ہیں کہ تلوار کی قدر و منزلت گر جاتی ہے جب اس کی تعریف کرتے ہوئے یہ کہا جائے
کہ تلوار لاطی سے زیادہ تیز ہے۔

اسی طرح اگر کہا جائے کہ جو سر پہاڑ کے چھلکے اور مچلی کے چھلکے کے اوپر ہے تو اس بات کو سن کر عقلمند
لوگ ہنس دیں گے جب کہ دونوں کا تفاوت ظاہر ہے اس قسم کی باتوں کی ضرورت ہی کیا ہے اسی طرح خالق
اور مخلوق میں تفاوت واضح ہے ہاں اگر مقام کا اقتضایہ ہو کہ ایسے شخص کو قائل کرنا ہے جو اس تفاوت
کو تسلیم نہیں کرتا تو پھر اس بدیہی تفاوت کو بیان کرنا ضروری ہے، جیسا کہ حضرت ابو سہل علیہ السلام کا قول ہے
یا رب اب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القہار (بھلا کئی جدا جدا آقا اچھے یا ایک) خدا نے
(یوسف ۳۹) یکتا وغالب)۔ (نیز فرمایا)

آلہ خیر ام آیتر کون -

(الفصل ۵۹) ہیں)۔ (نیز فرمایا)

واللہ خیرہ البقیۃ (۷۳)

البتہ فوقیت مطلقہ کے ضمن میں فوقیت کا مذکورہ معنی بھی ثابت ہوتا ہے ظاہر ہے کہ اللہ سبحانہ کو علیہ
فضل اور ذات کے لحاظ سے تفوق ہے اور جو بعض فوقیت کا اثبات کرتا ہے اور بعض کی نفی کرتا ہے، وہ
اللہ میں نقص ثابت کرتا ہے جب کہ اللہ کی ذات کو ہر لحاظ سے مطلق علو ثابت ہے لیکن یہ کہنا کہ مرتبہ کے لحاظ
سے علو ثابت ہے مکان کے لحاظ سے نہیں ہے یہ بھی درست نہیں اس لئے کہ عربی میں لفظ (مکان) سے
کی تانیث ہے اور منزلتہ منزل کی تانیث ہے اور لفظ (المکان) سے المنزلتہ استعمال نفسانی روحانی
مراتب میں ہوتا ہے جیسا کہ (المکان اور المنزل) کا استعمال جسمانی امکان میں ہوتا ہے پس اس لحاظ سے

جب کہا جاتا ہے (لک فی قلوبنا منزلة) (آپ کا ہمارے دل میں مقام ہے) اور فلاں کا مقام ہمارے دلوں میں ہے اس کا مرتبہ ہمارے نفوس میں فلاں کے مرتبہ سے زیادہ ہے جیسا کہ ایک انٹر میں مروی ہے جب تم میں سے کوئی شخص محبوب بن جائے وہ معلوم کرے کہ اس کا مقام اللہ کے ہاں کتنا ہے تو وہ دیکھے کہ اس کے دل میں اللہ کا مقام کتنا ہے اس لئے کہ اللہ پاک بندے کو وہی مقام عطا فرماتے ہیں جو بندہ اپنے دل میں خدا کو دیتا ہے۔ اس جملہ کا معنی کہ اس کے دل میں اللہ کا مقام ہے یہ ہوا کہ اس کے دل میں اللہ کی معرفت اس کی تعظیم اسکی محبت موجزن ہے پس جب معلوم ہو گیا کہ لفظ منزل کی تائید ہے اور موت لفظ اور معنی میں مذکور کی فرع اور اس کی تابع ہوتی ہے پس کسی مائل کو بتا بلند ہونا حقیقت میں بلند ہونے کے تابع ہوتا ہے جب ذہن اور حقیقت میں مطابقت ہو تو جملہ صحیح ہوتا ہے اگر مطابقت نہ ہو تو اسے جھوٹا کہتے ہیں، اگر کہا جائے کہ اللہ کے علو سے مراد یہ ہے کہ وہ دلوں میں بلند ہے اور دلوں میں جس قدر اونچا مقام اللہ کا ہے اور کسی کا نہیں ہم کہیں گے یہ بھی صحیح ہے اور یہ بلندی اللہ پاک حقیقی بلندی کے عین مطابق ہے اگر اللہ پاک اپنی ذات کے لحاظ سے بھی تمام چیزوں پر بلند نہیں تو دلوں میں اللہ پاک کی بلندی ثابت نہ ہوگی۔ اس کی مثال تو اس شخص کی ہے جو ایسی چیز کو اعلیٰ کہتا ہے جو اعلیٰ نہیں ہے۔

اللہ پاک کی بلندی جیسا کہ دلائل نقلیہ سے ثابت ہے عقل اور فطرت سے بھی ثابت ہے۔ عقل کے ساتھ اس کا ثابت ہونا اولاً اس لئے ہے کہ یہ بات بدیہی اور یقینی ہے کہ ہر دو موجود چیزیں یا تو ایک چیز دوسری میں سرایت کرنے والی ہے اس کے ساتھ قائم ہے جیسے صفات یا وہ اپنی ذات کے ساتھ قائم ہے اور دوسری چیز سے الگ ہے جب وہ اپنی ذات کے ساتھ قائم ہے اور دیگر چیزوں سے جدا ہے تو جب ان سے عالم کو پیدا کیا تو اس کا پیدا کرنا اپنی ذات میں یا اپنی ذات سے خارج ہے پہلی چیز باطل اس کے بطلان پر اتفاق ہے نیز اگر تسلیم کیا جائے کہ عالم اللہ تعالیٰ کی ذات میں ہے تو عالم میں خبیث اور گندی چیزیں بھی موجود ہیں تو اس سے لازم آئے گا کہ اللہ خبیث اور گندی چیزوں کا محل ہے حالانکہ اللہ اس سے پاک اور بلند ہے اور اگر عالم اللہ کی ذات سے خارج ہے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس عالم کے بارے میں اللہ کا علم اللہ کی ذات سے الگ یا خارج ہے اور جب وہ خارج ہے تو اللہ کی ذات سے منفصل ہے اس سے اللہ کی ذات میں اور عالم میں تضاد لازم آتا ہے اس لئے کہ یہ کہنا کہ اللہ کا علم نہ عالم کے ساتھ منفصل ہے اور نہ اس سے منفصل ہے یہ بات عقل کے خلاف ہے اور یہ خیال کہ اللہ پاک نہ عالم میں داخل ہے اور نہ اس سے خارج

ہے یہ فضا کرتا ہے اس بات کا کہ اللہ کا وجود نہیں ہے اور یہ بات بھی عقل کے خلاف ہے پس اللہ تعالیٰ موجود ہے یا عالم میں داخل یا خارج ہے داخل ہونا تو باطل ہے لہذا خارج ہونا متعین ہو گیا اور جب خارج ہے تو کائنات اور اللہ کے درمیان مباہلت لازم ہے۔

اللہ کا علوق قطرنا بھی ثابت ہے | کیا آپ نہیں دیکھتے کہ تمام لوگ عادتاً جب دعا مانگتے ہیں تو وہ اپنے ہاتھوں کو بلند کرتے ہیں ان کے دلوں میں اللہ کا ڈر

ہوتا ہے۔ وہ نہایت بے ثباتی کے ساتھ گڑ گڑاتے ہوئے بلندی کی ہمت کا قصد کرتے ہیں جس سے مراد ان کی ذات ہوتی ہے۔ محدثین طاہر مفسر سی بیان کرتے ہیں کہ شیخ ابو جعفر ہمدانی امام الحرمین کی مجلس میں حاضر ہوا جو ان کے استاد ہیں جبکہ امام الحرمین صفت علوق کی نفی میں بحث کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے اللہ تعالیٰ عرش نہ تھا اب اللہ جس چیز پر بھی ہے۔ ہے اس پر شیخ ابو جعفر نے اعتراض کیا آپ ہمیں بتائیں کہ ہمارے دلوں میں اللہ کے ہونے کا وہ عید موجود ہوتا ہے جب بھی کوئی عادت زاہد اللہ کہتا ہے تو اس کے دل میں اللہ کی جانب خواہش موجود ہوتی ہے نہ وہ دائیں جانب جھانکتا ہے نہ بائیں جانب جھانکتا ہے اس کا مقصد صرف بلندی کی جانب ہونا ہے ہم کبھی بھی اپنے دل کے اس داعیہ کو ختم نہیں کر سکتے۔ راوی بیان کرتا ہے کہ جب امام الحرمین نے امام ہمدانی کے یہ کلمات سنے تو وہ اپنے سر کی پٹے لگا اور مستدبے نیچے اترا یا بلکہ وہ دوپٹا اوڑیوں کسا کہ مجھے ہمدانی نے حیران کر دیا ہے مقصود یہ تھا ہمدانی کا قول ایسا قول ہے جو فطرت کے عین مطابق ہے۔ ہر انسان فطرناً محسوس کرتا ہے کہ اسے طلب اور دعا کے وقت لازماً اللہ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے اور اس کو بلندی کی جانب میں ڈھونڈنا چاہیے اس کی اس خواہش کا حصول اسے پیغمبروں سے نہیں ہوا ہے بلکہ فطرناً ہے۔

ذیل عقلی پر ایک اعتراض | ذیل عقلی پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ بدیہی نہیں اس لئے کہ جمہور عقلاء اس کا انکار کرتے ہیں۔ اگر یہ دلیل بدیہی ہوتی تو عقلاء کے درمیان اس

میں اختلاف نہ ہوتا بلکہ یہ تو دہمی اور خیالی چیز ہے۔ جواب۔ اس اعتراض کا جواب اپنے محل میں نہایت وضاحت کے ساتھ دیا گیا ہے بیان مختصر اشارہ کرنا کافی ہوگا، ہم کہیں گے کہ اگر تمہاری عقل تمہاری بات کو درست مانتی ہے تو تمہاری بات کو اس سے زیادہ درست تسلیم کرے گی اور اگر تمہاری عقل تمہاری بات کو تسلیم کرنے کے لئے متیاد نہیں تو تمہاری بات تو بہت زیادہ اس لائق ہے کہ اسے قبول نہ کیا جائے یعنی اگر تمہارا قول عقلاً باطل ہے تو تمہارا قول زیادہ باطل ہے اگر تمہارا قول صحیح ہے عقل کے لحاظ سے قابل قبول ہے تو تمہارا قول اس سے زیادہ مقبول ہونا چاہیے ظاہر ہے کہ اس مسئلہ میں بدیہی ہونے کا دعویٰ کرنا

مشترک ہے ہم بدیہی طور پر تمہارے قول کو باطل قرار دیتے ہیں اور تم ہمارے قول کو باطل قرار دیتے ہو۔ پس جب تم کہتے ہو کہ یہ ایسی بدیہی چیز ہے کہ ہمارے قول کو باطل قرار دیتی ہے یہ بھی تو وہم کا فیصلہ ہے عقل کا فیصلہ نہیں ہے ہم تم سے تمہارے قول کے مماثل قول مقابلہ میں پیش کریں گے جبکہ لوگ عام طور پر فطرتاً جو لوگ تمہارے گروہ سے نہیں اور نہ ہی ہمارے گروہ سے ہیں وہ تو ہماری ہی موافقت کرتے ہیں اگر تمہیں انسانوں کی فطرت کے مطابق بات تسلیم ہے تو ہم تم پر غالب آگئے اور اگر مقبول نہیں ہے تو یا تمہارا قول باطل ہو گیا اس لئے کہ تمہارے قول کی بنیاد تمہارے عندیہ کے مطابق اس بات پر ہے کہ یہ ایسے مقامات نہیں جو انسانی فطرت کے ساتھ معلوم ہیں۔ اور ہماری عقلی باتیں بھی باطل ہو گئیں اور شریعت جس کو انبیاء لائے ہیں وہ ہمارے ساتھ ہے تمہارے ساتھ نہیں ہے۔ پس ہم میں ایسی خصوصیت موجود ہوئی جو ہم میں نہیں عقل کا کیا ہے وہ تو ہم میں اور تم میں مشترک ہے۔

اگر تم یہ بات کہو کہ اکثر عقلاء کا قول ہمارے قول کے ساتھ میرا فقت رکھتا ہے تو ہم کہیں گے تمہارا یہ قول غلط ہے اس سے کہو کہ لوگ صراحت کرتے ہیں کہ عالم کا صانع موجود ہے وہ عالم سے اوپر نہیں ہے وہ عالم سے مبالغہ ہے اور نہ ہی عالم میں حلول کئے ہوئے ہے یہ فلاسفہ کا ایک گروہ ہے جو اسلام کے نظریات کے ساتھ متصادم نظریات رکھتا ہے۔ سب سے پہلے اسلام میں اس نظریے کو جہم بن صفوان اور اس کے رفقاء نے لپٹا لیا۔

دلیل فطری پر اعتراض | تم کہتے ہو کہ آسمان دعا کا قبیلہ ہے جیسا کہ نماز کا قبیلہ کعبہ ہے۔ پھر تم زمین پر پیشانی کیوں رکھتے ہو جبکہ اللہ بلند سی میں ہے زمین کی جہت میں نہیں ہے۔ جواب اولاً تمہارا یہ کہنا کہ آسمان دعا کا قبیلہ ہے یہ بات ثابت نہیں سلف صالحین میں سے کسی نے یہ بات نہیں کہی اور نہ ہی اللہ نے اس کی کوئی دلیل نازل کی ہے یہ مسئلہ شرعی دینی نہیں ہم نہیں مانتے کہ اس قسم کا مسئلہ امت کے تمام علماء سے پوشیدہ رہا ہو دوسری بات یہ ہے کہ دعا کا قبیلہ وہی ہے جو نماز کا قبیلہ ہے اسلام میں دعا کرنے والے انسان کے لئے مستحب ہے کہ وہ قبیلہ کی جانب منہ کرے جتنا پچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی دعا میں قبیلہ کی جانب منہ ہوتا تھا۔

پس جو شخص یہ کہتا ہے کہ نماز کا قبیلہ دعا کا قبیلہ نہیں ہے یا دو قبیلے ہیں ایک قبیلہ کعبہ اور دوسرا آسمان ہے اس نے دین اسلام میں ایک نئے نظریے کو جہم دیا اس کا یہ نظریہ تمام مسلمانوں کے خلاف ہے نیز

قبلہ اس کو کہتے ہیں جس کی طرف عابد منہ کر کے بیٹھتا ہے جیسا کہ نماز کے وقت دعا ذکر اور ذکر کے وقت کعبہ کی جانب منہ کیا جاتا ہے جیسا کہ وہ انسان جس پر موت طاری ہو اس کا چہرہ بھی کعبہ کی طرف پھیرا جاتا ہے نیز مدفون انسان کا چہرہ بھی کعبہ کی طرف کیا جاتا ہے اس لئے کعبہ کا نام جنت ہے۔ کعبہ کی طرف منہ کرنے کو استقبال اور بیٹھ کرنے کو استسبار کہتے ہیں لیکن انسان کے سر ہاتھ پہلو کے برابر سامنے جو فضا موجود ہے اس کو نہ حقیقتاً نہ مجازاً قبلہ نہیں کہا جاسکتا قبلہ تو کعبہ ہی ہے اس لحاظ سے اگر آسمان دعا کا قبلہ ہوتا تو پھر یہ بات مشروع ہوتی چاہیئے تھی کہ دعا کرنے والا اپنے چہرے کو آسمان کی جانب کرے اور یہ بات مشروع نہیں ہے، ظاہر ہے کہ جس جنت کی طرف ہاتھ بلند کئے جاتے ہیں اس کو نہ حقیقتاً نہ مجازاً قبلہ نہیں کہا جاتا۔ نیز دعا کا قبلہ ایک شرعی چیز ہے اس کے تعین کے لئے شریعت ہی کا اقتدار ضروری ہے پیغمبروں نے اس بات کا حکم نہیں دیا کہ دعا کرنے والا آسمان کی جانب اپنے منہ کو کرے بلکہ اس کو نور و کائنات ہے اور یہ بات واضح ہے کہ قلب کے ساتھ توجہ کرنا اور طلب کرنا جو دعا کرنے والے کے ذہن میں ہونا ہے یہ ایک فطری چیز ہے اس میں مسلمان کا فرما جاہل سب برابر ہیں ہاں وہ انسان جو اللہ سے مدد مانگتے والا ہے اور اس کی کیفیت اضطرابی ہے اسے مصائب نے گھیر رکھا ہے تو اس حالت میں وہ اللہ سے دعا کرتا ہے یہ اس کی فطرت کا تقاضا ہے اس کے ساتھ ساتھ قبلہ تو منسوب بھی ہوا اور بخوبی قبلہ کا ذکر کبھی شریعت میں ملتا ہے لیکن دعائیں بلند کی جنت کی طرف توجہ کرنا نہیں فطرتی ہے گو یہ کہ دعا کرنے والا اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا امید کرتا ہے کہ اللہ کی جانب سے رحمت کا قبول ہوگا اور غمان میں کعبہ کی طرف منہ کرنے والا اس بات کا یقین رکھتا ہے کہ اللہ وہاں نہیں ہے لیکن معتزل کا یہ کہنا ہم پیشانی ترمیمی پر رکھتے ہیں شاید اس سے فساد اور باطل بات اور کون نہ ہو وہ اتنا نہیں سمجھتا کہ پیشانی زمین پر رکھنے سے مقصود اس ذات کے سامنے اپنے آپ کو ذلیل کرنا اور نیچا دکھانا ہوتا ہے نہ یہ کہ اللہ نیچے ہے کہ وہ اس کی طرف میلان کرے یہ تو کسی سجدہ کرنے والے کے دل میں کبھی نہیں آیا البتہ بشر ربی معتزلی سے منقول ہے کہ اس نے سجدہ کی حالت میں کہا کہ سبحان ربی الاسبغلی میرا رب پاک ہے جو نیچے ہے اللہ پاک ایسی باتوں سے بلند ہے جو ظالم انکار کرنے والے کہتے ہیں اور جس شخص کو اللہ کی ذات نے اس گھٹیا مقام تک پہنچا دیا ہے اگر اس کو اللہ کی رحمت نے نہ گھیرا تو لائق ہے کہ وہ طرد ہو جائے گا اور اس جیسے لوگوں کا درست ہونا بہت بعید ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَنَقْلِبُ افْئِدَتَهُمْ اَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ (اور ہم ان کے دلوں اور ان کی آنکھوں کو الٹ

یؤمنوبہ اول مدۃ - دیں گے (تو) جیسے یہ اس (قرآن) پر پہلی دفعہ
(الانعام ۱۱) ایمان نہیں لائے)

نیز فرمایا -

فلما اذاوا ذلزال اللہ قلوبہم - (پس جب وہ ڈیڑھے ہوئے تو اللہ نے ان کے
(الصف ۵) دلوں کو ڈیڑھا کر دیا)

پس جو شخص ہدایت کو اس کے مفادات سے طلب نہیں کرتا اس کو مہر و می کا سامنا کرنا ہوگا۔ نسأل
اللہ العفو والعافیت۔

علامہ طحاوی کا قول: کہ مخلوق اس کے احاطہ سے عاجز ہے یعنی لوگوں کو اس کی رؤیت
نہیں ہو سکتی اور نہ ہی علم میں اس کا احاطہ کر سکتے ہیں نہ کسی اور محاذ سے اس کا احاطہ ہو سکتا ہے بلکہ
اللہ تبارک و تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا ہے جب کہ اس کا کسی چیز نے احاطہ نہیں کیا ہو جائے۔
(طہ ۱۱۱) تا مل ہیں کہ اللہ نے حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا اور حضرت موسیٰ سے ہمکلام ہوا اس پر
ہمارا ایمان ہے ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں اور اس کو تسلیم کرتے ہیں۔

(نثر) ارشاد خداوندی ہے۔

واتخذ اللہ ابراہیم خلیلاً - (اور اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو
(النساء ۲۴) خلیل بنایا۔) نیز فرمایا)

وکلّم اللہ موسیٰ تکلیماً (النساء ۱۶۴) (اور اللہ موسیٰ سے ہمکلام ہوا)

یاد رہے غلت کمال محبت کا نام ہے لیکن جہمیت نے جاہلین سے محبت کی حقیقت کا انکار کیا ہے
وہ یہ سمجھتے ہیں کہ محبت کے لئے محب اور محبوب کے درمیان مناسبت کا ہونا ضروری ہے جبکہ قدیم اور
محدث کے درمیان کچھ مناسبت نہیں ہے تو ان میں محبت کیسے ہوگی۔ اسی طرح جہمیت نے اللہ کے کلام کرنے
کی حقیقت کا انکار کیا ہے۔ اور پہلا وہ شخص جس نے دوسری صدی کے آغاز میں اس بدعت کو رائج کیا
اس کا نام جعد بن درہم ہے خالد بن عبد اللہ نصری جو واسطہ شہر میں عرق اور شرق کا گورہ تھا اس نے
عبدالاحصی کے دن خطبہ دیا۔ اور کہا اے لوگو! تم قربانی کرو اللہ تمہاری قربانیوں کو قبول فرمائے۔ لیکن میں
تو جعد بن درہم کو ذبح کرنے والا ہوں۔ اس لئے کہ اس کا نظریہ ہے۔ کہ اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو پانچ دوست
نہیں بنایا اور نہ ہی اس نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کی ہے۔ پھر وہ نیچے اترا۔ اس نے بعد کو ذبح کر دیا
نہیں رہے کہ اس نے اپنے دور کے تابعین علماء کے فتویٰ پر جعد کو ذبح کیا تھا۔ اللہ پاک خالد بن

عبداللہ کو دین اور دین والوں کی طرف سے ہنر بد نہ دے۔ جعد کے بعد جہم بن صفوان نے اس کے مذہب کا پرچار کیا۔ اور اس کی اشاعت میں نمایاں حصہ لیا۔ یہی وجہ ہے کہ جمہیہ کے مذہب کی نسبت جہم کی طرف کرتے ہوئے انہیں جمہیہ کہا جاتا ہے۔ اس کو بھی خراسان کے امیر نے قتل کر دیا اس کے بعد عمرو بن عبید کے پیر و کار جنہیں معتزلہ کہا جاتا ہے۔ انہوں نے جمہیہ کے خیالات کو پھیلایا چنانچہ مامون کی خلافت میں ان کے خیالات کو عروج حاصل ہوا۔ نتیجتاً اس دور میں ائمہ اسلام کو بھی آتہ مائش کے مرحلوں سے گزرنا پڑا۔ ائمہ اسلام کو مجبور کیا گیا کہ وہ معتزلہ کی موافقت کریں۔

غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ جمہیہ کے خیالات مشرکین اور صابیہ سے ماخوذ ہیں۔ وہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام اللہ کے خلیل تھے۔ یا حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے کلیم تھے، اس لئے کہ حلت ایسی کامل محبت کا نام ہے کہ اس میں محب مستغرق ہو جیسا کہ ایک شعر میں کہا گیا ہے :-

قد تخللت مسلک الروح صبی - ولہذا سمی - خلیل خلیل -

(میرے جسم میں محبت اس طرح سراٹھ گئی ہے جیسا کہ روح میرے جسم میں ساری ہے۔ اسی محبت کے پیش نظر خلیل کو خلیل کہا جاتا ہے)۔

لیکن اللہ کی محبت اور حلت کی کیفیت معلوم نہیں۔ وہ تو اسی طرح ہے جس طرح اللہ کو لائق ہے جیسا کہ اللہ کی دوسری صفات ہیں۔ آیت کریمہ کا مصداق صحیح حدیث ہے جس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر میں نے زمین و لوں سے کسی کو اپنا خلیل بنانا ہوتا تو میں ابوبکر کو خلیل بناتا۔ لیکن میں تو اللہ کا خلیل ہوں۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ میں کسی سے بھی حلت کا تعلق نہیں رکھتا میں اس سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔ اگر میں نے زمین والوں سے کسی کو اپنا خلیل بنانا ہوتا۔ تو میں ابوبکر کو خلیل بناتا۔

ایک روایت میں ہے کہ اللہ نے مجھے خلیل بنایا۔ جیسا کہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا۔ معلوم ہوا کہ آپ کے لئے یہ بات مناسب ہی نہیں کہ آپ مخلوقات میں سے کسی کو خلیل بنائیں اگر یہ ممکن ہوتا تو اس کے سب سے زیادہ حقدار ابوبکر صدیق تھے اس کے ساتھ ساتھ آپ اس بات کو بھی سمجھنے کی کوشش کریں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی وضاحت فرمادی ہے کہ مجھے چند انسانوں سے محبت ہے۔ مثلاً آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا۔ اللہ کی قسم مجھے تجھ سے محبت ہے۔

لے حدیث صحیح ہے مسند احمد

اسی طرح آپ نے انصار سے کہا کہ مجھے تم سے محبت ہے۔ نیز زید بن حارثہ اور اس کا بیٹا اسامہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب تھے اور ان جیسے اور صحابہ کرام بھی ہیں چنانچہ حضرت عمرو بن العاص نے آپ سے دریافت کیا لوگوں میں سے کون آپ کو زیادہ پیادہ ہے۔ آپ نے فرمایا۔ عائشہ۔ پھر آپ سے دریافت کیا مردوں میں سے کون۔ آپ نے فرمایا۔ اس کا بیٹا۔ معلوم ہوا کہ خلت کا مقام مطلق محبت سے کہیں زیادہ ہے۔ اور وہ اس سے خاص ہے جس شخص سے خلت کے انداز کی محبت ہوتی ہے، وہ کامل محبت ہے۔

گویا کہ وہ اپنی ذات سے ہی محبت کرنے والا ہے۔ کسی دوسری چیز سے محبت کرنے والا نہیں ہے ظاہر ہے کہ جس سے اس کے بغیر کی وجہ سے محبت کی جاتی ہے اس کا مقام اس محبت سے پیچھے ہے جو بغیر کی وجہ سے ہے۔ اور کامل محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں نہ شرکت ہوتی ہے نہ مزاحمت ہوتی ہے۔ اس میں محبت تمام جسم میں سراپت کئے ہوئی ہے۔ اس محبت کا نام کمال توحید ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اللہ پاک نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا۔ اور ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب سے درخواست کی کہ اسے نیک لڑکا عطا کرے تو اللہ نے انہیں حضرت اسماعیل کا عطیہ دیا حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں داخل ہو گئے۔ اس پر اللہ پاک کو غیرت ہوئی کہ میرے خلیل کے دل میں میرے بغیر کا مقام نہیں ہونا چاہیے۔ تو اللہ نے امتحان لیا۔ کہ وہ بچے کو ذبح کرے تاکہ پتہ چلے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیٹے کی محبت کو مقدم رکھتے ہیں یا اپنے خلیل کی محبت کو ترجیح دیتے ہیں لیکن جب ابراہیم علیہ السلام اپنے رب کے حکم کے سامنے تسلیم ہو جانے میں اور بچے کو ذبح کرنے پر نیا ہو جاتے ہیں۔ یعنی بچے کو ذبح کرنے کی صورت میں اللہ کی خلت کو غلبہ حاصل ہو نا ہے یعنی آپ بیٹے کی محبت پر اللہ کی محبت کو ترجیح دیتے ہیں تو اللہ پاک نے اپنے حکم کو منسوخ کر دیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بدلے اس کا فدیہ بھیج دیا۔ ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عزم بنا ہوا ہے۔ کہ وہ اللہ کے اس حکم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے نیا ہو جائیں تو ذبح کرنے سے روک دیا گیا۔ اس لئے کہ کسی نفس کو ذبح کرنا بظاہر اچھا کام نہیں ہے تو اس حکم کو ہمیشہ کے لئے منسوخ فرادے دیا گیا۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بہت بڑی قربانی کے پس نظر قربانیوں کا ذبح کرنا سنت فرادے دیا گیا اور جس طرح خلت کا وصف جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے ثابت ہے اس وصف میں ان کے ساتھ ہمارے پیغمبر بھی

صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی طرف اشارہ ہے صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲

شریک ہیں اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے لئے کلام کرنے کا مقام اس میں بھی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم شریک ہیں۔ جیسا کہ اسراء کی حدیث میں اس کا ذکر موجود ہے۔

ایک سوال اور اس کے جوابات | اس میں کچھ شک نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں تو درود شریف میں رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم پر بھیجا جانے والا درود مشتبہ ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھیجا جانے والا درود مشتبہ یہ ہے اور مشتبہ یہ افضل ہوتا ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل ہیں علمائے اس سوال کے متغدد جواب دیئے ہیں احسن جواب یہ ہے کہ آل ابراہیم میں متغدد انبیاء داخل ہیں جب کہ آل محمد میں کوئی نبی داخل نہیں ہے ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آل پر بھیجا جانے والا درود اس درود کے مماثل ہے جو حضرت ابراہیم اور آل ابراہیم پر بھیجا گیا ہے تو آل ابراہیم میں انبیاء کی شمولیت ہے ان کی وجہ سے برتری اور تفوق حاصل ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی حاصل ہوئی اس لئے کہ آل محمد میں تو کوئی بھی نبی نہیں ہے اس لحاظ سے آپ کی فضیلت باقی رہی لیکن اس سے بھی زیادہ مناسب جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی آل ابراہیم میں داخل ہیں بلکہ آل ابراہیم میں آپ سے افضل کوئی نہیں تو آل ابراہیم پر بھیجا جانے والا درود جس طرح حضرت ابراہیم کی اولاد میں دیگر پیغمبروں کو شامل ہے اسی طرح آپ کو بھی شامل ہے بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی آل ابراہیم میں داخل ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔

ان الله اصطفى ادم و نوحا و آل ابراهيم
 آل عمران ص ۱۲۱ (بے شک اللہ نے آدم، نوح، آل ابراہیم
 آل عمران ص ۱۲۱ اور آل عمران کو جہان والوں پر منتخب کر
 لیا ہے)

اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام آل ابراہیم میں داخل ہیں اور حضرات عمران علیہ السلام آل عمران میں داخل ہیں جیسا کہ آل لوط میں حضرت لوط علیہ السلام داخل ہیں ارشاد خداوندی ہے۔
 ان الله اصطفى ادم و نوحا و آل ابراهيم
 آل عمران ص ۱۲۱ (بے شک اللہ نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو جہان والوں پر منتخب کر لیا ہے۔)

اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام آل ابراہیم میں داخل ہیں اور حضرت عمران علیہ السلام آل عمران میں داخل ہیں۔ جیسا کہ آل لوط میں حضرت لوط علیہ السلام داخل ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:
 (الآل لوط نجینا ہم بسعد القمر ۳۴)
 (اسی طرح فرعون بھی آل فرعون میں داخل ہے)
 ارشاد خداوندی ہے۔

ازنجیت کرم من آل فرعون - (فرعون والوں کو سخت عذاب میں داخل کر دو)۔ (البقرہ ۴۹)

یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود والی حدیث کے اکثر طرق میں (علی آل ابراہیم) کے الفاظ ہیں جبکہ کثیر طرق میں علی ابراہیم موجود ہے اور قبیل روایات میں (کما صلیت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم) کے الفاظ ہیں معلوم ہوا کہ (صلیت علی ابراہیم) میں آل ابراہیم داخل ہے جیسا کہ (علی آل ابراہیم) میں حضرت ابراہیم داخل ہیں اور اس کی طرح وارد ہے کہ جیسا کہ ابو ادنیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صدقہ لے کر حاضر ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حق میں دعا کرتے ہوئے فرمایا (اللہم صل علی آل ابی اوفی) (اے اللہ! آل ابی ادنیٰ پر رحمت فرما) اس میں آل ابی ادنیٰ سے ابو ادنیٰ مراد ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان کی عظمت | حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خاندان تمام عالم کے خاندانوں میں ان شرف تھا اللہ پاک نے اس خاندان کو نہایت عمدہ خصوصیتوں سے نوازا تھا ان میں نبوت کا سلسلہ جاری فرمایا اور رتبہ نازل فرمایا چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جو بھی پیغمبر آیا وہ ان کی اولاد سے تھا۔ نیز اللہ نے ان کو پیشوا بنایا جو اللہ کے حکم کے مطابق ہدایت بیٹھاتے رہے۔ پس ان کے بعد ایسے لوگوں کا ہی جنت میں داخلہ ہوگا جو ان کے راہ پر چلتے رہے اور ان کی دعوت کو پھیلانے رہے نیز اللہ پاک نے ان سے دو خلیل بنائے اور بیت اللہ کی تعمیر کی وجہ سے انہیں لوگوں کا پیشوا بنایا۔ اور شاد رہا بنی۔

انی جاء علی للناس اما ما قال ومن ذریعتی قال لاینال عہدی الظالمین (پروہ دگا) میری اولاد میں سے بھی پیشوا بنائے ہوئے خدا نے فرمایا ہمارا اقرار ظالموں کے لیے نہیں ہوا کرتا (البقرہ ۱۲۴)

جس گھر کو انہوں نے اللہ کے حکم سے تعمیر کیا اللہ نے اس گھر کو یہ اعزاز بخشا کہ وہ گھر نہ صرف یہ کہ لوگوں کے لئے مرکز کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ حصول ثواب اور امن کی جگہ ہے اور تمام عالم کا قبلہ ہے اور اس کے حج کا حکم دیا گیا پس بیت اللہ ان کی عظمت کا واضح نشان تھا اور لوگوں کو حکم دیا گیا کہ وہ آل ابراہیم پر درود بھیجیں۔

(ط) ہم فرشتوں اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر ایمان رکھتے ہیں نیز ان کتابوں پر ہمارا ایمان ہے

جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئیں نیز ہم کو ابھی دیتے ہیں کہ وہ لادشس حتیٰ پر ہفتے (ش) مذکورہ امور اسلام کے رکن ہیں ارشاد خداوندی ہے۔

امن الرسول بما انزل الیہ من ربه
والمؤمنون کل امن بالله و ملائکته
و کتبه و رسله۔
(البقرہ ۲۸۵)

(رسول اس کتاب پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نازل ہوئی ایمان رکھتے ہیں اور مومن بھی سب خدا پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں۔)

نیز فرمایا۔

لیس البصر ان قولوا وجوهکم قبل
المشرق والمغرب ولكن البصر من
امن بالله والیوم الآخر والملائکة
والکتب والنبيين (البقرہ ۱۷۷)

(نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق و مغرب (کو قبل سمجھ کر ان) کی طرف منہ کر لو بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ خدا پر اور فرشتوں پر اور خدا کی کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں۔)

پس اصل ایمان یہ ہے کہ ان سب پر ایمان ہو اور وہ مومن ہیں جن میں یہ ایمان موجود ہے جیسا کہ وہ لوگ جو ان تمام امور کا انکار کرتے ہیں انہیں کافر کہا جائے گا ارشاد خداوندی ہے۔

ومن یکفر بالله و ملائکته و کتبه
و رسله والیوم الآخر فقد ضل صلاۃ
بعیدۃ (النساء ۱۳۶)

(اور جو شخص خدا اور اس کے فرشتوں سے اور اس کی کتابوں اور اس کے پیغمبروں اور روز قیامت سے انکار کرے تو وہ رستے سے ہٹ کر دور جا پڑا۔)

نیز ارشاد نبوی ہے۔ جب حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ سے ایمان کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا تو اللہ اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اس کے رسولوں اور آخرت کے دن پر ایمان لائے۔ نیز اچھی بری سب تقدیر پر ایمان لائے (اس حدیث کی صحت پر اتفاق ہے) پس ان اصولوں پر تمام پیغمبروں اور رسولوں کا اتفاق ہے اور ان پر حقیقی ایمان صرف رسولوں کے پیروکاروں کا ہے۔

فلا سفہ اور دیگر اہل بدعت کے نظریات
اہل سنت کے حقیقی دشمن فلا سفہ اور اہل بدعت ہیں
وہ ان تمام اصولوں کا انکار کرتے ہیں اگرچہ فلا سفہ کی تعظیم کرے والے ان کو حکماء کے نام سے یاد کرتے ہیں لیکن درحقیقت یہی وہ لوگ ہیں جو انکار میں سب

سے آئے ہیں وہ اللہ اس کے رسولوں اس کی کتابوں اس کے فرشتوں اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے ہیں ان کا مذہب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ موجود ہے اس کی ماہیت اور حقیقت کچھ نہیں وہ جزئیات کا علم نہیں رکھتا اور ہر وہ چیز جتنی ہے جو خارج میں موجود ہے اس لحاظ سے اسے خارج میں موجودات کا علم نہیں ہے ان کے ہاں اللہ سبحانہ اپنی قدرت اور مشیت کے ساتھ کسی فعل کا فاعل نہیں ہے پس ان کے ہاں اللہ کا مفعول ہے نہ کوئی چیز اس کی مخلوق اور مقدور علیہ ہے البتہ اہل سنت کے ساتھ ظاہراً اتفاق کرتے ہوئے وہ بھی لفظاً مخلوق مفعول کا لفظ استعمال کرتے ہیں جب کہ درحقیقت ان کے ہاں تمام عالم اللہ کو ازلاً ابدلاً لازم ہے وہ اللہ کی صفت سننے دیکھنے ہی کی نفی نہیں کرتے بلکہ اس کی تمام صفات کی نفی کرتے ہیں غور فرمائیجئے وہ اللہ پر اس طرح کا ایمان رکھتے ہیں وہ کتابوں پر بھی ایمان نہیں رکھتے اس لئے کہ وہ اللہ کے وصف کلام کا انکار کرتے ہیں ان کے ہاں اللہ متکلم نہیں ہے قرآن پاک کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ یہ تو عقل فعال کا ایسے انسان پر جس کے نفس کا ترکیب ہوا ہے جو پاکبادہ (بے فیض ہے وہ اللہ کو نوع انسانی سے تین خصوصیتوں کے ساتھ متمیز گردانتے ہیں بہ نسبت انسان کے اللہ کا ادراک قوی اور نیز ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ کا علم انسان کے علم سے اعظم ہے اسی طرح اللہ کی ذات میں قوت بھی زیادہ ہے اسی قوت کی وجہ سے وہ کائنات پر اثر انداز ہے وہ حیوانی کی صورتوں کو تبدیل کرنا رہتا ہے اسی طرح اس کی قوت تخیلی انسان کی قوت تخیلی سے بلند ہے یہی وجہ ہے کہ وہ عقلی قوتوں کو اشکال محسوسہ کا لباس پہنا دیتا ہے ان کے ہاں فرشتے عقلی قوتیں ہیں اس لئے کہ خارج میں ان کی کوئی ایسی ذات نہیں جو اپنا الگ وجود رکھتی ہو اور وہ کبھی آسمان سے نزول کر دے ہو اور کبھی صعود کر دے ہو اور اللہ کے رسولوں کی طرف اس کا اتنا جانا ہو اور ہم کلام ہونا ہو یہ سب کچھ نہیں ہے صرف وہ ذہنی امور ہیں جن کا وجود اعیان میں نہیں ہے آخرت کے دن کا تو وہ شدید انکار کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ آخرت کے دن میں آسمانوں کا پھٹنا ستاروں کا گرنا سورج چاند کا لپیٹ دیا جانا کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا سب افسانہ ہیں اسی طرح نہ لوگ قبروں سے اٹھیں گے اور نہ ہی وہ جنت و دوزخ کی جانب روانہ کئے جائیں گے ان کے ہاں یہ سب کچھ تمثیلات ہیں صرف عوام کو سمجھانے کے لئے باتیں بنائی گئی ہیں ان کی کچھ حقیقت نہیں خیال رہے اس ذیل حقیر گروہ کے ایمان کا یہ حال ہے گویا کہ دین کے اصول خمسہ کا یہ لوگ استنزا کر رہے ہیں۔

معتزلہ کے نظریات | معتزلہ نے بھی دین کے اصول خمسہ میں تبدیلی کی ہے اس طرح انہوں نے دین کی تمام عمارت کو منہدم کر دیا ہے ان کے دین کی بنیاد جسم

اور عرض پر ہے جسم موصوف اور عرض صفت ہے صفات جو اعراض ہیں ان کی وجہ سے وہ موصوف (جو جسم ہے) کو حادث مانتے ہیں اسی پر وہ مسئلہ توحید کی بنیاد رکھتے ہیں وہ اللہ سے ہر صفت کی نفی کرتے ہیں تاکہ توحید قائم رہے دراصل یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی صفات کو مخلوق کی صفات کے ساتھ اور اللہ کے جسم کو مخلوق کے جسم کے ساتھ مشابہ قرار دیتے ہیں نیز وہ اللہ تعالیٰ کے افعال میں بھی بحث کرنے میں خصوصاً تقدیر کا نام وہ عدل رکھتے ہیں نیز وہ مسئلہ نبوت، شرائع و امر و نہی وعد و عید میں بھی گفتگو کرتے ہوئے اہل سنت کے خلاف ایمان اور کفر کے درمیان ایک مزید فسق کا نکالنے ہیں اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے میدان میں تشدد اختیار کرتے ہوئے اس بات کو جائز قرار دیتے ہیں کہ ائمہ دین کے خلاف بغاوت کرنا ان سے جنگ کرنا ان کے خلاف خروج کرنا درست ہے اہل سنت کے مقابلہ میں ان کے یہ پانچ اصول ہیں جن کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

رافضہ کے نظریات | ان کے ہاں توحید، عدل، نبوت، امامت، چار اصول ہیں۔

اہل سنت والجماعت کے اصول | ان کے اصول شریعت محمدیہ کے تابع ہیں اس لیے کہ دین اسلام کی بنیاد اس بات پر ہے کہ جن چیزوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمایا ہے ان پر ایمان لایا جائے چونکہ سورۃ بقرہ کے آخر کی دو آیات میں اس اصول کا ذکر تھا اس لئے جو شان ان دو آیات کا ہے وہ کسی دوسری آیت کا نہیں ہے۔ صحیحین میں ابو موسیٰ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص رات کو سورۃ بقرہ کے آخر کی دو آیات کی تلاوت کرتا ہے وہ اس کو کافی ہو جاتی ہیں نیز صحیح مسلم میں ابن عباس سے روایت ہے اس نے بیان کیا ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی علیہ السلام کے قریب تشریف فرما تھے تو انہوں نے آسمان سے بلند آواز سنی جبریل نے سر آسمان کی جانب اٹھایا اور کہا آسمان کا جو دروازہ آج کھولا گیا ہے وہ آج سے قبل کبھی نہیں کھلا اور اس سے ایک فرشتہ نازل ہوا ہے اور وہ فرشتہ بھی آج سے قبل کبھی نازل نہیں ہوا اس نے اللہ کے پیغمبر پر سلام کیا اور بشارت دی کہ آپ کو دو نور عطا ہوئے ہیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئے ایک نور فاتحہ الکتاب ہے دوسرا نور سورۃ بقرہ کا ختم ہے ان کے ہر جلد میں جو سوال موجود ہے اس کی تلاوت پر وہ سوال پورا کر دیا جائے گا۔

ابو طالب مکی کا قول | ایمان کے سات رکن ہیں پانچ کا ذکر تو پہلے ہو چکا ہے اور باقی دو سے مراد ایمان بالقدر اور ایمان بالحقہ دان رہے اور یہی حق ہے

ان پر دلائل قطعیہ مکمل موجود ہیں مسئلہ توحید و رسالت کے دلائل کا ذکر اشارۃً پہلے ہو چکا ہے۔

فرشتوں کا ذکر

فرشتوں کو آسمان، زمین میں کچھ کام سونپے گئے ہیں چنانچہ اس عالم میں جو حرکت ہوتی ہے اس کا انشاء ان کی جانب سے ہوتا ہے ارشاد خداوندی ہے

فَالْمَدْبُرَاتُ أَمْرًا ۝۱ (النازعات ۵)

پھر (دنیا کے) کاموں کا انتظام کرتے ہیں (ارشاد خداوندی ہے) (فَالْمَقْصِمَاتُ أَمْرًا ۝۲ (النار ۳۲) پھر چیزیں تقسیم کرتے ہیں)

ان آیات میں علامہ کا ذکر ہے لیکن رسولوں کی تکذیب کرنے والے خدا کا انکار کرنے والے اس سے مراد سارے یسے ہیں حالانکہ کتاب و سنت میں فرشتوں کی مختلف قسموں کا ذکر ہے جو مختلف قسم کی مخلوق کے ساتھ مقرر کئے گئے ہیں چنانچہ اللہ سبحانہ نے بعض فرشتوں کو پہاڑوں کے ساتھ مقرر فرمایا اور بعض کو بادلوں اور بارش پر مقرر فرمایا جب کہ بعض کو عورت کے رحم کے ساتھ مقرر فرمایا جو نطفہ کی تدبیر پر مقرر ہیں یہاں تک کہ ان کی تخلیق انجام پذیر ہوتی ہے پھر ہر انسان کی حفاظت کے لئے فرشتے مقرر فرمائے نیز اس کے اعمال لکھنے اور ان کے احصاء پر فرشتے مقرر فرمائے نیز موت پر قبر میں سوال و جواب پر فرشتے مقرر فرمائے نیز آسمانوں، سورج، چاند، دوزخ، اس کو بھڑکانے اور دوزخوں کو عذاب دینے پر فرشتے مقرر فرمائے نیز جنت اس کی آبادی وغیرہ پر بھی فرشتے مقرر فرمائے پس فرشتے اللہ تعالیٰ کے شکروں میں سے عظیم شکر ہیں ان کا ذکر قرآن پاک میں یوں ہے۔

- | | |
|---------------------------------|--|
| ۱) والمرسلات عرفاً (المرسلات ۱) | ہواؤں کی قسم جو نرم نرم جیتی ہیں۔ |
| ۲) والناشرات نشرًا (المرسلات ۲) | اور (بادلوں کو) پھاڑ کر پھیلا دیتی ہیں۔ |
| ۳) الفارقات فرقاً (المرسلات ۳) | پھر ان کو پھاڑ کر جدا جدا کر دیتی ہیں۔ |
| ۴) الملقیات ذكراً (المرسلات ۴) | پھر فرشتوں کی قسم جو دمھی لاتے ہیں۔ |
| ۵) النازعات غرقاً (النازعات ۱) | ان فرشتوں کی قسم جو ڈوب کر کھینچ پیتے ہیں۔ |
| ۶) والناشطات نشطاً (النازعات ۲) | اور ان کی جو آسانی سے کھول دیتے ہیں۔ |
| ۷) والساجحات سحاً (النازعات ۳) | اور ان کی جو تیرتے ہیں۔ |
| ۸) والساقطات سقاً (النازعات ۴) | پھر لپک کر آگے بڑھتے ہیں۔ |

قسم ہے صفت باندھنے والوں کی براجمہا کر پھڑپھڑانے والوں کی جھڑک کر پھڑک کر (یعنی قرآن) پڑھنے والوں کی (غور کر کے)

ان سب میں مؤنث کے لفظ کی معنوی جمع فرق، طوائف اور جماعات ہیں جن کا مفرد فرقہ طائفہ اور جماعت

ہے کچھ فرشتے رحمت کے اور کچھ عذاب کے ہیں اور کچھ عالمین عرش ہیں اور کچھ ایسے ہیں جنہوں نے آسمانوں کو نماز، تسبیح، تقدیس کے کلمات کے ساتھ معور کیا ہوا ہے ان کے علاوہ بے شمار فرشتے ہیں جن کا احصاء اللہ ہی کر سکتا ہے خیال ہے کہ لفظ (ملک) سے مراد وہ پیغام رساں ہے جو اس کو آگے پہنچاتا ہے وہ پیغام بر اپنی جانب سے کی بیشی نہیں کر سکتا اس لئے کہ تمام اختیارات اللہ واحد غالب کے ہاتھ میں ہیں فرشتے تو صرف اللہ کے احکام کا نفاذ کرتے ہیں ارشاد خداوندی ہے۔

لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ (الانبیاء ۲۶)

نیز فرمایا:

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ (البقرہ ۲۵۵) وہ ان کے آگے اور پیچھے کا علم رکھتا ہے۔

نیز فرمایا:

وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ ارْضَىٰ وَهُوَ خَشِيْعٌ مِّشْفِقُونَ (الانبیاء ۲۸)

اور وہ (اس کے پاس کسی کی) سفارش نہیں کر سکتے ہیں مگر اس شخص کی جس سے خدا خوش ہو اور وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے ہیں۔

نیز فرمایا:

يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ (الزحل ۵۰)

اور وہ اپنے پروردگار سے جو کہ اوپر ہے ڈرتے ہیں اور جو ان کو ارشاد ہوتا ہے اس پر عمل کرتے ہیں۔

پس فرشتے اللہ کے عزت والے بندے ہیں کچھ صفوں میں ہیں تو کچھ تسبیح بیان کرنے والے ہیں ہر ایک کا مقام معلوم ہے کہ ان کو دہاں سے جانے کی اجازت نہیں وہ حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں نہ اس سے کمی کرتے ہیں نہ ہی زیادتی کرتے ہیں ان میں بلند مرتبت وہ ہیں جو اس کی عبادت سے اعراض نہیں کرتے ارشاد خداوندی ہے۔

لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِنُونَ يَسْبَحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ (الانبیاء ۲۰-۱۹)

وہ فرشتے اس کی عبادت سے نہ کٹتے ہیں اور نہ اکتاتے ہیں رات دن (اس کی) تسبیح کرتے رہتے ہیں (نہ ٹھکتے ہیں) نہ تھکتے ہیں۔

سب سے اونچے مرتبہ والے فرشتے جبریل، اسرافیل، میکائیل ہیں جو زندگی پر متعین ہیں چنانچہ حضرت

جبریل وحی پر متعین ہیں جس سے قلب در روح کو زندگی حاصل ہوتی ہے اور حضرت میکائیل بارش پر متعین ہیں جس سے زمین، نباتات، حیوانات کو زندگی حاصل ہوتی ہے اور حضرت اسرافیل صور میں بھونک مارنے پر مقرر ہیں جس سے تمام مخلوق مرنے کے بعد زندہ ہو جائے گی پس یہ فرشتے اللہ کی مخلوق اور اس کے احکام کو مخلوق تک پہنچانے میں سفیر کی حیثیت رکھتے ہیں وہ تمام اطراف عالم میں اس کے احکام کو پہنچاتے ہیں اور تمام کائنات کے معاملات خدا تک پہنچاتے ہیں آسمان فرشتوں کی کثرت سے آواز نہ کرتے ہیں اور حق بھی یہی ہے کہ وہ آواز کریں کسی آسمان پر بھی چار انگلی کے بقدر کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں کوئی فرشتہ نہ ہو بلکہ کچھ حالت قیام میں کچھ حالت رکوع میں کچھ حالت سجود میں ہیں اور ان میں سے بیت المعمور میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں پھر ان کے داخل ہونے کی نوبت نہیں آئے گی۔

قرآن پاک میں فرشتوں ان کی اصناف، ان کے مراتب کا کثرت کے ساتھ ذکر ہے کبھی اللہ پاک اپنا نام ان کے نام کے ساتھ ملا کر لاتے ہیں اور اپنی صلوٰۃ کا ان کی صلوٰۃ کے ساتھ مل کر ذکر کرتے ہیں اور کبھی مقام تشریف میں ان کو اپنے ساتھ ملاتے ہیں اور کبھی ذکر کرتے ہیں کہ فرشتوں نے اللہ کے عرش کو ڈھانپ رکھا ہے اور اسے اٹھائے ہوئے ہیں یعنی وہ اللہ کے بہت قریب ہیں اور کبھی ان کی عزت افزائی کرتے ہوئے ان کو شرف و کرم کے ساتھ موصوف کیا جاتا ہے اور کبھی ان کے قرب، علو طہارت، قوت، اخلاص جیسے اوصاف کا ذکر کیا جاتا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

کل امن باللہ وملائکته وکتابہ
ورسلہ (البقرہ ۲۸۵)

نیز فرمایا:

شهد اللہ ان لا اله الا هو
واللہ تکتہ فادلو العاصرہ (ال عمران ۱۸)

نیز فرمایا:

هو الذی یصلی علیکم وملائکته لیخرجکم
من الظلمات الی النور (الاحزاب ۴۳)

کہ روشنی کی طرف سے جائے۔

نیز فرمایا:

الذین یحملون العرش ومن حولہ
یسبحون بحمد ربہم ویؤمنون بہ
و یتستغفرون للذین آمنوا (معاذہ)

جو لوگ عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس
کے گردا گرد (حلقہ باندھے ہوئے) ہیں یعنی
فرشتے وہ اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ
تسبیح بیان کرتے رہتے ہیں اور اس کے ساتھ
ایمان رکھتے ہیں اور مومنوں کے لئے بخشش
مانگتے رہتے ہیں۔

نیز فرمایا:

وقدی الملائکۃ حافین من حول
العرش یسبحون بحمد ربکم۔ (الزمر: ۷۵)

اور تم فرشتوں کو دیکھو گے کہ عرش کے گرد
گھیرا باندھے ہوئے ہیں (اور) اپنے پروردگار
کی تعریف کے ساتھ تسبیح کر رہے ہیں۔

نیز فرمایا:

بل عباد مکرہون (النبیاء: ۷۶)

بلکہ وہ عزت والے لوگ ہیں۔

نیز فرمایا:

ان الذین عند ربی لا یتکبرون
عن عبادتہ ویسبحونہ ولہ لیجدون
(الاعراف: ۲۰۶)

جو لوگ تمہارے پروردگار کے پاس ہیں وہ
اس کی عبادت سے گردن کشی نہیں کرتے ہیں
اور اس پاک ذات کو یاد کرتے اور اس کے
آگے سجدے کرتے رہتے ہیں۔

نیز فرمایا:

فان استکبروا فانذربك یتسبحون
لہ باللیل والنهار وہ لا یأمنون۔
(نصت: ۳۸)

اگر یہ لوگ سرکش کریں تو (خدا کو بھی ان کی
پرہیز نہیں) جو فرشتے تمہارے پروردگار کے
پاس ہیں وہ رات دن اس کی تسبیح بیان کرتے
رہتے ہیں اور (کبھی) تھکتے ہی نہیں۔

نیز فرمایا:

کراما کا تبیین

عزت والے لکھنے والے۔

نیز فرمایا:

کرام بررة۔

عزت واسے نیکو کار۔

نیز فرمایا:

يشهدہ المقربون (المطففين ۲۱)

جس کے پاس مقرب (فرشتے) حاضر تھیں

نیز فرمایا:

لا يسمعون الى (ملاً الاعلى) (الصافات ۸)

کہ وہ اوپر کی مجلس کی طرف کان نہ لگا سکے۔

آیات قرآنیہ کے علاوہ کثرت کے ساتھ احادیث میں فرشتوں کا ذکر موجود ہے۔ اسی طرح فرشتوں پر ایمان لانے کو اصول خمس سے شمار کیا گیا ہے۔

کیا انبیاء صلحاء فرشتوں سے افضل ہیں | اس مسئلہ میں شدید اختلاف ہے اہل سنت

معتزلہ فرشتوں کو فضیلت دیتے ہیں۔ اشاعہ کے اس میں دو قول ہیں۔ ان میں سے بعض انبیاء اولیاء کو فضیلت دیتے ہیں۔ اور بعض توقف اختیار کرتے ہیں۔ قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہتے۔ اور بعض کا رجحان اس طرف ہے کہ فرشتوں کو فضیلت ہے۔ بعض اہلسنت اور متصوفین سے بھی یہی منقول ہے۔ شیعہ کا قول یہ ہے کہ تمام اماموں کو تمام فرشتوں پر فضیلت ہے۔ ان کے علاوہ بھی کچھ اقوال ہیں۔ البتہ وہ لوگ جن کا قول حجت سمجھا جاتا ہے ان میں سے کسی کا یہ قول نہیں کہ فرشتے بعض انبیاء سے افضل ہیں۔ مجھے اس مسئلہ میں تردد رہا۔ اس لیے کہ اس میں کچھ فائدہ نہ تھا۔ اور مذکورہ اختلاف کچھ مفید نہیں۔ نیز اس حدیث کی روشنی میں کہ انسان کے حسن اسلام سے ہے کہ وہ لایعنی باتوں کو چھوڑ دے یا درجہ شیخ رحمہ اللہ نے اس پر نفیاً یا اثباتاً کچھ نہیں کہا غالباً علماء اس پر بحث نہیں کی اس لئے کہ امام ابوحنیفہ نے اس کے جواب میں توقف اختیار کیا ہے جیسا کہ مالک الفتاویٰ میں اس کا ذکر ہے وہاں اس نے چند مسائل کا ذکر کیا ہے جن کا امام ابوحنیفہ نے قطعیت کے ساتھ جواب نہیں دیا ہے ان میں اس مسئلہ کا بھی ذکر ہے کہ فرشتوں اور پیغمبروں میں سے کون افضل ہے اس مسئلہ میں صحیح راہ یہی ہے اس لئے کہ ہم پر یہ تو واجب ہے کہ ہم فرشتوں اور پیغمبروں پر ایمان

ایصح ہے احمد وغیرہ ۲۵ کشف الظنون میں ہے کہ یہ کتاب امام ناصر الدین سمرقندی حنفی کی تالیف ہے اس نے اس کتاب کو سن ۵۶۹ ہجری شعبان میں مکمل کیا

رکھیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہم یہ عقیدہ بھی رکھیں کہ ان میں سے کون افضل ہیں اگر اس کا جانا ہمارے لئے ضروری ہوتا تو ہمیں صراحتاً اس کا حکم دیا جاتا ارشاد خداوندی ہے۔

ایوم اکملت لکم دینکم۔ (المائدہ ۳۰)
آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا۔

نیز فرمایا:

وما کان دیناً لہ۔ تیرا رب بھوتا نہیں ہے نیز صحیح حدیث میں ہے

کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض فرض فرمائے ان کو

(مرجوہ ۶۳)

ضائع نہ کر دیکھ حدود متعین فرمائے ان سے تجاوز نہ کرو کچھ حرمت کئے ان کو حلال نہ جانو اور کچھ باتوں سے تم پر مہربانی کرتے ہوئے بھول کر نہیں خاموشی اختیار کی ان کے بارے میں سوال نہ کرو پس بہتر یہی ہے کہ اس مسئلہ میں خاموشی اختیار کی جائے اور نفیاً یا اثباتاً کسی رائے کا اظہار نہ کیا جائے ہاں یہ کہنا مناسب نہیں کہ یہ مسئلہ بھی ان دیگر مسائل کی طرح ہے جن کا کتاب و سنت سے استنباط کیا جاتا ہے جب کہ اس پر دونوں طرف سے کثرت کے ساتھ دلائل موجود ہیں اگر توفیق ایزدی شامل حال ہو تو ہم ان کا اشارتاً ذکر کریں گے بعد ازاں بعض جاہل بے ادب لوگوں کے رویہ نے مجھے مجبور کر دیا کہ اس پر تفصیلاً بحث کی جائے بعض لوگوں کی جانب سے یہ سوال اٹھایا گیا کہ جبرائیل فرشتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم تھا یا بعض فرشتے انسانوں کے خدام ہوتے ہیں اس قسم کے کلمات جو خلاف شرح بھی ہیں اور بے ادبی پر بھی دلالت کرتے ہیں ضروری ہے کہ ان کا نوٹس لیا جائے صاف صاف بات یہ ہے کہ اگر پیغمبروں کو فرشتوں پر فضیلت عطا کرنے کا داعیہ حمیت یا جنسی عصبيت یا ان کی تنقیص مقصود ہے تو یہ صورت خالصتاً غیر مناسب ہے ہم برعلا اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ مختلف فیہ مسئلہ اس مسئلہ کی طرح نہیں ہے جس میں پیغمبروں کو ایک دوسرے پر فضیلت عطا کی گئی ہے جب کہ اس میں نص موجود ہے ارشاد خداوندی

تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض۔

عطا کی ہے

(البقرہ ۲۵۳)

نیز ارشاد خداوندی ہے۔

ولقد فضلنا بعض النبيين على بعض (الاسراء ۵۵) ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض پر فضیلت بخشی ہے۔

نتہ حسن لغیرہ ہے دار قطنی وغیرہ۔

اس پر بحث سابقہ اور اقامت میں بھی گزر چکی ہے پس اس نزاع میں غلبہ اس دلیل کو حاصل ہوگا جو راجح ہوگی یہ ایسا مسئلہ ہے جس میں اہل سنت کے درمیان اختلاف موجود ہے لیکن اہل بدعت کی موافقت سے کسی قول کو چھوڑنا نہیں جاسکتا یا درجہ امام ابوحنیفہ اولاً تو فرشتوں کو انسانوں پر فضیلت دیتے تھے پھر ان کی رائے میں تبدیلی آگئی اس مسئلہ میں توقف بھی ان کا قول ہے فریقین کی جانب سے ذکر کردہ دلائل مطلق فضیلت پر تو دلالت کرتے ہیں ان سے کسی کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی اور اس میں کچھ اختلاف بھی نہیں اس مسئلہ پر شیخ تاج الدین فزاری کی کتاب (الاشارة فی البشارة) کا مطالعہ کریں جس میں انسانوں کو فرشتوں پر فضیلت عطا کی گئی ہے اس کے آخر میں ہے۔ یہ مسئلہ علم کلام کے مسائل سے ہے جس پر امت کے پہلے دور کے علماء نہ بعد کے ائمہ نے بحث نہیں کی ہے نیز اس پر عقائد کے اصولوں میں سے کسی اصل کا سمجھنا موقوف نہیں ہے اور نہ ہی اس کے ساتھ دینی امور کے مفاد کبیرہ کا کچھ تعلق ہے یہی وجہ ہے کہ اس جیسے مسائل کی کتابوں میں اس مسئلہ کا ذکر نہیں ہے نیز ائمہ دین نے اس پر بحث سے راہ گریز اختیار کیا ہے اور اگر کسی معمولی علم والے نے اس پر گفتگو کی ہے تو اس کی گفتگو میں جھول ہے اور کسی نتیجہ پر نہیں پہنچا جاسکتا ہے انتہی واللہ الموافق لمصواب پس جن دلائل کی روشنی میں پیچیدہ کو فرشتوں پر برتری عطا کی گئی ہے ان میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں معلوم ہوا کہ آدم کو فرشتوں پر فضیلت حاصل ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب ابلیس نے سجدہ نہ کیا اور تکبر کیا اور کہا۔

ارے ینک هذا نذی کرمتم علی۔ (اور انرا راہ طنز) کہنے لگا کہ دیکھ تو یہی وہ ہے جسے تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے۔ (الاسراء: ۶۲)

جو لوگ فرشتوں کو پیغمبروں پر فضیلت عطا کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ فرشتوں کا آدم کو سجدہ کرنا اپنے رب کے حکم کو تسلیم کرنے کے پیش نظر تھا نیز اللہ کی عبادت اس کی اطاعت کے لئے تھی البتہ آدم کی تعظیم و تکریم سے بھی انکار نہیں لیکن اس سے آدم کی افضلیت ثابت نہیں ہو سکتی جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے اپنے بیٹے کو سجدہ کرنے سے بیٹے کی اس پر فضیلت ثابت نہیں ہوتی اور نہ ہی کعبہ کو بنی آدم پر فضیلت حاصل ہے اگرچہ بنی آدم اس کی طرف سجدہ کرنے میں اس لئے کہ ان کا سجدہ تو محض حکم خداوندی کو تسلیم کرنے کے لئے ہے۔ البتہ ابلیس کا سجدہ نہ کرنا اس بنا پر ہے کہ اس نے اپنی رائے اور فاسد قیاس کے ساتھ نص کا مقابلہ کیا اور کہا کہ وہ اس سے بہتر ہے اس کو صغریٰ سمجھیں کبریٰ یہاں مخدوف ہے وہ یہ ہوگا کہ فاضل مفعول کو سجدہ نہیں کرتا جب کہ یہ دونوں مفردات فاسد ہیں پہلا

مقدمہ اس لئے فاسد ہے کہ معی اکثر اوصاف میں آگ پر فوقیت رکھتی ہے یہی وجہ ہے کہ ابیس کے اصل نے اس کو نافرمان بنایا کہ اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اس لئے کہ آگ کے اوصاف میں بندی کو طلب کرنا چھوڑا اور رعوت ہوتی ہے نیز جس چیز سے آگ ہلکا رہتی ہے اس کو خراب کر دیتی ہے جلا دیتی ہے مثلاً دیتا ہے لیکن آدم کے اصل نے اس کو فائدہ بخشا کہ وہ نائب ہوا مسکن کا اظہار کیا اور اللہ کے حکم کے سامنے مطیع اور فرمان بردار ہو گیا اور غلطی کا اعتراف کیا اور معافی کا خواستگار ہوا بے شک یہ بات واضح ہے کہ مٹی میں ثبات سکون، مضبوطی، تواضع، خضوع اور تذلل پایا جاتا ہے جو تیز اس کے قریب ہوتی ہے وہ اگتی ہے اور بھتی پھرتی ہے اس میں نمو ہوتا ہے اور برکت ہوتی ہے یہ اوصاف آگ کے اوصاف کے خلاف ہیں دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ فاضل مغفول کے سامنے سجدہ نہیں کرتا یہ درست نہیں اس لئے کہ سجدہ تو اللہ کی اطاعت اور اس کے حکم کو تسلیم کرنے کا نام ہے اگر اللہ حکم دیتا کہ تم کسی چیز کو سجدہ کرو تو اللہ کا حکم ماننا ضروری تھا تو اس سے یہ لازم نہیں آیا کہ مسجود لہ ساجد سے افضل ہے اگرچہ مسجود لہ کی تعظیم و تکریم تو ظاہر ہے اور یہ قول

هَذَا الَّذِي كُوتَ عَلَى (الاسماء ۶۲)

یہی وہ ہے جسے تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب شیطان سجدہ سے انکار کی وجہ سے راندہ روزگار ہو گیا پہلے کی بات نہیں ہے لہذا اس سے استدلال کرنا غلط ٹھہرا نیز انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو فرشتوں پر اس لحاظ سے بھی فضیلت ہے کہ فرشتوں میں عقل موجود ہے شہوت موجود نہیں اور مغفولوں میں عقل اور شہوت دونوں موجود ہیں جب پیغمبر اپنے کو شہوات سے اور ان چیزوں سے روکتے ہیں جن کی طرف ان کی طبیعت کا میلان ہوتا ہے اس لحاظ سے ان کی فضیلت ثابت ہوتی ہے مخالفین کہتے ہیں ممکن ہے کہ فرشتوں کا ہمیشہ اطاعت کرنا عبادت کرنا سستی نہ کرنا ایسے اوصاف ہوں جو اس بات کا سبب بنیں کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ اپنی شہوات سے کنارہ کش رہیں نیز وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے فرشتوں کو ایفر بنایا ہے وہ انبیاء کو خدا کا پیغام پہنچاتے ہیں ظاہر ہے کہ سفیر کا مقام ان سے کم ہوتا ہے جن کی طرف ان کو بھیجا جاتا ہے لیکن اس کو دوسرے فریق نے اپنے استدلال میں پیش کیا ہے جو فرشتوں کو افضل کہتے ہیں اور ان کا موقف قوی معلوم ہوتا ہے کہ اگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ ان لوگوں سے بوجہ رسالت کے افضل ہیں جن کی طرف ان کو بھیجا گیا تو اس لحاظ سے فرشتوں کو جن کی طرف بھیجا گیا ان سے افضل ہوں گے ظاہر ہے کہ جبریل رسول ہے اور مغفیر مرسل الیم ہیں۔ نیز اللہ کا قول:

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا (البقرة ۳۱)

اللہ نے آدم کو تمام نام سکھا دیئے۔

کبھی پیغمبروں کو فرشتوں پر فضیلت عطا کرتا ہے لیکن مخالفین کہتے ہیں اس سے فضیلت تو ثابت ہوتی ہے افضلیت ثابت نہیں ہوتی اور آدم اور فرشتوں کو ان باتوں کا ہی علم ہو سکتا ہے جو ان کو اللہ نے بتا دی ہیں اسی طرح حضرت خضر حضرت موسیٰ سے افضل نہیں ہیں کہ وہ ان چیزوں کا علم رکھتے ہیں جن کا علم موسیٰ علیہ السلام کو نہیں ہے اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کے شاگرد طلب علم کیلئے خضر کی طرف جانے کیلئے زاد راہ لینے ہیں اور ان کی طرف چل دیتے ہیں حضرت موسیٰ ان سے صراحتاً طلب علم کرتے ہیں لیکن حضرت خضر جواب دیتے ہیں کہ تیرے پاس جو اللہ کا علم ہے وہ میرے پاس نہیں اور جو علم میرے پاس ہے وہ تیرے پاس نہیں ہے اسی طرح ہر پیغمبران سے افضل نہیں کہ اس کو ان چیزوں کا علم ہے جن کا علم حضرت سلیمان کو نہیں ہے۔ نیز اللہ کا قول:

ما منعك ان تسجد لما خلقت بيدي
جس شخص کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اس کے آگے سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز سے منع کیا۔ (ص ۷۵)

معلوم ہوتا ہے انسان افضل ہیں مخالفین کہتے ہیں یہ فضیلت کی دلیل ہے افضلیت کی نہیں ہے ورنہ لازم آئے گا کہ آدم کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی فضیلت حاصل ہو اگر کوئی شخص کہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو آدم کی اولاد سے ہیں تو ہم کہیں گے کہ اس کی اولاد میں نیک اور بد صاب ہیں بلکہ قیامت کے روز جب آدم سے کہا جائے گا اپنی اولاد سے ایک جماعت دو رخ میں بھیجو تو ایک ہزار سے نو سو نانوے دو رخ میں بھیجے جائیں گے اور ایک جنت میں بھیجا جائے گا تو کیا وجہ ہے کہ ہزار میں سے صرف ایک کو فضیلت مل سکی ہے نیز عبد اللہ بن سلام کا قول ہے کہ اللہ نے کسی ایسی مخلوق کو پیدا نہیں فرمایا جو اللہ کے ہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عزت والی ہو نیز عبد اللہ بن عمرو کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرشتوں نے کہا اے ہمارے رب تو نے بنو آدم کو دنیا عطا کی ہے وہ کھاتے پیتے ہیں اور پہنتے ہیں اور ہم تیری حمد اور تسبیح بیان کرتے ہیں ہم کھاتے پیتے نہیں اور نہ ہو ولعب کرتے ہیں تو جس طرح تو نے ان کو دنیا دی ہے ہمیں آخرت عطا فرما اللہ نے فرمایا جن کو میں نے ہاتھ سے پیدا کیا ان میں سے نیک لوگوں کو میں کیسے ان کے برابر کروں جن کو میں نے کلمہ کن سے پیدا کیا (احمد) نیز عبد اللہ بن محمد سعد کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کرتے ہیں کہ فرشتوں نے کہا وہ تو نحو خواب

۱۔ بخاری مسلمہ مترک ۴/۵۶۸-۵۶۹ سند صحیح ہے حاکم اور ذہبی نے صحیح کیا

واستراحت رہتے ہیں اللہ پاک نے نفی میں خواب دیا فرشتوں نے نہیں بار اپنا مطالبہ دہرایا لیکن ہر دفعہ انہیں نفی میں جواب ملا لیکن ان دونوں طرق کی اسانید میں ضعف ہے اور ان کے متون پر بھی اعتراض ہے اس لئے کہ فرشتوں کے بارے میں یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ وہ متعدد بار ذات خداوندی پر اعتراض کریں حالانکہ فرشتوں کے بارے میں دوسرے مقام پر وارد ہے کہ وہ اللہ کے کسی قول سے آگے نہیں بڑھتے وہ تو اللہ کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں تو کیا فرشتوں کے بارے میں یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی حالت پر نالای ہوں اور انسانوں کی شہوت راینوں کے مناظر دیکھنے کے متمنی ہوں اور خواب استراحت کو پسند کریں جب کہ نیند کو موت کا بھائی کہا گیا ہے تو انسانوں کے ان کاموں پر وہ ان پر کیسے رشک کر سکتے ہیں اور کیسے ممکن ہے کہ وہ لہو لعب پر اپنے اشتیاق کا اظہار کریں لیکن حق تعالیٰ جو فرشتوں کو افضل کہتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ دیکھئے ابلیس نے آدم کو بھگایا اور دوسرہ دیا کہ اگر آپ نے اس درخت کا پھل کھایا تو آپ فرشتہ بن جائیں گے یا آپ کو ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی میسر آجائے گی جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

ما نھما کما ربکا عن ہذہ الشجرۃ الا ان
تکونا ملکین و تکون من الخالدين
کہ تم کو تمہارے پروردگار نے اس درخت سے
صرف اس لئے منع کیا کہ تم فرشتے بن جاؤ یا
ہمیشہ جیتے رہو۔ (الاعراف ۲)

معلوم ہوا کہ ان کی فطرت میں فرشتوں کی عظمت موجود تھی کبھی تو فرشتہ بننے کا چمکے دے کر بھگایا ہے پھر جہنم تو انہوں نے حضرت یوسف کو دیکھتے ہی اپنے ہاتھوں کو کاٹ دیا تھا اور بر ملا کہا تھا کہ یہ تو فرشتہ معلوم ہوتا ہے انسان نہیں ہے ارشاد خداوندی ہے۔

وقلن حاش للہ ما ہذا ابشرا ان ہذا
الامم کربو (یوسف ۳۱)
اور بے ساختہ بول اٹھیں کہ سبحان اللہ (یہ حسن)
یہ آدمی نہیں کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔

بزرگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کفار قریش سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں نہ میرے پاس خزانے ہیں نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں اور نہ میں فرشتہ ہوں ارشاد خداوندی ہے۔

قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا
اعلم الغیب ولا اقول لکم انی ملک
کہہ دو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس
اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ (یہ کہہ کر) میں
غیب جانتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ فرشتہ
(الانعام ۵۰)

ہوں۔

معلوم ہوا فرشتہ ہونا زیادہ عظمت کی بات تھی ان کے مخالفین جواب میں کہتے ہیں کہ ان کا ذوال
میں یہ چیز مرکز تھی کہ فرشتوں کو عظمت حاصل ہے وہ بہت زیادہ خوب صورت ہوتے ہیں خونناک
کاموں کو لمبو عمر میں سرانجام دیتے ہیں خاص طور پر عرب لوگ تو فرشتوں کو بہت زیادہ عظمت عطا
کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں سمجھتے تھے۔ تعالیٰ اللہ عن قولہم علماً کبیراً۔
لیکن ان لوگوں کو فرشتوں پر فضیلت عطا کرنے والے کہتے ہیں کہ اللہ پاک نے حضرت آدم
نوح آل ابراہیم آل عمران کو تمام عالمین پر فضیلت عطا کی ہے ارشاد خداوندی ہے۔

ان اللہ (صطفیٰ) آدم و نوحاً و آل ابراہیم
بے شک اللہ نے آدم اور نوح اور آل ابراہیم
و آل عمران علی العالمین۔
لیکن مخالفین کہتے ہیں کہ عالمین میں عمومیت کا معنی نہیں ہے یہ لفظ اپنے سیاق و سباق کے ساتھ
استعمال ہوتا ہے۔ دیکھئے۔

لیکون للعالمین نذیراً (الفرقان ۱)
تاکہ وہ جہاں والوں کو خبردار کرے۔
جیسا کہ اس میں عالمین سے مراد آپ کے زمانہ کے لوگ ہیں۔ تمام لوگ مراد نہیں ہیں۔
اور ارشاد خداوندی
اولئک انہم عن العالمین
(الحج ۷۰)
نیز) اتاتون الذکر ان من العالمین
(اشعرا ۱۶۵)

میں عالمین سے مراد حضرت ابراہیم اور لوط علیہما السلام کے دور کے انسان مراد ہیں تمام مراد
نہیں ہیں۔ نیز ارشاد خداوندی
ولقد اخترناہو علی علیہ علی العالمین
(الدخان ۲۳)
ہم نے ان کو جہاں والوں سے چن لیا۔ اس
سے مراد یہ ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو ان
کے دور کے انسانوں پر فضیلت دی ہے عام انسان مراد نہیں ہیں۔

نیز ارشاد خداوندی:
ان الذین آمنوا و عملوا الصالحات
اولئک ہو خیر البریہ۔ (البینہ ۷)
جو لوگ ایمان لائے اور صالح عمل کرتے رہے
وہ تمام خلقت سے بہتر ہیں۔

میں انسانوں کو بہترین مخلوق کہا گیا ہے (لفظ بریہ) کا اشتقاق (اگر برہ سے ہے تو اس کا معنی پیدا کرنا ہے معلوم ہو کہ اعمال صالحہ کرنے والے بہترین مخلوق ہیں مخالفین کہتے ہیں وہ اس بنا پر بہترین مخلوق کے لقب سے پکارے گئے ہیں کہ ان میں ایمان کے ساتھ ساتھ اعمال صالحہ بھی ہیں جب کہ فرشتے پہلے ہی سے اس وصف میں اکمل ہیں وہ نہ تو کھاتے ہیں نہ ہی ان میں سستی ہے اس بنا پر ان کو فرشتوں سے افضل نہیں کہا جاسکتا اگر (بریہ) کا اشتقاق (بری) سے ہو جس کا معنی مٹی ہے۔ فراہ کا بھی یہی قول ہے جو ہماری نے صحاح میں اس کا ذکر کیا ہے تو پھر معنی یہ ہو گا کہ وہ ان سب سے بہتر ہیں جو مٹی سے پیدا ہوتے ہیں اس معنی کے لحاظ سے عمومیت ختم ہو جاتی ہے ظاہر ہے کہ جو مٹی سے پیدا ہوتے ہیں وہ ان کے مخالف ہیں جو نور سے پیدا ہوتے ہیں۔ انسانوں کو فضیلت عطا کرنے والے مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نیک انسان کمالات کی منزلیں طے کرتے ہوئے اپنے مقصد سے ہمکنار ہوتے ہیں وہ جنت میں داخل ہوتے ہیں انہیں اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے نیز وہ ذات الہی کی تجلی سے منعم ہوتے ہیں لیکن فرشتوں کو فضیلت عطا کرنے والے کہتے ہیں کہ اگر نیک انسان ایسے بلند مقام پر فائز ہو جاتے ہیں جہاں فرشتے نہیں پہنچ سکتے پھر تو آپ کا نظریہ درست ہے وگرنہ آپ کو تسلیم کرنا ہو گا کہ فرشتے انسانوں سے کہیں افضل ہیں جو لوگ فرشتوں کو انسانوں پر فضیلت دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ارشاد خداوندی:

لن یستنکف المسیحون یومئذ یومئذ
ولا ملائکة المقربون (انسان اور ملائکہ)

یعنی اس بات سے عار نہیں رکھتے ہیں کہ خدا کے بندے ہوں اور نہ مقرب فرشتے (عار رکھتے ہیں) میں لفظ (ملائکہ) معطوف ہے اور لفظ (مسیح) معطوف علیہ ہے لغت میں یہ بات مسلم ہے کہ معطوف، معطوف علیہ سے افضل ہوتا ہے عربی زبان میں یہ ترکیب درست نہیں۔

لن یستنکف الوزراء ان یشکون خادماً
للملک ولا الشرطی لحارس

وزراء پولیس آفیسر حفاظت کرنے والے ہر گز اس بات کو ناپسند نہیں جانیں گے کہ وہ بادشاہ کی خدمت کے فرائض سرانجام دیں۔

ظاہر ہے کہ پولیس آفیسر اور حفاظت کرنے والے وزراء سے افضل نہیں لہذا یہ جملہ درست نہیں معطوف کو معطوف علیہ سے بہتر ہونا چاہیے ہاں یوں کہنا درست ہے۔

لن یستنکف الشرطی ان یشکون خادماً
للملک ولا وزیر

اس لئے کہ اس جملہ میں معطوف وزیر کا لفظ ہے جو شرطی سے بہتر ہے اس ترکیب میں ادنیٰ سے

اعلیٰ کی طرف ترقی ہو رہی ہے پس قرآن پاک کی مذکورہ آیت میں جب فرشتوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر فضیلت حاصل ہے تو دیگر پیغمبروں پر بھی فضیلت ہوگی اس لئے کہ کوئی بھی شخص اس بات کا قائل نہیں کہ فرشتوں کو بعض پیغمبروں پر تو فضیلت حاصل ہو اور بعض پر حاصل نہ ہو۔

دوسرا فریق جو پیغمبروں کو فرشتوں پر برتری عطا کرتا ہے وہ اس دلیل پر کئی نقص وارد کرتا ہے۔
مضبوط ترین نقص وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جہاں تک فرشتوں کی قوت مضبوطی اور عظیم الخلقیت ہونے کا تعلق ہے اس میں اختلاف کی کچھ گنجائش نہیں تو

اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ ان کو ہر لحاظ سے فضیلت حاصل ہے پس معنی یہ ہوگا کہ اللہ کی بندگی سے نہ تو عیسیٰ علیہ السلام ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں اور نہ فرشتے جو قوت اور عظیم الخلقیت ہونے میں پیغمبروں سے برتر ہیں۔

فرشتوں کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر فضیلت عطا کرنے والے درج ذیل آیت سے استدلال کرتے ہوئے

قل لا اقول لكم عندى خزائن الله ولا اعم الغيب ولا اقول لكم اى مدى۔
 (الانعام: ۵۰)

کہتے ہیں کہ اگر میں اپنے بارے میں فرشتے ہونے کا دعویٰ کروں تو گویا میں اپنے آپ کو ایسا مرتبہ دوں گا جو میرے مرتبہ سے اوپر ہے پس میں اس کا مدعی نہیں ہوں۔
 دوسرا فریق اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جب کفار پیغمبر پر اعتراض کیا۔
 ما نفذ الرسول يا كل الطعام ويمشي في الأسواق۔
 (الفرقان: ۲۰)

تو پیغمبر نے جواباً کہا میں تمہارے جیسا انسان ہوں جس طرح تم معیشت کے ذرائع اختیار کرتے اور کھانے پینے سے بے نیاز نہیں ہو وہی حال میرا ہے میں فرشتہ تو نہیں کہ مجھے کھانے پینے کی ضرورت نہ ہو اس سے فرشتوں کا پیغمبروں پر مطلقاً تفوق کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔
 اس کی تائید مسلم کی ایک روایت سے، ہو رہی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
 قوت رکھنے والا مومن اس مومن سے بہتر ہے اور اللہ کے ہاں زیادہ محبوب ہے جو کمزور ہے اگرچہ تمام مسلمان بہتر ہیں۔ نیز یہ بات سب کو معلوم ہے کہ انسان قوت میں فرشتوں کی برابری

لے مسلم کی حدیث کا ایک ٹکڑا ہے (۵۶/۸)

نہیں کر سکتا دوسرا فریق کہتا ہے کہ اس سے صرف انسان مراد ہیں فرشتے اس میں داخل نہیں ہیں نیز ایک حدیث قدسی سے اس نظریہ کی تائید ہو رہی ہے کہ فرشتے پیغمبروں پر فوقیت رکھتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں اپنے بندے کے خیال کے مطابق ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں اگر وہ مجھے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اپنے نفس میں اس کو یاد کرتا ہوں اور اگر وہ میرا ذکر کسی مجلس میں کرتا ہے تو میں اس کا ذکر اس سے بہتر مجلس میں کرتا ہوں (اس مجلس سے فرشتے مراد ہیں) معلوم ہوا فرشتے افضل ہیں۔

دوسرا فریق کہتا ہے اس سے فرشتوں کو عمومی فضیلت ثابت نہیں ہوئی البتہ اس جماعت سے جس کا ذکر ہوا اس سے فرشتے افضل ہیں۔

نیز ایک دوسری حدیث سے بھی فرشتوں کی برتری معلوم ہوتی ہے حدیث اگرچہ ضعیف ہے امام محمد بن خزیمہ کتاب التوحید میں حضرت انس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دفعہ کا ذکر ہے میں بیٹھا ہوا تھا اچانک جبریل آئے انہوں نے میرے کندھوں پر ہاتھ مارا اپنا پیر میں ایک درخت کی جانب چل دیا جس میں دو آشیانے تھے ایک میں حضرت جبریل علیہ السلام بیٹھ گئے دوسرے میں میں بیٹھ گیا درخت بلند ہونا چلا گیا یہاں تک کہ مشرق، مغرب کی پہنائی میں پھیل گیا میں نظر اٹھا اٹھا کر دیکھ رہا تھا اگر میں آسمان کو ہاتھ لگانا چاہتا تو ایسا کر سکتا تھا میں نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا تو مجھے محسوس ہوا کہ وہ شل پٹائی کے چپٹے ہوئے ہیں تو مجھے اعتراف کرنا پڑا کہ اللہ کے بارے میں حضرت جبریل علیہ السلام کا علم میرے علم سے کہیں زیادہ ہے۔

فریق ثانی کہتا ہے یہ حدیث ہی صحیح نہیں لہذا ہمیں جواب دینے کی ضرورت نہیں استدلال ہی غلط ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ مسئلہ کچھ زیادہ اہمیت کا حامل نہیں یہی وجہ ہے کہ اکثر اصولی علماء نے اس کو درخور اعتنا نہیں سمجھا اپنا پیر امام ابو حنیفہؒ نے بھی اس مسئلہ میں دلائل کا جواب دینے سے توقف کا اظہار کیا ہے واللہ اعلم بالصواب البتہ ہمارے لئے اندیس ضروری ہے کہ ہم تمام پیغمبروں پر ایمان لائیں خواہ ان کا ذکر اللہ کی کتاب میں ہے یا نہیں ہمارا ایمان ہے کہ تمام پیغمبروں کی تعداد اور ان کے ناموں کو اللہ کے علاوہ کوئی نہیں مانتا ارشاد خداوندی ہے۔

اور بہت سے پیغمبر ہیں جن کے حالات، ہم تم سے
پیشتر بیان کر چکے ہیں اور بہت سے پیغمبر ہیں جن
کے حالات ہم نے تم سے بیان نہیں کئے۔

وَرَسُولًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ
وَرَسُولًا نُوْقِصُّهُمْ عَلَيْكَ، -
(النساء ۱۶۳)

نیز فرمایا:

اور ہم نے تم سے پہلے (بہت سے) پیغمبر بھی
ہیں ان میں کچھ تو ایسے ہیں جن کے حالات تم
سے بیان کر دیئے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جن
کے حالات بیان نہیں کئے ہیں۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ
قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ نُوْقِصُّ
عَلَيْكَ -

نیز ہمارا ایمان ہے کہ پیغمبروں نے اللہ تعالیٰ کے تمام احکام لوگوں تک پہنچائے اور ان کی وضاحت
کی ان کا جاننا ضروری ہے اور ان کی مخالفت جائز نہیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔

پس پیغمبروں کے ذمہ ظاہر پہنچا دینا ہے۔

فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (النحل ۳۵)

نیز فرمایا:

اگر وہ روگردانی کریں تو تجھ پر تو ظاہر پہنچا
دینا ہے۔

وَأَنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ
الْمُبِينُ: (النحل ۸۲)

نیز فرمایا:

اگر تم اس کی اطاعت کر دے گے تو ہدایت پا جاؤ
گے اور پیغمبر پر تو صریح ظاہر پہنچا دینا ہے۔

وَأَنْ تَطِيعُوا تَهْتَدُوا وَمَا عَلَى
الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (النور ۵۴)

نیز فرمایا:

اور تم رسول کی اطاعت کرو اگر تم نے روگردانی
کی تو ہمارے پیغمبر پر ظاہر پہنچا دینا ہے۔

وَأَخَذُوا فَأَنْ تَوَلَّيْتُمْ
فَأِنَّمَا عَلَى رُسُلِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ -

اولوالعزم پیغمبر کون ہیں؟ | مختلف اقوال ہیں سب سے بہتر قول (جس کو امام بغوی وغیرہ
نے ابن عباس اور قتادہ سے نقل کیا ہے) یہ ہے کہ اس سے

مراد حضرت نوح، ابراہیم موسیٰ عیسیٰ اور حضرت محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں چنانچہ ارشاد
خداوندی ہے۔

وَإِذَا اخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ

اور جب ہم نے پیغمبروں سے وعدہ لیا اور

تجھ سے اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ
مریم کے بیٹے سے بھی۔

ومنك ومن نوح وابراهيم
موسى وعيسى ابن مريم الاحزاب ۷۱

نیز فرمایا:

اس نے تمہارے لئے دین کا وہی رستہ مقرر
کیا ہے جس (کے اختیار کرنے) کا نوح کو حکم دیا
تھا اور جس کی (اے محمد) ہم نے تمہاری طرف
وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم
دیا تھا (وہ یہ) کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ

شرع نکلمن الدین ما وصی بہ
نوحا والذی اوحینا الیک وما
وصینا بہ ابراہیم وموسى وعيسى ان
اقیموا الذین دل تنفردوا فیہ کبر علی
المشکین ما تدعوہم الیہ (الشوریٰ ۱۲)

نہ ظالمنا جس کی طرف تم مشرکوں کو بلاتے ہو وہ ان کو دشوار گزرتی ہے۔

دیگر پیغمبروں پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا آپ کی
رسالت کو تسلیم کرنا اور شرائع اسلامیہ کو اجماعاً اور تفصیلاً ماننا اور ان کی اتباع کرنا ضروری ہے
نیز ان کتابوں پر بھی ایمان لانا ضروری ہے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئیں بعض کتابوں
کا تذکرہ قرآن پاک میں ملتا ہے جیسے تورات، انجیل اور جن کا ذکر قرآن پاک میں نہیں ہے ان
پر بھی ہم ایمان رکھتے ہیں اگرچہ نہ ہم ان کے ناموں سے واقف ہیں اور نہ ہی ہمیں ان کی تعداد
معلوم ہے۔

دیگر منزل من اللہ کتابوں کی طرح قرآن پاک پر ایمان لانا اور اس میں بیان کردہ احکام کے
مطابق زندگی گزارنا اور اسے سچا ماننا شفا بخشنا ہدایت قرار دینا ضروری ہے ارشادِ ربانی ہے:
(سلمان) کہو کہ خدا پر ایمان لاتے ہیں اور جو کتاب
ہم پر اتری ہے اس پر اور جو (پیغمبر) ابراہیم اور
اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد
پر نازل ہوئے ان پر اور جو (کتابیں) موسیٰ
اور عیسیٰ کو عطا ہوئیں ان پر اور جو پیغمبروں کو ان
کے پروردگار کی طرف سے ملی ہیں ان پر سب
ایمان لائے

تولوا اٰمتابا للہ دعا انزل الینا و
ما انزل علی ابراہیم واسماعیل
واسحق و یعقوب والاسباط وما
اوتی موسیٰ وعيسى وما اوتی النبیین
من ربہم البقرہ ۱۲۶

نیز فرمایا:

الم خدا (جو محمود برحق ہے) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ زندہ ہمیشہ رہنے والا ہے اس نے (اے محمد) تم پر سچی کتاب نازل کی جو پہلی (آسانی) کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور اسی نے ہی تورات اور انجیل نازل کی ہے (یعنی) لوگوں کی ہدایت کے لئے تورات اور انجیل نازل کی اور (پھر قرآن جو حق اور باطل کو) الگ الگ کر دینے والا ہے۔

انزل الله لا اله الا هو الحي القيوم
نزل عليك الكتاب بالحق مصدقا
لما بين يديه وانزل التوراة
والانجيل من قبل هدى للناس
وانزل الفرقان ال عمران ٢٠١

نیز فرمایا:

پیغمبر اس کتاب پر ایمان لایا جو اس پر اس کے رب کی طرف سے نازل کی گئی۔

امن الرسول بما انزل اليه من
ربه - البقرة ٢٨٥

نیز فرمایا:

وہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے اگر یہ اللہ کے سوا سے ہوتا تو اس میں کثرت کے ساتھ اختلاف کو پاتے،

افلا يتدبرون الفرقان ولو كان من
عند غير الله لوجدوا فيه اختلافاً
كثيراً - النساء ٨٢

ان کے علاوہ متعدد آیات ہیں جو اس بات پر دلائل ہیں کہ قرآن پاک اللہ کا کلام ہے اسکی جانب سے نازل کیا گیا پس ثابت ہوا کہ کلام اللہ کا وصف ہے اور علو بھی اللہ کا وصف ہے ارشادِ ربانی تمام لوگ ایک امت تھے پس اللہ نے پیغمبروں کو خوشخبری اور ڈرانے کے لئے بھیجا اور ان پر حق کے ساتھ کتاب نازل کی۔

كان الناس امة واحدة فبعث
الله النبيين مبشرين ومنذرين
وانزل معهم الكتاب بالحق (البقرة ١٣٠)

نیز فرمایا:

اور یہ تو ایک عالی رتبہ کتاب ہے اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے سے (اور) دانا (اور) فوجیوں و اے (خدا) کی نازل کی ہوئی ہے۔

وانهم لكتاب عزيز لا ياتيه الباطل
من بين يديه ولا من خلفه
تنزيل من حكيم حميد حم السجدة ٣٩

نیز فرمایا:

اور جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے وہ جانتے ہیں کہ جو (قرآن) تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے وہ حق ہے۔

وَيَرَى الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ الَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ هُوَ الْحَقُّ
(سبا ۶)

نیز فرمایا:

لوگو تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت اور دلوں کی بیماریوں کی شفا اور دوزخوں کے لئے ہدایت اور رحمت آپہنچی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ يُونُسُ ۵۷

نیز فرمایا:

تم اللہ اور اس کے رسول اور اس نور پر ایمان لاؤ جس کو ہم نے نازل کیا۔

قُلْ هُوَ الَّذِي أَمَّنَا وَهُدًى وَشِفَاءٌ
(حکم الحجۃ ۴۴)

اس مضمون کی آیات کثرت کے ساتھ موجود ہیں۔

۱ط، ہم تمام اہل قید کو مسلمان اور مومن سمجھتے ہیں جب کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہوئے دین کو تسلیم کریں اور آپ کے اقوال و افعال کی تصدیق کریں۔

ارش، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے ہمارے ساتھ نماز ادا کی، ہمارے قید کی طرف منہ کیا، ہمارے ذبح کو کھایا وہ مسلمان ہے اس کو وہی حقوق موصول ہیں جو ہمیں حاصل ہیں اور اس پر وہی ذمہ داریاں ہیں جو ہم پر ہیں اس کلام میں شیخ طحاوی اشارہ فرماتے ہیں کہ اسلام اور ایمان میں اتحاد ہے اور کسی گناہ کے ارتکاب سے کوئی شخص اسلام سے خارج نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اس گناہ کو جائز نہ سمجھے اور اہل قید سے وہ لوگ مراد ہیں جو اسلام کے مدعی ہیں اگرچہ وہ اہل بدعت میں شمار ہوتے ہیں یا گنہگاروں کے زمرہ میں سمجھے جاتے ہیں جب کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہوئے دین کی تکذیب نہ کریں تفصیل آئندہ اوراق میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱ط، نہ تو ہم اللہ کے بارے میں بحث کرتے ہیں اور نہ ہم دین اسلام کے بارے میں کسی سے جھگڑتے ہیں۔

ارش، شیخ طحاوی کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں ذات الہی کی معرفت کے بارے میں مشکلیں کے

اندر از پر کلام کرنے سے باز رہنا چاہیئے بلکہ ان کے علم کی مذمت کرنی چاہیئے اس لئے کہ اللہ کی ذات کے بارے میں ان کا بحث کرنا بلا دلیل ہے وہ علم سے کورے ہیں ارشاد ربانی ہے:

ان يتبعون الا المظن وما تهوى
 لا نفس ولا ليد جاءهم من ركبهم
 الھدی - (النجم ۲۳)

یہ لوگ محض ظن (فاسد) اور خواہشات نفس کے پیچھے چل رہے ہیں حالانکہ ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آچکی ہے۔

امام ابو حنیفہ کا قول | امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنی طرف سے اللہ کی ذات کے بارے میں کوئی کلمہ کہے بلکہ جس طرح اللہ نے اپنا وصف بیان کیا اسی کو دہرایا جائے بعض دیگر ائمہ فرماتے ہیں کہ خود اللہ سبحانہ فرماتے ہیں جو شخص میرے اسماء صفات کو زبردست بحث لائے اس کو چاہیے کہ وہ مقام ادب سے نیچے نہ اترے اور جو شخص میری ذات کی حقیقت سے پردہ کشائی کرنا چاہتا ہے اسے بالآخر تھکاوٹ حاصل ہو گی پس یا تو تمہیں ادب کا قریب اختیار کرنا پڑے گا یا پھر تھکاوٹ سے دوچار ہونا ہوگا اس کی واضح شہادت یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے جب پہاڑ کو تجلی سے نوازا تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا اور زمین بوس ہو گیا ذات الہی کی عظمت کے سامنے ثابت نہ رہ سکا۔

مشہور صوفی شبلی کا قول ہے اللہ کی ذات کے بارے میں کھل کر بحث کرنا ادب کے منافی ہے امام طحاوی کا قول کہ ہم اللہ کے دین کے بارے میں کسی سے مخاصم نہیں کرتے ہیں یعنی ہم اہل حق کے سامنے باطل پرستوں اور بدعتیوں کے شبہات پیش نہیں کرتے ہیں کہ ہم انہیں راہ حق سے پھیرنا چاہتے ہوں اس لئے کہ انہیں راہ حق سے پھیرنا انہیں باطل کی طرف بلانے اور حق کو غلط مصلط کرنے نیز دین اسلام کو فاسد بنانے کے مترادف ہے۔

۱ط، ہم قرآن پاک میں مجادلہ نہیں کرتے ہم تو اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ وہ رب العالمین کا کلام ہے اس کو روح الامین لے کر اترا اور سید المرسلین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی تعلیم دی وہ اللہ کا کلام ہے مخلوق کا کلام اس کے برابر نہیں ہے نیز ہم قرآن پاک کو مخلوق نہیں سمجھتے اس لئے کہ مسلمانوں کے اجماع کے خلاف کوئی بات نہیں کہنی چاہیئے۔

۲ش، مقصود یہ ہے کہ ہم قرآن پاک کے بارے میں اس طرح کی باتیں نہیں کہتے جس طرح کی باتیں ان لوگوں نے کہی ہیں جو ٹیڑھے راستے پر چلنے والے ہیں پھر ان میں اختلاف بھی ہے

وہ باطل کے ساتھ حق کو پکڑنا چاہتے ہیں پس ہم تو کہتے ہیں کہ وہ رب العالمین کا کلام ہے جس کو روح الامین لے کر نازل ہوا نیز یہ بھی احتمال ہے کہ ہم قراءۃ ثانیہ میں مجادلہ نہیں کرتے بلکہ جو صحیح قراءت ہے اس کو صحیح سمجھتے ہیں اگرچہ متعدد قراءتیں کیوں نہ ہوں دونوں مفہوم صحیح ہیں دوسرے مفہوم کی صحت ذیل کی حدیث سے بھی ہو رہی ہے حضرت عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک آدمی سے سنا وہ ایک آیت پڑھ رہا تھا جب کہیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی آیت کی قراءت سنی تھی کہ آپ اس کے خلاف تلاوت فرما رہے تھے میں اس کو پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا اور یہ واقعہ کہہ سنایا تو میں نے آپ کے چہرہ سے ناراضگی محسوس کی اور آپ نے فرمایا تم دونوں درست قراءت کرتے ہو یا در کھو اختلاف نہ کرو تم سے پہلے لوگوں نے اختلاف کیا وہ تباہ ہو گئے (مسلم) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختلاف سے منع فرمایا ہے یعنی یہ درست نہیں کہ ایک شخص دوسرے آدمی سے اختلاف کرتا ہو اتنی ہی مخالفت کرے مثلاً زیر بحث میں دونوں کی قراءت صحیح ہے اور صحت کو ثابت کرتے ہوئے علت بیان کرتے ہوئے وضاحت کی کہ ہم سے قبل لوگوں نے اختلاف کیا تو وہ تباہ و برباد ہو گئے یہی وجہ ہے کہ حضرت حذیفہ نے حضرت عثمان سے کہا امت محمدیہ میں اختلاف رونما نہ ہونے یا نہ ہونے کی طرح پہلی امتوں میں اختلاف ہوا تو آپ نے تمام لوگوں کو ایک قراءت پر اکٹھا کیا ان کو اس بات سے محفوظ و مصون کر دیا کہ وہ گمراہی پر مجتمع ہوں پھر اس میں کسی فرض واجب کا ذکر بھی لازم نہیں آتا تھا اور نہ کسی ممنوع فعل کا ارتکاب لازم آتا تھا جب کہ قرآن پاک کو سات قراءتوں پر پڑھنا جائز تو ہے فرض نہیں یہ تو اللہ کی جانب سے ایک رخصت تھی انہیں اختیار حاصل تھا کہ سات قراءتوں میں سے کسی کو بھی وہ اختیار کر سکتے تھے اسی طرح سورتوں کی ترتیب بھی منصوص نہیں یہی وجہ ہے کہ عبداللہ بن مسعود کے مصحف کی ترتیب مصحف عثمان اور دیگر مصاحف کی ترتیب کے خلاف ہے البتہ سورتوں کی آیات کی ترتیب منصوص ہے انہیں ہرگز اس بات کی اجازت نہ تھی کہ وہ کسی آیت کو اپنے طور پر دوسری آیت سے مقدم کریں ہاں سورتوں کی ترتیب میں تبدیلی کرنے کے وہ مجاز تھے لیکن جب صحابہ کرام نے محسوس کیا کہ اگر امت مسلمہ کو ایک قراءت پر مجتمع نہ کیا تو خطرہ ہے کہ ان میں اختلاف زیادہ ہو جائے گا اور جنگ و جدال تک نوبت پہنچ جائے گی

۱۔ حدیث صحیح ہے بخاری نے روایت کیا مسلم میں ہے بخاری کا باب الخصومات نیز باب الانبیاء دیکھیں۔

تو اس وقت صحابہ کرام نے امت مسئلہ کو ایک قراءت پر جمع کیا، جمہور سلف علماء اور قراء کے اس قول کا ابن جریر وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ سات قراءتوں پر پڑھنے کی اجازت اوائل اسلام میں تھی اس لئے کہ شروع شروع میں ایک قراءت پر پڑھنا دشوار تھا جب ان کی زبانیں ردال دواں ہو گئیں اور ایک قراءت پر پڑھنا مشکل نہ رہا۔ آسان ہو گیا تو وہ اس قراءت پر جمع ہو گئے جو بائیں آخری دور والی تھی فقہاء اور متکلمین کا ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ مصحف سات قراءتوں پر مشتمل تھا ان میں سے کسی قراءت کو مہمل بنادینا جائز نہ تھا اس بنا پر ان کا مصحف عثمان پر اتفاق تھا اسی کو وہ نقل کرتے رہے دیگر مصاحف کو بالائے طاق رکھ دیا گیا اشارۃً پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ سات قراءتوں پر پڑھنا جائز تو تھا فرض نہ تھا یا اب وہ منسوخ ہو چکا ہے۔

لیکن عبداللہ بن مسعود پر یہ الزام لگانا کہ وہ قراءت بالمعنی کو جائز سمجھتے تھے بالکل بھوٹا ہے اہل بیت نے صرف یہ بات کہی ہے کہ میں نے مختلف قراء کی قراءتوں کا حائزہ لیا تو انہیں ایک دوسرے کے قریب پایا جیسے لفظ علم تعالیٰ اور نزل تینوں کا معنی ایک ہے پس انہوں نے صراحت کی ہے کہ علم کے لفظ قراءت کی جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اہل کتاب سے مجاہد کرنے سے بھی منع کیا ہے البتہ احسن طریق سے جو ازہی ہے ایکن ان میں جو ظالم ہیں ان کے ساتھ مجاہدہ ضروری ہے، تو اہل قبلہ سے مجاہد کیسے جائز ہو سکتا ہے وہ بہر حال اہل کتاب سے تو بہتر ہیں پس اہل قبلہ سے جو لوگ ظلم کا ارتکاب نہیں کرتے ہیں ان سے احسن طریق پر مجاہدہ ہو سکتا ہے ہاں خطا کی صورت میں انہیں کافر نہیں کہا جاسکتا البتہ کسی حکم کے ترک پر ان کو کسی دیس کی روشنی میں کافر کہا جاسکتا ہے ایسے لوگوں کی سلف علماء نے مذمت کی ہے جو خواہشات کے تابع ہیں اور ان کا علاج تو اور ہے لیکن خطا اور نیان کی شکل میں کچھ حرج نہیں مزید وضاحت آئندہ اوراق میں آئے گی۔

امام طحاوی کا یہ قول: ہم گواہی دیتے ہیں کہ قرآن پاک رب العالمین کا کلام ہے اس پر مفصل گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

امام طحاوی کا یہ قول: قرآن پاک کو روح امین نے کرنازل ہوا (الشعر ۱۹۳) اس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں ان کو روح اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ حامل وحی ہیں جس سے دلوں کو دہدگی حاصل ہوتی ہے نیز وہ اللہ کے پیغامات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تک پہنچاتے ہیں انہیں

امین کے لقب سے نوازا گیا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

نزل به الدوح۱۶۷ مین علی قلبہ
لتکون من المذین بلسان عربی
مبین (الشعراء ۱۶۳-۱۹۵)

اس کو امانت دار فرشتے کے اترنا ہے (یعنی اسی نے) تمہارے دل پر (اقدام کیا ہے) تاکہ لوگوں کی نصیحت کرتے رہو (اور اقدام بھی) فصیح عربی زبان میں (کیا ہے)

نیز فرمایا:

انه لقول رسول کذیمذی حوۃ عند
ذی العرش مکین مطاع ثمار مین
(التکوید ۹-۲۱)

بے شک یہ (قرآن) فرشتہ عالی مقام کی زبان کا پیغام ہے جو صاحب قوت مالک عرش کے ہاں اونچے درجے والا ہے سرदार (اور) امانتدار ہے

ان میں حضرت جبریل علیہ السلام کا بیان ہے لیکن اللہ کے اس قول:

انه نقول رسول کذیمذی حوۃ عند
شاعر الخاقۃ (۱۶۷)

کہ یہ (قرآن) فرشتہ عالی مقام (کی زبان) کا پیغام ہے۔

میں رسول سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

امام طحاوی کا یہ قول: کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے سید المرسلین کو تعلیم دی، قرا مطا اور دیگر فرقوں کے اس خیال کو غلط قرار دے رہا ہے کہ حضرت جبریل نے آپ کے دل میں الہام کا تصور قائم کیا۔

امام طحاوی کا یہ قول: کہ ہم قرآن پاک کے مخلوق ہونے کے قائل نہیں اور نہ ہی ہم مسلمانوں کی جماعت کی مخالفت کر سکتے ہیں (در اصل نہیں متنبہ کر رہا ہے کہ قرآن پاک کو مخلوق کہنے والے مسلمانوں کے اجماعی نظریہ کے خلاف رائے رکھتے ہیں بلاشبہ تمام امت مسلمہ کے علماء اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن پاک فی الحقیقت اللہ کا کام ہے اور غیر مخلوق ہے ہم کبھی بھی کسی اجماعی نظریہ کی مخالفت نہیں کر سکتے اس لئے کہ اجماع کی مخالفت گمراہی ہے اور راہ صواب سے دور ہونا ہے۔

(ط) اہل قیدیں سے کسی شخص کو کسی گناہ کے سبب ہم کافر نہیں کہتے جب تک کہ وہ گناہ کے حلال نہ جانے نیز ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ ایمان کے ساتھ گناہ کچھ ضرر رساں نہیں: (ش) اہل قبلہ سے کون لوگ مراد ہیں۔ ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اس کلام سے شیخ کا مقصود خواہ

تردید ہے جو اس بات کے قائل ہیں کیونکہ کافر ہے۔

مسئلہ تکفیر کی وضاحت مسئلہ تکفیر اور عدم تکفیر ایک اہم مسئلہ ہے جس میں شدید اختلاف ہے
آراء کے اختلاف کے ساتھ ساتھ دلائل میں بھی شدید تعارض ہے

اس مسئلہ نے کئی قسم کے فتوے کو جنم دیا اور ابتلاء پیدا کیا بلحاظ عقائد فاسدہ کے اور حق کی مخالفت
کے اہل کبار کی تکفیر میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے ایک فریق کا خیال ہے کہ ہم کسی اہل قبلہ کو کافر نہیں
کہیں گے جب کہ ہمیں علم ہے کہ اہل قبلہ میں منافقین بھی ہیں جن میں بعض تو کتاب و سنت اور اجماع
کے لحاظ سے یہود و نصاریٰ سے بھی زیادہ کافر ہیں اور بعض ایسے ہیں جو بظاہر کلمہ شہادت پڑھتے
ہیں لیکن جب انہیں موقعہ ملتا ہے تو وہ شریعت کے ظاہری احکام کا انکار کرتے ہیں جب کہ
اس مسئلہ میں کسی کو اختلاف نہیں کہ اگر کوئی شخص ظاہری فرائض متواتر اور ظاہری حرمت متواتر
کا انکار کرتا ہے تو ایسے شخص کو توبہ کرنے کا حکم دیا جائے اگر توبہ کر لیتا ہے تو بہتر ہے ورنہ
اس کو کافر مرتد قرار دے کر قتل کر دیا جائے خیال رہے نفاق اور ارتداد کا مشافقت و فجور اور
بدعات ہیں اسی طرح علامہ خلال نے اس کا ذکر کتاب السنن میں سند ساتھ محمد بن سیرین کا قول ذکر کیا
ہے کہ ارتداد و زیادہ تر بدعات کی وجہ سے ہوتا ہے نیز وہ ذیل کی آیت کا شان نزول ان کے حق میں
بناتے ہیں آیت ملاحظہ ہو۔

وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي
الْبَيْنِ فَأَعْرَضْ عَنْهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا
فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ -

اور جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں
کے بارے میں بے ہودہ بکواس کر رہے ہیں
تو ان سے الگ ہو جاؤ یہاں تک کہ وہ اور باتوں
میں مصروف ہو جائیں (تفسیر ۱۶۸)

یہی وجہ ہے کہ اکثر ائمہ کرام مطلق طور پر یہ بات نہیں کہتے ہیں کہ ہم خوارج کی طرح کسی شخص کو کسی
گناہ کی وجہ سے کافر نہیں کہتے حالانکہ نفی عام اور عموم نفی میں واضح فرق ہے اور جو واجب ہے وہ
عموم نفی ہے تاکہ خوارج کا قول رد ہو جائے جو ہر طرح کے گناہ کے مرتکب کو کافر کہتے ہیں یہی وجہ ہے
(ویسے تو اللہ خوب جانتا ہے) کہ شیخ طحاوی نے اس کو مقید کیا ہے کہ جب تک وہ حلال نہ سمجھے
اور اس میں اشارہ ہے کہ عموماً ہر اس گناہ کی نفی ہے جو معنی ہے علمی مراد نہیں ہے۔

لیکن یہاں ایک اشکال ہے کہ شارع نے مکلف کے لئے عملیات میں صرف عمل کو کافی
نہیں سمجھا بلکہ علم کو بھی شامل کیا ہے اسی طرح عملیات میں عمل کو بھی شامل کیا ہے اور عمل کا اطلاق

صرف جوارج پر نہیں ہوتا بلکہ دل کے اعمال کو جوارج کے عمل کے لیے اصل قرار دیا ہے اور جوارج کے عمل کو اس کا نابع کہا ہے لیکن یہ اشکال درست ہے اس لئے کہ گناہ کے حلال کا عقیدہ نہ رکھے جیسا کہ اس کا ذکر ہو چکا ہے اس سے تو پھر دل کے عمل کو ہی اصل کہا جائیگا۔ شیخ طحاوی کے اس قول میں: کہ ہم اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ ایمان کے ساتھ گناہ کا عمل ضرر رساں نہیں ہے مروجہ کار ہے ان کا نظریہ ہے کہ ایمان کے ساتھ کسی گناہ کا وقوع پذیر ہونا ضرر رساں نہیں ہے جس طرح کہ کفر کے ساتھ اطاعت کا کچھ فائدہ نہیں ہے جوارج کا نظریہ ان کے خلاف ہے وہ کہتے ہیں کسی ایک کبیرہ گناہ کے ارتکاب سے مسلمان کا فرہو جانا ہے بالکل اسی طرح معتزلہ کا خیال ہے کہ کبیرہ گناہ کے

ارتکاب سے اس کا ایمان مکمل طور پر ضائع ہو جاتا ہے کچھ باقی نہیں رہتا البتہ ان دونوں میں کچھ فرق ہے جوارج کے ہاں ایمان سے نکل کر کفر میں داخل ہو جاتا ہے اور معتزلہ کے ہاں ایمان سے تو نکل جاتا ہے البتہ کفر میں داخل نہیں ہوتا وہ ایمان اور کفر کے درمیان ایک زائد مرتبہ قرار دیتے ہیں اور نہ فرہو کہ ان کو ایمان سے خارج قرار دیتے ہیں بلکہ انہیں مخلوق النار کہتے ہیں جب کہ مشکبیین فقہاء اور معتزلین کا ایک گروہ اعمال میں اس نظریہ کے حاح نہیں ہیں۔ نئے نئے اعتقادات میں (اگرچہ ان اعتقادات والا تاویل کرنے والا کیوں نہ ہو) ہر اس شخص کو کافر کہتے ہیں جو ان کا قائل ہے وہ خطا کار مجتہد اور با صواب مجتہد میں کچھ فرق نہیں کرتے بلکہ ہر مجتہد کو کافر کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے ان پر کچھ اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ نصوص متواترہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو دوزخ سے باہر نکالا جائے گا جن کے دل میں ذرہ برابر ایمان موجود ہو گا۔ اسی طرح وہ نصوص جن میں دوزخ سے نکلنے کا ذکر ہے وہ ان نصوص کے معارض ہیں جن میں وعید کا ذکر ہے۔ اس پر تفصیلاً بحث آئندہ اوراق میں ذکر کی جائے گی۔ جب ہم ذکر کریں گے کہ موعودین جب وہ توحید پر فہوت ہوں گے اگرچہ وہ کبار کے مرتکب بھی کیوں نہ ہوں تب بھی وہ دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہیں گے۔

مقصود یہ ہے کہ بدعات بھی کبار سے شمار ہوتی ہیں دیکھا گیا ہے کہ ایک شخص ظاہراً باطناً تو مومن ہے لیکن بعض مسائل کی تاویل میں خطا کا مرتکب ہوتا ہے۔ راہ اعتدال کو ترک کر کے راہ انحراف اختیار کرتا ہے۔ اب تاویل کی صورت میں ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ ایمان خارج ہو گیا جب تک کہ کوئی شرعی دلیل موجود نہ ہو یہ اندازہ تو جوارج اور معتزلہ کا ہے ہم اس کے قائل نہیں ہیں لہذا ہم اس کو کافر نہیں کہیں گے ہم تو راہ اعتدال اختیار کرتے ہوئے کہیں گے کہ اس قسم کے لوگوں کے باطل اقوال جو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں یا آپ سے ثابت شدہ اقوال کی نفی کرنے والے یا آپ سے منہی اقوال کو ثابت کرنے والے یا آپ سے ثابت شدہ اقوال کی نفی کرنے والوں کے بارے میں ہم درمیانہ راہ اختیار کریں گے ان کے بارے میں ہم وعیدہ کے قائل ہیں جو نصوص سے ثابت ہے یعنی ہم انہیں کافر کہیں گے جیسا کہ اکثر اہل سنت علماء ان لوگوں کو کافر کہتے ہیں تو قرآن کو مخلوق کہتے ہیں یا جو لوگ اللہ کے بارے میں یہ رائے رکھتے ہیں کہ آخرت میں بھی اس کو نہ دیکھا جاسکے گا نیز یہ عقیدہ کہ اشیاء کے وقوع سے پہلے خود خدا بھی ان کو نہیں جانتا ہے۔

امام ابو یوسف بیان کرتے ہیں کہ کافی عرصہ قرآن پاک کے مخلوق عدم مخلوق ہونے کے بارے میں میرا اور امام ابو حنیفہ کا اختلاف رہا بالآخر ہم دونوں کا اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ قرآن کو مخلوق کہنے والا کافر ہے لیکن اگر کسی معین شخص کے بارے میں ہم سے دریافت کیا جائے کہ کیا تم اس کو فلاں گناہ کی وجہ سے کافر سمجھتے ہو تو ہم کبھی اس کو کافر نہیں کہیں گے اس لئے کہ کسی مسلمان پر یہ بہت بڑی ذیادتی ہے کہ ہم اس کا نام لے کر اس کو کافر کہیں اور اسے مختلف انداز سمجھیں اور یہ کہیں کہ اللہ نہ کبھی اس کو معاف کرے گا نہ اس پر رحم فرمائے گا یہ حکم تو اس شخص پر لگایا جاسکتا ہے جو کفر پر فوت ہو چنانچہ سنن ابوداؤد کے کتاب الادب میں باب انہی عن ابیہ کے تحت حضرت ابو ہریرہ سے ایک حدیث مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرمایا
تھے بنی اسرائیل میں دو بھائی تھے ایک گناہگار اور
عابد زاهد چنانچہ عابد زاهد جب اپنے گناہگار بھائی
کو گناہ کرتے دیکھتا تو اس کو روکنے کی تلقین کرتا
ایک روز کا ذکر ہے کہ اس نے اس کو ایک گناہ
پر پایا اور اس سے کہا باز آ جا اس نے جواب میں
کہا میرا معاملہ میرے رب کے سپرد کرو تمہیں مجھ
پر کوئی نگہبان تو مقرر نہیں کیا گیا ہے اس نے جواباً
کہا اللہ تجھے کبھی معاف نہیں کرے گا یا تجھے کبھی جنت
میں داخل نہیں کرے گا جب اللہ نے ان کی اصلاح
کو قبض کیا تو انہیں اپنے ہاں بلایا عابد زاهد سے

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم یقول کان رجلان فی بنی
اسرائیل متواخسین فکان احدهما
یذنب والآخر مجتہد فی العبادۃ
فکان لا یزال المجتہد یری الآخر
علی الذنب فیقول ۱ قصر فوجده
یوما علی ذنب فقال له ۲ قصر فقال خلقی
وربی ابعثت علی رقیبیا فقال واللہ
لا یغفر اللہ لک اوان یدخلک
اللہ الجنۃ فقبض ارواحہما
فاجتمعا عند رب العالمین فقال لہذا ۱

الجنة بعد ان كنت جلي عالماً و كنت جلي
ما في يدى قادر اوقال للمذنب اذهب
فادخل الجنة برجحتى و تحال لا تخراذجوا
بله الى النار قال ابو هريرة و الذى
نفسى يداه لتكلم بكلمة او بقت
دينار و اخرته و هو حديث حسن -
(حسن)

کہا تجھے کیسے علم ہوا کیا تجھے میرے کاموں پر قدرت
حاصل تھی اور گناہگار سے کہا جاؤ میری رحمت کے
ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ اور عابد زہد کے
بارے میں حکم دیا کہ اسے دوزخ میں ڈال دو
حضرت ابو حمزہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں اس ذات کی
قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے نہ اہل عابد
نے ایسا کلمہ کہا جس نے اس کی دنیا اور آخرت کو
بر باد کر ڈالا

(یہ حدیث حسن ہے، معلوم ہوتا ہے کہ جس گناہگار کو معاف کر دیا گیا ہے وہ برابر اس کوشش میں ہار کر وہ
گناہ کی زندگی سے تائب ہو جائے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کو بعض نصوص کا علم نہ ہو سکا ہو۔ اور یہ
بھی ممکن ہے کہ وہ مضبوط ایمان والا ہو اس لئے ساتھ ساتھ اس میں برائیوں کے ساتھ کچھ نیکیاں بھی
موجود ہوں۔ جنہوں نے اس کے لئے رحمت خداوندی کو واجب کر دیا ہو۔ جیسا کہ اللہ پاک نے
اس شخص کو معاف کر دیا جس نے کہا تھا کہ جب میں فوت ہو جاؤں تو مجھے بیس بیسنا پھر مجھے ہوا میں
اڑا دینا محض اس کی خشیت کے پیش نظر اللہ نے اس کو معاف کر دیا حالانکہ وہ شخص سمجھتا تھا کہ
اللہ اس کو دوبارہ اٹھانے پر قادر نہیں ہے۔ یا کم از کم اسے اس میں شک و شبہ ضرور تھا۔ لیکن آخرت
کے بارے میں یہ توقف نہیں اس بات سے روکتا نہیں ہے کہ ہم اس کو دنیا میں عذاب دیں تاکہ
وہ اس نے باز آجائے۔ اور توبہ کرے اگر تائب ہو جائے تو بہت اچھا ہے وگرنہ ہم اسے قتل
کر دیں گے معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ وہ دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا تو اس کا یہ قول
کفر کے مترادف ہے لیکن ہم اس کو چند شروط کے ہوتے ہوئے کافر کہیں گے اور اگر کوئی مانع
موجود ہے۔ مثلاً اگر اس میں منافقت اور الحاد پایا جائے گا تو اس کے کافر ہونے میں کوئی
شبہ نہیں۔ لیکن جب وہ بظاہر اسلام کا نام لیتا ہے اور اپنے آپ کو اہل قبلہ سے شمار کرتا ہے
تو اس کو کافر نہیں کہا جائے گا۔

اس حدیث حسن ہے اس میں ایک راوی عکرم بن عمار ہے امام مسلم نے اس قابلِ محبت کہا ہے جبکہ اس میں منصف
اسلم صحیح بخاری۔

کتاب اللہ میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ یعنی مخلوق کو تین گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے کچھ وہ لوگ ہیں جو اللہ اس کے رسول کو نہیں مانتے۔ جیسا کہ کفار شرکین اور کفار اہل کتاب ہیں۔ اور کچھ لوگ وہ ہیں جو حاضر اور باطن آپ کے پیچھے مومن ہیں اور تیسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو بظاہر اللہ اور اس کے رسول کا اقرار کرتے ہیں لیکن باطن میں اقرار نہیں کرتے ایسے لوگ نزدیک اور منافق ہیں ان کا ذکر سورہ بقرہ کے شروع میں موجود ہے۔ یہاں سے ان لوگوں کی غلطی نمایاں ہو رہی ہے جو ان تمام لوگوں کو کافر کہتے ہیں جو باطن شریعت کے خلاف کوئی کلمہ زبان سے نکالتے ہیں اس لئے کہ ان کو لازم آئے گا کہ ایسے لوگوں کو کافر کہا جائے جو باطن منافق نہیں ہیں بلکہ وہ باطن اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان ہے اگرچہ وہ بظاہر گناہ گار ہیں جیسا کہ صحیح بخاری میں مذکور ہے حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ عہد رسالت میں ایک شخص عبد اللہ نامی حمار کا لقب دیا جانا تھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہنسی مزاح کرتا تھا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو شراپ پینے کی وجہ سے حد لگائی۔ ایک روز اسے آپ کے پاس لایا گیا۔ آپ نے اس کے بارے میں حکم دیا کہ اس کو کوڑے لگائے جائیں حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ اے اللہ اس پر لعنت بھیج۔ کس قدر کثرت کے ساتھ اسے شراپ پینے کے جرم میں لایا جاتا ہے۔ یہ بات سن کر آپ نے فرمایا اس پر لعنت نہ بھیجو اللہ کی قسم جس قدر میں جانتا ہوں یہ شخص اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے پس یہ حکم ایسا ہے۔ جو ائمہ دین کے ہاں مخصوص ہے ائمہ جہمیہ مرجئیہ قدریہ شیعوہ۔ خوارج کے نظریات اہل سنت ائمہ دین کے خلاف ہیں۔ یہ بدعتی فرقے تو ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں۔ جبکہ ائمہ اہل سنت و تعریف کے قابل ہیں کہ وہ ان تمام کو خطا کار تو کہتے ہیں۔ لیکن کافر نہیں کہتے۔

یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے وضاحت یہ ہے کہ اللہ نے صحابہ کو کافر کہا ہے اور خداوندی ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

ومن لم یحکم بما أنزل اللہ فأولئک
ھد الکافرون (المائدہ ۴۴)

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے (بخاری و مسلم) نیز آپ نے فرمایا کہ میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردن زدنی کرتے ہو (بخاری و مسلم) نیز آپ نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے بھائی کو یا کافر کہہ کر پکارتا ہے تو ان میں سے ایک ضرور کافر ہے نیز آپ نے فرمایا۔ جس شخص میں چار خصلتیں ہیں وہ خالص منافق ہے اور جس شخص میں ایک

نصحت ہے تو اس میں اتنا ہی اتفاق ہے جب تک کہ اس کو چھوڑتا نہیں ہے۔ جب بھی بات کرتا ہے جو بھڑکاتا ہے وہ دہرے کرتا ہے تو اس کی خلاف ورزی کرتا ہے اور معاہدہ کرتا ہے تو دھوکا دیتا ہے اور جھگڑتا ہے تو لگائی کو چمکتا ہے (بخاری و مسلم) نیز آپ نے فرمایا نہ ناکرنے والا جب نہ ناکرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا۔۔۔۔۔ اور جب پھڑکی کرنے والا چوری کرتا ہے تو وہ بھی مومن نہیں ہوتا اور شراب پیئے والا جب شراب پیتا ہے تو وہ بھی مومن نہیں ہوتا۔ ان افعال کے بعد ان لوگوں پر توبہ پیش کی جاتی ہے۔ (بخاری و مسلم) نیز آپ نے فرمایا۔ مسلمان اور کفر کے درمیان فرق نماز چھوڑنے کا ہے (مسلم) نیز آپ نے فرمایا جو شخص کا من کے پاس آیا اور اس کی باتوں کو سچا جانا۔ یا عورت کی دہریس جماع کیا تو اس نے ان احکام کا انکار کیا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے (حدیث صحیح ہے آداب الذنوب و العللۃ الالبانی) نیز آپ نے فرمایا۔ جس نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی وہ کافر ہو گیا (حاکم) نیز آپ نے فرمایا میری امت کے دو کام کفر کے کام ہیں ایک انساب میں عیب لگانا اور دوسرا عتبار نہ تو گری کرنا۔ اس قسم کی اتحاد کثرت کے ساتھ موجود ہیں۔

جواب تمام اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ایسا کافر نہیں ہوتا کہ وہ بالکلہ اسلام سے خارج سمجھا جائے۔ جیسا کہ خوارج کا نظریہ ہے۔ اس لئے کہ اگر وہ اسلام سے خارج ہو جائے تو وہ مرتد ہو گیا اور مرتد بہر صورت واجب القتل ہے۔ پس کسی کو قتل کر دینا بھی کفر ہو گا۔ اور مقتول کے ورثاء کو قتل پہنچتا ہے کہ وہ قاتل کو معاف کریں اور ان کے معاف کرنے کو تسلیم کیا جائے اسی طرح نہ ناکرنا چوری شراب خوری میں حدود کا نفاذ نہ ہو۔ حالانکہ بین اسلام کی تشریحات کو دیکھتے ہوئے ہم ان باتوں کو باطل سمجھتے ہیں اور ان کا فاسد ہونا واضح ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب انسان نہ تو ملت اسلام سے خارج ہوتا ہے اور نہ ہی کفر میں داخل ہوتا ہے ایسے شخص کو معتزلہ فاسق کہتے ہیں۔ ان کا نظریہ بھی غلط ہے۔ جب کہ اللہ پاک نے کبیرہ گناہ کے مرتکب انسان کو ایمان والوں کی فہرست میں شامل کیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَكْتُبُ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصَ فِي الْقَتْلِ (البقرة ۱۷۸)
اے مومنو! تم کو مقتولوں کے بارے میں کتاب (یعنی خون کے بدلے خون) کا حکم دیا جاتا ہے۔
اگے چل کر فرمایا:

مَنْ عَفَى لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْئًا فَاتَّبِعْ بِالْعُرْوَةِ (البقرة ۱۷۸)
اور اگر قاتل کو اس کے (مقتول) بھائی کے قصاص میں سے کچھ معاف کر دیا جائے تو پھر

مقتول کو، پسندیدہ طریق سے (قرار داد کی) بیڑی (یعنی مطالبہ خون بہا کرنا) پس اس آیت میں اللہ نے قاتل کو ایمان والوں کی فرست سے خارج قرار نہیں دیا۔ بلکہ اس کو قصاص کے متولی انسان کا بھائی قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بھائی چارہ دین کے لحاظ سے ہے نیز ارشاد خداوندی ہے۔

وَاتَّخَذْتُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَهْلًا
فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا (الحجرات ۹)

اگر مومنوں میں سے کوئی دو فریق آپس میں لڑ پڑیں
تو ان میں صلح کرادو۔

أَنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا بَيْنَ
أَخَوَيْكَ (الحجرات ۱۰)

مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں تو تم اپنے دو بھائیوں
میں صلح کروادیا کرو۔

نیز کتاب و سنت اور اجماع کے نصوص اس بات پر دال ہیں کہ زانی اور چور اور کسی پر تہمت لگانے والا۔ واجب القتل نہیں ہے۔ ان پر حدود کا نفاذ ہوگا۔ معلوم ہوا کہ یہ لوگ مرتد نہیں ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے ہاں اس کے بھائی کی عزت یا مال سے کچھ حق موجود ہے تو وہ آج اس حق کو ادا کر دے اس سے پہلے کہ اس روز کسی کے پاس درہم و دینار نہ ہوں گے۔ اگر ظالم کے پاس کوئی نیک عمل ہوگا تو اس کے ظلم کے مطابق اس سے وہ نیک عمل چھین لیا جائے گا۔ اور اگر ظالم کے پاس کوئی نیک نہیں ہے تو اس کے مظلوم ساتھیوں کی برائیوں کو اس کے ذمے لگا کر اسے دوزخ میں گر ادیا جائے گا۔ ثابت ہوا کہ ظالم کے پاس نیکیاں موجود ہیں جن سے مظلوم کی حق برسی کی جائے گی اس طرح صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدیافت کیا تم کسی شخص کو مفلس سمجھتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا ہم اس شخص کو مفلس سمجھتے ہیں جس کے پاس درہم و دینار نہیں آپ نے فرمایا مفلس تو وہ ہے جو قیامت کے دن آئے گا۔ اور ہارڈول کے برابر اس کی نیکیاں ہوں گی لیکن اس نے کسی کو گالی دی ہوگی اس سے مال چھینا ہوگا۔ کسی کا خون گلیا ہوگا۔ کسی پر الزام لگایا ہوگا اور کسی کو مار بیٹھا ہوگا۔ پس ہر ایک کو اس کی نیکیاں قصاصاً دی جائیں گئیں اگر ہمداروں کے حقوق کی ہمداری سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گئیں تو ہمداروں کے گناہ اس پر لا دیئے جائیں گے اور اسے دوزخ میں گر ادیا جائے گا۔ (مسلم) نیز اللہ پاک نے فرمایا اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ (ہود) معلوم ہوا کہ ایک شخص برائیوں کی حالت میں بھی نیک اعمال کرتا ہے جو اس کی برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔

معتزلہ کا نظریہ

معتزلہ بھی خوارج کی طرح کبیرہ گناہ کے مرتکب کو مخلقی النار کہتے ہیں یہ علم تو آخرت کے لحاظ سے ہے۔ دنیا کے لحاظ سے خوارج اس کو کافر کہتے ہیں اور معتزلہ اس کو فاسق کہتے ہیں۔ گویا اختلاف صرف فعلی ہے لیکن اہل سنت کے تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ کبیرہ گناہ کے مرتکب کو گناہ کے مطابق سزا ملے گی جیسا کہ کتاب و سنت کے نصوص اس پر دال ہیں۔ لیکن مرجعہ کا خیال یہ ہے کہ ایمان کے ہوتے ہوئے کسی گناہ کا مرتکب ہونا نقصان نہیں پہنچاتا جیسا کہ کفر کی حالت میں اطاعت سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ پس مرجعہ معتزلہ اور خوارج کے نظریہ کتاب و سنت کے نصوص کے لحاظ سے فاسد ہیں اور ہر فریق کے دلائل دوسرے فریق کے دلائل کو فاسد قرار دے رہے ہیں۔

اہل سنت کے فرقوں میں لفظی اختلاف پایا جاتا ہے وہ کفر کے کئی مراتب بناتے ہیں جیسا کہ ایمان کے کئی مراتب ہیں۔ کفر، دوں کفر کی اصطلاح عام طور پر استعمال ہوتی ہے دراصل یہ اختلاف اسی لئے رونما ہوا جب ایمان کی حقیقت بیان کرنے میں بعض نے کہا کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے اور اس میں کمی بیشی ہوتی ہے بعض نے اس حقیقت کو تسلیم نہ کیا اگرچہ اس بات پر ان سب کا اتفاق ہے کہ جس شخص کو اللہ اس کے رسول نے کافر کہا ہے ہم بھی اس کو کافر کہیں گے۔ اس لئے کہ یہ بات تو منقطع ہے کہ اس شخص کو جو اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا اس کو اللہ اور اس کا رسول تو کافریت میں لیکن ہم اس کو کافر نہ کہیں البتہ ایمان کی مذکورہ تشریح کے مطابق اس کا کفر عملی ہو گا اعتقاد ہی نہ ہو گا۔ اور جس شخص نے ایمان کو صرف تصدیق قرار دیا ہے اور عمل کو ایمان کے ممتی میں داخل نہیں کیا اور کفر کو وجود کے لفظ سے تعبیر کیا ہے وہ ایمان اور کفر میں کمی بیشی کا قائل نہیں ہے اس کے نزدیک یہ کفر مجازی ہے اس لئے کہ کفر حقیقی تو وہ ہوتا ہے جو ملت اسلام سے خارج کر دیتا ہے اسی طرح قرآن پاک میں بعض اعمال کو ایمان کہا گیا ہے تو وہ بھی ایمان مجازی ہے اس لئے اس عمل کی صحت کا توقف ایمان پر ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ عَمَّا مَكَرَ الْبَقَرَةِ (۱۳۲) اور خدا تمہاری سازشوں کو ضائع نہیں کرتا۔

یعنی تمہارا بیت المقدس کی طرف سازش بڑھانی یعنی ایمان سے مراد نماز ہے ظاہر ہے کہ نماز ادا کرنے والے کو مومن کہا جائے گا اور جب کافر نماز پڑھنا شروع کر دے گا تو اس کو مسلمان کہا جائے گا اس میں کچھ شبہ نہیں امت کے تمام فقہاء بلا حیل و حجت اس بات کے معترف ہیں کہ امت مسلمہ کے گناہ کار لوگ اہل وعید میں شامل ہیں البتہ خوارج و معتزلہ جو دین اسلام سے منحرف ہیں وہ ان کو مخلقی النار کہتے ہیں دراصل

یہ انتہائی تعصب ہے۔ جو اپنے مخالفین کے خلاف رکھتے ہیں۔ اور ان پر طعن و تشنیع کرتے ہیں لیکن ہمیں کفار کے ساتھ جب راہ اعتدال کا حکم دیا گیا ہے اور ہمیں ان کے ساتھ اچھے انداز میں گفتگو کرنے کی رغبت دلائی گئی ہے۔ تو ہم امت مسلمہ کے بعض فرقوں کے ساتھ کیوں راہ اعتدال اختیار نہ کریں۔

ارشاد خداوندی ہے۔

اے ایمان والو خدا کے لئے انصاف کی گواہی
دینے کے لئے کھڑے ہو جایا کرو اور لوگوں کی
دشمنی تم کو اس بات پر برا لگے نہ کرے کہ انصاف
چھوڑ دو انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیزگاری کی بات

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ
لِللَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ
شَتَانُ قَوْمٍ عَلَىٰ آلَا تَعْدِلُوا تَعْدِلُوا
حُوا قَرِيبَ لِلنَّفَرِ (المائدہ ۸)

ہے۔

کفر کی قسمیں

یہاں ایک قاعدہ غلط خاطر ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ کلام اللہ کے فیصلوں کے خلاف فیصلہ کرنا کبھی اس کو ملت اسلامیہ سے خارج کر دے گا۔ اور کبھی مرتد معصیت کا مرتکب ہوگا خواہ معصیت کبیرہ ہو یا صغیرہ اور کبھی کفر مجازی ہوگا اور کبھی کفر اصغر ہوگا حالات کے تقاضوں کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا اگر ایک شخص اس اعتقاد کے ساتھ کتاب اللہ کے احکام کی مخالفت کرتا ہے۔ کہ کتاب اللہ کے احکام کے مطابق فیصلہ کرنا ضروری نہیں اس میں اختیار ہے۔ یا باوجود اس بات کے کہ وہ یقین کے ساتھ اس کو اللہ کا حکم سمجھتا ہے۔ لیکن استخفاف کے طور پر اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا۔ یہ کفر بہت بڑا کفر ہوگا۔ اور اگر اعتقاد تو یہ ہے کہ کلام اللہ کے احکام کے مطابق فیصلہ کرنا ضروری ہے لیکن اس کے باوجود کہ اسے اعتراف ہے۔ نیز وہ سمجھتا ہے کہ مخالفت کی صورت میں وہ عذاب خداوندی کا مستحق ہوگا تو اس صورت میں کتاب و سنت سے اس کا اعراض معصیت سمجھا جائے گا اور اس

یہ شیخ احمد شاکر فرماتے ہیں امت اسلامیہ کے بعض دانشور مرد اور عورتیں جن کے دلوں میں یورپ کی تہذیب پر بے جا شہو ہے انہیں اس تہذیب سے برابر رابطہ ہے اور ہر وقت اس کی طرف سے مداخلت کے لئے تیار رہتے ہیں اس کی اشاعت میں محبوتے ہیں۔ دراصل یہ لوگ اسلام کے دشمن ہیں اسلام کے اصولوں کی بیخ کنی کرنے والے ہیں ان کا کفر بہت بڑا کفر ہے انہوں نے یورپ کے قوانین کو اس غرض سے حاصل کیا کہ وہ اس قانون کا تحفظ کریں گے اور اس کی تبلیغ کریں گے ان میں کچھ لوگ تو وہ ہیں جو کلم کھلا یورپین تہذیب کی برتری کے گیت گاتے ہیں اور کچھ لوگ دبی زبان سے اس کی خوبوں کا ذکر کرتے ہیں۔ دونوں فریق برابر ہیں انالہ وانا لیراجعون۔

کے کفر کو کفر مجازی یا کفر اصغر سمجھا جائے گا اور اگر پوری کوشش کرنے کے باوجود اس کی نظروں سے کتاب و سنت کا فیصلہ غفنی رہا اور اس نے خطا کرتے ہوئے کتاب و سنت کے خلاف قدم اٹھایا تو یہ انسان خطا کار ہے اس کو کوشش کرنے کی بنا پر ثواب حاصل ہوگا اور اس کی غلطی معاف ہوگی۔

علامہ شیخ طحطاوی کا یہ قول کہ ایمان کے ساتھ کسی گناہ کا سرزد ہونا کچھ نقصان نہیں پہنچاتا دراصل اس قیل میں مرید کا رد ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام نے اتفاق کیا تھا کہ ایسے لوگوں کو قتل کر دیا جائے اگر وہ اپنے گناہ سے تائب نہ ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ قدامہ بن عبد اللہ اور ایک گروہ نے شراب کی حرمت کے بعد شراب پی اور اللہ تعالیٰ کے اس قول۔ **لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا**

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ ذِيماً ظُهُوراً
اِذَا مَا اتَّقَوْا وَاْمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
(المائدہ ۹۳)

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان پر ان چیزوں کا کچھ گناہ نہیں جو وہ کھا چکے ہیں جب کہ انہوں نے پرہیز کیا اور ایمان لائے اور نیک عمل کئے۔

کی تاویل کی کہ ایمان اور عمل صالح کی موجودگی میں شراب پینے میں کوئی حرج نہیں جب انہوں نے اس کا ذکر حضرت عمر بن الخطابؓ کے سامنے کیا تو حضرت عمر علی بن ابی طالب اور تمام صحابہ نے اس بات پر اتفاق کیا کہ اگر وہ شراب کی حرمت کا اعتراف کریں تو انہیں کوڑے لگائے جائیں اور اگر اس کو حلال سمجھنے پر اصرار کریں تو انہیں قتل کر دیا جائے۔ اور حضرت عمر نے قدامہ سے کہا تو بیدار رہا سے بھٹک گیا ہے خبردار اگر تو تقویٰ اختیار کرتا اور ایمان لاتا اور نیک اعمال کرتا تو کبھی شراب نہ پیتا۔ اس آیت کا سبب نزول دراصل یہ ہے کہ اللہ پاک نے جب شراب کو حرام قرار دیا جنگ اُحد کے بعد اس کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو بعض صحابہ نے کہا کہ ہمارے ان ساتھیوں کا کیا حال ہوگا جو شراب پیتے تھے اور فوت ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اس میں بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص ایسی حالت میں حرام چیز تناول کرتا ہے جب کہ وہ حرام نہ تھی تو اس پر کچھ گناہ نہیں ہے۔ جبکہ وہ ایمان دار ہے پرہیزگار ہے نیک اعمال کر رہا ہے جیسا کہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے جو لوگ غازیہ پر تھے رہے۔ اور فوت ہو گئے ان کی غازیہ میں بھی قبول ہیں پھر یہ لوگ جنہوں نے یہ کام کیا تھا ان کو مذموم قرار دیا گیا کہ وہ اس غلطی کی وجہ سے تو بہ سے ناامید کیوں ہو گئے ہیں چنانچہ حضرت عمر نے قدامہ کی طرف تحریر فرمایا۔

حَدَّثَنِيكَ الْمَكْتُبُ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ
الْعَلِيمِ خَافَ الذَّنْبَ وَتَقَابَلَ التَّوْبِ
شَدِيدَ الْعِقَابِ خَافَ (۳۱-۲)

اس کتاب کا اتارا جاتا خدا نے غالب و دانا کی طرف سے ہے جو گناہ بخشے والا اور توبہ کو قبول کرنے والا (اور سخت عذاب دینے والا۔

اس آیت کے بعد لکھتے ہیں میں نہیں جانتا کہ تیرا دو گنا ہوں میں سے کونسا گناہ بڑا ہے کیا تیرا حرام چیز کو حلال کروا تھلا تیرا اللہ کی رحمت سے ناامید ہونا پس یہ وہ نظریہ ہے جس پر صحابہ کا اتفاق رہا اور ان کے بعد اللہ اسلام کا بھی اسی پر اتفاق رہا۔

۱) نیکو کلامی انداز لوگوں کے بارے میں ہم امید رکھتے ہیں کہ اللہ ان کو معاف فرمائے گا اور انہیں اپنی جنت کے ساتھ جنت میں داخل فرمائے گا لیکن ان کے بارے میں ہم بے خوفی نہیں ہیں اور نہ ہی ہم ان کے بارے میں جنت کی گواہی دیتے ہیں اور یہ کار مومنوں کے لئے ہم مغفرت کی دعا کرتے ہیں اور ان کے بارے میں خوف رکھتے ہیں جبکہ ہم ان کے بارے میں ناامید بھی نہیں ہیں۔

۲) علامہ شیخ طحاوی نے جس نظریے کا ذکر کیا ہے ہر مومن کے لئے ضروری ہے کہ وہ نہ صرف دوسروں کے بارے میں بلکہ اپنے بارے میں بھی یہی اعتقاد رکھے ارشاد ربانی ہے۔

اولئك الذين يدعون يبتغون الي
رجهم الوسيلة ايهم اقرب ويبتغون
رحمته ويخافون عذابه ان عذاب
ربك كان محذورا (الاسراء ۵۷)

یہ لوگ جن کو (خدا کے سوا) پکارتے ہیں وہ خود اپنے پروردگار کے ہاں ذریعہ (تقرب) تلاش کرتے ہیں کہ کون ان میں (خدا کا) زیادہ مقرب (ہوتا ہے) اور اس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے خوف رکھتے ہیں۔

نیز فرمایا:

فلا تخافوه و خافون ان كنتم
مؤمنين (ال عمران ۱۷۵)

پس تم ان سے خوف نہ کرو اور مجھ سے خوف کرو اگر تم ایماندار ہو۔

نیز فرمایا:

وايى نالتعون (البقرة ۴۱)
وايى فاربسون (البقرة ۴۰)

اور خاص مجھ سے ہی پس ڈرو تم۔
اور خاص مجھ سے ہی پس ڈرو تم۔

نیز فرمایا:

فلا تخشوه و اعشوف (البقرة ۱۷۵)

نیز اللہ کا خوف رکھنے والوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا۔

ان الذين هم من خشية ربهم
مشفقون والذين هم بآياتي مترهبون

جو لوگ اپنے پروردگار کے خوف سے ڈرتے ہیں
اور جو اپنے پروردگار کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں

یومنون والذین ہمد برہم ولا یشکون
والذین یؤتوت ما اتوا دقلوہم
وجللہ انھم الی رجمہم راجعون
اولئک یشیعون فی الخیرات دھم
لہا سابقون (المومنون ۵۷-۶۱)

اور جو اپنے پروردگار کے ساتھ شریک نہیں کرتے
ہیں اور جو دے سکتے ہیں وہ دیتے ہیں اور ان کے
دل اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ ان کو اپنے
پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے یہی لوگ نیکیوں
میں جلدی کرتے اور یہی ان کے لئے اگے نکل جاتے
ہیں۔

مسند احمد ترمذی میں حضرت عائشہ سے روایت ہے اس نے دریافت کیا اے اللہ کے رسول
(وہ لوگ جو عمل کرتے ہیں جو کرتے ہیں ان کے دلوں میں خوف ہوتا ہے) کیا ان سے مراد وہ لوگ ہیں
جو زنا کرتے ہیں شراب پیتے ہیں، پوری کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں اسے صدیق کی بیٹی یہ لوگ مراد
نہیں ہیں اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو روزہ رکھتے ہیں نماز ادا کرتے ہیں صدقہ خیرات کرتے ہیں ساتھ ساتھ
ڈرتے رہتے ہیں کہ ان کے اعمال قبول نہ ہوں۔

حسن رضی اللہ عنہ کا قول | بخدا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اطاعت کرتے رہے اور اس میں کوتاہی
رہے اس کے ساتھ ساتھ خوفزدہ بھی رہے کہ ان کی نیکیاں قبول نہ ہوں
(خیال رکھو) مومن نیک اعمال بھی کرتا رہتا ہے اور ڈرتا بھی رہتا ہے اور منافق برے اعمال بھی کرتا ہے اور بے
خوف بھی رہتا ہے (انتہی) ارشاد خداوندی ہے

ان الذین امنوا والذین ہاجروا
وجاہدوا فی سبیل اللہ اولئک
یرحون رحمۃ اللہ واللہ عنقریب حیم
(البقرہ ۲۱۸)

جو لوگ ایمان لائے اور خدا کے لئے وطن چھوڑ گئے
اور (کفار سے) جنگ کرتے رہے وہی خدا کی رحمت
کے امیدوار ہیں اور خدا بخشنے والا اور رحمت
کرنے والا ہے)

غور کیجئے اللہ پاک نے کس طرح ان کی امید کو اطاعت اور ایمان کے ساتھ وابستہ کیا ہے پس امید کو ناسوت
درست ہے جب ان اسباب کو برہنہ کر لائے جن کا تقاضا اللہ کی حکمت اس کی شریعت اس کی قدرت اس
کے ثواب اور کرامت کا حصول کر رہی ہے۔

ایک مثال | وہ زمیندار جو زمین میں اہل نہیں چلاتا دیہات ہے زمین کو بے کار چھوڑ رکھا ہے وہ اگر امید
رکھتا ہے کہ اس کو زمین سے کچھ فائدہ حاصل ہوگا تو لوگ اس کو بے وقوف سمجھیں گے اسی طرح اگر کوئی شخص
اس حسن ظن میں مبتلا ہے کہ یوں کے ساتھ نہ جماع کرنے میں بھی اس کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا یا طلب علم میں

کوشش نہیں کرتا اور پر امید ہے کہ وہ صاحب دنیا میں بہت بڑا عالم بن جائے گا بالکل ان لوگوں کی مانند اس شخص کا حال ہے جو محض حق ظن رکھتا ہے اور پر امید ہے کہ وہ بلند درجات حاصل کرے گا اور ہمیشہ ہمیشہ انعامات خداوندی میں سرشار رہے گا حالانکہ نہ اس میں اطاعت موجود ہے اور نہ ہی وہ ادا امر الہیہ کا امتثال کر کے اور منہیات سے اجتناب کر کے قرب خداوندی حاصل کرتا ہے۔

حالانکہ پر امید ہونے کے لئے کچھ اسباب فراہم کرنے ضروری ہیں اور لا اس کے ساتھ محنت کا مجتہد ہو ثانیاً اس کے زائل ہونے کا خطرہ محسوس کرتا ہو ثالثاً اس کے حصول میں امکانی حد تک کوشاں رہے لیکن محض امید و البتہ رکھنا اور اس کے لئے کچھ حرکت نہ کرنا محض آرزو ہے جب کہ امید دیگر چیز ہے اور آرزو محض وہ ہے پس ہر وہ شخص جو امید رکھتا ہے وہ غافل بھی ہے دیکھئے وہ شخص جو منزل مقصود کی طرف روباں دواں ہے جب خطرہ محسوس کرتا ہے تو تیز تیز چلتا ہے کہیں وہ راستہ میں ہی نہ رہ جائے ارشاد ربانی ہے۔

ان الله لا يعفون ان يشرك به ويعفون
مادون ذلالت لمن يتساء (التكوا ۴۸)
خدا اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا
جائے اور اس کے سوا اور گناہ جس کو چاہے معاف
کر دے

پس مشرک کے لئے کچھ مغفرت نہیں ہے جب کہ اللہ نے اس سے مغفرت کی نفی کر دی ہے دیگر گناہوں کی مغفرت اللہ کی مشیت میں ہے اگر چاہے تو معاف کر دے اور اگر چاہے تو عذاب میں مبتلا کر دے۔ معجم الطبرانی میں ہے: قیامت کے روز اللہ کے ہاں تین دیوان ہوں گے ایک دیوان ان لوگوں کا ہے جو شرک کرتے رہے ان کے لئے مغفرت نہیں دوسرا دیوان ان لوگوں کا ہے جو حقوق العباد کے گناہوں میں مبتلا رہے اللہ ان کی معافی نہیں کرے گا تیسرا دیوان ان لوگوں کا ہے جو اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں ان کے گناہ کچھ زیادہ قابل گرفت نہیں ہیں۔

صغیرہ اور کبیرہ گناہوں میں علماء کے فرق
کبار کا ذکر نیز عذاب الہی کے سقوط کے اسباب
کرنے میں عبارات میں کچھ اختلاف پایا جاتا

لے حدیث ضعیف ہے طبرانی نے اس کو روایت نہیں کیا سہ حد نے کہا ہے ۲۴۰/۴، حاکم ۵۵۱/۴ - ۵۵۶، اس نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے۔ لیکن ذہبی نے اس کا رد کیا علامہ البانی فرماتے ہیں اس کی سند میں صدۃ ضعیف اور ابن ماجہ بایں مجہول ہے۔

ہے امت محمدیہ کے کبار شرکے مرتکب مخلوق النار نہیں ہیں لیکن یہاں ایک چیز فور طلب ہے اور وہ یہ ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب کبھی اس قدر شرم محسوس کرتا ہے اور اللہ کے ڈر سے وہ اس گناہ کو بہت عظیم گردانتا ہے جس کی وجہ سے وہ گناہ کبیرہ نہیں رہتا بلکہ صغیرہ گناہوں میں شمار ہوتا ہے اور کبھی صغیرہ گناہ کا مرتکب اس قدر بے شرم ہو جاتا ہے کہ وہ خوف خدا سے عاری ہو کر اس گناہ کو گناہ ہی نہیں سمجھتا جس کی وجہ سے وہ صغیرہ نہیں رہتا بلکہ کبیرہ گناہوں کی فہرست میں شمار ہوتا ہے معلوم ہوا کبار شرک، صغائر کا اصل تعلق دل کے ساتھ ہے ظاہر ہے کہ اس کے فعل سے یہ چیز زائد ہے اور اس بات کو ہر شخص خوب سمجھتا ہے نیز یہ بات معون ہے کہ بعض دفعہ کبار شرکے مرتکب انسان کو معاف کر دیا جاتا ہے اگر نے اس سے عذاب جہنم کے ساقط ہونے کے دس اسباب گنوائے ہیں۔

سبب اول توبہ | ارشاد خداوندی ہے۔

مگر جس نے رجوع کیا۔

الاسن کتاب (مہیم ۶۰)

نیز فرمایا:

الذین توبوا (البقرہ ۱۶۰)

مگر وہ لوگ جنہوں نے رجوع کیا،
خالص توبہ کا تعلق تمام گناہوں کے ساتھ ہے کسی خاص گناہ کے ساتھ نہیں ہے لیکن کیا تمام گناہوں سے تائب ہونے پر اس کی صحت موقوف ہے میرے قول یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایک گناہ سے توبہ کرتا ہے دوسرے گناہ پر اصرار کرتا ہے تب بھی اس کی توبہ صحیح اور قبول ہے اور کیا اسلام لانے سے پہلے تمام گناہ ختم ہو جاتے ہیں اگرچہ ان سے تائب نہ ہو یا شرک کے علاوہ دیگر گناہوں سے تائب ہونا ضروری ہے مثلاً اگر ایک شخص مسلمان ہوتا ہے اور وہ اس سے پہلے زانی اور شرابی تھا کیا اسلام لانے کے بعد ان گناہوں پر اس کا مؤاخذہ ہو گا یا پھر اسلام لانے کے ساتھ ساتھ ان گناہوں سے بھی توبہ کرے یا عام توبہ کرے میرے مسک یہی ہے کہ وہ عام توبہ کرے اس لئے کہ توبہ گناہوں کے ختم کرنے کا سبب ہے اس طرح وہ مؤاخذہ سے بری ہو جائے گا ارشاد خداوندی ہے۔

(اے پیغمبر میری طرف سے لوگوں کو) کہندو کہ اسے جہنم

بندو! جنہوں نے اپنی جالوں پر زیادتی کی ہے خدا

کی رحمت سے ناامید نہ ہونا خدا تو سب گناہوں

کو بخش دے گا (اور) وہ توبہ بخشے والا مہربان ہے)

قل یا عبادي الذين اسرفوا على

انفسهم لا تقنطوا من رحمة الله ان الله

يغفر الذنوب جميعا انه هو

الغفور الرحيم (الزمر ۵۳)

ظاہر ہے گناہوں سے برادرت غرضِ توبہ کی وجہ سے ہے اسی لئے کہا ہے کہ تم مایوس نہ ہونا اور اپنے رب کی جانب انابت کرنا۔

سبب ثانی استغفار

ارشاد خداوندی ہے۔

وما كان الله معذبهم وهم يستغفرون (الأنفال ۳۳)

اور خدا ایسا نہ تھا کہ وہ ان کو عذاب میں گرفتار کرے اور وہ بخشش مانگتے ہوں۔

لیکن کیسی استغفار کا انفراداً ذکر ہے اور کہیں توبہ کے ساتھ ہے جہاں اس کا ذکر انفراداً ہے اس میں توبہ کو بھی شامل کر لیا جائے جیسا کہ جہاں صرف توبہ کا ذکر ہوتا ہے وہاں اس میں استغفار کو بھی شامل سمجھا جاتا ہے پس توبہ استغفار کو شامل ہے اور استغفار توبہ کو شامل ہے گویا کہ ہر ایک دوسرے کے معنی میں داخل ہے لیکن جہاں دونوں کا ذکر ہو وہاں استغفار سے مراد ماضی کے گناہوں کے شر سے تحفظ طلب کرنا مقصود ہوتا ہے اور توبہ سے مراد رجوع اور مستقبل کے گناہوں کے شر سے تحفظ طلب کرنا مقصود ہوتا ہے اس کو ایک مثال سے سمجھیں مثلاً لفظ فقیر اور مکین جب بھی ان دونوں میں سے کسی ایک کا ذکر ہوتا ہے تو اس میں دوسرا بھی شامل ہوتا ہے اور جہاں کہیں دونوں کا ذکر ہوتا ہے تو دونوں کا الگ الگ معنی ہوتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

فاذروه عشرۃ ماکین (المائدہ ۱)

پس دس مکینوں کو کھانا کھلانا ہے،

نیز فرمایا:

فاذعمہ ستین مسکیناً (التجادلہ ۲)

ساتھ مکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔

نیز فرمایا:

ما تمشوہا وتوہا الفقراء ذہو

اور اگر پوشیدہ دو اور دو بھی اہل حاجت کو تو وہ

خوب تر ہے۔

خیر بکرم البقرۃ ۲۱

اسی میں کچھ اختلافات نہیں کہ ان آیات میں جب کہ ہر لفظ الگ استعمال ہوا ہے تو وہ کم و اے اور بالکل معدوم دونوں کو شامل ہے اور جب دونوں مل کر آتے ہیں تو فقیر سے مراد وہ انسان ہے جس کے پاس بالکل مال نہیں ہے اور مکین وہ ہے جو تحلیل مال والا ہے (اگرچہ اس میں اختلاف ہے) ارشاد خداوندی ہے۔

انما الصدقات للفقراء والمساکین (۶۰)

بے شک صدقات کے مستحق فقیر اور مکین ہیں۔

اسی طرح لفظ اثم اور عدالہ اسی طرح برادر اقویٰ اسی طرح فسوق اور عصیان متعل ہیں اسی معنی کے قریب قریب لفظ کفر اور نفاق ہیں اگرچہ کفر عام ہے اس لئے کہ جب کفر کا لفظ ذکر ہوتا ہے تو وہ نفاق کو بھی شامل ہوتا ہے اور جب دونوں ذکر ہوں تو ہر ایک کا الگ الگ معنی لیا جاتا ہے اسی طرح لفظ ایمان اور اسلام کا حال ہے۔

سبب ثلث حسبت اس لئے کہ ایک نیکی کا دس گنا بدلہ ملتا ہے جب کہ برائی کا بدلہ برابر ہے پس اس شخص کے لئے تباہی ہے جس پر اس کے گناہ غالب ہیں ارشاد خداوندی ہے۔

۱۲ الحسنات یبدلھن السیئات (ہودہ) بے شک نیکی عمل برے عمل کو مٹا دیتے ہیں۔
نیز ارشاد نبویؐ ہے برائی کے بعد نیکی کام کرو اس سے برائی مٹ جائے گی۔
سبب رابع دنیوی مصائب ارشاد نبویؐ ہے مومن کو جب دکھ درد غم نکر لاحق ہوتا ہے یہاں تک کہ جب اسے کاشا بھی لگتا ہے تو ان کو وجہ سے اس کے گناہ دور ہوتے ہیں مندا احمد بن حنبل میں ہے جب اللہ کا یہ قول نازل ہوا۔

من یعمل سوءاً یجزيہ (النساء ۱۲۳) جو بھی برا عمل کرے گا (اس کو) اس کا بدلہ ملے گا،
تو حضرت ابو بکرؓ نے کہا اے اللہ کے رسول! یہ آیت تو کم کو توڑ دینے والی ہے ہم میں کون ایسا شخص ہے جس سے برا فعل نہیں ہوا آپؐ نے فرمایا اے ابو بکر کیا تجھے تھکاوٹ نہیں ہوتی کیا تجھے غم لاحق نہیں ہوتا کیا تجھے مصائب نہیں پہنچتے یہ سب کچھ ان گناہوں کا بدلہ ہے پس مصائب گناہوں کا کفارہ ہیں اور ان پر صبر کرنے سے ثواب ملتا ہے اور جزع فزع سے گناہ ہوتا ہے۔ اور صبر اور جزع فزع مصیبت کے علاوہ ہیں اس لئے کہ مصیبت اللہ کا فعل ہے بندے کا فعل نہیں ہے یہ دراصل بندے کو اللہ کی جانب سے گناہ پر بدلہ ملتا ہے اس سے گناہ دور ہوتا ہے اور بندے کو گناہ یا ثواب اس کے فعل پر ملتا ہے ظاہر ہے کہ صبر اور جزع فزع بندے کا فعل ہے ہاں کبھی اجر و ثواب بندے کے عمل پر نہیں کسی دوسرے کی طرف سے امداد و ثواب ہوتا یا اللہ پاک اپنے خاص فضل سے بلا سبب ثواب عطا کر لے ہے ارشاد خداوندی ہے
دیوث من لدنہ حجراً عظیماً (النساء ۱۰۴) اور اپنی طرف سے عظیم ثواب عطا کرے گا۔

۱۳ حدیث حسن ہے (الرواق النفر ۵۵) عہ بخاری، مسلم حدیث سند کے لحاظ سے ضعیف ہے معنی کے لحاظ سے درست ہے۔

اس لحاظ سے بیماری جزا اور کفارہ ہو جاتا ہے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اجر و ثواب سے مراد گناہوں کا معاف ہونا ہوتا ہے یہ اس کا مدلول تو نہیں البتہ لازم ضرور ہے۔

سبب خامس عذاب قبر | اس پر مفصل بحث ہوگی۔

سبب دس ایمانداروں کا اسکے حق میں دعا کرنا | نیز زندگی اور زندگی کے بعد اس کے لئے استغفار کرنا۔

سبب سابع | مرنے کے بعد اس کے نام پر صدقہ، قرآن پاک کی قراءت یا حج وغیرہ کا احصاء ثواب کرنا اس پر بھی بحث آگے آئے گی۔

سبب ثامن | قیامت کے دن کی خوف ناکیاں اور مصائب مراد ہیں۔

سبب تاسع | حدیث میں ہے کہ مومن جب پل صراط پر سے گزریں گے تو جنت اور دوزخ کے درمیان ایک پل پر کھڑے ہوں گے وہاں ان کا آپس میں قصاص ہوگا جب ابھی طرح چھان بین ہو جائے گی تو انہیں جنت میں داخل ہونے کی اجازت ملے گی۔

سبب عاشر | شفاعت کرنے والوں کی سفارش اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

سبب ہادی عشر | بلا شفاعت کے اللہ پاک کا معاف کرنا ارشاد خداوندی ہے۔

وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَن يَشَاءُ (النساء ۳۸) اور اس کے سوا جس کو چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے پس اگر ایسا شخص ہے جس کے گناہ بہت بڑے ہیں اللہ اس کو معاف کرنا نہیں چاہتا تو لازماً اس کو بھیجی میں داخل کیا جائے گا تاکہ اس کا ایمان معاصی کی میل پچھل سے صاف ہو جائے پس دوزخ میں وہ انسان نہیں رہے گا جس کے دل میں ادنیٰ ذرہ کے برابر ایمان ہے بلکہ جس نے زبان سے لا الہ الا اللہ کہا اس کی حدیث میں اس کا ذکر گزر چکا ہے پس جب حقیقت حال واضح ہو چکی ہے تو امت کے کسی معین فرد کے لئے یقین کے ساتھ جنت کا حکم لگانا درست نہیں اس سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جن

لے حدیث سند کے لحاظ سے ضعیف ہے معنی کے لحاظ سے درست ہے۔ یہ بخاری کتاب النظام

کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی شہادت دی ہے البتہ نیک کام کرنے والوں کے لئے ہم جنت کے امیدوار ہیں جب کہ ہم خطرہ بھی محسوس کرتے ہیں۔

(طہ) عذاب سے بے خوف ہونا اور رحمت خداوندی سے مایوس ہونا دونوں ہی انسان کو ملت اسلام سے خارج کر دیتے ہیں جب کہ ایک قبیلہ والوں کے لئے راہ صواب ان کے درمیان ہے۔
(ش) ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ کے عذاب سے خائف رہے اور جنت کا امیدوار بھی رہے۔

صحیح معنی میں اللہ کے عذاب سے خوفزدہ رہنا یہ ہے کہ محرمات البیہ سے دور رہا جائے لیکن جب اس سے تجاوز کرے تو خطرہ ہے کہیں نا ایجنڈہ کشکار نہ ہو جائے اور رحمت خداوندی کی امید کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی فرمانبرداری کے اعمال کرتا ہے اس پر ثواب کا امیدوار ہے یا گنہ کے بعد تائب ہو کر اللہ کی مغفرت کا امیدوار ہو ارشاد خداوندی ہے۔

ان الذین امنوا والذین ہاجرنا
وجاء ہدوا فی سبیل اللہ اولئک
یرجون رحمۃ اللہ واللہ غفور رحیم
جو لوگ ایمان لائے اور خدا کے لئے وطن چھوڑ
گئے اور (کفار سے) جنگ کرتے رہے وہی خدا
کی رحمت کے امیدوار ہیں اور خدا بخشنے والا
(البقرہ ۲۱۸) (اور، رحمت کرنے والا ہے)

لیکن جو شخص گناہوں میں مستغرق ہے وہ کسی نیک کام کے نزدیک نہیں جاتا پھر بھی وہ رحمت خداوندی کا امیدوار ہے تو وہ مغرور اور جھوٹی امیدیں وابستہ کئے ہوئے ہے۔

البغی روز باری رحمہ اللہ کا قیل | خوف اور امید پرندے کے دو پروں کی مثل ہیں جب تک
دونوں پر مساوی رہیں اثران درست رہتی ہے لیکن اگر کسی پر میں
نقص ہو تو اثران بھی صحیح نہیں ہوتا اور جب دونوں پر ضائع ہو جائیں تو پرندہ موت کی زد میں ہوتا ہے
یہ ہم درجہ دونوں اوصاف کے حاملین کی اللہ نے مدح کی ہے ارشاد خداوندی ہے۔

امن ہو انت اثناء اللیل ساجداً
وقالما یحذران الخیرۃ ویرجون رحمۃ
رہہ -
(بھلا مشرک اچھا ہے) یا وہ جو رات کے وقتوں
میں زمین پر پیشانی رکھ کر اور کھڑے ہو کر عبادت
کرتا ہے اور آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے پروردگار

لے بخاری، مسلم۔

(النمرہ) کی رحمت کی امید رکھتا ہے۔

نیز فرمایا:

تَتَجَافَى جُنُوبَهُمْ عَنْ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ
إِلَى كَيْسِهِمْ بَطْشًا فَيَقْبُضُونَ
وہ اپنے پروردگار کو خوف اور امید سے بکارتے

(المجادہ ۱۶)

ہیں۔

پس امید خوف کو مستند ہے اگر خوف نہیں ہے تو عذاب خداوندی سے بے خوف ہونا ہے
اور خوف امید کو مستند ہے اگر امید نہیں تو ناامیدی اور مایوسی ہے اور ظاہر ہے کہ جب آپ
کسی سے ڈرتے ہیں تو اس سے بھاگتے ہیں۔

لیکن جب اللہ سے ڈرتے ہیں تو گویا اس کی جانب دوڑتے ہیں پس اللہ سے ڈرنے والا اللہ سے
اللہ کی طرف بھاگنے والا ہے منازل السائرین کے مؤلف کا قول ہے: امید مرید کی کمزور منزل ہے
لیکن یہ قول درست نہیں صحیح بات یہ ہے کہ امید اور خوف سابقہ وضاحت کے مطابق مرید کی اشرف
منزل ہے۔

صحیح حدیث میں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ فرماتا ہے میں اپنے بندے کے خیال
کے مطابق ہوں وہ میرے ساتھ جو چاہے خیال کرے صحیح مسلم میں حضرت جابر سے روایت ہے اس نے
بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی وفات سے تین دن پہلے سنا آپ فرماتے تھے
تم میں جو شخص بھی فوت ہوتا ہے وہ اپنے رب کے بارے میں حسن ظن رکھتا ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ
بیماری میں امید خوف پر غالب ہو لیکن صحت میں خوف امید پر غالب ہو بعض کا قول ہے جس نے محض محبت
کے ساتھ اللہ کی عبادت کی وہ بددین ہے اور جس نے محض خوف کے ساتھ عبادت کی وہ غارحی ہے اور جس
نے صرف امید کے ساتھ عبادت کی وہ مرتد ہے اور جس نے محبت خوف امید کے ساتھ عبادت کی وہ
مومن موصوف ہے محمود و راق نے خوب کہا ہے: اگر آپ معمولی ٹپک غل کا ثواب دیکھ لیں تو آپ کو بڑے غل
کے ثواب پر تعجب ہو گا یا اگر آپ معمولی برے کام کے بدلہ کو دیکھ لیں تو آپ کو بڑے گناہ کے بدلہ پر
بہت زیادہ خوف لاحق ہو گا۔

سے بخاری، مسلم

سے صحیح مسلم

(ط) اور بندہ اس وقت ایمان سے خارج ہوتا ہے جب ان چیزوں کا انکار کرے جن کے اقرار سے وہ ایماندار بناتا تھا۔

(ش) شیخ طحاوی یہاں خوارج اور معتزلہ کا رد کرنا چاہتے ہیں اس لئے کہ ان کے ہاں کبیرہ و کناہ کے ارتکاب سے انسان ایماندار نہیں رہتا اس پر بحث گزر چکی ہے

(ظ) ایمان اقرار باللسان تصدیق بالقلب کا نام ہے جو شریعت اور وضاحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے وہ سب حق ہے نیز ایمان ایک چیز ہے تمام ایماندار اصل ایمان میں برابر ہیں ان میں تغاوت بلحاظ خشیت پرہیزگاری اور خواہش نفس کی مخالفت نیز اولیٰ کی عزامت کے ساتھ ہے۔

(ش) ایمان کے بارے میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے امام مالک، شافعی، احمد و زہبی اسحاق بن راہویہ جملہ محدثین، اہل مدینہ، اہل خاہر اور تنکبیں کی ایک جماعت

کا قول ہے کہ ایمان تصدیق بالقلب، اقرار باللسان، عمل بالارکان کا نام ہے ہمارے اکثر فقہاء کا وہی قول ہے جس کا ذکر امام طحاوی نے کیا ہے کہ ایمان اقرار باللسان، تصدیق بالقلب کا نام ہے بعض کا قول ہے کہ اقرار باللسان نہ اُندر کن ہے اصلی نہیں ہے یہی مذہب ابو منصور ماتریدی کا ہے نیز یہی قول امام ابو حنیفہ سے بھی مروی ہے کہ امیر کا مذہب یہ ہے کہ ایمان صرف اقرار باللسان کا نام ہے ان کے نزدیک منافق مومن ہیں بلکہ کامل مومن ہیں لیکن وہ کہتے ہیں کہ وہ وعبد خداوندی کے مستحق ہیں ان کا قول فاسد ہے تبہم بن صفوان اور ابو الحسن صالحی قدریر کا بیڈر اس بات کی طرف گئے ہیں کہ ایمان معرفت بالقلب کا نام ہے یہ قول تو پہلے قول سے بھی زیادہ فاسد ہے اس قول سے تو یہ لازم آتا ہے کہ فرعون اور اس کی قوم کو مومن کہا جائے اس لئے کہ انہیں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے سچا ہونے کی معرفت حاصل تھی اگرچہ وہ ان پر ایمان نہیں لاتے تھے اسی لئے حضرت موسیٰ نے فرعون سے کہا: ارشاد ربانی ہے:

لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا أَنْزَلَ هَؤُلَاءِ إِلَّا رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ بِضَائِرٍ -

(ان سراعہ ۱۰۲)

بیز فرمایا:

تم یہ جانتے ہو کہ آسمانوں اور زمین کے پروردگار کے سوا اس کو کسی نے نازل نہیں کیا اور وہ بھی تم لوگوں کے کچھ نے کو۔

وَحُجُّوا بِهَا وَاسْتَيْقِظُوا ۚ فَانظُرُوا

اور بے انصافی اور غرور سے ان سے انکار کیا لیکھ

ظلماً وعلواً فانظر كيف كان عاقبة
المفسدين (النمل ۱۴)

ان کے دل ان کو مان چکے تھے سو دیکھو کہ
فساد کرنے والوں کا انجام کیا ہوا
اسی طرح اہل کتاب کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت بالکل اس طرح حاصل تھی جس طرح کہ ان
کو اپنے بیٹوں کی حاصل تھی لیکن وہ آپ پر ایمان نہ لائے کفر اختیار کئے رکھا اور آپ کی مخالفت کرتے
رہے اسی طرح ابوطالب بھی اس کے ہاں ایماندار نہ رہا کہ اس نے بر ملا کہا

ولقد علمت بان دين محمد من خير اديان البرية ديننا

لولا ان الله اوحى الي سبيته لوجدتني سمياً بذات السبيته

میں جانتا ہوں کہ دین محمد دنیا کے تمام ادیان سے بہتر ہے۔ اگر ملاحت کا خیال یا عار کا خوف نہ ہوتا
تو مجھے اس کی واضح طور پر موافقت کرنے والا پاتا

بلکہ ابلیس بھی جہنم کے نزدیک کامل ایمان والا ہے اس لئے کہ وہ اپنے رب کی معرفت رکھتا تھا
اس سے جاہل نہ تھا ارشاد ربانی ہے۔

قال رب فانظر في اطي يوم يبعثون
(الحجر ۳۶)

اس نے کہا اے میرے پروردگار! مجھے اس دن
تک بہت عطا کر جس روز اٹھائے جائیں گے

نیز فرمایا:

قال رب بما اغويتني -
(الحجر ۳۹)

اس نے کہا اے میرے پروردگار اس سبب سے
کہ تو نے مجھے گمراہ کیا۔

نیز فرمایا:

قال فبعزتك لان غوينهم اجمعين -
(ص ۸۲)

اس نے کہا تیری عزت کی قسم میں ان تمام کو گمراہ
کروں گا۔

جہنم کے نزدیک کفر صرف رب تعالیٰ سے جاہل ہونے کا نام ہے اس لحاظ سے جہنم سے زیادہ کوئی بھی رب تعالیٰ
سے زیادہ جہالت والا نہیں اس نے رب تعالیٰ کو وجود مطلق سے تعبیر کیا ہے جب کہ اس سے تمام مخلوق
کو سلب کر لیا ہے کیا اس سے کوئی بڑی جہالت ہو سکتی ہے پس وہ اپنے قول کے مطابق ہی کافر ہو گیا
ان مذاہب کے علاوہ دیگر مذاہب بھی ہیں میں نے اختصار اختیار کرتے ہوئے ان کا اور ان کی تفصیل
کا ذکر نہیں کیا ان تمام کا ذکر ابوالمعبین نسفی نے تہمة الاداریہ میں کیا ہے۔

خلاصہ بحث | ایمان کا تعلق دل و زبان، جوارح کے ساتھ ہے یہ مذہب جمہور سلف کا ہے یا صرف دل

اور زبان کے ساتھ تعلق ہے جو ارجح کے ساتھ نہیں ہے یہ مذہب امام طحاوی امام ابو حنیفہ اور اس کے اصحاب کا ہے یا صرف زبان کے ساتھ تعلق ہے یہ مذہب کرامیہ کا ہے یا صرف دل کی معرفت کا نام ایمان ہے یہ مذہب جہم کا ہے یا صرف تصدیق کا نام ہے یہ مذہب ابو منصور ماتریدی کا ہے خیال رہے جہم اور کرامیہ کا مذہب بالکل باطل ہے۔

امام ابو حنیفہ اور دیگر ائمہ اہل سنت کے درمیان اختلاف ظاہری ہے تحقیق نہیں ہے اس لئے کہ ایمان بالقلب کو جو ارجح کے اعمال لازم ہیں یا ایمان کا جز ہیں جب کہ اس بات پر اتفاق ہے کہ کبر و گناہ کا مرتکب ایمان سے خارج نہیں ہوتا بلکہ وہ اللہ کی مشیت میں ہے اگر اللہ چاہے تو اس کو عذاب میں مبتلا کرے اور اگر چاہے تو معاف کر دے بہر حال نفی نزاع اعتقاد کے فساد کو مستلزم نہیں ہونا اور جو لوگ تارک نماز کو کافر کہتے ہیں وہ اس اصل کے ساتھ دیگر ادھر بھی ملاتے ہیں وگرنہ یہ حقیقت نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زانی، چور، شرابی، ڈاکو پر ایماندار کا لفظ اطلاق نہیں کیا لیکن اس کا برگزیدہ مطلب نہیں کہ اب وہ بالکل ایمان کے دائرہ سے خارج ہیں نیز اہل سنت کے درمیان اس بات میں ہرگز اختلاف نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں سے قول اور عمل کا مطالبہ کیا ہے قول سے مراد تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان ہے اور یہی معنی ان کے اس قول کا ہے کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے لیکن بندوں سے جب اس کا مطالبہ کیا گیا ہے تو کیا اس کو ایمان شامل ہے یا ان میں سے ایک کا نام ایمان ہے یعنی صرف قول ایمان ہے اور عمل اس کے خلاف ہے ایمان اس کو شامل نہیں ہے جب کہ صرف قول کا ذکر دو دونوں پر ایمان کا اطلاق مجازاً ہے۔

اس مسئلہ پر اجماع ہو چکا ہے کہ اگر کوئی شخص دل میں تصدیق رکھتا ہے اور زبان کے ساتھ اقرار کرتا ہے لیکن عمل بالجوارح نہیں کرتا تو وہ اللہ اور اس کے رسول کا نافرمان ہے و عید خداوندی کا مستحق ہے لیکن ان لوگوں میں وہ شخص بھی ہے جو کہتا ہے کہ اعمال ایمان کے مکمل ہیں داخل نہیں ہیں نیز جب ایمان ایک چیز ہے تو پھر میرا ایمان حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے ایمان کے برابر ہے بلکہ انبیاء اور پیغمبروں جبریل، میکائیل کے ایمان کے برابر ہے یہ نظریہ ظلو آئینہ ہے اور کفر ایمان کا آپس میں وہی تعلق ہے جو علمی اور بصر کا ہے اس میں کھٹک نہیں کہ بھارت دالے قوت اور ضعف کے لحاظ سے

۱۔ نام میمون بن محمد البراء یعنی نسفی الحنفی اصول اور علم کلام میں بہرہ وافر رکھتا تھا سرفراز اور بخاری میں رہائش پذیر رہا متعدد کتابیں تالیف کیں۔

مختلف ہیں کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں دن کو نظر نہیں آتا اور کچھ وہ ہیں جنہیں رات کو نظر نہیں آتا اور بعض وہ ہیں جو موٹے حروف کو تو پڑھ لیتے ہیں۔ باریک حروف کو بینک کے بغیر نہیں پڑھ سکتے اور بعض وہ ہیں جن کی قریب کی نظر کمزور ہے اور بعض وہ ہیں جن کی ٹھکی نظر کمزور ہے۔

یہی وجہ ہے کہ شیخ طحاوی نے بیان کیا کہ اہل ایمان اصل ایمان میں برابر ہیں یعنی اصل ایمان میں مساوات ہے اگرچہ جن کی الوجہ مساوات نہیں ہے لا الہ الا اللہ پڑھنے والوں کے دلوں میں نور کے درجات کے لحاظ سے بہت زیادہ فرق ہے ان کے فرق کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے چنانچہ بعض کے قلوب میں روشنی سورج کی مانند اور بعض کی چمکتے ہوئے ستارہ کی مانند اور بعض کی مشعل عظیم کی مانند اور بعض کی چمکتے ہوئے چراغ اور بعض کی ٹھٹھاتے ہوئے چراغ کی مانند ہے یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن اسی مقدار کے مطابق ایمان کی روشنی ظہور پذیر ہوگی جس قدر کسی شخص کے دل میں ایمان، توحید کی روشنی ہوگی اسی قدر علم و عمل کی شاعیں قیامت کے روز ان کے دائیں جانب اور ان کے سامنے دکھائی دیں گی اور جس قدر روشنی میں زیادہ جلا اور قوت ہوگی اسی قدر شجاعت اور شہوات بھسم ہوں گی یعنی تمام گناہ اور شجاعت شہوات جل کر رکھ ہو جائیں گی پس راست باز موصدا انسان کا ایمان ایسے آسمان کی طرح ہے جو ہر قسم کے پتھروں سے محفوظ ہے جب بھی کوئی پتھر اس کا رخ کرتا ہے اسے رجم کر دیا جاتا ہے اس حقیقت کی معرفت اس شخص کو حاصل ہوگی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی حقیقت کو جانتا ہے کہ (اللہ نے اس شخص کو دوزخ پر حرام کر دیا ہے جس نے خدا کی رضا جوئی کے لئے لا الہ الا اللہ پڑھا، اس معصوم کی دیکھا حدیث (جن کا ہم اکثر لوگوں کے لئے مشکل ہے) کو بعض لوگوں نے منسوخ قرار دیا ہے بعض نے کہا کہ ان احادیث کا حکم ادا مرویوں ہی سے قبل تھا بعض نے اس آگ سے مشرک کیا اور کفار والی آگ مراد لی ہے بعض نے دخول کی تاویل غلو دے کی ہے۔

اسی لئے شارع علیہ السلام نے صرف زبان کے ساتھ اقرار کو کافی نہیں سمجھا ہے جیسا کہ دین اسلام کے مطالعہ سے یہ چیز واضح طور پر معلوم ہو رہی ہے کیا منافق زبان کے ساتھ اقرار کرنے والے نہ تھے اس کے باوجود ان کو جہنم کے پچھلے درجے میں داخل کیا جائے گا۔

معلوم ہوا نجات کا دار و مدار اعمال پر ہے اور اعمال کے تفاضل کا تعلق دل کے ساتھ ہے اس کو سمجھنے کے لئے بظاہر کی حدیث پر غور کریں کہ کس طرح کا غذا کا ایک ٹکڑا انسان کو دفا تر پر غلبہ حاصل کر لیتا ہے جب کہ ہر دفتر کی پہنائی قدر نظر کے برابر ہے اس کے باوجود وہ سب کا غذا کے پیرزے کے مقابلے میں ہلکے ہوں گے اور پرزہ بھاری ہوگا اس بنیاد پر اس کے صاحب کو عذاب نہ ہوگا کون نہیں

جانتا کہ لا الہ الا اللہ والی پرزہ تو ہر موجد کے پاس ہوگا اس کے باوجود اکثر دوزخ میں داخل ہوں گے جب کہ ان کے دلوں میں منافقت ہے اسی طرح وہ حدیث بھی قابل توجہ ہے جس میں اس شخص کو معاف کر دیا جاتا ہے جو یکصد انسانوں کا قاتل ہے وہ راہ نجات تلاش کرنے کے لئے اپنی بستی سے نکلتا ہے جب وہ راستہ میں موت کے مقدمات سے ہم کنار ہوتا ہے تو وہ اس بستی کی جانب اپنے آپ کو قریب ترک کرنے میں ہاتھ پاؤں مارتا ہے اس لئے کہ اس کے دل میں حقیقت ایمانہ کی دولت موجود ہے اس بنا پر اس کو معاف کر دیا جاتا ہے۔

اسی طرح اس حدیث پر بھی غور کیجیے جس میں ایک فاجرہ زانیہ عورت کو اس لئے معاف کر دیا جاتا ہے کہ جب اس کا دل ایمان کی روشنی سے منور ہوتا ہے تو وہ اپنا جوتا اتار کر اس کو ڈول بنا کر دوپٹہ باندھ کر پرانے کوئٹے سے پانی نکال کر ایک پیاسے کتے کو پانی پلاتی ہے۔

یاد رہے جس طرح اصل ایمان میں مساوات ہے لیکن تفاضل دل کی روشنی کی کمی بیشی کے ساتھ ہے اسی طرح اصل عقل میں تمام برابر ہیں کیونکہ انہوں نے ہم تفاضل موجود ہے بعض لوگ زیادہ عقل والے ہوتے ہیں اور بعض ناقص عقل والے ہوتے ہیں۔

اسی طرح واجبات اور محرمات میں بھی تفاضل ہے صحیح مسلک یہی ہے اگرچہ عقل اور وجوب میں بعض نے اس کو ممنوع قرار دیا ہے۔

ایمان میں کمی بیشی

ظاہر ہے کہ شروع اسلام میں اس قدر ایمان نہ تھا جو تمام قرآن کے نیزوں کے بعد ہوا اسی طرح ہر شخص کے لئے ضروری نہیں کہ اس کا ایمان تفصیلی ہو بلکہ

جس قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اس تک پہنچنے پائے ہیں وہ ان پر ایمان لائے بخاشی اور اس جیسے انسان اس زمرہ میں شامل ہیں۔ ہاں تصدیق اور عمل میں زیادتی جب دل اور دیگر اعضاء کے اعمال کو مستلزم ہو تو وہ اس تصدیق سے اکمل ہے جو اس کو مستلزم نہیں ظاہر ہے کہ ایک شخص علم کے مطابق عمل کرتا ہے تو وہ ہر حال اس شخص سے افضل ہے جو علم کے مطابق عمل نہیں کرتا اسی لئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو خبر دی جائے وہ اس انسان جیسا نہیں ہو مشاہدہ کر رہا ہے کیا یہ حقیقت نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب بتایا گیا کہ اس کی قوم نے پھر سے کوبو جنا شروع کر دیا ہے تو اس پر انہوں نے تمہیدوں کو زمین پر نہیں مارا لیکن جب انہوں نے پچھم خود مشاہدہ کیا کہ وہ پھڑکے کی عبادت کر رہے ہیں تو اس پر انہوں نے

سے احمد طبرانی، خطیب، حدیث صحیح ہے لیکن الفاظ یہ نہیں ہیں (تخریج مشکوٰۃ ۵۷۸)

نے تو راست کی تحقیق کو زمین پر دسے مارا لیکن اس سے آپ اس وہم میں مبتلا نہ ہوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خبر دینے میں شک کرتے ہیں بلکہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ خبر دیا گیا انسان اگرچہ اس کے نزدیک غیر دینے والا سچا بھی ہو تب بھی اس کا وہ تصور نہیں ہوتا جیسا کہ مشاہدہ کرنے کے وقت ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا ارشاد خداوندی ہے۔

رب ارحم کیف تحسب الحق اقلہ
تؤمن قال بلی ولكن لیطمئن قلبی -
(البقرہ ۲۶۰)

کہ اے میرے پروردگار! مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیوں کر زندہ کرے گا خدا نے فرمایا کیا تم نے اس بات کو باور نہیں کیا انہوں نے کہا کیوں نہیں یکن (میں دیکھتا) اس لئے چاہتا ہوں کہ میرا دل اطمینان کامل حاصل کرے۔

مزید وضاحت کے لئے غور فرمائی جس شخص پر حج اور زکوٰۃ فرض ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ اسے ان مسائل کی تفصیل کا علم ہو اور ان پر ایمان بھی ہو لیکن جس شخص پر حج اور زکوٰۃ فرض نہیں اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ ان کی تفصیل کا علم رکھتا ہو اس کے لئے محل ایمان کافی ہے اسی طرح وہ شخص جو ابھی دائرہ اسلام میں داخل ہوا ہے اس کے لئے محض اقرار کافی ہے جب نماز کا وقت آئے گا تو اس کے لئے صرف یہ کہ نماز کے فرض ہونے کا علم ہو ناچاہیے بلکہ نماز کی ادائیگی بھی ضروری ہوگی پس ایمان میں تمام ایماندار یکساں نہیں ہیں۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ جس شخص کے دل میں تصدیق جازم موجود ہے کسی قسم کا کوئی شبہ اور شہوت اس کی تصدیق پر حمد اور نرس ہے تو اس سے نافرمانی نہیں ہوگی لیکن جب اس کے دل پر شہوت یا اشتباہ کا غلبہ ہوگا تو اس وقت وہ معصیت میں گرفتار ہو جائے گا تصدیق اس کے دل سے غائب ہوگی اور وعید خداوندی اس کی نظر سے اوجھل ہوگی کسی وجہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زانی زنا کرتے وقت مومن نہیں ہوتا یعنی بوقت زنا اس سے تصدیق غائب ہوگی اس لئے کہ زنا حرام ہے اگرچہ اصل تصدیق دل میں موجود رہے گی چنانچہ کتاب اللہ میں پرہیزگاروں کا ذکر اس طرح موجود ہے ارشاد خداوندی ہے۔

ان الذین اتقوا اذا مسهم طائف من الشیطان تذکروا فاذھم مبصرون
(الاعراف ۲۰۱)

جو لوگ پرہیزگار ہیں جب ان کو شیطان کی طرف سے کوئی دوسوہ پیدا ہوتا ہے تو چونکہ بڑے ہی راستہ والے دل کی آنکھیں کھول کر دیکھنے لگتے ہیں۔

لے بخاری، مسلم

لیث نے مجاہد سے اس کی تفسیر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو گناہ کا خیال کرتا ہے جب اللہ کا ذکر کرتا ہے تو گناہ سے باز رہتا ہے اصل میں قوت شہویر اور غصیہ برائوں کا نہیں بلکہ یہاں بصیرت حاصل ہو جانے تو وہ گناہ سے باز رکھتی ہے ارشاد خداوندی ہے۔

واخوانہم یمدو نہم فی الغی ثم لا یقصر عن (الاعراف ۲۰۲)
اور ان کفار کے بھائی انہیں گمراہی میں کھینچے جاتے ہیں پھر ان میں کسی طرح کو تباہی نہیں کرتے

یعنی وہ لوگ شیطانوں کے بھائی ہیں جن کو شیطان گمراہی میں ڈبوئے رکھتے ہیں اس میں وہ کچھ کی نہیں کرتے حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں نہ انسان نا فرمانیوں سے باز رہتے ہیں اور نہ ہی شیاطین انہیں باز رہنے دیتے ہیں وہ ان کے ساتھ چپکے رہتے ہیں تو جب بصیرت سے محرومی حاصل ہوتی ہے تو دل اندھا ہو جاتا ہے شیطان مزید گمراہی کی طرف کھینچتا ہے اگرچہ دل میں اصل تصدیق موجود ہوتی ہے لیکن روشنی، بصیرت، خشیت اللہ خوف دل میں نہیں رہتا اس کی مثال بالکل اس طرح کی ہے کہ جب انسان اپنی آنکھ کو بند کر لیتا ہے تو اسے کچھ نظر نہیں آتا جب کہ وہ نابینا بھی نہیں ہوتا اسی طرح جب انسان کے دل پر گناہ کی تاریکی چھا جاتی ہے تو وہ حق کو دیکھ نہیں سکتا اگرچہ اس کا دل کفار کے دلوں کی مانند اندھا نہیں ہوتا یہی معنوں ایک مرفوع حدیث میں اس طرح مذکور ہے آپؐ نے فرمایا: جب بندہ زنا کرتا ہے تو ایمان اس سے خارج ہو جاتا ہے جب تو بیکرتا ہے تو ایمان واپس آ جاتا ہے۔

اہل سنت کے درمیان نزاع لفظی ہے جس میں کچھ حرج نہیں البتہ اس درجے سے ایک فریق کا دوسرے فریق پر زیادتی کرنا اور فرقہ بندی اختیار کرنا درست نہیں اور نہ ہی مرجئہ کے نقطہ نظر کو تقویت دیتے ہوئے فتوہ فجر کے ارتکاب میں دیدہ دلیری سے کام لیا جائے لیکن ایک طرف تو آپؐ اپنے آپ کو کامل مومن کہیں بلکہ دل اللہ کے لقب کے ساتھ ملقب کریں اس کے ساتھ ساتھ بالغہ آرائی کے ساتھ معاصی کا ارتکاب کریں جس طرح کہ مرجئہ کہتے ہیں: ایمان کے ساتھ گناہ ارتکاب ضرور سال نہیں ہے اس نظریہ کے باطل ہونے میں کچھ شبہ نہیں امام ابو حنیفہؒ اور دیگر ائمہ میں فرق صرف اس قدر ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے ایمان کی لغوی حقیقت کے ساتھ ساتھ شارع کے ادراک کا خیال رکھا ہے جب کہ دیگر ائمہ نے ایمان کی حقیقت بیان کرتے ہوئے شارع کے عین کا خیال رکھا ہے اس لئے کہ شارع نے تصدیق کے ساتھ چند اوصاف اور شرائط کو بھی شامل کیا ہے جیسا کہ نماز، روزہ، حج وغیرہ ہیں۔

سنہ حدیث صحیح ہے (ابوداؤد، حاکم، ذہبی نے صحیح کہا) (احادیث صحیحہ ۱۰۵۸)

امام ابو حنیفہؒ کے دلائل! ایمان لغت عرب میں تصدیق کو کہتے ہیں چنانچہ اللہ پاک حضرت

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی جانب سے خبر دیتے ہوئے فرماتے ہیں ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَا أَنتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا (یوسف ۱۷) اور تو ہماری تصدیق کرنے والا نہیں ہے۔

یعنی آپ ہماری تصدیق نہیں کریں گے بعض تلامذہ نے اس معنی پر اہل لغت کے اجماع کا ذکر کیا ہے یعنی ایمان صرف تصدیق بالقلب کا نام ہے ہر انسان پر یہی کچھ واجب ہے کہ وہ اللہ کے رسول کی ان تمام باتوں میں تصدیق کرے جن کو آپ نے اللہ کی جانب سے پیش کیا ہے پس آپ کی تصدیق کرنے والا عند اللہ مؤمن ہے ہاں زبان کے اقرار سے دنیوی لحاظ سے اس پر اسلام کے احکام کا نفاذ ہو گا ایک قول یہ ہے نیز ایمان کفر کی ضد ہے اور کفر تکذیب اور انکار کا نام ہے ان دونوں کا تعلق بھی دل کے ساتھ ہے تو ان کے مخالف لفظ کا تعلق بھی دل کے ساتھ ہو گا نیز اللہ پاک کا یہ قول:

الَّذِينَ آمَنُوا وَتَلَاوَدَّ بَيْنَهُمْ سُلٰلٰتٌ مِّنْ حٰلٍ وَبَيْنَ أَيْدِيهِمْ سُلٰلٰتٌ مِّنْ حٰلٍ وَبَيْنَ أَيْمَانِهِمْ سُلٰلٰتٌ مِّنْ حٰلٍ وَبَيْنَ أَرْجُلِهِمْ سُلٰلٰتٌ مِّنْ حٰلٍ ذٰلِكَ صُلٰتٌ لِّقَوْمٍ هٰدٍ (النمل ۱۰۶)

اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایمان کا محل دل ہے زبان نہیں ہے نیز اگر ایمان توں اور عمل سے مرکب ہوتا تو جز کے زوال سے کلی کا نوال ہو جاتا نیز عمل کا عطف ایمان پر ہے جب کہ عطف مغاڑت کا تقاضا کرتا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ الْهٰنِئَاتُ (البقرہ ۲۵) جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے۔

اس قسم کی آیات قرآن میں کثرت کے ساتھ وارد ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ کے مذہب پر اعتراضات اس استدلال پر کہ ایمان لفظ تصدیق ہے اور

یہ دونوں مترادف ہیں، اعتراض کیا جاتا ہے کہ ان میں مطلقاً مترادف نہیں دیکھئے جب خبر دیا گیا انسان خبر دینے والے کی تصدیق کرے تو وہاں لفظ تصدیق تو استعمال ہوتا ہے لفظ آمنہ اور آمن بہ استعمال نہیں ہوتا ہاں آمن لہ استعمال ہوتا ہے قرآن پاک میں ہے۔

فَأَمِّنْ لَهُ لَوْطُ (العنکبوت ۲۶) اسکی لوط نے تصدیق کی۔

نیز ارشاد خداوندی ہے۔

فَمَا أَمَّنْ لِّمُوسَىٰ إِذْ ذَرَبْتُهُ مِّنْ قَوَاهِ عُلٰی (یوسف ۸۳)

پس موسیٰ کی تصدیق صرف اس کی قوم میں ہے جز

روکوں نے فرعون سے ڈرتے ہوئے کی۔

نیز فرمایا:

يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝
(التوبة ۶۱)
وہ خدا پر ایمان رکھتا ہے اور مومنوں کی بات کی تصدیق کرتا ہے۔

یعنی لفظ ایمان اگر با کے ساتھ متعدی ہے تو اس کا معنی اور ہے اور جب لام کے ساتھ متعدی ہے تو معنی اور ہے با کے ساتھ استعمال کی صورت میں اس کا تعلق مجزئہ کے ساتھ ہے اور لام کے ساتھ استعمال کی صورت میں مجزئہ کے ساتھ تعلق ہے لیکن ہم پر یہ اعتراض وارد نہیں ہو سکتا کہ لفظ تصدیق کا استعمال بھی لام کے ساتھ وارد ہے اس لئے کہ یہاں لام عامل کی تقویت کے لئے آیا ہے جس طرح کہ جب معمول عامل سے پہلے آئے یا عامل اسم فاعل یا مصدر ہو جیسا کہ اس کا ذکر اصول نحو کی کتابوں میں موجود ہے مقصد یہ ہے کہ آئندہ اور صدقت لہ میں تردید نہیں البتہ آئندہ اور اقوت لہ میں تردید ہے اگرچہ ان میں بھی فرق ہے اس لئے کہ ہر وہ انسان جو کسی چیز کا شہادہ کر کے یا بلا مشاہدہ خبر دیتا ہے اس کو لغت میں صدقت بھی کہا جاسکتا ہے اور کذب بھی کہا جاسکتا ہے مثلاً جو شخص کہتا ہے آسمان ہمارے اوپر ہے ہم کہیں گے کہ تو سچ بولتا ہے لیکن لفظ ایمان صرف غیب کی خبر کے بارے میں استعمال ہوتا ہے پس جو شخص کہتا ہے سورج نکل آیا ہم اس کو سچا مانتے ہوئے لفظ تصدیق کا تو استعمال کرتے ہیں لفظ ایمان کا استعمال نہیں کرتے اس لئے کہ ایمان کا اصل اس ہے اور لفظ الايمان کسی غائب سے خبر کے بارے میں استعمال ہوتا ہے اس لئے کہ امر غائب وہ امر ہے جس پر خبر دینے والے کو امین کہا جاتا ہے اسی لئے قرآن پاک اور دیگر کتابوں میں لفظ امن لہ کا صرف اسی معنی میں استعمال ہوا ہے نیز ایمان کے بالمقابل کبھی بھی لفظ تکذیب کا استعمال نہیں ہوا اس کے بالمقابل لفظ تصدیق ہے یا ایمان کے بالمقابل کفر کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور لفظ کفر تکذیب کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ اگر کوئی شخص کہتا ہے میں تجھے سچا مانتا ہوں لیکن تیری اتباع نہیں کروں گا بلکہ تجھ سے دشمنی، بغض رکھوں گا اور تیری مخالفت کروں گا تو اس کو کافر اعظم کہا جائے گا معلوم ہوا ایمان صرف تصدیق کا نام نہیں اور نہ ہی کفر صرف تکذیب کا نام ہے بلکہ کفر کے وقت تکذیب ہے لیکن مخفی وقت اور دشمنی تو بلا تکذیب بھی ممکن ہے اسی طرح ایمان تصدیق، موافقت، موالات، فرمانبرداری کا نام ہے صرف تصدیق کا نام نہیں اس لحاظ سے اسلام کا نام کے معنی کا جز ہے جب کہ بعض لوگ ان میں مترادف کے قائل ہیں اگر مترادف تسلیم کر لیا جائے تو تصدیق کا تعلق فعل کے ساتھ ہوگا جیسا کہ صحیح روایت میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دونوں آنکھیں زنا کرتی ہیں ان کا زنا دیکھنا ہے کان زنا کرتے ہیں ان کا زنا سننا ہے اختتام پر آپ نے فرمایا شر مگاہ ان کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے

لہ بخاری، مسلم

حسن بصری فرماتے ہیں: ایمان ظاہری زریب و زینت اور آرزوں کا نام نہیں ہے بلکہ ایمان دل میں جاگزیں ہوتا ہے اور اعمال سے اس کی تصدیق ہوتی ہے لیکن اگر ایمان تصدیق ہے تو وہ مخصوص تصدیق ہے جبکہ نماز وغیرہ احکام میں موجود ہے یہاں لفظ کو اس کے اصل معنی سے پھیرنا ہے اور نہ اس میں تبدیلی لانا ہے ظاہر ہے کہ اللہ نے ہمیں مطلق ایمان کا حکم نہیں دیا بلکہ خاص ایمان کا حکم دیا ہے پھر اس کو وضاحت سے بیان کیا ہے پس وہ تصدیق جو ایمان ہے اس کا کم از کم فرد بھی عام تصدیق میں داخل ہے اس لحاظ سے وہ اس کے ساتھ عموم خصوص میں مطابق نہیں ہے اگرچہ زبان اور دل کی تبدیلی سے صرف نظر رکھ کر لیا جائے جب کہ شارع کے کلام میں ایمان عام خاص سے مرکب ہے جس طرح کہ انسان حیوان ناطق کے ساتھ موصوف ہے نیز اس لئے کہ مکمل تصدیق جس کا تعلق دل کے ساتھ ہے وہ دل اور اعضاء کے اعمال کو بھی مستلزم ہے کیوں کہ وہ مکمل ایمان کے لوازمات سے ہیں اور لازم کی نفی پر دال ہوتی ہے نیز ہم کہتے ہیں کہ بلوازم کبھی لفظ کے معنی میں داخل ہوتے ہیں اور کبھی اس سے خارج ہوتے ہیں یا لفظ اپنے لغوی معنی پر قائم ہے لیکن شارع نے اس میں چند احکام کا اضافہ کر دیا ہے یا شارع نے اس کو مجازی معنی میں استعمال کیا ہے پس وہ حقیقت شرعی اور مجاز لغوی ہے یا شارع نے اس کو اصل سے نقل کر دیا ہے اس مسئلہ کے علماء کے یہ اقوال ہیں۔

ایمان میں اعمال بھی ملحوظ ہیں ائمہ کرام اس بات کے قائل ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایمان کے منفردات سے آگاہ فرمایا ہے وضاحت یوں ہے کہ جو شخص تصدیق کرتا ہے لیکن زبان کے ساتھ باوجود قدرت کے اقرار نہیں کرتا نماز روزہ بھی ادائیگی کرتا نہ ہی اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور نہ اللہ سے ڈرتا ہے بلکہ رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بغض و عداوت رکھتا ہے لڑائی رکھتا ہے تو وہ مومن نہیں ہے۔

کتاب و سنت سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ کیا یہی کار از صرف اس پر موقوف نہیں کہ آپ شیخ ذہبی کا اقرار کریں جب تک کہ آپ میں اخلاص اور ان کے معاصیوں کے مطابق عمل نہ ہو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان کی کچھ اور تشریحات ہیں اعلیٰ شاخ لا الہ الا اللہ کہنا ہے اور ادنیٰ شاخ راہ سے تکلیف دہ چیز کو دور کرنا ہے جو آپ نے فرمایا حیاء ایمان کی شاخ ہے نیز آپ نے فرمایا اکل ایمان دہ لوگ ہیں جن کے اخلاق بہتر ہیں نیز آپ نے فرمایا کبائس میں تواضع ایمان ہے پس ایمان اصل ہے اسکی متعدد شاخیں ہیں ہر شاخ ایمان ہے

۱۔ بخاری، مسلم ۲۔ بخاری، مسلم ۳۔ حدیث صحیح ہے ابو داؤد ابن حبان، حاکم، ترمذی وغیرہ نے حدیث حسن ہے ابو داؤد، ابن ماجہ، حاکم، احمد، طبرانی

پس نماز ایمان ہے اسی طرح زکوٰۃ، روزہ، حج، باطنی اعمال جیسے حیا، توکل، خوف خدا، انابت الی اللہ ایمان ہیں اور فی شاخ راہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے۔ یہ تمام ایمان کی شاخیں ہیں لیکن بعض شاخوں کے زوال سے اجماعاً ایمان بھی نہیں رہتا جیسے شہادتین کا اقرار لیکن بعض کے زوال کے ساتھ اجماعاً ایمان زائل نہیں ہوتا جیسے راہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا کر انان دروہوں کے درمیان بہت شاخیں ہیں جن میں بہت زیادہ تفاوت پایا جاتا ہے۔ ان میں کچھ تو شہادتین کی شاخ کے قریب ہیں اور کچھ راہ سے تکلیف دہ چیز کو اٹھانے کے قریب ہیں۔

پس جس طرح ایمان کی شاخوں کو ایمان کہا جاتا ہے اسی طرح کفر کی شاخوں کو کفر کہا جاتا ہے پس اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلے کرنا ایمان کی شاخ ہے اور اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلے نہ کرنا کفر ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں جو شخص کسی منکر کام کو دیکھے تو وہ اس کو ہاتھ کے ساتھ بدھنے کی کوشش کرے مگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان کے ساتھ اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل کے ساتھ اور یہ کمزور ایمان ہے (مسلم)۔ بعض روایات میں ہے اس کے بعد تو اس میں رائی کے برابر بھی ایمان نہیں۔

ترندی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کے لئے محبت کرے اللہ کیلئے بغض رکھے اللہ کے لئے عیب کرے اللہ کے لئے روک لے اس کا ایمان مکمل ہے۔ مقصد یہ ہے (واللہ اعلم) کہ محبت اور دشمنی دراصل دل کی حرکت ہے نیز مال خرچ کرنا اور مال کو روکنا ایمان کے کمال کی علامت ہے اس لئے کہ مال ایسی چیز ہے جس کا تعلق انسان کے نفس کے ساتھ سب سے زیادہ ہے اور انسان کا بدن دل اور مال کے درمیان ہے پس جس کا اول آخر سب اللہ کے لئے ہو گیا اللہ ہر چیز میں اس کا خدا ہوا اس میں شرک کا شائبہ نہ رہا ظاہر ہے کہ غیر اللہ کا ارادہ اس کا قصد اور اس سے امید رکھنا شرک ہے تو اس شخص کا ایمان کامل ہے اس مضمون کی دیگر احادیث بھی ہیں جو عمل کے لحاظ سے ایمان کی قوت اور ضعف پر ذال ہیں چنانچہ شیخ طاہوی کے کلام میں صحابہ کی شان کے ذکر میں اس کا ذکر کیا جائے گا۔

صحابہ کرام سے محبت رکھنا عین دین اور ایمان بلکہ احسان ہے اور ان سے دشمنی کفر، نفاق اور گمراہی ہے خلاصہ یہ کہ صحابہ کرام سے محبت کرنا ایمان اور ان سے دشمنی کرنا کفر ہے۔

نئے حدیث صحیح ہے (تخریج مشکوٰۃ ۲۰ - ۲۱)

اعتراض اور اس کا جواب | ایمان کی شاخوں والی حدیث سیغہ شنگ کے ساتھ مروی ہے ایک روایت میں کچھ اور ساتھ شاخوں کا اور دوسری روایت میں کچھ اور متر شاخوں کا ذکر ہے لہذا اس حدیث سے استدلال کرنا درست نہیں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات میں تو کچھ شک نہیں ہوتا یہ راوی کا قول ہے اور کتاب اللہ کے مخالفت ہے۔ ابوالمعین ضعیفی اور دیگر ائمہ نے اس کا نہایت عمدہ جواب دیا ہے کسی راوی کا تردد کے ساتھ روایت کرنا راوی کے عدم ضبط کی علامت نہیں ہے نہ ہی اس سے کتاب اللہ کی مخالفت لازم آتی ہے جب کہ امام بخاری نے اس روایت کو بعیضہ جزم کچھ اور ساتھ کے ساتھ ذکر کیا ہے اور یہ بات تو بالکل ہی قابل اتفاق نہیں کہ یہ حدیث کتاب اللہ کے ساتھ متصادم ہے ہم دریافت کرتے ہیں وہ کونسی آیت ہے جس سے تصادم ہوتا ہے یہ اعتراض تو تعصب اور تعقید کا آئینہ دار ہے۔

قاعدہ اور اس پر تبصرہ | بعض ائمہ ایک قاعدہ بیان کرتے ہیں: قول کی دو قسمیں ہیں دل کا قول اعتقاد ہے اور زبان کا قول کلام اسلام کو زبان سے ادا کرنا ہے اس طرح عمل کی بھی دو قسمیں ہیں دل کا عمل نیت اور اخلاص ہے اور اعضاء کا عمل جب یہ چاروں زائل ہو جائیں تو یہاں بھی مکمل طور پر ختم ہو جاتا ہے اور جب دل سے تصدیق ختم ہو جائے تو باقی تینوں بھی فائدہ نہیں دیتے اس لئے کہ ان کے اعتبار اور فائدہ مند ہونے کے لئے تصدیق قلب شرط ہے البتہ جب تینوں ختم ہو جائیں مگر تصدیق قلب باقی ہو تو یہ مسئلہ خاصا بگامہ خیز اور معرکہ الآراء ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ جو ارجح کی عدم اطاعت کو دل کی عدم اطاعت لازم ہے اس لئے کہ اگر دل اطاعت کرتا ہے اور مطیع ہوتا ہے تو اعضاء کو بھی مطیع ہونا چاہیے اور دل کی عدم اطاعت سے تصدیق کا نہ ہونا لازم آتا ہے جو اطاعت کو مستلزم ہے۔

ارشاد نبوی ہے: **جسم میں ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست رہتا ہے تو اس کی وجہ سے تمام جسم درست رہتا ہے اور جب وہ فاسد ہو جاتا ہے تو اس کی وجہ سے تمام جسم فاسد ہو جاتا ہے** خبر درودہ ٹکڑا دل ہے۔

پس جس شخص کا دل صالح ہے اس کا تمام جسم بھی لازمی طور پر صالح ہے لیکن اس کا خلاف نہیں ہے البتہ کسی جز کے زوال سے کل کا زوال اگر اس سے مراد یہ ہے کہ بیعت اجتماعیہ باقی نہیں رہتی تو اسے تسلیم کیا جاتا گا لیکن بعض اجزاء کا زوال تمام اجزاء کے زوال کو مستلزم نہیں اس صورت میں اس سے کمال کا زوال ہو جائے گا

لے بخاری مسلم عن النعمان بن بشیر

ایمان کی کمی بیشی پر دلائل کتاب وسنت اور آثار سے اس پر کثرت کے ساتھ دلائل پیش کیے جاسکتے ہیں ارشاد خداوندی ہے۔

وَإِذْ أَتَيْنَا آلِ هَارُونَ بِآيَاتِنَا فَذَكَرُوا آلَهُمْ خَيْرًا مِنْهُمْ وَنَحْنُ عَنْ آلِهِمْ يَاسِينَ (الانفال)
اور جب انہیں اس کی آیتیں بڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے۔
یہ ارشاد خداوندی ہے۔

وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى خَيْرًا مِنْ كَثِيرٍ (الانفال)
اور خدا اہدایت یافتہ لوگوں کو مزید ہدایت دیتا ہے۔
وَيَزِدْهُمْ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى خَيْرًا مِنْ كَثِيرٍ (الانفال)
یہ فرمایا:

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَمْسُؤْا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْجَنَّةِ الَّتِي يُوَدُّونَ أَنَّ يُبْعَثُوا وَلَا يَرْجُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأُولَئِكَ يَبْعَثْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا (البقرہ)
وہی تو ہے جس نے مومنوں کے دلوں پر تسلی نازل فرمائی تاکہ ان کے ایمان کے ساتھ اور ایمان بڑھے

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَمْسُؤْا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْجَنَّةِ الَّتِي يُوَدُّونَ أَنَّ يُبْعَثُوا وَلَا يَرْجُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأُولَئِكَ يَبْعَثْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا (البقرہ)
جب ان سے لوگوں نے اکر بیان کیا کہ کفار نے تمہارے (مقابلے کے) لئے (شکر کثیر) جمع کیا ہے تو ان سے ڈرو تو ان کا ایمان اور زیادہ ہو گیا اور کہنے لگے ہم کو خدا کا فی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے (آل عمران ۱۷۴)

مذکورہ اور اس سے قبل والی آیت کے مفہوم پر غور کرنے کے بعد کیسے کہا جاسکتا ہے کہ ایمان کی زیادتی مومن پر کی زیادتی کی وجہ سے ہے کیا لوگوں کے کہنے میں (کہ لوگ تمہارے مقابلے کے لئے اکٹھے ہو گئے ہیں تم ان سے ڈر جاؤ۔) (آل عمران ۱۷۴) مومن بہ زیادہ ہوا ہے اور کیا ایمانداروں کے دلوں پر سکون کے آثار نے میں مومن بہ زیادہ ہوا ہے جب کہ اللہ نے ایمانداروں کے دلوں پر اس وقت سکون نازل فرمایا جب وہ حدیبیہ سے واپس آ رہے تھے تاکہ ان کے یقین و اطمینان میں اضافہ ہو اس کی تاکید اللہ کے اس قول سے ہو رہی ہے ارشاد خداوندی ہے۔
وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَمْسُؤْا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْجَنَّةِ الَّتِي يُوَدُّونَ أَنَّ يُبْعَثُوا وَلَا يَرْجُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأُولَئِكَ يَبْعَثْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا (البقرہ)
یہ فرمایا:

وَإِذَا مَا أَنْزَلْنَا مِنْهُ فِئْتُمْ بِهِمْ يَتَوَلَّوْا أَعْيُنُهُمْ يَتُحَدَّثُونَ بِالَّذِينَ آمَنُوا وَقَدْ يَمْسُؤْا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْجَنَّةِ الَّتِي يُوَدُّونَ أَنَّ يُبْعَثُوا وَلَا يَرْجُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأُولَئِكَ يَبْعَثْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا (البقرہ)
اور جب کوئی سورت نازل ہوتی تو بعض منافق (استغفروا کہتے اور) پوچھتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے

ایماناً و ہم یستبشرون و اما الذین فی قلوبہم مرض فزادہم رجساً الیٰ رجسہم و ما توادہم کافرون۔
کس کا ایمان زیادہ کیا ہے سو جو ایمان والے ہیں ان کا تو ایمان زیادہ کیا اور وہ خوش ہوتے ہیں اور جن کے دلوں میں مرض ہے ان کے حق میں ثبوت پر ثبوت

التوبة ۱۲۴-۱۲۵) زیادہ کیا اور وہ مرے بھی تو کافر کے کافر)

اس آیت کی تفسیر میں فقیر ابو اللیث مرقندی نے حضرت ابو ہریرہ سے سند کے ساتھ ایک حدیث ذکر کی ہے کہ نو ثقیف قبیلہ کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے دریافت کیا اے اللہ کے رسول کیا ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے آپ نے نفی میں جواب دیا اور فرمایا ایمان دل میں مکمل ہے اس میں زیادتی کفر اور کمی شرک ہے اس حدیث کے بارے میں ہمارے استاد علامہ ابن کثیر سے دریافت کیا گیا آپ نے فرمایا اس کی سند میں ابو اللیث سے ابو مطیع راوی تک مجہول راوی ہیں مشہور تاریخ کی کتابوں میں ان کا کہیں ذکر نہیں ہے نیز ابو مطیع حکم بن عبد اللہ بن مسلم بنی کو احمد بن حنبل یحییٰ بن معین عمرو بن علی فلاس، بخاری، ابوداؤد نسائی ابوجاتم رازی، ابوحاتم محمد بن حبان، ہستی، عقیل، ابن عدی، دارقطنی وغیرہ نے کمزور کہا ہے نیز حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرنے والا ابو المہزم تصحیف کرنے والا ہے اس کا نام یزید بن سفیان ہے اس کو اکثر ائمہ نے کمزور کہا شعبہ بن جراح نے متروک قرار دیا نیز اس کو وضاع قرار دیتے ہوئے بیان کیا کہ اگر لوگ اس کو دو پیسے دے دینے تو وہ لوگوں کو جھوٹ مٹھو بنا کر ستر حدیثیں بیان کر دیتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں عورتوں کی ناقصات العقل والدين کہا ہے نیز آپ نے فرمایا تم میں کوئی شخص ایماندار نہیں جب تک کہ میں اس کو اس کی اولاد، والد تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں اس میں کمال کی نفی ہے مطلق ایمان کی نفی نہیں ہے۔

اس مضمون کی حدیثیں کثرت کے ساتھ مروی ہیں نیز ایمان کی شافوں والی حدیث، شفاعت کی حدیث اور یہ وضاحت کہ دوزخ سے وہ لوگ نکالے جائیں گے جن کے دل میں ادنیٰ ادنیٰ ذرہ کے برابر ایمان ہو گا، کمال کی نفی کر رہی ہیں اس وضاحت کے بعد کیسے کہا جاسکتا ہے کہ تمام آسمان والوں اور زمین والوں کا ایمان برابر ہے اور ان میں تفاضل ایمان کے علاوہ دیگر اسباب کی بنا پر ہے صحابہ کرام کے اقوال سے بھی ایمان کی کمی بیشی کا پتہ چلتا ہے چنانچہ حضرت ابو الدرداء کا قول ہے: وہ شخص فقیہ ہے جو اپنے ایمان کا خیال رکھتا ہے کہ میں اس میں کمی نہ آجائے نیز حضرت عمر اپنے رفقاء سے کہا کرتے تھے آئیے ہم ایمان میں

نہ حدیث موضوع ہے ابو المہزم کو شعبہ نے مستحکم کہا ہے بخاری، مسلم

اضافہ کریں چنانچہ وہ ذکر اذکار میں محو ہو جاتے نیز حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ دعا کرتے ہوئے فرماتے اے اللہ ایمان یقین اور نقابت میں اضافہ فرما نیز حضرت معاذ بن جبلؓ ایک آدمی سے فرماتے ہمارے ساتھ ایک ساعت مجلس کرو مایمان کی باتیں کریں اسی مضمون کا قول عبد اللہ بن رواحہؓ سے بھی مروی ہے نیز حضرت عمار بن یاسرؓ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے انہوں نے بیان کیا جس شخص میں تین چیزیں ہیں اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا، اپنے آپ سے انصاف دلایا تنگی کے وقت خرچ کیا اور اسلام علیکم کو عام کیا (بخاری، اتنا بیان کافی ہے (و باللہ التوفیق) لیکن یہ کہنا ذکر اعمال کا ایمان پر عطف مغائرت کا متقاضی ہے لہذا اعمال ایمان کے معنی میں داخل نہیں ہیں، ذرا تفصیل طلب ہے خیال کیجئے کہیں تو صرف ایمان کا لفظ متعلیٰ ہوا ہے اور کہیں اس کے ساتھ اعمال صالحہ کا ذکر ہے اور کہیں اسلام کا ذکر ہے مطلق ایمان تو اعمال کو مستلزم ہے ارشاد خداوندی ہے ۔

مومن تو وہ ہیں کہ جب خدا کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔

نیز فرمایا:

انما المؤمنون الذين آمنوا بالله و
رسوله ثم لم يرتابوا (الصحرات ۱۵)

بے شک مومن تو رہے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر
ایمان لائے پھر شک میں نہ پڑے۔

نیز فرمایا:

اگر وہ خدا پر اور پیغمبر پر اور جو کتاب ان پر نازل ہوئی
حق اس پر یقین رکھتے ہیں تو ان لوگوں کو دوست
رہناتے،

ارشاد نبوی ہے: زانی زنا کرنے وقت ایمان والا نہیں ہوتا نیز فرمایا: تم ایماندار نہیں جب تک کہ تم ایسے میں محبت زکوہ دینا نہ فرمایا: جو شخص ہمیں دھوکہ دے وہ ہم سے نہیں ہے نیز فرمایا: جس شخص نے ہم پر ہتھیار اٹھایا وہ ہم سے نہیں ہے اس شخص کا قول راہ صواب سے بعید ہے جو کہتا ہے کہ ہم سے نہیں ہے کا مطلب

لے ابن ابی شیبہ فی الامان (رقم ۱۳) جس پر سری تحقیق ہے، سند صحیح ہے لیکن موقوف مرفوع اور ست نہیں ہوزر وغیرہ
نے کہا کہ ہے بخاری میں معقوف موقوف ہے فتح اباری (۹۰/۱)، طبع مصطفیٰ جلی نیز حافظ نے کہا اس قسم کی باتیں اپنی
جانب سے نہیں کہی جاسکتیں لہذا مرفوع کے حکم میں ہے نیز تعلیق الکلم الطیب طبع المکتب الاسلامی رقم ۱۴۲
دیکھیں ۳۰ بخاری، مسلم ۳۰ مسلم ۳۰ مسلم ۳۰ مسلم ۳۰

یہ ہے کہ وہ ہمارے جیسا نہیں ہے کاش مجھے کوئی شخص بتائے کہ جو دھوکہ باز نہیں وہ کیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام جیسا ہے۔

جب ایمان پر عمل صالح کا عطف ہے تو اس وقت عطف مغائرت کا تقاضا کرتا ہے لیکن ان دونوں پر جو حکم لگایا جا رہا ہے اس میں دونوں مشترک ہیں۔

خیال رہے کہ مغائرت کے کچھ مراتب ہیں اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے متباہی ہو جائیں
سے کوئی بھی نہ دوسرے کا عین ہو نہ جز ہو اور نہ ہی ان میں تلازم ہو جیسے ارشاد خداوندی ہے۔
خلق السموات والارض وجعل الظلمات والنور (الانعام ۱)
اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اندھیروں اور روشنی کو پیدا کیا۔

نیز فرمایا:

وانزل التوراة والانجيل (ان عمران ۳)
اس نے تورات اور انجیل کو نازل کیا ہے
اس کا استعمال کثرت سے ہے اس کے قریب یہ صورت ہے کہ ان میں تلازم ہو جیسے ارشاد خداوندی ہے:
ولا تبسوا الحق بالباطل وتکتُموا الحق
اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور سچی بات کو
واستم تعلمون (البقرة ۴۲)
جان بوجھ کر نہ چھپاؤ۔

نیز فرمایا:

واطيعوا الله واطيعوا الرسول (المائدة ۹۲)
اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو
اس کے بعد یہ صورت ہے کہ بعض کا کل پر عطف ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے۔
حافظوا على الصلوات والصلوة الوسطى
(مسلمانوں) سب نمازیں خصوصاً بیچ کی نماز (یعنی
نماز عصر) پورے التزام کے ساتھ ادا کرتے رہو
(البقرة ۲۳۸)

نیز فرمایا:

من كان عدوا لله وملائكته ورسله
وجبريل وميكال فان الله عدو للكافرين
جو شخص خدا کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس
کے پیغمبروں کا اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہو
تو خدا ان کافروں کا دشمن ہے۔
(البقرة ۹۸)

نیز فرمایا:

واذاخذنا من النبيين ميثاقهم ومنك
(الاحزاب ۷)
اور جب ہم نے پیغمبروں سے عہد لیا اور تم سے اللہ
نوح سے اور ابراہیم اور موسیٰ سے

اس جیسی صورت میں دو توجہ ہیں ایک یہ کہ معطوف اولیٰ میں داخل ہے تو اس کا دو دفعہ ذکر ہو گیا دوسری یہ کہ وہ اس جگہ اولیٰ میں داخل نہیں اگرچہ انفراداً داخل ہے اس کی مثال میں فقراء اور مسکین کا ذکر کیا جاتا ہے کہ ان دونوں کا مفہوم انفراداً ایک ہے اور افتراءً مختلف ہے۔

ایک صورت یہ بھی ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ میں صفات کے لحاظ سے اختلاف ہے ارشاد خداوندی ہے غافر الذنب وقابل التوب (غافر ۳۲) گناہ معاف کرنے والا توبہ قبول کرنے والا ہے، اشعار میں عطف کی یہ صورت بھی ہے کہ الفاظ مختلف ہیں، معنی ایک ہے شاعر کہتا ہے۔
فالفی قولہا کذباً و حیثاً
اس نے اس کے قول کو جھوٹا پایا۔
اس شعر میں کذب اور حیثہم معنی ہیں۔

قرآن پاک میں بھی یہ استعمال موجود ہے ارشاد خداوندی ہے۔

لکل جعلنا منکم شرعاً وھدیاناً (المائدہ ۴۸) تم میں سے ہر ایک کے لئے شریعت اور دین بنایا، جب کلام میں عطف کی یہ سب صورتیں مستعمل ہیں تو ہم شارح کلام دیکھیں گے کہ اس میں لفظ ایمان کس طرح استعمال ہوا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ جب وہ مطلقاً استعمال ہو تو اس سے مراد وہی معنی لیا جاتا ہے جو لفظ میں تقویٰ دین سے لیا جاتا ہے چنانچہ اسباب النزول کے ضمن میں مذکور ہے کہ جب لوگوں ایمان کے بارے میں دریافت کیا تو اللہ نے ذیل کی آیت نازل فرمائی ارشاد خداوندی ہے۔

لیس البران تولوا وجوھکم قبل المشرق
والمغرب - (البقرہ ۱۴۴)
نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے بھروں کو مشرق اور مغرب کی طرف کرو،

محمد بن نصر سند کے ساتھ قاسم سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص ابو ذر کے پاس آیا اس نے اس سے ایمان کے بارے میں دریافت کیا انہوں نے یہ آیت تلاوت فرمائی اس شخص نے کہا میں نے آپ سے اس کے متعلق سوال نہیں کیا اس نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے آپ سے وہی سوال کیا جو آپ نے مجھ سے کیا ہے آپ نے اس پر یہی آیت تلاوت فرمائی جو میں نے آپ پر تلاوت کی ہے اس نے بھی آپ سے وہی بات کہی جو آپ نے مجھ سے کہی ہے تو جب وہ مطمئن نہ ہوا آپ نے فرمایا مومن وہ شخص ہے کہ جب وہ نیک عمل کرتا ہے تو اس کو خوشی حاصل ہوتی ہے اور وہ ثواب کی امید رکھتا ہے اور جب برائی کرتا ہے تو اس کو غم لاحق ہوتا ہے اور عذاب سے خائف رہتا ہے

لے اس سیاق اور سند کے ساتھ ضعیف ہے علت انقطاع ہے البتہ ابو امامہ سے مروی حدیث صحیح ہے جس میں منکر

اسلاف نے بھی اسی طرح کا جواب دیا ہے چنانچہ ایک صحیح حدیث میں آپ نے وفد عبدالقیس سے کہا کہ میں تمہیں ایک اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہوں تم جانتے ہو ایک اللہ پر ایمان لانا کیا ہے؟ اس بات کی گواہی کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں نیز نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور غنائم سے پانچواں حصہ ادا کرنا

یہ بات تو معلوم ہی ہے کہ ان اعمال کو بدول ایمان قلب کے ایمان قرار نہیں دیا جاسکتا جب کہ تشریحات میں بتایا گیا ہے کہ ایمان بالقلب ضروری ہے تب ان کا ایمان معتبر ہے اور کیا اس سے بڑھ کر کوئی اور دلیل پیش کی جاسکتی ہے جس سے معلوم ہو کہ اعمال ایمان کے سہمی میں داخل ہیں ظاہر ہے کہ اس میں ایمان کی تفسیر اعمال کے ساتھ ہو رہی ہے۔ پھر تصدیق کا یہاں ذکر ہی نہیں ہے، ظاہر ہے کہ اعمال کی افادیت تصدیق کی صورت میں تو تصور ہے انکار کی صورت میں بالکل نہیں ہے سند میں حضرت انس سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام ظاہر باہر چیز ہے جب کہ ایمان کا متعلق دل ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اسلام اور ایمان میں مغایرت ہے اس کی تائید حدیث جبریل سے بھی ہو رہی ہے جس میں اسلام اور ایمان کے بارے میں استفسار کیا گیا ہے نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں حضرت جبریل کے بارے میں فرمایا یہ جبریل تمہارے پاس آیاتاً کہ تمہیں دین کی تعلیم دے گا اس حدیث میں دین اسلام ایمان احسان کو کہتے ہیں دراصل یہ تین مراتب ہیں مسلم، مومن، محسن مقصود یہ ہے کہ مومن میں مسلم داخل ہے اور محسن میں مسلم مومن میں دونوں ملحوظ ہیں وہ احسان صحیح نہیں جو ایمان سے خالی ہے ان کو سمجھنے کے لئے قرآن پاک کی ذیل کی آیت پر غور کریں ارشاد خداوندی ہے۔

ثُمَّ اَدْرٰتْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ اَصْطَفٰیْنَا
بھرم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث ٹھہرایا جن

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک انسان نے دریافت کیا اے اللہ کے رسول ایمان کیا ہے آپ نے فرمایا جب تجھے نیک کام کرنے سے خوشی حاصل ہو اور برائی بری معلوم ہو تو ایماندار ہے اس نے دریافت کیا اے اللہ کے رسول کنگ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا جب تیرے دل میں کسی کام سے کھٹکا ہو تو اس کام کو ترک کر دے حاکم (۱/۴۱) یشیعین کی شرط پر صحیح ہے ذہبی نے بھی موافقت کی ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ مومن مسلم کی شرط پر ہے اس لئے کہ مطہر راوی سے بخاری روایت نہیں کیا احادیث صحیحہ ۵۵۰ ہجری بخاری، مسلم ابن عباس سے سند ضعیف ہے علی بن مسعود کے بارے میں عقیل نے ضعف میں بیان کیا کہ بخاری نے کہا اس میں نظر ہے عبدالمحییٰ زہدی نے الاحکام الکبریٰ (ق ۲/۳) میں کہا حدیث غیر محفوظ ہے مگر مسلم ابن عمر بخاری ابی ہریرہ

من عبادنا فمنهم ظالم لنفسه ومنهم مقتصد ومنهم سابق بلقاء الخيرات بماذن الله سے اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں اور کچھ میاں روی ہیں اور کچھ خدا کے حکم سے نیکوں میں برتر ہو گئے نکل جانے والے ہیں۔ (فاطر ۳۳)

پس مقتصد اور سابق بلا عقوبت جنت میں داخل ہوں گے لیکن ظالم عقوبت کے بعد جنت میں داخل ہوگا اسی طرح تقدیق بالقلب کے ساتھ جس نے ظاہری اسلام اختیار کیا ایمان باطن کے تقاضوں کو پورا نہ کیا وہ مزا کا حقدار ہوگا احسان اپنے لحاظ سے عام اور محنین کے لحاظ سے خاص ہے اسی طرح ایمان اپنے لحاظ سے عام اور مومنین کے لحاظ سے اسلام سے خاص ہے پس احسان میں ایمان داخل ہے اور ایمان میں اسلام داخل ہے محنین مومنین سے خاص ہیں اور مومنین مسلمین سے خاص ہیں عمویت خصوصیت کے لحاظ سے کی مثال رسالت اور نبوت سے دی جا سکتی ہے پس نبوت رسالت میں داخل ہے اور رسالت اپنے لحاظ سے عام اور مسلمین کے لحاظ سے خاص ہے پس ہر رسول نبی ہے لیکن اس کا عکس ثابت نہیں۔

اسلام کیا ہے؟ اسلام کی وضاحت میں تین اقوال پیش کئے جاتے ہیں ایک گروہ نے کہا اسلام کلمہ کو کہتے ہیں دوسرے گروہ نے اسلام کو اعمال ظاہرہ اور ایمان کو ایمان باصول الخمر قرار دیا جبکہ کتب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا گیا تو آپ نے یہی جواب دیا تھا تیسرے گروہ نے اسلام کو ایمان کے مراد قرار دیا اور ارشاد نبوی: (اسلام اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور نماز قائم کرنا، دہائی حدیث کو شعائر اسلام سے تعبیر کیا لیکن اصل یہ ہے کہ اس کا تقبیل نہیں ہے حالانکہ انہوں نے بیان کیا کہ ایمان تصدیق بالقلب کا نام ہے پھر ان کی جانب سے یہ قول بھی منقول ہے کہ اسلام اور ایمان ایک ہی چیز کا نام ہے گویا کہ اسلام تصدیق ہے حالانکہ یہ بات کسی صاحب لغت سے منقول نہیں ان سے تو یہ منقول ہے کہ اسلام انقیاد اور اطاعت کو کہتے ہیں ارشاد نبوی ہے: اے اللہ! میں تیرے لئے فرمانبردار ہو گیا اور تجھ پر ایمان لایا نیز اسلام کی وضاحت اعمال ظاہرہ سے منقول ہے اور ایمان سے مراد اصول خستہ پر ایمان لانا ہے پس جب ہم ایک جموں میں اسلام اور ایمان کو جمع کریں تو ہم ان سے مراد وہی معنی لے سکتے ہیں جو معنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لیا ہے اور جب لفظ ایمان انفراداً مذکور ہو تو وہ اسلام کو بھی شامل ہوتا ہے اور جب لفظ اسلام انفراداً مذکور ہو تو کبھی اسلام کے ساتھ ساتھ وہاں ایمان بھی ہوتا ہے۔ اور کیا اسلام ایمان کو مستلزم ہے اس میں اختلاف ہے قرآن پاک میں اللہ نے جنت کا وعدہ اور دوزخ سے نجات کا وعدہ ایمان پر موقوف کیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

سُن رکھو کہ جو خدا کے دوست ہیں ان کو نہ کچھ خون ہوگا
اور نہ وہ ٹٹناک ہوں گے ریعن، وہ جو ایمان لائے اور
پرہیزگار رہے۔

إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَهُمْ يُعْزِزُونَ الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا
يَتَّقُونَ (یونس ۶۲-۶۳)

نیز فرمایا:

سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ مُّعْضَاةٍ
كَعُضْبِ السَّمَاءِ وَالَّذِينَ آمَنُوا
بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ

(الحديد ۲۱)

(مندوا) اپنے پروردگار کی بخشش کی طرف اور جنت
کی جس کا عرض آسمان و زمین کے عرض کا سا ہے اور
جو ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو خدا پر اور اس
کے پیغمبروں پر ایمان لائے ہیں۔

لیکن قرآن پاک میں صرف اسلام پر جنت کے دخول کو موقوف قرار نہیں دیا ہے اس کی فرضیت کا ذکر ہے
نیز دین اسلام وہ دین ہے کہ اس کے علاوہ کسی سے بھی دوسرا کوئی دین قبول نہیں ہوگا تمام انبیاء کو دین اسلام
دے کر مبعوث کیا گیا ارشاد خداوندی ہے۔ (ال عمران ۸۵)

وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ (ال عمران ۸۵)
اور جو لایا دین اسلام کے سوا پس وہ قبول نہ کیا جائیگا
خلاصہ یہ ہے کہ اسلام ایمان کے ساتھ مل کر استعمال ہو تو اس کا وہ معنی نہیں جب دونوں الگ الگ استعمال ہوں
تو اسلام کا مقام ایمان کے ساتھ وہی ہے جو شہادتین کی دونوں جزوں کا ایک دوسرے کے ساتھ ہے ظاہر ہے
کہ رسالت کی گواہی اور توحید کی گواہی، بلحاظ اعلان ایک نہیں ہیں اگرچہ معنوی لحاظ سے ہر ایک کا دوسری کے ساتھ
رابطہ ہے اور وہ متحد ہیں یہی حال اسلام اور ایمان کا ہے جس شخص میں اسلام نہیں اس میں ایمان نہیں اور جس میں
ایمان نہیں اس میں اسلام نہیں اس لئے کہ مومن میں اسلام کا تحقق ہونا ضروری ہے تاکہ اس کے تحقق سے ایمان متحقق
ہو اور مسلمان میں ایمان ہونا ضروری ہے تاکہ اس کے تحقق سے ایمان متحقق ہو اور مسلمان میں ایمان ہونا ضروری
ہے تاکہ اس کا اسلام صحیح ہو اس کی اشد کلام الہی، کلام رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور لوگوں کے کلام میں کثرت کے
ساتھ موجود ہیں یعنی دونوں الگ الگ استعمل ہوتے ہیں تو معنی اور ہے اور جب ایک جگہ استعمال ہوتے ہیں
تو معنی اور ہے اسی طرح لفظ کفر نہ صرف حال ہے جب لفظ کفر الگ آخرت کی وعید میں استعمال ہوتا ہے
تو اس میں منافق بھی داخل ہوتے ہیں ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَن يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ
وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ
اور جو شخص ایمان کا منکر ہو اس کے عمل مٹ جائے ہو
گئے اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں سے
ہوگا۔ (المائدہ ۵)

اس مضمون کی آیات کثرت کے ساتھ پائی جاتی ہیں اور جب دونوں مل کر آتے ہیں تو کافر سے مراد وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے کفر کا اظہار کرتے ہیں اور منافق سے مراد وہ لوگ ہوتے ہیں جو زبان کے لحاظ سے مومن ہوتے ہیں لیکن ان کے دل مومن نہیں ہوتے بالکل اسی طرح بر، تقویٰ اور اثم، عدوان اور توبہ، استغفار اور غیر میں وغیرہ الفاظ کے استعمالات ہیں۔

اسلام اور ایمان میں فرق پر ذیل کی آیت دلالت کر رہی ہے ارشاد خداوندی ہے:

قَالَ لَا عَرَابَ الْمَانِقِلَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَكُونَ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُنَافِقِينَ (الحجرات ۱۴)
 دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے مگر دو کہ تم ایمان نہیں لائے (بلکہ یوں، کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں)

اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ لفظ اسلام کا معنی ہے ہم نے اپنے ظاہر کو مطیع بنا دیا تو یہ حقیقت میں منافق ہوئے اس آیت کی تفسیر میں بعض مفسرین نے یہی راہ اختیار کیا ہے اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ وہ دراصل کامل مومن نہیں ہیں یہ معنی درست نہیں کہ وہ منافق ہیں اس کو ترجیح حاصل ہے پس ان سے بالکل اس طرح ایمان کی نفی کی گئی ہے جس طرح قاتل، زانی، چور، خائن سے ایمان کی نفی کی جاتی ہے نیز آیت کے سیاق سابق سے بھی اس معنی کی تائید ہو رہی ہے اس لئے کہ سورہ کے آغاز سے لے کر اس مقام تک معاصی سے منع کرنے اور بعض نافرمانوں کا ذکر ہے لیکن منافقین کا ذکر نہیں ہے بعد ازاں ارشاد خداوندی ہے۔

وَأَن تَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا (الحجرات ۱۴)
 اور اگر تم خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کر دو گے تو خدا تمہارے اعمال میں سے کچھ کم نہ کرے گا۔

اگر اس سے مراد منافقین ہوتے تو انہیں اطاعت کچھ فائدہ نہ دیتی بعد ازاں ارشاد خداوندی ہے۔

أَمَّا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ مَوْنٌ تَوَدُّهُمْ فِي جَوْشَدِ اس کے رسول پر ایمان لے لے پھر شک میں نہ پڑے (الحجرات ۱۵)

مقصود یہ ہے کہ کامل مومن یہ لوگ ہیں تم نہیں ہو تم سے تو کامل ایمان کی نفی ہے اس کی تائید اس امر سے ہو رہی ہے کہ انہیں حکم ملا تھا کہ وہ اسلام کا اظہار کریں جب کہ منافق کو یہ بات نہیں کہی جاتی اگر وہ منافق ہوتے تو ان سے اسلام کی نفی کی جاتی جیسا کہ ان سے ایمان کی نفی کی جاتی انہیں تو روک دیا ہے کہ وہ اپنے اسلام کا سنا نہ بتائیں تو ان کے لئے اسلام کو ثابت کر دیا لیکن روک دیا کہ وہ اپنے احسان کا اپنے رسول پر احسان نہ کریں اگر ان کا اسلام درست نہ ہوتا تو کہہ دیا جاتا کہ تم مسلمان نہیں ہو تم جھوٹے ہو جیسا کہ ان کو ان کے اس قول میں جھوٹا کہا ارشاد خداوندی ہے۔

نَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ (المناحقون)
 ہم گواہی دیتے ہیں کہ تم اللہ کے رسول ہو۔

اس وضاحت کے بعد تراویح کے دعویٰ کی نفی ہو رہی ہے اور ان لوگوں کو معیوب گردانے کی بھی نفی ہوتی ہے جو اس بات کو لازم قرار دینے کے اگر اسلام امور ظاہرہ سے عبارت ہوتا تو اس کا تقابل ایمان نہ ہوتا اور نہ ہی مخلص کا ایمان قبول ہوتا لیکن یہ تمام بات ظاہری طور پر ناسد ہے اس لئے کہ ایمان اسلام دونوں کا ہم مثل اور مشابہ ہونے کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے نیز ان کو شہادتین کے مثل بھی ثابت کیا جا چکا ہے البتہ مل کر استعمال ہونے کی حالت الگ الگ استعمال ہونے کی حالت کے خلاف ہے کلمہ شہادت ملاحظہ فرمائیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے بڑائی کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کریں پس اگر لوگ لا الہ الا اللہ کا اقرار کریں لیکن رسالت کا انکار کریں تو وہ مصوم اللہ نہیں ہیں بلکہ ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ لا الہ الا اللہ کے اقرار کے ساتھ ساتھ اس کے حقوق کا بھی خیال رکھیں اس کے لئے رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح جو شخص محمد کو رسالت تسلیم کرنے کی گواہی دیتا ہے اس کی گواہی صحیح معنی میں اس دنت معتبر ہے جب وہ ان تمام امور کی تصدیق کرے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہیں اس لحاظ سے توحید کو بھی متضمن ہے پس کلمہ کے پہلے جن سے توحید کا اثبات اور دوسرے جن سے رسالت کا اثبات ہے۔

اسی طرح اسلام، ایمان جب متعلق استعمال ہوں جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

ان المسلمین والمسلمات والمؤمنین
والمؤمنات (الاحزاب ۳۵)
اور ایماندار عورتیں
بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایماندار مرد

نیز ارشاد نبوی: اے اللہ! میں تیرے لئے اسلام لایا اور تجھ پر ایمان لایا تو دونوں کے مہموم الگ الگ ہوں گے جیسا کہ آپ نے فرمایا اسلام ظاہری اقرار کا نام ہے جب کہ ایمان تعصیق قلب کا نام ہے لیکن جب الگ الگ استعمال ہوں تو ہر لفظ دوسرے لفظ کے معنی اور حکم پر مشتمل ہوگا جیسا کہ لفظ فقیر، مسکین اور ان کے ہم مثل الفاظ ہیں ظاہر ہے کہ لفظ فقیر اور مسکین جب متعلق ہو کر آئیں گے تو ان کے معانی الگ الگ ہوں گے اور جب متعلق نہیں ہوں گے تو ان کے معانی مترادف ہوں گے پس کیا قرآن پاک کی اس آیت میں

فاطعام عشرۃ مساکین (المائدہ ۸۹) پس دس مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔

مسکین سے مراد کم مال والا لیا جائے گا جس کے پاس مال بالکل نہیں ہے وہ نہیں لیا جائے گا یا اس کے برعکس معنی ہوگا اس وضاحت کی روشنی میں اس آیت:۔

لے بخاری، مسلم حدیث متواتر ہے (احادیث صحیحہ ۴۰۶) بخاری، مسلم حدیث ضعیف ہے پہلے بھی گزر چکی ہے۔

وَانْ تَخْفَوْهَا وَتَوَّاهَا ۚ الْفُقَرَاءُ فَرَّوْا
 خبیر لکھ (البقرہ ۲۶۱) تر ہے۔

پس اگرچہ دونوں میں معارضہ نہیں ہے تاہم بعض اوقات ان میں نظاہر دو مختلف معنوں کی جھلک دکھائی دیتی ہے ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ (الانزہ ۲) اس میں دونوں کو الگ الگ مفہوم دیا گیا ہے۔
 نیز ایک صحابی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں سوال اٹھایا کہ آپ فلاں آدمی کو کیوں مال نہیں دے رہے ہوجب کہ میں اس کو مؤمن سمجھتا ہوں آپ نے جواب میں فرمایا کیا وہ مسلمان ہے؟ آپ نے تین بار دہرا کر فرمایا یعنی اس پر ایمان کے لفظ کے اطلاق میں آپ توقف اختیار کر رہے ہیں ہاں اسلام کے اطلاق کی صورت میں وہ استحقاق رکھتا ہے پس ان کے کتاب و سنت استعمالات معلوم کر کے ہی کچھ فیصلہ کیا جاسکتا ہے اور تطبیق کی راہ نکالی جاسکتی ہے۔ اس آیت:

فَاٰخِرُ مَنِ امْنًا فَاٰخِرُ مَنِ امْنًا ۚ فَاٰخِرُ مَنِ امْنًا ۚ فَاٰخِرُ مَنِ امْنًا ۚ فَاٰخِرُ مَنِ امْنًا ۚ
 وجدنا فیہا غیر بیت من المسلمین (الذاریات ۲۵-۳۰) ایک گھر کے سوا مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا۔
 سے ان کے تراویح پر استدلال کرنا درست نہیں اس لئے کہ جس خاندان کو نکالا گیا تھا وہ اسلام، ایمان دونوں اوصاف کے ساتھ متصف تھے اس سے تراویح لازم نہیں آتا امام ابوحنیفہ کے نزدیک چونکہ ایمان محض تصدیق کا نام ہے اس لئے ان کی جانب سے کم ان کے تلامذہ کی جانب سے کثرت کے ساتھ ایمان کی بحث میں دیگر ائمہ محدثین کے مسلک کے خلاف کچھ معارضات پیش کئے جاتے ہیں اگرچہ ان کا ثابت کرنا مشکل ہے امام ابوحنیفہ ان معارضات کو پسندیدہ نہیں جانتے تھے چنانچہ امام طحاوی نے امام ابوحنیفہ کی امام حماد بن زید کے ساتھ ایک حکایت نقل کی ہے کہ جب حماد بن زید نے امام ابوحنیفہ کے سامنے یہ حدیث پیش کی کہ کون اسلام افضل ہے تو اس کے جواب میں نہ صرف ایمان کا لفظ استعمال ہوا ہے بلکہ ہجرت، جہاد کو بھی ایمان میں شامل کر دیا گیا ہے: تو وہ خاموش ہو گئے اس پر امام ابوحنیفہ کے تلامذہ کہنے لگے اب آپ جواب کیوں نہیں دیتے ہیں آپ نے فرمایا میں کیا جواب دوں وہ میرے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پیش کر رہے ہیں۔

اس اختلاف نے بے شمار مسائل کو جنم دیا اسی سے
 کسی شخص کا ایمان مومن ان شاء اللہ کہن ہے اس میں

لے بخاری، مسلم

تین اقوال ہیں پہلا قول یہ ہے کہ مومن کے لئے یہ جملہ کہنا ضروری ہے جو لوگ اس کے قائل ہیں ان کے ہاں اس کے دو ماخذ ہیں پہلا ماخذ یہ ہے کہ ایمان کا اعتبار تب ہوگا جب کوئی شخص ایمان پر فوت ہو اس کی پہلی زندگی کا کچھ اعتبار نہیں اس کے ساتھ ساتھ تقدیر الہی میں تو کچھ تحریر ہو چکا ہے اسی کا اعتبار ہے اگر ایک شخص مومن کی زندگی میں ایمان نہ تھا لیکن فوت ہونے کے وقت کافر ہے تو اس کا سابقہ ایمان معتبر نہیں ہوگا جس طرح اس نماز کا کچھ فائدہ نہیں جس کو مکمل کرنے سے پہلے فاسد بنا دیا ہے اور اس روز کا کچھ اعتبار نہیں جس کو غروب شمس سے پہلے افطار کر دیا کلابیہ وغیرہ فرقوں کا یہی ماخذ ہے ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اللہ جس شخص کو محبوب رکھتا ہے اس کا خاتمہ ایمان پر ہی ہوتا ہے اگرچہ زندگی بھر اس سے کفر مرزد ہوتا رہا کیا یہ حقیقت نہیں کہ صحابہ کرام قبل از اسلام بھی محبوب تھے اگرچہ اس وقت وہ کفر پر تھے اور ابلیس اور مرتدین اس وقت بھی عند اللہ بیغرض تھے جب کہ ابھی ان سے کفر مرزد نہیں ہوا تھا لیکن یہ سلف کا قول نہیں اور زمان لوگوں کا قول ہے جو اناسوس ان شاء اللہ کے جواز کے قائل ہیں بلکہ یہ قول تو فاسد ہے ارشاد خداوندی ملاحظہ فرمائیں۔

قل ان کنتم تعجبون اللہ فأتبعوا بعباد اللہ کہہ دو اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو میری تابعداری کرو خدا تم سے محبت کرے گا۔ (ال عمران ۳۱)

اس آیت میں بتا دیا ہے کہ اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کریں گے تو یہی محبت کی شرط ہے ظاہر ہے کہ مشروط شرط سے مشاخر ہوتا ہے اس کے علاوہ بھی دلائل ہیں ایک گروہ نے غلو اختیار کرتے ہوئے کہہ دیا کہ اعمال صالحہ میں بھی ان شاء اللہ کہا جائے مثلاً میں نے ان شاء اللہ نماز ادا کی ہے بعض نے ایک قدم اور آگے رکھتے ہوئے کہا کہ ہر کام میں ان شاء اللہ کہا جائے مثلاً ان شاء اللہ یہ کپڑا ہے ان شاء اللہ یہ رسی ہے جب ہم نے ان سے کہا کہ ان چیزوں میں تو کچھ شک نہیں تو ان شاء اللہ کہنا بے سود ہے تو انہوں نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ آپ کی بات صحیح ہے لیکن جب اللہ چاہتا ہے تبدیل کر دیتا ہے اس لئے معلق ہمیشہ اللہ کہا جائے ان کا دوسرا ماخذ یہ ہے کہ ایمان مطلق ان تمام افعال کے کرنے کو متضمن ہے جن کے کرنے کا خدا نے حکم دیا ہے اور ان تمام چیزوں کے چھوڑنے کو متضمن ہے جن سے منع کیا گیا ہے اس طرح اس کا شمار نیکو کار پر ہیزگاروں سے ہوگا جو ان تمام کاموں کو سرانجام دینے والے ہیں جن کا حکم دیئے گئے اور ان تمام کاموں کو چھوڑنے والے ہیں جن سے روکے گئے بلکہ اولیاء اللہ مقرر ہیں یہ ہوگا اس کے ساتھ ساتھ انسان اپنے نفس کا تزکیہ کر رہا ہے اور اگر یہ گواہی درست ہے تو ضروری ہے کہ اپنے آپ کے لئے بھی جنت کی گواہی دے جب اس حال پر فوت ہو جائے عام اسلاف کے ہاں یہی دلیل ہے جو ان شاء اللہ کے جواز کے قائل ہیں اگرچہ ایک دوسرے نکتہ کے پیش نظر ان شاء اللہ نہ کہنے کے جواز کے قائل بھی ہیں آئندہ اوراق میں اس کا ذکر

کیا جائے گا ان شاء اللہ جن چیزوں میں کچھ شک و شبہ نہیں ان میں ان شاء اللہ کے جائز ہونے پر امتثال ذیل کی آیت سے کر رہے ہیں ارشاد خداوندی ہے۔

لَتَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ
اٰمِنِيْنَ (الفتح ۲۷) ہو کر داخل ہو گئے،

نیز جب آپ قبور پر کھڑے تھے تو آپ نے فرمایا: بے شک اگر اللہ نے چاہا تو ہم تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں نیز آپ نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ میں تم سب سے زیادہ خوف خدا رکھنے والا ہوں۔

ایک گروہ انا مومن ان شاء اللہ کو حرام گردانتا ہے ان کے ہاں انا مومن بالکل اسی طرح درست ہے جس طرح انا مسلم درست ہے لیکن ان شاء اللہ کے جملہ کا اضافہ کرنا درست نہیں اس سے شک جنم لیتا ہے وہاں آیت لَتَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تم مسجد حرام میں اگر اللہ نے چاہا امن کے ساتھ داخل ہو گئے۔

اٰمِنِيْنَ (الفتح ۲۷) کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کا تعلق امن اور خوف سے ہے حرام میں داخلہ کے بارے میں تو کچھ شک نہیں لہذا اس کا اس سے کچھ تعلق نہیں یا دوسرا معنی یہ ہے کہ تم تمام یا تم میں سے کچھ لوگ داخل ہوں گے ظاہر ہے کہ بعض لوگ پہلے فوت ہو گئے تھے لیکن یہ دونوں جواب درست نہیں ہیں اس لئے کہ جس اعزاز سے بجاؤ اختیار کیا تھا وہی اعزاز ہی بھروسہ کر آیا ہے اس لئے کہ اللہ نے بتایا ہے کہ وہ امن کے ساتھ داخل ہوں گے اس میں کچھ شبہ نہیں اسی طرح تمام یا بعض کے داخل ہونے میں بھی کچھ شک نہیں اللہ کے علم میں ہے کہ کون داخل ہوں گے اس میں ان شاء اللہ کا استعمال ان کے داخلہ کو متحقق کرنے کے لئے ہے جیسا کہ ایک شخص جب کسی کام کے کئے کا عزم کر لیتا ہے کہ وہ اس کو ضرور سرانجام دے گا تو وہ کہتا ہے کہ میں ان شاء اللہ فلاں کام ضرور کروں گا وہ ان شاء اللہ اس لئے نہیں کہتا کہ اس کو اپنے ارادہ اور عزم میں کچھ شک ہے البتہ اس طرح کی قسم اٹھانے والا حاشا نہیں ہوگا جب کہ اس کو اپنے مقصود کے حصول پر یقین نہیں ہے اس کا ایک اور انداز سے بھی جواب دیا گیا ہے کہ اس میں میں تعلیم دی گئی ہے کہ جب ہم مستقبل کے بارے میں خبر دیں تو کس طرح ان شاء اللہ کہیں لیکن نص قرآن سے یہ معنی مراد لینا درست نہیں اس لئے کہ اس کلام سے یہ بات اشارۃ النص سے ثابت ہو رہی ہے علامہ زحشری نے اس کے دو ایسے جواب دیئے ہیں جو کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہیں ایک جواب میں کہا ہے کہ وہ فرشتے کا قول ہے دوسرے جواب

لے مسلم، احکام ابن کثیر ص ۸۹، لے مسلم، بخاری

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول قرار دیا ہے تو اس صورت میں غیر اللہ کے کلام کو اللہ کا کلام کہنا ہوگا اس سے ہمیں خطرہ ہے کہ کہیں ان لوگوں کی وعید میں ہم بھی نہ آجائیں جنہوں نے کلام پاک کے بارے میں کہا: ان هذا الا قول ابشريه تو انسان کا کلام ہے۔ نزال اللہ العافیۃ

جو لوگ اناموسن ان شاء اللہ کو جائز سمجھتے ہیں ان کے دلائل زیادہ جاذب ہیں اصولی طور پر بھی راہ اعتدال بہتر راہ ہے ہاں اگر ان شاء اللہ کہنے والا ایمان میں شک رکھتا ہے تو اس کو ان شاء اللہ کہنے سے روک دیا جائے اس میں کچھ اختلاف نہیں لیکن اگر خود کو ان ایمانداروں کے زمرہ میں شامل کرتا ہے جن کے اوصاف کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمایا ارشاد خداوندی ہے:

انما المؤمنون الذين اذا ذكر الله وجلت قلوبهم واذا تأتيت عليهم اياتة زادتهم ايماناً وعلى ربهم يتوكلون الذين يقيمون الصلوة و مما رزقنا هم ينفقون اولئك هم المؤمنون حقا لهم درجات عند ربهم و مغفرة و رزق كريم -

مومن تو وہ ہیں کہ جب خدا کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں (اور) وہ جو نماز پڑھتے ہیں اور جو مال ہم نے انکو دیا ہے اس میں سے (نیک کاموں میں) خرچ کرتے ہیں یہی سچے مومن ہیں اور ان کے لئے پروردگار کے ہاں (بڑے بڑے) درجے اور بخشش اور عزت کی روزی ہے)

(الانفال ۲-۴)

نیز فرمایا:

انما المؤمنون الذين امنوا بالله و رسوله و جاهدوا با ما لهم و انفسهم في سبيل الله اولئك هم الصادقون (الحجرات ۱۵)

تو اس صورت میں ان شاء اللہ جائز اور درست ہے اسی طرح جس شخص کا مقصود ان شاء اللہ کہنے سے انجام کے بارے میں لاعلمی کا اظہار ہے یا اللہ کی مشیت کے ساتھ معلق کر رہا ہے شک و شبہ کا شائبہ تک نہیں تو اس کا ایمان درست ہے۔

علامہ طحاوی کا ارشاد: جو وضاحتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہیں وہ تمام

برہم حق ہیں دراصل علامہ طحاوی اس وضاحت سے حمید معطلہ، معتزلہ، رافضہ کا رد کرنا چاہتے ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ احادیث کی دو مشہور قسمیں ہیں جن کو متواتر اور احاد کا نام دیا جاتا ہے پس متواتر ان کے ہاں اگرچہ سند کے لحاظ سے قطعی ہے لیکن قطعی الدلائل نہیں ہے ان کے ہاں اولہ لفظ یقین کا فائدہ نہیں دیتے اس لئے وہ قرآن پاک میں بیان کردہ صفات الہیہ پر تنقید کرتے ہیں نیز وہ اس بات کے قائل ہیں احاد حدیثیں بھی یقین کا فائدہ نہیں دیتیں نہ ہی ان سے استدلال کیا جاسکتا ہے اس قسم کی باتیں کر کے انہوں نے دلوں کو معرفت الہیہ سے دور رکھنے کی کوشش کی ہے خصوصاً جن اسماء صفات، افعال خداوندی سے ہیں احادیث کے ذریعہ سے راہ نمائی حاصل ہوتی ہے اس طرح انہوں نے لوگوں کو توہمات، تخیلات کی دلدل کے سپرد کر دیا ہے جن کو وہ دھوکہ دہی سے یقین اور قطعی دلائل کے نام سے پکارتے ہیں ان کی حقیقت قرآن پاک کی زبان سے میں ارشاد خداوندی ہے۔

کسراب بقیعة یحصبہ ۱ الظمان ماء ۲
حتیٰ اذا جاءہ لم یجده شیئاً وجد اللہ
عندہ خوفہ حسابہ واللہ سریع الحساب
او کظلمات فی بحر لجلج یخشاہ موج من فوق
موج من فوق سماب ظلمات بعضا
فوق بعض اذا ۱ اخرج یدہ لم یکدیر لہ
ومن لم یجعل اللہ لہ نوراً فمالہ من
نورہ

(النور ۳۹)

جیسے میدان میں ریت کہ پیاسا اسے پانی کچھے ہاں
تک کہ جب اس کے پاس آئے تو اسے کچھ بھی نہ
پائے اور خدا کی اوپتے پاس دیکھے تو وہ اسے اس
کا حساب پورا پورا چکا دے اور خدا جلد حساب کرے
والا ہے یا ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے
دریا ئے عقی میں اندھیرے جس پر ہر چہ صبح جلی آتی ہو
اور اس کے اوپر اندھیرا (آری ہو اور) اس کے اوپر
بادل ہو عرض اندھیرے ہی اندھیرے ہوں ایک پر
ایک (چھایا ہوا) جب اپنا ہاتھ نکالے تو کچھ نہ دیکھ
سکے اور جس کو خدا روشنی نہ دے اس کو کوئی بھی روشنی
نہیں مل سکتی۔

تعجب انگیز بات تو یہ ہے کہ یہ لوگ توہمات کو نصوص وحی سے مقدم رکھتے ہیں بلکہ نصوص کو ترک کر دیتے ہیں
ان کے دل ہدایت الہی کے خالی ہو چکے ہیں۔ وہ افکار صحیحہ جن کا توفیق ذمہ پر کفرت سیر کے ساتھ ہے بلکہ
نصوص نبویہ سے مستنبط ہے ان کی روشنی سے محروم ہیں اگر یہ لوگ نصوص وحی کی حاکمیت تسلیم نہ کریں تو یہ لوگ
اپنے دامن کو ایسے معقولات صحیحہ سے بھر لیتے جو فطرت سیر کے ساتھ ہم آہنگ ہیں۔
اسی پر بس نہیں بلکہ جس قدر بھی اہل بدعت کے فرقے موجود ہیں وہ نصوص کو بدعت پر پیش کرتے ہیں اگر تو

ہو جائے تو قبول کرتے ہیں اور اس کو حکم گردانتے ہوئے قابل حجت سمجھتے ہیں اور مخالفت کی صورت میں انہیں کو متشابہ قرار دیتے ہوئے رد کر دیتے ہیں رد کو تعویض یا تحریف کا نام دیتے ہیں اور تحریف کو تاویل جیسے باعث کشش نام کے ساتھ پکارتے ہیں

اہل سنت کا طریق | اہل سنت کا ہمیشہ سے یہ معمول چلا آ رہا ہے کہ وہ نصیحت سے ہرگز ہرگز اعراض نہیں کرتے اور نہ معقولات اور لوگوں کے اقوال کے ساتھ اس کا معارضہ کرتے

ہیں جیسا کہ شیخ حمیدی سے امام بخاری بیان فرماتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ ہم امام شافعیؒ کی مجلس میں تھے ان کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اس نے ان سے ایک فتویٰ دریافت کیا امام شافعیؒ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے بارے میں یہ فتویٰ ہے اس شخص نے امام شافعیؒ سے کہا آپ کی اس میں کیا رائے ہے امام شافعیؒ غیظ و غضب میں آجاتے ہیں اور فرماتے ہیں سبحان اللہ کیا تو مجھے کسی گرجا گھر میں یا سدر میں دیکھ رہا ہے کیا میں نے اپنے بدن پر زنا رکھا رکھا ہے میں تجھے کہتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ ہے اور تو میرا قول دریافت کرتا ہے سلف سے اس قسم کے اقوال کثرت کے ساتھ منقول ہیں، ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ أَنْ يَكُنْ لَهُمَا الْخِيَرَةُ
اور کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو حق نہیں ہے
کہ جب خدا اور اس کا رسول کوئی امر مقرر کر دیں تو وہ
اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار کریں (الاحزاب ۳۶)

جمہور امت کے نزدیک جب خبر واحد کو امت نے شرف قبولیت سے نوازا ہو اور اسے صحیح سمجھا ہو اور اس پر عمل بھی کیا ہو تو وہ علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے اور متواتر کی ایک قسم ہے اس میں سلف کے درمیان کچھ اختلاف نہیں جیسے حضرت عمرؓ بن خطاب کی حدیث: اعمال کا دارنیت پر ہے؛ نیز عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث: ولاء کے بیچنے اور اس مے حبہ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

نیز حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث: کسی عورت سے اس کی پھوپھی اور اس کی خالہ پر نکاح نہ کیا جائے نیز حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث: درصاعت سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں اس طرح کی اور حدیثیں بھی موجود ہیں جیسے اس صحابی کی حدیث: تمہارا پیٹا ہوا باں باکر اس نے بنایا کہ قبیلہ کا سر کعبہ کی طرف تبدیل ہو گیا ہے تو تمام غازی کعبہ کی جانب پھر گئے۔

۱۔ بخاری، مسلم، بخاری، مسلم، بخاری، مسلم، بخاری، مسلم، بخاری، مسلم

کیا یہ حقیقت نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قاصد لوگوں کی طرف بھیجتے ان کے بدست خطوط بھی ارسال فرماتے لیکن یہ تو کہیں نہیں آتا کہ جن کی جانب ان کو بھیجا گیا انھوں نے یہ کہہ کر کہ یہ تو خیر و اندھے قبول کرنے سے انکار کیا ہو ارشاد خداوندی ہے:-

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ (التوبہ: ۳۳)

ترجمہ:- وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور سچا دین روکے کر بھیجا تا کہ اس کو تمام دینیوں پر غالب کرے۔

پس مخلوق کو جن دلائل اور بینات سے آگاہ کیا ہے ان کی حفاظت کے خود اللہ پاک نے نظامات فرمائے ہیں تاکہ وہ ضائع نہ ہو جائیں۔

یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کی زندگی میں یا آپ کے بعد افترا یا نہ ہوا ان کو اللہ پاک نے ذلیل و نوا کر کیا اور ان کی ذلت کی خوب خوب تشہیر کی سفیان بن عیینہ کا قول ہے۔ جس شخص نے بھی حدیث رسول میں جھوٹی باتوں کو شامل کیا اللہ پاک نے اس کا پردہ ناش کیا عبد اللہ بن مبارک کا قول ہے۔ اگر کوئی شخص سمندر میں رہتا ہوا حدیث رسول میں جھوٹ کی آمیزش کرے گا تو اس کا جھوٹ روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گا اس کے بارے میں عام ہر چاہو گا کہ فرلاں انسان جھوٹا ہے۔

یاد رہے کہ خیر و اہم اگرچہ سچ اور جھوٹ کا احتمال رکھتی ہے لیکن یمن اور ضعیف حدیثوں میں امتیاز ہو چکا ہے امتیاز کے مقام پر وہی شخص فائز ہو سکتا ہے جس کے اکثر اوقات حدیث اور راویوں کے حالات کی تفتیش میں بسر جوتے ہوں۔ اس طرح حدیث کے راویوں کے حالات اور ان کے اقوال سے اگلی ہوگی اور پتہ چلے گا کہ وہ کس قدر محتاط رہے اس میدان میں انھوں نے سنہری کار نیلے سر انجام دیئے ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی وہ اپنی جان کی بازی لگانے کے لئے ہر وقت تیار رہتے لیکن کسی کو اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کذب بیانی سے کام لے انھوں نے حزم و احتیاط کا دامن تھامے ہوئے بالکل اسی طرح دین اسلام کو ہر تک پہنچایا جس طرح ان کے پاس پہنچا تھا وہ اسلام کے محافظ تھے ایمان کی برکات سے مالا مال تھے۔ احادیث پر ناقہ نہ نگاہ رکھتے تھے۔ کمزور اور صحیح احادیث میں امتیاز کا ملکہ تامہ رکھتے تھے۔ ان کے حالات کا مطالعہ کریں ان کے کارناموں کا جائزہ لیں تو معلوم ہو جائے گا کہ ان میں

کس قدر راستبازی پر ہیزگاری امانت کے اعلیٰ اوصاف موجود تھے۔ ان کی روایات احادیث کے مطالعہ سے ان کی علمی عظمت کا پتہ چلے گا کہ جس شخص میں بھی عقل موجود ہے وہ اس بات کے اظہار میں کچھ کمزوری نہیں دکھائے گا کہ جس قدر محدثین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور احادیث پر عبور حاصل ہے۔ اس قدر کسی دوسرے گروہ کو حاصل نہیں ان کی معلومات کا دائرہ تو بالکل محدود ہے۔ جس طرح کہ نخبیوں کو جس قدر یسویہ اور غلیل کے علوم پر آگاہی حاصل ہے دوسرے ان کی گردنک بھی نہیں پہنچ سکتے۔ اور اہل باکو جس قدر بقراط اور بالینوس کے بیان کردہ معلومات کا علم ہے دوسروں کو کہاں نصیب ہے اسی طرح ایک فن کا ماہر اپنے فن کو خوب جانتا ہے اگر آپ سبزی فروش سے خوشبو کے بارے میں سوال کریں یا عطارے کے پڑے کے بارے میں دریافت کریں تو آپ کا سوال جہالت پر مبنی ہو گا۔

اہل بدعت فرقوں نے صفات کے بارے میں احادیث صحیحہ کا رد کرتے ہوئے یس کثیرہ نثی (الضد) اس کا مثل کوئی نہیں ہے استدلال کیا ہے ان کا یہی حال ہے جب بھی کوئی حدیث ان کے قواعد و نظریات اور توہمات کے خلاف ہو تو وہ اس قسم کی آیات کا سہارا لے کر اصل حقیقت پر پردہ پوشی سے کام لیتے ہیں اور آیات کے معانی میں تحریف کے مرتکب ہوتے ہیں چنانچہ احادیث صفات سے انھوں نے جو مفہوم اندک کر کے پیش کیا ہے وہ منشاء خداوندی کے خلاف ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محض وہ معنی منقول نہیں۔ نیز آپ کے متبعین آئمہ کرام بھی ان کے بیان کردہ معانی کو قبول نہیں کرتے آئمہ صراحت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات تسلیم کرنے سے محذور کے ساتھ مماثلت لازم نہیں آتی لیکن اہل بدعت کا پورا زور اس بات پر ہے کہ مماثل لازم آتا ہے حالانکہ اللہ کا کوئی مماثل نہیں اس کو دین اسلام کا رسول قرار دیتے ہیں جس کا اللہ نے حکم دیا ہے اور جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمایا ہے کثرت کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں ان معانی پر تذبذب نہیں کرتے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور وضاحت کی ہے کہ یہی وہ معنی ہے جس کا اللہ نے ارادہ کیا ہے وہ لوگ معانی کی حقیقت کو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ان اوصاف خبیثہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی مذمت کی ہے اور ان کے واقعات سے آگاہ کیا ہے تاکہ ہم عبرت حاصل کریں اور ان کی لہ پرہیز جلیں ارشاد خداوندی ہے۔

اَلتَّائِبُونَ اَنْ يُّؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ فَهُمْ لَيْسُوْنَ بِاللّٰهِ

ثُمَّ يَخْرُجُوْنَ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ لَعٰمُونَ (البقرہ - ۷۷)

ترجمہ: وہ (مومنوں) کی تہمید کرتے ہو کہ یہ رگ تھامے (دین کے) قائل ہو جائیں گے (ملائکہ) ان میں سے کچھ لوگ کلامِ خدا (یعنی کلمات) کو سنتے ہیں پھر اس کے سمجھ لینے کے بعد اس کو جان بوجھ کر بدل دیتے ہیں۔

یہاں تک کہ فرمایا:

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُونَ الْكُتَّابَ إِلَّا مَآ فِي وَاِنْ هُمْ إِلَّا يَكْفُرُونَ (البقرہ ۷۸)
ترجمہ: اور بعض ان میں ان پڑھ ہیں کہ اپنے خیالات باطل کے سوا (خدا کی) کتاب سے واقف ہی نہیں اور وہ صرف حق سے کام لیتے ہیں۔ لفظ آما فی سے مراد مطلق پڑھنا ہے ارشادِ خداوندی ہے۔

فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُمُونَ الْكُتُبَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيُشَدُّ أُولَئِكَ سُلْطَانًا قَلِيلًا فَوَيْلٌ لَهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ (البقرہ ۷۹-۸۰)

ترجمہ: تو ان لوگوں پر افسوس ہے جو اپنے ہاتھ سے نوک بکھتے ہیں اور کہتے یہ ہیں کہ یہ خدا کے پاس سے (آئی) ہے تاکہ اس کے عوض تھوڑی سی قیمت (یعنی دنیوی منفعت) حاصل کریں ان پر افسوس ہے اس لئے کہ وہ اصل باتیں، اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں اور پھر ان پر افسوس ہے اس لئے کہ ایسے کام کرتے ہیں۔

ان کی مذمت اس پن پر کی ہے کہ انھوں نے جس چیز کو اپنی جانب سے لکھا ہے انھوں نے اس کی نسبت اللہ کی طرف کر دی ہے اور اس کے عوض حقیر دنیا حاصل کر رہے ہیں ان کے ذکر کردہ دونوں اوصاف مذموم ہیں کہ اللہ کی جانب ایسی چیز کی نسبت کی جائے۔ جس کو اللہ نے نازل نہیں فرمایا اس کے عوض مال و دولت یا اقتدار حاصل کیا جائے۔ نَسْأَلُ اللَّهَ تَعَالَى أَنْ يَعْمِنَا مِنَ الزَّلْزَلِ فِي الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ بِمَنْ وَكْرَمِهِ۔

شیخ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ الشافعی فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کردہ شریعت دونوں کی ہے ابتدائی اور بنیادی باتیں جن کی وحی اللہ نے کی پھر آپ نے اللہ کی بیان کردہ شریعت کی جو وضاحت کی ان دونوں کو حق سمجھا جائے دونوں کی اتباع فرض ہے۔

شیخ طحاوی کا قول کہ اہل ایمان اصل ایمان میں برابر ہیں ان میں تفاضل تقویٰ اور خشیت کی بنا پر ہے بعض میں تصدیق اقویٰ ہے بعض میں منعت ہے جس طرح پہلے بیان ہو چکا ہے کہ بصارت میں تمام مساوی ہیں البتہ قوت بصر اور منعت بصر کے لحاظ سے تفاوت ہے یعنی ایمانداروں میں تفاوت دل کے اعمال کے لحاظ سے ہے اصل تصدیق میں تفاوت نہیں ہے یا حقیقت اور خواہش کی مخالفت اور اولیٰ کے اختیار کرنے کے لحاظ سے تفاوت ہے یہی معنی زیادہ واضح ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(ط) تمام مومنین اولیاء اللہ ہیں۔

(مش) ارشاد خداوندی ہے: اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَوْ اَنَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ (رویس ۶۲-۶۳)

ترجمہ: خبردار جو خدا کے دوست ہیں ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے (یعنی) وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے۔

لفظ (دلی) ولایت بفتح الواو سے مشتق ہے اس کے معنی عداوت کے خلاف کے ہیں۔ حمزہ قاری نے ارشاد خداوندی مَا نَكُفُّهُمْ مِنْ وَلَايَتِهِمْ تھیں ان کی دوستی سے کچھ حاصل نہیں دو کے کسرہ کے ساتھ دیگر قرار نے فتح کے ساتھ پڑھا ہے ایک قول میں دونوں متصل ہیں ایک قول میں فتح کے ساتھ نصرت کے معنی میں استعمال کیا ہے زہاج نے کسرہ کو جائز قرار دیا ہے اس لئے کہ بعض لوگوں کا بعض لوگوں کے ساتھ موالات کرنا ضاعت اور عمل ہے اور میراث قاعدہ کے مطابق صنعت والے سینے کسرہ کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں جیسے خیاطت کپڑے سینے کا پیشہ ہے اس کے مثل اور الفاظ بھی ہیں۔ پس ایماندار اللہ کے ولی ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا ولی ہے ارشاد خداوندی ہے:-

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اَزَلِيْنَا لَهُمُ الظُّلُمٰتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ۔ (البقرہ- ۲۵۷)

ترجمہ جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کا دوست خدا ہے کہ اندھیرے سے نکال کر روشنی

میں لے جاتا ہے اور جو لوگ کافر ہیں ان کے دوست طاغوت ہیں کہ انہیں فورے نکال کر اندھیرے میں لے جاتے ہیں۔

نیز فرمایا: ذٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَأَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَى لَهُمْ (رعدہ - ۱۱) ترجمہ :- یہ اس لئے کہ جو مومن ہیں ان کا خدا کا یہاں ہے اور کافروں کا کوئی کارساز نہیں۔

نیز فرمایا: وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَا بَعْضٍ (التوبہ - ۱۶)

ترجمہ :- مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں

نیز فرمایا: إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَا بَعْضٍ (الأنفال - ۷۲)

ترجمہ :- جو لوگ ایمان لائے اور وطن سے ہجرت کر گئے اور خدا کی راہ میں اپنے مال اور جان سے لڑے اور جنہوں نے ہجرت کرنے والوں کو ہجرت دی اور ان کی مدد کی وہ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔

نیز فرمایا: إِنَّمَا وَبَّطَلَهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ يُتَّقُونَ اللَّهَ ذَٰلِكَ سَوَّلَ اللَّهُ لَهُمُ الْأَعْلَابُونَ (البائتہ - ۵۵ - ۵۶)

ترجمہ :- تمہارے دوست تو خدا اور اس کے پیغمبر اور مومن لوگ ہی ہیں جو نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور (خدا کے آگے) بھگتے ہیں اور جو شخص خدا اور اس کے پیغمبر اور مومنوں سے دوستی کرے گا (وہ تو خدا کی جماعت میں داخل ہوگا اور) خدا کی جماعت ہی غلبہ پانے والی ہے۔

پس ان تمام نصوص سے ایمانداروں کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ دوستانہ رکھنا ثابت ہے نیز تمام ایماندار اللہ کے دوست ہیں اور اللہ ان کا دوست ہے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں سے موالات رکھتا ہے ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اس سے محبت کرتے ہیں اللہ ان سے خوش ہے وہ اللہ سے خوش ہیں جس شخص نے اللہ کے دوست کے ساتھ دشمنی کی وہ اللہ کے ساتھ لڑائی کے لئے میدان میں نکلا پس یہ ولایت اللہ کی رحمت اور اس کا احسان ہے لوگوں کی آپس میں دوستی کی طرح نہیں ہے کہ اس میں احتیاج ہے۔ ارشاد خداوندی ہے :-

وَقُلِ الْخُشْعَةُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَالْمُلْكُ

لَهُمْ فِي قُلُوبِ الْمُتَّقِينَ وَلَئِنْ لَمْ يَنْزِلْ بِهِ الْفُرْقَانُ لَفُتِنُوا بِهِ إِلَّا قَلِيلًا (اسراء - ۱۰)

ترجمہ: اور کہو کہ سب تعریف خدا ہی کو ہے جس نے نہ تو کسی کو بیٹا بنایا اور نہ اس کی بادشاہی میں کوئی شریک ہے اور نہ اس وجہ سے کہ وہ عاجز و ناتواں ہے نہ کوئی اس کا مددگار ہے اور اس کو بڑا جان کر اس کی بڑائی کرتے رہو۔

پس اللہ اس لئے دوست نہیں بناتا کہ اس میں کچھ کمزوری ہے بلکہ اللہ کے لئے ہی تمام غلبہ ہے لیکن بادشاہوں اور دیگر لوگوں کی دوستی کمزوری اور احتیاج پر مبنی ہوتی ہے وہ مدد کے امیدوار ہوتے ہیں۔ ولایت بھی ایمان کی مانند ہے شیخ طحاوی کا مقصد یہ ہے کہ اصل ولایت میں تمام برابر ہیں اس میں بھی ایمان کی طرح مراتب کے لحاظ سے کمال اور نقص موجود ہے کامل ولایت کے حقدار پر ہمیز گار ایماندار لوگ ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔

أُولَئِكَ أَزْوَاجُ اللَّهِ لَاحِقُونَ عَلَيْهِمْ لَوْنٌ وَهُمْ يَخْشَوْنَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ لَهُمُ الْبُشْرَى فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ (یونس ۶۲)

ترجمہ: ان کو جو خدا کے دوست ہیں ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے (یعنی وہ جو ایمان لائے اور ہمیز گار ہے ان کے لئے دنیا کی زندگی میں بشارت ہے اور آخرت میں بھی۔

پس اَلَّذِينَ آمَنُوا کا جملہ اولیاء اللہ کی صفت یا بدل یا مدح پوشیدہ ملنے کی بنا پر منصوب ہے یا ہم پوشیدہ سمجھیں گے اس بنا پر وہ مرفوع ہو گیا یا ان کی دوسری خبر ہے نیز علیہم کی ضمیر سے بدل بنا کر مجرور پڑھنا بھی جائز ہے ان تمام صورتوں میں ولایت کے حقدار وہ لوگ ہیں جو ایماندار اور ہمیز گار ہیں تینوں آیات میں جس وعدہ کا ذکر ہے وہ اس کے حقدار ہیں۔ ولایت کا مطلب یہ ہے کہ وہ محنت کے کاموں اور ناراضگی کے کاموں میں اللہ کی موافقت کا خیال رکھتے ہیں محض زیادہ روزے رکھنا اور کثرت کے ساتھ نوافل ادا کرنا چاہا پس امتیاز کرنا اور ہم کو تکلیف پہنچانے کا نام ولایت نہیں ہے ایک قول میں اَلَّذِينَ آمَنُوا مبتدا اور لَاحِقُونَ خبر ہے۔ لیکن احتمال بعید ہے کیونکہ جملہ ما قبل سے منقطع ہو رہا ہے نیز اس آیت کا نظم بھی ختم ہو جاتا ہے۔

ایماندار انسان میں من وجہ ولایت من وجہ عداوت دونوں کا اجماع ممکن ہے جیسا کہ کفر، ایمان، شرک، توحید، تقویٰ، بد معاشری، نفاق، ایمان کا جمع ہونا ممکن ہے اگرچہ اصل صفت کے درمیان نزاع معنوی ہے ایمان کی بحث میں اس کا ذکر ہو چکا ہے خیال ہے

لفظ معنی دونوں میں شائع کی موافقت اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ صرف معنوی موافقت ہو
ارشاد خداوندی ہے :-

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِنَّ دَهَمَهُ مُشْرِكُونَ (۱۰۶ - ۱۰۷)

ترجمہ :- اور یہ اکثر خدا پر ایمان نہیں رکھنے مگر اس کے ساتھ شرک کرتے ہیں ۔

نیز زبانا قل لَمْ يَكُنْ قَوْلُكُمْ قَوْلًا آمَنَّا (الحجرات - ۱۷)

ترجمہ :- کہہ دو تم ایمان نہ نہیں ہو لیکن تم کہو ہم مسلمان ہیں ۔

اس آیت پر بحث گذر چکی ہے صحیح قول یہ ہے کہ وہ منافق نہیں ہیں نیز ارشاد نبوی ہے
بس شخص میں چارہ خصلتیں ہیں وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان سے ایک ہے تو اس میں نفاق
کی ایک خصلت موجود ہے جب تک کہ وہ اس کو چھوڑتا نہیں ہے وہ خصلتیں یہ ہیں جب
بات کرے چھوٹ کرے جب معاہدہ کرے تو ایفا نہ کرے اور جب وعدہ کرے تو اسے پورا نہ
کرے اور جب جھگڑا کرے تو گالیاں دے ایک روایت میں ہے جب اس کے پاس امانت رکھی
جائے تو وہ اس میں خیانت کرے لیکن یہ ایک دوسری خصلت کے بدل کی ذکر ہوئی ہے
کہ جب وہ وعدہ کرے تو اسے پورا نہ کرے (بخاری مسلم)

ایمان کی شانوں والی حدیث کا بھی پہلے ذکر ہو چکا ہے ۔ نیز ارشاد نبوی ہے اس شخص کو
دوزخ سے نالیا جائے گا جس کے دل میں ذرہ بھرا ایمان ہوگا ۔ معلوم ہوا جس کے دل میں
نہایت قلیل ایمان بھی ہوگا وہ بھی دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہے گا اگر پر کثرت کے ساتھ نفاق بھی
کیوں نہ موجود ہو اس کو نفاق کے برابر دوزخ میں عذاب ہوگا ۔ اس کے بعد اس کو باہر نکال
لیا جائے گا ۔ پس تمام طاعت کی اقسام ایمان کی شاخیں ہیں اور تمام معاصی کفر کی شاخیں
جب کہ کفر کی عظیم شاخ محمود ہے اور ایمان کی عظیم شاخ تصدیق ہے ہاں ایک مرفوع حدیث
نقل کی جاتی ہے کہ آپ نے فرمایا ہر جماعت میں ایک ولی اللہ ہوتا ہے لوگ اس کو بانٹتے
ہوتے ہیں وہ خود اپنے آپ کو جانتا ہوتا ۔ یہ یہ ہے اصل ہے ۔ بات بھی بالکل غلط
ہے ظاہر ہے کہ جب لوگ کافر ہیں یا فاسق ہیں اور فسق پر فحش مے میں تو ان میں کہاں
کوئی دلی ہے ۔ ہاں ولایت میں درجہ کمال پر فائز ہونے والوں کے حق میں وارد ہے :-

إِنَّا آتَيْنَاهُ الْكِتَابَ عَلَى خَيْرٍ عَلَيْهِمْ ذَلِيلُهُمْ لَا يَخْذُلُونَهُ الَّذِينَ آمَنُوا

كَانُوا يَتَّقُونَ لَهُمُ الْبُشْرَى فِي الْآخِرَةِ وَفِي الدُّنْيَا (رَبُّنَا - ۶۳)

ترجمہ: سن رکھو جو خدا کے درست ہیں ان کو نہ کچھ خون ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے یعنی وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے ان کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی۔

تقویٰ کا ذکر اللہ کے اس قول میں ہے:

وَكَيْفَ الْيَوْمَ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاٰتٰكَ تَاٰبَاتٍ وَالتَّائِبِينَ ذٰلِكَ الْمَالُ عَلَىٰ حِمْلِهِمْ ذَوٰى الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالسَّائِلِينَ ذٰلِكَ الْغَنَىٰ
وَالسَّائِلِينَ ذٰلِكَ الْغَنَىٰ وَآتٰكَ الْمَوٰزِينَ وَآتٰكَ الْكُوفَةَ وَالْمُؤَدِّنَ
بِعَهْدِهِمْ ذٰلِكَ عَاهِدُ الْمُتَابِعِينَ فِي الْبَسَاةِ وَالْفَرَاةِ وَحِينَ الْبَسَاةِ
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَّقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (البقرہ — ۱۷۷)

ترجمہ: بلکہ نیکو یہ ہے کہ کون خدا پر اور فرشتوں پر اور زندگی پر اور ایمان
لائی اور مال یا وجود عزیز نہ رہنے نہ رہنے داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے
والوں کو دیں اور گردنوں کے آزاد کرنے میں خرچ کریں اور ناز پر نہیں اور زکوٰۃ دیں اور
جب عہد کریں تو اس کو پورا کریں اور سختی اور تکلیف میں اور معرکہ کارنداری کے وقت
ثابت قدم رہیں یہی لوگ ہیں جو ایمان لائے ہیں اور یہی ہیں جو خدا سے ڈرنے والے ہیں۔

پرہیزگار دو قسم کے ہیں پہلی قسم میں مقصد دوسری میں مقرب ہیں مقصد وہ ہیں جو افعال
جو افعال اور دل سے فرائض ادا کرتے ہوئے اللہ کا قرب تلاش کرتے ہیں۔ جیسا کہ صحیح
بخاری میں ہے حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ فرماتا ہے
جس شخص نے میرے دل کے ساتھ دشمنی کی اس نے مجھے روائی کا چیلنج کیا میرا بندہ میرا قرب جس طرح فرائض
کی ادائیگی سے حاصل کرتا ہے اور کسی دوسرے طریق سے حاصل نہیں کر سکتا میرا بندہ میرا
نوافل ادا کر کے میرا مقرب بنتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں پس جب
میں اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کا کال بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ سنتا ہے اس
کی آنکھ جو باتا ہوں جس کے ساتھ وہ دیکھتا ہے اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس کا ساتھ وہ پکڑتا
ہے اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ چلتا ہے اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اس کا
سوال پورا کرتا ہوں اگر وہ میرے ساتھ پناہ طلب کرے تو میں اس کو اپنی پناہ میں لے لیتا ہوں
اور میں کسی کام کے کرنے کے لئے بھی اتنا متردد نہیں ہوا جس قدر کہ میں اپنے مومن بندے کی روح قبض

کرنے سے متردد ہوتا ہوں وہ موت کو برا بھلا نہ ہے اور میں اس کو تکلیف دینا اچھا نہیں سمجھتا۔

پس لفظ **وَلَا** سے مشق ہے جس کا معنی قرب کا ہے یہ لفظ **عَدَد** کے مخالف ہے پس اللہ کا ولی وہ ہے جو اللہ کے محبوب کے کام سرانجام دے کہ اس کی موافقت کرتا ہے اور اس کی رضا جوئی کرتا ہو اسکا قرب تلاش کرتا ہے ان لوگوں کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے: **وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا جَدًّا يَكْذِبُهُ مِنْ جَنْبٍ لَا يَخْتِيبُ** (الطلاق ۳۰-۳۱) ترجمہ: اور جو کوئی خدا سے ڈرے گا وہ اس کے لئے رنج و محن سے مخلصی کی صورت پیدا کرے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے وہ ہم و گمان بھی نہ ہو۔

حضرت ابوذر فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوذر! اگر لوگ اس آیت پر عمل کریں تو ان کے لئے کافی ہے۔ پس ہر چیز گاندوں کے لئے اللہ کشادگی کی راہ نکالتا ہے جب کہ لوگ تنگی میں ہوتے ہیں اور انھیں ایسی جگہوں سے رزق عطا ہوتا ہے۔ جس کا انھیں خیال بھی نہیں ہوتا اس طرح اللہ ان سے تکلیف دور فرماتا ہے اور فوائد کھول کر ان کو دیتا ہے اور ان کو ایسے مکاشفات اور اثرات عطا کرتا ہے جس کی شرح طویل ہے۔

(طہ) اللہ کے ہاں وہ ان سب سے زیادہ عزت والا ہے جو سب سے زیادہ اطاعت گزار ہے اور قرآن پاک کی سب سے زیادہ اتباع کرنے والا ہے۔

(دش) اس سے مراد وہ انسان ہے جو بہت زیادہ پرہیزگار ہے اور وہی سب سے زیادہ عزت والا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

إِنْ أَكْثَرْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتَّقَاكُمْ (المحجرات ۱۳)

تم میں سے اللہ کے ہاں زیادہ عزت والے زیادہ پرہیزگار ہیں۔

نیز سنن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کسی عربی کو عجمی پر کسی عجمی کو عربی پر کسی سفید رنگ والے کو سیاہ رنگ والے پر کسی سیاہ رنگ والے کو سفید رنگ والے پر فضیلت نہیں ہے ہاں وہ زیادہ فضیلت والا ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدمی ہے بنائے اس دلیل نے فقیر صابر غنی شاہ کے مسئلہ میں علماء کے اختلاف کو غلط بنا دیا اور اس حقیقت کو ثابت کر دیا کہ فضیلت کا انحصار فقر و غنا پر نہیں البتہ اعمال و احوال، حقائق پر ہے معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ درست ہی نہیں جب کہ فضیلت اللہ کے ہاں تقویٰ کے ساتھ ہے۔

لے مستدرک ہماکم تہ اندر ہماک سندیں الفقہاء پہ ضعیف ہے ۲۷ مستدرجہ منیل سنن میں نہیں یہ وہم ہے

فقیری، مالداری کے ساتھ نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر کا قول ہے مالدار ہی اور فقرین
دوسواریاں میں مجھے کچھ پرداہ نہیں کہ میں کس پر سوار ہوں اور یہ دونوں اللہ کی جانب سے بندہ
کے لئے آزمائش ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔

فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذْ أَتَا أَثَرَةَ الْكُفْرَةِ فَكَرِهَ الْكُفْرَةَ وَكَرِهَ الْكُفْرَةَ فَقَوْلُ رَبِّهِ

الْكُفْرَةِ وَالْفُجْرَةِ (الفجر ۱۵)

ترجمہ: مگر انسان عجیب مخلوق ہے کہ جب اس کا پروردگار اس کو آزمائے کہ اسے عزت
اور نعمت بخشا ہے تو کوہتا ہے کہ وہاں میرے پروردگار نے مجھے عزت بخشی ہے۔

پس اگر صبر کرنے والا فقیر اور شکر گزار اور مالدار تقویٰ میں دونوں برابر ہیں تو دونوں ایک
درجہ میں ہیں لیکن اگر تقویٰ میں ایک کو فضیلت ہے تو وہی عند اللہ افضل ہے ظاہر ہے کہ فقر و غنا
کا وزن نہیں ہوگا البتہ سبب و شکر کا وزن ہوگا بعض نے اس مسئلہ کو ایک دوسرے انداز سے
پیش کیا ہے کہ صبر نصف ایمان ہے اور شکر بھی نصف ایمان ہے پس ان دونوں میں سے ہر ایک
میں صبر و شکر موجود ہے جب کہ عام لوگوں نے صبر و شکر کی فروع کو بیا ہے اور ان میں ترجیح پیدا
کی ہے پس انھوں نے ایسے مالدار کو الگ کر دیا ہے جو خرچ کرنے والا خرچ کرنے پر اللہ کا
شکر ادا کرنے والا ہے نیز ایسے فقیر کو الگ کر دیا ہے جو اطاعت خداوندی میں محو ہے عبادت
کی ادائیگی میں فقیری پر صبر کرنے والا ہے اس صورت میں ہم کہیں گے کہ ان دونوں میں سے اکمل وہ ہے
جو زیادہ اطاعت گزار اور زیادہ متبع ہے اگر دونوں سادی ہیں تو دونوں کے درجات بھی مساوی
ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

تجربہ کی صورت میں یہ کہنا درست ہے کون افضل ہے تندہت شکر یا ادا کرنے والا
یا بیمار صبر کرنے والا یا اطاعت گزار شکر یا ادا کرنے والا یا ذلیل صبر کرنے والا یا امن کی
زندگی بسر کرنے والا شکر گزار یا خوف والا صبر کرنے والا وغیرہ۔

دعایاں سے مراد اللہ فرشتوں، کتابوں، پیغمبروں، آخرت کے دن اچھی بری نونہل
ناموافق تقدیر میں اللہ پر ایمان لانا ہے۔

دش، گذشتہ صفحات میں یہ بحث گذر چکی ہے کہ یہ تمام خصلتیں دین کے اصول ہیں چنانچہ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل والی بالاتفاق صحیح روایت میں جو ابان باتوں کا ہی ذکر
فرمایا ہے جب حضرت جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک اعلیٰ کی شکل

میں آیا اور آپ سے اسلام کے بارے میں سوال کیا آپ نے جواب میں فرمایا کہ تو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور تو نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے اور تو رمضان کے روزے رکھے اگر استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کرے (بخاری ج ۱) اس نے ایمان کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا تیرا ایمان اللہ، فرشتوں، کتابوں، رسولوں، آخرت کے دن پر ہو۔ نیز تو اچھی، بُری تقدیر پر ایمان رکھتا ہو اس سے آپ نے احسان کے بارے میں دریافت کیا آپ نے فرمایا تو اللہ کی اس طرح عبادت کرے گویا کہ تو اللہ کو دیکھ رہا ہے اگر تو اس کو نہیں دیکھ رہا ہے تو پھر یہ تصور ہو کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے اسی صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی صبح کی دونوں رکعتوں میں کُلُّ يَابِقًا اَنَّى فُؤُودٌ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تلاوت فرماتے اور کبھی ایمان اسلام کی دو آیات تلاوت فرماتے جو ایک سورۃ بقرہ میں ہے۔

تَوَلَّوْا مَتَّكَ بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ اِلَيْنَا (البقرہ ۱۲۶)

ترجمہ:- کہہ دو ہم اللہ پر اور اس پر ایمان لائے جو ہماری طرف نازل کی گئی۔
اور در سری آل عمران میں ہے۔

قُلْ يَا اَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلَىٰ اُمَّةٍ سَوَاءٌ بَيْنُنَا وَبَيْنَكُمْ (آل عمران - ۶۴)

ترجمہ:- کہہ دو کہ اے اہل کتاب، جو بات چلے اوتھائے دونوں کے درمیان کیسے ہو جس کی طرف آؤ۔ آپ نے مشہور حدیث وفد عبدالقیس و جو بالاتفاق صبح ہے میں وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ میں تم کو ایک اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہوں کیا تمہیں علم ہے کہ ایک اللہ پر ایمان لانا کیا ہے اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور نماز ادا کرنا۔ زکوٰۃ ادا کرنا، غنیمت سے پانچواں حصہ نکالنا نیز یہ بات مسلم ہے کہ ان اعمال کو اس وقت ایمان باللہ کے ساتھ تعبیر کیا جائے گا جب کہ ایمان بالقلب ہوگا اس لئے کہ دیگر کثرت مقامات میں ایمان بالقلب کا ذکر آتا ہے پس معلوم ہوا کہ اس ایمان کی صحت ایمان بالقلب کے ساتھ ہے اس پر بحث ہو چکی ہے کتاب و سنت میں کثرت کے ساتھ ایسے دلائل موجود ہیں جو اس بات پر دال ہیں کہ ایمان ص ثابت ہوگا جب پہلے تصدیق کے ساتھ عمل بھی ثابت ہوگا شاید نماز زکوٰۃ کے لئے اتنی کثرت کے ساتھ دلائل موجود نہ ہوں۔ جب ہم موازہ کرتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ نماز زکوٰۃ کی تفصیل کو نہ سنت نے بیان کیا ہے جبکہ ایمان کی تفصیل کو کتاب و سنت دونوں نے بیان کیا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

لے مسلم

يَا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذْ أَذْكَرَ اللَّهُ وَجِلَّتْ قُلُوبُهُمْ (الأنفال: ۲)

ترجمہ:- مومن تو وہ ہیں جب خدا کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔
نیز فرمایا: يَا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذْ أَذْكَرَ اللَّهُ وَجِلَّتْ قُلُوبُهُمْ تَا يُؤْمَرُ (الحجرات: ۱۵)

ترجمہ:- مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے پیغمبر پر ایمان رکھتے ہیں پھر تنگ میں نہ پڑیں
نیز فرمایا: فَلَا وَدَّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُكَ فِي مَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ لَهُ لَا يَحْزُونَ
فِي اللَّهِ هُمْ حَرَجًا حَتَّى أَقْضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (النساء: ۶۵)

ترجمہ:- تمھارے پروردگار کی قسم یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمھیں منصف نہ بنائیں
اور جو فیصلہ تم کو دواس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہو بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں تب
تک مومن نہیں ہوں گے۔

پس ایمان کی نفعی غایت تک ہے تو غایت لوگوں پر فرض ہے۔ پس جس نے غایت کو خیر باد
کہا وہ وعید خداوندی کا حقدار ہے اس لئے کہ وہ اس طرح کا ایمان دار نہیں جس کا خداوند تعالیٰ مطالبہ
فرما رہے ہیں اور جس پر بلا عذاب جنت میں داخل ہو گا۔

کیا حدیث جبریل اور حدیث وفد عبد القیس میں معارضہ ہے؟ | ان دونوں حدیثوں میں نبی

صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کی جو تفسیر فرمائی ہے اس میں ہرگز تعارض نہیں ہے اس لئے کہ جبریل
کی حدیث میں ایمان کی تفسیر اسلام کی تفسیر کے بعد کی گئی پس ثابت ہوا کہ ایمان سے مراد اللہ،
فرشتوں، کتابوں، رسولوں اور آخرت کے دن پر ایمان لانا ہے لیکن ساتھ ساتھ ان اعمال کو
بھی ملحوظ رکھا جائے گا جن کا اسلام کی تفسیر میں ذکر ہے جس طرح کہ احسان ایمان پر مشتمل ہے جس
کی تفسیر اس کے ذکر سے قبل کی گئی ہے بحلاف وفد عبد القیس کی حدیث کے کہ اس میں ایمان کی
تفسیر اتنا ہے اس میں اس سے پہلے اسلام کی تفسیر نہیں ہے لیکن یہ جواب شیخ طحاوی کی
بیان کردہ تفسیر کیا تھ منطبق نہیں ہوتا لہذا اس کی تفسیر کے مطابق وفد عبد القیس کا شکل بتور مذہب ہے
ایک سوال | جن اعمال ظاہرہ کو اللہ نے واجب قرار دیا ہے وہ ان پانچ ارکان سے زیادہ ہیں

جن کا جبریل کی حدیث میں ذکر ہے تو پھر صرف پانچ ارکان کا نام ہی اسلام کس لئے رکھا ہے۔
جواب | بعض لوگوں نے اس کا جواب دیا ہے کہ یہ تو اسلام کے واضح اور عظیم شعائر ہیں اور
ان کو مکمل کرنے کے ساتھ اسلام مکمل ہوتا ہے اور ان کے ترک گناہ کی گروہی پڑ جاتی ہے
حقیقت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کا ذکر فرمایا جس سے مقصود بندے کا اپنے رب کے لئے

مطلقاً مطیع ہونا ہے جو تمام بندوں پر اللہ کے لئے واجب ہے جو قدرت رکھتا ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کرے اس کے لئے دین کو خالص کرے اور پانچ ارکان کو ادا کرے ان کے علاوہ واجبات فرائض کا وجوب اسباب مصالح پر مبنی ہے وہ تمام لوگوں پر واجب نہیں ہیں بعض چیزیں فرض کفایہ ہیں جیسے جہاد امر بالمعروف نہی عن المنکر اور وہ اعمال جو ان کے تابع ہیں مثلاً امارت، فیصلہ، فتویٰ پڑھانا حدیث بیان کرنا وغیرہ اور وہ اعمال جو لوگوں کے حقوق کی وجہ سے واجب ہوتے ہیں تو اسباب کی موجودگی میں واجب ہوں گے عدم موجودگی میں واجب نہیں ہونگے جیسے فرض کی دانگی، امانتوں کو واپس کرنا، غصب شدہ چیز کو واپس کرنا، حقوق کا انصاف، خزن مال، عزت سید نبوی اہل انبیا کے حقوق، صلہ رحمی وغیرہ پس ان میں جو زید پر واجب ہے وہ عمرو پر واجب نہیں بخلاف رمضان کا روزہ، بیت اللہ کا حج، پانچوں نمازیں، زکوٰۃ ہاں زکوٰۃ کا شمار اگرچہ حقوق مالیہ سے کیا جاتا ہے تاہم وہ اللہ کے لئے واجب ہے زکوٰۃ کے مصارف وہ آٹھ قسمیں ہیں جن کا ذکر قرآن پاک میں ہے اسی لئے اس میں نیت ضروری ہے۔ زکوٰۃ جس پر فرض ہے اس کا غیر اس کی اجازت کے بغیر نہیں دے سکتا۔ اسی طرح زکوٰۃ کا مطالبہ کفار سے نہیں ہوگا لیکن حقوق العباد میں نیت ضروری نہیں اگر اس کا غیر بھی اس کی اجازت کے بغیر ادا کرے گا تو وہ بری الذمہ ہوگا اس کا مطالبہ کفار سے بھی ہوگا نیز وہ چیزیں جو اللہ کے لئے واجب ہیں جیسے کفارات وغیرہ ان کا سبب بندہ ہے اور ان میں ایک قسم کی مزا ہے اسی لئے زکوٰۃ میں مکلف ہونا شرط ہے امام ابوحنیفہ اور اس کے متبعین کے نزدیک بچے اور دیوانے پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ مسئلہ تقدیر یا شیخ طحاوی کا قول۔ تقدیر اچھی، بُری، گوارا، ناگوار سب اللہ کی جانب سے ہے حضرت جبریل کی حدیث میں ارشاد نبوی گذر چکا ہے کہ تیرا ایمان اچھی بُری تقدیر پر ہو۔ ارشاد خداوندی ہے

قُلْ لَنْ يَصِيَّبَكَ اللَّهُ مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكَ۔ (التوبہ ۲۵)

ترجمہ :- کہہ دو میں ہرگز مصیبت نہ آئے گی مگر جس کو خدا نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے۔

نیز ارشاد خداوندی ہے :- اِنْ تَصْبَهُمْ حَسَنَةً يَّقُولُ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَ اِنْ تَصْبَهُمْ سَيِّئَةً يَّقُولُ هٰذَا مِنْ عِنْدِكَ قُلْ كُلُّ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ فَاَلْهٰؤُلَاؤُ

الْعَوْرُ لَا يَكَاذِبُوْنَ اَلْفَقْهَوْنَ حَدِيثُ شَاہ (النساء ۷۸)

ترجمہ :- اور ان لوگوں کو اگر کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو کہتے ہیں یہ خدا کی عطا ہے اور اگر کوئی گزند

پہنچتا ہے تو دے (مومن سے) کہتے ہیں یہ (گزنہ) آپ کی وجہ سے میں پہنچتا ہے کہہ دو کہ درج
 و راحت سب التیری کی طرف سے ہے ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے وہ تو بات بھی نہیں سمجھ سکے
 نیز ارشاد خداوندی ہے: مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ
 مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ۔ (النساء ۷۹)

ترجمہ: اے آدم زاد، تجھ کو جو فائدہ پہنچے وہ خدا کی طرف سے ہے اور جو نقصان پہنچے وہ
 تیری ہی (شامت اعمال کی) وجہ سے ہے۔

اعتراف ایک آیت میں کُلُّ شَيْءٍ عِنْدَ اللَّهِ کے الفاظ میں دوسری آیت میں فَمِنْ نَفْسِكَ کے الفاظ
 میں ظاہرًا ان میں تناقض ہے۔

جواب اگلے آیت میں عِنْدَ اللَّهِ سے مراد خوشحالی، بد حالی، کامیابی، شکست یہ سب اللہ کی جانب سے ہیں
 اور مِنْ نَفْسِكَ سے مراد عذاب خداوندی ہے جو کہ جو کچھ سے بطور سزا کے دیتا ہے ارشاد
 خداوندی ہے:۔

وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ۔ (الشوریٰ ۳۰)

ترجمہ: اور جو مصیبت تمہیں پہنچی ہے وہ تمہارے کسب سے ہے۔

اس پر وہ حدیث دال ہے جو ابن عباس سے مروی ہے کہ انھوں نے آیت تلاوت کی
 وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ۔ (النساء ۷۹)

ترجمہ: اور جو مصیبت تجھے پہنچتی ہے وہ تیری ذات کی طرف سے ہے۔

دینروانا کہتے ہیں علیک، (یعنی میں نے اس کو تجھ پر مسلط کیا) کہا اس مذکورہ آیت میں
 حسنة سے مراد نعمت ہے اور سئۃ سے مراد قحط سالی ہے صحیح قول یہی ہے بعض نے کہا
 حسنة سے مراد بابر داری اور سئۃ سے مراد نافرمانی ہے ایک قول ہے حسنة سے مراد جنگ
 کی کامیابی اور سئۃ سے مراد جنگ اہل کی شکست لیکن پہلا قول تیسرے قول کے معنی میں مشتمل
 ہے اور دوسرا معنی بھی پہلے معنی کے بغیر نہیں لیا جاسکتا ہاں اس میں کچھ منافات نہیں کہ برائی
 اور اس کا بدلہ اس کے نفس کی طرف سے ہے حالانکہ یہ سب چیزیں تقدیر کے ساتھ میں ظاہر ہے کہ کبھی
 دوسری نافرمانی پہلی نافرمانی کی سزا ہوتی ہے یعنی برائی کا بدلہ ہوتی ہے اور برائیوں میں اس کا شمار
 بھی ہوتا ہے اس طرح دوسری نعمت کبھی پہلی نعمت کا ثمرہ ہوتی ہے جیسا کہ اس پر کتب و سنت
 دال ہے اس کے ساتھ ہم قدر یہ کہ اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ وہ اسے اپنے مسلک پر

استدلال کریں وہ کہتے ہیں کہ بندے کا فعل اچھا ہو یا برا ہو وہ بندے کا فعل ہے اللہ کا فعل نہیں ہے جب کہ قرآن پاک نے دونوں میں فرق کیا ہے لیکن یہ لوگ فرق نہیں کرتے ارشاد خداوندی ہے **مَنْ خَلَقْنَاهُ عِنْدَ الْاَلَدَةِ** کہہ دو سب اللہ کی جانب سے ہے۔ پس جس طرح نیک افعال اللہ کی جانب سے ہیں اسی طرح بُرے اعمال بھی اللہ کی جانب سے ہیں۔ ہاں اللہ پاک نے بھی ان حسنات کے درمیان جو نعمتیں ہیں اور ان سیئات کے درمیان جو مصائب سے عبارت ہیں فرق کیا ہے نعمتیں اللہ کی جانب سے ہیں جب ان کی نسبت اللہ کی طرف ہے اور مصائب نفس انسان کی جانب سے ہیں ان کا خلق کسی حکمت کی بنا پر ہے اور اس حکمت کے لحاظ سے وہ اللہ کے احسانات سے ہے البتہ وہ اللہ کا فعل نہیں ہے اس لئے کہ اللہ کبھی بھی برائی کا فعل نہیں کرتا اس کے تو تمام افعال اچھے اور بہتر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا استغفار میں فرماتے۔

تمام بھلائیاں تیرے ہاتھ میں ہیں البتہ برائی کی نسبت تیری جانب نہیں ہو سکتی اس لئے کہ تو نے اگر شر کو پیدا کیا ہے تو اس میں حکمت ہے حکمت کی وجہ سے وہ خیر ہے لیکن کبھی اس میں شر بعض لوگوں کے لئے ہوتا ہے اس لحاظ سے شر جزئی اضافی ہے شر کلی، شر مطلق اللہ سبحانہ اس سے منزہ ہے اور یہ ایسا شر ہے جس کی نسبت فردی طور پر اس کی جانب نہیں ہے ہاں اس قسم کا شر عموم مخلوقات میں داخل ہے ارشاد خداوندی ہے۔

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (الرعد-۱۸) خدا ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔
نَزَّلْنَا طَلْحَةَ عِنْدَ اَبْنِیِّ (النساء-۷۸) سب اللہ کی جانب سے ہے۔ یا سبب کی طرف منسوب ہے جیسے قول خداوندی ہے۔
مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ (الطلاق-۲) ہر چیز کی برائی سے جو اس نے پیدا کی۔ یا اس کے ناعمل کو عزت کیا گیا ہے۔ جیسے جنوں کا قول ہے۔

وَاِنَّا لَآسَآءُ رِیَاضَہٗ اُرِیْدُ مِمَّنْ فِی الْاٰمِنِ اَمْ اَرَادَ بِہُمْ دُبَّہُمْ دُشْدَا (الحج-۱۰)
 ترجمہ: اور یہ کہ ہمیں معلوم نہیں کہ اس سے اہل زمین کے حق میں برائی مقصود ہے یا ان کے پروردگار نے ان کی بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے۔

اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جب اللہ پاک ایسی چیز کو پیدا فرمائے جس سے بعض حیوانوں کو اذیت ہو تو اس میں حکمت کی کوئی صورت نہ ہو حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی رحمت و حکمت کی کوئی

صدیرت نہ ہو حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی رحمت و حکمت کے خزانوں کو وہی جانتا ہے اسی طرح جب مخلوقات میں کسی جزئی انسانی شر کا وجود ہو تو وہ بالعموم کلی شر ہو بلکہ امور عامہ کلیہ عام طور پر بندوں کے لئے خیر اور مصلحت ہوتے ہیں جیسے عام بارش ہے عام رسولوں کا بھیجنا ہے اس کا بد یہی نتیجہ یہ ہے کہ جو شخص اللہ پر کذب بیانی سے کام لے کر نبوت کا مدعی ہے اس کی تائید معجزات سے نہ ہو اس لئے کہ اس کا شر تو عام لوگوں کے لئے ہے جب کہ وہ لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے نہ صرف ان کے دین بلکہ دنیا و آخرت کو بھی خراب کر رہا ہے۔ خیال رہے اس شخص کا حال ظالم بادشاہ کی طرح نہیں ہو سکتا ہے کہ اس کے ظلم سے جس شر کو نفع کیا جا رہا ہے وہ اس کے ظلم سے زیادہ ہو چناچہ ایک قول مروی ہے ظالم امام کا ساٹھ سال ظلم کرنا اس سے کہیں بہتر ہے کہ ایک مات بلا انا بسر ہو بعض اوقات زیادہ ظلم دین میں افادیت کا حامل ہوتا ہے جس طرح کہ مصائب گن ہوں کے لئے کفارہ ہو جاتے ہیں اور مصائب پر صبر کرنے سے ثواب حاصل ہوتا ہے اور رجوع الی اللہ کا داعیہ ابھرتا ہے توبہ و استغفار کا لہا کھلتا ہے اسی طرح جب دشمن مسلط ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر و بیشتر اللہ پاک ظالم بادشاہوں کو لمبا عرصہ مہلت دیتے ہیں لیکن جھوٹے مدعیان نبوت کو زیادہ مہلت نہیں ملتی ان کو بلندی اللہ تعالیٰ تباہ و برباد کر دیتے ہیں اس لئے ان کا فساد دین، دنیا، آخرت سب پر حاوی ہوتا ہے ارشاد خداوندی ہے:-

وَكُنْ لَّغَوَالٍ بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ لَا تَخَذُ لَهَا مِنَّةً لِئَلَيْسَ لَهَا لَقَطْفًا مِّنْهُ
الْوَتِينَ . (الحاقہ ۴۰۴۴)

ترجمہ:- اگر یہ پیغمبر ہماری نسبت کوئی بات جھوٹ بنا لیتے تو ہم ان کا دامن ہاتھ نہ پکڑ لیتے
پھر ہم ان کی رنگ گردن کاٹ ڈالتے۔

شیخ طحاوی کا قول بد شر تر سے نفس میں ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ بندہ اپنے نفس کے لحاظ سے امن و سکون نہیں پاتا ہے اس لئے کہ شر نفس میں مخفی ہے وہی اس کا مسکن ہے اور جب لوگ اس سے نادر و اسلوک کرتے ہیں تو عدم سکون کی وجہ سے ان کو غلامت کرتا ہے اور نہ ہی ان کے رویہ کو مذموم قرار دیتا ہے یہ بھی تو اس کی برائیوں کا نتیجہ ہے لہذا اس سے چارٹے کہ وہ اپنے گناہوں کی جانب وھیان کرے اور اللہ سے پناہ طلب کرے اور اللہ سے دعا کرے کہ اس کو نیک کاموں کی توفیق عطا کرے اس طرح کرنے سے اس کو قسم کی خیر نائل ہوگی

اور فرشتہ کی شرا سے دور ہوگی اس لئے تمام دعاؤں سے زیادہ نفع دینے والی اور محکم دعا سورۃ فاتحہ کی دعا ہے۔

إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ - رَاكَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ - (الفاتحہ ۵ - ۷)

ترجمہ: ہم کو سیدھے رستے چلا ان لوگوں کے رستے جن پر تو اپنا فضل و کرم کرتا رہا نہ ان کے جن پر غصے ہو تا رہا اور نہ گمراہوں کے۔

پس بے شک اللہ تعالیٰ کسی انسان کو راہ صواب کی ہدایت کرے گا تو طوعات پر اس کی اعانت فرمائے گا اور معاصی سے دور رکھے گا پھر دنیا و آخرت میں اس کو کچھ نہ پہنچے گا لیکن چونکہ گناہ انسان کے لوازمات سے ہیں ہر لمحہ انسان ہدایت کا محتاج ہے۔ بلکہ اس قدر اسے کھانے پینے کا احتیاج نہیں جس قدر ہدایت کا احتیاج ہے ہم اس مقام پر ان مفسرین کے قول کو صحیح تسلیم نہیں کریں گے جو کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس کو ہدایت عطا کر دی ہے تو پھر وہ کیوں ہدایت کا سوال کرتا ہے اسلئے کہ اس سے مراد ثابت قدمی ہے یا زیادہ ہدایت کا سوال ہے بلکہ ہر انسان اس بات کا احتیاج رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام احوال کی تفاسیل سے آگاہ کرے جن کو اس نے روزانہ سر انجام دینا ہے نیز ان تمام احوال کی تفاسیل روزانہ بتائے جن کو چھوڑنا ہے نیز اس کو بذریعہ الہام آگاہ کرے کہ فلاں کام کیجئے اس لئے کہ مرث علم کافی نہیں علم کے ساتھ اس کے ارادہ کو بھی عمل کے لئے محکم کرے اگر نہ علم اس کے خلاف حجت ہوگا اس طرح ہم اس کو ہدایت یافتہ نہیں کہہ سکیں گے وہ تو احتیاج رکھتا ہے کہ اس کے ارادہ صالحہ کے مطابق اللہ پال اس کو عمل کرنے پر قدرت عطا فرمائے ظاہر ہے کہ یہ حقوق ہمیں معلوم ہیں اس سے کئی گنا مجہول حقوق ہیں اسی طرح جن امور کا ہم ارادہ کر رہے ہیں ان سے کم و بیش یا ان کے مساوی حقوق ہیں کاہلی اور سستی کی وجہ سے جن کے کرنے کا ہم ارادہ نہیں کرتے ہیں۔ اور جن کا ہم ارادہ کرتے ہیں ان پر ہم قادر نہیں ہیں ان کا بھی یہی حال ہے اور جن کاموں کو ہم جملاً تو جانتے ہیں۔ لیکن تفصیل کا علم نہیں ہے ان کا حصہ نہیں ہو سکتا لہذا ہم کل ہدایت کے محتاج ہیں پس جس شخص کے پاس یہ تمام امور کامل اکمل ہیں وہ استقامت کا سوال کرے اور آخری مرتبہ ہے اسکے بعد ایک ہدایت ہے اور وہ یہ ہے کہ آخرت میں جنت کے راہ کی ہدایت حاصل ہو جائے جو وہ ہے کہ لوگوں کو رہنمائی اس عالم کا محکم دیا گیا ہے اس لئے کہ وہ اس کے بہت زیادہ محتاج ہیں بلکہ اس سے زیادہ کسی

دوسری چیز کے محتاج نہیں ہیں لہذا ضروری ہے کہ معلوم کیا جائے کہ اللہ نے اپنے بے پایاں فضل سے اس دعا کو ان تمام اسباب سے عظیم سبب قرار دیا ہے جو غیر کے متقاضی ہیں اور شر سے روکنے والے ہیں قرآن پاک نے بیان کیا ہے کہ برائیوں کا منبع نفس ہے اگرچہ اللہ کی تقدیر کے ساتھ ہیں اور تمام نیکوں کی اللہ کی جانب سے ہیں تو پھر ضروری ہے کہ اللہ سبحانہ کا شکر یہ ادا کیا جائے اور اسی کے گناہوں کی معافی طلب کی جائے اور صرف اسی اکلے برزخ کی جلتے دہی نیک اعمال کی توفیق دینا ہے اس طرح اسکی توحید ثابت ہوتی ہے لہذا صرف اسی کا شکر یہ ادا کیا جائے اور اسی سے مغفرت طلب کی جائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمازیں ان تمام کلمات کو جمع فرماتے صحیح حدیث میں ہے کہ جب آپ رکوع سے سر اٹھاتے تو ذیل کے دعائیہ کلمات کہتے ۔

رَبَّنَا لَكَ الْفَعْدُ حَسْبُكَ كَتَبُوا طَيْبًا مَبَارَكًا قَبِيحًا مَلَأُوا السَّمَوَاتِ وَمَلَأُوا الْأَرْضِ
وَمَلَأُوا مَا بَيْنَهُمَا مِنْ شَيْءٍ بَعْدَ أَهْلِ النَّسَاءِ وَالْمُحْبَةِ أَحَقُّ مَا قَالَهُ الْعَبْدُ وَكَانَ لَكَ يَسِيرٌ

ترجمہ۔ اے ہمارے پروردگار تیرے لئے کثرت کے ساتھ پاکیزہ برکت والی حمد کہتے ہیں جس سے آسمان، زمین اور ان کے بعد جو تو چاہے بھر جائے اسے تعریف والے بزرگی والے جو بات بندے نے کہی ہے وہ حق ہے اور ہم سب تیرے بندے ہیں۔

پس ان کلمات میں اللہ کی حمد بیان کی گئی ہے اور اس کا شکر ادا کیا گیا ہے۔ نیز اس بات کی وضاحت ہے کہ اللہ کی حمد زیادہ لائق ہے کہ بندہ اس کو ادا کرے اس کے بعد کہے جس کو تو عظیم دے اس سے کوئی روکنے والا نہیں اور جس سے تو روک لے اس کو کوئی دینے والا نہیں۔ اور کسی دولت والے کو تجھ سے دولت فائدہ نہیں مل سکتی۔ ان کلمات میں اللہ کی توحید، ربوبیت کی تخلیق، تقدیر، آغاز، انجام کے لحاظ سے اثبات ہے وہی عطا کرنے والا ہے وہی روکنے والا ہے جس کو عظیم دے اس سے روکنے والا کوئی نہیں اور جس سے روک لے اس کو کوئی دینے والا نہیں نیز توحید الوہیت کی شرعا، امرا، نہیا و صحت ہو رہی ہے اور بزرگوں کو اگر یہ کثرت مال، بادشاہت، حکومت اور عظمت سے بظاہر نواز ا جائے یا بباطن جیسے محبوب الکاشفات والشفاعات

لے جائے لیکن آپ کا فعل نہیں بلکہ آپ نے ایک انسان سے یہ کلمات سنے تو آپ نے فرمایا میں نے تیرے بڑے فرشتوں کو دیکھا وہ ایک دوسرے سے مسابقت کر رہے تھے کہ کون ان کلمات کو پہلے کہے دیکھیں صفة الصلوۃ للعلامة الباقی ص ۱۸۱ صحیح بخاری، مسلم یہ دوسری حدیث ہے مولف نے پہلی حدیث میں اس کو داخل کر دیا ہے جس سے خیال ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی حدیث ہے

ہیں تو کسی کو اس کی ظاہری باطنی دولت تجھ سے کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ یعنی تیرے عذاب سے اس کو نجات حاصل نہیں ہو سکتی یہی وجہ ہے کہ حدیث میں الفاظ منک کے ہیں عندک کے نہیں ہیں اس لئے کہ عندک کی صورت میں یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ مال دولت سے تیرا قرب حاصل نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ مال دولت کا ہونا کبھی ضرر رساں نہیں ہوتا پس اس کلام میں تو حید کی حقیقت بیان ہو رہی ہے اِنَّكَ تَبْكُ ذَرِيَاكَ تَسْتَعِيْنُ (الفتح ۴) اے پروردگار ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم تجھی سے مدد مانگتے ہیں، کی تشریح ہو رہی ہے اگر تسلیم کر بھی لیں کہ سبب مطلوب کے ساتھ مستقل ہے حالانکہ سبب اللہ کی مشیت کے ساتھ ہے پھر بھی ضروری ہے کہ صرف ایک اللہ کے ساتھ امیدیں وابستہ رکھی جائیں صرف اسی پر بھروسہ کیا جائے صرف اسی سے سوال کیا جائے صرف اسی سے مدد طلب کی جائے صرف اسی سے استعانت ہو پس اسی کے لئے تعریف ہے اور اسی کی طرف شکوہ ہے وہی مستعان اور مستغاث ہے صرف اسی کے ساتھ قوت ہے پس کس طرح کسی سبب کو مطلوب کے ساتھ مستقل کہہ سکتے ہیں بلکہ اس کے ساتھ دیگر اسباب کا انضمام بھی ضروری ہے۔ نیز اس سے موانع اور معارضات کو ہٹانا بھی ضروری ہے تاکہ مقصود حاصل ہو جائے خیال رہے ہر سبب کا مشارک اور مخالف ہوتا ہے اگر مشارک اس کی معاونت نہ کرے اور مخالف اس سے دور نہ ہو تو مسبب یعنی مقصود حاصل نہیں ہو گا دیکھئے کیا صرف بارش ہی سبزہ اگاتی ہے نہیں بلکہ مٹی ہو اور غیرہ بھی اگانے میں شریک ہیں اسکے بعد بھی سبزہ تکمیل پذیر نہیں ہوتا جب تک کہ اس سے آفات کو نہ روکا جائے جو اس کو سوکھا دینے والی ہیں اسی طرح کھانا پینا بھی غذا نہیں ہوتا جب تک کہ بدن میں اس کو تحلیل کرنے والے قوی نہ ہوں پھر ان سبب کا مجموعہ بھی کارگر نہیں ہو سکتا جب تک کہ ان سے بیماریوں کو دور نہ کیا جائے جو اس کو تباہی، بربادی کی جانب لے جانے والی ہیں۔

اسی طرح وہ لوگ جو دوسروں کی معاونت کر رہے ہیں ان کی معاونت میں صرف ارادہ، قوت، فعل کو ہی دخل نہیں بلکہ ان کے ساتھ ساتھ دیگر کثیر تعداد میں خارجی وسائل کی ضرورت ہے جو مقصود کے حصول پر معاونت کریں اگرچہ ایک شخص ایسا بادشاہ بھی کیوں نہیں جس کی اطاعت میں لوگ سرست ہیں پھر معاون اسباب کے ساتھ ساتھ موانع اور عوائض بھی دفع ضروری ہے تاکہ مطلوب حاصل ہو معلوم ہوا کہ مطلوب کے حصول کے لئے جہاں

متقاضی کا وجود ضروری ہے وہاں موافقات کا دور کرنا بھی ضروری ہے پس سمجھ لیجئے کہ سبب معین متقاضی کا ہرگز ہے اس کے معاون شروط میں جس سے معلول معرض وجود میں آتا ہے۔ جس انسان نے بیان کردہ حقائق کا جائزہ لے لیا اس کے لئے توحید کا دروازہ کھل گیا وہ اللہ کے سوا کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرے گا۔ چہ جائیکہ وہ اس کے ماسویٰ کی عبادت کرے نہ وہ اللہ کے غیر پر توکل کرے نہ اس سے اپنی امیدیں وابستہ کرے (ط) ہم ان تمام چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں ہم رسولوں پر ایمان لانے میں تفریق کے قائل نہیں ہیں نیز ہم تمام رسولوں کی تصدیق کرتے ہیں اور جو کچھ انھوں نے پیش کیا اس کو تسلیم کرتے ہیں۔

(دش) سابقہ بیان کردہ حقائق کی طرف اشارہ ہے کہ ہم ان سب پر تفصیلاً ایمان رکھتے ہیں ہم رسولوں کے درمیان تفریق کو جائز نہیں سمجھتے کہ بعض پر ایمان لائیں اور بعض کا انکار کریں بلکہ ہمارا سب پر ایمان ہے اور سب کی تصدیق کرتے ہیں ظاہر ہے کہ جو شخص بعض پر ایمان لاتا ہے اور بعض کا انکار کرتا ہے وہ کلیتہً کافر ہے ارشاد خداوندی ہے:-
 وَيَقُولُونَ نَحْنُ بِبَعْضٍ مُّكْتَفٍ بِبَعْضٍ ذَرُّهُمْ يُنَبِّئُونَ اَنْ يَتَّخِذُوا مِنْ ذٰلِكَ سَبِيْلًا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُْنَ حَقًّا. (النساء ۱۵۰-۱۵۱)

ترجمہ :- اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور ایمان اور کفر کے بیچ میں ایک راہ نکالنی چاہتے ہیں وہ بلا اشتباہ کافر ہیں۔

چونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے پیغمبروں کی تصدیق فرمادے ہیں اس لئے آپ پر ایمان لاتا پہلے پیغمبروں پر بھی ایمان لاتا ہے اگر ایک شخص بعض رسولوں پر ایمان نہیں رکھتا تو وہ کافر ہے اس لئے کہ اس کا ایمان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں ہے آپ پر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ تمام رسولوں پر ایمان ہو اس قسم کا انسان بے شک اپنے آپ کو مومن سمجھتا ہے لیکن درحقیقت وہ ان لوگوں میں شمار ہوتا ہے جو اعمال کے لحاظ سے خسارے میں ہیں جن کی دنیوی زندگی کی کوششیں اکارت گئیں جب کہ وہ اس خیال میں مبتلا ہیں کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں۔

(ط) امت محمدیہ کے وہ لوگ جو کبار کے مرتکب ہیں وہ دوزخ میں جائیں گے لیکن اس میں ہمیشہ نہیں رہیں گے جب وہ توحید پر فخر ہوئے اور کبار تر گناہوں سے تاب بھی نہیں جوئے

البتہ جب ان کی ملاقات اللہ سے ہوئی تو وہ اللہ کی معرفت نہ کھتے تھے ایسے لوگ اللہ کی مشیت میں ہیں اگر اللہ چاہے تو اپنے فضل و کرم سے ان کو معاف کر دے جیسا کہ کتاب اللہ میں ہے۔

وَكَيْفَ يُعْذِرُ مِمَّا ذُكِّرَ لَهُ لَعَنَ يَشَاؤُهُ (النساء ۴۸-۵۶)

ترجمہ: اس کے سوا جس کو چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔

اور اگر چاہے تو اپنے عدل کے ساتھ ان کو عذاب میں گرفتار کرے پھر اپنی رحمت اور اطاعت گزار لوگوں کی شفاعت کے ساتھ انھیں عذاب سے نجات عطا فرمائے پھر انھیں جنت میں بھیج دے یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا دوست ہے جو اس کی معرفت نہ کھتے ہیں دونوں جہانوں میں ان کا حال ان لوگوں کی طرح نہیں ہے جو اس کی معرفت نہیں نہ کھتے جو اس کی ہدایت سے کورے ہیں اور اس کے دوست نہیں ہیں اے اللہ! اے اسلام! اہل اسلام کے متولی ہمیں اسلام پر استقامت عطا فرما یہاں تک کہ ہم تجھ سے اسلام کی بات میں ہی ملاقات کریں۔

(شیخ طحاوی نے اس وضاحت سے خواجہ اور معتزلہ کا رد کیا ہے، جو کہتے ہیں کہ کبار گناہوں کے مرتکب ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے البتہ خواجہ ان کو کافر سمجھتے ہیں۔ اور معتزلہ ان کو نہ مومن سمجھتے ہیں اور نہ کافر کہتے ہیں بلکہ ایک تیسرا درجہ ناسق قرار دیتے ہیں اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے)

بکیرہ گناہوں کے مرتکبین | شیخ طحاوی نے کہا کہ مرتکبین کا ذکر کرتے ہوئے امت محمدیہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کبار کے ارتکاب میں امت محمدیہ کے علاوہ لوگوں کا حکم امت محمدیہ جیسا نہیں ہے یہ بات قرین قیاس نہیں اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا ہے کہ دوزخ سے ان لوگوں کو نکال لیا جائے گا جن کے دلوں میں ذرہ برابر ایمان ہوگا۔ اس حدیث میں امت کی تخصیص نہیں ہے ہم کہتے ہیں کہ شیخ طحاوی کے اس رسالہ کے بعض نسخوں میں لفظ امت کا ذکر نہیں ہے اور ترکیب کے لحاظ سے فی الآثار کا لفظ لَا يَخْلُدُونَ کا معمول ہے صریح عبارت میں سمیع کی رعایت کے باعث اس کو مقدم کر دیا ہے یہ خیال درست نہیں کہ لفظ فی الآثار اَهْلُ الْاَنْبِيَاءِ کی خبر ہے جیسا کہ بعض تائیدیں کا خیال ہے۔

سے بخاری و مسلم۔

کبار میں علماء کا اختلاف بعض نے سات بعض نے دس بعض نے کہا جس کی
شرائع متفق ہیں بعض نے کہا جن کے ارتکاب سے معرفت الہی کا دروازہ بند ہو
نے کہا جن کے ارتکاب سے مال اور جسم کا تحفظ ختم ہو جائے بعض نے کہا کہ یہ
کے لحاظ سے ہیں بعض نے ان کے بارے میں اپنے عدم علم کا اظہار کیا وہ یلہ اللہ
کی طرح مخفی ہیں بعض نے ان کی تعداد ستر گنوائی ہے بعض کا قول ہے جس سے اللہ نے
روکا ہے وہ کبیرہ گناہ ہے بعض کا خیال ہے جس کے ارتکاب پر حد کا نفاذ ہونا ہے یا دوزخ
کی وعید آئی ہے یا اس کو لعنت اور غضب الہی کا سبب قرار دیا ہے، یہ قول مناسب معلوم
ہوتا ہے اسی طرح صغیرہ گناہوں کی تعریف میں بھی سلف صالحین کی عبارات مختلف ہیں بعض
نے کہا صغیرہ گناہ ہے جس پر دنیا و آخرت میں حد نہیں بعض نے کہا وہ گناہ جس پر دنیا میں کچھ حد نہیں اور آخرت
میں کچھ وعید نہیں وعید سے مراد دوزخ، لعنت اور غضب خداوندی
کی وعید ہے اس لئے کہ آخرت کی خاص وعید دنیا کی خاص عقوبت کے مثل ہے پس دنیاوی
تعزیر اس وعید کی مثل ہے جو دوزخ، لعنت اور غضب خداوندی کے ساتھ نہیں رہا البتہ
بہ ہوا، تمام اعتراضات سے بالکل محفوظ ہے جو اس کے غیر پر ہو رہے ہیں اس قاعدہ
میں سرورہ گناہ داخل ہے جس کا کبیرہ ہونا نص کے ساتھ ثابت ہے جیسے شرک، قتل، زنا
جادو، پاک دامن غافل مومن عورتوں کو متہم کرنا اس طرح اور گناہ بھی ہیں جیسے میدان جنگ سے
بھاگنا، یتیم کے مال کو کھانا، سود کھانا، وارین کی نافرمانی کرنا، جھوٹی قسم اٹھانا، جھوٹی گواہی
دینا وغیرہ اس قول کے راجح ہونے کے کچھ اسباب ہیں ایک سبب تو یہ ہے کہ یہ سلف
صالحین، ابن عباس، ابن عیینہ، ابن منفل و غیرے منقول ہے دو اسباب ارشاد خداوندی ہے
اِنَّ تَجْنِبُوْا کِبٰرَ مَا شَرَّکُمْ عَنْهُ کُفِّرْ عَنْکُمْ سَيِّئَاتِکُمْ وَتَذٰخِرُکُمْ
مِّنْ خَلْقٍ کَرِیْمًا (النساء ۱۵)

ترجمہ: تم بڑے بڑے گنہگاروں سے جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے بقتاب اٹھو گے
تو تمہارے (چھوٹے چھوٹے) گناہ معاف کر دیں گے اور تمہیں عزت
کے مکانات میں داخل کریں گے۔

اسی کے عین وعدہ کا وہ انسان حقدار نہیں جس کو اللہ کے غضب، لعنت اور دوزخ کی
دھمکی دی گئی ہے اسی طرح جو شخص اس قابل ہے کہ اس پر حد شرعی قائم کی جائے

سرت کبار کن ہوں سے استراذ کرنا اس کی برائیوں کا گناہ نہ ہوگا تیسرا سبب یہ ہے کہ اس قاعدے کا تعلق ان گناہوں کے ساتھ ہے جن کا ذکر کتاب اللہ اور سنت میں ہے ان گناہوں پر بند کا فائدہ شائع سے معلوم ہو رہا ہے چوتھا سبب بیان کردہ قاعدہ سے کبار اور سفار میں فرق ممکن ہے دیگر اقوال سے فرق ممکن نہیں ظاہر ہے کہ سات یا سترہ یا ستر کا قول صرف دعویٰ ہے اور یہ قول درجہ جس کی حرمت پر تمام شرائع کا اتفاق ہے، اس کا نقل کیا ہے کہ شراب نوشی میدان چھڑا سے بھاگنا، بعض محرمات سے نکاح کرنا ان سب کو کبار کی فہرست سے خارج کر دیا جائے اور تیمم کے مال سے ایک دانہ توہی کرنا، ہلکا سا جھوٹ بولنا وغیرہ کبار کی فہرست میں داخل ہو جائیں حالانکہ یہ درست نہیں اور جس شخص نے کبار کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ جس سے معرفت باللہ کا دروازہ بند ہو جائے یا مال اور بان ضائع ہو جائے اس کی بات کا مطلب یہ ہوگا کہ شراب نوشی، خنزیر، مردار اور خون کھانا اور پاک دامن عورتوں کو مستہم کرنا کبار سے شمار نہ ہوں۔ حالانکہ یہ بات غلط ہے اور جس شخص نے کہا کہ ان کو اضافی لحاظ سے کبار نہ کہا ہے یا جس کام سے اللہ نے روکا ہے وہ کبیرہ ہے اس سے صحت معلوم ہوتا ہے کہ گناہوں کو سفار، کبار میں تقسیم نہ کیا جائے حالانکہ یہ غلط ہے اس لئے کہ یہ بات انی لیسوں کے خلاف ہے جو گناہوں کو سفار، کبار و قسموں میں تقسیم کرتی ہیں اور یہ قول کہ کبار کا علم ہی نہیں ہے یا کبار میں بھی نیست نہیں وہ اپنے عدم علم کی بنا پر حقیقت کا انکار نہیں کر سکتے۔ واللہ اعلم۔

شیخ طحاوی کا قول۔ اگرچہ وہ تائب ہوں ظاہر ہے کہ توبہ گناہوں کو مٹا دیتی ہے اس میں کچھ اختلاف نہیں البتہ توبہ نہ کرے اس کے بارے میں اختلاف ہے۔

شیخ طحاوی کا قول۔ کہ ان کی ملاقات جب اللہ سے ہو تو ان میں اللہ کی معرفت ہو معرفت کے بدل اگر ایمان کا لفظ ہوتا تو بہتر تھا ظاہر ہے کہ جس میں اللہ کی معرفت ہو لیکن ایمان نہ ہو وہ کافر ہے۔ جہم بن صفوان نے صحت معرفت پر اکتفا کیا ہے لیکن اس کا قول باطل ہے جیسا کہ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے کیا یہ حقیقت نہیں کہ اہل لعین کو بھی اللہ کی معرفت ملتی۔ اس کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے۔

قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمٍ يُبْعَثُونَ (الحجر ۶۳)

ترجمہ۔ (اس نے) کہا پروردگار مجھے اس دن تک حیات دے جب لوگ (مرنے کے بعد) زندہ کئے جائیں گے۔

نیز فرمایا: قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَا تُخَوِّئُهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ (ص ۱۰۰)

ترجمہ:- (اس نے) کہا تیری عزت کی قسم میں ان سب کو سوائے تیرے مخلص بندوں کے بہکا رہوں گا۔

اسی طرح فرعون اور اکثر کفار کو معرفت حق اور خداوندی ہے:-
 وَلَقَدْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (لقمان ۲۵)
 ترجمہ:- اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ بول اٹھیں گے اللہ
 نیز فرمایا:- قُلْ لِّیَ الْاَرْضُ وَفَنَیْهَا اِنْ کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ سَیِّئًا لَّکِنَّ اللّٰهَ الْوَهَّابُ (۵۸/۵۹)
 ترجمہ:- کہو کہ اگر تم ہانتے ہو تو رہتاؤ کہ زمین اور جو کچھ زمین میں ہے وہ سب کس کا مال
 ہے بھٹ بول اٹھیں گے کہ نہ کا۔

ان کے علاوہ بھی کثیر آیات ہیں جو اس معنی پر دال ہیں معلوم ہوتا ہے شیخ طحاوی معرفت سے
 معرفت کاملہ مراد لیتے ہیں جو ان کے ہدایت یافتہ ہونے کو مستلزم ہے جس کی طرف اہل طریقت بھی
 اشارہ کرتے ہیں کیسے ممکن ہے کہ وہ کہا کہ ان کا ارتکاب کرنے والے ہیں بلکہ وہ تو لوگوں کے
 سردار اور خواص لوگ ہیں۔

شیخ طحاوی کا قول:- کہ وہ اللہ کی مشیت اور اس کے حکم میں ہیں اگرچہ اللہ چاہے تو اپنے
 فضل کے ساتھ انھیں معاف فرماوے اللہ تعالیٰ نے شرک اور غیر شرک میں فرق کیا ہے
 اس لئے کہ شرک اکبر الذکا ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیز اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ شرک
 معاف نہیں کیا جاتا اور اس کے علاوہ دیگر گناہوں کے معاف کرنے کو اپنی مشیت کے ساتھ
 معلق فرمایا ظاہر ہے کہ جائز تو اللہ کی مشیت کے ساتھ معلق ہو سکتا ہے ممتنع نہیں ہو سکتا
 اگر تمام گناہ برابر ہیں تو تفصیل سے لیا فائدہ نیز اس لئے کہ اس کے معاف کرنے کو مشیت
 کے ساتھ معلق فرمایا لیکن کب تر اور سفار گناہ تو یہ کہ بعد یقیناً معاف کر دیئے جاتے ہیں
 وہ مشیت کے ساتھ معلق نہیں ہیں جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:-

قُلْ یَا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ
 اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّهٗ ذُو الْغَفُوْرِ الرَّحِیْمِ (الزمر ۵۳)

ترجمہ:- کہہ دو اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے خدا کی رحمت

ناہید ہو نا خدا تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے اور وہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔
 معلوم ہوا کہ جن گناہوں کا معاف کرنا اللہ کی مشیت کے ساتھ معلق ہے وہ شرک کے

علاوہ گناہ میں اور توبہ سے پہلے کی بات ہے۔

شیخ طحاوی کا قول :- اے اللہ اسلام اور اہل اسلام کے محافظ، ہمیں اسلام ہتھامت عطا فرما یہاں تک کہ ہماری تیرے ساتھ ملاقات ہو۔ شیخ الاسلام ابو اسماعیل انصاری الفاروق میں سند کے ساتھ حضرت انس سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے اے اسلام اور اہل اسلام کے محافظ میرا تعلق اسلام کے ساتھ قائم فرما یہاں تک کہ میری تیرے ساتھ ملاقات بھی اسلام پر ہو۔

مقدم کلام کو اس دعا پر ختم کرنے کی مناسبت ظاہر ہے اسی قسم کی دعا حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی کی تھی۔ ارشاد خداوندی ہے:

ذٰلِكَ نَدْعُ الْبَنِيَّانِ مِنَ الْمَدْيَنَةِ وَعَقِبْتِي مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ فَاطِمَةُ السَّمَوَاتِ

وَالْأَرْضِينَ أَنْتَ وَبَنِيَّ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ تَوْفِئِي مُسْلِمًا وَآلِخَفْنِي بِالْأَصَابِعِ يٰيُوسُفَ (۱۱)

ترجمہ: جیت سبائیں بریں تو یوسفؑ نے خدا سے دعا کی کہ میرے پروردگار تو نے مجھے حکومت سے بہرہ دیا اور توبہ کی تعبیر علم بخشا اے آسمانوں اور زمین کے پید کرنے والے تو دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے تو مجھے (دنیا سے) اپنی اطاعت کی حالت میں فوت کر اور آخرت میں اپنے نیک بندوں میں داخل کججو۔ اور یہ دعا ان جادوگروں نے کی جو ادلا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے چاہتے تھے کہہ

ارشاد خداوندی ہے:

رَبَّنَا أَنْفِرْ غَ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ۔ (الاعراف ۱۲۶)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار ہم پر صبر سے ہتھامت کے دے دے اور ہمیں بارپلو تو مسلمان ہی ماریو۔

جو شخص ان دونوں آیات سے موت کی آرزوئے جواز پر استدلال کرتا ہے اس کا استدلال درست نہیں یہاں تو صرف اسلام پر مارنے کی دعا کا ذکر ہے نہ مطلق موت کا ذکر ہے اور نہ ہی یہ ذکر ہے کہ موت اب آجائے دونوں میں فرق واضح ہے۔

(طحاوی پر نیک، بد اہل قبلہ کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کو درست سمجھتے ہیں اور انہم کے فوت شدہ لوگوں پر نماز جنازہ ادا کرنے کو بھی درست مانتے ہیں۔

۱۔ الضیاء المقدسی فی الفتاویٰ ۱۴۱۵ھ طبرانی کے طریق انس بن مالک سے اسی سند کے ساتھ سند مضبوط ہے

احادیث صحیحہ (۱۸۳۲) تحقیق علامہ البانی دیکھیں مقدمہ طبع سوم ص ۶۱

والوں میں سے ہے۔ (دارس می سے اس کو مقرر کیا)
 عذر فرمائیے (اللہ پاک ہم سب پر رحم فرمائے) ہر شخص کے لئے اجازت ہے کہ وہ ایسے شخص
 کی اقتدا میں نماز ادا کر سکتا ہے جس سے فسق اور بدعت کے کام صادر نہیں ہوتے اس پر تمام
 آئمہ کا اتفاق ہے لیکن اقتدا کے شرائط سے یہ نہیں ہے کہ مقتدی کو امام کے اعتقاد کا علم
 ہو اور نہ ہی کسی امتحان کی ضرورت ہے مثلاً مقتدی دریافت کرے آپ کا عقیدہ کیا ہے
 مقتدی مستور الحال امام کی اقتدا میں نماز ادا کر سکتا ہے اگر ایسے شخص کے پیچھے نماز ادا کرنا ہے
 جو نہ صرف یہ کہ بدعتی ہے بلکہ بدعت کی طرف دعوت بھی دیتا ہے یا جس سے فسق و فجور کے کام
 سرزد ہوتے ہیں حالانکہ وہی مقرر امام ہے اس کے پیچھے ہی اسے نماز ادا کرنا ہے جیسے جمعہ عیدین
 منع حدیث ضعیف ہے سند میں کھرل اور ابو ہریرہ کے درمیان انقطاع ہے۔ ۳۵ حدیث ضعیف ہے اس
 میں علت انقطاع ہے ۳۶ صحیح ہے سند احمد میں بھی ہے۔

وہی بات ہے اس طرح عزیں اس قسم کا شخص جج کا امام ہے تو اس کی اقتدا میں ہی نماز ادا کی جائے
سلف، خلف، اندکایہیں مسلک ہے۔

اور جو شخص جمعہ، جماعت فاجرا امام کے پیچھے نہیں پڑھتا اکثر علماء کے نزدیک وہ بدعتی
چشم مسلک یہ ہے کہ وہ اس کی اقتدا میں نماز ادا کرے اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں خیال
کیجئے صحابہ کرام فاسق فاجرائم کی اقتدا میں جمعہ جماعت کے ساتھ ادا کرتے اور پھر اعادہ نہ فرماتے
جس طرح کہ عبداللہ بن عمر حجاج بن یوسف کے پیچھے نماز ادا کر لیتے تھے یہی حال حضرت انس
بن مالک کا تھا، اس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود اور دیگر صحابہ
کرام ولید بن عقبہ کی اقتدا میں نماز ادا کر لیتے حالانکہ وہ شراب پیتا تھا ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ
اس نے صبح کی نماز چار رکعت پڑھا دی مزید کہہ رہا تھا کہ اور پڑھاؤں عبداللہ بن مسعود نے کہا
ہم تو پہلے ہی زیادہ پڑھ چکے ہیں صبح بخادی میں ہے کہ جب حضرت عثمان بن عفان کا محاصرہ ہوا
تو ایک شخص نے امامت کرائی تو ایک شخص نے حضرت عثمان سے دریافت کیا آپ عام لوگوں
کے امام ہیں اور یہ شخص فتنہ باز لوگوں کا امام ہے حضرت عثمانی نے فرمایا میرے پیچھے نماز نہت
اچھا عمل ہے جب لوگ چھپے کام کریں تو آپ بھی ان کے ساتھ شامل ہو کر اچھے کام کرو اور
جب لوگ بُرے عمل کریں تو آپ ان سے کنارہ کش رہیں۔ (بخاری)

یاد رہے فاسق اور بدعتی کی نماز اپنے مقام پر درست ہے جب مقتدی اس کے پیچھے
نماز ادا کرے تو اس کی نماز باطل نہ ہوگی لیکن جس شخص نے اس کے پیچھے نماز ادا کرنے کو مجبور
جائے اس کا کہنا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض ہے نہ
کمال جو شخص بدعت اور فسق و فجور کو شہرت دیتا ہے اس کو مسلمانوں کا امام نہ بنایا جائے
وہ تعزیر کے قابل ہے یہاں تک کہ وہ توبہ کرے اگر اس سے بائیکاٹ کرنا ممکن ہے یہاں تک
کہ وہ توبہ کرے تو یہ مستحسن ہے اور جب کچھ لوگ ایسے شخص کے پیچھے نماز ادا نہیں کرتے بلکہ کسی
دوسرے کی اقتدا میں نماز ادا کرتے ہیں اس سے اگر اس پر کچھ اثر ہوا تو وہ تائب ہوگا تو بہتر
ہے ورنہ اس کو منصب سے الگ کر دیا جائے تاکہ اس قسم کے گناہوں سے بچا جائے
دیکھئے جب اس طرح کے انسان کے پیچھے لوگ نماز ترک کر دیں گے تو اس میں مصلحت شرعیہ
موجود ہے پھر دوسرے امام کی موجودگی میں جمعہ اور جماعت باقاعدگی سے ہو رہے ہیں ہاں
اگر اس کے پیچھے نماز ادا نہ کرنے سے جمہور جماعت فوت ہو جائیں کوئی متبادل مناسب نظام

نہ ہوں گے تو ایسی شکل میں جو لوگ اس کی اقتدا چھوڑ دیں گے وہ بدعتی ہوں گے اور صحابہ کرام کی مخالفت کریں گے اسی طرح جب حاکم وقت نے کسی انسان کو امام متعین کیا ہے تو اس کی اقتدا میں نماز نہ ادا کرنے میں کوئی شرعی مصلحت نہیں ہے لہذا اس کی اقتدا میں نماز نہ پڑھنا جائز نہیں بلکہ اس کی اقتدا میں نماز ادا کرنا افضل ہے جہاں تک کسی انسان کے لئے ممکن ہے وہ مسئلہ امامت میں معین امام کی مخالفت نہ کرے خاص طور پر اس وقت جب کہ اس کو امامت سے الگ کرنے سے عظیم شر کے پیدا ہونے کا احتمال ہو ایسی صورت میں قلیل فساد کو ختم کرنا اور عظیم شر کو دعوت دینا دانشمندی نہیں ہے ظاہر ہے کہ شریعت میں تو مصالح کا خاص طور پر خیال رکھا گیا ہے شریعت مصالح کی تکمیل اور فساد کی بیج کنی میں کوئی نقصان ہے پس جموعہ جماعت کو فوت کرنا اس میں زیادہ نقصان ہے بنسبت اس نقصان کے جو فاسق فاجرا امام کی اقتدا میں نماز ادا کرنے سے حاصل ہوتا ہے خصوصاً جب اقتدا نہ کرنے سے اس کا فسق و فجور ختم نہیں ہوتا البتہ اگر نمازوں کی امامت کے لئے کسی نیک انسان کا تعین ممکن ہے تو فاجرا امام کے پیچھے نمازیں ادا کرنے سے یہ بہتر ہے جب بلا سزا کسی فاسق فاجر کے پیچھے نماز ادا کرے تو اس مسئلہ میں علماء مختلف انجیال میں بعض نے کہا نماز کا اعادہ کرے بعض نے کہا نماز کا اعادہ نہ کرے تفصیل کے لئے فروعی کتابیں دیکھئے امام جب بھول جلتے یا اس سے خطا ہو جائے مقتدی کو اس کے حال کا علم نہ ہو سکے تو مقتدی پر نماز کا اعادہ نہیں ہے جیسا کہ پہلے یہ بات ایک حدیث میں گزر چکی ہے حضرت عمرؓ نے بحالت جنابت بھول کر نماز کی امامت کی تو نماز کا اعادہ کیا لیکن مقتدیوں کو اعادہ کا حکم نہ آیا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگر مقتدی کو نماز ادا کرنے کے بعد علم ہوا کہ امام بے وضو تھا تو وہ نماز کا اعادہ کرے امام شافعیؒ امام احمد امام مالک ان کے مخالف ہیں اسی طرح سے اگر امام ایسا عمل کرے جو مقتدی کے نزدیک درست نہ ہو تو تفصیلات کے لئے فروع کا مطالعہ کریں اگر مقتدی کو علم ہو جائے کہ امام بے وضو نماز پڑھتا ہے تو چونکہ امام لہو و لعب کرنے والا ہے اس لئے مقتدی اس کے پیچھے نماز ادا نہ کرے۔

کتاب و سنت کے نصوص اور اسلاف کا اجماع اس بات پر دال ہے کہ حاکم وقت، نمازوں کا امام ماتحت حاکم، فوج کا کمانڈر نہ کوۃ فراہم کرنے والا اجتہادی مسائل میں ان کی اطاعت کی جائے یہ لوگ اپنے ماتحت لوگوں کی اطاعت نہ کریں بلکہ ماتحت لوگ

اپنی رائے چھوڑ کر ان کی اطاعت کریں اتفاق و اتحاد کا یہی تقاضا ہے کہ اختلافات بجا جانے بلاشبہ مسائل تجزیہ میں اختلاف کرنے سے بدرجہا اتفاق و اتحاد کی فضا کو برقرار رکھنا عظیم کام ہے اسی بنیاد پر کام کے لئے بھی اس بات کی اجازت نہیں کہ کوئی دوسرے عالم کے فیصلہ کے خلاف اپنی رائے کا اظہار کرے۔ مراد صواب یہی ہے کہ تمام ایک دوسرے کی اقتدار میں مداخلت نہ کریں۔

امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ وہ مارون رشید کے ساتھ حج کرنے گئے۔ مارون رشید نے بھیجے لکوائے امام مالک نے فتویٰ صادر کیا کہ اس سے وضو نہیں ٹوٹتا چنانچہ خلیفہ نے پہلے وضو کے ساتھ لوگوں کو نماز پڑھائی امام ابو یوسف سے دریافت کیا گیا آپ نے بھی ان کی اقتدار میں مداخلت کی ہے انھوں نے جواباً کہا سبحان اللہ! امیر المؤمنین نماز پڑھا رہے تھے مقصد یہ تھا کہ امیر المؤمنین کی اقتدار میں مداخلت نہ کرنا اہل بدعت کا شیوہ ہے حضرت ابو ہریرہ کی حدیث ملاحظہ فرمائیں جو بخاری میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اگر انی ہے آئمہ تمہیں نماز پڑھائیں گے اگر صبح نماز پڑھائیں تو سب کی نماز صبح ہے اگر صبح نہ پڑھائیں تو تمہاری نماز صبح ہوگی ان کی غیر صبح ہوگی یہ حدیث نص صریح ہے کہ امام جب خطا کرتا ہے تو اس کی خطا اس پر واقع ہوتی ہے مقتدی پڑھنا نہ نہیں ہوتی خیال رہے مجتہد اگر خطا کسی واجب کو واجب نہیں سمجھتا یا کسی ناجائز فعل کو خطا ناجائز نہیں سمجھتا تو اس پر کچھ حرج نہیں اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ اس حدیث صریح کی مخالفت کرے یہ حدیث ان لوگوں کے خلاف حجت ہے جن کا نظریہ ہے خواہ وہ شوافع ہوں یا احناف یا حنابلہ کہ امام جب ایسا عمل چھوڑ دے جس کو مقتدی واجب سمجھتا تھا تو اس کی اقتدار دست نہیں اس لئے کہ اتحاد و اتفاق کا خیال رکھنا ضروری ہے نیز جس اختلاف سے فساد کا اندیشہ ہو اس کا ترک بھی ضروری ہے۔

شیخ طحاوی کا قول کہ جو شخص ان میں سے فوت ہو جائے ہم ان کا نماز جنازہ ادا کریں گے یعنی ان میں سے جو لوگ فوت ہوں گے خواہ وہ نیکو کار ہوں یا فاجر فاسق ہوں ہم ان کا نماز جنازہ ادا کریں گے اس عموم سے باغیوں، ڈاکوؤں اور خودکشی کرنے والوں کو مستثنیٰ قرار دیا جائے گا امام ابو یوسف کے نزدیک یہ استثناء درست نہیں البتہ ان میں سے جو شہید ہو جائے اس کا نماز جنازہ ادا کیا جائے گا البتہ امام شافعی امام مالک اس کے خلاف ہیں۔ شیخ طحاوی کا مقصد یہ ہے کہ ہم اہل بدعت اور فاسق فاجر

لوگوں کا نماز جنازہ ادا کریں گے البتہ وہ لوگ جو اسلام کا اظہار کرتے ہیں دو قسم کے ہیں مومن ہیں یا منافق ہیں جب ہمیں کسی کے نفاق کا یقین ہوگا تو نہ اس کا نماز جنازہ پڑھا جائے گا اور نہ اس کے لئے مغفرت کی دعا کی جائے گی اور جس کے نفاق کا یقین نہ ہو اس کا نماز جنازہ پڑھا جائے گا اگر کسی شخص کو کسی کے نفاق کا علم ہی نہیں تو وہ اس کا جنازہ پڑھ سکتا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس شخص کا جنازہ نہیں پڑھا کرتے تھے جس کا جنازہ حضرت حدیفہ نہ پڑھتے اس لئے کہ انھیں جنگ تبوک میں منافقین کا علم ہو گیا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کا جنازہ ادا کرنے سے روک دیا تھا اور آپ کو خبردار کر دیا تھا کہ اگر آپ بھی ان کے لئے مغفرت کی دعا کریں گے تو اللہ ان کو معاف نہیں فرمائے گا اس کی علت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے پس جس شخص کا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان ہے اس کا نماز جنازہ پڑھنے سے نہیں روکا جائے گا اگرچہ اس میں اعتقاد ہی عملی گناہ کیوں نہ ہو اور وہ بدعات اور فسق و فجور کا مرتکب کیوں نہ ہو جب کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ایمانداروں کے لئے مغفرت طلب کی جائے ارشاد خداوندی ہے -

فَاعْلَمُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ (محمد ۱۶)

ترجمہ :- پس جان رکھو کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور مومن مرد اور عورتوں کے لئے بھی -

اللہ تعالیٰ نے تو حید نیز اپنے ایمان دار مردوں و عورتوں کے لئے استغفار کا حکم دیا ہے پس توحید دین کا اصل ہے اور استغفار سے دین کو کمال حاصل ہوتا ہے تو ان کے لئے مغفرت اور رحمت کی دعا کرنا واجب ہے یا مستحب ہے عام ہے یا خاص ہے خاص سے مراد میت کے لئے مغفرت کی دعا کرنا کیا یہ حقیقت نہیں کہ جو مومن فوت ہوتا ہے اس کا جنازہ ادا کرنے کا تمام ایمانداروں کو حکم دیا گیا ہے نیز وہ اس کے حق میں دعا کریں چنانچہ ابو داؤد ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے جب تم میت کا جنازہ ادا کرو تو خالص اس کے لئے دعا کرو -

(ط) ہم ان میں سے کسی کو حتمی طور پر جہنمی اور دوزخی نہیں کہتے ہیں -

(مش) مقصود یہ ہے کہ ہم اہل قبلہ کے کسی انسان کے بارے میں تعین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں جنتی ہے فلاں دوزخی ہے ہاں جس شخص کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اطلاع دی ہے وہ جب کہ عشرہ مبشرہ صحابہ کرام ہیں، ان کو جتنی طور پر ہم جنتی کہیں گے اس کے ساتھ ساتھ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ کبار کے متبعین سے جس شخص کو اللہ چاہے گا دوزخ میں گرائے گا اس کے بعد شفاعت کرنے والوں کی سفارش کے ساتھ دوزخ سے نکلے گا لیکن کسی معین انسان کے بارے میں ہم توقف اختیار کریں گے اس کو جنتی یا دوزخی نہیں کہیں گے اس لئے کہ اس کی حقیقت ہماری نظروں سے اوجھل ہے نہ ہی ہمیں اس بات کا علم ہے کہ اس کی موت کس پر ہوئی۔ بس ہم تو نیکوکاروں کے لئے امیدوار ہیں اور بدکاروں کے لئے خائف ہیں کسی شخص کے لئے جنت کی گواہی کے بارے میں سلف کے تین قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ صرف انبیاء کے لئے جنت کی شہادت دی جائے یہ قول محمد بن حنفیہ اور اوزاعی کا ہے دوسرا قول یہ ہے کہ جس مومن کے لئے نص موجود ہے اس کے حق میں جنت کی شہادت دی جائے گی یہ قول اکثر علماء اور محدثین کا ہے تیسرا قول یہ ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کے حق میں بھی جنت کی شہادت دیں گے جن کے بارے میں ایماندار شہادت دیں گے صحیحین میں ہے ایک جنازہ گذرا لوگوں نے اس کی تعریف کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تعریف واجب ہو گئی پھر ایک اور جنازہ گذرا لوگوں نے اس کے حق میں برے کلمات کہے آپ نے فرمایا آپ کا بڑا کہنا واجب ہو گیا حضرت عمرؓ نے دریافت کیا اے اللہ کے رسول! کیا واجب ہو گیا آپ نے فرمایا اس کے حق میں تم نے اچھے کلمات کہے اس کے لئے جنت واجب ہو گئی اور اس دوسرے کے حق میں تم نے برے کلمات کہے تو اس کے لئے دوزخ واجب ہو گئی تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔ نیز ارشاد نبوی ہے: قریب ہے کہ تم جنتیوں کی جہنمیوں سے تمیز کر سکو گے صحابہ کرام نے دریافت کیا یا رسول اللہ! یہ کیسے ممکن ہے آپ نے فرمایا کسی کی تعریف کرنا کسی کی مذمت کرنا پس آپ نے بتا دیا کہ اس طرح جنت والوں اور دوزخ والوں کو معلوم کیا جاسکے گا۔

طرح ہم ان پر کفر، شرک، نفاق کی گواہی نہیں دیتے ہیں جب تک کہ ان کے اللہ باتوں کا ظہور نہ ہو اور ہم ان کے باطنی حالات کو اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔

سہ محدث صحیح ہے احکام الجنائز علماء البانی ص ۴۴۔

دش، ہمیں ظاہر دیکھ کر حکم لگانے کا حکم دیا گیا ہمیں ظن اور بلا علم کسی بات کے کہنے سے روکا گیا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْخَرُوا قَوْمًا مِنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ (الحجرات)

ترجمہ :- مومنو! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے لیکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں۔

نیز فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ (الحجرات ۱۲)

ترجمہ :- اے ایمان والو! بہت گمان کرنے سے احتراز کرو کہ بعض گمان گناہ ہیں۔

نیز فرمایا: وَلَا تَقْعُ مَآئِينَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْنُونٌ (الاسراء ۳۶)

ترجمہ :- اور (اے بندے) جس چیز کا تجھے علم نہیں اس کے پیچھے مت پرہ کہ کان اور آنکھ اور دل ان سب (خوارج) سے ضرور بائز پرس ہوگی۔

(ط) ہم امت محمدیہ میں سے کسی پر بھی تلوار پھلانے کی اجازت نہیں دیتے ہاں جس پر تلوار پھلانا ضروری ہو۔

دش، صحیح حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی ایسے مہمان کا خون گرانا حلال نہیں جو اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں ہاں تین باتوں میں سے کسی ایک کے پاس جہان سے خون گرانا درست ہے۔

شادی شدہ انسان زنا کرے، نفس کو نفس کے برائے قتل کیا جائے گا، جو دین اسلام چھوڑ کر مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہو جائے۔

(ط) ہم اس بات کو جائز نہیں سمجھتے کہ حکام و ملت کے خلاف بغاوت کریں اگرچہ وہ ظالم ہی کیوں نہ ہوں، نہ ہی ہم ان پر بددعا کریں۔ بلکہ ہمیں ان کی اطاعت و شکر میں رہنا چاہیے اور ان کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت کی طرح فرض سمجھیں جب تک کہ وہ نافرمانی

سے سند حسن کا احتمال رکھتی ہے ابن ابی زہیرہ ثقفی: اپنے باپ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں (ابن ماجہ ۴۲۱۱) (احمد ۴۱۶۲، ۴۱۶۳، ۴۱۶۴) زوائد میں اس کی سند کو صحیح کہا اور رواۃ ثقہ ہیں۔ میں کہتا ہوں اس کو بکر سے صرف دو راویوں نے بیان کیا۔ ہے ابن حبان کے علاوہ کسی نے اس کو ثقہ قرار نہیں دیا (۲۶۷۷) (تقریب میں مقبول کہا ہے یعنی: اہل سنت کی صورت میں و اگر نہ کمزور حدیث والا ہے۔)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ساتھ رہے میں نے عرض کیا اگر امام اور جماعت نہ ہوں آپ نے فرمایا تو پھر ان تمام جماعتوں سے کن رہ کسٹ ہو جاؤ اگرچہ تجھے جنگل کی زندگی گذارنی پڑے اور دزنتوں کی چھال کھانی پڑے یہاں تک کہ اسی حالت پر تجھ کو موت آجائے (بخاری مسلم)

نیز ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے امیر سے کسی مکروہ عمل کو دیکھے تو وہ صبر کرے اس لئے کہ جو شخص جماعت سے ایک بالشت دور ہوا اور فوت ہو گیا تو وہ جاہلیت پر فوت ہوا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس نے اسلام کا پتہ اپنی گردن سے اتار دیا۔

نیز حضرت ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دو خلیفوں کی بیعت کی جائے تو ان میں سے جو بعد والا ہے اس کو قتل کر دو۔ (مسلم احمد) نیز حضرت عوف بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے بہترین امام وہ ہوں گے کہ تم ان سے محبت کرو گے اور وہ تم سے محبت کریں گے اور تم ان کے حق میں دعا کرو گے وہ تمہارے حق میں دعا کریں گے اور تمہارے بدترین امام وہ ہوں گے جن کو تم برا جانو گے اور وہ تمہیں برا جانیں گے اور تم ان پر لعنت کرو گے اور وہ تم پر لعنت کریں گے ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا اس وقت ہم انھیں تنویر کے ساتھ ختم نہ کر دیں آپ نے فرمایا جب تک کہ وہ تم میں نماز کی اقامت کا خیال رکھیں اس وقت تک انھیں کچھ نہ کہو خبردار جس پر کوئی شخص حاکم بنایا گیا اس نے دیکھا کہ وہ اللہ کی نافرمانی کے کام کرتا ہے اس کو برا سمجھے لیکن اس کی اطاعت سے دستکش نہ ہو (مسلم)

بلاشبہ کتاب و سنت اولوالامر کی اطاعت کے وجوب پر دال ہے جب تک کہ وہ نافرمانی کا حکم نہ دیں اللہ پاک کے اس قول پر غور کیجئے ارشاد خداوندی ہے:-

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ (النساء ۵۹)

ترجمہ:- اللہ کی اطاعت کرو اور پیغمبر کی اطاعت کرو اور جو تم میں حکومت دے ہیں۔

خود فرمائیے کہ رسول کے ساتھ تو لفظ اطیعوا کا ذکر ہے لیکن اولوالامر کے ساتھ لفظ اطیعوا کا ذکر نہیں کیا گیا ہے اس لئے کہ اولوالامر کی اطاعت مستقل نہیں ہے بلکہ ان کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے ماتحت ہے اور رسول کے ساتھ اطاعت کے مادہ کا مطلب ہے رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت اس لئے

سہ مسلم ۱۷ ص ۱۱۲/۱۲۱، لیکن ابن عباس سے نہیں متنازع کو وہ ہم سے۔

کہ رسول غیر اللہ کی اطاعت کا حکم نہیں دیتا وہ معصوم ہے ہاں اولوالامر سے ممکن ہے کہ وہ غیر اللہ کی اطاعت کا حکم دیں لہذا ان کی اطاعت ان کاموں میں کی جاتی ہے جن میں وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں ہاں ان کے ظلم کی صورت میں بھی ان کی اطاعت اس لئے ضروری ہے کہ ان کی عدم اطاعت پر بڑا مفسد مرتب ہوتے ہیں ان کے ظلم سے کہیں زیادہ دور رس بڑے اثرات کے حامل ہوتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ ان کے ظلم پر یہ مکر کرنے میں گناہ دور ہوتے ہیں اور ثواب میں کمی گنا امتداد مبتلا ہے دراصل ہمارے برے اعمال کے بدلے میں وہ ہم پر مسلط کئے گئے اب ظاہر سے جس طرح کا عمل مبتلا ہے اسی طرح کا بدلہ دیا جاتا ہے تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اصلاح عمل کے ساتھ ساتھ استغفار اور توبہ کریں ارشاد خداوندی ہے -

وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ (التورہ ۳۰)

ترجمہ :- اور جو مصیبت تم پر واقع ہوتی ہے سو تمہارے اپنے فعلوں سے اور وہ بہت سے

گناہ تو معاف کر دیتا ہے

نیز فرمایا :- وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ قَدْ أَصَبْتُمْ مِنْهَا قُلُومًا فَمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ (التورہ ۳۰)

ہُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ۔ (آل عمران ۱۶۵)

ترجمہ :- (بجلائیے) کیا (بات ہے) جب (احمد کے دن کفار کے ہاتھ سے) تم پر مصیبت واقع ہوئی حالانکہ جنگ بدر میں اس سے دو چند مصیبت تمہارے ہاتھ سے ان پر پڑ چکی ہے تو تم پھلا اٹھے کہ دوائے آفت ہم پر کہاں سے آ پڑی کہہ دو کہ یہ تمہاری شامت اعمال ہے۔

نیز فرمایا :- مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ

فَمِنْ نَفْسِكَ (النساء ۷۹)

ترجمہ :- (وہ آدم زاد!) تجھ کو جو فائدہ پہنچے وہ خدا کی طرف سے ہے اور جو نقصان پہنچے وہ تیری ہی دشامت اعمال کی وجہ سے ہے۔

نیز فرمایا :- وَكَذَلِكَ تُؤْتَى بَعْضَ الظَّالِمِينَ بَعْضًا مِمَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ (الانعام ۱۳۰)

ترجمہ :- اور اسی طرح ہم ظالموں کو ان کے اعمال کے سبب جو وہ کرتے تھے ایک دوسرے پر مسلط کر دیتے ہیں۔

پس اگر رعایا ظالم امیر کے ظلم سے سنگاری چاہتی ہے تو وہ ظلم ترک کر دیں مالک بن دنیا بیان کرتے ہیں کہ اللہ کی بعض کتابوں میں ہے میں اللہ مالک الملک ہوں بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں جس شخص نے میری اطاعت کی اس پر میں نے بادشاہوں کو رحیم بنا دیا اور جس نے

میری نافرمانی کی اس پر میں نے ان کو عذاب کی صورت میں مسلط کر دیا پس تم بادشاہوں کو گالی گلوچ شروع کر دو ان کا میلان آپ کی طرف ہو جائے گا۔

دعوتِ ہم سنت اور جماعت کی اتباع کرتے ہیں اور اختلافِ علیحدگی سے بچاؤ اختیار کرتے ہیں۔
 (دش) سنت سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے اور جماعت سے مسلمانوں کی جماعت صحابہ کرام اور قیامت تک ان کی اتباع کرنے والے لوگ مراد ہیں ان کی اتباع سراپا ہدایت ہے اور ان کی مخالفت سراپا گمراہی ہے اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ
 وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔ (آل عمران ۳۱)

ترجمہ:- (اے پیغمبر لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو تم میری پیروی کرو خدا بھی تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ معاف کرنے کا اور خدا تو بخشنے والا مہربان ہے۔

نیز فرمایا: وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُسْلِمِينَ تُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَتُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَ مَسِيرًا (النساء ۱۱۵)
 ترجمہ:- اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے اور مومنوں کے راستے کے سوا اور راستے پر چلے تو جہنم پر وہ چلتا ہے تو ہم اس کو اور ہر چہ چلنے دیں گے اور

قیامت کے دن (جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بُری جگہ ہے۔

نیز فرمایا: قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَمَا عَلَيَّ غَمٌّ مِمَّا جَعَلْتُمْ مَا حَمَلْتُمْ وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ۔ (النور ۵۴)

ترجمہ:- کہہ دو کہ تم خدا کی فرمانبرداری کرو اور رسول خدا کے حکم پر چلو اگر تم موٹے گے تو رسول پر (اس چیز کا ادا کرنا) ہے جو ان کے ذمہ ہے اور تم پر اس چیز کا ادا کرنا ہے جو تمہارے ذمہ ہے اور اگر تم ان کے فرمان پر چلو گے تو تم سیدھا راستہ پالو گے اور رسول کے ذمہ تو صاف صاف پہنچا دینا ہے۔

۱۔ اسرائیلی روایت ہے بعض ضعیف راویوں نے اس کو مرفوع بنادیا ہے طبرانی فی الاوسط میں یہ حدیث الورد سے ہے
 ۲۔ ہاشمی (خ ۵/۲۳۹) بیان کیا ہے کہ اس کی سند میں ابراہیم بن راشد متروک راوی ہے۔

نیز فرمایا: - اِنْ هَذَا اَصْرَاطِي مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ
فَتَقْدِرَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَالِكُمْ وَهَذَا كُمْ بِهِ اَمَلَكُمْ شَقَوْنَ - (الانعام ۵۴)

ترجمہ :- اور یہ کہ میرا سیدھا رستہ یہی ہے تو تم اسی پر چلنا اور راستوں پر نہ چلنا خدا کے
رستے سے الگ ہو جاؤ گے ان باتوں کا خدا تعالیٰ تم کو دیتا ہے تاکہ تم پر ہیز گار بنو۔
نیز فرمایا :- وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ كَعْدِ مَا جَاءَهُمْ

الْبَيِّنَاتِ وَالْوَلَّتِ لَهُمْ عِزَابٌ عَظِيمٌ - (آل عمران ۱۰۵)

ترجمہ :- اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو متفرق ہو گئے اور احکامِ ہیز آنے کے بعد ایک دوسرے سے
اختلاف و اختلاف کرنے لگے یہ وہ لوگ ہیں جنکو (قیامت کے دن) بڑا عذاب ہوگا۔

نیز فرمایا: - اِنَّ الَّذِيْنَ قَرَّبُوْا اٰيَتِنَا لَمَّا جَاءَتْهُمْ لَاسْتَعْتَابَ مِنْهُمْ فِئْتَانٌ اٰمَنَّا اَمْرَهُمْ
اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يَنْتَظِرُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ - (الانعام ۱۱۰)

ترجمہ :- جن لوگوں نے اپنے دین میں (دہشت سے) رستے نکالے ہیں اور کسی کسی فرتے ہو گئے ان سے
تم کچھ کام نہیں انکا کام خدا کے حوالے ہے یہ جو کچھ وہ کرتے ہیں وہ انکو سبب بنائے گا۔
سنن کی کتابوں میں عریاض بن ساریہ سے ایک حدیث مروی ہے جس کو امام ترمذی نے
صحیح کہا ہے اس نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں پُر اثر وعظ فرمایا جس سے
ہماری آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور دل کا پٹنے لگے ایک صحابی نے عرض کیا یہ تو الوداعی وعظ معلوم
ہو رہا ہے آپ عید کسی بات کے خیال رکھنے کا حکم دیتے ہیں آپ نے فرمایا میں تمہیں سمع و اطاعت
کی وصیت کرتا ہوں بے شک شان یہ ہے جو شخص تم میں سے میرے بعد زندہ رہا وہ بہت اختلاف
دیکھے گا پس تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم میری اور میرے خلفاء راشدین ہدایت یافتہ کی سنت
سے تمسک اختیار کرو اور اس کو نہایت مضبوطی کے ساتھ نفاذ رکھو نیز اپنے آپ کو بدعات
سے بچاؤ بے شک ہر بدعت گمراہی ہے۔ نیز آپ نے فرمایا بے شک اہل کتاب کے بہتر فرتے ہیں
گئے میری امت کے بہتر فرتے ہیں جائیں گے تمام اپنی خواہشات کے (بجاری) دوزخ میں جائیں گے
صرف ایک فرقہ (جنتی ہے) اور وہ جماعت ہے۔ ایک روایت میں ہے صحابہ نے عرض کیا اے
اللہ کے رسول! وہ کون فرقہ ہے آپ نے فرمایا جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے واضح فرمایا کہ اکثر اختلاف کریں تو اسے تباہ و برباد ہونے والے ہیں۔ اہلسنت والجماعت ان سے مستثنیٰ ہیں۔

اس حدیث صحیح ہے جیسا کہ امام ترمذی نے اسکو صحیح کہا ہے (الارواء ۵۱۱) السنن لابن ابی عامر رقم ۵۴/۳۱ (۵۴) اس حدیث صحیح سے علاحدہ
الصحيح ۲/۴۰۳) السنن کی تحریک بھی دیکھیں اس حدیث میں ضعف ہے ترمذی نے الامان میں جن کہا ہے۔

عبداللہ بن مسعود کا قول کس قدر عمدہ ہے جب وہ فرماتے ہیں کہ جو شخص تم میں سے کسی راہ پر چلنے والا ہے وہ فوت شدہ لوگوں کا راہ اختیار کرے اس لئے کہ زندہ انسان کے بارے میں فتنہ سے امن میں نہیں رہا جاسکتا دیکھئے یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام ہیں جو امت محمدیہ میں سب سے افضل میں دلوں میں نیکی میں جبرئیل سے علم میں گہرائی سے تکلفات سے دور ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت اور دین کی اقامت کے لئے پسند فرمایا ہے پس ان کے فضائل کا اعتراف کرو اور ان کے نقش قدم پر چلو اور استطاعت کے مطابق ان کے طریقہ اور اخلاق کا اتباع کرو یقیناً وہ لوگ میرے راہ پر رہنے والے کی نذر وخت آئندہ اوراق میں آجائے گی۔

رط، ہم اہل عدل، اہل امانت سے محبت کرتے ہیں اور ظالموں، منافقوں سے دشمنی رکھتے ہیں۔ دشمن، یہ کمال درجہ کا ایمان اور کمال درجہ کی عبودیت ہے ظاہر ہے کہ عبادت محبت کے کامل ہونے اور انتہائی ذلت کا تقاضا کرتی ہے پس اللہ کے رسولوں، پیغمبروں اور ایمان دار لوگوں کے ساتھ محبت کرنا اللہ کے ساتھ محبت کرنا ہے اگرچہ وہ محبت اللہ کے ساتھ ہے اس کا مستحق اللہ کا غیر نہیں ہو سکتا اس لئے کہ غیر اللہ کی محبت اللہ کی محبت میں ہے۔ اللہ کے مقابلہ میں نہیں ہے ظاہر ہے کہ محب اس چیز کو محبوب جانتا ہے جس سے محبوب کو محبت ہے اور اس سے اس کو بغض ہے جس سے وہ دشمنی رکھتا ہے جس سے اس کی دوستی ہے اس سے اس کی بھی دوستی ہے اور جس سے اس کی دشمنی ہے اس سے اس کی بھی دشمنی ہے وہ اس کی رضا پر راضی رہتا ہے اور اس کی ناراضگی سے ناراض ہوتا ہے وہ اسی چیز کا حکم دیتا ہے جس کا وہ حکم دیتا ہے اور جس چیز سے وہ روکتا ہے اس سے وہ بھی روکتا ہے وہ ہر حالت میں اپنے محبوب کی موافقت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی احسان کرنے والوں پر مہر گاروں، توبہ کرنے والوں، پاک سات رہنے والوں سے محبت کرتا ہے اور ہم ان سے محبت کرتے ہیں حتیٰ سے اللہ محبت کرتا ہے۔ اور اللہ خیانت کرنے والوں، فادلوں اور تکبر کرنے والوں کو اچھا نہیں جانتا اور ہم بھی ان سے محبت نہیں کرتے نیز ہم اللہ کی موافقت کرتے ہوئے ان سے دشمنی رکھتے ہیں۔ بخاری، مسلم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے جس شخص میں تین چیزیں ہیں وہ ایمان کی عبادت پائے گا جس شخص کو اللہ اور اس کا رسول ان کے ماسوائے سے زیادہ محبوب ہے وہ شخص جو کسی انسان سے صرف اللہ کے لئے مجاہد کرتا ہے اور وہ شخص جو محبوب گردانتا ہے کہ وہ کفر کی جانب چلا جائے جب کہ اللہ نے اس کو

اس سے نجات عطا کی ہے جیسا کہ وہ محبوب گردانا ہے کہ وہ دوزخ میں گرایا جانے پس مکمل محبت اس بات کو مستلزم ہے کہ محبوب کی پسند اور ناپسند میں اس کی موافقت کی جائے اور جس سے اس کی دوستی ہے اس سے دوستی رکھی جائے اور جس سے اس کی دشمنی ہے اس سے دشمنی کی جائے اور یہ بات بالکل ظاہر یا ہر ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے انتہائی محبت رکھتا ہے وہ اس کے دشمنوں کے ساتھ دشمنی رکھے گا نیز وہ ان چیزوں کو بھی محبوب سمجھے گا جن کو اللہ تعالیٰ محبوب جانتا ہے مثلاً اس کے دشمنوں سے جہاد کرنا۔ ارشاد خداوندی ہے

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًا كَأَنَّهُمْ بُنَيَانٌ مَرْصُومٌ (الصف ۴)

ترجمہ:- جو لوگ خدا کی راہ میں دایے طور پر لڑتے ہیں گویا سیدھے پلائی ہوئی دیوار ہیں وہ بے شک محبوب کر دگا رہیں۔

پس محبت اور دشمنی کا معیار اخلاق حمیدہ اور اخلاق ناسدہ ہیں انسان میں محبت اور دشمنی کے اسباب مجتمع ہو جاتے ہیں اس لئے وہ من وجہ محبوب اور من وجہ مبغوض ہوتا ہے فیصلہ غالب کے حق میں ہو گا اسی طرح اللہ کے ہاں بندے کا معاملہ ہے اللہ پاک ایک چیز کو ایک لحاظ سے محبوب اور دوسرے لحاظ سے مبغوض سمجھتا ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ہے آپ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں اللہ نے فرمایا میں کسی چیز میں تردد نہیں کرتا جب کہ میں نے اسے کر لیا ہے البتہ مجھے اپنے بندے و من کی روح قبض کرنے میں تردد ہوتا ہے اس لئے کہ بندہ موت کو مکروہ جانتا ہے اور میں اسے تکلیف دینے کو مکروہ جانتا ہوں حالانکہ اسے موت سے بچاؤ نہیں ہے اس میں وضاحت ہے کہ اللہ تردد فرماتے ہیں اس لئے کہ تردد دو ارادوں کے تعارض کا نام ہے۔ پس اللہ پاک اس چیز کو دوست جانتے ہیں جس کو اس کا مومن بندہ دوست سمجھتا ہے اور جس چیز کو وہ مکروہ جانتا ہے اس کو وہ بھی مکروہ جانتا ہے چونکہ مومن بندہ موت کو مکروہ جانتا ہے اس لئے اللہ بھی اس کو مکروہ جانتا ہے جب اللہ تعالیٰ نے موت کا فیصلہ فرمادیا ہے تو وہ اس کا نفاذ کرے گا مزید برآں موت سے مومن بندے کو محبوب حاصل ہو گا (بخاری مسلم)

(ط) جس کا علم ہم پر مشتبہ ہے اس کے بارے میں ہم کہیں گے کہ اللہ اس کو جانتا ہے

(دش) شیخ کے کلام میں پہلے گزر چکا ہے کہ دین اسلام میں وہی انسان سلامتی والا ہے جس نے اپنے آپ کو اللہ اور اس کے رسول کے سپرد کر دیا اور مشتبہ چیزوں کے

علم کو ان کے جاننے والے کی طرف سپرد کر دیا اور جو شخص بلا علم گفتگو کرتا ہے وہ اپنی خواہشات کا اتباع کرتا ہے ارشاد خداوندی ہے :-

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بَغْيُهُ هُدًى مِّنَ اللَّهِ (القصص ۵۰)
ترجمہ :- اور اس سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو خدا کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہشات کے پیچھے چلے۔
نیز فرمایا: وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطَانٍ مُّؤَيَّدٍ ۚ كُنِيَ عَلَيْهِ أَنَّهُ مِن نُّوْرٍ ۖ فَإِنَّهُ يُضِلُّهُ وَيَهْدِيهِ إِلَىٰ عَذَابٍ أَلِيمٍ (الحج ۳۰-۳۱)
ترجمہ :- اور بعض لوگ ایسے ہیں جو خدا کی شان میں علم و دانش کے بغیر جھگڑتے ہیں اور ہر شیطان سرکش کی پیروی کرتے ہیں جس کے بارے میں لکھ دیا گیا ہے کہ جو اسے دوست رکھے گا تو وہ اس کو گمراہ کر دے گا اور دوزخ کے عذاب کا راستہ دکھائے گا۔
نیز فرمایا: الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ كِبَرٌ مَّقْتُلًا عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ الَّذِينَ آمَنُوا ۚ وَكَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ قَلْبٍ مُّكْتَرِبٍ جَبَّارٍ (غافر ۴۵)

ترجمہ :- جو لوگ بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی دلیل آئی ہو خدا کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں خدا کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک جھگڑا سخت ناپسند ہے اسی طرح خدا ہر سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

نیز فرمایا: قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّي الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَعَثَ ۖ وَاللَّذَّيْنِ الْبَغْيِ بَغْيًا الْحَقِّ وَأَن تَشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنْزِلْ بِهِ سُلْطَانًا وَ أَن تَقُولُوا عَلَىٰ اللَّهِ مَا لَا نَعْلَمُونَ (الاعراف ۳۳)

ترجمہ :- کہہ دو کہ میرے پروردگار نے بے حیائی کی باتوں کو حرام نہیں کیا پویشیدہوں اور گناہ کو ناجائز قرار دیا ہے اور اس کو بھی کہ تم کسی کو خدا کا شریک بناؤ جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس کو بھی خدا کے بارے میں ایسی باتیں کہو جس کا تمہیں کچھ علم نہیں۔

اللہ پاک نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ جن باتوں کو آپ نہیں جانتے ہیں ان کے علم کو اللہ کی جانب رد فرمائیں ارشاد خداوندی ہے :-
قُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا لَيْسَ إِلَيْهِ قَبِيلُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مِنَ الذَّلِيلِ (۲۱)

ترجمہ دیکھ دو جتنی مدت وہ رہے اسے خدا ہی خوب جانتا ہے اسی کو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں (معلوم) ہیں۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جب مشرکین کے بچوں کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا اللہ جانتا ہے کہ انھوں نے کون سے اعمال کرنے تھے۔ (بخاری و مسلم)

نیز حضرت عمر کا قول ہے دین میں اپنی رائے کو متہم سمجھو اگر آپ ابو جندل کے واقعہ کے واقعہ کے دن مجھے دیکھ پاتے جب کہ میں اپنی رائے کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو رد کر رہا تھا یہ میرا بھور اجتہاد تھا تحریر لکھی جا رہی تھی آپ نے فرمایا بسم اللہ الرحمن الرحیم تحریر کرو اس نے کہا بسم اللہ تحریر کر دو۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رضامندی کا اظہار فرمایا میں نے انکار کیا آپ نے فرمایا اے عمر! تو مجھے دیکھتا ہے کہ رضامند ہوں تو پھر تو کیوں انکار کر رہا ہے نیز حضرت عمر نے کہا سنت وہ ہے جس کو اللہ اور اس کے رسول نے بیان فرمایا پس تم کسی کی غلط رائے کو امت کے لئے سنت قرار نہ دو نیز حضرت ابو بکر صدیق فرماتے ہیں مجھے کوئی زمین اٹھائے گی اور مجھ پر کونسا آسمان سایہ کرے گا اگر میں اللہ کے بلے میں اپنی رائے کا اضافہ کر دوں۔

حسن بن علوانی نے عارم سے اس نے حماد بن زید سے اس نے سعید بن ابی صدقتہ سے اس نے ابن سیرین سے اس نے بیان کیا علم کے بغیر باتیں کرنے میں ابو بکر سے زیادہ کوئی شخص خائف نہ تھا اور ابو بکر کے بعد علم کے بغیر باتیں بیان کرنے میں کوئی شخص حضرت عمرؓ سے زیادہ خائف نہ تھا اور ابو بکر کے پاس ایک قطعہ آیا کتاب اللہ سے اس کی دلیل نہ مل سکی نہ ہی سنت رسول سے اس کا اثر مل سکا تو پھر آپ نے اجتہاد کیا اور کہا یہ میری رائے ہے اگر درست ہوگی تو اللہ کی جانب سے ہے اور اگر غلط ہوگی تو میری طرف سے ہے اس پر میں اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔

دعایہ سحر حضرت میں دونوں موزوں پر مسج کے جواز کے قائل ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے
طبرانی فی الکبیر ۱/۵۱۸ ابن حزم فی الاحکام ۶/۲۶۶ فضالہ بن مبارک کے علاوہ رواۃ ثقہ ہیں وہ مدلس ہے کما فی التقریب پھر اس نے محکم کے میز کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حشمی نے مجمع الزوائد ۱۷۹/۱ میں کہا اس کو ابو یعلیٰ نے روایت کیا اس کے رواۃ موثق ہیں اگرچہ ان میں مبارک بن فضالہ ہے دوسرے مقام ۱۲۵/۶-۱۲۶/۱ میں کہا اس نے طویل روایت کیا لیکن اس نے مکمل بیان نہیں کیا بزاز نے بھی روایت کیا رواۃ صحیح ہیں اس کا پہلا کلمہ صحیحین میں مکمل بن حنیف کا قول ہے

دش) دونوں موزوں پر مسیح اور دونوں پاؤں کے دھونے کا عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے البتہ برا فضیہ اس سنت مواترہ کی مخالفت کرتے ہیں ہم ان سے کہیں گے جن صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وضو کے مسائل کو قولاً و عملاً ذکر کیا ہے اور جنہوں نے آپ سے وضو کرنا سیکھا آپ کی موجودگی میں وضو کیا آپ نے انہیں اس پر برقرار رکھا پھر انہوں نے اس کو تابعین کی طرف نقل کیا ان کی تعداد ان صحابہ سے زیادہ ہے جنہوں نے وضو کی آیت کو نقل فرمایا ظاہر ہے کہ تمام صحابہ کرام آپ کے زمانہ میں وضو فرماتے آپ سے ہی انہوں نے وضو کرنا سیکھا اس لئے کہ دور جاہلیت میں وضو کا طریقہ نہ تھا پھر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا ہی جانتا ہے کہ کتنی بار وضو کرتے ہوئے دیکھا انہوں نے آپ سے پاؤں کو دھونے کا ذکر کیا کثرت کے ساتھ احادیث میں اس کا ذکر ہے کہ آپ نے فرمایا۔ ایڑیوں اور پاؤں کے نیچے حصوں کے لئے ویل دوزخ ہے۔ لیکن اگر پاؤں کے اوپر کے حصے کا مسح فرنی میرزا تو پھر سارے پاؤں کا دھونا ایک ایسی تکلیف ہوتی جس کی طرف طبعاً میلان نہ ہوتا جیسا کہ اقتدار اور مال کی جانب طبعاً میلان ہے پس اگر صفت وضو کے تواتر میں طعن جائز ہے تو آیت وضو کے الفاظ نقل کرنے میں بالادلی طعن جائز ہے اگر یہ کہا جائے کہ آیت کے الفاظ تواتر کے ساتھ ثابت ہیں جس میں کذب اور زط کا امکان نہیں ہے تو ہم کہیں گے کہ وضو کے نقل میں بھی تواتر اکمل طور پر ثابت ہے اس لئے کہ لفظ مسح جب بولا جاتا ہے تو اس سے مراد چھیننا اور بہانا دونوں ہیں جیسا کہ اہل عرب کہتے ہیں فصاحت و الصلوۃ میں نے نماز کے لئے پانی بہایا نیز آیت میں پاؤں کے مسح مراد وہ مسح نہیں جو غسل دھونے کے یا مقابل ہے بلکہ وہ مسح ہے جو غسل کی قسم ہے اس لئے کہ اللہ نے کعبین کے الفاظ ذکر کئے ہیں۔ کعباب جمع کا صیغہ ذکر نہیں فرمایا جب کہ مرافق جمع کا صیغہ ہے معلوم ہوا کہ شونہ ایک پاؤں میں ایک نہیں جیسا کہ ایک ہاتھ میں ایک کہنی ہے بلکہ ایک پاؤں میں دو ٹخنے ہیں پس اللہ تعالیٰ نے مسح کا حکم دو ٹخنوں تک دیا ہے تو اس لحاظ سے اس مسح سے مراد غسل دھونا ہے ظاہر ہے کہ جو شخص پاؤں کے اوپر کے حصہ کا مسح کرے گا لیکن مسح کی غایت کعبین اس کا رد کر رہی ہے پس ان کا یہ دعویٰ کہ پاؤں کا فرض مسح کعبین

تک ہے اس سے مراد پنڈلی اور قدم کے جمع ہونے کی جگہ مراد ہے جہاں قسمہ باندھا جاتا ہے ان کی یہ بات کتاب وسنت کے خلاف ہے نیز اس آیت کی ذود دیگر مشہور قراءتیں بھی ہیں اور محل پر زبیر زیر ان دونوں کے اعراب کی توجیہ اپنے مقام پر وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے ہاں زبر کی قراوت تو دھونے کے وجہ پر نھن ہے اس لئے کہ محل پر عطف اس وقت ہوتا ہے جب معنی ایک ہو جیسے فلسنا بالجلال ولا الحدید اہم نہ پہاڑ ہیں نہ لوہا ہیں نیز مسحت براسی ورجلی کا معنی مسحت براسی ورجلی والا نہیں ہے بلکہ لفظ بامسح سے زیادہ معنی کا فائدہ بخش رہا ہے یعنی کچھ پانی کو سر کے ساتھ لانا لہذا ارجل عطف ایدی پر ہے اور سنت متواترہ اس معنی کو ثابت کرتی ہے جس کو بعض لوگ ظاہر قرآن سے بھی سمجھتے ہیں اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے قرآن پاک کے الفاظ اور معانی بیان فرمائے جیسا کہ ابو عبد الرحمن سلمی نے بیان کیا کہ ہمیں ان لوگوں نے بتایا جو ہمیں قرآن پاک پڑھاتے تھے عثمان بن عفان عبد اللہ بن مسعود وغیرہ جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دس آیات پڑھ لیتے تو اس سے آگے نہ بڑھتے جب تک کہ اس کا معنی نہ معلوم کر لیتے اور پاؤں کے ذکر میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ پاؤں پر پھوڑا پانی گرایا جائے جب کہ دیکھا گیا ہے کہ پاؤں کے دھونے میں پانی اسراف کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے بہر حال مسئلہ واضح ہے کتب فروغ میں بحث موجود ہے وہاں دیکھیں۔

دع (حج اور جہاد قیامت تک کے لئے اولوالا مسلمانون کی رفاقت میں رضوا وہ نیک ہوں یا فاسق فاجر ہوں) جاری رہیں گے ان دونوں کو نہ کوئی چیز باطل قرار دے سکتی ہے اور نہ ہی ان کو ختم کر سکتی ہے۔

دع (اس سے شیخ رحمہ اللہ کا مقصد روا فض کا رد ہے جب وہ کہتے ہیں۔ جہاد فی سبیل اللہ اب نہیں ہے ہاں جب آل محمد سے امام مبنی کا ظہور ہوگا اور آسمان کے منادی کرنے والا منادی کی کہے گا کہ تم اس کا اتباع کرو تو پھر جہاد ہوگا ان کے قول کو باطل قرار دینے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں جب کہ انھوں نے امام کے بارے میں شرط لگائی ہے کہ وہ معصوم ہو اس شرط کے لئے کوئی دلیل نہیں بلکہ

بلکہ اسکے خلاف صحیح مسلم میں عوف بن مالک اشجعی سے مروی ہے اس نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے تمہارے بہترین امام وہ ہیں جن سے تم محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت کرتے ہیں اور تم ان کے حق میں دعائے مغفرت کرتے ہو اور وہ تمہارے حق میں دعائے مغفرت کرتے ہیں اور تمہارے بدترین امام وہ ہیں جن کو تم برا جانتے ہو اور وہ تمہیں برا جانتے ہیں اور تم ان پر لعنت کرتے ہو وہ تم پر لعنت کرتے ہیں میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا اس وقت ہم ان سے معاہدہ ختم نہ کر دیں آپ نے نفی میں جواب دیا اور کہا جب تک وہ تم میں اقامت صلوٰۃ کا خیال رکھتے ہیں نیز فرمایا جس شخص پر حکم ان مقرر ہے بس وہ رکھتا ہے کہ وہ نافرمانیوں کا مرتکب ہوتا ہے تو وہ اس کی نافرمانیوں کو بڑا سمجھے لیکن اس کی اطاعت سے دستکش نہ ہو جائے (حدیث صحیح ہے) اس مضمون کی احادیث پہلے بھی امامت کی بحث میں ذکر کی جا چکی ہیں خیال کیجئے اس حدیث میں امام کے معصوم ہونیکا ذکر نہیں ہے ورنہ اس مسئلہ میں تمام فرقوں سے زیادہ گمراہ ہیں جب کہ وہ امام معصوم کو امام معدوم سمجھتے ہیں جس سے دینی، دنیوی کچھ فائدہ نہیں تیز وہ مدعی ہیں کہ وہ ایسا امام ہے جس کا انتظار ہو یا اس کا نام محمد بن حسن عسکری ہے جو ان کے خیال میں دو صد ساٹھ ہجری میں سامرا غار میں داخل ہو گیا تھا اب انتظار ہے غار کے قریب خجریا گھوڑا بانزد رکھتے ہیں تاکہ جب اس کا ظہور ہو تو وہ اس پر سوار ہو سکے۔ نیز معین اوقات میں وہاں پر ایسے منادی کرنے والوں کا بھی تقرر کرتے ہیں جو ندا کرتے ہیں اے ہمارے مولا! آپ ظہور فرمائیں اے ہمارے مولا! آپ ظہور فرمائیں اور وہاں اسلام کی نمائش بھی کرتے ہیں لاکھوں ہاں ان کے کئی بھی مڑا پی کرنے والا نہیں ہوتا اس کے علاوہ متعکد خیر باتیں کرتے ہیں بیشع رحمہ اللہ کا قول: اولو الامر خواہ وہ نیک ہوں یا فاسق ناجبر ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ حج اور جہاد دونوں ایسے فرائض ہیں جو سفر کے ساتھ متعلق ہیں اس لحاظ سے ایسے حاکم کی ضرورت ہے جو لوگوں کی راہ نمائی کرے دشمنوں کا مقابلہ کرے یہ کام جس طرح نیک حاکم کے ساتھ پورا ہو سکتا ہے فاسق قاجر حاکم کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے (دع) کہ ان کا تین کو تم تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تم پر جہاں بنایا ہے

(ارشاد خداوندی ہے: وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَأَفْلَاحًا كَمَا تَبِينَ يُفْعَلُونَ مَا تَأْمُرُونَ) (الانفاذ: ۱۲۰)

نِزْفَرِيَا. إِذِ يَتَّقِي الْمَظْهَرَيْنِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ مَا يَلْفُظُونَ مِنْ تَوَلَّى
إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ (ق ١٤ - ١٨)

نیز فرمایا: کہ مَعْبُوثَاتُ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ (العدا)
ترجمہ: اس کے آگے اور پیچھے خدا کے جو کیدار ہیں جو خدا کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔
نیز فرمایا: اَفَرَيْحَسِبُونَ اِنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ بَلْ وَرُسُلُنَا
لَدَيْهِمْ يَكْتَثُونَ (الزمر ۸۰)

لَكَ بِهِمْ يَكْتُبُونَ (الزفر ٨٠)

ترجمہ: یہودیوں نے: تمہارے باپوں میں سے سچے سچے میان کردے گی جو کچھ تم کیا کرتے تھے ہم لکھواتے جاتے تھے۔

نیز فرمایا :- اِنَّ دُسُّنَا يَكْتُمُوْنَ مَا تَكْفُرُوْنَ (الونس ۷۱)

ترجہ: ایسے شک ہمارے فرشتے اس کو کبھی جانتے ہیں جو تم تدبیر میں کہتے ہو۔

صحیح حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا تم میں رات دن کے فرشتے باری باری آتے ہیں اور صبح و عصر کی نمازوں میں جتنے ہوتے ہیں فرشتے اللہ کی بارگاہ میں جاتے ہیں اللہ ان سے دریافت فرماتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کو خوب جانتے ہیں تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا وہ جواب دیتے ہیں کہ جب ہم ان کے پاس آئے تو وہ نماز میں مشغول تھے اور جب ہم ان سے جدا ہوئے تب بھی وہ نماز میں مشغول تھے ایک دوسری حدیث میں ہے بیشک تمہارے ساتھ وہ لوگ ہیں جو تم سے صرف قصداً حاجت اور جماع کے وقت جدا ہوتے ہیں وگرنہ ساتھ رہتے ہیں پس تم ان سے شرم کرو اور ان کی عزت کرو۔ مکتب تفسیر میں ہے ہر انسان کے

سید محمد علی سلمیٰ رحمہ اللہ حدیث ضعیف سے بھی کھینچ کر احادیث الضعیفہ (دوم ۱۴۱) راوی عبد اللہ بن مسعود میں دارمی نے اس کو کتاب الزنا میں ذکر کیا ہے۔ سیدنا ابو نعیم نے اس کو سلمیٰ کی رسم پر ایک اعتراض ہے اس پر حضرت ہذا: اختلاف سے تابع مذہب پر ہے کہ روایت کے خلاف ہے۔

يُحَفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ

وہ اس کی اللہ کے امر سے حفاظت کرتے ہیں

کی تفسیر میں عکرمہ حضرت ابن عباس سے بیان کرتے ہیں کہ فرشتے آگے اور پیچھے سے حفاظت کرتے ہیں جب تقدیر الہی آجاتی ہے تو وہ دور ہو جاتے ہیں مندا احمد بن حنبل اور مسلم میں ایک حدیث عبد اللہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں ہر شخص کے ساتھ اس کا ساتھی جنوں سے اور اس کا ساتھی فرشتوں سے مقرر ہے صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ کے ساتھ بھی ہے لیکن اللہ نے اس کے خلاف میری مدد فرمائی ہے کہ وہ میرا خرابہ نہ کرے گا پس وہ مجھے نیک کا ہر حکم کرتا ہے لیکن یہ قول کہ شیطان ایماندار ہو گیا ہے اس میں تحریف معنوی اس لئے ہے کہ شیطان ایماندار نہیں ہوتا اور یحفظونہ من آمنہ اللہ کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ کے حکم سے ان کی حفاظت کرتے ہیں اس معنی کی شہادت دوسری قرأت سے ہو رہی ہے جس میں من امر اللہ کی بجائے بامر اللہ کی قرأت ہے پس نفوس مذکورہ سے ثابت ہوا کہ فرشتے قول و فعل تحریر کریتے ہیں نیت بھی ان میں

میں دفع ہے جس کا شائع نے ذکر کیا لیکن شارع نے جس معنی کو ترجیح دی ہے اس کو ترجیح نہیں دے چنانچہ قاضی عیاض نے مشارق الانوار (۱/۲۸) میں ذکر کیا ہے کہ یہ لفظ زبر اور پیش دونوں طرح منقول ہے چون کی صورت میں یہ معنی ہوگا کہ ہیں، اُس سے محفوظ رہتا ہوں اور نذیر کی سوت میں یہ معنی ہو گا کہ وہ قرین اسلام کے آبا امعات کے علاوہ کتابوں میں فاسلم کے لفظ مروی ہیں اصحات سے مراد مؤطا اور صحیحین ہیں ان دونوں ہی پر حدیث نہیں ہے امام غزالی نے شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ یہ دونوں مشہور روایات ہیں البتہ اول میں اختلاف ہے کہ راجع کو انتہ خطاب نے پیش کو سمیع اور راجع قرار دیا ہے لیکن عائشہؓ نے زبر کو راجع کہا ہے حافظ ابن حبان نے اس روایت کو صبح (۳۶۴) خطوط ملکی میں میم کے زبر کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے نیز اس نے بیان کیا کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ علیہ السلام کا شیطان مسلمان بن گیا اب وہ آپ کو صرف بھلائی کا بھی مشورہ دیتا ہے لیکن یہ ممکن درست نہیں کہ آپ اس سے محفوظ ہیں اگرچہ وہ کافر ہے مگر اعلیٰ اس معنی کو ترجیح دے رہے ہیں شارح مدعی ہے کہ یہ تحریف سنوی ہے یہ اس لئے کہ محدث میں حفظ قرین کے ہیں شیطان کے نہیں ہیں نیز جنوں میں مردمن کا فرض بھی ہیں لیکن شیطانی تو تمام کافروں میں ان میں ایماندار کو کافر نہیں کہا جا سکتا۔ (حاجہ صفدر خزانہ بخاری، سلم بخاری، سلم بخاری)

داخل ہے اس لئے کہ وہ بھی دل کا فعل ہے ارشاد خداوندی ہے :-

يَعْمَلُونَ مَا تَفْعَلُونَ (الانفطار ۱۷) جو تم عمل کرتے ہو اس کو جانتے ہیں۔

کے عموماً میں داخل ہے اس کی شہادت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے بھی ہو رہی ہے کہ اللہ عز و جل فرماتے ہیں کہ جب میرا بندہ نیکی کا ارادہ کرے تو تم اسے تحریر نہ کرو اگر برائی کر لیتا ہے تو پھر تحریر کرو اور جب میرا بندہ نیکی کا ارادہ کرے لیکن نہ پائے تو اس کے نامہ اعمال میں نیکی ثبت کرو اگر نیک کرے تو ایک کی جگہ دس نیکیاں تحریر کر دو۔ نیز ارشاد نبوی ہے :- فرشتے عرض کرتے ہیں یہ بندہ برائی کا ارادہ رکھتا ہے حالانکہ اللہ اس کو خوب جانتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کی انتظار کرو اگر برائی کرنے لگے تو ایک برائی تحریر کرو اور اگر ارادہ چھوڑ دے تو ایک نیکی ثبت کرو اس لئے کہ برائی کا ترک میری وجہ سے ہوا ہے۔

(ط) ہمارا ملک الموت پر ایمان ہے جو عالم کے ارواح کے قبض پر مقرر ہے۔

(دش) ارشاد خداوندی ہے قُلْ يَتُوبُ كُفْرُكُمْ مَلِكُ الْمَوْتِ الَّذِي ذُكِّرْ بِكُمْ ثُمَّ إِلَىٰ

رَبِّكُمْ تَصْجَعُونَ (الم السجده ۱۱)

ترجمہ :- کہہ دو کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے تمہاری رو میں قبض کر لیتا ہے پھر تم

اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

مذکورہ ارشاد خداوندی کے مخالف یہ ارشاد خداوندی نہیں ہے۔

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمْ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفْعَلُونَ (الانعام ۶۱)

ترجمہ :- یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اس کی روح

قبض کر لیتے ہیں اور کسی طرح کی کوٹنا ہی نہیں کرتے ہیں۔

نیز ارشاد خداوندی ہے :- لَنُفِثَنَّ فِيهَا نَفْسًا تَنُوْقِي ۖ اِنَّ نَفْسًا حَيْنًا مَّوْتَهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ

فِي مَتْنِهَا قَائِمَةً ۚ اَلَّتِي قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتُ وَيُرْسِلُ اِلٰى اٰخِرٰى اِلٰى اٰجَلٍ

مُسَمَّيًّی (الزمر ۴۲)۔

ترجمہ :- خدا لوگوں کے مرنے کے وقت ان کی روحیں قبض کر لیتا ہے اور جو مرے نہیں

(ان کی روحیں) سوتے ہیں (قبض کر لیتا ہے) پھر جن پر موت کا حکم کر چکا ہے ان کو

روک رکھتا ہے اور باقی روحوں کو ایک وقت مقرر تک کے لئے چھوڑ دیتا ہے :

لے بخاری مسلم سہ بخاری مسلم۔

اس لئے کہ ملک الموت ارواح کے قبض اور ان کے نکلنے پر مقرر ہے پھر ان کو اس سے رحمت یا عذاب کے فرشتے لے لیتے ہیں اور ان کا خیال رکھتے ہیں یہ تمام باتیں اللہ کی اجازت و فضلہ قدر کے ساتھ ہیں اس کا فیصلہ اس کا امر نافذ ہے لہذا نفوت کرنے کی نسبت تمام کی طرف ہو سکتی ہے۔

نفس و روح کی حقیقت | نفس کی حقیقت میں اختلاف ہے کیا بدن کا جز ہے یا اس کی عرض یا اس کا ایسا جسم ہے جس میں اس کو رکھا گیا ہے یا مجرد جو ہر ہے اور کیا نفس روح کا نام ہے یا اس کا غیر ہے اور کیا نفس امارہ، نفس دوامہ، نفس مطمئنہ ایک نفس میں یا تین نفس ہیں اور کیا روح پر موت طاری ہوتی ہے یا موت صرف بدن پر طاری ہوتی ہے اس کی تفصیل کے لئے ضخیم کتاب درکار ہے لیکن میں اشارات پر اکتفا کروں گا۔

بعض کہتے ہیں روح قدیم ہے جب کہ تمام پیغمبروں کا اس بات پر اجماع ہے کہ روح محدث اور مخلوق ہے پیغمبروں کی تعلیم سے بدیہی طود پر یہی حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ عالم محدث ہے صحابہ تابعین اسی کے قائل تھے ان کے بعد کچھ ایسے لوگ نمودار ہوئے جن کا کتاب و سنت کے ساتھ تعلق کمزور تھا انھوں نے روح کو قدیم قرار دیا اس پر دلیل یہ پیش کی کہ روح کو امر اللہ کہا گیا ہے اور اللہ کا امر غیر مخلوق ہے نیز اللہ تعالیٰ نے روح کی اصناف اپنی جانب کی ہے ارشاد خداوندی ہے

قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي (الاسراء ۸۵) کہہ دو کہ روح میرے رب کا امر ہے

نیز ارشاد خداوندی: دَلَّلْنَاهُ مِنْ رُوحِي (الحج ۲۹) اور میں نے اس میں اپنی روح پھونکی۔

اسی طرح علم، قدرت، سمع، بصر، لطف کی نسبت بھی اپنی طرف کی ہے وہ بھی قدیم ہیں بعض نے اس میں توقف اختیار کیا لیکن اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ روح مخلوق ہے یا اجماع کے ناقل محمد بن نصر مروزی، ابن قتیبہ وغیرہ ہیں اس پر دلیل ذیل کی آیت ہے ارشاد خداوندی ہے

اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (الزمر ۶۲) خدا ہر چیز کا خالق ہے

اس آیت میں عمومیت ہے تخصیص نہیں ہے لیکن اللہ کی صفات اس میں داخل نہیں ہیں وہ تو اس کے مسمیٰ میں داخل ہیں پس اللہ وہ الہ ہے جو صفات کمال کے ساتھ موصوف ہے اس کا علم اس کی قدرت اس کی زندگی اس کی سمع اس کی بصر اور اس کے تمام صفات اسی کے اسم کے مسمیٰ میں داخل ہیں پس اللہ سب سے اپنی ذات اور اپنے صفات کے ساتھ خالق ہے اور اس کے ماسویٰ سب مخلوق ہیں اور یہ بات تو قطعیت کے ساتھ معلوم ہے کہ صانع خدا ہے نہ اسکی صفت ہے وہ تو اسکی مصنوعات ہے اس پر اللہ کا قول دال ہے۔

هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُورًا (الدھر)
ترجمہ: انسان پر ضرور ایک ایسا زمانہ بھی آیا ہے کہ اس کا کہیں کچھ بھی ذکر نہ تھا۔
نیز اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام سے خطاب فرمایا:-
وَقَدْ خَلَقْنَاكَ وَكَمْ تَكْفُ شَيْئًا (مریم ۹)

ترجمہ: ہر اور میں پہلے تم کو پیدا کر چکا ہوں اور تم کچھ چیز نہ تھے۔

ظاہر ہے کہ انسان جسم اور روح دونوں کا نام ہے اور خطاب روح بدن دونوں کے لئے ہے نیز روح کو وفات، قبض، بند کرنے چھوڑنے کے ساتھ موصوف کیا جاتا ہے یہ تمام صفات مخلوق محدث کی ہوتی ہیں ان کا استدلال کہ روح امر ربی ہے تو ہم کہیں گے یہاں امر سے مراد طلب نہیں بلکہ مامور ہے عام استعمال میں مصدر سے مراد اسم مفعول لیا جاتا ہے نیز ان کا استدلال کہ روح کی اصناف من روحی میں اللہ کی جانب ہے تو ہم جوابا کہیں گے کہ اللہ کی طرف صفات ہونے والی چیزیں دو قسم کی ہوتی ہیں ایک وہ صفات جو اپنے ساتھ قائم نہیں جیسے علم، قدرت، کلام، مسح، بصر ان کی نسبت ان کے موصوف کی طرف ہے پس اللہ کا علم کلام، قدرت، حیات اس کے اوصاف ہیں اسی طرح چہرہ ہاتھ بھی اس کے اوصاف ہیں دوسری اصناف ان اشیاء کی ہوتی ہے جو اللہ سے منفصل ہیں جیسے بیت، ناقہ، عبد، رسول، روح تو ان کی اصناف مخلوق کی خالق کی طرف ہے پس یہ اصناف تخصیص اور تشریف ہے اس کے ساتھ منہات اپنے غیر سے متمیز ہو جاتا ہے۔

روح کے بارہ میں اختلاف | روح میں اختلاف ہے کیا اس کو جسم سے پہلے پیدا کیا گیا یا اس کو بعد میں پیدا کیا گیا ہے اشارۃً پہلے اس کا ذکر ہو چکا ہے روح کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ وہ جسم سے بعض نے کہا عرض بعض نے کہا ہم نہیں جانتے روح کیا ہے؟ کیا وہ جو ہر ہے یا عرض ہے بعض نے کہا روح صرف طالع اربعہ کے اعتدال کا نام ہے بعض نے کہا وہ ایسا خون ہے جو صاف شفاف ہے بعض نے کہا حرارت طبعی کا نام روح ہے بعض نے کہا روح کو زندگی قرار دیا بعض نے کہا وہ ایسا جو ہر ہے جو بسیط ہے عالم کی تمام ذی روح چیزوں میں موجود ہے اس لحاظ سے کہ وہ اس کی وجہ سے عمل کرتے ہیں اور تدبیر کرتے ہیں پس روح کا جس طرح بیان ہوا ہے اس لحاظ سے وہ تمام عالم میں پھیلی ہوئی اس کی ذات اور وجود کا انقسام نہیں ہو سکتا اس کا جوہر کائنات کی تمام ذی روح چیزوں میں یکساں ہے بعض نے کہا نفس سے مراد وہ سانس

ہے جو سانس لیتے وقت داخل اور خارج ہوتا ہے اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں پس انسان کا مسمیٰ کیا صرف روح ہے یا صرف بدن ہے یا ان دونوں کا مجموعہ ہے یا ان میں سے ہر ایک ہے اور یہ چاروں اقوال کیا صرف لفظ ہیں یا صرف معنی ہیں یا دونوں کا مجموعہ ہیں یا ہر ایک ہے پس اختلاف ان کے درمیان ناظر اور اس کے تعلق میں ہے حق بات یہ ہے کہ انسان دونوں کا نام ہے البتہ قرینہ کی موجودگی میں ایک پر بھی اطلاق ہوتا ہے اسی طرح کلام پر بحث ہے۔

کتاب وسنت اور اجماع صحابہ کی روشنی میں کتاب وسنت اور اجماع صحابہ نیز عقلی دلائل اس بات پر دال ہیں کہ نفس ایسا جسم ہے جو ماہیت کے لحاظ سے جسم غسوس کے مخالف ہے پس نفس جسم نورانی علوی ہے اس میں خفت ہے زندگی ہے حرکت ہے اعضاء کے جوڑیں اس کا نفوذ ہے ان میں بالکل اسی طرح سمویا ہوا ہے جیسے پانی گلاب کے پھول میں سمویا ہوا ہے یا تیل زیتون میں موجود ہے یا آگ کوئلے میں ہے پس جب تک یہ اعضاء ان آثار کے قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں جن کا ان پر جسم لطیف سے فیضان ہوتا ہے اس وقت تک جسم لطیف اعضاء میں باری ساری رہتا ہے اور ان اثرات سے ان میں حس و حرکت ارادہ کا ظہور ہوتا ہے اور جب بوجہ اخلاط غلیظہ کے غلبہ سے ان میں فساد رونما ہوتا ہے تو اثرات کے قبول سے وہ انکار کر دیتے ہیں تو اس وقت روح بدن سے جدا ہوتا ہے وہاں سے منتقل ہو کر عالم ارواح کی طرف چلا جاتا ہے اس کی دلیل ارشاد خداوندی ہے

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا - (الزمر ۴۲)

ترجمہ: خدا لوگوں کے مرنے کے وقت ان کی روہیں قبض کر لیتا ہے۔

اس آیت میں نفس کی وفات کے سلسلہ میں ان کے اساک اور اساک کا ذکر ہے اور ارشاد خداوندی:

وَكُودَتْنِي إِفْرَ النَّفَالِيُونِ فِي عَمَلَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةِ بَاسْطُوْا أَيْدِيْهِمْ

أَخْرِجُوْا أَلْفُسَكُمْ - (الانعام ۹۳)

ترجمہ: اور کاش تم ان عالم یعنی رشتہ لوگوں کو اس وقت دیکھو جب موت کی سختیوں

میں مبتلا ہوں کہ نکالو اپنی جانیں۔

اس میں اس بات کا ذکر ہے کہ فرشتوں نے ارواح کے تناول کے لئے اپنے ہاتھوں کو

پھیلا رکھا ہے نیز ارواح کے نکالنے اور نکلنے کا ذکر ہے اور قیامت کے دن ان کو عذاب

میں مبتلا رکھنے کا ذکر ہے نیز ان کا ان کے رب کی طرف جانے کا ذکر ہے، نیز ارشاد خداوندی:-

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ (الأنعام ۶۰)
 ترجمہ :- اور وہی تو ہے جو رات کو دوسونے کی حالت میں، تمہاری روح قبض کر لیتا ہے
 اور جو کچھ دن میں کرتے ہو اس سے بھی خبر رکھتا ہے پھر تمہیں دن کو اٹھا دیتا ہے۔
 اس میں خبر دی گئی ہے کہ نفس رات کو فوت ہو جاتے ہیں اور دن میں ان کو اجسام میں
 داخل کر دیا جاتا ہے اور موت کے وقت ان کو فرشتے فوت کر لیتے ہیں۔ نیز ارشاد خداوندی :-
 يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ادْخِیْ اِلَیَّ وَتَبِّیْ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً
 فَادْخِیْ فِیْ عِبَادِیْ ذَا دُخْلٍ جَنَّتِیْ - (الفجر ۲۷-۳۰)
 ترجمہ :- اے اطمینان پانے والی روح اپنے پروردگار کی طرف لوٹ پہل تو اس کے راضی
 ہو وہ تجھ سے راضی ہے تو میرے ممتاز بندوں میں شامل ہو جا اور میری
 بہشت میں داخل ہو جا۔

اس میں ان کے اللہ کی طرف جانے اس کے بندوں کے زمرہ میں داخل ہونے نیز خدا
 کے ان پر راضی ہونے کا ذکر ہے نیز ارشاد نبوی ہے کہ جب قبض ہوتی ہے تو
 نظر اس کا پیچھا کرتی ہے اس میں روح کی صفت قبض ذکر کی گئی ہے نیز نظر اس کو دیکھ سکتی
 ہے نیز ارشاد نبوی ہے بلال کی حدیث میں آپ نے فرمایا اللہ نے تمہاری روجوں کو قبض کیا
 پھر انہیں تم میں واپس بھیج دیا نیز آپ نے فرمایا مومن کی روح پرندہ بن جاتی ہے جو جنت کے
 درختوں میں معلق رہتی ہے آئندہ اوراق میں عذاب قبر پر کثرت کے ساتھ دلائل ذکر کئے جائیں گے
 کہ کس طرح روح سے ملک الموت خطاب کرتا ہے؟ نیز روح جسم سے یوں خارج ہوتی ہے جیسے
 پانی کا قطرہ مشکیزہ کے منہ سے خارج ہوتا ہے نیز روح آسمان کی جانب صعود کرتی ہے
 مومن کی روح سے بہترین خوشبو آتی ہے اور کافر کی روح سخت بدبودار ہوتی ہے۔ مزید
 اوصاف بھی ذکر ہوں گے اس پر سلف کا اجماع ہے عقل بھی اس کی موافقت کرتی ہے
 مخالفین کے پاس سوائے اولیام باطلہ اور شبہات فاسدہ کے اور کچھ نہیں وہ نفوس
 اور عقل اولہ کا معارفہ نہیں کر سکتے۔

علامہ مسلم بن احمد احکام الجنائز ۱۵۷ سے بخاری سن حدیث ابی قتادہ بلال اس کا راوی نہیں ہے
 جیسا کہ مؤلف نے کہا سہو ہو گیا ہے احمد وغیرہ نے اس کو بیان کیا صحیح ابوداؤد ۴۶۵
 سے الصحیحۃ ۱۲۲-۹۹۵

کیا نفس اور روح دونوں ایک ہیں؟ انس اور روح کے معنی میں لوگوں کا اختلاف ہے کیا دونوں ایک دوسرے کے مخالف ہیں یا ان کا معنی ایک ہے تحقیق یہ ہے کہ نفس کا اطلاق چند چیزوں پر ہوتا ہے اسی طرح روح کا اطلاق بھی کبھی تو ان کا مدلول متحد ہوتا ہے اور کبھی مختلف ہوتا ہے۔ نفس کا اطلاق روح پر ہوتا ہے لیکن غالب استعمال میں نفس تب کہتے ہیں جب وہ بدن کے ساتھ متصل ہو اور جب مجرد ہو تو اس پر اغلب طور پر روح کا اطلاق ہوتا ہے نیز خون پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے حدیث میں ہے جس کا خون بہنے والا نہ ہو جب وہ پانی میں مرجے تو اس سے پانی پیدا نہیں ہوتا نیز نفس کا معنی نظر لگنا بھی ہے کہا جاتا ہے اَصَابَتْ فَلَانًا نَفْسٌ بَعْنِ فَلَانٍ کو نظر لگ گئی نیز نفس کا معنی ذات بھی ہے دیکھیں فَسَمُّوْا عَلٰی اَنْفُسِكُمْ (النور ۶۱) پس تم اپنے پر سلام کہو۔ نیز دیکھیں لَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ (النساء ۶۸) تم اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔ ہاں روح کا اطلاق نہ انفرادانہ نفس کے ساتھ بدن پر نہیں ہوتا البتہ روح کا اطلاق قرآن اور جبرائیل پر ہوتا ہے ارشاد خداوندی ہے وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ اٰمُرِنَا (الشورى ۵۲) اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم تمہاری طرف روح القدس کے ذریعہ سے (قرآن) بھیجا ہے۔ نیز فرمایا تَوَلَّيْهِ الذُّوْجَ الْاَوْثَيْنِ (الشعراء ۱۹۲) نیز روح کا اطلاق اس ہوا پر بھی ہوتا ہے جو انسان کے بدن میں متردد رہتی ہے ہاں جس روح کے ساتھ اللہ اپنے بندوں کو تقویت عطا فرماتا ہے وہ یہ روح نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدُوْهُمْ بِرُوحٍ مِّنْهُ (المجادلہ ۲۲)

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں خدا نے ایمان دے کر پھر پھر کبیر کی طرح تحریر کر دیا ہے اور فیض غیبی سے ان کی مدد کی ہے۔

اسی طرح وہ قوتیں جو بدن میں ہیں ان کو بھی ارواح کہا جاتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے دیکھنے والی روح، سننے والی روح، سونگھنے والی روح۔ نیز روح کا اطلاق ایک چیز پر بھی ہوتا ہے اس سے مراد معرفت الہی، انابت الی اللہ، حجت خداوندی نیز اپنی روح کی قوتوں کو محبت الٰہی کی طلب اور اس کے ارادہ کی جانب دھکیلنا ہے پس اس روح کی نسبت روح کی جانب بالکل اس طرح ہے جس طرح روح کی نسبت بدن کی طرف ہوتی ہے تو اس لحاظ سے علم، احسان، محبت، توکل، صدق سب روح ہیں اس کے لحاظ سے لوگوں میں تفاوت ہے کچھ لوگ اسے کچھ اہل نہیں البتہ فقہاء اسے کو ذکر کیا ہے۔

وہ ہیں جن پر یہ روح غالب ہوتی ہے تو وہ روحانی ہیں کچھ وہ ہیں جن میں ان تمام یا اکثر کا فقدان ہوتا ہے وہ مغلی بہیمیت والے ہوتے ہیں اکثر لوگوں کے کلام سے یہ حقیقت ثابت ہے کہ الہی آدم کے تین نفس ہیں مطمئنہ، لوامہ اور امارہ بعض پر امارہ غالب ہے بعض پر مطمئنہ غالب ہے جیسا کہ فرمایا:-

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ مَوْلَاكِ مُطْمَئِنَّةً رُوحٌ -

نیز فرمایا وَلَا تُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ (القیامہ ۷) نفس لوامہ کی قسم۔

نیز فرمایا إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالشُّوَرِ (دوسرے ۵۲) کیونکہ نفس برائی کا حکم دیتے والی ہے

لیکن تحقیق یہ ہے کہ نفس تو ایک ہی ہے اس کے صفات جدا جدا ہیں اس میں شک نہیں کہ

نفس برائی کا حکم دیتے ہے جب ایمان اس کا معارضہ کرتا ہے تو وہ لوامہ کہلاتا ہے یعنی حبیب اس سے گناہ سرزد ہوتا ہے تو نفس لوامہ اس کو ملامت کرتا ہے وہ کبھی گناہ پر آمادہ ہوتا ہے تو کبھی رکتا ہے جب ایمان کو غلبہ حاصل ہو جائے اور وہ قوی ہو جائے تو نفس مطمئنہ ہو جاتا ہے اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو اس کا اچھا کام پسند ہو اور برا کام ناپسند ہو تو وہ مومن ہے اس کے ساتھ ساتھ آپ کا یہ ارشاد بھی ملحوظ خاطر رہے کہ جب زنا کرنے والا نہ نکرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا

کیا روح کے لئے موت ہے | اس میں لوگوں کا اختلاف ہے ایک فرقہ اس کے مرنے کا

قائل ہے اس لئے کہ روح نفس ہے اور ہر نفس مرنے والا ہے ارشاد خداوندی ہے:-

كُلُّ مِمَّنْ عَلَيْهَا قَاتِلٌ وَيُفْقَىٰ وَجْهٌ رَّبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ (الرحم ۲۷-۲۸)

ترجمہ: جو مخلوق زمین پر ہے سب کو فنا ہونا ہے اور تمہارے پروردگار ہی کی ذات

بابرکت ہے جو صاحب جلال و عظمت ہی باقی رہے گی۔

نیز فرمایا: كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ (القصص ۸۸)

ترجمہ: اس کی ذات کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔

مزید برآں وہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ جب فرشتوں پر موت طاری ہوگی بشری نفوس پر

بالاولیٰ موت طاری ہوگی دوسرا فریق ان کے بقا کا قائل ہے چونکہ ارواح کی خلقت بقا کے لئے ہے

اس لئے ان پر موت طاری نہیں ہوگی البتہ اجسام پر موت طاری ہوتی ہے اس پر وہ احادیث

ملہ الاحادیث الصغیرہ ۵۵۰، ملہ بخاری، ملہ

جو ارواح کے جسم کے جدا ہونے کے بعد ان کی نعمتوں میں رہنے یا عذاب میں مبتلا رہنے پر دال ہیں یہاں تک کہ پھر اللہ ان کو اجسام میں لوٹا دے گا لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ارواح کی موت سے مراد ان کا اجسام سے جدا ہونا اور ٹکھنہ پر اگر موت اس کا نام ہے اور اگر موت سے مراد ارواح کا بالکل فنا اور معدوم ہونا ہے تو اس اعتبار سے موت نہیں ہے جبکہ ارواح کو انعامات یا عذاب میں رہنے کے ساتھ بقا حاصل ہوگا دیکھئے اللہ پاک نے خبر دی ہے کہ جنت والے کس حال میں ہوں گے ارشاد خداوندی ہے۔

لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ (الدخان ۵۶)

ترجمہ: پہلی دفعہ کے مرنے کے سوا کہ مر چکے تھے، موت کا مزہ نہیں چکھیں گے

اس موت سے مراد روح کا جسم سے جدا ہونا ہے۔ لیکن دوزخیوں کا قول ارشاد خداوندی ہے

رَبَّنَا آمَنَّا أَنتَ بَيْنَ يَدَيْنَا وَآخِثْنَا فَنَنْتَحِبْ (المومن ۱۱)

ترجمہ: اے پروردگار تو نے ہم کو دو دفعہ بے جان کیا اور دو دفعہ جان بخشی

نہ ارشاد خداوندی ہے۔

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أَهْلًا فَاخْيَاكُمُ ثُمَّ مَحْيَيْتُكُمْ ثُمَّ مَحْيَيْتُكُمْ (البقرہ ۱۸)

ترجمہ: تعجب ہے تم اللہ کے ساتھ کفر کرتے ہو اس حال میں کہ تم بے جان تھے پھر اس

نے تم کو زندگی عطا کی پھر تمہیں بے جان کر کے گا پھر تمہیں زندگی عطا کرے گا۔

تو مقصود یہ ہے کہ ارواح اپنے باپ کی کمر اور اپنی ماں کے رحم میں نطفہ تھے اور نطفہ

مردہ ہیں پھر ان کو زندہ کیا پھر ان کو مارا پھر قیامت کے روز ان کو زندہ فرمائے گا اس میں قیامت

سے قبل ارواح کے مرنے کا ذکر نہیں ہے وگرنہ تین موتیں ہوں گی نطفہ، صومر کے ساتھ ارواح کا

بے ہوش ہونا ان کی موت کو مستلزم نہیں ظاہر ہے کہ جب اللہ فیصلہ کے لئے آئے گا اور

زمین اس کی روشنی سے چمک اٹھے گی تو لوگ بے ہوش ہو جائیں گے لیکن یہ بے ہوشی موت نہیں

ہے اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کا بے ہوش ہونا بھی موت نہیں ہے ماں بے ہوش کرنے والا

نطفہ ان لوگوں کے لئے موت ہے جنہوں نے اس سے پہلے موت کا ذائقہ نہیں چکھا اور

جنہوں نے موت کا ذائقہ چکھا ہے یا جن حوروں اور ولدان پر موت طاری نہیں ہوگی یہ

آیت اس پر دال نہیں ہے کہ ان پر موت طاری ہوگی واللہ اعلم۔

دعوت عذاب قبر میں وہ لوگ مبتلا ہوں گے جو اس کے حق دار ہیں اور حق میں منکر خیر

ہر شخص سے اس کے رب، دین، نبی کے بارے میں سوال کریں گے ان سب چیزوں پر ہمارا ایمان ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے احادیث مروی ہیں اور قبر جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھ ہے۔

دش، ارشاد خداوندی ہے

وَحَاقَ بِالْفِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا
وَعَشِيًّا ذَٰلِكَ نَوْمُ الْبَاقِ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ (انفالہ ۴۷)

ترجمہ: اور فرعون والوں کو بڑے عذاب نے آگھیرا یعنی آتش بہنم کہ صبح و شام اس کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں اور جس روز قیامت برپا ہوگی دھمک ہوگا کہ فرعون والوں کو سخت عذاب میں داخل کرو۔

نِزْرَ مَآءٍ: فَذَرَهُمْ حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي فِيهِ يُصْعَقُونَ ۚ يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ۚ وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَابًا دُونَ ذَٰلِكَ وَلَٰكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ (الطور ۴۵-۴۷)

ترجمہ: پس ان کو چھوڑ دو یہاں تک کہ وہ روز جس میں وہ بے ہوش کر دیئے جائیں گے سامنے آجائے جس دن ان کا کوئی دانوں کچھ بھی کام نہ آئے اور نہ ان کو کہیں مدد ملی اور ظالموں کے لئے اس کے سوا اور عذاب بھی ہے لیکن ان کو کثر نہیں جانتے

احتمال ہے کہ ان کے اس عذاب سے مراد ان کا دنیا میں قتل ہونا ہے یا برزخ کا عذاب

ہے یہی واضح ہے اس لئے کہ اکثر ان میں سے فوت ہوئے اور وہ دنیا میں عذاب سے دوچار نہ ہوئے یا اس سے مراد عام ہیں چنانچہ راہ بن عازب بیان کرتے ہیں کہ ہم بقیع الغرقہ قبرستان میں ایک جنازہ میں تھے کہ ہمارے ہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جب آپ تشریف فرما ہوئے تو ہم بھی آپ کے گرد بیٹھ گئے گویا کہ ہمارے سروں پر پردے تھے (یعنی مکمل خاموشی تھی، میت کے لئے لمہ تیار کی جا رہی تھی آپ نے فرمایا بے شک مومن انسان جب دنیا سے الگ ہو کر آخرت کی طرف جاتا ہے تو اس پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے گویا کہ ان کے چہرے سورج کی مانند چمک دیکر رہے ہیں ان کے پاس جنت کا کھن اور خوبو ہوتی ہے وہ میت سے بعد نظر دور بیٹھ جاتے ہیں پھر ملک الموت مومن کے سر ہانے آکر بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے اے پاکیزہ روح اللہ کی مغفرت اور اس کی رضا کی طرف باہر آؤ راوی بیان کرتا ہے کہ وہ جسم سے یوں نکلتی ہے جیسا کہ

پانی کا قطرہ شکنیزے کے مندر سے باہر آتا ہے چنانچہ ملک الموت روح کو اٹھاتا ہے ابھی اس نے اٹھایا ہی ہوتا ہے کہ اُکھ بھینکنے کی مدت کے برابر بھی روح ملک الموت کے پاس نہیں رہتی کہ فرشتے اس سے روح کو کفن میں لپیٹ لیتے ہیں اور خوشبو لگاتے ہیں اس سے نہایت اعلیٰ درجہ کی کستوری کی خوشبو آتی ہے درودی بیان کرتا ہے کہ فرشتے ہی روح کو لے آسمانوں کی طرف جاتے ہیں تو وہ اس کو لے کر جب بھی فرشتوں کے کسی مجمع کے پاس سے گزرتے ہیں تو وہ کہتے کہ یہ پاکیزہ روح کون ہے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں یہ فلاں انسان فلاں کا بیٹا ہے اس کو نامیں جس بہترین نام سے پکارا جاتا تھا۔ اس نام سے اس کو پکارا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ اس کو لے کر آسمان تک پہنچ جاتے ہیں وہ اس کے لئے دروازہ کھولنے کا مطالبہ کرتا ہے چنانچہ اس کے لئے دروازہ کھل جاتا ہے اور اس کو ہر آسمان سے دوسرے آسمان تک مقرب فرشتے الوداع کرتے ہیں یہاں تک کہ اس آسمان پر پہنچ جاتے ہیں جس میں اللہ ہے تو اللہ پاک فرماتے ہیں میرے بندے کا نام علیین میں تحریر کرو اور اس کو زمین میں واپس لے جاؤ اس لئے کہ میں نے اس کو زمین سے پیدا کیا ہے۔ میری موت اس سے دوبارہ نکالوں گا درودی بیان کرتا ہے کہ اس کی روح اس کے جسم میں واپس کر دی جاتی ہے پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں وہ اس کو بٹھالیتے ہیں اس سے دریافت کرتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے پھر اس سے دریافت کرتے ہیں تیرا رب کیا ہے؟ وہ کہتا ہے میرا رب اسلام ہے وہ اس سے دریافت کرتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ جو تم میں بھیجا گیا تھا وہ جواب دیتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے پھر وہ دریافت کہتے ہیں علم کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے میں نے اللہ کی کتاب کو پڑھا میں اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی اس کے بعد ایک منادی کرنے والا آسمان میں منادی کرتا ہے کہ میرا بندہ آیا ہے جنت کا اسے فرش بچھا دو اور جنت کی طرف اس کے لئے کھڑکی کھول دو درودی بیان کرتا ہے کہ اس کے پاس جنت کی عمدہ جوا اور خوشبو آئے گی اور قبر تاجد نظر وسیع کر دی جائے گی اور اس کے پاس ایک خوبصورت انسان آئے گا جس کا لباس بھی عمدہ ہوگا اس سے بہترین خوشبو مہک رہی ہوگی وہ کہے گا تو خوش کن پیغام کن؟ خوش ہو جا تیرا وہ دی ہے جس کا تو وعدہ دیا گیا تھا وہ اس سے دریافت کہے گا تو کون ہے؟ تیرا چہر تو خوش کن چہرہ ہے وہ جواب میں کہے گا میں تیرا ایک عمل ہوں وہ کہے گا اے اللہ انبیاءت قائم فرما دے تاکہ میں اپنے اہل اور مال کی طرف واپس جاؤں درودی بیان کرتا ہے کہ کافر بندہ جب دنیا سے آخرت کی طرف سدھارتا ہے تو اس کی طرف آسمان

سیاہ چہرے والے فرشتے اترتے ہیں وہ ٹاٹ لے کر بچہ نظر بیٹھاتے ہیں پھر ملک الموت کا فرانس کے سر ہانے بیٹھتا ہے اور کہتا ہے اے خبیث روح! اللہ کی ناراضگی اور اس کے غضب کی طرف باہر نکل (راوی بیان کرتا ہے) کہ روح اس کے تمام جسم میں پھیل جاتی ہے تو اس کو جسم سے یوں نکالا جاتا ہے جیسا کہ لوسے کی سلاح کو بھیگی اون سے نکالا جاتا ہے پس ملک الموت روح کو اٹھاتا ہے تو فرشتے آنکھ جھپکنے کے بقدر بھی اس کے ہاتھ میں نہیں دھرتے دیتے کہ وہ اس کو اٹھا کر ٹاٹ میں پیٹ دیتے ہیں جس سے سخت بدبو آتی ہے (شاید روئے زمین پر ایسی بدبو نہ ہو) فرشتے اس کو لے کر اوپر جاتے ہیں جن فرشتوں کی جماعت سے ان کا گزر ہوتا ہے وہ دریافت کرتے ہیں کہ یہ خبیث روح کون ہے؟ وہ جواب دیتے ہیں اس کا نام فلاں ہے یہ فلاں کا بیٹا ہے اس کے بہت بُرے نام ہے اس کو پکارا جاتا ہے جس نام کے ساتھ وہ دنیا میں پکارا جاتا تھا یہاں تک کہ پہلے آسمان کے قریب پہنچتے ہیں اس کے لئے دروازہ کھولنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے لیکن دروازہ نہیں کھلتا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذیل کی آیت تلاوت کی ارشاد خداوندی ہے۔

لَا تَقْعُ لَہُمْ اَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰی یُذِیْعَ اَنْجَمُ رُفِیْ
سِیۃ الخبایط (الاعراف ۴۰)

ترجمہ :- ان کے لئے نہ آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے نہ جہنم میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے سے نکل جائے۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کا نام سبچین میں تحریر کر دو جو پچلی زمین میں ہے اس کی روح کو وہاں پھینک دیا جاتا ہے پھر اس آیت کی تلاوت کی امتداد خداوندی ہے :-

وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاٰلٰہِہٖ فَکَفَّارًا مِّمَّا تَخَذَ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخَطَّفُہُ السَّعِیْرُ اَوْ تَهْوٰی بِہٖ
الرِّیۡحُ فِیْ مَکَٰنٍ سَجِیۡنٍ - (الجم ۳۱)

ترجمہ :- اور جو شخص کسی کو خدا کے ساتھ شریک مقرر کرے تو وہ گویا ایسا ہے جیسے آسمان سے گر پڑا پھر اس کو پرندے اچک لے جائیں یا ہو کسی دور بگڑا کر پھینک دے۔

تو اس کی روح کو اس کے جسم میں واپس کر دیا جاتا ہے اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں وہ اس کو بٹھاتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں یہ کون آدمی تھا جو تم میں جھگایا تھا وہ جواب دیتا ہے اہ ماہ میں نہیں بے نشا پھر آسمان سے آواز دینے والا آواز دیتا ہے کہ یہ شخص جھوٹا ہے اس کے لئے دوزخ سے فرشتے بچھا دو اور اس کے لئے دوزخ کی جانب دروازہ کھول دو تو اس کے پاس دوزخ کی گہری اور

سخت ہو آتی ہے اور قبر تنگ ہو جاتی ہے یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسری پر پڑھ جاتی ہیں اور اس کے پاس ایک آدمی بد صورت چہرے والا آتا ہے جس کے کپڑے بھی گندے اور بدبودار ہوتے ہیں وہ کہتا ہے اس عذاب پر خوش ہو وہ تجھے غناک کرے یہ تیرا وہ دن ہے جس کا تو وعدہ کیا جاتا تھا وہ اس سے دریافت کرتا ہے تو کون ہے تیرا چہرہ تو بہت برا چہرہ ہے وہ جواب میں کہے گا میں تیرا بدترین عمل ہوں وہ کہے گا اے اللہ! قیامت قائم نہ فرما۔ احمد، ابوداؤد نسائی، ابن ماجہ نے اول کو بیان کیا، حاکم، ابوعمرو ابن حبان تمام اہل سنت اور اہل حدیث اس حدیث کے قائل ہیں پھر اس حدیث کے صحیح شواہد بھی موجود ہیں چنانچہ امام بخاری قتادہ سے وہ انس سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندے کو جب اس کی قبر میں لٹا دیا جاتا ہے اور اس کے سامنے اس سے واپس جاتے ہیں وہ ان کے ہوتوں کی آہٹ کو سنتا ہے اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اس کو بٹھالیتے ہیں اس سے دریافت کرتے ہیں تو اس شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا کہا کرتا تھا مومن جواب دیتا ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہے پھر وہ اس سے کہتا ہے اپنی دوزخ کی جگہ دیکھو جس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے تجھے جنت کی جگہ دی ہے وہ ان دونوں کو ایک نظر سے دیکھتا ہے قتادہ نے بیان کیا ہمیں خبر دی گئی ہے کہ اس کی قبر فراخ کر دی جاتی ہے (راوی نے تمام حدیث کو ذکر کیا) نیز بخاری مسلم میں ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزے آپ نے فرمایا یہ دونوں عذاب میں مبتلا ہیں ان میں ایک تو پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلیور تھا آپ نے ایک سبز ٹہنی منگوائی اس کے دو حصے کئے اور فرمایا شاید ان کا عذاب ہلکا ہو جائے جب تک وہ خشک نہ ہوں۔ نیز صحیح البخاری میں ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو اس کے پاس دو سیاہ رنگ والے نیل آنکھوں والے فرشتے آتے ہیں جن کو منکر نکیر کہا جاتا ہے۔

مستحق عذاب قرار مستحق آرام قبر نیز فرشتوں کے سوال کرنے کے ثبوت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر احادیث مروی ہیں ان کا اعتقاد بھی ضروری ہے اور ان پر ایمان لانا بھی ضروری ہے
 ۱۔ حدیث صحیح ۱۱۵۹-۱۱۶۰، السنۃ الاحادیث الصغیرہ ۴/۱۳۴، بخاری، مسلم، صحیح ابوداؤد ۱۵۱،
 ۲۔ حدیث صحیح ترمذی ۱۱۹۱، اس نے کہا حدیث حسن غریب ہے میں کہتا ہوں حدیث حسن ہے اس حدیث سے ابن کثیر

علاء کا رد ہو رہا ہے جو دونوں فرشتوں کا نام منکر نکیر نہیں رکھتے (الاحادیث الصغیرہ ۹/۳۸)

ہاں انکی کیفیت کے بارے میں ہم کچھ نہیں کہیں گے اس لئے کہ عقل ان کی کیفیت معلوم کرنے سے قاصر ہے۔ اس جہان میں اس کا علم ممکن نہیں نیز شریعت ایسی باتوں کا ذکر نہیں کرتی جس کو عقلیں محال سمجھتی ہیں البتہ ایسی باتوں کا ذکر کرتی ہے جس میں عقلیں حیران ہوتی ہیں ظاہر ہے کہ روح کا جسم میں واپس آنا اس طرح کا نہیں ہے جس طرح دنیا میں معروف ہے بلکہ روح کا اعادہ اس اعادہ کے خلاف ہے جو دنیا میں معلوم ہے پس روح کا بدن کے ساتھ پانچ قسم کا تعلق ہے جس میں احکام مختلف ہیں اولاً روح کا تعلق جسم کے ساتھ ہے جب کہ ماں کے بیٹ میں تھا۔ ثانیاً پھر کے پیدا ہونے کے بعد ثانیاً روح کا وہ تعلق جو بحالت نیند میں ہے اس میں من و وجہ تعلق اور من و وجہ مفارقت ہے ثالثاً روح کا جسم کے ساتھ وہ تعلق جو عالم برزخ میں ہے اگرچہ اس عالم میں روح جسم سے جدا ہوتا ہے لیکن مکمل طور پر بیلا نہیں ہوتا کہ اس میں التفات بھی نہ ہو۔ حدیث میں ہے کہ روح جسم میں لوٹ آتا ہے جب سلام کہنے والا سلام کہتا ہے نیز حدیث میں ہے کہ مردہ انسان لوگوں کے جو توں کی آواز سنتا ہے جب لوگ واپس جا رہے ہوتے ہیں لیکن روح کا لوٹنا اس طرح کا نہیں ہوتا کہ قیامت سے پہلے جسم میں زندگی عود کر آئے خامسا وہ تعلق جو اجسام کے حشر و نشر کے روز ہوگا روح جسم کے ساتھ یہ تعلق مکمل نوعیت کا ہوگا دیگر اقسام میں روح کے تعلق کی نسبت اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں اس لئے کہ وہ تعلق ایسا ہے جس کے ہوتے ہوئے جسم موت، نیند، فساد کو قبول نہیں کرتا پس نیند بھی موت کا مثل ہے اس تشبیح سے بہت سے اشکالات حل ہو جائیں گے۔

یاد رہے قبر میں صرف روح سے سوال نہ ہوگا جیسا کہ ابن ہزم وغیرہ کا قول ہے اس سے بھی غلط قول یہ ہے کہ سوال صرف جسم سے ہوگا روح سے نہیں ہوگا جب کہ احادیث صحیحہ دونوں اقوال کو رد کر رہی ہیں اسی طرح عذاب قبر بھی روح اور جسم دونوں کو ہوگا اس پر اہل سنت و الجماعت کا اتفاق ہے کہ کبھی اکیلے روح کو آرام یا عذاب ہوگا اور کبھی دونوں کو مل کر ہوگا۔

عذاب قبر کا ذکر عذاب قبر برزخ میں ہوگا جو شخص فوت ہوا اور وہ عذاب کا حق دار ہے اس کو عذاب ہوگا خواہ اسے قبر میں دفن کیا گیا ہو یا اسے درندے پر بندے لھا جائیں یا اسے جلادیا جائے اور اسکی راکھ کو مہا میں اڑلایا جائے یا اسکو صلیب پر لٹکایا جائے یا وہ سمندر میں غرق ہو جائے بہر حال اسکی تلح اور اسکے بدن کو اسی طرح عذاب ہوگا جس طرح اس انسان کی عذاب ہوئے جو قبر میں دفن کیا گیا۔

ہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو مروی ہے کہ میت کو قبر میں بٹھایا جاتا ہے یا یہ کہ اس کی پسلیاں دباؤ کے ساتھ مختلف ہو جاتی ہیں ضروری ہے کہ ان باتوں کو بلا غلو اور کوتاہی کے سمجھا جائے تاکہ آپ کے کلام کا کہیں ایسا معنی نہ کیا جائے جس کا وہ متحمل نہیں اس سلسلہ میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کی جائے اس لئے کہ بعض اوقات کوتاہی کرنے سے راہ صواب سے انحراف ہو جاتا ہے بلکہ اللہ اور اس کے رسول کی باتوں کو صحیح طور پر نہ سمجھنا ہر بدعت اور گمراہی کا پیش خیمہ ہے چنانچہ اسلام کے اصول و فروع میں ہر قسم کی غلطیوں اور گمراہیوں کا یہی اصل ہے خصوصاً جب کہ مقصود صحیح نہ ہو۔ واللہ المستعان۔

خلاصہ یہ کہ تین گھر ہیں دنیا، برزخ، آخرت ہر ایک کے الگ الگ خاص احکام ہیں۔ اور انسان جسم اور درج سے مرکب ہے دنیا کے احکام اجسام کے ساتھ متعلق ہیں ارواح اس کے تابع ہیں اور برزخ کے احکام ارواح کے ساتھ متعلق ہیں اور اجسام ان کے تابع ہیں لیکن میدان عشرت میں جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو آرام اور عذاب کا تعلق ارواح، اجسام دونوں کے ساتھ ہوگا جب اس حقیقت کا گہرے غور و فکر سے جائزہ لیا جائے گا تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ قبر جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے یا دوزخ کے گرہوں میں سے ایک گرہ ہے اور یہ بات عقل کے بھی عین مطابق ہے اور اس کے صحیح ہونے میں کچھ شک نہیں اس حقیقت کے پیش نظر ہی وہ لوگ جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں ان کا ان کے غیرے اعتبار ہو سکتا ہے ہاں یہاں اس بات کا جاننا بھی ضروری ہے کہ عذاب یا آرام جو قبر میں حاصل ہوگا وہ دنیا کے عذاب یا آرام کی جنس سے نہیں ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ قبر کی مٹی یا پتھروں کو اس قدر تپا دے گا کہ ان کی گرمی دنیا کے شعلوں کی گرمی سے بھی زیادہ ہوگی لیکن دنیا والوں کو قبر کی گرمی کا احساس نہ ہوگا بلکہ اس سے بھی تعجب خیز بات یہ ہے کہ دو انسان جن کو ایک دوسرے کے پہلو میں دفن کیا گیا ہے ایک دوزخ کے گرہ میں ہے اور دوسرا جنت کے باغیچہ میں ہے نہ اس کو اس کے عذاب کی گرمی پہنچے گی اور نہ اس کو اس کے آرام سے کچھ آرام پہنچے گا اللہ تعالیٰ کی قدرت اس سے بھی زیادہ وسیع اور غیب سے جب کہ عام طور پر لوگ ایسی باتوں کو تسلیم نہیں کرتے ہیں جن کا انھیں کچھ علم نہ ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس دنیا میں اپنی قدرت کے ایسے عجائبات کا مشاہدہ کرایا ہے جو اس سے بھی زیادہ تعجب خیز ہیں اور جب بھی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو ان پر اپنے بعض بندوں کو مطلع کرتا ہے اور بعض

سے پوشیدہ کرتا ہے لیکن اگر تمام بندوں کو مطلع کرے تو پھر مکلف ہونے اور ایمان بالغیب کی حکمت ختم ہو کر رہ جائے۔ بلکہ لوگ دفن کرنے سے رک جائیں جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے آپ نے فرمایا اگر یہ غدشہ نہ ہوتا تو تم دفن نہ کرو گے تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ وہ تمہیں اسی طرح عذاب قبر سنائے جس طرح کہ میں سناتا ہوں لیکن جب یہ حکمت چار پایوں کے بارے میں منتفی ہے تو چار پائے عذاب قبر کا ادراک بھی کرتے ہیں اور سنتے بھی ہیں۔

منکر بخیر کے سوال کے بارے میں کیا ان کا سوال کرنا اس امت کے ساتھ خاص ہے ایک قول یہ ہے دوسرا قول یہ ہے کہ عام ہے تیسرا قول توقفت کا ہے یہی قول علماء کی ایک جماعت کا ہے ان میں امام ابو عبد البر بھی ہیں چنانچہ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ زید بن ثابت کی حدیث جو بنی سلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا اس امت سے قبروں میں سوال ہوتا ہے۔ بعض روایات میں خاص طور پر سوال کے لفظ ہیں اس بنا پر احتمال ہے کہ یہ اس امت کے ساتھ خاص ہو اگرچہ قطعی نہیں ہے بلکہ امت کے ساتھ خاص ہونا ظاہر ہے۔ واللہ اعلم اسی طرح بچوں کے سوال کے بارے میں بھی اختلاف ہے نیز کیا عذاب قبر ہمیشہ ہے گا یا ختم ہو جائے گا اس کی وضاحت کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ بیش دانی عذاب میں گرفتار ہوں گے جیسا کہ ارشادِ دوزخی ہے:

الْأَنفَادُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا

الْفِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ . (غافر: ۴۶)

ترجمہ: (یعنی) آتشِ جہنم کے صبح و شام اس کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں اور بس روزِ

قیامت برپا ہوگی (حکم ہوگا) کہ فرعون والوں کو سخت عذاب میں داخل کر دو۔

اسی طرح برادر بن عازب کی حدیث میں کافر کے قصہ میں بت کہ اس کے لئے دوزخ کی جاب

دروازہ کھول دیا جائے گا وہ قیامت تک اپنے ٹھکانے کو دیکھتا رہے گا۔ (مسند احمد)

اور بعض کچھ مدت عذاب میں دیں گے اس کے بعد عذاب ختم ہو جائے گا اس عذاب

میں وہ نافرمان گرفتار ہوں گے جن کے جرائم معمولی تھے تو انہیں ان کے برہمنوں کے مطابق عذاب

ہوگا پھر عذاب ختم ہو جائے گا جیسا کہ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

لاحقہ صحیح مسلم علی ابی سعید وعن انس، لیکن (ما سنع) کے الفاظ نہیں ہیں یعنی (جو میں سناتا ہوں)،

مسلم، احمد، الاماد، السحیحہ ۱۵۹

ارواح کا استقرار کہاں ہے؟ موت کے بعد قیام قیامت تک ارواح کا استقرار کہاں ہوگا؟ اس میں اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ ایمان داروں کے ارواح جنت میں ہوں گے اور کافروں کے ارواح دوزخ میں ہوں گے ایک قول یہ ہے کہ ایمان داروں کے ارواح جنت کے دروازوں پر کھلے میدان میں ہوں گے جنت کا آرام، نعمتیں، رزق انھیں ملتا رہے گا ایک قول یہ ہے کہ وہ اپنی قبروں کے ارد گرد ہوں گے امام مالکؒ کا قول ہے مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ارواح آزاد ہوں گی وہ جہاں چاہیں گی گھومتی پھرتی رہیں گی ایک گروہ کا خیال ہے ایمان داروں کی روحوں اللہ کے ہاں ہوں گی ایک قول میں ایمان داروں کی روحوں دمشق کے جبابہ مقام میں اور کافروں کی روحوں حضرت موت کے کنوئیں برصوت میں ہوں گی کعب کا قول ہے ایمان داروں کی روحوں ساتویں آسمان میں علیین میں اور کافروں کی روحوں ساتویں زمین میں سبعین میں ابلیس کے رخسار کے نیچے ہوں گی ایک قول میں ایمان داروں کی روحوں زمزم کنوئیں میں اور کافروں کی روحوں برصوت کنوئیں میں ہوں گی ایک قول میں ایمان داروں کی روحوں آدم کی دائیں طرف اور کافروں کی روحوں آدم کی بائیں طرف ہوں گی ابن حزم وغیرہ کا قول ہے روتوں کا استقرار وہاں ہوگا جہاں وہ اجسام کے پیدا ہونے سے پہلے تھیں ابن عبدالبر کا قول ہے شہیدوں کی روحوں جنت میں اور عام ایمانداروں کی روحوں ان کی قبروں میں ہوں گی ابن شہاب بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ شہیدوں کی روحوں سبز پرندوں کی شکل میں ہوں گی جو عرش کے ساتھ معلق ہوں گے وہ جنت کے باغیچوں میں چلیں پھریں گے روزانہ اللہ کی بارگاہ میں حاضری دیں گے اور سلام کہیں گے ایک فرقہ کہتا ہے اس کا استقرار عدم محض ہے یہ قول ان لوگوں کا ہے جو کہتے ہیں کہ نفس بدن کے اعراض سے ایک عرض ہے جیسا کہ بدن کی زندگی اور اس کا ادراک ہے ان کا قول کتاب و سنت کی تشریحات کے مخالف ہے ایک جماعت کا قول ہے روتوں کا استقرار موت کے بعد دیگر اجسام میں ہوگا ان کے اخلاق اور صفات کے مناسب ہوں گے جو زندگی میں ان کے تھے تو ہر روح ایسے حیوان کے بدن کی طرف جائے گی جو اس روح کے مشاغل ہوگا یہ قول ان لوگوں کا ہے جو تناسخ کے قائل ہیں اور آخرت کا انکار کرنے والے ہیں یہ قول تمام اہل اسلام کے اقوال کے مخالف ہے۔

دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ عالم برزخ میں ارواح میں عظیم تفاوت ہوگا بعض ارواح

اعلیٰ علیین میں ملا اعلیٰ میں ہوں گی یہ انبیاء کے ارواح ہوں گے ان کے منازل میں تفاوت ہو گا بعض ارواح سبز پردوں کے پوٹوں میں ہوں گی وہ جنت میں جہاں چاہیں گے چلیں پھر یہ بعض شہداء کی رو میں ہوں گی اور بعض شہیدوں کی روحوں کو جنت میں داخل ہونے سے بوجہ قرض کے روکا جانے کا جیسا کہ مسند احمد میں عبد اللہ بن جحشؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مذمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! اگر میں اللہ کی راہ میں شہید ہو گیا تو مجھے کیا ملے گا آپ نے فرمایا جنت ملے گی جب اس نے منہ پھیرا تو آپؐ نے فرمایا البتہ قرض معاف نہیں ہو گا ابھی مجھے آزمیگی کے ساتھ تعزت جبریل نے اس کی خبر دی ہے۔

بعض ارواح کو جنت کے دروازہ پر بند کیا جائے گا جیسا کہ ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تمہارے صاحب کو دیکھا ہے جنت کے دروازے پر روکا گیا تھا بعض رو میں قبر میں بند ہوں گی اور بعض زمین میں ہوں اور بعض آگ کے تنور میں ہوں گی جیسا کہ زانی مردوں اور عورتوں کا ذکر آتا ہے اور کچھ رو میں خون کی نہریں ترقی ہوں گی انہیں پتھر لگیں گے ان سب کا ذکر احادیث میں ہے لیکن ان کی زندگی دوسرے لوگوں سے متاثر ہوگی ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَا تَحْزَنْ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءُ وَعِنْدَ رَبِّهِمْ يُؤَدُّونَ ۚ (آل عمران ۱۶۹)

ترجمہ ۱۔ جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے ان کو مرے ہوئے نہ سمجھنا وہ مرے ہوئے نہیں ہیں بلکہ خدا کے نزدیک وہ زندہ ہیں اور ان کو رزق مل رہا ہے۔

یٰۤاَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْزَنُوا لِمَن قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءُ وَلَٰكِن لَّا تَعْلَمُونَ ۚ (البقرہ ۱۵۳)

ترجمہ ۱۔ اور جو لوگ خدا کی راہ میں مارے جائیں ان کی نسبت یہ نہ کہنا کہ وہ مرے ہوئے ہیں بلکہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں جانتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے شہیدوں کی روحوں کو سبز پردوں کے پوٹوں میں کیا۔ جیسا کہ عبد اللہ بن عباسؓ کی

لہ اس میں محمد بن عبد اللہ بن جحشؓ سے صحیح سند ۳۹/۴ - ۵۰/۲ - ۳۵ ص ۷

احکام الجنازہ ۱۵ -

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارے بھائی احد کے دین شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مددگوں کو سبز پرندوں کے پیٹوں میں کیا وہ جنت کی نہروں میں وارد ہوتے ہیں اور ان کے پھلوں کو کھاتے ہیں اور سونے کی قندیلوں کی طرف جگہ پکڑتے ہیں جو عرش کے سایہ میں معلق ہیں (ابوالبوداء و)

اسی مضمون کی حدیث ابن مسعود سے ہے کہ جب انھوں نے اپنے اجسام کو اللہ کی راہ میں خرچ کیا یہاں تک کہ دشمنوں نے ان کو ختم کر دیا تو اللہ نے ان کے عوص ان کو برزخ میں ایسے جسم عطا فرمانے جو پہلے جسم سے بہتر تھے قیامت تک ان جسموں میں رہیں گے ان کا آرام ان اجسام کی وساطت سے زیادہ بہتر ہوگا نسبت ان ارواح کے جو اجسام سے مجرد ہوں گے اسی لئے مومن کی روح پرندے کی شکل میں پرندے کی طرح ہوتی ہے نیز شہید کی روح پرندے کے پیٹ میں ہوتی ہے ان دونوں حدیثوں کے الفاظ پر غور کیجئے اور موطا میں کعب بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کی روح پرندہ بن جاتی ہے جنت کے درختوں کے ساتھ معلق رہتا ہے یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ اس کو اٹھائے گا تو اس کے جسم میں واپس لوٹا دے گا اس حدیث کے الفاظ عام ہیں شہید غیر شہید دونوں کو شامل ہیں پھر شہید کو خاص کیا گیا ہے کہ اس کی روح سبز پرندے کے پیٹ میں ہوتی ہے اور یہ بات واضح ہے کہ جب وہ پرندے کے پیٹ میں ہے تو وہ پرندہ ہے اس اعتبار سے دوسری حدیث کے عموم میں داخل ہے پس برزخ میں نعمتوں میں ان کا حصہ دیگر ایمان دار لوگوں سے زیادہ ہے جو بستر پر فوت ہوتے ہیں اگرچہ ان کا مقام اکثر مرنے والوں سے بلند ہے اس لئے کہ ان کے لئے کچھ نعمتیں خاص ہیں کہ ان کے ساتھ ان میں وہ لوگ شریک نہیں جو ان سے کم درجہ کے ہیں، واللہ اعلم نیز اللہ تعالیٰ نے زمین پر آرام کر دیا ہے کہ وہ امتیاز کے اجسام کو کھائے یہ حدیث سنن میں ہے بعض شہیدوں کے بارے میں مشاہدہ کیا گیا ہے کہ ان کے دفن کے کافی عرصہ بعد بھی ان کے اجسام میں تغیر رونما نہیں ہوا ان کے بارے میں ممکن ہے کہ قیامت تک ان کا جسم اسی طرح باقی رہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ طویل مدت کے بعد بوسیدہ ہو جائے معلوم یوں ہوتا ہے کہ جس قدر شہادت اکمل ہو اور شہید افضل ہو اسی نسبت سے اس کا جسم زیادہ عرصہ باقی رہتا ہے واللہ اعلم۔

وطح قیامت کے روز اٹھنے اور اعمال کے بدلے اور اللہ کے سامنے پیشی اور حساب نیز اعمال

لے صمیم حکم صمیم مقرر مسلم ذہبی نے موافقت کی مشکوٰۃ البانی (۳۸۵۳)

ناتے پڑھنے، ثواب، عتاب، پل صراط، ترازو ان سب پر ہمارا ایمان ہے۔

(منش) آخرت پر ایمان رکھنا کتاب وسنت عقل اور فطرت سلیمہ سے ثابت ہے اللہ سبحانہ نے اس کا ذکر اپنی کتاب میں کیا اور اس پر دلائل بیان فرمائے اور قرآن کی اکثر سورتوں میں اس کے منکرین کا رد کیا اس لئے کہ تمام انبیاء علیہم السلام ایمان باللہ پر متفق ہیں ظاہر ہے کہ رب کا اقرار تمام بنی نوع آدم میں عام ہے یہ فطری چیز ہے تمام رب کا اقرار کرتے ہیں سوائے ان لوگوں کے جو بہت بڑے سرکش ہیں جیسے فرعون وغیرہ ہیں البتہ آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کی تعداد زیادہ ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب خاتم النبیین ہیں اور آپ کی بعثت اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح مقارن ہے اور آپ کا وصفی نام ہاشم اور مقفی رجب سے پیچھے آنے والا ہے، تو آپ نے آخرت کا ذکر ایسی تفصیل کے ساتھ پیش کیا کہ پہلے انبیاء کی کتابوں میں ایسی تفصیل موجود نہیں اسی لئے فلاسفہ کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ اجسام کے اٹھائے جانے کا تفصیلی ذکر صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی کیا ہے اس لحاظ سے انھوں نے اس مسئلہ کو تعمیل سے تعبیر کیا ہے اور قرآن نے موت کے بعد روح کے واپس آنے اور قیامت کبریٰ کے وقت بدن کے اٹھائے جانے کا ذکر متعدد مقامات میں کیا ہے فلاسفہ چونکہ قیامت کبریٰ اور اجسام کے اٹھائے جانے کا انکار کرتے ہیں۔ نیز وہ کہتے ہیں کہ ان باتوں کی خبر خیالی انداز میں صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے ہم ان کی باتوں کو جھوٹ قرار دیتے ہیں اس لئے کہ قیامت کبریٰ تو تمام انبیاء علیہم السلام کے ہاں معروف ہے حضرت آدم، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ علیہم السلام سب نے اس کے بارے میں بتایا بلکہ آدم کو جنت سے اتار دیا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے قیامت کی خبر دی اثناء خلوت کی ہے

اَفْهَيْطُوْا اَبْعَضَكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْاٰدِثِ مُسْتَفْزَذٌ مِّنْ اٰدِثِ الْجِنَّ (الاعراف ۷۴)

ترجمہ: (تم سب ہرشت سے) اتر جاؤ (اب سے) تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمھارے لئے ایک وقت (خاص) تک زمین پٹھکانہ اور زندگی کا سامان کر دیا گیا ہے۔

نیز فرمایا: قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ۔ (الاعراف ۷۵)

ترجمہ: (یعنی) کہا گیا کہ اسی میں تمھارا جینا ہوگا اور اسی میں مرنا ہوگا اور اسی میں سے قیامت کو زندہ کر کے، نکالے جاؤ گے۔

اور جب ابلیس لعین نے مطالبہ کیا: رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْ اِلٰی يَوْمٍ يُّبْعَثُوْنَ۔

ترجمہ: اے پروردگار مجھے قیامت تک مہلت دیجئے۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ إِلَى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ (ص ۸۰-۸۱)

ترجمہ: تجھے کو مہلت دی جاتی ہے اس روز تک جس کا وقت مقرر ہے
نیز نوح علیہ السلام نے فرمایا: وَاللّٰهُ أَفْضَلُكُمْ مِنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيْهَا
وَيُخْرِجُكُمْ مِنْهَا (نوح ۱۴-۱۸)

ترجمہ: اور خدا ہی نے تم کو زمین سے پیدا کیا ہے پھر اسی میں تمہیں لوٹا دے گا اور
اسی سے تم کو نکال کھڑا کرے گا۔

نیز ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: وَالَّذِيْ اٰطَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْئَتِيْ يَوْمَ
الدِّيْنِ (الشعراء ۸۲)

ترجمہ: اور وہ جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے گناہ بخشتے گا۔
نیز فرمایا: رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ ذَلٰلَتِيْ الَّذِيْ كُنْتُ مِنَ الْمُنْسَابِہِ
ترجمہ: اے ہمارے پروردگار مجھے اور میرے والدین اور ایمان والوں کو (اس دن)

معاف کر جس دن حساب قائم ہوگا۔

نیز فرمایا: رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتٰی - (البقرہ ۲۷۰)

ترجمہ: اے اللہ مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ کرتا ہے۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب اس نے سرگوشی کی
اِنَّ السَّاعَةَ اَتٰیةٌ اَمَّا اَنْفُسُهَا فَتَجْزٰی كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰی فَلَا يَصُدُّ عَنْهَا
مَنْ لَهُمْ مِنْ يَّهَا وَاتَّبَعُهَا هَوٰٓا۟ فَتَرَكَ اٰیٰی (طہ ۱۵-۱۶)

ترجمہ: قیامت یقیناً آنے والی ہے میں چاہتا ہوں کہ (وقت) کو پوشیدہ رکھوں

تا کہ ہر شخص جو کوشش کرے اس کا بدلہ پائے تو جو شخص اس پر ایمان نہیں رکھتا

ہے اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلتا ہے تو میں تم کو اس (کے یقین)

سے روک دے گا تو (اس صورت میں) تم ہلاک ہو جاؤ گے

بلکہ آل فرعون کا مومن قیامت کا علم رکھتا تھا اس کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی

ایمان تھا اللہ تعالیٰ اس کی حکایت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں

وَيَا قَوْمِ اِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْكُمْ یَوْمَ التَّنَادِ یَوْمَ تَوَدُّنَ مُذْرِیِّیْنَ مَا لَكُمْ

مَنْ اسْتَهْمَ مِنْ عَاجِصٍ وَمَنْ يُضِلُّ اللهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَاجٍ (صافہ ۲۷-۳۳)
ترجمہ: اے قوم مجھے تمہاری نسبت پکار کے دن (یعنی قیامت) کا خوف ہے جس دن
تم پیٹھ پھیر کر قیامت کے دن میدان سے بھاگو گے اس دن تم کو کوئی رعبا
خدا سے بچانے والا نہ ہوگا اور جس شخص کو خدا گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت
دینے والا نہیں۔

نِزَارُكُمْ اِنَّ هَذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ دَانٌ الْآخِرَةُ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ (صافہ ۲۹)
ترجمہ: بھائیو یہ دنیا کی زندگی چند روز، فائدہ اٹھانے کی چیز ہے اور جو آخرت ہے
وہی ہمیشہ رہنے کا گھر ہے۔

نِزَارُكُمْ اِنَّ اِلٰهَ فِرْعَوْنَ اَشَدُّ الْعَذَابِ -
ترجمہ: فرعون والوں کو سخت عذاب میں داخل کرو۔
نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی:-

وَ اَكْتُبْ لَنَا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَ فِي الْآخِرَةِ اِنَّا هَدٰكَ اِلَيْكَ (عمران ۱۵۷)
ترجمہ:- اور ہمارے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی لکھ لے اور آخرت میں بھی ہم تیری
طرف رجوع ہو چکے۔

نیز اللہ پاک نے گلے کے واقعہ میں خبر دی ہے۔
فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا كَذٰلِكَ يُخَيِّ اللهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَيُذِيْكُمْ اِيَّاهُمْ
لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۔ (البقرہ ۷۳)

ترجمہ:- تو ہم نے کہا کہ اس بیل کا کوئی سانگڑا مقتول کو مار دے اس طرح خدا مردوں کو
زندہ کرتا ہے اور تم کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو۔
بے شک اللہ نے قرآن پاک میں ذکر فرمایا ہے کہ اس نے پیغمبروں کو بھیجا تاکہ وہ لوگوں
کو خوشخبری دیں اور ڈراہیں نیز دوزخیوں کے بارے میں خبردار کیا کہ حبیب الہ سے دوزخ کے دربان
کہیں گے:-

اَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُزَيِّنُوْنَ لَكُمْ لِقَاءَ
رَبِّكُمْ هٰذَا اَقَالُوْا بِلٰى وَ لٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلٰى الْكَافِرِيْنَ (الزمر ۷)
ترجمہ:- کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے پیغمبر نہیں آئے تھے جو تم کو تمہارے پروردگار کی

آہستہ آہستہ پڑھ کر سنا تے اور اس دن کے چننے سے ڈرتے تھے کہیں گے
کیوں نہیں لیکن کافروں کے حق میں عذاب کا حکم تحقیق ہو چکا تھا۔

اس آیت میں دوزخیوں کے اعتراف کا ذکر ہے کہ رسولوں نے ان کو قیامت کے دن
سے ڈرایا تھا چنانچہ جس طرح خاتم الرسل نے ڈرایا اسی طرح دوسرے رسولوں نے بھی ڈرایا کہ
گنہگاروں کو دنیا و آخرت میں فلاں فلاں سزاؤں سے واسطہ پڑے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن
پاک کی کتر سورتیں جن میں وعدہ وعید کا ذکر ہے ان میں اس بات کا بھی ذکر ہے کہ دنیا اور آخرت
میں وہ عذابِ خداوندی میں گرفتار ہوں گے نیز اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ اپنے
کے دن کی یقین دہانی قسم اٹھا کر فرمائیں چنانچہ ارشاد خداوندی ہے

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَتَأْتِنَا السَّاعَةُ قُلْ بَلَىٰ وَدَّرِيتُ لَمَّا تَنظُرُونَ عَالِي النِّيبِ (سبا ۳)

ترجمہ:- اور کافر کہتے ہیں کہ (قیامت کی) گھڑی ہم پر نہیں آئے گی کہہ دو کیوں نہیں (آئے گی)
میرے پروردگار کی قسم وہ تم پر نرود آکر رہے گی (وہ پروردگار غیب کا جاننے والا ہے۔
نیز فرمایا:- وَيَسْتَبْشِرُونَكَ أَخَقُّ هُوَ قُلْ إِنِّي وَدَّرِيتُ إِنَّهُ لَآتٍ حَقٌّ وَهَآءِ نَذِيرٌ مُّحْذَرٌ (نوس ۵)
ترجمہ:- اور وہ تم سے دہانت کرتے ہیں کہ آیا یہ سچ ہے کہہ دو ہاں نہ کی قسم سچ ہے اور تم
رہناگ کر خدا کا عاجز نہیں کر سکتے۔

نیز فرمایا:- زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ تَنْ يُبْعَثُوا قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ
لَتُنَبِّئُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ (التغابن ۷)

ترجمہ:- جو لوگ کافر ہیں ان کا اعتقاد ہے کہ وہ دوبارہ (ہرگز نہیں اٹھائے جائیں
گے کہہ دو کہ ہاں ہاں میرے پروردگار کی قسم تم نرود اٹھائے جاؤ گے۔
پھر جو جو کام تم کرتے رہے ہو وہ تمہیں بتائے جائیں گے اور یہ خدا کو آسان ہے۔

نیز قرب قیامت کے بارے میں فرمایا:

اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَالنَّاسُ الْمَقْتَرُونَ (القرآن)

ترجمہ:- قیامت قریب آگئی ہے اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا ہے

نیز فرمایا:- اقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ (الانبیاء ۱)

ترجمہ:- لوگوں کے لئے ان کا حساب قریب آگیا ہے اور وہ غفلت میں روگردانی کرنے والے ہیں۔

نیز فرمایا:- سَأَلْ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ لِّلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ مِّنَ اللَّهِ

ذِي الْمَعَادِجِ تَعْوُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ
أَلْفَ سَنَةٍ قَاصِبٌ رَضِبٌ أَجْبِلًا إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا وَهُمْ يَقْبِلُونَ قَبِيلًا الْعَالِمُ أَعْلَمُ
ترجمہ:- ایک طلب کرنے والے نے عذاب طلب کیا جو نازل ہو کر رہے گا یعنی کافروں پر
دور ہو کوئی اس کو ٹال نہ سکے گا اور وہ ہندے صاحب درجہ کی طرف نازل ہو گا جس طرح
روح الامین اور فرشتے چڑھتے ہیں راوی، اسی روز نازل ہو گا جس کا اندازہ پچاس
ہزار برس کا ہو گا تو تم کافروں کی باتوں کو، حوصلے کے ساتھ برداشت کرتے
رہو وہ ان لوگوں کی نگاہ میں دور ہے اور ہماری نظر میں قریب ہے۔
نیز قیامت کی تکذیب کرنے والوں کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:-

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِإِيقَاءِ اللَّهِ وَنَا كَا لَوْ مَهْمَتَيْنِ (یونس ۳۵)
ترجمہ:- جن لوگوں نے خدا کے رو برو حاضر ہونے کو جھٹلایا وہ خسارے میں پڑ گئے
اور راہ یاب نہ ہوئے۔

نیز فرمایا: حَتَّىٰ إِذَا جَاءَتْهُمْ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوا يَا حَسْرَتَنَا عَلَىٰ
مَا فَرَّطْنَا فِيهَا (الانعام ۳۱)

ترجمہ:- یہاں تک کہ جب ان پر قیامت ناگہاں آجود ہوگی تو بول اٹھیں گے کہ اے
اس تفسیر پر افسوس ہے جو ہم نے قیامت کے بارے میں کی۔

نیز فرمایا: أَلَا إِنَّ الَّذِينَ يُمَارُونَ فِي السَّاعَةِ لَفِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ (الشورى ۱۸)
ترجمہ:- دیکھو جو لوگ قیامت میں جھگڑتے ہیں وہ پہلے درجے کی گمراہی میں ہیں۔
نیز فرمایا: بَلْ أَذْرَقْ عَلَيْهِمْ فِي الْآخِرَةِ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِنْهَا
بَلْ هُمْ عَنْهَا غَمُورٌ (النمل ۶۶)

ترجمہ:- بلکہ آخرت (کے بارے) میں ان کا علم متہی ہو چکا ہے بلکہ وہ اس سے شک
میں ہیں بلکہ اس سے بھی اندھے ہو رہے ہیں

نیز فرمایا: وَاقْصِرُوا بِأَلْفِ حَبْدٍ أَيْمَانَهُمْ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَنْ يَمُوتُ بَلَىٰ
وَعْدًا عَلَيْهِمْ حَقًّا لَكِنِ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ هَلْ يَتَّبِعُ لَهُمُ الْاِذْيُ
يُخْتَلَفُونَ فِيهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَاذِبِينَ (النمل ۳۸-۳۶)
ترجمہ:- اور یہ خدا کی سخت قسمیں کھاتے ہیں کہ ہر جاثیہ خدا سے (قیامت کے

دن قبر سے نہیں اٹھائے گا ہرگز نہیں یہ (خدا کا) وعدہ سچا ہے اور اس پر پورا کرنا اسے ضروری ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے تاکہ جن باتوں میں یہ نکلا کرتے ہیں وہ ان پر ظاہر کر دے گا اور اس لئے کہ کافر جان لیں کہ وہ جھوٹے تھے۔
نیز فرمایا: **وَإِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا وَلَكِنْ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ** (غافر ۵۹)

ترجمہ: قیامت تو آنے والی ہے اس میں کچھ شک نہیں ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں رکھتے۔
نیز فرمایا: **وَنُخَشِرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ عُبُقًا وَهُمْ ذُكُورًا وَمَا ذُرِّيَّتُهُمْ كُلُّهَا خَبَتْ زِدْنَاهُمْ سَعِيرًا** (الاسراء ۹۷)

ترجمہ: اور ہم ان کو قیامت کے دن اونٹوں سے منہ اندھے کر دیں گے اور ہرے (پناہ) اٹھائیں گے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے جب اس کو آگ بجھنے کو ہوگی تو ہم ان کو عذاب دینے کے لئے، اور بھڑکا دیں گے۔

نیز فرمایا: **ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا وَقَالُوا إِذَا مَكُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا إِنَّا لَبَعُولُونَ** (الاسراء ۹۸)

ترجمہ: یہ ان کی سزا ہے اس لئے کہ وہ ہماری آیتوں سے کفر کرتے رہے اور کہتے رہے کہ جب ہم (مر کر بوسیدہ) ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا از سر نو پیدا کئے جائیں گے
نیز فرمایا: **أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَن يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ أَجَلًا لَا رَيْبَ فِيهِ فَأَبَى الظَّالِمُونَ إِلَّا كُفُورًا** (الاسراء ۹۹)

ترجمہ: کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ خدا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اس بات پر قادر ہے کہ ان جیسے (لوگ) پیدا کر دے اور اس نے ان کے لئے ایک وقت مقرر کر دیا ہے جس میں کچھ بھی شک نہیں تو ظالموں نے انکار کرنے کے سوا زلے قبول نہ کیا۔

نیز فرمایا: **وَإِذَا مَكُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا إِنَّا لَبَعُولُونَ** خَلَقًا جَدِيدًا قُلْ كُونُوا حِجَارَةً أَوْ حَدِيدًا أَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِي صُدُورِكُمْ فَسَيُقَوِّلونَ مِنْ يُونُسَ نَاقِلَ الَّذِي نُفِطِرْكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَسَيُنْخِضُونَ إِلَيْكَ رُجُومُهُمْ وَيَقُولُونَ مَتَى هُوَ قُلْ عَسَىٰ أَن يَكُونَ قَرِيبًا يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ وَتَقُولُونَ إِنَّ لَدَيْنَا لِلْآتِلَاتِ (الاسراء ۳۹-۵۲)

ترجمہ: اور کہتے ہیں کہ جب ہم (مرکر بوسیدہ) بڑیاں اور چوڑ چوڑ ہو جائیں گے تو کیا از سر نو پیدا ہو کر اٹھیں گے کہہ دو کہ (تو وہ تم) پتھر ہو یا ڈیالو یا کوئی اور چیز جو تمہارے نزدیک (پتھر اور لوہے سے بھی) بڑی دھت، جو جھٹکھو، گر (بھ) ہمیں دوبارہ کون جنائے گا کہہ دو کہ وہی ہے جس نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تو (تعجب سے) تمہارے آگے سر پلائیں گے اور پوچھیں گے کہ (یسا کب ہو گا کہہ دو) امید ہے کہ بلند ہو گا جس دن وہ تمہیں پکارے گا تو تم اس کی تعریف کے ساتھ جواب دو گے اور خیال کر گے تم (دنیا میں) بہت کم مدت، رہے۔

خیال کیجئے کہ انہیں ہر سوال کا جواب کتنی تفصیل سے دیا گیا ہے جب انہوں نے کہا
 اَوَدُّ الْاِنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا اَمْ نَحْنُ الْمُبْعُوذُونَ خُلُقًا جَدِيدًا ۲۰ (الاسراء-۲۹)

ترجمہ: کہ جب ہم (مرکر بوسیدہ) بڑیاں اور چوڑ چوڑ ہو جائیں گے تو کیا از سر نو پیدا ہو کر اٹھیں گے۔

تو انہیں جواب دیا گیا کہ تم خیال کرنے ہو کہ تمہارا کوئی خالق اور کوئی رب نہیں تو تم کیوں نہ ایسی مخلوق بن گئے جن کو مدت فنا نہ کر سکتی مثلاً تم پتھر، لوہا یا تمہارے خیال میں جو بڑی مخلوق تھی وہ کیوں نہ بن گئے اور اگر تم یہ کہو کہ ہم تو ایسی مخلوق تھے جو بقاء کو قبول نہیں کرتی تو پھر کوئی وہ چیز ہے جو تمہارے خالق اور اس کے تمہیں دوبارہ پیدا کرنے کے درمیان حامل ہے یہی دلیل ان الفاظ سے بھی بیان کی جا سکتی ہے، اگر تم پتھر، لوہا یا اس سے بھی بڑی مخلوق ہو تے تو اللہ قادر تھا کہ تمہیں فنا کر دیتا اور تمہاری ذات کو تبدیل کرتا اور ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل کر دیتا پس جو ذات ان اجسام میں تصرف یعنی ان کے فنا کرنے اور تبدیل کرنے سے کیسے عاجز ہو سکتا ہے پھر اللہ نے بتایا کہ وہ سوال کرتے ہیں کہ میں کون لوٹائے گا جب ہمارے اجسام تبدیل ہو جائیں گے یا فنا ہو جائیں گے اس کا جواب دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ (الاسراء ۵۱)

ترجمہ: کہہ دو کہ وہی ہے جس نے تم کو پہلی بار پیدا کیا ہے۔

جب دلیل ثابت ہو گئی اور اعتراض ختم ہو گیا تو بہانہ ترک شے ہوئے اور اپنی ناکامی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اچھا بتاؤ قیامت کب قائم ہوگی تو انہیں جواب دیا گیا کہ وہ تو بہت قریب ہے اسی قبیل سے ارشاد خداوندی ہے:-

وَمَرَكَبًا مَّوَدَّةَ نَسِي خَلْقَهُ قَالَ مَنْ يَخِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ (یس ۷۶)

ترجمہ :- اور ہمارے بارے میں مثالیں بیان کرنے لگا اور اپنی پیدائش کو بھول گیا
 کہنے لگا کہ (جب) بڑیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا ؟
 پس اگر فصیح بلیغ علم فاضل میں نادۃ روزگار انسان اس مذکورہ دلیل سے بہتر یا اس جیسی
 دلیل ان جیسے الفاظ میں اعتقاد کے ساتھ ساتھ تفصیل رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کرے گا
 تو برگزیدہ پیش نہ کر سکے گا خیال کیجئے اللہ پاک نے اس دلیل کا آغاز ایک لمحہ انسان کے سوال
 سے کیا ہے جس میں جواب بھی موجود ہے چنانچہ وَشَيْءٌ خَلَقَهُ (یس ۷۸) وہ اپنی پیدائش کو
 فراموش کر بیٹھا ، میں کل جواب موجود ہے پھر شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے دلیل پیش کرتے ہوئے فرمایا۔
 قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ (یس ۷۹)

ترجمہ :- کہہ دو کہ ان کو وہ زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا۔
 تو پہلی بار پیدا کرنے سے دلیل پیش کی کہ وہ دوبارہ بھی پیدا کر سکتا ہے اس لئے کہ ہر عقلمند
 انسان لازمی طور پر جانتا ہے کہ جو ذات پہلی بار پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ پیدا کرنے پر
 بھی قادر ہے اور اگر دوسری بار پیدا کرنے سے عاجز ہے تو پہلی بار پیدا کرنے سے زیادہ عاجز
 ہوتا اس سے خالق کے خلق پر قادر ہونے کی نفی ہوتی ہے نیز پیدا کرنے کی تفصیلات کے علم
 سے بھی ناواقف ہوتا چنانچہ اس کے بعد ذکر فرمایا :-

وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (یس ۷۹)

ترجمہ :- وہ سب قسم کا پیدا کرنا جانتا ہے ۔
 پس اللہ تعالیٰ نے پہلی بار پیدا کرنے کی تفصیل ، جزئیات ، رمادوں اور صورتوں کو خوب
 جانتا ہے اسی طرح دوسری بار پیدا کرنے کی تفصیل اور جزئیات وغیرہ کو بھی اسی طرح جانتا
 تو جب اللہ کا علم ہر کامل قدرت والا ہے تو اس کے لئے کیسے مشکل ہے کہ بوسیدہ بڑیاں
 کو زندہ نہ کر سکے پھر اس کو بختہ دلیل کے ساتھ نوکد رنگ میں پیش فرمایا جو ایک دوسرے لمحہ
 کے سوال کے جواب کو متضمن ہے لمحہ کہتا ہے جب بڑیاں بوسیدہ ہو جائیں گی طبعی طور
 پر ان سے حرارت ختم ہو جائے گی اور خشکی آجائے گی جب کہ زندہ چیز مادی اور طبعی طور پر
 حرارت اور رطوبت والی ہوتی ہے جس سے اس کا اٹھایا جانا واضح ہے پس آیت میں دلیل

اور جواب دونوں موجود ہیں
 الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنتُم مِّنْهُ تُوقَدُونَ (یس ۸۰)

ترجمہ: وہی جس نے تمہارے لئے سبز درخت سے آگ پیدا کی پھر اس کی ٹہنیوں کو لگا کر ان سے آگ نکالتے ہو۔

اس آیت میں اللہ پاک نے خبر دی ہے کہ وہ درخت جو سرسبز ہے رطوبت اور برودت سے بھرا ہوا ہے اس سے اللہ پاک نے آگ کو نکالا جس میں انتہا درجہ کی حرارت اور بیہوشی موجود ہے پس وہ ذات جو کسی چیز سے اس کی ضد کو پیدا فرما سکتی ہے نیز تمام مخلوقات کے مواد اور عناصر جس ذات کی قدرت کے تابع اور مطیع ہیں وہ ذات ان افعال کے کرنے پر بھی قادر ہے جن کا ملحدین انکار کر رہے ہیں کہ کیسے یو سیدہ ہڈیوں کو زندہ کیا جاسکتا ہے پھر اس کی تاکید کرتے ہوئے کہا کہ جب وہ بڑی چیز پر قادر ہے تو وہ معمولی چیز پر زیادہ قادر ہے ہر اقل جانتا ہے کہ جو شخص خزانہ اٹھانے پر قادر ہے وہ پالیس درہم اٹھانے پر زیادہ قادر ہے ارشاد خداوندی ہے:

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ (یس ۸۱)

ترجمہ: بھلا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے کیا وہ اس بات پر قادر نہیں (ان کو) پھس دیے ہی پیدا کر دے۔

چنانچہ خبر دی ہے کہ جس نے آسمانوں زمین کو یا وجود ان کی جلال اور عظمت شان کے اور ان کے اجسام کے وسیع ہونے اور عجیب خلقت کے بغیر کسی نمونہ کے پیدا فرمایا تو کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ یو سیدہ ہڈیوں کو زندہ کرے اور پہلی حالت میں لے آئے جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا:-

لَخَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْ أَكْبَرُ مَنْ خَلَقَ النَّاسَ وَلَكِنْ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (فاز ۵۷)

ترجمہ: آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے کی نسبت بڑا (کام) ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

نیز فرمایا: أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ (یس ۸۱)

ترجمہ: بھلا جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ (ان کو) پھر دیے ہی پیدا کر دے کیوں نہیں اور وہ تو بڑا ہی بلند علم والا ہے۔

پھر اللہ پاک نے اس کو مومکد اور دوسرے انداز میں بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کا

فعل اس شخص کی طرح نہیں ہے جو آلات اور تکلیف کے ساتھ مشقت اٹھاتے ہوئے کسی فعل کو سرانجام دیتا ہے وہ اکیلا آزادی کے ساتھ اس فعل کو نہیں کر سکتا ہے بلکہ اسے معاونین کی بھی ضرورت ہوتی ہے لیکن اللہ کے لئے کسی چیز کے پیدا فرمانے میں صرف ارادہ اور کلمہ کن کہنا کافی ہے جب وہ کلمہ کن کہتا ہے تو اس کی مشیت اور ارادہ کے مطابق وہ فعل تکمیل پذیر ہو جاتا ہے پھر اس دلیل کو ختم کہتے ہوئے بتایا کہ تمام چیزوں پر اس کی بادشاہت ہے وہ ان میں اپنے قول اور فعل کے ساتھ جیسے چاہتا ہے تصرف کرتا ہے اور اسی کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے اسی معنوں کا یہ قول خداوندی ہے :-

أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى أَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ نُطْقًا مِّنْ قَبْلِ يَوْمِئِذٍ ثُمَّ كَانَ عَقَبَةً فَنَحْنُ فَسْوَنِي فَجَعَلَ مِنْهُ الذِّكْرَ الذَّكْوَىٰ لَا تُنْفَىٰ ۝

الْأَنسَ ذَٰلِكَ يَقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يُخَيَّرَ الْمَوْتَىٰ (القیامتہ ۳۶-۳۷)

ترجمہ : کیا انسان خیال کرتا ہے کہ وہ یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا کیا وہ مٹی کا جو رحم میں ڈالی جاتی ہے ایک قطرہ نہ تھا پھر لوٹھا پھر اٹھا پھر رندانے اس کو بنایا پھر اس کے اعصاب کو درست کیا پھر اس کی دو قسمیں بنائیں (ایک مرد اور ایک عورت) کیا اس کو اس بات پر قدرت نہیں کہ مردوں کو جنا اٹھائے ۔

اس میں اللہ پاک نے دلیل دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ انسان کو امر و نہی اور احوال و عیال سے رالگاہ نہیں چھوڑے گا اس کی حکمت اور اس کی قدرت اس کا شدت کے ساتھ انکار کرتی ہے جیسا کہ اللہ پاک نے فرمایا :-

أَفَنَسِيْبُهُمْ إِنَّمَا خَلَقْنَاهُمْ عِبَادًا وَإِنَّا لَنَاجِدُهُم أَوْ نَكُونُهُم (مومنون)

ترجمہ : کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بے فائدہ پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے ۔

خیال کیجئے وہ ذات جس نے انسان کو نطفہ سے جمے ہوئے خون کی شکل میں تبدیل کیا پھر اسے گوشت کا ٹکڑا بنایا پھر اس میں کان اور آنکھ کو پیدا فرمایا اور اس میں حواس اور قوتوں کو ودیعت فرمایا اور ہڈیوں اور اعصاب سے مضبوط کیا اور اس کے جوڑوں کو مضبوط بنایا پھر اس کو ماں کے رحم سے اس بہترین شکل میں پیدا فرمایا وہ اس کو دوبارہ پیدا کرنے سے کس طرح عاجز ہے بلکہ کیا اس کی حکمت عنایت کا یہ تقاضا ہے کہ وہ انسان کو بے کار بنائے یہ تو

اس کی حکمت کے لائق نہیں اور نہ ہی وہ اس سے عاجز ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے خدا خود کریں کتنا عجیب استدلال ہے اور کتنا اختصار ہے شاید اس سے زیادہ اختصار ممکن ہی نہیں نیز کتنا واضح اور پر مغز بیان ہے کہ اس سے زیادہ وضاحت ممکن نہیں اور کتنا بآداب اور پرکشش ہے کہ اس سے زیادہ پرکشش ممکن نہیں ان پاک میں اس قسم کے دلائل کثرت کے ساتھ مذکور ہیں جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَا كُم مِّن تُّرَابٍ ثُمَّ مِّنْ نَّطْفَةٍ ثُمَّ مِّنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِّنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لَّتُبَيِّنَ لَكُمْ وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لَتَبَلَّغُوا أَشَدَّ كُم وَمِنْكُمْ مَّن يُّتَوَفَّىٰ وَمِنْكُم مَّن يُرَدُّ إِلَىٰ أَذَلِّ الْأَعْرَاجِكُمْ لَا يَعْلَمُ مِن بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا وَتَوْرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأُتْبِتَتْ مِن كُلِّ رَوْحٍ يَبْرِجُ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ ذَا نَتِّهِ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۚ وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا وَإِنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَن فِي الْقُبُورِ ۚ (الحج ۵)

ترجمہ: لوگو اگر تم کو (مرنے کے بعد) جی اٹھنے میں کچھ شک ہو تو ہم نے تم کو پہلی بار بھی تو پیدا کیا تھا یعنی ابتدا میں، مٹی سے پھر اس سے لطفہ بنا کر پھر اس سے خون کا لوتھا بنا کر پھر اس سے بوٹی بنا کر جس کی بناوٹ کامل بھی ہوتی ہے اور ناقص بھی تاکہ تم پر (اپنی خالقیت) ظاہر کر دیں اور ہم جس کو پیار سے ہیں ایک میعاد مقرر تک پیٹ میں ٹھہرا کے رکھتے ہیں پھر تم کو بچہ بنا کر نکالتے ہیں پھر تم جوانی کو پہنچتے ہو اور بعض (قبل از پیری) مر جاتے ہیں اور بعض ریشخ فانی ہو جاتے ہیں اور بڑا پائے کی نہایت خراب عمر کی طرف لوٹائے جاتے ہیں کہ نہایت کچھ جاننے کے بعد بالکل بے علم ہو جاتے ہیں اور (بے دیکھنے والے) تو دیکھتے ہیں کہ ایک وقت میں (ازین شک (پڑی ہوئی ہے) پھر حیب ہم اس پر مینہ برساتے ہیں تو وہ شاداب ہو جاتی ہے اور ابھرنے لگتی ہے اور طرح طرح کی بارونی چیزیں اگاتی ہے ان قدروں سے ظاہر ہے کہ خدا ہی (قادر مطلق ہے جو) برحق ہے اور یہ کہ وہ مردوں کو زندہ کر دیتا ہے اور یہ کہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے اس میں

کچھ شک نہیں اور یہ خدا سب لوگوں کو جو قبروں میں ہیں اٹھائے گا۔
 نَزَّ فَرَمَا يَارَ وَفَعَدَ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي
 قَدَاحٍ مَكِينٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا
 الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَبَارَكَ
 اللهُ اَحْسَنَ الْغَافِقِينَ ثُمَّ اَتَاكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَتَيَتُوْنَ ثُمَّ اَتَاكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ
 تُبْعَثُوْنَ (المؤمنون ۱۲)

ترجمہ:- اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا ہے پھر اس کو ایک مضبوط (اور محفوظ)
 جگہ میں نطفہ بنا کر رکھا پھر نطفے کا لومطر بنا یا پھر لومطر کے کی بوٹی بنائی پھر بوٹی کی
 ہڈیاں بنائیں پھر ہڈیوں پر گوشت (پوست) چڑھایا پھر اس کو نئی صورت میں بنایا
 تو خدا جو سب سے بہتر بنانے والا بڑا بابرکت ہے پھر اس کے بعد تم مر جاتے ہو
 پھر قیامت کے روز اٹھا کر کھڑے کئے جاؤ گے۔

نیز اللہ پاک نے اصحاب کہف کا واقعہ ذکر فرمایا کہ کس طرح انھیں تین سو سال شمسی اور تین
 سو نو سال قمری مارے رکھا ان کے بارے میں فرمایا۔
 وَكَذٰلِكَ اَعَزَّوْنَا عَلَيْهِمْ لِيْعْلَمُوْا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ
 لَا دَیْبَ فِيْهَا۔ (الکہف ۲۱)

ترجمہ:- اور اسی طرح ہم نے (لوگوں کو) ان کے حال سے خبردار کر دیا تاکہ وہ جانیں
 کہ خدا کا وعدہ سچا ہے اور یہ قیامت اس کا وعدہ کیا جاتا ہے، اس میں کچھ شک نہیں۔
 کیا اجسام جو اب مفرودہ سے مرکب ہیں! جو لوگ اس کے قائل ہیں وہ ان کے معاد کے بارے
 میں مضبوط الحواسی اور اضطرابی کا شکار ہیں اس کے بارے میں ان کے دو قول ہیں ایک قول
 جو اب معدوم ہو جائیں گے پھر انہیں لوٹایا جائے گا دوسرا قول اجزاء منفرد ہو جائیں گے پھر
 اکٹھا کر لیا جائے گا اس پر اعتراض وارد کیا جاتا ہے کہ جس انسان کو حیوان اپنا لقمہ بنا لیتا ہے
 پھر اس حیوان کو انسان کے وہی اجزاء دوبارہ لوٹائے جائیں تو لوٹائے نہیں جاسکتے نیز ان پر
 اعتراض کیا جاتا ہے کہ انسان لمحہ بہ لمحہ محل موتا رہتا ہے پس کس کو لوٹایا جائے گا؟ کیا وہ
 ڈھانچے جو موت کے وقت تھا اس کا اعادہ ہے اگر اس کا اعادہ ہے تو ضروری ہے کہ اس کا
 اعادہ کمزور صورت میں ہے ظاہر ہے کہ یہ چیز نص کے خلاف ہے اگر اس کا اعادہ نہیں تو بعض جسم

دیگر بعض اجسام سے افضل اور اولیٰ نہ ہوئے اسی لئے بعض لوگوں نے دعویٰ کیا ہے کہ انسان میں ایسے اجزاء اصلہ میں جو حل نہیں ہوتے اور اس میں اس حیوان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا جس کا دوسرے حیوان نے لقمہ بنایا ہے تمام عقلاہ جانتے ہیں کہ انسان کا تمام بدن حل ہو جاتا ہے اس کا کوئی جز باقی نہیں رہتا پس معاد کے بارے میں انھوں نے جو کچھ ذکر کیا ہے اس نے فلاسفہ کے بشر کو اجسام کے معاد کے انکار میں قویٰ بنا دیا ہے۔

سلف صالح، جمہور علماء کا قول ہے کہ اجسام ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں اور وہ مٹی کی شکل اختیار کر لیتے ہیں پھر اللہ ان کو از سر نو پیدا فرمائے گا جیسا کہ وہ نشاۃ اولیٰ سے تبدیل ہوا پہلے وہ لطف تھا پھر منجد خون بنا پھر گوشت کا ٹکڑا بنا پھر اس نے ہڈیوں اور گوشت کی شکل اختیار کی پھر اس کو سیدھے قد والا انسان بنایا اسی طرح اعادہ بھی ہے تمام جسم کے بوسیدہ ہونے کے بعد سوائے ریڑھ کی ہڈی کے آخری مہرہ کے اللہ اس کا اعادہ فرمائے گا صحیح حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن آدم کا تمام ڈھانچہ دسوائے ریڑھ کی ہڈی کے آخری مہرہ کے بوسیدہ ہو جائے گا اسی سے اس کا خلق ہوا اور اسی سے اس کو جوڑا جائے گا ایک دوسری حدیث میں ہے آسمان سے مردوں کی مٹی کی بارش ہوگی وہ قبروں سے یوں نکلیں گے جیسے زمین سے اگوری نکلتے گی پس نشاۃ اولیٰ اور ثانیہ ایک جنس کے تحت ہیں ان میں من وجہ تماثل اور توافق ہے اور من وجہ افتراق اور تنوع ہے اور بعینہ پہلے جسم کو لوٹایا جائے گا اگرچہ اعادہ اور آغاز خلق کے لوازم کے درمیان فرق ہے بس ریڑھ کی ہڈی کا آخری مہرہ ہی باقی ہے گا اور باقی جسم کی شکل تبدیل ہو جائے گی پھر اسی مادہ سے اعادہ کیا جائے جس مادہ میں وہ تبدیل ہو گیا تھا کتنی واضح بات ہے کہ جس شخص نے کسی انسان کو عالم طفولیت میں دیکھا پھر اس کو عالم شیخوخت میں دیکھا تو وہ فوراً بچانپ لے گا کہ یہ وہی ہے حالانکہ وہ ہمیشہ سے تبدیل ہو رہا ہے یہی حال تمام حیوانات اور نباتات کا ہے جس شخص نے چھوٹا سا پودا دیکھا جب وہ بڑھا اور درخت بن گیا پھر اس کو دیکھا تو کہہ دیا کہ یہ تو وہی ہے حالانکہ نشاۃ ثانیہ کی حالت نشاۃ اولیٰ کی حالت کے مطابق نہیں ہے تو کہنا پڑے گا کہ صفات میں تغائر موجود ہے خاص طور پر جنتی لوگ جب جنت میں داخل ہوں گے تو وہ آدم کی شکل میں داخل ہوں گے یعنی ساٹھ یا تالیس قد والے ہوں گے جیسا کہ سمیعین وغیرہ میں ہے نیز زوی ہے کہ چڑھائی سات ہاتھ ہوگی یہ سلمہ البیہرہ علیہ السلام اور الفاظ اہمہ ہیں (۴۷۸/۲) اضافہ ہے اس کی کہ مضبوط ہے نہ صلیب نہ عقیق ہے طبرانی فی المعجم الکبیر (۱/۴۷۸) اس میں حدیث میں ابن زعراؤ ہے حدیث متروک ہے کہ اس کو ذوق کا حکم ہے حدیث میں لفظ عام ہے۔

نشأۃ ثانیہ باقی رہے گی آفات کا اس پر پیش آنا نہیں ہوگا پہلی نشأۃ فنا ہو جائے گی جو آفات کا پیش خیمہ ہی۔
امام طحاوی کا قول :- اعمال کی جزا پر ہمارا ایمان ہے ارشاد خداوندی ہے :-

مَا لَكُمْ يَوْمَ الدِّينِ - (الفاتحہ) جزا اس کے دن کا مالک ہے۔
نیز فرمایا :- يَوْمَ يُؤْتِيهِمْ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ
الْحَقُّ الْمُبِينُ - (النور ۲۵)

ترجمہ :- اس دن خدا ان کو ان کے اعمال کا پورا پورا اور ٹھیک بدلہ دے گا اور ان کو
معلوم ہو جائے گا کہ خدا برحق (اور حق کو) ظاہر کرنے والا ہے۔
دین کا معنی بدلہ ہے کہا جاتا ہے (کما تدین تدان) بیسا کرو گے ویسا بھر و گے۔
نیز ارشاد خداوندی ہے بِحُزْنٍ أَوْ يُمُوتُوا بِحُزْنٍ أَوْ يَكُونُوا يَكُونُونَ - (السجدہ ۴) - (المعتق ۳۳) - (الواقعہ ۲۲)
ترجمہ :- ان کے اعمال کا بدلہ ہے۔

نیز فرمایا :- جَذَاءُ عَوْرَاتٍ فَإِنَّهَا (النبا ۲۷) پورا پورا بدلہ
نیز فرمایا :- مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَثْمَالِهَا وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ
فَلَا يَجْزِي إِلَّا مِثْلُهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ - (الانعام ۱۶۱)
ترجمہ :- جو کوئی (خدا کے حضور) نیکی لے کر آئے گا اس کو ویسی دس نیکیاں ملیں گی اور جو کوئی
برائی لائے گا اسے ستر ویسی ہی ملے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

نیز فرمایا :- مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِنْهَا وَهُمْ مِنْ فَزَعٍ يَوْمَئِذٍ آمِنُونَ
وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وَجُوهُهُمْ فِي النَّارِ هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُتِبَ لَهُمْ لَا يُعْلَمُونَ (اہل ۸۹-۹۰)
ترجمہ :- جو شخص نیکی لے کر آئے گا تو اس کے لئے اس سے بہتر بدلہ تیار ہے اور ایسے
لوگ (اس روز) گھبراہٹ سے بے خوف ہوں گے اور جو برائی لے کر آئے گا ایسے
لوگ دوزخ میں اوندھے منڈال دیئے جائیں گے تم کو ان ہی اعمال کا بدلہ ملے گا
جو تم کر سکتے رہے ہو۔

نیز فرمایا :- مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِنْهَا وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يَجْزِي
إِلَّا مِثْلُ السَّيِّئَاتِ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ - (القصص ۸۴)

ترجمہ :- جو شخص نیکی لے کر آئے گا اس کے لئے اس سے بہتر صلہ موجود ہے اور جو شخص برائی
لائے گا تو جس کو توں نے کام لے کر آئے ہیں ان کو بدلہ بھی اسی طرح ملے گا جس طرح کہ وہ کار کرتے تھے۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپ اپنے رب سے روایت کرتے ہیں ماوی ابوذر غفاری میں اللہ فرماتے ہیں اے میرے بندو! یہ تمہارے اعمال میں جن کو میں تمہارے لئے شمار کرتا ہوں پھر تم کو ان کا پورا پورا بدلہ دوں گا۔

پس جو شخص نیک عمل پائے اس پر اللہ کی تعریف کرے اور جو شخص بُرے عمل پائے وہ اپنے آپ کو بری ملامت کرے وسلم، احمد، مزید بیضاخت آئندہ اوراق میں آئے گی۔

شیخ طحاوی کا قول ہے ہم اللہ کے سامنے اپنی حساب، اعمالانے پڑھنے ثواب و عقاب پر ایمان رکھتے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔

فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۚ وَالنَّشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهٍ ۚ وَكَانَتْ
عَلَىٰ النَّجَّارِ جَاوِدًا يَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ ۚ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَلَاثِيَّةٌ ۚ يَوْمَئِذٍ ثَلَاثُونَ
وَلَا تَخْضَعِي لَكُمْ خَاقِيَةٌ ۚ اٰلِیٰٓ اٰخِرُ السُّورَةِ (المائدہ ۱۵)

ترجمہ: تو اس روز ہونے والی (یعنی قیامت) ہو پڑے گی اور آسمان چھٹ جائے گا تو وہ

اس دن کمزور ہوگا اور فرشتے اس کے کناروں پر راتر آئیں گے، اور تمہارے

پروردگار کے عرش کو اس روز آسمان فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے اس روز تم

رب لوگوں کے سامنے، پیش کئے جاؤ گے اور تمہاری کوئی پوشیدہ بات چھپی نہ رہے گی۔

نیز فرمایا۔ یَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدًا فَكُنْ لَهُ قَنِيئًا ۚ فَأَمَّا مَنْ

أُوذِيَ كِتَابًا ۖ يَتَّبِعُهُمْ فَسَوْفَ يُحَاسِبُ حِسَابًا لَّيِّدًا ۚ وَيُنْقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ مُسْوَدًّا ۚ

وَأَمَّا مَنْ أُوذِيَ كِتَابًا ۖ فَذَكَرَ ظَهْرَهُ فَسَوْفَ يَذَّكَّرُ عُقُورًا ۚ وَيُصَلِّيٰ سَعِيدًا ۚ

إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مُسْوَدًّا ۚ إِنَّهُ ظَنَّ أَن لَّنْ يَحْكُمَ عَلَىٰ إِن رَّبَّهُ ۚ كَانَ بِهِ

بَصِيرًا ۝ (الانشقاق ۶-۱۵)

ترجمہ: اے انسان تو اپنے پروردگار کی طرف رہنمائی میں، خوب کوشش کرتا ہے سو اس سے

جائے گا تو جس کا نامہ اعمال اس کے پاس ہونے لگے گا اس نے حساب کیا اس حساب آسمان یا جہان کا اپنے علم

والوں میں خوش خوش آئے گا اور جس کا نامہ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا وہ

موت کو پکڑا رہے گا اور روزِ جزا میں داخل ہوگا یہ اپنے اہل و عیال میں مست نہ رہتا تھا

اور خیال کرتا تھا کہ خدا کی طرف، پھر کہ نہ جائے گا ہاں رہاں، اگلے پروردگار کو یاد رکھتا تھا۔

نیز فرمایا۔ دَعُوا عَلَىٰ رَبِّكَ صَفَا لَقَدْ جِئْتُمُونَا كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ (الکہف ۶۸)

ترجمہ: اور سب تمہارے پروردگار کے سامنے صفت باندھ کر لائے جائیں گے تو ہم ان سے کہیں گے جس طرح ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا اسی طرح آج تم ہم سے سامنے آئے۔
 نَزَّزْنَا بِدُوحِ الْاَنْكَتَابِ فَتَرَى الْمُتَجَرِّمِينَ مُشَفِّعِينَ حَتَّافِيهِمْ وَيَقُولُونَ يَا نُسَيْبُ مَا لِهَٰذَا الْاَنْكَتَابِ لَا يُعَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً اِلَّا اَخْصَاها وَجَدُ وَاَمَّا عَلُوْا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا اَرَكَمْتَ (۴۶)

ترجمہ: اور انھوں نے اس کتاب رکھول کر رکھ دی جائے گی تو تم گنہگاروں کو دیکھو گے کہ جو کچھ اس میں دکھایا ہوگا اس سے ڈرتے ہوں گے اور کہیں گے کہ ہمارے شامت یہ کیسی کتاب ہے کہ نہ چھوٹی بات کو چھوڑتی ہے اور نہ بڑی رکھتی بات بھی نہیں، مگر اسے کلمہ رکھا ہے جو عمل کئے جاتے ہوں گے حاضر یا نہیں گے اور تمہارا پروردگار کسی مومن کو ظلم نہیں کرے گا۔

نَزَّزْنَا بِدُوحِ الْاَنْكَتَابِ فَتَرَى الْمُتَجَرِّمِينَ مُشَفِّعِينَ حَتَّافِيهِمْ وَيَقُولُونَ يَا نُسَيْبُ مَا لِهَٰذَا الْاَنْكَتَابِ لَا يُعَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً اِلَّا اَخْصَاها وَجَدُ وَاَمَّا عَلُوْا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا اَرَكَمْتَ (۴۶)
 ترجمہ: اس دن جب کہ زمین اور آسمان بدل کر کچھ سے کچھ کر دیئے جائیں گے اور سب کے سب اللہ واحد تھاہ کے سامنے بے نقاب حاضر ہو جائیں گے۔
 نَزَّزْنَا بِدُوحِ الْاَنْكَتَابِ فَتَرَى الْمُتَجَرِّمِينَ مُشَفِّعِينَ حَتَّافِيهِمْ وَيَقُولُونَ يَا نُسَيْبُ مَا لِهَٰذَا الْاَنْكَتَابِ لَا يُعَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً اِلَّا اَخْصَاها وَجَدُ وَاَمَّا عَلُوْا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا اَرَكَمْتَ (۴۶)

ترجمہ: وہ مالک و درجات والی اور صاحب عرش ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اپنے حکم سے وہی بھیجتا ہے تاکہ ملاقات کے دن سے دہلے جس روز وہ نکل پڑیں گے ان کی کوئی چیز خدا سے معفی نہ رہے گی آج کس (۱) بادشاہت ہے خدا کی بواکلا (اور) شاب ہے آج کے دن ہر کسی شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا (آج کسی کے حق میں) بے انصافی نہیں ہوگی بیشک خدا تو بلکہ حساب لیتے والا ہے۔

نَزَّزْنَا بِدُوحِ الْاَنْكَتَابِ فَتَرَى الْمُتَجَرِّمِينَ مُشَفِّعِينَ حَتَّافِيهِمْ وَيَقُولُونَ يَا نُسَيْبُ مَا لِهَٰذَا الْاَنْكَتَابِ لَا يُعَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً اِلَّا اَخْصَاها وَجَدُ وَاَمَّا عَلُوْا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا اَرَكَمْتَ (۴۶)

ترجمہ:- اے اس دن سے دو وجہ کہ تم ہند کے حضور لوٹ کر جاؤ گے اور ہر شخص اپنے اعمال کا پونہ پورا بدلہ پاسے گا اور کسی کو کچھ نقصان نہ ہوگا۔

نیز صحیح بخاری میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن جس کا محاسب ہوا وہ برباد ہوا میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا فرمان خداوندی نہیں ہے
 قَامًا مِّنْ اَوْفَىٰ كَيْتَبِكَ يَكْفِيُنِيْمَ فَسُوْفٌ يُحَاسِبُ حِسَابًا لَّيْسَ بِرَءَا (الانشقاق ۴-۸)
 ترجمہ:- لیکن وہ شخص نامہ اعمال اس کے دہانے ہاتھ میں دیا اس کا حساب آسان ہوگا۔

اس پر آپ نے فرمایا یہ تو صرف پیش ہونا ہے ان قیامت کے دن جس شخص کا حساب کرید لیا گیا وہ عذاب میں گرفتار ہوا مقصود یہ ہے اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے حساب میں کرید کرے تو ان کو عذاب میں مبتلا رکھنے میں وہ ان پر ظلم کرنے والا نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ معاف فرماتا ہے اور درگزر کرتا ہے مزید وضاحت آئندہ اوراق میں آئے گی۔ نیز حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہوں گے سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا تو موسیٰ علیہ السلام عرش کے پاسے کو تھامے ہوئے ہوں گے میں نہیں جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آئے یا کوہ طور کے دن کی بے ہوشی کے بدلہ میں کمی جو گئی۔ (بخاری، مسلم) یہ بے ہوشی میدان محشر میں ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فیصلہ کرنے آئے گا اور زمین اس کی روشنی سے چمک اٹھے گی اس وقت تمام مخلوق بے ہوش ہو جائے گی۔

اعجاز انہی اور آئمہ کوئی شخص اعتراض کرے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا کیا جواب ہے کہ لوگ قیامت کے روز بے ہوش ہو جائیں گے پہلا شخص جسے زمین چھٹے گی وہ ہیں ہوں گے اور دیکھو کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کے پاسے کو تھامے ہوئے ہوں گے۔

جواب:- ہم کہیں گے اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ وارد ہے جس سے یہ حدیث صحیح ہے امام بخاری کتاب المحرمات کے آغاز میں ابوسعید خدری سے مروی فرماتا ہے کہ ایک صحابی نے یہودی پر طعن لگایا تو آپ نے فرمایا: نبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے درمیان ایک دوسرے پر فضیلت عطا کرو۔ لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہوں گے سب سے پہلے مجھ سے زمین چھٹے گی میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھوں گا کہ انھوں نے عرش کے پاسے کو تھام ہوا ہوگا میں نہیں جانتا بلکہ یہ ہوش ہوئے ہیں یا ان کی پہلی ہوشی کا حساب کرنا ہی ہے امام مسلم نے (۴/۲۳۷) میں ذکر کیا کہ اہل بیت علیہم السلام میں کچھ الفاظ کی تبدیلی ہے اس حدیث کی شاہد مسلم میں ابوسعید کی حدیث ہے (۴/۲۳۷) کہ اللہ کے انبیاء میں ایک دوسرے پر فضیلت عطا (۴/۲۳۷) فرماتا ہے (۴/۲۳۷)

اشکال پیدا ہوتا ہے لیکن سند میں کسی راوی پر ایک حدیث کے الفاظ دوسری حدیث میں غلط ملط ہو گئے ہیں حالانکہ دونوں حدیثیں ان الفاظ کے ساتھ ہیں ایک حدیث کے الفاظ یوں ہیں لوگ قیامت کے دن یہی ہوتے ہیں جو بائیں کے سب سے پہلے مجھے ہوش آئے گی دوسری حدیث کے الفاظ یوں ہیں قیامت کے دن سب سے پہلے جس سے نہیں بچھے گی وہ میں ہوں گا۔

تو راوی پر ایک حدیث کے الفاظ کا دوسری حدیث کے الفاظ کے ساتھ اختلاط ہو گیا اس کی وضاحت ابو الجاثم مزی ان کے بعد شرح شمس الدین ابن قیم، شیخ ابن کثیر رحمہم اللہ نے کی ہے اسی طرح بعض راویوں پر اشتباہ ہوا اس نے کہا میں نہیں جانتا کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آیا یا وہ یہوشی سے امتشقی راہ۔ پس محفوظ حدیث جس کی موافقت دیگر صحیح احادیث کہ رہی ہیں پہلی حدیث سے صحیح مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ فیصلوں کے لئے آئے گا تو جب اللہ تعالیٰ بندوں کو تجلی فرمائیں گے تو وہ یہوش ہو جائیں گے اگر موسیٰ علیہ السلام ان کے ساتھ یہوش نہ ہوں گے تو دراصل انھیں اس دن کی یہوشی کی وجہ سے جب اللہ نے پہلا پر تجلی کی تھی اور اس کو دیرہ دیرہ کر دیا تھا، یہوش نہیں کیا جیسے گا پہلی یہوشی کا بدلہ دیا جائے گا اس مفہوم پر غور کیجئے اور اسے بے فائدہ نہ سمجھئے۔

چنانچہ امام احمد، ترمذی، ابوبکر بن ابی الدنیا حسن سے بیان کرتے ہیں انھوں نے ابو موسیٰ اشعری سے سنا وہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کی قیامت کے دن تین پیشیاں ہوں گی پہلی دو پیشیوں میں جھگڑے اور غلغلہ وغیرہ ہوں گے اور تیسری پیشی میں ایمان بامقوں میں آجائیں گے جس کو اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں پکڑ لیا گیا اور اس کا حساب آسان ہوا وہ جنت

۱) شیعہ مفسرین نے ذکر وجوب سور میں پھونکا جائے گا تو آسمان زمین کی تمام چیزیں دھوا جائیں گے جن کو اللہ چاہے، یہوش ہو جائیں گی۔ پھر دوسری بار سور پھونکا جائے گا تو سب سے پہلے میں اٹھوں گا تو موسیٰ علیہ السلام نے عرش کو اٹھا لیا ہو گا میں نہیں جانتا طور کی بے ہوشی کا حساب کہہ کے کہی کر دی گئی ہے یا مجھ سے پہلے اٹھایا گیا ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ لفظ ثانیہ اٹھانے کے لئے جس کا آیت میں ذکر ہے وہ لفظ نہیں ہے جو فیصلوں کے لئے ہے جبکہ شراح نے امام ابن قیم کے پیچھے چلتے ہوئے یہ بات کہی ہے اس طرح حدیث میں وارد اشکال ختم ہو جاتا ہے۔

دعا فی صفحہ ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱، ۰، ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰

میں داخل ہوا اور جس کا اعمال نامہ باتیں ماتحت میں دیا گیا وہ دوزخ میں داخل ہوا ابن ابی الدنیا نے ابن مبارک سے یہ اشعار ذکر کئے ہیں -

وطارت الصمحت فی الایدی منتشرة فیہا السرائر والا خبیار تطلع
فکیف سرھوٹ والا بنار واقعة عما قلیل ولا تدری بما تقع
افی الجنان وفوز لا انقطاع له ام الجحیم فلا تبقی ولا تنزع
تھوی ساکنھا طوراً وترفعھم اذا رجو مخرجاً عن غمھا قعوا
طال البقاء فلم یبرحم قضاہم فیہا ولا رقیۃ تغنی ولا جنع
لینفع العلم قبل الموت عالم قد سأل قوم بہا الوحی فی ادعوا

ترجمہ :- اعمال نامے ماتحتوں میں پھیلے ہوئے ہیں گے ان میں رازدارانہ باتیں اور واقعات نمایاں ہوں گے نہ کیسے فراموش رہو کہ بیٹھا ہے، حالانکہ قیامت بہت جلدی واقع ہونے والی ہے لیکن تم نہیں جانتا کہ واقع ہوگی کیا تیرا ٹھکانہ جہنم میں ہے اور نہ ختم ہونے والی کامیابی ہے یا جہنم ہے جو کسی چیز کو باقی نہ چھوڑے گی دوزخ اپنے پیرنے والوں کو کبھی پیچھے اور کبھی اوپر کنا سے لے آئے گی جب کنا سے سے نکلنے کی امید کریں گے تو انھیں یاد کرو یا جانے گا دوزخ میں دغا لیا ہوگا لیکن آہ و بکا سے کچھ رحم نہ ہوگا نہ دم و ذخیرہ کچھ فائدہ دے گا اور نہ گھیرنے سے کچھ فائدہ حاصل ہوگا علم دے موت سے قبل فائدہ حاصل کر لیں وہاں دوزخی واپس لوٹنے کا سوال کریں گے لیکن ہمیں لوٹ سکیں گے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ کا قول :- پھر اراط پر بھی ہمارا ایمان ہے۔ پھر اراط جہنم پر ایک پہل کا نام ہے جب لوگ محشر کے میدان سے اوداع ہوں گے تو پھر اراط کے قریب ایک تادیک مقام پر پہنچیں گے جیسا کہ حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا جس دین زمین تبدیل ہوگی اگر آسمان ایسے جانیے گے تو لوگ کہاں ہوں گے؟ آپ نے فرمایا وہ پھر اراط کے قریب تادیکی میں ہوں گے یہ وہ مقام ہے جہاں سے منافق لوگ ایمانداروں سے الگ ہوں گے اور پیچھے رہ جائیں گے ایماندار لوگ آگے ہوں گے ان کے درمیان ایک دیوارہ حائل ہوگی جو ان کو ان کی طرف رہنمائی دے گا، جن بھری مدرس ہے اس نے عن کے ساتھ حدیث بیان کی ہے یہ علت ایسی ہے کہ اگرچہ جس بھری کا سماع ابو ہریرہ اور ابو موسیٰ سے ثابت بھی ہو جائے تب بھی مدرس کی بات میں یہ کافی نہیں جب تک کہ حدیث کے الفاظ ان ہوں جیسا کہ اوپر حدیث میں اکتا ذکر ہے ان اگر کسی روایت میں جس بھری کا ابو موسیٰ سے سماع ثابت ہو تب تسلیم کیا جائے گا۔ (مؤید صوفیہ، مسلم ۱۴۳/۱)

جانے سے روکے گی بیعتی میں عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے اس نے بیان کیا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ لوگوں کو جمع فرمائے گا اعمال کے مطابق انھیں روشنی عطا ہوگی بعض کی روشنی پہاڑ کی مانند ہوگی بعض کی اس سے بھی زیادہ روشنی ہوگی اور بعض کے دائیں ہاتھ میں کھجور کی مثل روشنی ہوگی بعض کی اس سے بھی کم ہوگی آخر انسان کی روشنی پاؤں کے انگوٹھے کے برابر ہوگی کبھی روشنی ہوگی کبھی بجھ جائیگی جب روشنی ہوگی تو وہ اپنا پاؤں اٹکے رکھے گا جب بجھ جائے گی تو وہ رک جائے گا پناہ دے گا وہ بھی اور دوسرے لوگ بھی پھر اس سے گزریں گے خیال رہے پھر اس طرح لوگوں کی دھار کی مانند ہوگی جس سے پاؤں پھسلے گا ان سے کہا جائے گا اپنی روشنی کے حساب سے چلو بعض ستارے کے ٹوٹنے کے وقت کے برابر گزریں گے بعض آندھی کی طرح بعض آنکھ جھپکنے کے برابر بعض آدمی کے تیز دوڑنے کی مانند گزریں گے بہر حال اپنے اعمال کے مطابق گزریں گے۔ یہاں تک کہ اس شخص کا گزرنا ہوگا جس کی روشنی پاؤں کے انگوٹھے میں ہوگی کبھی اس کا ایک ہاتھ پھسلے گا دوسرا درست رہے گا اور کبھی اس کا ایک پاؤں پھسلے گا اور دوسرا درست رہے گا لیکن اس کے جسم کے اطراف و درخ کی آگ نے گھر رکھا ہوگا اس طرح ان کا بل مرطاب رہے گا گزرنا ہوگا جب گزر جائیں گے تو کہیں گے تمام تعریف اللہ کے لئے جس نے ہمیں تجھے دکھانا اور تجھ سے نجات عطا فرمائی بے شک اللہ نے ہمیں وہ انعام دینے میں جو کسی کو نہیں دیتے گئے ہیں۔ قرآن پاک میں لفظ و ردو جو اللہ تعالیٰ

سہ حدیث صحیح ہے حاکم نے ۳۸۸/۲ میں روایت کیا میرزا علی بن ابی حمزہ نے اس کے طریق سے روایت کیا حاکم نے اس روایت کو صحیح علی شواہد شیعنی کہا بھی ہے اس کی موافقت کی ہے میں کہتا ہوں اس میں یزید بن عبد الرحمن راوی سے بخاری، مسلم میں کوئی روایت نہیں اگر وہ سچا ہے لیکن اکثر طریقہ خطا کرتا ہے نیز میں بھی ہے کافی تصریح لیکن اس حدیث میں مرفوعہ صیغہ تہذیب کے ساتھ ذکر کیا ہے جس سے تدلیس کا دم جاتا رہا اس سے خطا کا بھی خطرہ تھا لیکن متابعت نے خطا کے خطرہ کو بھی ختم کر دیا حاکم نے ۵۹۰-۵۹۲ میں مکمل طویل حدیث ذکر کی ہے طبرانی نے معجم الکبیر ۳/۴۱۱ (۲/۴۷۷) میں ابو خالد بن ابن مسعود سے مرفوعاً ذکر کیا طبرانی میں اس کی متابعت مرفوعاً زید بن ابی انیسہ سے موجود ہے اور زید ثقہ ہے لہذا حدیث صحیح ہے والحمد للہ علیہ وسلم کی مرفوع اور موقوف روایت میں دونوں کے ساتھ اور طبرانی میں لفظ اصغر کے ساتھ ہے یہ روایت زیادہ مناسب ہے اس لئے کہ اس پر سیاق و دلائل کر رہا ہے۔ حاکم طبرانی کی مرفوعہ موقوف روایت میں فیہ دون کے لفظ میں اسی طرح مستدرک المعجم میں البتہ وہ حدیث جس کو علامہ احمد شاکر نے کشاد الرجال اور کشمیر کے الفاظ سے ذکر کیا ہے وہ حاکم کی دوسری روایت ۲/۴۸۵ میں والابی کے غیر طریق سے ہے اس طریق پر شیخ کی نظر نہیں گئی حالانکہ وہ اس صفحہ پر حتیٰ جو دوسری روایت کے صفحہ کے بعد ہے (توفیق دینے والا اللہ تبارک و تعالیٰ ہے)

کے اس قول **وَإِنْ تَنَكَّرُ إِلَاْ ذَرْدُهَا** - (مریم ۱۷) اور تم سب اس پر وارد ہونے والے ہو۔ میں مذکور ہے اس کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے پختہ قول یہی ہے کہ اس سے مراد پلصر لاط پر سے گذرنا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے -

ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا وَنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثَّتًا (مریم ۶۲)

ترجمہ: پھر ہم پرہیزگاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل پڑا ہوا چھوڑ دیں گے۔ نیز صحیح حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جس نے درخت کے نیچے بیعت کی ہے وہ دوزخ میں داخل نہیں ہوگا۔ حفصہؓ نے دریافت کیا اے اللہ کے رسول! کیا فرمان خداوندی نہیں ہے -

وَإِنْ تَنَكَّرُ إِلَاْ ذَرْدُهَا (مریم ۱۷) اور تم سب اس میں داخل ہونے والے ہو آپ نے فرمایا کیا تو نے اللہ کا یہ فرمان نہیں سنا -

ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا وَنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثَّتًا - (مریم ۶۲)

ترجمہ: پھر ہم پرہیزگاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل پڑا ہوا چھوڑ دیں گے۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ دوزخ پر وارد ہونا دوزخ میں داخل ہونے کو مستلزم نہیں نیز شر سے نجات پانا اس کے حصول کو مستلزم نہیں البتہ سب کے انعقاد کو مستلزم ہے جیسے جس شخص کو دشمن ہلاک کرنے کے لئے تلاش کرتے ہیں لیکن ہلاک کرنے کی قدرت نہیں رکھتے ہیں۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ فلاں کو اللہ نے اس کے دشمنوں سے نجات عطا کی ہے اسی لئے ارشاد خداوندی ہے

وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا - (ہود - ۵۸)

ترجمہ: اور جب ہمارا حکم (عذاب) آپہنچا تو ہم نے ہود کو نجات دی -

نِزْرًا لَّمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا صَالِحًا - (ہود - ۶۶)

ترجمہ: پس جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے صالح کو نجات دی -

نِزْرًا لَّمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا - (ہود - ۹۴)

ترجمہ: اور جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے شعیب کو نجات دی -

لے صحیح ہے مسلم احمد نے اس کی مثل ام بشر سے بیان کیا -

حالانکہ عذاب میں وہ گرفتار نہیں ہوئے تھے ہاں ان کے غیر عذاب میں گرفتار ہوئے تھے اگر اللہ تعالیٰ انہیں اسباب نجات سے بہکتا نہ کرتا تو وہ بھی ان کی طرح عذاب خداوندی میں گرفتار ہو جاتے اسی طرح ان لوگوں کا حال ہوگا جو دوزخ پر سے گزریں گے وہ پھر اسے گزریں گے پھر اللہ تعالیٰ پر ہیزگاروں کو نجات دے گا اور ظالموں کو گھٹنوں کے بل گرا دے گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جابر کی حدیث میں بیان کر دیا ہے کہ اس سے مراد پھر اسے گزرتا ہے نیز حافظ ابونصر واسطی نے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کو میری سنت کی تعلیم دو اگرچہ وہ اس کو برا بنیں اگر تو پسند کرنا ہے کہ تجھے پھر اس پر آنکھ جھپکنے کے برابر بھی نہ رکنا پڑے کہ تو جنت میں داخل ہو جائے تو تجھے اللہ کے دین میں اپنی رائے سے نئی چیزوں کو داخل نہیں کرنا چاہئے قرطبی نے ذکر کیا نیز ابوبکر بن احمد بن یحییٰ بن نجار نے یعنی ابن منبہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا آپ نے فرمایا قیامت کے دن دوزخ مومن سے کہے گی اے مومن تیری روشنی نے میرے شعلوں کو بجھا دیا ہے۔

امام طحاوی کا قول :- ہم ترازو پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے
وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَمَةِ فَلَا تَظْلِمُ نَفْسٌ وُشَيْئًا وَاِنْ كَانَ مِثْقَالُ
حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكُنْىٰ بِنَا حَاسِبِينَ۔ (الانبیاء ۴۷)
ترجمہ :- اور ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازو دکھڑی کریں گے تو کسی شخص کی ذرا بھی
حق تلفی نہ کی جائے گی اور اگر دائی کے دانہ کے برابر (بھی کسی کا عمل) ہوگا تو ہم اسکو
لاموجود کر دیں گے اور ہم حساب کرنے کو کافی ہیں۔

نیز فرمایا اِنَّكَ تَعْلَمُ مَوَازِينَكَ فَاُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ
فَاُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خَالِدُوْنَ۔ (المومنون ۱۰۲-۱۰۳)
ترجمہ :- تو جن کے رملوں کے برابر بھاری ہوں گے وہ فلاح پانے والے ہیں اور جن کے پوچھ
کے ہوں گے وہ لوگ میں جنہوں نے اپنے تئیں خسار میں ڈالا ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

ابونصر سحری المتوفی سنہ ۷۴۴ھ ہے (تذکرۃ الحفاظ ۲۸۹/۳-۲۹۸) ہے
اس حدیث موضوع ہے دراصل ایک حدیث کا ٹکڑا ہے جس کو ابو نعیم اور خطیب نے ابو ہریرہ سے مرویاً ذکر کیا
ابن جوزی نے اس کو موضوعات میں ذکر کیا میں نے اس حدیث پر احادیث صحیحہ (۲۶۳) میں کلام کیا ہے۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں علماء کا قول ہے جب حساب ختم ہو جائے گا تو اس کے بعد اعمال کا وزن ہوگا اس لئے کہ وزن جزا دینے کیلئے ہے تو اسے محاسب کے بعد ہی ہونا چاہئے محاسبہ اعمال کے ثبات کرنے اور وزن مقادیر کے اظہار کے لئے ہے تاکہ پورا پورا بدلہ مل سکے اس شخص کی کیا جزا ہوگا تو وہی ہے
 وَنَقَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَمَةِ - (الانبیاء ۴۷)
 ترجمہ:- اور ہم قیامت کے دن انصاف کے ساتھ ترازو دکھیں گے۔

اس بات کا بھی محتمل ہے کہ متعدد ترازو ہوں جن میں اعمال کا وزن کیا جائے یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مرد و زنانہ میں پس موازن کو جمع کرنا موزونہ کے تفرع کے اعتبار سے ہے۔ واللہ اعلم۔
 سنت اس بات پر مدال ہے کہ اعمال کے ترازو کے دو پلے ہیں جو کسی ہیں ان کا مشاہدہ کیا جائے گا۔ امام احمد حضرت عبداللہ بن عمر سے ایک حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک شخص کو تمام مخلوق کی موجودگی میں اپنے سامنے پیش کرے گا اس کے اعمال نامے کے ننانویں دفاتر پھیلانے جائیں گے ہر دفتر بقدر فضل کے پھیلنے کے ہوگا اللہ تعالیٰ اس سے کہے گا کیا تو ان گناہوں میں سے کسی گناہ کا انکار کرتا ہے کیا تجھ پر میرے مقرر کردہ نگران کہنے والوں نے ظلم تو نہیں کیا؟ وہ جواب دے گا ابے اللہ! نہیں پھر اللہ تعالیٰ کہے گا کیا تیرا کوئی عذر ہے یا تیری کوئی نیکی ہے وہ شخص حیران ہوگا اور کہے گا نہیں اے میرے رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہاں ہمارے پاس تیری ایک نیکی ہے آج تجھ پر ظلم نہیں ہوگا اس کے لئے کاغذ کا ایک پرزہ نکالا جائے گا جس میں اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ تحریر ہوگا اللہ فرمائے گا اس کو حاضر کر دو وہ کہے گا اے میرے پروردگار! ان دفتروں کے مقابلے میں اس پرزے کی کیا حیثیت ہے اے جواب دیا جائے گا تجھ پر آج ظلم نہیں ہوگا۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ تمام دفاتر ایک پلے میں رکھ دیئے جائیں گے اور کاغذ کا پرزہ دوسرے میں رکھا جائے گا راوی بیان کرتا ہے کہ دفاتر وزن میں ہلکے ہوں گے اور کاغذ کا پرزہ بھاری ثابت ہوگا اس لئے کہ کوئی چیز بھی اللہ رحمان رحیم کے نام کے مقابلہ میں بھاری نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح ترمذی، ابن ابی

لہ حدیث صحیح ہے حاکم نے مسلم کی شرط پر صحیح کہا نبی نے اس کی موافقت کی ترمذی نے حسن کہا ان دونوں کی روایت میں ہے اللہ کے نام کے مقابلہ میں کوئی چیز بھاری نہیں ہے۔ کتاب میں جو روایت ہے وہ سنہ احمد کی ہے (۲۱۳/۲) روایت مشاذ ہے میں نے سلسلہ الاحادیث الصغیر (۱۳۵) میں حدیث کی سند پر بحث کی ہے

ابن ابی الدنیا نے میث کی حدیث روایت کی ترمذی میں اضافہ ہے اللہ کے نام کے مقابل میں کوئی چیز بھی بھاری نہیں ہو سکتی ایک دوسرے سیاق میں ہے ترازو قیامت کے دن رکھے جائیں گے ایک شخص کو لایا جائے گا اس کو ایک پڑے میں رکھا جائے گا اس حدیث سے مزید فائدہ حاصل ہو رہا ہے کہ اعمال کے ساتھ عمل کرنے والے کا بھی وزن کیا جائے گا اس کی شاہد بخاری کی ایک روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ایک ایسے شخص کو لایا جائے گا جو ڈاکھ اور موٹا نہ تھا لیکن اللہ کے ہاں وہ پھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہو گا آپ نے فرمایا اگر تم پرا ہو تو یہ آیت تلاوت کرو۔

فَلَا تَقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَزْنًا۔ (الکہف ۱۰۶)

ترجمہ:- ہم ان کے اعمال کا، قیامت کے دن وزن نہیں کریں گے۔

نیز منہ احمد میں ابن مسعود سے روایت ہے کہ وہ پیلو کے درخت سے مسواک اتار رہا تھا اس کی پندلیاں بہت باریک تھیں تو ہوا کے جھونکے اس کو گرا رہے تھے اس پر لوگ ہنسنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا تم کیوں ہنستے ہو انھوں نے جواب دیتے ہوئے کہا اس کی باریک باریک پندلیوں سے ہنس رہے ہیں آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میرا جان ہے اس کی پندلیاں ترازو میں احد پہاڑ سے بوجھل ہوں گی۔ نیز وزن اعمال میں احادیث موجود ہیں۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ابومالک اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہونو نصف ایمان ہے محمد بن عبد جملہ ترازو کے پلے کو بھر دے گا بخاری شریف کے اخیر میں حدیث ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر لگے ہیں اللہ کے ہاں محبوب ہیں وزن میں بوجھل ہیں سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ۔ نیز حافظ ابوبکر بیہقی انس بن مالک وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا ابن آدم کو قیامت کے دن ترازو کے دونوں پلوں کے درمیان کھڑا کیا جائے گا اور اس پر ایک فرشتہ مقرر ہو گا اگر اس کا پڑا

یہ حدیث پہلی ہی ہے الفاظ اول ہیں سند کے لحاظ سے حدیث صحیح نہیں اس لئے کہ اس میں ابن ابی ہریرہ سے جس کا حافظہ کمزور تھا وہ روایت جس میں وہ منفرد ہے قابل حجت نہیں ہے مسند احمد ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱۔

پس اس وضاحت کے بعد کسی ملحد اسلام کے مخالف انسان کی بات کی طرف توجہ دینا
 بھی نہ کیا جائے گا جو کہتا ہے کہ اعمال اعراض ہیں ان کا وزن ممکن نہیں اس لئے کہ وزن تو اجسام کا
 ہوتا ہے (اللہ کے لئے کچھ مشکل نہیں) وہ اعراض کو اجسام بنا سکتا ہے جیسا کہ اس مضمون کی روشنی
 پہلے گذر چکی ہے۔ نیزہ زہر احمد میں حضرت ابو ہریرہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موت
 کو قیلے رنگ کے مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا جنت اور دوزخ کے درمیان اسے کھڑا کیا
 جائے گا جنت والوں کو پکارا جائے گا اے جنت والو وہ سر اٹھائیں گے اور دیکھیں گے اور دوزخ
 والوں کو پکارا جائے گا اے دوزخیو! وہ بھی سر اٹھائیں گے اور دیکھیں گے اور خیال کریں گے کہ نجات
 کا وقت آگیا ہے! اس دوران مینڈھے کو ذبح کر دیا جائے گا اور اعلان کیا جائے گا اب ہر شے پر
 موت نہیں ہے۔ بخاری نے اس حدیث کو بالحدیث ذکر کیا ہے پس ان احادیث سے اعمال و عمل کرنے والوں
 ایمان موں کا وزن ثابت ہو گیا نیز یہ بھی ثابت ہو گیا کہ ترائد کے دو پہرے ہوں گے باقی کیفیت
 کو اللہ پاک ہی بہتر جانتے ہیں۔

پس ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم عیب پر ایمان لائیں جس طرح کہ ہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے نہ ہم اس میں زیادتی کرتے ہیں نہ کمی کرتے ہیں اور کس قدر بد نصیب ہیں وہ لوگ جو قیامت کے دن انصاف کے ترازو کے رکھے جانے کی نفی کرتے ہیں دراصل انھیں اس کی حکمت معلوم نہیں یہی وجہ ہے کہ وہ نفوس شریعہ کا استنکاف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ترازو کی ضرورت تو صرف مہتر (مزدخ) فردین، غلہ فروین لوگوں کو ہوتی ہے اس فکر کے لوگ یقیناً اس لائق ہیں کہ قیامت کے دن ان کے لئے ترازو نہ کھڑا کیا جائے حالانکہ اعمال کے وزن کی یہی حکمت کافی ہے کہ اس سے اس کے

۱۔ حدیث موضوع ہے۔ ابو نعیم نے اس حدیث کو متکلمین ذکر کیا ہے اور ذکر کیا کہ اس حدیث میں داؤد بن مجمر منفرد ہے میں کہتا ہوں وہ متروک نیز حدیث وضع کرنے کے ساتھ متہم ہے۔
۲۔ حدیث مبیح ہے مسند احمد (۲/۴۲۳) سند صحیح ہے۔

بندوں پر عدل و انصاف کا ظہور ہوگا پھر اللہ تعالیٰ سے زیادہ عذر قبول کرنے والا کون ہے اسی لئے
تو اللہ نے پیغمبروں کو بھیجا تاکہ وہ لوگوں کو خوشخبری دیں اور اللہ کی نافرمانی سے ڈرائیں اس کے
علاوہ اور بھی شکستیں ہو سکتی ہیں جو میں معلوم نہیں خود کیجئے جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا
”إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً“ کہ زمین میں نائب بنانے والا ہوں تو فرشتوں
نے کہا:-

إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً کہ زمین میں نائب بنانے والا ہوں تو فرشتوں نے کہا:-
قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ
وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ (البقرہ ۱۳۰)

ترجمہ: انہوں نے کہا یا تو ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتا ہے جو زبیاں کرے اور کشت و
خون کرتا پھرے اور ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں رضائے
فرمایا میں وہ باتیں بھی جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ہو۔

نیز فرمایا:- وَمَا أَوْفَيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا (الاسراء ۸۵)
ترجمہ:- اور تم بہت کم محض علم دیئے گئے ہو۔

سابقہ اوراق میں جن کی تفصیل کے نشہ میں علامہ قرطبی کی وضاحت آپہلی ہے کہ حوض کوثر
ترازو سے قبل ہے اور پھر صراط ترازو کے بعد ہے۔ پھر نچہ بنامی - مسلم میں ہے کہ ایماندار لوگ جب
پھر صراط سے گزریں گے تو جنت اور دوزخ کے درمیان ایک پل پر کھڑے کئے جائیں گے وہاں ایک
دوسرے سے بدلہ دلایا جائے گا۔ جب جہان بین اور صفائی ہو جائے گی تو انھیں جنت میں داخلہ
کی اجازت مل جائے گی۔ علامہ قرطبی نے تذکرہ میں اس پل کو خاص طبع پر ایمان داروں کے لئے
دوسری پل صراط قرار دیا ہے اس پھر صراط سے کوئی شخص دوزخ میں نہیں گرے گا۔
واللہ تعالیٰ اعلم۔

درجہ جنت، دوزخ بھی اللہ کی مخلوق ہیں دونوں کبھی فنا نہ ہوں گی اس لئے کہ اللہ نے تمام
مخلوق سے پہلے جنت، دوزخ کو پیدا فرمایا اور ان دونوں کے لئے مخلوق کو پیدا فرمایا ان پر ہے
جس شخص کو چاہے گا جنت میں داخل کیے گا یا اس کا فضل ہے اور جس شخص کو پسے گا دوزخ میں داخل
کے گا یا اس کا عدل ہے ہر انسان وہی عمل کرتا ہے جسے فالخ ہوگا ہے اور اسی چیز کی طرف جلتے ولاتے
لے بخاری فی المقام احمد ۴۳۱۲/۴۳۱۳، میں ابی سعید الخدری میں نے اس حدیث کو مسلم میں نہیں دیکھا۔

جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے نیز خیر اور شر دونوں بندوں کے لئے تقدیر میں لکھی گئی ہیں۔
 (دش، امام طحاوی کا قول)۔

جنت، دوزخ دونوں اللہ کی مخلوق ہیں اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جنت اور دوزخ اللہ کی مخلوق ہیں اس وقت موجود ہیں اہل سنت اسی عقیدہ پر قائم رہے یہاں تک کہ معتزلہ قدریہ کا ظہور ہوا انھوں نے اس کا انکار کر دیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو قیامت کے دن بنائے گا ان کو اس پر ایک فاسد قاعدے نے برا بیغختہ کیا جس کو انھوں نے از خود وضع کیا اور اس کو شریعت قرار دیا انھوں نے اللہ کو انسانوں کے مشابہ قرار دیا اور کہا کہ اللہ کے لائق ہے کہ فلاں کام کرے یہ لوگ دراصل مشبہ ہیں نیز ان میں جہمیت کے جراثیم بھی موجود ہیں اس لحاظ سے یہ لوگ مضطرب بھی ہیں وہ کہتے ہیں کہ جزا اور سزا سے پہلے جنت، دوزخ کا پیدا کرنا بے فائدہ ہے۔ اس لئے کہ اس طرح جنت، دوزخ لمبا عرصہ بے آباد رہے انھوں نے ان نصوص کا رد کیا جو ان کی وضع کردہ شریعت کے خلاف تھیں جس شریعت کا انھوں نے اللہ کے لئے وضع کیا انھوں نے نصوص میں تحریف کی لوگوں کو گمراہ کیا جس نے بھی ان کی وضع کردہ شریعت کی مخالفت کی اس کو بدعتی کہا۔

نصوص کتاب سے جنت کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:-

أَعِدَّ لِلْمُتَّقِينَ (آل عمران ۳۳) پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے

نیز فرمایا أَعِدَّ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ (الحید ۲۱)

ترجمہ:- ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔

نیز دوزخ کے بارے میں فرمایا:-

أَعِدَّ لِلْكَافِرِينَ (آل عمران ۱۳۱) وہ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے

نیز فرمایا إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا لِلطَّاغِينَ مَنَآ (النبا ۲۱-۷۲)

ترجمہ:- بیشک دوزخ گھاٹ میں ہے (یعنی) سرکشوں کا وہی ٹھکانہ ہے۔

نیز فرمایا وَكَذَٰلِكَ أُنْزِلَتْ أَمْحُورٌ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ عِنْدَ حَاجَتِ الْمَلَائِكَةِ الْوَالِي رَابِعًا ۱۳-۱۵

ترجمہ:- اور انھوں نے اس کو ایک اودبار بھی دیکھا ہے پہلی حد کی پیری کے پاس پہنچنے کی

بہشت ہے۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سدرۃ المنتہی کو بھی دیکھا وہاں جنتہ الماوی کو بھی دیکھا جبکہ بناری

[illegible]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ نے جنت، دوزخ کو پیدا فرمایا تو حضرت جبریل کو جنت کی طرف بھیجا اس سے کہا جاؤ جنت کا مشاہدہ کرو نیز ان چیزوں کا جن کو میں نے جنت والوں کے لئے تیار کیا ہے جبریل واپس آیا اور کہا تیری عزت کی قسم جو بھی جنت کے بارے میں سنے گا وہ اس میں ضرور داخل ہوگا پھر جنت کے بارے میں حکم دیا اس کو مصائب سے ڈھانپا گیا پھر فرمایا اب جاؤ جنت کا اور ان چیزوں کا مشاہدہ کرو جن کو میں نے جنت والوں کے لئے تیار کر رکھا ہے۔ چنانچہ حضرت جبریل نے مشاہدہ کیا واپس آیا اور کہا تیری عزت کی قسم مجھے ڈر ہے کہ اس میں تو کوئی بھی داخل نہ ہوگا (راوی بیان کرتا ہے) پھر اس کو دوزخ کی جانب بھیجا اور کہا جاؤ دوزخ کا اور جو چیزیں میں نے دوزخ والوں کے لئے تیار کی ہیں ان کا مشاہدہ کرو اس نے ان کا مشاہدہ کیا تو اس کا بعض بعض کو توڑ رہا تھا پھر واپس آیا اور کہا تیری عزت کی قسم جو اس کے بارے میں سنے گا وہ ہرگز اس میں داخل نہیں ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دوزخ کے بارے میں حکم دیا اس کو شہوات کے ساتھ ڈھانپ دیا گیا۔ پھر فرمایا اب جاؤ اور دیکھو میں نے دوزخ والوں کیلئے کیا تیار کر رکھا ہے وہ گیا اس نے مشاہدہ کیا واپس آیا اور کہا تیری عزت کی قسم مجھے ڈر ہے کہ اس سے کوئی نجات نہ پاسکے گا۔ سب اس میں داخل ہوں گے (حدیث صحیح ہے) اس معنوں کی احادیث کثرت کے ساتھ موجود ہیں۔

یہ قول کہ جنت سے مراد وہ جنت ہے جس میں آدم تھا پھر اس کو دہاں سے نکالا گیا یہ قول بھی اس بات پر دال ہے کہ اس وقت سے جنت موجود ہے اس میں مشہور اختلاف ہے اور وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ جنت اس وقت موجود نہیں وہ غلط ہیں کہتے ہیں کہ اگر جنت اس وقت موجود ہو تو لازمی طور پر اسے قیامت کے دن فنا ہو جانا چاہیے جب کہ ہر چیز نے ہلاک ہونا اور مہربانا ہے ارشاد خداوندی ہے:-

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهًا (الفصل ۸) اس کی ذات کے علاوہ سب فنا ہونے والے ہیں نیز فرمایا: كُلُّ نَفْسٍ ذَا نَفْسٍ اَلْوَدَّ (آل عمران ۱۰۵) ہر فردی روح موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے۔

نیز جامع ترمذی میں ابی مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس رات میرا سرا کرایا گیا میری ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی اس نے کہا اے عمدا میری جانب سے اپنی امت کو سلام کہنا اور انھیں خبر دینا کہ جنت کی معنی نہایت عمدہ ہے اس کا پانی شیریں ہے اور جنت چٹیل میدان ہیں اور سہمان اللہ، الحمد للہ، لا اِلٰهَ اِلَّا اللہ واللہ اکبر کلمات کہنے سے اس میں درخت تیار ہوتے ہیں (حدیث حسن غریب ہے) نیز اس میں

سہ راہ حدیث العصیمہ (۱۰۶۰)

حضرت جابر سے حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے سبمان اللہ و مجدہ کے کلمات کہے اس کے لئے جنت میں کھجور کا درخت تیار ہو جاتا ہے۔ (حدیث صحیح ہے)

اس حدیث کی روشنی میں اعتراض کرنے والے کہتے ہیں اگر جنت مخلوق ہوتی اس سے فارغ ہو گیا ہوتا تو اس میں پھیل میدان نہ ہوتے اور درختوں کے تیار ہونے کا کچھ مطلب نہ ہوتا۔ نیز وہ کہتے ہیں نیز اللہ کا قول جو فرعون کی بیوی کی طرف سے نقل کیا گیا ہے: رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ (تخوم ۱۱) اے میرے رب اپنے ہاں میرا گھر جنت میں تعمیر کر۔

اس سے بھی ان کے عذر کو تقویت ملتی ہے اس کا جواب یہ ہے اگر تم کہتے ہو کہ اب وہ بالکل معدوم ہے جیسا کہ نفخہ صور اور لوگوں کا قبروں سے اٹھنا اب نہیں ہے تو تمہارا قول باطل ہے۔ گذشتہ ذکر کردہ دلائل اس کا رد کر رہے ہیں اگر تم کہتے ہو کہ جنت کی تمام چیزیں کا خلق ابھی تک نہیں ہوا تاہم یہی طور پر اللہ تعالیٰ اس میں نعمتوں کو پیدا فرماتا رہتا ہے اور جب ایمان دار جنت میں داخل ہوں گے تو ان کے داخل ہونے کے وقت اللہ تعالیٰ مزید نعمتوں کو پیدا فرمائے گا تو یہ درست ہے اس کا رد کرنا ممکن نہیں تمہارے بیان کردہ دلائل سے صرف اسی قدر ثابت ہو رہا ہے ہاں تمہاری جانب سے یہ دلیل قول خداوندی ہے۔

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهُ (القصص - ۲۸) اس کی ذات کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے اس آیت کا معنی تم نے غلط سمجھا ہے تمہارا اس آیت سے استدلال کرنا کہ جنت، دوزخ کا اب وجود نہیں ہے، اسی طرح کا استدلال ہے جس طرح کا استدلال تمہارے بھائی جنت، دوزخ کے فنا ہونے اور جنتیوں و دوزخیوں کے مرنے پر پیش کرتے ہیں نہ تمہیں اس آیت کے معنی کی سمجھ کی توفیق نصیب ہوئی نہ تمہارے بھائیوں کو توفیق حاصل ہوئی حقیقت یہ ہے کہ اس آیت کے فہم کی توفیق تو آخر اسلام کو حاصل ہوئی وہ اس آیت کا معنی اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ہر چیز جس کے لئے فنا ہونا مقدر ہے وہ فنا ہونے والی ہے لیکن جنت، دوزخ تو بقا کے لئے پیدا کی گئیں ہیں ان کے لئے فنا نہیں ہے یہی حال عرش کا ہے وہ جنت کی سمیت ہو گا۔ ایک قول یہ ہے کہ وَجْهَهُ سے مراد اللہ کی بادشاہت ہے ایک قول میں اللہ کی ذات مراد ہے ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ (الرحمن ۲۶) - جو بھی اس پر ہے وہ فنا ہونے والا ہے۔

تو فرشتوں نے کہا زمین پر رہنے والے ہلاک ہو جائیں گے وہ بقا کا طمع رکھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے خبردار کیا آسمان والے زمین والے تمام فنا ہو جائیں گے۔ فرمان

فنا دہندی ہے۔

کُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ (القصص) اس کی ذات کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے
ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے زندہ رہے گا اس پر موت طاری نہ ہوگی اس وقت
فرشتوں کو اپنی موت کا یقین ہو گیا یہ باتیں وضاحت کے ساتھ اس لئے ذکر کی گئیں ہیں
تاکہ مشابہات اور محکمات میں تطبیق ہو مخصوص حکمہ جنت، دوزخ کے بقا پر دال ہیں اس
کا ذکر عنقریب کیا جائے گا۔ (انشاء اللہ)

امام عطاوی کا قول :-

جنت، دوزخ کو کبھی فنا نہیں | جہور ائمہ سلف، خلف کا یہی قول ہے لیکن سلف
سے ایک جماعت جنت کے بقا، اور دوزخ کے فنا ہونے کی خالی ہے۔

یہ دونوں قول کتب تفسیر و حیزہ کی اکثر کتابوں میں مذکور ہیں۔ جہم ہی صفوان موطا خضرے کا
امام جنت، دوزخ دونوں کے فنا ہونے کا قائل بنے صحابہ کرام، تابعین، ائمہ سلف
اہل سنت سے کسی نے اس کی موافقت نہیں کی ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر اہل سنت اس کے مذہب
کا انکار کیا اس نظریہ کی وجہ سے اسے کافر قرار دیا ہے نیز اس کے اور اس کے پیروکاروں کے
مخلاف ہنگامہ آرائی کی ہے اس کا یہ فاسد قول ایک فاسد اصول پر مبنی ہے وہ یہ ہے
(ایسی چیز کا وجود متعین ہے جس کے حوادث متناہی نہیں ہیں) یہی اصول قابل مذمت
متکلمین کا ہے وہ لوگ اس اصول کی بنا پر حدوث اجسام پر استدلال کرتے ہیں چنانچہ حدوث
عالم کے اثبات پر یہی اصول پیش کرتے ہیں چنانچہ جہم کا خیال ہے جو حوادث سے محفوظ
ہے ماضی میں اس کی ابتدا نہیں ہے مستقبل میں بھی وہ ممنوع ہے اس کے نزدیک اللہ پر فعل
کا دوام مستقبل میں ممنوع ہے جیسا کہ اس کے نزدیک اللہ پر ماضی میں ممنوع ہے اور ابو العزیز
علائقہ شیخ العزیز نے اس کی اس اصول پر موافقت کی ہے لیکن وہ کہتا ہے یہ اصول حرکات
کے فنا کا متقاضی ہے چنانچہ اس نے وضاحت کی ہے کہ جنتیوں دوزخیوں کی حرکات فنا
ہو جائیں گی یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ وہ بالکل سکون میں ہوں گے ان میں کوئی
بھی حرکت کرنے پر قادر نہیں ہوگا اشارۃً پہلے یہ بحث گذر چکی ہے کہ لوگ ماضی اور مستقبل کے
حوادث کے تسلسل میں اختلاف والے ہیں دراصل یہ مسئلہ اللہ تعالیٰ کی دائمی فاعلیت کا نام
ہے کہ ہمارا رب ہمیشہ قدرت والا اور جس چیز کا ارادہ کرے اسے کرنے والا ہے وہ ہمیشہ زندہ علم
اور قدرت ملا ہے اور محال ہے کہ کوئی فعل اللہ پر بالذات ممنوع ہو بلکہ ممکن لذات ہے کسی چیز

کے تجدد کے بغیر ایسا ہوتا ہے۔ نیز اول کے لئے کوئی معین مد نہیں کہ فعل اس مد کے وقت اس کے لئے ممکن ہو اور اس سے پہلے متنع ہو اس قول کا تصور ہی اس کے فاسد ہونے پر کافی ہے لیکن جنت کی ابدیت اور یہ کہ اسے کبھی فنا نہیں یہ چیز بالضرورة معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں اطلاع دی ہے ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا أَتَيْنَا بِسَعْدٍ إِلَّا فَنِي الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَوَاتُ
وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّنَا طَعْنًا غَيْرَ مَجْدُوذٍ (هود ۱۰۸)

ترجمہ: جو نیک بخت ہوں گے وہ بہشت میں رداخل کئے جائیں گے اور جب تک آسمان اور زمین میں ہمیشہ اسی میں رہیں گے مگر جتنا تمہارا پروردگار چاہے یہ خدا کی بخشش ہے جو کبھی منقطع نہ ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا یہ قول إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّنَا مگر جتنا تمہارا پروردگار چاہے۔

اس کے منافی نہیں سلف کا اس استثناء میں اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ وہ جس قدر درجن پہنچے ہوں گے ظاہر ہے کہ یہ ان لوگوں کے حق میں ہے جو دوزخ میں داخل ہونے میں ہوں گے سب مراد نہیں ہیں۔

ایک قول بتنا عرصہ وہ میدان محشر میں رکے ہوں گے ایک قول جس قدر وہ قبروں اور میدان محشر میں پھڑپھڑے ہوں گے۔ ایک قول کہ یہ رب تعالیٰ کا استثناء ہے جس کو وہ نہیں کرے گا جیسا کہ تو کہتا ہے (اللہ کی قسم میں تجھے ماروں گا مگر یہ کہ میں اس کا بغیر دیکھوں) ظاہر ہے کہ تو بغیر کو نہیں دیکھتا ہے بلکہ تو اس کے مارنے پر جزم رکھتا ہے ایک قول میں لفظ إِلَّا واو کے معنی میں ہے یہ قول بعض نحویدوں کا ہے اور کمزور ہے سیویہ کے ہاں إِلَّا لکن کے معنی میں ہے استثناء منقطع ہے ابن جریر نے اسی کو راجع قرار دیا ہے نیز اس نے کہا کہ اللہ نے وعدوں میں تخلف نہیں ہے اور استثناء اللہ کے اس قول کے ساتھ مل کر آیا ہے طَعْنًا غَيْرَ مَجْدُوذٍ (هود ۱۰۸) بخشش جو کبھی منقطع نہ ہوگی۔

اس کی مثال یہ ہے کہ تو کہتا ہے کہ میں نے تجھے اپنا گھر سال بھر کے لئے رہنے کے لئے دیا مگر جو میں چاہوں یعنی جس قدر زمانہ بھی میں چاہوں ایک قول یہ ہے کہ استثناء سے انہیں معلوم کر آیا ہے کہ ان کی جنت میں ہمیشگی اللہ کی مشیت کے تابع ہے وہ اللہ کی مشیت سے باہر نہیں ہیں۔ یہ معنی ان کے ہمیشہ رہنے کے جزم کے منافی نہیں ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے وَلَكِنْ شِئْنَا لَنُدْهِبَنَّهُنَّ بِالَّذِي آوَيْنَا إِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهِ

عَلَيْكُمْ وَكِسْكَ - (الاسراء: ۱۶)

ترجمہ :- اور اگر ہم چاہیں تو جو رکت ب، ہم تمہاری طرف بھیجتے ہیں اسے (دونوں سے) ٹھوکر دیں پھر تم اس کے لئے ہمارے مقابلہ میں کسی کو مددگار نہ پاؤ۔

نیز اللہ کا قول :- فَإِنْ يَشَاءِ اللَّهُ فَيَنْهَبْكُمْ عَنْ قُلُوبِكُمْ - (الشورى: ۲۴)

ترجمہ :- پس اگر اللہ چاہے تو (اے محمد) تمہارے دل پر مہر لگا دے۔

نیز اللہ کا قول :- قُلْ لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُمْ هَذَا كَذْرَ كُنْتُمْ (یونس: ۱۶)

ترجمہ :- ایہ بھی کہہ دو کہ اگر خدا چاہتا تو نہ تو میں یہی یہ رکت ب، تم کو پڑھ کر سنانا اور نہ ہی تمہیں اس سے واقف کرتا۔

اس قسم کی آیات کثرت کے ساتھ ہیں اللہ سبحانہ اپنے بندوں کو خبر دیتے ہیں کہ تمام امور اس کی مشیت میں ہیں جو چاہتا ہے ہوتا ہے جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔ ایک قول یہ ہے کہ لفظ مَا من کے معنی میں ہے یعنی گمراہ نیک لوگ جن کو اللہ تعالیٰ بوجہ ان کے گناہوں کے دوزخ میں داخل کرنا چاہے اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں بہر صورت یہ استثناء منشا ہے لیکن اللہ کا قول ہے غَالَتْ أَعْيُنُ عَجُوزٍ دُوْدٍ - (صود: ۱۰۸) بخشش منقطع ہونے والی نہیں۔

محکم ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قول :-

إِنَّ هَذَا صِرَافٌ مِمَّا لَدُنَّا مِنْ نِقَادٍ (۵۴) بیشک یہ ہمارا عطیہ اس کے لئے نعم ہونا نہیں ہے

اور اللہ تعالیٰ کا قول :- أَكُلْتُمَا مَا نَنْهَىٰ عَنْهُ (۲) اس کے بھل پیشگی طے اور اس کے سامنے بھی۔

نیز اللہ تعالیٰ کا قول :- وَمَا هُمْ بِمُخْرَجِينَ (الحجر: ۲۰) وہ اس سے ہرگز نکلے نہیں جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے جنت والوں کا ہمیشہ جنت میں رہنے کا ذکر تاکید کی کلمات کے ساتھ قرآن پاک میں متعدد مقامات میں فرمایا ہے اور آگاہ کیا ہے۔

لَا يَذْكُرُونَ فِيهَا الْوَيْلَ إِنَّ الْمَوْتَ لَأَنزُلُوكَ - (الذہان: ۵۶)

ترجمہ :- وہ اس میں پہلی موت کے سوا دوسری موت سے بے فکر نہ ہوں گے۔

یہ استثناء منقطع ہے اور جب اس کو اللہ تعالیٰ کے اس قول :-

إِنَّ مَا شَاءَ وَبَقِيَ (۱۰۰) مگر جو تیرا رب چاہے۔

کے استثناء کے ساتھ ملایا جائے گا تو ظاہر ہو جائے گا کہ دونوں آیتوں سے وقت کا استثناء مراد ہے کہ جس وقت وہ جنت میں رہتے اس کا موت غلو سے استثناء ہے جیسا کہ پہلی موت کا جملہ موت کے استثناء ہے یہ موت اکی ابدی زندگی سے پہلے کی سب سے پہلی حیات میں ہمیشہ رہنے سے پہلے کی ہے۔

جنت کی ابدیت اور دوام پر سنت سے کثرت کے ساتھ دلائل موجود ہیں ارشاد نبوی ہے جو شخص جنت میں داخل ہو جائے گا وہ نعمتوں میں رہے گا اسے کچھ غم نہ ہوگا ہمیشہ رہے گا فوت نہیں ہوگا (مسلم) نیز ارشاد نبوی ہے منادی کرنے والا منادی کرے گا اے جنت والو! تم تندرست رہو گے کبھی بیمار نہ ہو گے جواں رہو گے کبھی بڑھاپا نہ آئے گا زندہ رہو گے کبھی موت نہ آئے گی۔ (مسلم عن ابی سعید و ابی ہریرۃ) نیز جنت دوزخ کے درمیان موت کے ذبح کرنے کا ذکر پہلے گزر چکا ہے کہا جائے گا اے جنت والو! ہمیشگی ہے موت نہیں ہے اے دوزخ والو! ہمیشگی ہے موت نہیں ہے (بخاری مسلم)

دوزخ ہمیشہ ہے اس کے لئے فنا نہیں | لوگوں کے اس میں آٹھ اقوال ہیں پہلا قول جو شخص دوزخ میں داخل ہو گیا وہ اس سے کبھی نہیں نکلے گا یہ قول خوارج اور معتزلہ کا ہے۔ دوسرا قول دوزخیوں کو دوزخ میں عذاب کیا جائے گا پھر ان کی طبیعت میں انقلاب آجائے گا۔ ان کی طبیعت ناری ہو جائے گی یعنی ان کی طبیعت دوزخ کے موافق ہو جائے گی وہ دوزخ میں لذت حاصل کریں گے یہ قول ابن عربی کا ہے جو وعدۃ الوجودیہ فرقے کا امام ہے۔ تیسرا قول درزیوں کو دوزخ میں محدود وقت تک عذاب ہوگا پھر ان کو اس سے نکال دیا جائے گا ان کے بدل دوزخ میں اور لوگوں کو گرایا جائے گا اس قول کو یہود نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا آپ نے انھیں جھٹلایا نیز اللہ نے جس ان کی تکذیب کی اللہ عزوجل کا قول ہے :-

وَنُفُوۡاْ لَیۡنَۭمۡسَآءُ اِنۡتَ اِلَّا اَبۡتَآمَۡمُۡعَدٌ وَّذَٰلَکَۡ فَلَۡمَۡ اَتَّخَذۡتُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ عٰثِلَآءَ
فَلَمَّا یَخْلُفۡ اللّٰہُ عَآفَہٗ ؕ اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ عَلٰی اللّٰہِ مَا لَا تَعْمَلُوۡنَ ؕ ہ یٰۤاَیُّہَا
کٰفِرٌۭ سَیِّئٌ وَّ اَحَاطَ بِہٖ حَیۡطُۡنُکَۃُ فَاُولٰٓئِۡکَ اَصْحَابُ النَّارِ ہُمۡ فِیۡہَا
خٰلِدُوۡنَ ۔ (البقرہ ۸۰-۸۱)

ترجمہ :- اور کہتے ہیں کہ (دوزخ کی) آگ ہمیں چند روز کے سوا چھوہی نہیں سکے گی ان سے پوچھ لیا کہ تم نے خدا سے اقرار لے رکھا ہے کہ خدا اپنے اقرار کے خلاف نہیں کرے گا (نہیں) بلکہ تم خدا کے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہو جن کا تمہیں مطلق علم نہیں ہاں جو بڑے کام کرے اور اس کے گناہ (بہرطن سے) اس کو گھیر لیں تو ایسے لوگ دوزخ میں (این جانے) والے ہیں اور وہ ہمیشہ اس میں جلتے رہیں گے ۔

چوتھا قول :- دوزخیوں کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا دوزخ اپنے حال پر باقی رہے گی اس میں کوئی دوزخی نہ ہوگا۔ پانچواں قول، دوزخ بالکل فنا ہو جائے گی اس لئے کہ دوزخ حادث ہے

اور حادث کا بقا محال ہے یہ قول جہم اور اس کے رفقاء کا ہے ان کے ہاں اس میں جنت ، دوزخ دونوں برابر ہیں دونوں فنا ہو جائیں گی پہلے بھی اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ چھٹا قول : دوزخیوں کی ہرکات ختم ہو جائیں گی وہ جمادات ہو جائیں گے کسی تکلیف کو محسوس نہ کریں گے یہ قول ابو العزیز علف کا ہے ساتواں قول : اللہ تعالیٰ دوزخ سے جس کو چاہے گا نکال لے گا جیسا کہ حدیث میں ہے پھر دوزخ کو کچھ عرصہ باقی رکھے گا اس کے بعد فنا کر دے گا۔ دوزخ کی ایک مدت ہے اس مدت کے بعد ختم ہو جائے گی۔ آٹھواں قول : بے شک اللہ تعالیٰ دوزخ سے جس کو چاہے گا نکال لے گا جیسا کہ حدیث میں ہے اور اس میں کافرا باقی رہیں گے جو اس سے نہ نکلیں گے جیسا کہ شیخ زحر اللہ نے کہا ان آخری دو اقوال کے علاوہ بقیہ تمام اقوال باطل ہیں یہ دونوں قول اہل سنت کے ہیں ان کے دلائل پر سنا کر دیکھا جائے۔

پہلے قول کے دلائل | ارشاد خداوندی ہے :-

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَثَلُ الْخَالِدِينَ فِيهَا أَوْ مَا شَاءَ اللَّهُ إِنَّ رَبَّنَا عَلِيمٌ خَبِيرٌ (۱۱۹)

ترجمہ :- خدا فرمے گا اب تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے ہمیشہ اس میں رہتے رہو گے مگر جو خدا چاہے بے شک رب ترا حکیم اور علیم ہے

نیز فرمایا مَا أَتَيْنَا مِنْ شَيْءٍ إِلَّا أَنْزَلْنَاهُ فِيهِ زَبْرًا وَتَسْتَبِينَ فَتَعَبِلْنِ

فِيهَا مَا دُمَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ وَالَّذِينَ كَفَرُوا رَبَّهُمْ إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ شَدِيدُ الْعِقَابِ (۱۰۶ - ۱۰۷)

ترجمہ :- تو جو بد بخت ہوں گے وہ دوزخ میں رڈال دیئے جائیں گے اس میں ان کا چلانا

اور دھارنا ہو گا (اور) جب تک آسمان اور زمین ہیں اسی میں رہیں گے، مگر جتنا

تمہارا پردہ دگار چاہے بیشک تمہارا پردہ دگار جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

ان دونوں استناد کے بعد وہ الفاظ ذکر نہیں ہوئے جو اہل جنت کے ذکر میں استناد کے

بعد آئے ہیں وہ الفاظ یہ ہیں قول خداوندی :-

عَذَابٌ عَظِيمٌ (۱۰۸) مَثَلُ الْخَالِدِينَ فِيهَا أَوْ مَا شَاءَ اللَّهُ إِنَّ رَبَّنَا عَلِيمٌ خَبِيرٌ (۱۱۹)

ترجمہ :- عذاب عظیم (۱۰۸) مَثَلُ الْخَالِدِينَ فِيهَا (۱۱۹) اس میں وہ مدتوں پر رہیں گے۔

یہ قول کہ دوزخ فنا ہو جائے گی لیکن جنت فنا نہیں ہوگی حضرت عمر، ابن مسعود، ابو ہریرہ

ابو سعید وغیرہ سے منقول ہے عبد بن حمید نے اپنی مشہور تفسیر میں سند کے ساتھ حضرت عمر

سے بیان کیا ہے انھوں نے فرمایا کہ اگر دوزخی دوزخ میں علاج وادہی کی ریت کے ذرات کے برابر بھی رہیں پھر بھی ان پر ایک ایسا وقت آئے گا جب وہ دوزخ سے باہر نکل آئیں گے اس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے قول لَا يَبْثِينَ فِيهَا أَحْقَابًا (النبا ۲۷) جس میں وہ مدتوں پڑے رہیں گے۔

کی تفسیر کے ضمن میں ہے نیز وہ کہتے ہیں دوزخ اس کے غضب کا تقاضا ہے اور جنت اس کی رحمت کا تقاضا ہے ارشاد نبوی ہے جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو تحریر کیا وہ تحریر اس کے ہاں عرش پر ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر غلبا ہے رنجاری، مسلم۔

نیز وہ کہتے ہیں اللہ پاک نے عذاب کے بارے میں بتایا ہے۔
عَذَابٌ يَوْمَ عَظِيمٍ - (الانعام ۱۵) بڑے دن کا عذاب۔

نیز عَذَابٌ يَوْمَ الْآلِيمِ - (ہود ۲۶) دردناک دن کا عذاب۔

نیز عَذَابٌ يَوْمَ عَقِيمٍ - (الحج ۵۵) نامبارک دن کا عذاب۔

لیکن نعمتوں کے بارے میں کسی مقام پر بھی یہ نہیں کہا کہ وہ ایک دن کی

نعمت ہے ارشاد خداوندی ہے

عَذَابِي أَصِيبُ بِهِ مَنْ أَشَاءُ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ - (الاعراف ۱۵۹)

ترجمہ:- میرا عذاب اسے تو جس پر چاہتا ہوں اُس کو آتا ہوں اور تجویری رحمت ہے وہ ہر چیز

www.KitaboSunnat.com

کو شامل ہے۔

نیز فرمایا: رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَحْمَةً وَعِلْمًا - (غافر ۷۸)

ترجمہ:- اے ہمارے پروردگار تو ہر چیز پر رحمت اور علم کے ساتھ شامل ہے۔

پس ضروری ہے کہ اللہ کی رحمت عذاب میں گرفتار لوگوں کے حق میں وسیع ہو اگر وہ غیر محدود مدت تک عذاب میں مبتلا رہیں تو اللہ کی رحمت ان کے حق میں وسیع نہ ہوئی صحیح حدیث میں ہے قیامت کے دن کی مدت پچاس ہزار سال ہے اس دن میں عذاب میں مبتلا

سلسلہ حدیث ضعیف ہے اس روایت میں حسن، عمر سے روایت کرتا ہے حالانکہ حسن نے عمر کو نہیں پایا علامہ ابن قیم حادی الارواح میں ۳۸۷ء، طبع کردی اس حدیث کے بعد فرماتے ہیں حسن نے عمر سے سنا نیز ان کا انداز خطابی سے جو دلیل نہیں ہے نیز عبد اللہ بن عمر سے موقوف نامی طرح کی روایت مروی ہے اس کی سند ضعیف ہے نیز ابوالاعمالیہ سے مروی نامور سند کے ساتھ مروی ہے میں نے سلسلہ الامادیث الضعیفہ والمؤنوعہ میں اس پر بحث کی ہے۔

لوگ اپنے جرائم کے حساب سے مدت عذاب میں مختلف ہوں گے احکم الحاکمین کی حکمت ارحم الراحمین کی رحمت کا تقاضا ہرگز یہ نہیں کہ وہ اپنی بیدار کردہ مخلوق کو ہمیشہ ہمیشہ غیر متناہی عذاب میں مبتلا رکھے البتہ اپنی پیدا کردہ مخلوق پر ہمیشہ انعامات فرمائے اور ہمیشہ احسانات کرے تو اس کی حکمت کا تقاضا ہے اور احسان تو بالذات اللہ تعالیٰ کا امر ازہیٰ لیکن انتقام بالعرض مراد ہے نیز وہ کہتے ہیں عذاب کے ہمیشہ ہونے ابدی ہونے عذاب سے نہ نکلنے اور عذاب کے مقیم ہونے کا ذکر نیز یہ کہ عذاب لازم ہوگا سب کچھ درست اور مسلم ہے اس میں کچھ نزاع نہیں ہے یہ تمام الفاظ دارالْعذاب میں ہمیشہ عذاب میں گرفتار رہنے کے مقاصد میں جب تک کہ دار العذاب باقی ہے دارالْعذاب کے بقا کے باوجود اس سے موعیدین کو نکالا جائے گا۔ پس اس شخص کے ایمان جس کو جیل سے نکالا جائے اور جیل اپنے حال پر باقی رہے اور اس شخص کے دین جس کو جیل کے خراب ہونے اور ختم ہونے کے بعد رہا پائی ہو بڑا فرق ہے۔

اور جو لوگ دوزخ کے بقا اور عدم فنا کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-
وَلَا يَذُرُّهُ عَذَابٌ مُّقْتَرَمٌ (اسعدہ ۴۰) اور ان کے لئے ہمیشہ کا عذاب ہے۔

نیز فرمایا لَا يُفْتَرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ (الزحمت ۷۵)

ترجمہ:- کبھی ان کے عذاب میں کمی نہ ہوگی اور وہ اس میں مایوس ہو کر پڑے رہیں گے۔

نیز فرمایا:- فَدَنَّا مِنْهُمْ فَلَا عَذَابَ آتٍ (النبا ۳۰)

ترجمہ:- پس ہم تم کو ہرگز زیادہ نہیں کریں گے مگر عذاب میں۔

نیز فرمایا:- خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ (البینہ ۸)

ترجمہ:- وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

نیز فرمایا:- وَمَا هُمْ بِمُخْرَجِينَ (الحجر ۴۸)

ترجمہ:- اور وہ اس سے ہرگز نہ نکالے جائیں گے۔

نیز فرمایا:- وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ (البقرہ ۱۶۷)

ترجمہ:- اور وہ دوزخ سے نہ نکل سکیں گے۔

نیز فرمایا:- لَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ (۱۱۱ ان ۳)

ترجمہ:- اور وہ بہشت میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے نکل جائے۔

لے یہ آیت کو حجت والوں کے حق میں ہے۔

نیز فرمایا: لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فِيمَؤُودَ إِلَّا يَخْفَ عَسْخَرُ مِنْ عَذَابِهَا (فاطر ۳۶)
ترجمہ: انہیں موت آنے کی کہ وہ مرتبہ میں اور نہ اس کا عذاب ان سے ہلکا کیا جائے گا۔
نیز فرمایا: إِنَّ عَذَابَ أَهْلِهَا كَانَ عَذَابًا - (الفرقان - ۶۵)
ترجمہ: بے شک اس کا عذاب لازم رہنے والا ہے۔

غرائم سے مراد لازم رہنے والا عذاب ہے۔ شاید مقصود آیت مائدہ ہے
وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنْهَا (مائدہ - ۳۶) اور وہ (دوزخ سے) نہیں نکلیں گے۔
سنت متواترہ اس بات پر دال ہے کہ دوزخ سے ان لوگوں کو باہر نکال لیا جائے گا۔
جنہوں نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا ہوگا نیز شفاعت کی حدیثیں اس بات میں صریح ہیں کہ نافرمان
مومنین کو دوزخ سے نکالا جائے گا یہ حکم ان کے ساتھ خاص ہے لیکن اگر کافر بھی دوزخ سے
باہر نکل آئیں تو وہ بھی ایماندار نافرمان مومنین کے مرتبہ میں ہوئے اس طرح دوزخ سے نکالنا
صرف اہل ایمان کے ساتھ خاص نہ ہوگا۔ خیال رہے جنت، دوزخ کا بقا ان کے ساتھ بالذات
خاص نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے باقی رکھنے کے ساتھ ہے

امام طحاوی کا قول :-
اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے لئے مخلوق پیدا کی ہے | ارشاد خداوندی ہے :-

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ (الاعراف ۱۷۹)

ترجمہ :- اور البتہ ہم نے دوزخ کے لئے کثیر (تعداد میں) جن اور انسان پیدا کئے۔
حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو
ایک انصاری بچے کے جنازے کے لئے بلایا گیا میں نے عرض کی کہ
اے اللہ کے رسول! اس کے لئے مبارک ہو یہ تو جنت کی چڑیا ہے اس نے نہ بُرا
عمل کیا نہ ابھی اس عمر کو ہی پہنچا تھا آپ نے فرمایا تیرا یہ عقیدہ ہے حالانکہ معاملہ اس کے بزرگ
ہے اے عائشہ! بے شک اللہ تعالیٰ نے جنت کے لئے ایک مخلوق کو پیدا فرمایا اس نے
ان کو جنت کے لئے پیدا فرمایا جب وہ اپنے باپ کی پشت میں تھے اور اس نے دوزخ کے
لئے ایک مخلوق کو پیدا فرمایا اس نے ان کو دوزخ کے لئے ہی پیدا فرمایا جب کہ وہ اپنے
باپ کی پشت میں تھے (مسلم، ابو داؤد، نسائی)

لے حدیث صحیح ہے تخریج السنۃ لابن ابی عالم (۲۵۱)

ارشاد خداوندی ہے۔ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ اُنْثٰی حَیَ اَنْشَاجَ تَبٰیئِنِهٖ نَجَعْنَاهُ

سَجِدًا بَصِيْرًا اِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيْلَ اَمَّا شَاكِرًا اَوْ اَمَّا كَفُوْرًا (ادھر ۷۰-۳)

ترجمہ :- ہم نے انسان کو نطفہ مخلوط سے پیدا کیا ہے تاکہ اسے آزمائیں تو ہم نے اس کو سنا دیکھنا بنایا (اور) اسے رستہ بھی دکھایا (اب وہ) خواہ شکر گزار ہو یا کفرگرا ہو

اس سے مراد عام راہ نمائی ہے لیکن اس سے بھی عام وہ راہ نمائی ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے۔

اَلَّذِيْ اَعْطٰی كُلَّ شَيْءٍ حُلُقًا ثُمَّ هَدٰی (طہ - ۵۰)

ترجمہ :- جس نے ہر چیز کو اس کی شکل و صورت بخشی پھر راہ دکھائی۔

پس موجودات کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو بالطبع مسخر ہیں دوسرے وہ جو متحرک بالا ارادہ ہیں پہلی قسم کی ہدایت بالطبع مسخر ہونے کے لحاظ سے ہے اور دوسری قسم کی ہدایت ارادی ہے جو بلحاظ نفع، نقصان کے شعور اور علم کے تابع ہے پھر اس نوع کی تین قسمیں ہیں ایک قسم وہ جو صرف خیر کا ارادہ کرتی ہے اس کے سوا اس کا کچھ ارادہ نہیں جیسے فرشتے ہیں دوسری قسم وہ جو صرف شر کا ارادہ رکھتی ہے اس کا سوا کچھ اس کے کوئی ارادہ نہیں جیسے شیاطین تبصری قسم وہ ہے جو خیر اور شر دونوں کا ارادہ رکھتی ہے جیسے انسان پھر اس کی تین قسمیں ہیں ایک صنف وہ جس کا ایمان معرفت اور عقل اس کی خواہش پر غالب ہے وہ فرشتوں کے ساتھ مل جاتا ہے دوسری صنف پہلی صنف کے برعکس ہے وہ شیاطین کے ساتھ مل جاتا ہے تیسری صنف وہ جس کی شہوت بہیمہ اس کی عقل پر غالب ہے وہ چار پایوں کے ساتھ مل جائے گا مقصود یہ کہ اللہ سبحانہ نے دو وجود عطا کئے ہیں ایک وجود عینی ہے دوسرا علمی ہے جس طرح کسی چیز کا موجود ہونا اس کے ایجاد کرنے کے ساتھ ہے اسی طرح اس کی ہدایت اس کی تعلیم کے ساتھ ہے یہ تمام اول اس کی کمال قدرت، وحدانیت، ربوبیت پر دلالت کرتے ہیں۔

امام طحاوی کا قول :-

جس شخص کو چاہے گا جنت میھے گا یہ اس کا فضل ہے اور جس شخص کو چاہے گا دوزخ میھے گا یہ اس کا عدل ہے

یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ثواب کو بند نہیں فرماتا جب تک کہ اس کے سبب کو

بند نہ کیا جائے خیال رہے کہ سبب عمل صالح ہے ارشاد خداوندی ہے :-

مَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَافُ ظُلُمًا وَّ لَا هَضْمًا (طہ - ۱۱۳)

ترجمہ اور جو شخص نیک کام کرے گا اور مومن بھی ہوگا تو اس کو نہ ظلم کا خوف ہوگا اور نہ ہی نقصان کا۔

اسی طرح کوئی شخص اس وقت تک سزا میں مبتلا نہیں کیا جائے گا جب تک کہ سزا کا سبب موجود نہ ہو ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَا آصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فِيمَا كَسَبَتْ آيَاتُكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ (الشوریٰ ۳۰)

ترجمہ ۱۔ اور جو مصیبت تم پر واقع ہوتی ہے سو تمہارے اپنے فعلوں سے اور وہ بہت سے گنہ تو معاف کر دیتا ہے۔

خیال رہے کہ اللہ سبحانہ عطا کرنے والا ہے وہی روکنے والا ہے جس کو وہ عطا کرے اس سے کوئی روکنے والا نہیں اور جس سے وہ روک لے اس کوئی دینے والا نہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی انسان پر ایمان اور عمل صالح کا احسان فرماتا ہے تو اس سے اس کے سبب کو نہیں روکتا بلکہ اس کو ثواب اور تقرب کے ایسے عطیات سے نوازتا ہے جن کو کبھی کسی آنکھ نے نہیں دیکھا نہ کسی کان نے سنا ہے نہ کسی کے دل پر اس کا خیال گذرا ہے اور جب اس کو ثواب اور تقرب کی دولت سے نہیں نوازتا ہے تو اس لئے کہ سبب موجود نہیں ہے یعنی عمل صالح نہیں ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے لیکن یہ سب کچھ اس کی حکمت اور تدبیر کی بنا پر ہے پس اس کا اسباب یعنی اعمال صالحہ سے روک دینا اس کی حکمت اور عدل کی بنا پر ہے لیکن اسباب کے وجود کے بعد عیبت کو کسی حال میں نہیں روکتا لیکن جب اسباب ایسے نہ ہوں جن میں صلاحیت مفقود ہو اس کی صورت یہ ہے کہ یا تو عمل میں فساد ہو یا سبب موجب اور مقتضی کے معارض ہو ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں تقاضی ہی موجود نہیں ہے یا پھر مانع موجود ہے اور جب اس کا منع کرنا اور سزا بوجہ ایمان اور عمل صالح کے نہ ہونے کی وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آزمائش کی وجہ سے حکمت اور عدل کی بنا پر اس کو ایمان اور عمل صالح کا عطیہ نہیں دیا ہے۔ پس دونوں صورتوں میں اللہ کی تعریف کی جائے ہر حال میں اللہ تعالیٰ تعریف کے لائق ہے ہر عطیہ اس کا فضل ہے ہر سزا اس کا عدل ہے بے شک اللہ حکیم ہے وہ چیزوں کو ان کے ایسے مقامات پر رکھتا ہے جن کی وہ صلاحیتیں رکھتی ہیں ارشاد خداوندی ہے۔

وَإِذَا جَاءَ تِلْكَ آيَاتُ رَبِّكَ فَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّكُمْ تَوَافِقُونَ حَتَّىٰ تَوْتُوا فِي مِثْلِ مَا أُوتِيَ رُسُلُ اللَّهِ

اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ. (الانعام ۱۷۵)

ترجمہ:- اور جب ان کے پاس کوئی آیت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ جس قسم کی رسالت خدا کے پیغمبروں کو ملی ہے جب تک کہ اسی طرح کی رسالت ہم کو نہ ملے ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اس کو خدا ہی خوب جانتا ہے کہ (رسالت کا کونسا محل ہے اور) وہ اپنی پیغمبری عنایت فرمائے۔

نیز فرمایا:- ذَكَذَّبَ إِلَهُ فِئْتَا بَعْضُهُمْ يَبْغِضُ بَعْضًا أَهْوَأَ هَؤُلَاءِ مِمَّنْ اللَّهُ عَلَيْهِمُ مِنْ بَيِّنَاتٍ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ. (الانعام ۵۳)

ترجمہ:- اور اسی طرح ہم نے بعض لوگوں کی بغض سے آزمائش کی ہے جو (دولت مند ہیں) وہ غریبوں کی نسبت کہتے ہیں کیا یہی لوگ ہیں جن پر خدا نے ہم میں سے فضل کیا ہے خدا نے فرمایا، بھلا خدا شکر کرنے والوں سے واقف نہیں۔ مزید وضاحت آگے آئے گی افشاء اللہ۔

(ط) وہ استطاعت جس کے ساتھ فعل واجب ہوتا ہے اس کی توفیق سے ہے جائز نہیں کہ اس کے ساتھ مخلوق کو موصوف کیا جائے یہ استطاعت فعل کے ساتھ مقارن ہوتی ہے البتہ وہ استطاعت جو صحت، وسعت، قدرت، اعفاء کی سلامتی کے ساتھ ہے وہ فعل سے قبل ہے اس استطاعت کے ساتھ خطاب متعلق ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:-

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِدْرًا دُسْعًا (البقرہ ۲۸۶)

ترجمہ:- اللہ کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

(مش) استطاعت، طاقت، قدرت، وسعت متقارب الفاظ ہیں نیز استطاعت کی دو قسمیں ہیں جیسا کہ شیخ طحاوی رحمۃ اللہ نے ذکر فرمایا ہے اکثر اہل سنت کا یہی قول ہے یہی قول درست ہے لیکن قدر معزز کہنے میں قدرت فعل سے پہلے ہوتی ہے فعل سے پہلے ہوتی اہل سنت کا ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ قدرت فعل کے ساتھ ہوتی ہے اکثر اہل سنت کا قول یہ ہے کہ بندے کے لئے قدرت ہے جو امر، نہی کا پیش خیمہ ہے یہ قدرت کہیں فعل سے پہلے ہوتی ہے ضروری نہیں کہ فعل کے ساتھ ہو لیکن وہ قدرت جس کے ساتھ فعل ہوتا ہے ضروری ہے کہ وہ فعل کے ساتھ ہو بھلائیے ممکن ہے کہ فعل کا وجود ہو اور قدرت نہ ہو البتہ وہ قدرت جو صحت اور وسعت، طاقت، اعفاء کی سلامتی کے ساتھ متعلق ہے وہ افعال سے قبل ہوتی ہے

اس قدرت کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے ۔

وَبَشِّرِ عَلَى النَّاسِ حِجَّةُ أُمِّيَّتٍ مَنِ اسْتَطَاعَ رَأْيَهُ سَبِيلًا . (آل عمران ۹۷)

ترجمہ : اور لوگوں پر اللہ کے لئے بیت اللہ کا حج ہے جو راستے کی استطاعت رکھتا ہے ۔

تو اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر حج کو فرض کیا ہے جو استطاعت رکھتا ہو اگر استطاعت اس میں سمجھی جائے جو حج کرتا ہے تو پھر حج صرف اس پر ہی فرض ہو جو حج کرتا ہے اور جو حج کو ترک کرتا ہے وہ قابل مؤاخذہ نہ ہو یہ بات اس چیز کے خلاف ہے جو بالضرورۃ دین اسلام میں معلوم ہو رہی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قول :-

فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ . (التعاون ۱۷) تم اللہ سے استطاعت کے مطابق ڈرو ۔

اس میں استطاعت کے لحاظ سے تقویٰ کو واجب قرار دیا ہے اگر کوئی شخص تقویٰ اختیار نہیں کرتا تو یوں سمجھئے کہ اس میں تقویٰ کی استطاعت نہیں ہے اس نے تقویٰ اسی پر واجب قرار دیا ہے جو تقویٰ اختیار کرے اور جو تقویٰ اختیار نہیں کرتا وہ سزا کا مستحق نہیں اس بات کا فاسد ہونا ظاہر ہے اسی طرح ارشاد خداوندی ہے ۔ فَمَنْ لَّمْ يُسْتَطِيعْ فَاُولَٰئِكَ سَبِيلُهُمْ مَسْكِينًا . (البقرہ ۲۸۶)

ترجمہ :- پس جو شخص اس کی استطاعت نہیں رکھتا اس کے لئے ساتھ مسکینوں کا کھانا کھلانا ہے اس سے مراد اباب اور آفات کی استطاعت ہے اسی طرح اللہ سبحانہ نے منافقین کا قول نقل کیا ہے لَوِ اسْتَطَعْنَا لَنَرَّجْنَا عَنْكَ الْوَيْلَ . (النور ۲۳) اگر ہم میں طاقت ہوتی تو ہم تمہارے ساتھ نکلنے ۔ ان کو اس قول میں جھوٹا قرار دیا گیا ہے اگر وہ اس استطاعت کا ارادہ کرتے جس پر یقیناً فعل کی قدرت منحصر ہے تب وہ اس کی نفی کی ویرے جھوٹے نہ بنائے جاتے اور جب ان کو جھوٹا قرار ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ان کا ارادہ یہ ارادہ یا مال کا نہ ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول :-

لَيْسَ عَلَى الضَّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَىٰ وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنْفِقُونَ

خَرْجٌ إِذْ انصَحُوا إِلَيْهِ وَرَسُولِهِ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ وَاللَّهُ عَفُوفٌ

رَحِيمٌ . وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا تَوَلَّوْا لَمْ يَلْبِسْهُمْ غُلَامًا فَوَلَّىٰ وَآلَهُمَا خَمِيلٌ

عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَاعْتَنَاهُم بِقِيصٍ مِّنَ الدِّمَارِ خَرَجُوا أَن لَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ

إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَنتَظِرُونَ مِنَّا نُفْلِتَ وَهُمْ غَنِيَاءُ لِّقَوْلِهِمْ لِيَا أَلِ بْنِ أَبِي مَرْيَمَ

الْحَوَالِي وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ . (النور ۹۱-۹۳)

ترجمہ :- نہ تو متعینوں پر کچھ گناہ ہے اور نہ بیماروں پر اور نہ ان پر جن کے پاس خرچ موجود

نہیں ہے (کہ شریک جہاد ہوں یعنی) جب کہ خدا اور اس کے رسول کے نیر اندیش
 اور دل سے ان کے ساتھ) ہوں نیکو کاروں پر کسی طرح کا الزام نہیں ہے اور خدا
 بخشنے والا مہربان ہے۔ اور نہ الی دے سرو سامان (لوگوں پر الزام) ہے کہ
 تمہارے پاس آئے کہ ان کو سواری دو تو تم نے کہا کہ میرے پاس تو کوئی ایسی چیز
 نہیں ہے جس پر میں تم کو سوار کر دوں تو وہ لوٹ گئے اور اس غم سے کہ ان کے
 پاس خرچ موجود نہ تھا ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے الزام تو ان لوگوں
 پر ہے جو دولت مند ہیں اور پھر تم سے اجازت طلب کرتے ہیں (یعنی) وہ اس
 بات سے خوش ہیں کہ عورتوں کے ساتھ جو پیچھے رہ جاتی ہے گھر دین میں بیٹھیں
 خدا نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے پس وہ تو سمجھتے ہی نہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قول: وَمَنْ كَفَرَ يَسْطِغْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْفَعَهُ الْمُحْصَنَاتِ
 الْمُؤْمِنَاتِ فَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ (النساء ۲۵)

ترجمہ :- اور جو شخص تم میں سے مومن آزاد عورتوں (یعنی بیبیوں) سے نکاح کرنے کا مقدر
 نہ رکھے تو مومن لونڈیوں ہی سے جو تمہارے قبضہ میں آگئی ہوں (نکاح کرے)

اس سے مراد آلات اور اسباب کی استطاعت ہے اسی طرح ارشاد نبوی ہے: آپ
 نے عمران بن حصین سے کہا کھڑے ہو کہ نماز ادا کرو اگر کھڑے ہونے کی استطاعت نہ ہو
 تو بیٹھ کر اگر بیٹھنے کی بھی طاقت نہ ہو تو پہلو کے بل سٹھکھڑے کہ اس میں عدم اسباب
 کی بنا پر فعل کی استطاعت کی نفی کی ہے۔

البتہ وہ استطاعت جو حقیقتاً قدرت ہے اس کے سمجھنے کیلئے ارشاد خداوندی ملاحظہ فرمائیں۔
 مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ - (هود ۲۰)

ترجمہ :- وہ تھے وہ طاقت رکھتے سننے کی اور نہ دیکھنے وہ دیکھتے۔

مقصود حقیقی قدرت کی نفی ہے آلات اور اسباب کی نفی نہیں ہے وہ تو موجود ہے اس
 کی مزید وضاحت مائیں کے اس قول :- وہ اتنی ہی طاقت رکھتے جتنے کہ وہ مکلف ہیں کے ضمن
 میں آئے گی۔ انشاء اللہ۔ اسی طرح موسیٰ کے صاحب حضرت خضر علیہ السلام کا قول :-

إِنِّي لَكُنْ تَسْتَطِيعُ مَعِيَ صَبْرًا (الکہف - ۷۵)

لہ بخاری صفة السلوة من ۶۷

ترجمہ: بے شک تو میرے ساتھ صبر کی استطاعت نہیں رکھ سکتا۔

نیز موسیٰ علیہ السلام کا قول: اِنَّهُ اَقْبَلَ ذٰلِكَ اِنَّكَ كُنْتَ تَسْتَلِیْعُ مَعِيَ مَبْرًا (الکہف ۷۵)

ترجمہ: میں نے تجھ سے کہا نہیں تھا کہ تو میرے ساتھ صبر کی طاقت نہیں پاسکتا۔

مراد صبر کی حقیقی قدرت ہے صبر کے اسباب اور آلات کی نفی نہیں ہے یہ تو موجود ہے کیا آپ دیکھتے نہیں ہیں کہ حضرت خضرؑ نے اس پر ناراضگی کا اظہار کیا ہے اور وہ شخص کسی کام کے نہ کرنے پر قابل ملامت نہیں ہوتا جس کے پاس صبر کے اسباب اور آلات نہ ہوں قابل ملامت تو وہ ہوتا ہے جو فعل کی قدرت ضائع کر دیتا ہے اور فعل نہیں کرتا اس لئے کہ اس کی مشغولیت ایسے افعال میں ہیں جن کا اسے حکم نہیں دیا گیا تھا یا اس لئے کہ وہ مامور کاموں میں مشغولیت کیوں نہیں رکھتا۔

اور جو لوگ کہتے ہیں کہ قدرت فعل کے وقت ہوتی ہے وہ کہتے ہیں کہ قدرت مندرجہ کی صلاحیت نہیں رکھتی اس لئے کہ وہ قدرت جو فعل کے ساتھ مقارن ہے وہ اسی فعل کی صلاحیت رکھتی ہے وہ اس کے ساتھ مستلزم ہے اس کے علاوہ اس کا وجود نہیں ہے۔ قدرت کا قول: کہ اللہ نے مومن کا فریاد کو کاربیکار سب کو برابر طاقت دی ہے۔ ان کے فاسد اصل پر مبنی ہے چنانچہ وہ اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مومن فرمانبردار کو ایسی اعانت کے ساتھ خاص کیا ہے جس سے وہ ایمان لایا بلکہ اس نے بنفسہ اطاعت کو ترجیح دی اور دوسرے نے بنفسہ معصیت کو ترجیح دی جس طرح کہ ایک باپ نے اپنے سر پر بیٹے کو توار دی ایک نے توار کے ساتھ راہ خدا میں جہاد کیا۔ دوسرے نے ڈاکہ ڈالا قدریہ کا یہ قول مائل ہے اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے جو تقدیر کے اثبات کے قائل ہیں نیز ان کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرمانبردار ایمان وادبندے کو دینی نعمتوں سے نوازتا ہے اور اطاعت کے کاموں پر اس کی اعانت فرماتا ہے کافر کو نہ نوازتا ہے نہ اس کی اعانت دیتا ہے جیسا کہ فرمان خداوندی ہے:

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبِیْبُ الْيٰكُفْرِ اِنَّ یٰمَنَ وَرَیْبَهُ فِیْ قُلُوْبِهِمْ وَكُنَّا اَعْیُنَ كُفْرٍ الْفُجْرُوْا اَنْفُسُوْا اَلَمْ یَبْنِ اَوْ لَمِیْدَ هُمْ اَلْوَلٰی اَشْهَدُوْنَ۔ (الحجرات ۷)

ترجمہ: لیکن خدا نے کفر کو ایمان عزیز بنا دیا ہے اور اس کو تمھارے دلوں میں بادیایا ہے اور کفر اور گناہ اور نافرمانی سے تم کو بیزار کر دیا ہے یہی لوگ راہ ہدایت پر ہیں۔

لیکن قدر بہ نسبت ہیں کہ اللہ کا محبوب بنانا اور مزین کرنا تمام مخلوق میں عام ہے اس کا مطلب بیان کرنا اور حق کے دلائل کا اظہار ہے۔ لیکن ہم کہیں گے کہ مذکورہ آیت ایمانداروں کے ساتھ خاص ہے اسی لئے تو اُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّشِدُونَ۔ الحجت یہی لوگ ہدایت والے ہیں کہ اسے ظاہر ہے کہ کفار و رشد والے نہیں ہوتے نیز فرمایا:-

فَمَنْ يُؤْمِرِ اللَّهُ أَنْ يَخْشَوْهُ كَخَشْيَةِ اللَّهِ دَرَكًا مِنْ سَلَامَةٍ وَمَنْ يُوَدِّدْ أَنْ يَفْزَنَهُ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ ضِيقًا حَرْجًا كَمَا تَأْتِي يَضَعِدُ فِي السَّمَاءِ لَكَ بِكَ يَجْعَلُ اللَّهُ الْإِيمَانُ عَلَى الْإِيمَانِ لَا يَكُونُ هَذَا نَعْمَ (۱۲۶)

ترجمہ:- جس شخص کو خدا چاہتا ہے کہ ہدایت بخشنے تو اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے کہ گمراہ کرے اس کا سینہ تنگ اور گھٹا ہوا کر دیتا ہے گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے اس طرح خدا ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے عذاب بھیجتا ہے۔

اس قسم کی آیات قرآن پاک میں کثرت کے ساتھ ہیں جن میں وضاحت ہے کہ اللہ پاک نے فلاں کو ہدایت دی فلاں کو گمراہ کیا ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَنْ يُضِلِّ اللَّهُ فَتُحْدِثْ لَهُ ذَرْبًا مَرَّ شَدِيدًا (الکہف: ۱۷)

ترجمہ:- اور جس کو اللہ گمراہ کرے تو تم اس کے لئے کوئی درست راہ بتانے والا نہ پاؤ گے۔

اس بات کا بیان کہ قدریہ کے ہاں قدرت فعل سے قبل ہے اور اس کا رد اودہ کہتے ہیں طاعات کا فاعل اور تارک دونوں اعانت خداوندی میں مساوی ہیں اگر طاعات کے فاعل کی اعانت ہوتی ہے تو یہ تزییح بلا مرجع ہے اسی کے ہاں فعل سے قبل قدرت ہوتی ہے لیکن فعل کے ساتھ خاص طور پر قدرت کا ہونا ان کے ہاں متنع ہے جس طرح فاعل کا سال فعل سے قبل ہوتا ہے اسی طرح فعل کے وقت ہوتا ہے ہم کہتے ہیں جو قدرت فاعل کو حاصل ہوتی ہے وہ تارک کو حاصل نہیں ہے اور قدرت اللہ کی طرف سے ہے مومن کو ترجیح دی ہے اس لئے کہ سبب مرجع موجود ہے مومن کا فردوں کو مساوی قرار دینا تو مکابرہ ہے اور عقل کے خلاف ہے نیز ان کا یہ کہنا کہ قدرت فعل سے پہلے ہوتی ہے فعل کے وقت نہیں ہوتی یہ بھی باطل ہے اور عقل کے خلاف ہے ظاہر ہے کہ کسی فعل کا وجود (جب اس کے وجود کی شرطیں مفقود ہوں) متنع ہوتا ہے بلکہ نزدیکی سے کہ جن امور وجود پر فعل کا توقف ہے وہ فعل کے وقت موجود ہوں پس ان کے قول کے خلاف قول

صحیح ہے کہ فعل کے ساتھ قدرت ہوتی ہے۔

لیکن قدرت کا اثبات کرنے والے دو گروہ ہوں ہیں تقسیم ہو گئے ہیں ایک گروہ نے کہا قدرت فعل کے ساتھ ہے ان کا خیال کہ قدرت ایک نوع ہے اس میں ضدین کی صلاحیت نہیں ہے اور دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ قدرت عرض ہے اس کا دوزمانوں میں بقا ممکن نہیں لہذا اس کا فعل کے وجود سے قبل ہونا ممنوع ہے۔

راہ جواب یہ ہے کہ قدرت کی دو قسمیں ہیں مبدیہ کہ پہلے بھی اس کا ذکر ہو چکا ہے قدرت کی ایک قسم فعل کو صحیح کرنے والی ہے اس کے ساتھ فعل، ترک دونوں ممکن ہیں اس قدرت کے ساتھ امر، نہی کا تعلق ہے اور یہ قدرت اطاعت گزار اور نافرمان دونوں کو فعل سے قبل حاصل ہوتی ہے اور فعل تک باقی رہتی ہے یا تو وہ خود قائم رہتی ہے ان کے ہاں جو اعراض کے بقا کے فاسک ہیں یا ان کی مثل قدرت کا تجدد ہوتا رہتا ہے ان لوگوں کے ہاں جو اعراض کا بقا دوزمانوں میں تسلیم نہیں کرتے اس صورت میں قدرت ضدین کی صلاحیت رکھتی ہے اور اللہ کا حکم اس قدرت کے ساتھ مشروط ہے جس میں یہ طاقت نہ ہو اس کو اللہ تعالیٰ تکلیف نہیں دیتا اس کی نقیض عجز ہے نیز شرعی استطاعت اس استطاعت سے خاص ہے جس کے معدوم ہونے کی صورت میں فعل ممنوع ہو جائے شک شرعی استطاعت کبھی اس کے نہ ہونے کی صورت میں فعل کا تصور ہوتا ہے اگرچہ عاجز نہیں ہوتا لہذا شارع اپنے بندوں پر آسانی کرتا ہے ان کے ساتھ آسانی کا ارادہ کرتا ہے تنگی کا ارادہ نہیں کرتا اس نے تم پر دین میں کچھ تنگی نہیں رکھی ہے بیمار کبھی کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے کی استطاعت رکھتا ہے اگرچہ کھڑے ہونے میں مرض میں اضافہ ہو گا۔ اور صحت میں تاخیر ہوگی یہ شخص بوجہ مرض کے شرعا غیر مستطیع ہے اگرچہ بظاہر ہم اس کو مستطیع سمجھتے ہیں تو شائع شرعی استطاعت میں مجرد امکان فعل کو ملحوظ نہیں رکھتا بلکہ اس کی نظر میں لوازم بھی ہوتے ہیں اگر مفسدہ واجہ کے ساتھ فعل کا امکان ہو تو یہ استطاعت شرعی نہ ہوگی جیسے وہ شخص جو حج پر قادر ہے اس کے ساتھ ساتھ اس کے بدن یا مال میں کسی آفت کا بھی خطرہ ہے یا بصورت قیام نماز ادا کرتا ہے انہیں بیماری کے زیادہ ہونے کا اندیشہ ہے یا دو ماہ کے روزے رکھتا ہے خطرہ ہے کہ اس کی گزراوقات سے اسباب غم ہو جائیں گے توجیب شائع نے استطاعت کے ساتھ مفسدہ راجحہ کے عدم کی شرط لگائی ہے تو عاجز انسان کو کیسے مکلف سمجھا جائے گا لیکن یہ استطاعت فعل کے وقت کے بقا تک بھی مل کے وجود کے لئے کافی نہیں اگر کافی ہوتی تو فعل نہ کرنے والا کرنے والے کی مثل ہوتا بلکہ ایک

دوسری اعانت کا مقدار ہونا ضروری ہے وہ فاعل کا ارادہ ہے اس لئے کہ فعل قدرت اور ارادہ کے بغیر مکمل نہیں ہوتا اس استطاعت میں پختہ ارادے کو دخل ہے لیکن مکلف کے لئے قدرت کی شرط میں ارادہ کی شرط نہیں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اس شخص کو بھی فعل کا حکم دیتا ہے جو اس کا ارادہ نہیں کرتا لیکن اس کو حکم نہیں دیتا کہ اگر وہ اس کا ارادہ کرے تو اس سے عاجز رہے اسی طرح لوگوں کے آپس میں ایک دوسرے کو حکم دینے کے مسائل میں مثلاً ایک انسان اپنے غلام کو ایسا حکم دیتا ہے جس کا غلام ارادہ نہیں کرتا لیکن ایسا حکم نہیں دیتا جس سے غلام عاجز ہو اور جب ارادہ مجازمہ اور قوت تامہ کا اجتماع ہوتا ہے تو فعل کا پایا جانا لازم ہو جاتا ہے اسی پر تکلیف مالا یطاق کی بنیاد ہے پس جو شخص کہتا ہے کہ قدرت فعل کے ساتھ ہوتی ہے وہ کہتا ہے کہ ہر کار فراقسق کو تکلیف دیتی دی گئی ہے مالا یطاق دو چیز کا نام ہے ایک مالا یطاق عجز کی وجہ سے ہے اس صورت میں اللہ تعالیٰ نے کسی کو تکلیف نہیں دی دوسری مالا یطاق بوجہ اس کی ضد کے ساتھ مشغولیت کے ہے پس یہ وہ ہے جس پر تکلیف واقع ہوتی ہے جیسا کہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو حکم دیتے ہیں تو اس میں اس کو حکم دینے اور دوسرے کو حکم دینے میں تغاقر ہوتا ہے مثلاً آقا اپنے اندھے غلام کو قرآن پاک میں نفلے لگانے کا حکم نہیں دیتا اور جب وہ بیٹھا ہو تو اس کو کھڑے ہونے کا حکم دیتا ہے ان میں بدیہی طوہر فرق معلوم ہے۔

(ط) بندوں کے افعال اللہ کی مخلوق ہیں اور بندوں کا کسب ہیں)

(ش) بندوں کے افعال اختیار یہ میں لوگ مختلف ہیں جبر یہ اور ان کا رئیس جہم بن صفوان کا خیال ہے کہ تمام مخلوق کے افعال میں تدبیر اللہ کے لئے ہے تمام افعال اضطراری ہیں جیسے ریشہ مرصن والے کی حرکات اور ابھرنے والی رگوں کی حرکات نیز درختوں کی حرکات وغیرہ ان کی حرکات کی اضافت مخلوق کی طرف مجازی ہے یہ حرکات اس لحاظ سے ہیں جس طرح کسی حرکت کرنے والی چیز کی اضافت اس کے محل کی طرف ہوتی ہے اس کے محرک کی طرف نہیں ہوتی ان کے بالمقابل معتزلہ کا خیال ہے کہ تمام حیوانات کے تمام افعال اختیار یہ تو حیوان کے پیدا کرنے کے ساتھ ہیں اللہ کے خلق کے ساتھ ان کا کچھ تعلق نہیں پھر وہ آپس میں اختلاف رائے والے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال پر قادر ہے یا نہیں۔

اہل حق کا قول ہے کہ لوگ اپنے افعال کے ساتھ اطاعت گزار اور نافرمان ہیں تمام افعال اللہ کی مخلوق ہیں نیز اللہ سبحانہ مخلوقات کے خلق میں منفرد اس کے سوا ان کا کوئی خالق

نہیں جبر یہ نے تقدیر کے اثبات میں غلو کیا انھوں نے بندے کے عمل کی بالکل نفی کر دی ہے جیسا کہ مشبہ نے اثبات صفات میں غلو کیا اللہ کی صفات کو بندوں کی صفات کے مشابہ قرار دے دیا اور قدریہ نے تقدیر کی نفی کرتے ہوئے اللہ کے ساتھ بندوں کو بھی خالق قرار دیا اسی لئے انھیں اس امت کے مجوسی قرار دیا گیا بلکہ یہ تو مجوسیوں سے بھی بدتر ہیں جب کہ مجوسیوں نے دو خالق ثابت کئے انھوں نے کئی خالق ثابت کر دیئے اور اللہ نے ایماندار اہل سنت کو مختلف فیہ باتوں میں اپنے حکم کے ساتھ حق کی ہدایت کی اور اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھے راہ کی ہدایت دیتا ہے پس ہر دلیل صحیح جس کو جبری پیش کرتا ہے وہ اس بات پر دال ہے کہ اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور بندوں کے افعال اس کی مخلوقات میں سے ہیں اور وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا نیز وہ اس پر دال نہیں کہ بندہ فی الحقیقت فاعل نہیں نہ ارادے والا ہے نہ اختیار والا ہے نیز اس بات پر بھی دل نہیں کہ اس کو اختیاری حرکات و سکنات کے واسطے کی حرکت، ہواؤں کے چلنے اور درختوں کی حرکت کے مثل ہے اور ہر صحیح دلیل جس کو قدری پیش کرتا ہے وہ اس بات پر دال ہے کہ بندہ اپنے فعل کا حقیقی فاعل ہے اور وہ حقیقتاً ارادے والا اختیار والا ہے اور اس کی اصناف اور نیت اس کی طرت درست ہے نیز وہ اس پر دال نہیں کہ وہ فعل اللہ کی قدرت کے تحت نہیں اور وہ اللہ کی مشیت اور قدرت کے بغیر ہونے والا ہے جب ہر گروہ کے صحیح دلائل دوسرے گروہ کے صحیح دلائل سے ملائے جائیں تو ان کی دلالت ان چیزوں پر ہوگی جن پر قرآن اور دیگر منزل من اللہ کتابیں دلالت کرتی ہیں کہ اللہ کی قدرت عام ہے اور کائنات کی تمام چیزیں خواہ وہ اعیان ہیں یا افعال ہیں تمام اس کی مشیت کے تابع ہیں اور تمام لوگ حقیقتاً اپنے افعال کے فاعل ہیں نیز ان پر ہی وہ تعریف اور مذمت کے حقدار ہوتے ہیں پس لامر ہی چیز موجود ہے کہ دلائل حقہ میں باہم تعارض نہیں ظاہر ہے کہ حق تو حق کی تصدیق کرتا ہے یہ مختصرت بفریقین کے دلائل پیش کرنے سے قاصر ہے دراصل وہ تقابلی دلائل ہیں اور تقابل میں اگر ساقط ہو جاتے ہیں ہر فریق کے دلائل دوسرے فریق کے دلائل کو باطل بنا رہے ہیں مختصراً دونوں فریقوں کے کچھ دلائل ذکر کروں گا اس کے بعد واضح کروں گا کہ اس دلیل سے باطل کو ثابت نہیں کیا جاسکتا ہے۔

بجز یہ کے دلائل | ارشادِ خداوندی ہے: وَقَدْ مَكَتَ إِذْ ذُمِّمْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ دَعَا (الانفال: ۱)

ترجمہ :- جب تو نے پھینکا تو تو نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا۔

اللہ سبحانہ نے اپنے پیغمبر سے رمی کی نفی کی ہے اور اس کو اپنے لئے ثابت کیا ہے معلوم ہوا انسان کا کچھ عمل نہیں ہے نیز وہ کہتے ہیں جزا کا ترتب اعمال پر نہیں ہے دلیل میں رسول اکرم کی حدیث پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں داخل نہیں ہوگا صحابہ نے دریافت کیا اے اللہ کے رسول! آپ بھی نہیں آپ نے فرمایا میں بھی نہیں الایہ کہ مجھ پر اللہ کی رحمت اور اس کا فضل سایہ افکن ہوگا۔

قد یہ کے دلائل | ارشاد خداوندی ہے: قَتِيلًا رَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ (المومن ۱۳)
ترجمہ: پس خدا جو سب سے بہتر بنانے والا بڑا بابرکت ہے۔

وہ کہتے ہیں جزا کا اعمال پر ترتب بالکل اسی طرح ہے جس طرح غرض کا معوض پر ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: وَجَزَاءُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (السمیۃ ۱۲ الاحقاف ۲۲)
ترجمہ :- ان کے اعمال کا بدلہ ہے۔

نیز فرمایا: وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (الاعراف ۴۲)
ترجمہ :- اس جنت کے تم وارث بنائے جاتے ہو جو تم عمل کرتے تھے۔

جبر یہ کے دلائل کا رد | ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول: وَمَا مِثَّتْ اِذْ مِيتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَحِيْمٌ اَعْلٰی (الانفال ۱)
ترجمہ :- جب تو نے پھینکا تو تو نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکا۔

یہ آیت تو ان کے خلاف دلیل ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس قول اِذْ مِيتَ، جب تو نے پھینکا۔ میں رمی کو ثابت کیا ہے معلوم ہوا مثبت اور ہے منفی اور ہے تفصیل یہ ہے کہ رمی کی ابتدا بھی ہے نیز اس کی انتہا بھی ہے رمی کی ابتدا کنکر پھینکنا ہے اس کی انتہا کنکر کو پہنچانا ہے ان میں سے ہر ایک رمی ہے تو معنی یوں ہوا جب تو نے مارا تو تو نے پہنچایا نہیں لیکن اللہ نے پہنچایا وگرنہ یہ جملہ ان کے اس جملہ کے عین مطابق ہے تو نے نماز ادا نہیں کی جب تو نے نماز ادا کی لیکن اللہ نے نماز ادا کی۔ تو نے روزہ نہیں رکھا جب جب تو نے روزہ رکھا، تو نے زنا نہیں کیا جب تو نے زنا کیا، تو نے چوری نہیں کی جب تو نے چوری کی ان جملوں کا فاسد ہونا ظاہر ہر ہے لیکن اعمال پر جزا کا ترتب اس میں جبر یہ، قدر

سہ مسلم من حدیث ابی ہریرۃ / جابر، عائشہ۔

گمراہ ہو گئے لیکن اہل سنت کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے ولہ الحمد والمستہ -

خیال رہے منفی جملہ میں بآ کا وہ معنی نہیں ہوتا جو مثبت جملہ میں ہوتا ہے مثلاً ارشاد نبوی :-
 لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ اَحَدٌ بِعَمَلِهِ (کوئی شخص اپنے عمل کے عوض جنت میں داخل نہیں ہو گا) میں
 بآ عوض کے لئے ہے یعنی انسان کو جنت میں داخلہ دلانے کے لئے عمل ثمن کی طرح ہے جیسا کہ معتزلہ
 کا خیال ہے کہ عمل کرنے والا اپنے عمل کی وجہ سے اپنے رب کے ہاں جنت میں جانے کا استحقاق
 رکھتا ہے بلکہ یہ تو اللہ کی رحمت اور اس کے فضل کے ساتھ ہے اور وہ بآ جو اللہ تعالیٰ کے قول :-
 جَزَاءُ عَمَلِكُمْ كَالَّذِي اَلَيْسَ لَكُمْ بِهِ عَمَلٌ (آسم السجدہ ۱۷)
 ترجمہ :- ان کے اعمال کا بدلہ ہے -

میں ہے بآ سببیت ہے یعنی تمہارے عمل کے سبب سے اور اللہ تعالیٰ اسباب اور
 مسببات کا خالق ہے بس تمام کا مرجع اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے -
 معتزلہ کے دلائل کا رد [ارشاد خداوندی - فَبِمَا ذَكَرَ اللَّهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِينَ (الزمر ۶۱)]
 ترجمہ :- خدا برکت والا ہے جو بہتر بنانے والا ہے -

اس کا معنی ہے اللہ تمام مصوروں سے بہتر مصور ہے - چنانچہ خلق کا لفظ ذکر کر کے اس سے
 مراد تقدیر یا جاتا ہے یہاں یہی معنی ہرگز ہے اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا قول ہے -
 اَللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (الرعدہ ۱۸، الزمر ۶۸) اللہ ہر چیز کا خالق ہے -

یعنی اللہ تعالیٰ ہر مخلوق کا خالق ہے پس کل کے عموم میں انسانوں کے افعال بھی داخل
 ہیں لیکن ان کا یہ قول کس قدر فاسد ہے کہ کلام اللہ بھی کل کے عموم میں داخل ہے حالانکہ کلام
 اللہ تو اللہ کا وصف ہے اس کا مخلوق ہونا محال ہے نیز انھوں نے اپنے افعال کو بھی کل
 کے عموم سے خارج کر دیا جو کہ مخلوق ہیں حالانکہ کل کے عموم میں وہ تمام داخل ہیں جو مخلوق ہیں -
 لیکن اللہ کی ذات مقدس اور اس کے اوصاف اس عموم میں داخل نہیں ہیں جب کہ تمام مخلوقات
 اس میں داخل ہے اسی طرح اللہ کا یہ قول :-

وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ (الصافات ۹۶) اور خدا تمہارا اور تمہارے اعمال کا خالق ہے -

ہم نہیں کہتے کہ تمہاری ہی ہے یعنی یہ معنی نہیں کہ اللہ نے تم کو اور تمہارے عمل کو پیدا کیا اس لئے
 کہ آیت کا سیاق و سباق بھی اس کا انکار کر رہا ہے ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان پر ان
 چیزوں کی عبادت کا انکار کیا ہے جن کو گھڑا گیا تھا مگر نے انکار نہیں کیا نیز آیت اس پر بھی دال ہے

لوگھڑی گئی پیر اللہ کی مخلوق ہے ایتہ فعل ان کا ہے تو ان کے افعال کے آثار اللہ کی مخلوق ہوں گے اگر گھڑنا اللہ کی مخلوق نہیں تو گھڑا گیا بھی اللہ کی مخلوق نہیں بلکہ وہ تو مرت کڑی، پتھر ہیں متاخرین معتزلہ کے امام ابو الحسین بھری نے ذکر کیا ہے کہ یہ ضروری ہے کہ انسان اپنے فعل کا محدث ہے امام رازی نے ذکر کیا ہے کہ یہ ضروری ہے کہ فعل محدث ممکن کا امتیاج مرجع کی جانب ہے مرجع کی موجودگی میں اس کا وجود واجب ہو گا عدم موجودگی میں متمنع ہو گا دونوں کی بات صحیح اور بدیہی ہے لیکن ان دونوں میں سے کسی ایک کا دوسرے کے علم کو باطل قرار دینا غیر مسلم ہے دونوں کی بات درست ہے ظاہر ہے کہ بندے کو اپنے فعل کا محدث قرار دینے نیز اس احداث کے وجود کے واجب ہونے کو اللہ کی مشیت کے ساتھ معلق کرنے میں منافات نہیں ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:-

وَالنَّفْسُ وَمَا سَوَّاهَا فَأَنهَآ فَجُورَ هَآ وَتَقْوَاهَا - (الشس ۷-۸)

ترجمہ:- اور نفس انسانی کی اور اس ذات کی قسم جس نے ہوا کو بدکاری سے بچنے، اور پرہیزگاری کرنے کی بجوئی۔

پس اللہ کے قول:- فَأَنهَآ فَجُورَ هَآ وَتَقْوَاهَا - (الشس ۷-۸)

ترجمہ:- پھر اس کو بدکاری سے بچنے، اور پرہیزگاری کرنے کی سمجھ دی -

میں تقدیر کا اثبات ہے نیز بندے کے فعل کا اثبات ہے جب کہ برائی اور تقویٰ کی نسبت

اس کے نفس کی طرف ہے معلوم ہوا نفس مجبور والا اور تقویٰ والا ہے اس کے بعد اللہ کے قول:-

قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا - (الشس ۹-۱۰)

توجہ:- کہ جس نے رپے، نفس (یعنی روح) کو پاک رکھا وہ مراد کو پہنچا اور جس نے اسے خاک

میں ملا دیا وہ خسارے میں رہا -

میں بھی بندے کے فعل کا اثبات ہے اس مضمون کی آیات کثرت کے ساتھ وارد ہیں -

ایک شبہ: لوگوں کے شبہات میں سے یہ دوسرا شبہ ہے جس نے ان کو ٹوٹے ٹوٹے کر دیا ہے تفصیل

یہ ہے وہ کہتے ہیں تمہارا یہ قول کہ اللہ مکلفین کو ان کے گناہوں کے مطابق عذاب میں مبتلا کرتا ہے

جب کہ ان کے گناہوں کا خالق اللہ ہے کیسے درست ہو سکتا ہے؟ ان کو عذاب دینا کہاں کا عدل

ہے؟ حالانکہ اللہ ہی خالق اور فاعل ہے علم میں ہی سوال ہمیشہ زبان زد عوام و خواص رہا اور

ہر شخص نے اپنے علم و فضل کے مطابق اس کا جواب دیا یہ ہیں سے ان کے راہ مختلف ہوئے ایک

گروہ نے انسانوں کے افعال کو اللہ کی قدرت سے نکال دیا دوسرے گروہ نے سوال کا رد وازہ

بند کرنے ہوئے حکم اور علت کا انکار کیا تیسرے گروہ نے انسان کے کسب کو ثابت کیا اور ثواب و عقاب کا اس پر انحصار کر دیا چوتھے گروہ نے فعل کے وقوع کو دو قدرت والوں کا مقدر اور دو فاعلوں کا مفعول قرار دیا پانچویں گروہ نے جبر کو لازم قرار دیا نیز وہ جن پر قادر بھی نہیں ہیں ان پر بھی اللہ تعالیٰ ان کو عذاب میں گرفتار کرے یہ وہ سوال ہے جس نے ان میں افتراق اور اختلاف کی تبلیغ کو وسیع کر دیا ہے۔

اس کا ازالہ | اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ جن وجودی گناہوں میں بندہ مبتلا ہو تو اسے اگرچہ وہ اللہ کی مخلوق ہیں لیکن بندے کو اس سے پہلے گناہوں پر سزا دی جاتی ہے ظاہر ہے کہ ایک گناہ دوسرے گناہ کو لاتا ہے برے کام کی تکرار سزا کا کام ہے گویا کہ گناہ ہماریوں کی مثل ہیں جو یکے بعد دیگرے آتی ہیں اب پہلے گناہ کے بارے میں سوال باقی رہتا ہے جو دیگر گناہوں کو لانے والا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ نیکو جس کام کے لئے پیدا کیا تھا کیا اس فعل کو سرانجام نہ دینے پر اس کو سزا دی جاتی ہے (سزا کی شکل میں اس سے گناہ صادر ہوتا ہے) ظاہر ہے کہ اللہ پاک نے بندے کو ایک اللہ و مددہ لا شریک کی عبادت کے لئے پیدا فرمایا نیز اس کو اس لئے پیدا فرمایا کہ وہ محبت الہی اور انابت الی اللہ کے ساتھ موصوف ہے، جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

فَأَنذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّى حَنِيفًا فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ آلَآءَ سَ عَلَيْهَا (الروم - ۳۰)

ترجمہ - تو تم ایک طرف کے ہو کر دین (خدا کے رستے) پر سیدھا منہ کئے چلے جاؤ (اور) خدا کی

فطرت کو تم پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا (اعتقاد کیجئے رہو)

جب انسان نے وہ کام نہ کیا جس کے لئے اس کی تخلیق کی گئی تھی اس نے اللہ کی محبت اور اس کی عبودیت اور انابت سے منہ پھیرا تو اس پر اس کو سزا دی گئی کہ شیطان نے اس کے لئے شرک اور نافرمانیوں کو مزین کر دیا شیطان نے دیکھا کہ انسان کا دل خیر اور شرفوں کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اگر اس میں محض خیر ہوتی تو اسے شر پر قدرت حاصل نہ ہوتی جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:-

كَذَٰلِكَ يَنْفِرُ عَنْهُ الشَّيْطَانُ إِذْ فَتَحُوا أَبْوَاعَهُمْ لِمَنْ عِبَادَتَا الْمُتَخَلِّصِينَ (يوسف - ۲۳)

ترجمہ - اس لئے دیکھا گیا ہے کہ ہم ان سے بڑائی اور بے مانی کو روک دیں بے شک وہ ہمارے

خالص بندوں میں سے تھے۔

نیز انہیں نے کہا: "فِيْهِ زِيْنَتٌ لِّمَنْ يَّخْلُقُ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخَلَّصِينَ" (م - ۸۷-۸۸)

ترجمہ - پس تیری عزت کی قسم سوائے تیرے مخلص بندوں کے سب کو گمراہ کر دوں گا۔

نیز ارشاد خداوندی ہے: **هَذَا صِرَاطٌ عَلٰی مَّسْتَقِيْمٍ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ (ابراہیم)**
ترجمہ: (اُتار دینے) فرمایا کہ مجھ تک (پہنچنے کا) یہی سیدھا راستہ ہے تو میرے (مخلص) بندے ہیں ان پر
تجھے کچھ قدرت نہیں (کہ ان کو گنہ میں ڈال سکوں)

اخلاص یہ ہے کہ انسان کا دل ماسوی اللہ کی عبادت، ارادہ، محبت سے خالی ہو صرف اللہ کے لئے خاص ہو کہ شیطان کو اس پر قدرت حاصل نہ ہو لیکن جب شیطان انسان کے دل کو اخلاص سے خالی پاتا ہے تو اس پر مسلط ہونے کی کوشش کرتا ہے تو عدم اخلاص کی بنا پر اس کو سزا دیتے ہوئے اس کو گنہ بگاہ بدکردار بنا دیتا ہے یہ اللہ کا محض عدل ہے اگر کوئی شخص اعتراف کرے کہ عدم اخلاص کا خالق کون ہے ہم کہیں گے یہ تو فاسد قسم کا سوال ہے ظاہر ہے کہ لفظ عدم نام سے پتہ دیتا ہے کہ وہ تکوین اور اعداات کا محتاج نہیں ہے جب وہ وجودی ہی نہیں ہے تو اس کی فاعل کی جانب نسبت کیسی بلکہ عدم اخلاص تو محض شر ہے اور شر کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی جاتی جیسا کہ نماز کے شروع کرنے میں ارشاد نبوی ہے: **میں حاضر ہوں تمام خیر تر سے ہاتھ میں ہیں اور شر کی نسبت تیری طرف نہیں پہنچے۔** نیز اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ شیطان ان لوگوں پر مسلط ہوتا ہے جو اس سے دوستی کرتے ہیں۔ اور جو اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں پس جب انھوں نے بجائے اللہ کے اس کو دوست بنایا اور اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا تو شیطان کے ان پر مسلط ہو جانے کی وجہ سے انھیں سزا دی گئی اور شیطان کے ساتھ یہ دوستی شرک دراصل اس بات کی سزا ہے کہ ان کا دل اخلاص سے خالی ہے۔ پس نیکی اور پرہیزگاری کا الہام اخلاص کا ثمرہ اور توبہ ہے اور فسق و فجور کا الہام اخلاص سے خالی ہونے پر ایک سزا ہے۔

اگر یہ اعتراف کیا جائے کہ عدم اخلاص کا نام ترک اخلاص ہے اور یہ جو بھی ہے تو پہلا اعتراف بحال رہا اور اگر عدلی ہے تو عدم محض پر کیسے سزا دی جاسکتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں لفظ ترک نفس کو ایسی چیز سے روکنے کا نام نہیں جس کا نفس ارادہ کرتا ہے اس کے بارے میں تو کہا جاسکتا ہے کہ یہ وجودی ہے لیکن یہاں تو اسباب خیر سے غلو ہے یعنی جو چیز نفس کے لئے افع ہے اس کا عدم ہے اور عدلی چیزوں پر بھی سزا ملتی ہے جس طرح برائیوں کے کرنے سے ملتی ہے۔ نیز صرف وہی سزائیں تو نہیں ہیں جو دلیل قائم ہونے کے بعد دی جاتی ہیں پس دو سزائیں ہیں ایک اسکے گناہ کا رخطا کا دہونے

نے حدیث صحیح ہے طویل حدیث کا ایک حصہ ہے صفۃ الصلوٰۃ ص ۸۵ ملاحظہ فرمائیں

کی یعنی عدم اخلاص عدم انابت کی سزا اس سزا کی تکلیف کو ماحسوس نہیں ہوتی یہ سزا شہوت، ارادہ کے موافق ہے دراصل یہ بہت بڑی سزا ہے دوسری سزا وہ ہے جس کی عام طور پر تکلیف محسوس کی جاتی ہے جو برائیوں کے ارتکاب کے بعد گناہگار کو دیا جاتی ہے ان دونوں سزائوں کو اللہ کے اس قول میں ملا کر ذکر کیا گیا ہے۔

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمُ ابْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ (الانعام ۴۴)
ترجمہ:- پھر جب انہوں نے اس نصیحت کو جو ان کو کی گئی تھی فراموش کر دیا تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے۔

یہ پہلی سزا ہے پھر فرمایا:- حَتَّىٰ اِذَا فَرَغُوا يَمَادُوا فَوُتُوْا اَخَذْنَا لَهُمْ بَٰعْتَهُ (الانعام ۴۴)
ترجمہ:- وہ یہاں تک کہ جب ان چیزوں سے حیران ہو دی گئیں تھیں خوب خوش ہو گئے تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا۔

یہ دوسری سزا ہے پس اگر اعتراض کیا جائے کیا ممکن ہے کہ وہ اخلاص، انابت، محبت صرف ایک اللہ کے لئے کرتے علاوہ اس کے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں اس کو پیدا فرماتا اور ان کو مخلص، منیب، محب بناتا یا محض ان کے دلوں میں اس کا الفاٹ کرنا تھا۔
جواب:- یہ بات نہیں بلکہ یہ محض اللہ کا فضل اور احسان ہے یہ عظیم نیر ہے جو اس کے ہاتھ میں ہے اور تمام نیر اس کے ہاتھ میں ہے اور کوئی شخص اس بات پر قادر نہیں کہ وہ نیر کو حاصل کرے جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس کا عطیہ نہ فرمائے اور کوئی شخص شر سے نہیں بچ سکتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو نہ بچائے پس اگر اعتراض کیا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اخلاص پیدا نہیں فرمایا نہ وہ اس کی توفیق دیئے گئے ہیں تو از خود وہ اسے کیسے حاصل کر سکتے تھے تو پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ ان سے اخلاص روک لینا علم ہوگا نیز تمہیں تسلیم کرنا ہوگا کہ عدل اس بات کا نام ہے کہ مالک اپنے ملک میں جس طرح چاہے تصرف کرے جو وہ کرے اس سے کوئی پوچھنے والا نہ ہو باقی سب سے پوچھا جائے جواب:- اللہ سبحانہ نے اگر ان سے اس چیز کو روک لیا ہے تو اس سے وہ ظالم نہیں بنا کسی چیز کو روکنے والا ظالم تب بنتا ہے جب وہ کسی کے حق کو جو اس پر لازم ہے اس کو روک لے لیکن اس کو تو اللہ نے اپنے نفس پر حرام قرار دے دیا ہے کسی کا اس پر کچھ حق نہیں لیکن جب وہ اپنے غیر سے ایسی چیز کو روک لے لے رہا ہے جو اس کا حق نہیں بلکہ وہ اللہ کا محض

فضل اور احسان ہے تو اس کے روکنے سے اللہ تعالیٰ ظالم نہیں بنے گا۔ اس لئے کہ کسی کے حق کو روکنا ظلم ہوتا ہے اور فضل و احسان کو روکنا تو ظلم نہیں اس لئے وہ عین عدل ہے تو اللہ پاک روکنے میں عدل والا ہے جیسا کہ وہ عطیہ دینے کے لحاظ سے محسن اور منان ہے اعتراف کیا جاتا ہے جب عطیہ توفیق اللہ کی طرف سے احسان اور رحمت ہے تو اسے کیوں غالب نہیں کیا گیا جیسا کہ مشہور حدیث ہے کہ اللہ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے ہم کہیں گے مقصود یہاں اس سزا کو بیان کرنا ہے جو منع پر مرتب ہے اور وہ منع جو سزا کو مستلزم ہے وہ ظلم نہیں بلکہ عین عدل ہے اور یہ سوال اس حکمت کے بارے میں ہے جس نے بعض مقامات میں عدل کو فضل و رحمت پر مقدم کر دیا ہے اور کیوں اللہ نے اپنے فضل و رحمت میں تمام بندوں کو مساوی قرار نہیں دیا مگر یہ کہ فلاں کو فلاں پر کیوں فضیلت عطا کی اس کا جواب خود اللہ پاک نے اس قول میں فرما دیا ہے۔

ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (المدہ ۲۱)

ترجمہ:- یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔
نیز ارشاد خداوندی ہے لَوْلَا يَغْنَمُ أَهْلُ الْكِتَابِ أَن زَا يَقْتُلُوا عَلَىٰ شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللَّهِ ۚ وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۚ مَوْلَاهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (المحدیہ ۲۶)

ترجمہ:- (یہ باتیں، اس لئے بیان کی گئیں ہیں) کہ اہل کتاب جان لیں کہ وہ خدا کے فضل پر کچھ بھی قدرت نہیں رکھتے ہیں اور یہ کہ فضل خدا ہی کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور خدا بڑے فضل کا مالک ہے۔

اور جب یہودیوں نے آپ سے سوال کیا کہ امت محمدیہ کو کس لئے دو گنا اور ہمیں کیوں ایک گنا ثواب دیا جائے گا آپ نے اللہ تعالیٰ کا قول پیش فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں نے تم سے تمہارا حق چھینا ہے انھوں نے نفی میں جواب دیا اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ میرا فضل ہے جس کو چاہتا ہوں عطا کرتا ہوں نیز ضروری نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کسی عطیہ دینے کسی کو نہ دینے میں جو حکمت پوشیدہ ہے اس سے تمام لوگوں کو مطلع کرے بلکہ جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کی بعیرت سے حجاب اتار دیتا ہے وہ مخلوق خدا میں اللہ کی حکمت کے کہ شیوں کا نظارہ کر لے نہ ثواب و عقاب و تحفہ و حرمان کا جائزہ لیتا ہے اور تمام احوال پر غور کرتا ہے تو حقیقت

کھل کر اس کے سامنے آجاتی ہے۔ لیکن جب اللہ کے دشمن مشرکین نے اس شخص کو مشکل گردانا تو انھوں نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ ہم میں سے صرف یہ لوگ احسان کے لائق تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں جواب دیتے ہوئے فرمایا،

أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ (الأنعام ۵۸) یہ اللہ بخیر گزار لوگوں کو نہیں جانتا ہے
اس جواب پر غور کرنے سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ سبحانہ خوب علم رکھتے ہیں کہ کونسا مقام نعمت کے درخت لگانے کے قابل ہے کہ وہ شکر یہ سے بار آور ہو اور کونسا مقام ایسا ہے جہاں درخت لگانے کا فائدہ ہے حکمت سے یکسر خالی ہے۔ اگر اعتراض کیا جائے کہ جب تم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ کوئی شخص کسی چیز کو وجود میں نہیں لاسکتا تو پھر بندے کا قطعاً کوئی فعل نہیں ہے تو ہم کہیں گے کہ نہ اپنے فعل کا حقیقی فاعل ہے نیز فعل پر اس کو حقیقتاً قدرت حاصل ہوتی ہے ارشاد خداوندی ہے:-

وَمَا تَفْعَلُونَ مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمُهُ اللَّهُ (البقرہ ۱۹۷) اور جو بھی نیک کام تم کرو گے اللہ کو اس کا علم ہے۔

نیز فرمایا:- فَلَا يَنْتَفِعُونَ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ (هود ۳۶)

ترجمہ:- تو جو یہ کام کر رہے ہیں ان کی وجہ سے غم نہ کھاؤ۔

اس وضاحت سے ثابت ہو گیا کہ بندہ فاعل ہے نیز اس کے افعال دو قسم کے ہیں اس کے افعال کی ایک قسم ایسی ہے جس میں اس کی قدرت اس کا ارادہ فعل کے ساتھ مقادیر نہیں ہے اس قسم کو صفت کہا جاسکتا ہے فعل نہیں کہا جاسکتا جیسا کہ عیش کی بیماری والے انسان کی حرکات ہیں افعال کی دوسری قسم ایسی ہے جس میں قدرت اور ارادہ فعل کے رعباد میں مقادیر ہے اس قسم کو صفت اور فعل سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسے اختیاری حرکات ہیں اللہ تعالیٰ نے بندے کو فاعل اور متاثر بنایا ہے اللہ وحدہ لا شریک اس پر قادر ہے اسی لئے پہلے نے جبر کا انکار کیا ہے وہ تو عاجز سے ہوتا ہے اور اگر اس کے ساتھ ہوتا ہے کہا جاتا ہے باپ بزرگہ صغیر کو بھاج پر مجبور کر سکتا ہے لیکن ثبہ بالغ کو مجبور نہیں کر سکتا اللہ تعالیٰ اس اعتبار کے ساتھ اجبار کے ساتھ موصوف نہیں ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ارادہ اور دونوں کا خالق ہے وہ اس بات پر قادر ہے کہ اس کو اختیار سے اسی لئے شامع کے الفاظ میں رجیل یعنی فطرت، تو موجود ہے تبصر نہیں ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشج عبد القیس سے فرمایا ہے شک تجھ میں دو خصلتیں ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے وہ دو صفت حوصلہ اور بردباری بھی اس نے دریافت کیا یہ دونوں عادتیں

کسی ہیں یا جیسی طبعی ہیں آپ نے فرمایا۔ جیسی طبعی ہیں اس نے کہا تمام تعریف اللہ کی ہے جس نے مجھے ان دونوں عادتوں پر پیدا فرمایا جن کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو فعل اختیاری پر سزا دیتا ہے اور فعل اختیاری، غیر اختیاری کے درمیان سزا میں جو فرق ہے وہ فطرتی اور عقلی ہے۔

اگر اعتراض کیا جائے کہ فعل کا خالق تو خدا ہے اس پر سزا دینا ظلم ہے تو ہم کہیں گے کہ یہ سوال تو اس نوعیت کا ہے کہ زیر کا خالق اللہ ہے جب کوئی شخص زیر رکھتا ہے تو وہ مر جاتا ہے۔ اب اس کا مر جانا یہ سزا کا ظلم نہیں ہے البتہ عقوبت کا سبب ہے دونوں صورتوں میں ظلم نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ بندے کا فعل حقیقتاً بندے کا فعل ہے لیکن وہ اللہ کی مخلوق اور اس کا مفعول ہے صرت اللہ کا فعل نہیں ظاہر ہے کہ فعل مفعول اور مخلق و مخلوق میں فرق ہے اسی ہی بات کی طرف شیخ کا اشارہ ہے کہ انسانوں کے افعال اللہ کا خلق اور انسانوں کا فعل اور کسب ہیں خیال رہے کہ کسب وہ فعل ہے جس کے کرنے سے فاعل کو فائدہ یا نقصان پہنچتا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (البقرہ ۲۸۶)

ترجمہ :- چھپے کام کرے گا تو اس کو ان کا فائدہ ملے گا برے کام کرے گا تو اسے ان کا وبال پہنچے گا۔

(ط) اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اسی قدر مکلف بنایا ہے جس قدر ان میں استطاعت تھی اور ان میں استطاعت نہ تھی مگر اسی قدر جس قدر ان کو تکلیف دی ہے چنانچہ لَا تَحْمِلُ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ کی یہی تفسیر ہے یعنی اللہ کی نافرمانی سے رکنے کا سوائے اللہ کی اعانت کے کسی کے پاس کچھ حیلہ نہیں اور نیک کام کرنے اور ان پر استقامت کی طاقت بھی سوائے اللہ کی توفیق کے کسی کے پاس نہیں ہے نیز ہر چیز اللہ کی مشیت، علم، قضا و قدر کے ساتھ ہے اس کی مشیت تمام مشیتوں پر غالب ہے اور اس کا ارادہ تمام ارادوں پر غالب ہے اس کے فیصلے تمام حیلوں پر غالب ہیں وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے وہ قطعاً کسی پر کچھ ظلم کرنے والا نہیں ہے ارشاد خداوندی ہے
لَا يُسْئَلُ عَمَّا فَعَلَ دُھُمَّ يُسْئَلُونَ (انبیاء ۲۳) جو وہ کرتا ہے اس کو حوال نہیں ہوتا اور ان کو حوال ہوتا ہے۔
(ش) اللہ تعالیٰ نے بندوں کو استطاعت کے بقدر مکلف بنایا ہے ارشاد خداوندی ہے:-

سے مسلم عن ابن عباس۔ الروض الغفر ۴۰۶۔

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِدْرَاجًا وَدُسْعًا (البقرہ ۲۸۶) اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

نیز فرمایا: لَا تُكَلِّفُ نَفْسًا إِدْرَاجًا وَدُسْعًا (انعام ۱۵۲-۱۵۳ الاعراف ۳۱-المؤمنون ۶۲)

ترجمہ ۱- ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔

ابو الحسن اشعری کہتے ہیں کہ عقلاً تکلیف مالا یطاق جائز ہے اس پر ان کے تلامذہ متردد ہیں کسی شریعت میں اس کا ثبوت ہے یا نہیں جو اس کے قائل ہیں وہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ ابو لہب کو ایمان لانے کے بارے میں کہا گیا اور ساتھ ہی یہ خبر بھی موجود ہے کہ وہ ایمان نہیں لائے گا اور شعلہ والی دوزخ میں داخل ہو گا پس جب اس نے ایمان نہیں لانا تھا تو اس کو ایمان لانے کا حکم دینا تکلیف مالا یطاق ہے بلکہ تکلیف دینے کی صورت میں دو مخالف چیزوں کا جمع کرنا ہے اس کا محال ہونا واضح ہے ہم اس کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ اس بات کا پابند نہیں تھا کہ ایمان نہیں لائے گا بلکہ اس کو ایمان پر استطاعت حاصل تھی وہ اس سے عاجز نہ تھا اس کو ہرگز تکلیف مالا یطاق نہیں دی گئی استطاعت کی بحث میں اس کی وضاحت دیکھی ہے اللہ تعالیٰ کا فرشتوں سے کہنا: اِنْبِئُوْنِیْ بِاَسْمَائِھُمْ لَا اَدْرِیْ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ (البقرہ ۳۱)

ترجمہ ۱- اگر تم سچے ہو تو مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ۔

اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انھیں تکلیف مالا یطاق دی گئی ہے جب کہ فرشتوں کو اس کا علم نہ تھا اسی طرح قیامت کے دن تصور پر کش کرنے والوں سے یہ کہنا (کہ جن کو تم نے بنایا ہے ان میں روح ڈالو) اس سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ انھیں تکلیف مالا یطاق دی گئی ہے ان دونوں صورتوں میں ان سے کسی فعل کے طلب کا مطالبہ نہیں ہے جس پر فاعل کو ثواب حاصل ہو یا تا دیکھ سزا کے قابل ہو بلکہ یہاں تو خطاب تعجیز ہے یعنی وہ اس کے سرانجام دینے سے عاجز ہیں اسی طرح اللہ کے اس فرمان ۱-

رَبَّنَا لَا تُخِیِّلُنَا مَا لَا حَاقَّةَ لَنَا بِہِ (البقرہ ۲۸۶)

ترجمہ ۲- اے ہمارے رب اور ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جس کی ہم میں طاقت نہیں۔

میں ایمانداروں کے دعا کرنے سے یہ لازم نہیں کہ انھیں تکلیف مالا یطاق سے واسطہ پڑا ہے ظاہر ہے کہ تکلیف مالا یطاق تو تکلیف ہی نہیں بلکہ اس پر پہاڑ لا دیا جائے جس کی اسے طاقت نہیں وہ مری جائے گا ابن الانباری کا قول ہے اس کا معنی یہ ہے کہ ہم پر ایسی چیز مسلط نہ کرو جس کا ادا کرنا ہمارے لئے بوجھل ہو اگرچہ ہم تکلیف اور مجبوری کے ساتھ

اس کی طاقت رکھتے ہیں یعنی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عرب کو اس انداز سے مخاطب کیا ہے جس سے وہ متعارف تھے چنانچہ ایک شخص دوسرے انسان سے کہتا ہے جس سے وہ دشمنی رکھتا ہے میں تیری طرف دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا حالانکہ اس میں طاقت ہوتی ہے البتہ وہ اس کو ثقیل گردانتا ہے نیز یہ تو حکمت کے لحاظ سے جائز ہی نہیں کہ کسی کو پہاڑ اٹھانے کی تکلیف دی جائے کہ اگر وہ اٹھائے گا تو اس کو ثواب حاصل ہوگا وگرنہ اس کو سزا سے دوچار ہونا ہوگا جیسا کہ اللہ سبحانہ نے نفس کے بارے میں خبر دی ہے۔

لَا يَكِلُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا۔ اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ بعض لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ ممتنع کی تکلیف عادت کے لحاظ سے تو جائز ہے بالذات جائز نہیں ہے جب اس کا تصور ہی ممکن نہیں تو عقلاً اس کا حکم کیسے لیا جاسکتا ہے البتہ عادت کا حکم دیا جاسکتا ہے بعض لوگ کہتے ہیں جس فعل کے کرنے کی طاقت عجز کی وجہ سے ہے اس کی تکلیف دینا جائز نہیں ہاں اگر اس فعل کے کرنے کی طاقت اس لئے نہیں کہ اس کے مخالف فعل میں وہ مشغول ہے تو اس صورت میں اس فعل کی تکلیف دینا جائز ہے یہ لوگ درحقیقت اگر سلف کے موافق ہیں لیکن جس فعل کے چھوڑنے اور اس فعل کے مخالف فعل میں اشتغال کو تکلیف ملا لیا طبق قرار دینا شریعت اور لغت کے لحاظ سے بدعت ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ جس فعل کو انسان کرتا نہیں ہے کہ اس کی وہ طاقت نہیں رکھتا وہ اسے کرتا ہے اس کا التزام انھوں نے اس لئے کیا ہے کہ ان کا قول ہے کہ قدرت، استطاعت بس فعل کے ساتھ ہوتی ہے اور جو شخص کسی کام کو نہیں کر رہا ہے گویا کہ اسے اس کی طاقت نہیں ہے یہ وضاحت کتاب و سنت اور اجماع سلف کے خلاف ہے نیز اکثر عقلا کے بھی خلاف ہے مثلاً اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور وہ استطاعت جو فعل کے ساتھ مقارن ہوتی ہے وہ مکلف بنانے کے لئے شرط نہیں ہے جب کہ حقیقت میں وہاں فعل کا ارادہ ہوتا ہے وہ اللہ کے اس قول پر۔

مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ (هود ۲۰) وہ سننے کی استطاعت نہیں رکھتے۔

نَبَرَاتُكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا (کہن ۶۷-۷۸) بیشک تو میرے ساتھ صبر کی طاقت نہیں رکھتا ہے۔

سے استدلال کرتے ہیں اس میں ارادہ نہیں ہے جس کا نام وہ استطاعت کہتے ہیں وہ تو فعل کے ساتھ ہی ہوتا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو سننے کی استطاعت نہیں رکھتے ہیں اگر اسی استطاعت سے مراد مقارن ہے تو تمام مخلوق سننے سے پہلے سننے کی استطاعت نہیں رکھتے تو پھر ان کے ساتھ تخصیص کا کچھ معنی نہ ہوگا۔ لیکن یہ لوگ چونکہ حق کے ساتھ دشمنی رکھتے

ہیں اور حق ان پر بوجھل ہے یا حق والے سے حسد کرتے ہوئے یا خواہشات کا اتباع کرتے ہوئے سننے کی استطاعت نہیں رکھتے اور موسیٰ علیہ السلام مبرکی استطاعت نہیں رکھتے جب وہ ظاہری شریعت کی مخالفت دیکھ رہے ہیں نیز اسے اس کا علم بھی نہیں نیز عربی اور دوسری زبانوں میں اس طرح استعمال ہوتا ہے کہ جو شخص اپنے مخالف سے دشمنی کرتا ہے اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس میں اس کے ساتھ احسان کی استطاعت نہیں اور جو شخص اس سے محبت کرتا ہے اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس میں اس کو سزا دینے کی استطاعت نہیں ہے اس لئے کہ اس کی اس سے شدید محبت ہے وگرنہ وہ اس کو سزا دینے سے عاجز نہیں ہے پس یہ جملہ مبالغہ کہا جاتا ہے جیسا کہ نو کہتا ہے کہ میں اس کو پٹوں گا یہاں تک کہ وہ مر جائے گا اس میں مقصود سخت پیٹنا ہے اور یہ عذر نہیں ہے پس اگر اللہ تعالیٰ بندوں کو صرف ان افعال کے کرنے کا حکم دے جن کو لوگ چاہتے ہیں تو آسمان، زمین فساد زدہ ہو جائیں گے ارشاد خداوندی ہے:-

وَلَوْ شِئِيعَ الْخَلْقُ أَهْلُو آدَمُ لَفَسَدَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ (الزمر: ۷۱)

ترجمہ:- اور اگر (خدا نے) برحق ان کی خواہشوں پر چلے تو آسمان اور زمین اور جو ان میں ہیں سب درہم برہم ہو جائیں۔

امام طحاوی کا قول:- ان میں استطاعت تکلیف کے بقدر ہے یہ استطاعت توفیق سے ہے اس سے مراد وہ استطاعت نہیں جو صحت، فراخی، قدرت، سلامتی اعضاء کی بنا پر ہے اور لا حول ولا قوۃ الا باللہ تقدیر کے اثبات کی دلیل ہے شیخ نے بھی اس کی تفسیر کی ہے لیکن شیخ کے کلام میں اشکال ہے اس لئے کہ لفظ تکلیف قدرت عطا کرنے کے معنی میں متعل نہیں ہوتا یہ تو امر نہی کے معنی میں متعل ہوتا ہے اور اس نے خود کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں طاقت کے مطابق تکلیف دیتا ہے اور ان میں استطاعت تکلیف کے بقدر ہے بظاہر ان دونوں جملوں کا ایک ہی معنی ہے لیکن درحقیقت یہ درست نہیں اس لئے کہ جس قدر اللہ نے ان کو تکلیف دی ہے ان میں ان سے زیادہ طاقت موجود ہے۔ لیکن اللہ سبحانہ اپنے بندوں کے ساتھ آسانی اور تخفیف کا ارادہ کرتا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:-

يُؤَيِّدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُؤَيِّدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرہ: ۱۸۵)

ترجمہ:- اللہ تو تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ کرتا ہے اور تمہارے ساتھ تنگی کا ارادہ نہیں کرتا ہے۔

نیز فرمایا:- يَرْيِدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ (النساء: ۶) خدا چاہتا ہے کہ تم سے تخفیف کرے۔

نیز فرمایا وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (۵۸) اس نے تم پر دین میں کچھ تنگی نہیں کی۔

تو جس قدر ہمیں تکلیف دی گئی ہے اگر اس سے زیادہ بھی تکلیف دی جاتی تو ہم میں اس کی طاقت موجود تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا تخفیف کی اور دین کے امور میں ہم پر سختی نہ فرمائی اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ طاقت تو فنی ہے قدرت ابدی ہے اعضا کی سلامتی مراد نہیں ہے خیال رہے عبارت میں کچھ اضطراب ہے اس لئے غور و فکر کی ضرورت ہے شیخ کا قول :- ہر چیز اللہ کی مشیت اور قدرت اور علم اور قضا کے ساتھ ہے قضا سے مراد قضا، نکوینی یہ شرعی نہیں ہے اس لئے کہ قضا جس طرح نکوینی ہوتی ہے شرعی بھی ہوتی ہے اسی طرح ارادہ، امر، اذن، کتاب، حکم، تحریم، کلمات نکوینی اور شرعی دونوں ہوتے ہیں قضا، نکوینی اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے۔

فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَعِدَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ (مجموعہ ۱۲) پھر دو دن میں سات آسمان بنائے۔
اور قضا، شرعی اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے۔

وَقَضَىٰ رَبِّيَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ (الاسراء ۲۳)

ترجمہ :- اور تمہارے پروردگار نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔
اور ارادہ، نکوینی، شرعی کا ذکر پہلے گزرا ہے اور امر نکوینی اللہ کے اس قول میں موجود ہے

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذْ أَوْحَىٰ إِلَىٰ رَسُولِهِ أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (یس: ۸۲)

ترجمہ :- بے شک اس کا حکم جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لئے کہتا ہے جو جالتو وہ ہو جاتی ہے۔

نیز اس قول میں وَإِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نَبِيِّكِ أَنْ تَبْلُغِ الْأُمَمَاتُ مُؤَدَّتَهُنَّ فَلَئِنْ لَمْ يَنْهَیْنَاهُنَّ لَفَسَدَتُنَّ (الاسراء ۱۶)

ترجمہ :- اور جب ہمارا ارادہ کسی نبی کے ہلاک کرنے کا ہوا تو وہاں کے آسودہ لوگوں کو دفوا حس پر مامور کر دیا تو وہ نافرمانیاں کرتے رہے پھر اس پر وعذاب کا حکم ثابت ہو گیا اور ہم نے اسے ہلاک کر ڈالا۔

ایک قول میں وہی اقویٰ ہے۔ امر شرعی اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ (انحل ۹۰)

ترجمہ :- بے شک اللہ تعالیٰ انصاف اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

نیز اس قول میں إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا۔ (النساء ۵۸)
ترجمہ :- بے شک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم امانت کو اس کے حقداروں کی طرف ادا کرو۔

اذن بکونبی اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے :-

وَمَا لَهُمْ بِنِعَائِهِمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا يَأْذِنُ اللَّهُ (البقرہ ۱۰۲)

ترجمہ :- وہ اس جادو کے ساتھ اللہ کے اذن کے بغیر تکلیف نہیں پہنچا سکتے۔

اذن شرعی اس قول میں ہے :-

مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لَيْسَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ هَا فَاسْمِعُوا عَلَىٰ أُمُورِهِمْ فَيَاْذِنُ اللَّهُ (الحشر ۵)

ترجمہ :- (مومنو) کھجور کے جو درخت تم نے کاٹ ڈالے ہیں یا ان کو اپنی جڑوں پر کھڑا کرنے دیا ہو
خدا کے حکم سے تھا۔

کتاب بکونبی اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے :-

وَمَا يُعْتَدُ مِنَ مَغْرَبٍ وَلَا يَنْفَعُ مِنْ عَمْرٍ ۖ إِلَّا فِي كِتَابٍ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَىٰ اللَّهِ

يَسِيرٌ (ذالہر)

ترجمہ :- اور نہ کسی بڑی عمر والے کو عمر زیادہ دی جاتی ہے اور نہ اس کی عمر کم کی جاتی
ہے مگر (سب کچھ) کتاب میں (لکھا ہوا) ہے بے شک یہ خدا کو آسانی ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کے اس قول میں :-

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْإِنْسَانَ يَرْثُهَا عِبَادٌ صَالِحُونَ (الزمر ۱۰)

ترجمہ :- اور ہم نے نصیحت دے کتاب یعنی تورات کے بعد زبور میں لکھ دیا تھا کہ میرے نیکوکار
بندے ملک وراثت ہوں گے۔

کتاب شرعی دینی اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے :-

وَكُتِبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنْ النَّفْسُ بِالنَّفْسِ - (المائدہ ۴۵)

ترجمہ :- اور ہم نے ان لوگوں کے لئے تورات میں بھی یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان۔

نیز نیا تھا الذین آمنوا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِسَامُ - (البقرہ ۱۸۳)

ترجمہ :- اے ایمان والو تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں۔

حکم بکونبی اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے جو یعقوب علیہ السلام کے بیٹے کی طرف سے ہے

فَلَنْ أَبْرَحَ أَوْ دَرُحَ حَتَّىٰ يَأْذِنَ لِي أَبِي أَوْ يَحْكُمَ اللَّهُ لِي وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ۔ (یوسف ۸)

ترجمہ :- جب تک والد صاحب مجھے مکہ نہ دیں گے میں تو اس جگہ سے ہٹنے کا نہیں یا ضرر ہے
لئے کوئی اور تدبیر کرے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے ۔

نیز اللہ تعالیٰ کے اس قول میں :-

قَالَ رَبِّ احْكُم بِالْحَقِّ وَذُنُوبُنَا ذُنُوبُهُمُ الْمُسْتَغْنَانِ الْمُسْتَعَانِ عَلَى مَا نَصِفُونَ (الانبیاء ۱۱۲)

ترجمہ :- (پیغمبر نے) کہا کہ اے میرے پروردگار حق کے ساتھ فیصلہ کر دے اور ہمارا پروردگار
بڑا مہربان ہے اسی لئے ان باتوں میں جو تم بیان کرتے ہو مدد مانگی جاتی ہے ۔

حکم شرعی اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے :-

أُحِلَّتْ لَكُمْ بَعِثَةُ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُكَلِّفُ عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الْفَيْدِ وَأَنْتُمْ حُرْمُ
إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ - (المائدہ - ۱)

ترجمہ :- چار پائے جانور (جو چرنے والے ہیں) حلال کر دیئے ہیں بجز ان کے جو تمہیں پڑھ کر
سنائے جاتے ہیں مگر احرام رائج میں شکار کو حلال نہ جانا خدا ایسا ہمارے حکم دیتا ہے
نیز ارشاد خداوندی ہے :- ذَٰلِكُمْ حُكْمُ اللَّهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ (الممتنہ - ۱۰)

ترجمہ :- ۱۔ یہ اللہ کا حکم ہے وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے ۔

تحریم کرنی اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے ۔

قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتِيَهُونَ فِي الْأَرْضِ (المائدہ ۲۶)

ترجمہ :- ارشاد نے فرمایا کہ وہ ملک ان پر چالیس برس تک کے لئے حرام کر دیا گیا رک وہاں جانے
نہ پائیں گے اور جنگل کی زمین میں سرگردان پھرتے رہیں گے ۔

نیز وَحُرْمٌ عَلَى قَذِيَّةٍ أَهْلُكَ هَٰذَا نَهَمُ لَا يَرْجِعُونَ - (الانبیاء ۹۵)

ترجمہ :- ۲۔ اور جس استی راولوں کو ہم نے ہلاک کر دیا محال ہے کہ (رجوع کریں) وہ رجوع نہیں کریں گے ۔
تحریم شرعی اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے :-

حُرْمَتٌ عَلَيْكُمُ الْيَتَةُ وَالذَّمُّ وَالْحُمْرُ الْغَنَزْبَرِ (المائدہ ۴)

ترجمہ :- ۳۔ تم پر مردار اور خون اور غنیزبیر کا گوشت حرام کر دیا گیا ۔

نیز ارشاد خداوندی ہے :-

حُرْمَتٌ عَلَيْكُم مِّمَّا حُكِّمَ وَالنَّسَاءُ ۲۳ م اور تم پر تمہاری مائیں حرام کر دی گئیں ۔

مکوہنی کلمات اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہیں :-

وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ الْغُصْنَى عَلَى بَنِي إِسْرَءِيلَ جَمَاعَةً مِّنْهُمُ الرَّاعُونَ (۱۴)

ترجمہ: اور بنی اسرائیل کے بارے میں ان کے صبر کی وجہ سے تمہارے پروردگار کا وعدہ نیک پورا ہوا
نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی میں ہے آپ فرماتے ہیں میں اللہ کے
کلمات کے ساتھ پناہ طلب کرتا ہوں جو مکمل ہیں جن سے کوئی نیک اور بد تجاوز نہیں کر سکتا
(حدیث صحیحہ) اور کلمات شرعیہ دینیہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہیں:-

وَاِذَا ابْتَلٰٓى اِبْنٰٓدَ اٰهِنِم رَّبُّهُ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ - (البقرہ ۱۲۳)

ترجمہ:- اور جب پروردگار نے چند باتوں میں ابراہیم کی آزمائش کی تو وہ ان میں پورے اترے۔
امام طحاوی کا قول:- اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور وہ بالکل ظالم نہیں ہے یہ اللہ
تعالیٰ کا ایسا وصف ہے جس پر قرآن پاک دلائل کر رہا ہے خود اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس کو لوگوں پر
ظلم سے منزہ قرار دیا ہے یہ مسک اعتدال والا ہے جو قدریہ جبریہ کے اقوال کے بین بین ہے
ہاں ضروری نہیں کہ جس انسان کے جس فعل کو ظلم اور قبیح قرار دیا جاتا ہے
اللہ تعالیٰ کے اس فعل کو بھی ظلم اور قبیح سمجھا جائے جیسا کہ قدریہ
اور معتزلہ وغیرہ کہتے ہیں اس سے اللہ کا مخلوق کے معاملہ میں نا لازم آتا ہے اور اس کا مخلوق
پر قیام کرنا پڑتا ہے حالانکہ اللہ پاک رب ہے قدرت والا ہے غنا والا ہے اور لوگ اس کے محتاج
اور مغلوب ہیں نیز ظلم ایسی متنوع چیز کا نام نہیں جو قدرت کے تحت داخل نہیں جیسا کہ یہ بات متکلمین
وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ بات متنع ہے کہ ممکن مقدور میں ظلم ہو بلکہ جو چیز ممکن ہے وہ اس سے ہے
اگر وہ اس کو کرتا ہے تو عدل ہے اس لئے کہ ظلم تو محض اس صورت میں ہے کہ اس کے غیر
سے اس کا حکم دیا گیا ہے یا اس کے غیر سے اس کو روکا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ تو اس طرح نہیں
ہے بیشک اللہ کا قول:-

وَمَنْ يَعْلَمْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا (طہ ۱۱۳)

ترجمہ:- اور جو نیک کام کرے گا اور مومن بھی ہوگا تو اس کو نہ ظلم کا خوف ہوگا اور نہ نقصان کا۔

نیز اللہ تعالیٰ کا قول: مَا يَبْدُلُ الْقَوْلَ لَدَيْ دَعَاۤ اَنَا يَخْلُقُ مِمَّنْ يَعْصِي (ن ۲۹)

ترجمہ:- جہاں سے بات بدلا نہیں کرتی اور ہم بندوں پر ظلم نہیں کیا کرتے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا قول: وَمَا عَلَّمْنَا هُمُ دَلِيلًا وَلٰكِنْ كَانُوۡا هُمُ الظَّٰلِمِيۡنَ (الزمر ۸۶)

ترجمہ:- اور ہم نے تو ان پر ظلم نہیں کیا البتہ وہ خود ظالم تھے

نِزَالِ اللّٰهِ تَعَالٰی کا قول :- وَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاقًا ۚ وَلَا يَنْظُرُونَ اِلَّا فِيْ ظُلُمٍ اِحْدًا (الکہف ۴۹)

ترجمہ :- اور جو عمل کئے ہوں گے سب کو حاضر بنائیں گے اور تمہارا پروردگار کسی ظلم نہیں کرے گا

نِزَالِ اللّٰهِ تَعَالٰی کا قول :- لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ (غافر ۱۷)

ترجمہ :- آج ظلم نہیں ہے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

اس قول کے خلاف یہ دال ہے اسی قبیل سے حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

اے میرے بندو! میں نے اپنے نفس پر ظلم حرام قرار دیا ہے اور تم پر حرام کیا ہے پس ظلم نہ کرو مسلم یہ حدیث دو چیزوں پر دال ہے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس پر ظلم حرام کر دیا ہے ظاہر ہے کہ متمتع کو یوں ذکر نہیں کیا جاتا دوسری یہ کہ اس نے بنایا کہ اس نے اس کو اپنے نفس پر حرام کر دیا ہے جیسا کہ اس نے خبر دی کہ اس نے اپنے نفس پر رحمت کو لازم کر لیا ہے اس سے ان کا استدلال باطل ہو جاتا ہے کہ ظلم اس سے ہوتا ہے کہ جس سے روکا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو کون روک سکتا ہے! پس ہم ان سے کہیں گے کہ اللہ سبحانہ نے اپنے نفس پر رحمت کو ثابت کر لیا ہے نیز اپنے نفس پر ظلم کو حرام قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس نے اس چیز کو اپنے نفس پر ثابت کیا ہے یا حرام کیا ہے جس پر اس کو قدرت حاصل ہے وہ چیز مراد نہیں جو اس پر متمتع ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا یہ قول :-

فَلَا يَخَافُ ظُلُمًا وَّلَا هَضْمًا طہ ۱۱۱) تو اس کو نہ ۱۱۱ کا خوف ہوگا اور نہ نقصان کا۔

ظلم کی تفسیر یہ ہے کہ کسی دوسرے کی غلطیوں کو اس پر رکھ دیا جائے اور ہتکم یہ ہے کہ اس کی نیکیوں میں کمی کی جائے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے :-

وَلَا تَزِدْ لَهُ وَاِذْ ذٰلِكَ وَاِذْ ذٰلِكَ (الاسراء ۱۵) کوئی کسی دوسرے کا بار نہ اٹھائے گا۔

بہر انسان اس متمتع سے مخالفت نہیں ہوتا جو قدرت کے تحت نہیں کہ اس کو امن حاصل

کرنا پڑے۔ البتہ ممکن سے امن میں رہتا ہے پس جب اس کو ظلم سے یہ کہہ کر مامون کر دیا کہ وہ

دُرتا نہیں تو معلوم ہوا کہ وہ ممکن ہے اور اس پر قدرت ہے اسی طرح اللہ کا قول :-

لَا تَخْصِمُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَنْفُسُكُمْ يَوْمَ تَقُودُ اَنْفُسُكُمْ يَوْمَ تَقُودُ اَنْفُسُكُمْ لَنْفُسِكُمْ لَنْفُسِكُمْ لَنْفُسِكُمْ لَنْفُسِكُمْ لَنْفُسِكُمْ

وَمَا اَنْفُسُكُمْ يَوْمَ تَقُودُ اَنْفُسُكُمْ لَنْفُسِكُمْ (ق ۲۸)

ترجمہ :- ہمارے حضور میں روکو کہ نہ کرو ہم تمہارے پاس پہلے ہی (عذاب کی) وعید بھیج

چکے تھے ہمارے ہاں بات بدلا نہیں کرتی اور ہم بندوں پر ظلم نہیں کیا کرتے۔

اس سے مراد ایسی چیز کی نفی نہیں جس پر اس کو قدرت حاصل نہیں اور نہ غیر ممکن مراد ہے اور اس چیز کی نفی کی ہے جس پر قدرت حاصل ہے اس کے ساتھ ساتھ وہ ممکن بھی ہے پس ظلم یہ ہے کہ لوگوں کو ان کے اعمال کے خلاف بدلہ دیا جائے پس ان لوگوں کے قول پر اللہ تعالیٰ افعال سے کسی فعل پر بالکل منزه نہیں ہے اور نہ وہ اس کے کرنے سے پاک ہے بلکہ ہر قسم کے ممکن سے بچاؤ نہیں ہوگا بلکہ اس کو سرانجام دینا اچھا ہے لیکن بُرے فعل کی کچھ حقیقت نہیں اس لئے کہ وہ متمنع ہے اور متمنع کی حقیقت نہیں ہوتی اور قرآن پاک میں اس قول کے خلاف کثیر آیات ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو ایسے فعل سے پاکیزہ رکھا ہے جو اس کے لائق نہیں معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات برے فعل سے منزه اور پاک ہے نیز عیب ناک مذموم فعل سے بھی پاک ہے جیسا کہ وہ بُرے اور مذموم و سفل سے پاک ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

أَفَدَسِبْتُمْ أَنْتُمُ الْخَافِقُونَ رَبَّنَا أَنْتُمْ لَيْسَ بِتَرْجِعُونَ (المؤمنون ۱۱۵)

ترجمہ: کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بے فائدہ پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس کو بے فائدہ چیز کے پیدا کرنے سے منزه قرار دیا ہے اور جو شخص اس خیال کا ہے اس کا بھی انکار کیا ہے۔ نیز اللہ کا قول ہے:-

أَتَنْجَعِلُ الْمُشْرِكِينَ كَالْمُجْرِمِينَ ۚ كَافٍ لِّعَذَابِهِ (القلم ۳۵)

ترجمہ: کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں کی مانند کر دیں گے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا قول:- أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ

فِي الْأَرْضِ ۚ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ ۚ (ص ۲۸)

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے کیا ہم ان کو ان کی طرح کر دیں گے جو ملک میں فساد کرتے ہیں یا پرہیزگاروں کو بدکاروں کی طرح کر دیں گے۔

اس میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے قول کا انکار فرما رہے ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ نے دونوں کو مساوی قرار دیا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قول ہے:-

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ ابْتَرَحُوا الشَّيْءَ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتِهِمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ (الباقیہ ۲۱)

ترجہ بہ جو لوگ برے کام کرتے ہیں کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں جیسا کر دیں گے جو ان لائے اور نیک عمل کرتے رہے (اور) ان کی زندگی اور موت یکساں ہوگی یہ جو دعویٰ کرتے ہیں برے ہیں اس میں ان لوگوں پر انکار ہے جن کا خیال ہے کہ وہ اس طرح کہ تباہی نیز خبر دیتا ہے کہ یکم برا اور قبیح ہے اس قسم کے حکم سے اللہ تعالیٰ منزہ ہے۔ ابو داؤد، مستدرک میں ابن عباس، عبادہ بن صامت، زید بن ثابت سے مروی ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تمہا تمام آسمان والوں زمین والوں کو عذاب میں گرفتار کرے تو اللہ کا یہ ظلم نہ ہوگا اور اگر سب پر رحم فرمادے تو اس کی رحمت اور اس کے حق میں ان کے اعمال سے بہتر ہے اس حدیث سے خبر یہ استدلال کرتے ہیں لیکن قدر یہ کہ فاسد اصولوں کے مطابق نہیں ہے اسی لئے وہ یا تو اس کی تکذیب کرتے ہیں یا تاویل کرتے ہیں البتہ اہل سنت سعید میں ہو اس حدیث کو سچا گردانتے ہیں نیز اللہ کی عظمت، جلال جیسے اوصاف پر غور کرتے ہوئے اللہ کی مخلوق پر اللہ کی نعمتوں کا جائزہ لیتے ہیں نیز وہ اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ مخلوق ان نعمتوں کے حقوق ادا کرنے سے بوجہ بجز یا بوجہ جہالت یا بوجہ کوتاہی وغیرہ کے قاصر ہیں ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حق آسمان والوں اور زمین والوں پر یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے نافرمانی نہ کی جائے اس کا ذکر کیا جائے اسے فراموش نہ کیا جائے اس کا شکریہ ادا کیا جائے ناشکری نہ کی جائے نیز اس کی محبت، انابت، توکل، خشیت، مراقبہ، خوف، امید تمام اخلاقِ قدس اللہ کی طرف متوجہ ہوں اور اسی کے ساتھ متعلق ہوں اس طرح کر دل ہمیشہ اللہ کی محبت سے سرشار رہے اور اس کی الوہیت میں محور رہے زبان پر اس کا ذکر رہے اور اعضا اس کی اطاعت کے لئے وقف ہوں اس میں کچھ شک نہیں کہ فی الجملہ انسان کو اس پر قدرت حاصل ہے لیکن نفوس اس میں بخیل ہیں بخل میں ان کے مختلف مراتب ہیں جن کا شمار اللہ ہی کر سکتا ہے اکثر اطاعت گزار لوگ ایک لحاظ سے تو بخیل ہیں اور ایک لحاظ سے بخیل نہیں ہیں پس ایسا مبارک انسان کون ہے جس کا ارادہ اللہ کے ارادہ سے مزاحم نہیں اور جو خدا کو محبوب ہے وہ اس کو محبوب ہے اور ایسا انسان کون ہے جس سے کبھی ایسا فعل سرزد نہیں ہو جو اس کے پیدا کرنے کے سبب کے خلاف ہو پس اگر اللہ سبحانہ تمام آسمان والوں اور زمین والوں کو عدل فرماتا تو عذاب میں مبتلا کر دے تو اس کا عذاب میں مبتلا کرنا اس کا عین عدل ہوگا ظلم نہیں ہوگا ہاں کسی بندے کا گناہ سے تاب ہونا بے شک مستحسن کام ہے لیکن اس کی توبہ کا قبول ہونا محض اللہ کے فضل اور رحمت سے ہے وگرنہ اگر کسی گناہ پر وہ عذاب میں گرفتار کرتا ہے تو وہ ظالم نہیں ہے اور جو گناہ

سے تائب ہو جاتا ہے اس کو عذاب میں گرفتار نہیں کرتا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وسیع فضل و رحمت سے اپنے نفس پر واجب کر لیا ہے کہ وہ توبہ کرنے والے کو عذاب میں گرفتار نہ کرے گا نیز اس نے اپنے نفس پر رحمت کو واجب کر لیا ہے اس کی رحمت تمام مخلوق پر عادی ہے جب کہ کسی شخص کا عمل اس لائق نہیں کہ وہ محض عمل کی وجہ سے دوزخ سے نجات حاصل کرے یا اسے جنت میں داخل کرے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو تمام لوگوں سے زیادہ اپنے رب کے اطاعت گزار ہیں اور عمل میں تمام لوگوں سے بڑھے ہوئے ہیں نیز اپنے رب کی تعظیم اور بزرگی میں سب سے آگے ہیں، تم میں سے کسی کو بھی اس کا عمل نجات نہیں دے سکتا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو بھی نہیں آپ نے فرمایا مجھے بھی نہیں ہاں یہ کہ مجھ پر اللہ کی رحمت اور اس کا فضل سایہ افکن ہو (بخاری مسلم) نیز حضرت صدیق نے آپ سے گزارش کی کہ آپ مجھے ایسی دعا سکھائیں جس کو نماز میں مانگا جائے آپ نے فرمایا: یہ دعا کیجئے۔ اے اللہ! میں نے اپنے نفس پر بہت ظلم کیا ہے گنہگار ہوں کو تیرے سوا کوئی معاف نہیں کر سکتا مجھے اپنی جانب سے مغفرت عطا فرما اور مجھ پر رحم کر بے شک تو معاف کرنے والا مہربان ہے پس جب صدیق اکبر کا یہ حال ہے تو انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے افضل ہے تو کسی دوسرے کے بارے میں کیا خیال ہے بلکہ ان کا لقب صدیق اسی لئے رکھا گیا کہ انھوں نے مقام صدیقیت کا حقیقی ادا کر دیا خیال ہے کہ مقام صدیقیت معرفت خداوندی، عظمت خداوندی کو شامل ہے نیز اللہ کے حقوق کی ادائیگی ہے اس کے ساتھ ساتھ اپنی کوتاہی کا اعتراف کرتا ہے لیکن وہ لوگ برباد ہو گئے رحمت خداوندی سے دور ہو گئے جو سمجھتے ہیں کہ مخلوق کو اپنے رب کی رحمت کی ضرورت نہیں بھلا اس سے بھی بڑی اور کوئی جہالت کی بات ہو سکتی ہے اگر اتنی وضاحت کے باوجود آپ اس کو نہ سمجھ سکے ہوں تو اللہ کی نعمتوں اور ان کے حقوق کا جائزہ لیجئے اور شکر ادا کر لو ان لوگوں اور ناشکری کرنے والوں کا موازنہ کریں تو آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ اگر اللہ سبحانہ تمام آسمانی نعمی والوں کو عذاب میں گرفتار نہ کرے تو ان کو عذاب میں گرفتار کرنے کی ضرورت میں وہ ظالم نہیں ہو گا

مردوں کے لئے ایصالِ ثواب (ط) زندہ لوگوں کی جانب سے مرے ہوئے لوگوں کو دعا اور صدقات پہنچتے ہیں۔

سلہ بخاری، مسلم من بریث ابی بکر، مسند ابوبکر الصديق طبع (المکتبہ الاسلامیہ ص ۱۲۲)

(دش) اہل سنت اس بات پر اتفاق رائے رکھتے ہیں کہ دو صورتوں سے مردے زندہ انسانوں کی کوششوں سے بہرہ ور ہوتے رہتے ہیں ایک صورت یہ ہے کہ مردہ انسان نے اپنی زندگی میں کوئی سبب قائم کیا تھا۔ دوسری صورت یہ کہ مسلمانوں کا ان کے لئے دعا کرنا۔ استغفار کرنا صدقہ کرنا اور حج کے بارے میں اختلاف ہے کہ اس کا ثواب پہنچتا ہے یا نہیں محمد بن حسن سے ایک روایت ہے حج میں خرچ کا ثواب میت کو اور حج کا ثواب حج کرنے والے کو ملتا ہے لیکن اکثر علماء کے ہاں حج کا ثواب اس شخص کو ملے گا جس کی طرف سے حج کیا گیا ہو۔ صحیح مسلک بھی یہی ہے ہاں عبادات بدنیہ روزہ، نماز، تلاوت قرآن، ذکر میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ، احمد، جہد، رسل کا مذہب یہ ہے کہ ثواب پہنچتا ہے امام شافعی کا مشہور مذہب اور امام مالک سے مروی ہے کہ نہیں پہنچتا جب کہ بعض بدعتی متکلمین کا مذہب یہ ہے کہ دعا وغیرہ کسی چیز کا ثواب نہیں پہنچتا لیکن ان کا قول کتاب و سنت کے مقابلہ میں رد ہو گا یہ لوگ متشابہ آیات سے استدلال کرتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کا قول :-

وَأَن يَكُنْ لِلنَّاسِ إِلَٰهًا سَعَىٰ (البقرہ ۳۹)

ترجمہ :- اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے ۔

نیز اللہ تعالیٰ کا قول :- وَلَا تَجْزِيَنَّهُمْ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ (یس ۴۵)

ترجمہ :- اور تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق ہی بدلہ ملے گا ۔

نیز اللہ تعالیٰ کا قول ہے لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا كُتِبَتْ (البقرہ ۲۸۶)

ترجمہ :- اسے ان اعمال کا فائدہ پہنچے گا جو اس نے کئے اور اسے ان اعمال کا نقصان پہنچے گا جو اس نے کئے۔

حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے آپ نے فرمایا جب ابن آدم فوت ہو جاتا ہے تو سوائے تین چیزوں کے باقی سے اس کا عمل کٹ جاتا ہے وہ تین چیزیں صدقہ جاریہ ہے نیک اولاد کا دعا کرنا ہے اس کے بعد نفع دینے والا علم ہے مقصود یہ ہے کہ وہ عمل فائدہ دے گا جس کا سبب اس نے زندگی میں قائم کیا تھا اور جس کا سبب قائم نہیں ہو سکا وہ منقطع ہو جائے گا اور وہ عبادات جن میں دنیا میں بھی نیابت درست نہیں مثلاً اسلام، نماز، روزہ، تلاوت قرآن ان کا ثواب کسی صورت میں بھی نہیں پہنچے گا ان افعال کا ثواب صرف اس شخص کو ملے گا جو ان کو

سلف مسلم وغیرہ من حدیث ابی ہریرہ (احکام الجنائز ص ۴۲-۴۱) :-

سراخجام دیتا ہے جیسا کہ زندگی میں بھی ان افعال کو کوئی شخص دوسرے انسان کی طرف سے سراخجام نہیں دے سکتا یعنی نائب نہیں بن سکتا نسائی میں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے نہ نماز ادا کرے نہ روزہ رکھے لیکن ایسا روزے کے بدل اس کی طرف سے گندم کا ایک مد صدقہ کرے میت جس فعل کا سبب قائم نہیں کرتا اس سے بھی میت کو فائدہ ہو سکتا ہے اس پر کتاب و سنت اجماع، قیاس صمیم سے دلائل موجود ہیں۔ کتاب اللہ میں ہے نہ

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ كَتَبْنَا غُفْرَانَ لَنَا وَلَا خَوَافًا عَلَيْنَا
الَّذِينَ سَبَقُونَا بِإِيمَانٍ (المعمر ۱۰)

ترجمہ۔ اور ان کے لئے بھی جو ان (مہاجرین) کے بعد آئے اور دعا کرتے ہیں کہ لئے پروردگار

ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما۔

معلوم ہوا زندوں کی استغفار سے انھیں فائدہ پہنچے گا نیز میت کو زندوں کی دعا سے

فائدہ ہوتا ہے اس پر تو امت کا اجماع ہے نہ امتیاز میں میت کے لئے دعا کرنے کا عمل متواتر ہے

نیز امتیاز میں جو دعائیں میت کے لئے کی جاتی ہیں وہ سنت مستفیضہ سے ثابت ہیں اسی طرح میت

کے دفن کے بعد اس کے حق میں دعا کرنا ثابت ہے سنن ابوداؤد میں عثمان بن عفان سے ہے

کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب میت کے دفن سے فارغ ہوتے تو قبر پر کھڑے ہو کر فرماتے اپنے بھائی

کے لئے مغفرت کی دعا کرو اور اس کے لئے ثابت قدمی کا سوال کرو اس سے اب سوال ہو رہا ہے

اسی طرح قبروں کی زیارت کے وقت بھی دعا کرنا ثابت ہے صمیم مسلم میں ہے یریدہ بن جعیب بیان

کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں تعلیم دیتے تھے کہ جب وہ قبرستان جائیں تو کہیں۔

اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِمُ أَهْلَ الْقُبُورِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ وَإِنَّا لَنَسْأَلُ اللَّهَ بِكُمْ لَاحِقُونَ

نَسْأَلُ اللَّهَ لَنَا وَلكُمْ اَلْعَاقِبَةَ۔

تم پر سلام ہو اے ایمان والو! مسلمانوں آخرت کے گھر میں رہنے والو! بے شک ہم بھی اگر اللہ

نے چاہا تو تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں ہم اللہ سے اپنے اور تمہارے لئے عافیت کا سوال کرتے ہیں

لہ مرفوع کا اصل تو نہیں ہے نسائی میں ہے نہ کسی دوسری کتاب میں ہے البتہ نسائی گبرائی ۳۴/۱۳۶۱ میں اور

مشکل الآثار لمحاوی ۲/۱۴۱ میں ابن عباس سے موقوف حدیث ہے سند صحیح ہے۔ (الحکام المبنی ۱۵۵)

سہ صمیم ہے (الحکام المبنی ۱۸۹ - ۱۹۰)

نیز صحیح مسلم میں حضرت عائشہ سے ہے کہ اس نے استفسار کیا کہ جب وہ قبروں والوں کیلئے استغفر کہے تو کیا کلمات کہے آپ نے فرمایا یہ کلمات کہو:-

اَسْتَغْفِرُكَ عَلَىٰ اَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ وَيَرْحَمَكَ اللهُ الْمُسْتَقِيمِينَ
وَمَنَادُوكُمْ وَالْمُسْتَخِيرِينَ وَرَأَاكَ اللهُ بِكُمْ وَحَقُّونَ.

ترجمہ: سلامتی ہو تم پر اے ایماندار اسلام والو آخرت کے گھر والو! اللہ ہمارے اور تمہارے
پہلوں اور پچھلوں پر رحم فرمائے بے شک ہم اگر اللہ نے چاہا تو تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں

صدقات کا ایصال البتہ صدقہ کا ثواب پہنچتا ہے چنانچہ بخاری مسلم میں حضرت عائشہ سے ہے
کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میری
والدہ اچانک فوت ہو گئی ہے اس نے کچھ وصیت نہیں کی میرا خیال ہے اگر وہ کلام کرنے کے قابل
ہوتی تو صدقہ کر تی کیا اگر میں اس کی جانب سے صدقہ کروں تو اس کو ثواب ملے گا آپ نے اثبات
میں جواب دیا نیز صحیح بخاری میں ابن عباس سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہ کی والدہ فوت ہو گئی
وہ خود اس وقت وہاں موجود نہ تھا چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے
عرض کیا اے اللہ کے رسول! میری والدہ فوت ہوئی تو میں وہاں موجود نہ تھا اگر میں اس کی
جانب سے صدقہ کروں تو اس سے اس کو فائدہ ہوگا آپ نے اثبات میں جواب دیا اس نے کہا
میں آپ کی گواہ بناتا ہوں کہ میں نے عذرا بن عقیلہ کا اس کی طرف سے صدقہ کر دیا اس معنوں کی
احادیث سنت میں کثرت کے ساتھ ہیں۔

روزے کا ایصال ثواب بخاری مسلم میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص فوت ہوا اور اس کے ذمہ روزے تھے اس کی طرف سے اس کا
ولی روزے رکھے اس معنوں کی احادیث صحیح کتب حدیث میں موجود ہیں امام ابو حنیفہ کا
مسک یہ ہے کہ میت کی طرف سے روزے نہ رکھے جائیں البتہ کھانا کھلایا جائے دلیل ابن
عباس کی حدیث سے اخذ کرتے ہیں جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے مزید وضاحت کتب فرد
میں ملاحظہ فرمائیں۔

لے صحیح سے احکام الجنائز ۱۸۱ - ۱۸۳ ص ۱۸۳ صحیح ہے احکام الجنائز ص ۱۸۳ صحیح ہے احکام الجنائز ص ۱۸۳
ص ۱۸۳ صحیح ہے احکام الجنائز ص ۱۸۳

حج کا ایصال ثواب صحیح بخاری میں ابن عباس سے روایت ہے کہ جھینہ قبیلہ کی ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اس نے دریافت کیا کہ میری ماں نے حج کی نذرمان رکھی تھی لیکن وہ حج نہ کر سکی اور فوت ہو گئی یہ میں اس کی طرف سے حج کر دے آپ نے فرمایا اے اس کی طرف سے حج کرو نیز فرمایا یہ بتاؤ اگر تیری ماں پر قرض ہو تا تو تو اس کو ادا کرتی تو اللہ کا حق بھی ادا کرو۔ اللہ زیادہ حق دار ہے کہ اس کا حق ادا کیا جائے۔ اس مضمون کی احادیث بھی کثرت کے ساتھ ہیں۔

میت کی طرف سے قرض کی ادائیگی نیز مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ میت کی جانب سے قرض کی ادائیگی اگرچہ اجنبی کی طرف سے ہو اگرچہ اس کے ترکہ سے نہ ہو) ہو جائیگی ابو قتادہ کی حدیث اس پر دال ہے جب کہ ابو قتادہ نے ایک میت کے دو دینار قرض کی رقم داری امثال چنانچہ اس کی ادائیگی کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب اس کا جسم ٹھنڈا ہوا ہے یہ حکم قواعد شرع کے عین مطابق ہے نیز قیاس کا بھی یہی تقاضا ہے اور پھر کسی نیک عمل کا ثواب عمل کرنے والے کا حق ہے جب وہ اپنا حق اپنے کسی مسلمان بھائی کے لئے ہرہ کر دیتا ہے تو اس کو اس سے روکا نہیں جاسکتا جیسا کہ اس کو اس کی زندگی میں اپنے مال کے ہرہ کرنے سے نہیں روکا جاسکتا نیز وفات کے بعد اپنے مال سے بری ہونے سے روکا نہیں جاسکتا نیز شارع نے وضاحت کی ہے کہ جب قرأت وغیرہ عبادات بدنیہ کا ثواب پہنچتا ہے تو روزے کا ثواب بھی پہنچنا چاہئے وضاحت یہ ہے کہ روزہ نفس کو ان چیزوں سے روکنے کا نام ہے جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اس کے ساتھ نیت بھی ملحوظ ہے اس کے ایصال ثواب پر شارع کی جانب سے نفس موجود ہے تو قرأت قرآن کا ایصال ثواب کیوں نہیں ہوگا جس میں نیت اور عمل ہے

ایصال ثواب کے منکرین کی دلیل اور اس کے جوابات وہ ارشاد خداوندی پیش کرتے ہیں:

وَأَنْ تَكُنْ مِنْ قَوْمٍ مُّسْكِنِينَ (انجم ۲۹) اور یہ کہ انسان کو ان اعمال کا ثواب ہوگا جو وہ کرتا رہا۔

علماء نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں، زیادہ صحیح دو جواب ہیں ایک یہ ہے کہ انسان اپنی مسماعی حسن معاشرت کے ساتھ دوستوں کا حلقہ پیدا کر لیتا ہے اس کے ساتھ ساتھ وہ نکاح

ملہ صحیح ہے (الارواء ۸۷) ملہ حدیث تھی ہے (حاکم) (الکام المجتاز ۱۶)

کرنا ہے اس سے بھی مودت و محبت کے رشتوں میں اضافہ ہوتا ہے پھر اولاد بھی ہوتی ہے تو یہ لوگ اس کے حق میں دعائیں کرتے ہیں نیک اعمال کے ثواب کا اس کے لئے اہدائے کرتے ہیں اس پر شفقت کرتے ہیں اگر غور کیا جائے تو یہ سب کچھ دراصل اس کی اپنی کوششیں ہیں بلکہ ایک مسلمان اخوت اسلامیہ کے رشتہ میں منسلک ہو کر اپنے مسلمان بھائیوں کو ان کی زندگی میں اور زندگی کے بعد بھی فوائد پہنچاتا ہے دعا کرتا ہے اور مسلمان بھائی کی دعا تو ڈھال بن جاتی ہے اس کی مزید وضاحت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کو آپس میں محبت و غم خواری کا سبب بنایا ہے کہ تمام مومن ایک دوسرے کی معاونت کریں اور ایک دوسرے کے حق میں دعا کریں پس جب کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے حق میں دعا کرتا ہے تو گو یا وہ سبب میں سعی کر رہا ہے جس سے ایصال ثواب ہو رہا ہے دوسرا جواب پہلے جواب سے قوی ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن پاک نے اس بات کی نفی نہیں کی کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی کوشش سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا البتہ اس بات کی نفی ہے کہ دوسرے کی کوشش کا وہ مالک نہیں بن سکتا ان دونوں باتوں میں واضح فرق ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ ہر شخص اپنی مساعی کا مالک ہے البتہ دوسرے کی مساعی سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے جب وہ آپ کے لئے مساعی کو صرف کرتا ہے لیکن اس کو اختیار ہے کہ وہ اپنی مساعی کو اپنی ذات کے ساتھ مختص رکھے۔

نیز اللہ پاک کا قول اِنَّ لَا تُوَدُّ ذَا زُرَّةٍ ذُرُّهُ اَمِي. کوئی نفس کسی دوسرے نفس کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

نیز۔ وَ اَنْ تَكُنْ مِنْ اِلَا مَسَاعِي (انجم ۳۸-۳۹)

ترجمہ :- اور یہ کہ انسان کو ان اعمال کا ثواب حاصل ہو گا جو وہ کرتا رہا۔

یہ دونوں آیات محکم ہیں عدل خداوندی کا پتہ دے رہی ہیں پہلی آیت کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کے غیر کے جرم کی وجہ سے سزائیں مبتلا نہیں کرتا اور نہ غیر کے قصور پر اس سے مواخذہ کرتا ہے جس طرح کہ دنیا کے بادشاہ کرتے ہیں اور دوسری آیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص کی کامیابی اس کے اعمال پر ہے وہ ہرگز یہ امید نہ رکھے کہ اپنے آباؤ اجداد کے عمل یا مشائخ کی مساعی سے نجات حاصل کرے گا جس طرح کہ اس قسم کی ناکام امیدیں بعض لوگ اپنے دل میں سمائے رکھتے ہیں۔ اللہ سبحانہ نے یہ نہیں کہا کہ غیر کی مساعی سے فائدہ بھی نہ ہو گا جب وہ اپنی مساعی اس کے لئے صرف کرے گا ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کہ جب آدم کا بیٹا فوت ہو جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے اس سے عدم ایصال ثواب پر استدلال درست نہیں اس حدیث میں اس بات کی

ہرگز نفی نہیں ہے کہ نفع اٹھانا بھی منقطع ہو جاتا ہے صرف عمل کے انقطاع کا ذکر ہے اور اس کے غیر کا عمل تو عمل کرنے والے کے لئے ہے اگر وہ اس کا تہمہ اپنے غیر کے لئے کر دیتا ہے تو عامل کے عمل کا ایصال ثواب ہو گا وہ اس کے عمل کا ثواب تو نہیں ہے اس کی مثال قرض کی ہے جس کو انسان اپنے غیر کی طرف سے ادا کرتا ہے اور اس کو بری الذمہ قرار دیتا ہے اگرچہ مال اس کے قبضہ میں نہیں کرتا جس سے وہ خود قرض ادا کرے۔

عبادات بدنیہ و مالیہ میں فرق؟ | نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کی جانب سے روزہ رکھنے کو مشروع قرار دیا ہے حالانکہ روزے میں نیابت جائز نہیں حضرت جابر کی وہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید الاضحیٰ کی نماز ادا کی جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ کے پاس ایک مینڈھ لایا گیا آپ نے اس کے ذبح کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کے کلمات کہے نیز آپ نے فرمایا یہ قربانی میری طرف سے اور میری امت کے ان لوگوں کی طرف سے ہے جنہوں نے قربانی نہیں کی۔ احمد، ابوداؤد، ترمذی نیز دو مینڈھوں والی حدیث ایک حدیث میں آپ نے فرمایا: اے اللہ یہ میری طرف سے اور میری تمام امت کی طرف سے ہے۔ دوسری میں آپ نے فرمایا: اے اللہ یہ محمد اور آل محمد کی طرف سے ہے۔ احمد۔

خیال رہے قربانی میں قربتہ خون گنانا ہے آپ نے اس کا ایصال ثواب اپنے غیر کے لئے کیا ہے اسی طرح حج کی عبادت بدنی ہے مال اس کا رکن نہیں ہے وہ تو وسیلہ ہے کیا آپ جانتے نہیں ہیں کہ تہمہ میں رہنے والے پر بھی حج واجب ہے جب وہ عرفات جانے کی قدرت رکھتا ہے مال وغیرہ کی شرط نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ حج کی عبادت مالی، بدنی نہیں بلکہ صرف بدنی ہے جیسا کہ اس کی وضاحت امام ابو حنیفہ کے متاخرین تلامذہ سے ثابت ہے نیز فرض کفایہ امور پر نگاہ دالیں کہ چند انسانوں کے ادا کرنے سے دوسروں سے ساقط ہو جاتا ہے نیز اس لئے کہ اس صورت میں تواضعا ثواب بے نیابت نہیں ہے جیسا کہ اخیر خاص کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی کو اپنا نائب بنائے البتہ اجرت بھی کو چاہے دے سکتا ہے۔

۱۔ شواہد کے پیش نظر صحیح ہے المبح (۴/۲۲ - ۲۳) دیکھیں ۲۷ حسن ہے المسند (۱/۲۹۱-۲۹۲) ۳۷۲ سند ضعیف ہے (ابو صالح نوزی) کے بارے میں صاحب تقریب کہا ضعیف حدیث والا ہے البتہ حاکم نے (۱۹۱) میں اس حدیث کو صحیح الاسناد قرار دیا ذہبی نے خاموشی اختیار کی، ترمذی نے کہا ہم اس حدیث کو صرف اسی طریق سے جانتے ہیں۔

اجرت پر پڑھائے ہوئے قرآن کا ایصالِ ثواب | کچھ لوگوں کو اجرت پر قرآن پاک پڑھانا اور میت کے لئے اس کا ایصالِ ثواب کرنا درست نہیں سلف صالح میں سے کسی ایک سے بھی ایسا کرنا ثابت نہیں نیز کسی امام نے اس کا حکم نہیں دیا نہ ہی اس کی رخصت دی ہے نیز محض تلاوت پر اجرت لینا بھی جائز نہیں اس میں کسی کا اختلاف نہیں البتہ قرآن کی تعلیم پر اجرت لینے کے بارے میں اختلاف ہے جس میں دوسرے انسان کو فائدہ حاصل ہو رہے ہوں کسی عمل کا ثواب میت کو ہوں وقت ملے گا جب وہ عمل محض اللہ کی رضا کے لئے ہو یہاں تو اس کو خالص عبادت کا نام نہیں دیا جاسکتا تو پھر اس کا ثواب کیا ہوا جس کا ایصالِ میت کو کیا جا رہا ہے یہی وجہ ہے کہ کوئی شخص اس بات کا قائل نہیں کہ نماز، روزہ کے لئے کسی کو کرایہ پر رکھا جائے اور میت کو اس کا ایصالِ ثواب کیا جائے لیکن جب قرآن کی تعلیم و تعلم والے لوگوں کو ان کی اعانت کرتے ہوئے انھیں مال کا عطیہ دیں گے تو یہ درست ہے اس لئے کہ وہ صدقہ کی شکل اختیار کر گیا لیکن (الاغنیاء کتاب) میں ہے اگر کوئی شخص وصیت کر جاتا ہے کہ اس کے مال سے کچھ حصہ اس شخص کو دیا جائے جو اس کی قبر و قبرا کی قرأت کرے گا تو یہ وصیت باطل ہے اس لئے کہ یہ صورت اجرت کی ہے صدقہ کی نہیں ہے نیز زاہدی نے (الغنیۃ) میں ذکر کیا ہے اگر کوئی شخص اپنے مال میں سے کچھ مال کو ایسے لوگوں کے لئے وقف کرتا ہے جو اس کی قبر پر قرآن کی تلاوت کریں گے تو اس صورت میں مال کی تعیین کرنا غلط ہے۔ البتہ قرآن پاک کی تلاوت کرنا اور تلوغاً بلا اجرت اس کے ثواب کا میت کے لئے ایصال کرنا درست ہے جیسا کہ روزہ، حج کے ثواب کا ایصال درست ہے اگر اعتراض کیا جائے کہ یہ طریق سلف میں موجود نہ تھا نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی راہ نمائی نہیں فرمائی ہم جواب دیں گے اگر معترض حج، روزہ، و دعا کے ثواب کے ایصال کا قائل ہے تو ہم کہیں گے ان کے ایصالِ ثواب اور قرآنی کی تلاوت کے ایصالِ ثواب میں کیا فرق ہے ہاں سلف سے کسی عمل کا ثابت نہ ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ ایصالِ ثواب نہیں ہوگا پھر نفی میں عمومیت نہیں ہے اگر اعتراض کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو روزے، حج، صدقہ کے ایصالِ ثواب کی راہ نمائی تو فرمائی ہے تلاوت قرآن کے ایصالِ ثواب کی راہ نمائی نہیں فرمائی۔ ہم جواب دیں گے کہ ان کے بارے میں بھی آپ نے از خود کچھ نہیں فرمایا بلکہ جب آپ سے دریافت کیا گیا کہ میت کی طرف سے حج کیا جاسکتا ہے تو آپ نے اس کی اجازت دی نیز جب ایک انسان نے آپ سے روزے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے اس کی بھی اجازت مرحمت فرمائی دیگر چیزوں

سے آپ نے منع نہیں فرمایا اور آپ بتائیں، روزے کے ایصالِ ثواب کے درمیان رجمِ مرتبت اور روکنے کا نام ہے، اور تلاوتِ قرآن اور ذکر کے ایصالِ ثواب کے درمیان کیا فرق ہے؟ اگر دریافت کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اعدادِ ثواب کیا جاسکتا ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ متاخرین میں سے بعض نے اس کو مستحب کہا ہے اور بعض نے بدعت کہا ہے اس لئے کہ صحابہ کرام سے یہ فعل ثابت نہیں نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہر اس شخص کے ثواب کے برابر ثواب ثابت ہے جو آپ کی امت سے نیک عمل کرتا ہے عمل کرے وہ اے کے ثواب سے بھی کچھ کم نہیں ہوتا یہ اس لئے کہ آپ نے ہی امت کو تمام نیک کاموں کی راہ نمائی کی ہے لیکن یہ قول کہ میت کے پاس قرآن پڑھا جائے تو میت جب اللہ کا کلام سنتا ہے تو اس سے اس کو فائدہ ہوتا ہے یہ قول کسی مشہور امام سے صحت کے ساتھ مروی نہیں اس لئے کہ قرآن پاک کے سننے کا ثواب زندگی کے ساتھ مشروط ہے جب کہ وہ اختیار والا تھا اور سننا اس کا اختیاری عمل تھا وہ تو موت کے ساتھ منقطع ہو گیا بلکہ بعض اوقات تو اس سے اسے نقصان پہنچتا ہے اور وہ تکلیف محسوس کرتا ہے جب کہ اس نے اللہ کے اوامر اور نواہی کے مطابق زندگی نہیں گذاری تھی یا اس نے نیک کاموں کی طرت زیادہ رغبت نہیں کی تھی۔

قبر پر قرآن پڑھنا اس میں علماء کا اختلاف ہے تین مشہور قول ہیں ایک قول مکرمہ ہے قبر پر قرآن پڑھنے سے فوت کچھ حرج نہیں تیسرا قول دفن کے بعد مکرمہ ہے امام ابوحنیفہ، مالک (احمد ایک روایت میں) کہتے ہیں مکرمہ ہے اس لئے کہ یہ بدعت ہے سنت میں اس کا کہیں ذکر نہیں نیز قرآن پڑھنا مانگے مشابہ ہے اور قرآن کے نزدیک نماز ادا کرنے سے روکا گیا اسی طرح تلاوتِ قرآن سے بھی روکا جائے گا امام محمد بن حسن (احمد دوسری روایت میں) کہتے ہیں دفن کے وقت کچھ حرج نہیں عبداللہ بن عمر کے قول سے استدلال کرتے ہیں کہ اس نے وصیت کی کہ اس کی قبر پر دفن کے بعد سورہ بقرہ کا اوائل اوداؤں پڑھا جائے نیز بعض جہاں سورہ بقرہ کی تلاوت بھی منقول ہے ہاں اس کے بعد جس طرح کہ قبر پر لوگ تلاوتِ قرآن کے لئے آتے جلتے رہتے ہیں یہ امام احمد کے ہاں مکرمہ ہے سنت میں اس کا ذکر نہیں ہے نہ ہی سلف صالحین سے کچھ نقل ہے یہ قول دلیل کے لحاظ سے قوی ہے پھر تصدیق کی ایک سہ رت بھی ہے۔

(ط) اللہ تعالیٰ دعائیں قبول فرماتا ہے اور ضرورتیں پوری فرماتا ہے۔

(دش) ارشاد خداوندی ہے: وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ (غافر ۶۰)

ترجمہ: اور تمہارے رب نے اعلان کیا کہ تم مجھ سے مانگو میں تمہیں دوں گا۔

نیز فرمایا: **وَاذْكُرْ لَكَ عِبَادِي عَنِّي قَاتِي قَرْنَيْكَ اُحْيِيْبْ دَعْوَةَ الْكَافِرِ اِذَا دَعَاكَ رَالْبَقِيَّةِ ۝**

ترجمہ:- اور جب میرے بند تجھ سے میرے بارے میں دریافت کریں (تو کہہ دو) میں قریب ہوں
پکارنے والے کی پکار کو جب وہ پکارتا ہے قبول کرتا ہوں۔

مسلمانوں کی اکثریت نیز دیگر تمام مذاہب وغیرہ کا قول ہے کہ فوائد کے حصول اور نقصان دہ چیزوں سے بچاؤ کا مضبوط ذریعہ دعا کرنا ہے اللہ تعالیٰ نے کافروں کے بارے میں بتایا ہے کہ سمندر میں سفر کرتے ہوئے جب انھیں خطرہ لاحق ہوتا تو وہ اخلاص کے ساتھ صرف اللہ کو پکارتے تھے نیز انسان کو جب بھی مصیبت پیش آتی ہے تو وہ پہلو کے بل بیٹھے ہوئے یا کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے اور اللہ اپنے بندوں کی پکار قبول فرماتا ہے خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافریوں اور اللہ تعالیٰ ان کے سوال کو پورا فرماتا ہے یہ دراصل اللہ تعالیٰ کی رازقیت ہے اور ان کی معاونت ہے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا یہی تقاضا ہے پھر کبھی اس کے حق میں فتنہ اور مغرت بھی ہوتا ہے جب اس کا کفر و فسق اس کا متقاضی ہوتا ہے سخن ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ سے سوال نہیں کرتا اللہ اس پر ناراض ہو جاتا ہے کئی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:- **الرب يغضب ان تركت سواله وبنو آدم حين يسأل يغضب**

ترجمہ:- اگر اللہ تعالیٰ سے آپ سوال کریں تو وہ ناراض ہو جاتا ہے جب انسان سے اگر سوال کیا جائے تو وہ ناراض ہوتا ہے **ابن قتیل کا قول** | اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو دعوت دی ہے کہ وہ دعا کریں اس کے چند وجوہ ہیں ملاحظہ کریں ایک یہ کہ اس سے ثابت ہو گا کہ اللہ کا وجود ہے اگرچہ خود ہی نہیں تو دعا کرنے کا کیا مطلب؟ دوسرا یہ کہ وہ ذات غنا والی ہے ظاہر ہے کہ فقیر سے تو کچھ سوال ہی نہیں ہوتا تیسرا یہ کہ وہ سنا ہے جو سنتا نہیں اسے کون پکارتا ہے چوتھا یہ کہ وہ کرم والا ہے بخیل سے کون مانگتا ہے پانچواں یہ کہ وہ رحیم ہے سخت دل سے کون طلب کرتا ہے چھٹا یہ کہ وہ قدرت والا ہے جس میں قدرت ہی نہ ہو اس سے کون سوال کرتا ہے اور جو لوگ اشیاء میں خصوصیات کے قائل ہیں ان کے ہاں بھی انھیں کچھ اختیار حاصل نہیں ہے اسی لئے دعا مشروع ہے اور جب بادرش کی ضرورت ہو تو غائر استسقا ادا کی جاتی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ اشیاء میں خصوصیات طبعی لحاظ سے ہیں انتہائی لحاظ سے نہیں ہیں اس لئے آگ کو مخاطب کر کے یوں نہ کہا جاتا کہ اے آگ تو کھ جا اور نہ ہی تجھ میں کچھ اندازہ کے مطابق کسی سیارے کو یوں مخاطب کیا جاتا ہے کہ اے ستارے میرے مزاج کی اصلاح کر۔

بعض فلاسفہ کا ایک شبہ اور اس کا ازالہ | بعض فلاسفہ اور غالی قسم کے صوفیاء کا مذہب یہ ہے کہ دنیا میں کچھ فائدہ نہیں اس لئے کہ مشیت الہیہ اگر مطلوب کے وجود کا تقاضا کرتی ہے تو دعا کی کیا ضرورت ہے اور اگر مشیت ہی تقاضا نہیں کرتی تو دعا کچھ فائدہ نہیں بعض لوگوں نے دعا نہ کرنا خاص قسم کے غارنوں کا خاصہ قرار دیا ہے بلکہ دعا

سنہ حدیث صحیحہ سے منقولہ (۲۲۳۸)

کو مقام معرفت پر وصول کے درمیان رکاوٹ کہا ہے لیکن بعض شیوخ کی یہ وضاحت غلط ہے جس طرح ان کا نادرست ہونا دین اسلام کی روشنی میں واضح ہے بالکل اسی طرح عقلی تقاضوں کی روشنی میں بھی یہ بات ناسد ہے جب کہ تجربات سے دلائل کے فوائد ثابت ہیں بلکہ فلاسفر جن کا مشرک ہونا واضح ہے ان کا قول - یہ عبادت گاہوں اور مندروں میں مختلف زبانوں میں اونچی اونچی آوازوں کے ساتھ دعائیں کرنا زمانہ کی پیدا کردہ مشکلات کو ختم کر سکتی ہیں -

فلاسفہ اور غالی قسم کے صوفیاء کی جانب سے جو شرعہ جتنی کیا گیا ہے اس کا ازالہ کرنے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ آپ کے بیان کردہ دونوں مقدمات غلط ہیں یہاں ایک تیسرا مقدمہ ہے جس سے شرعہ کا ازالہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مشیت الہیہ مطلوب کے وجود کا ایک شرط کے ساتھ تقاضا کرتی ہے اگر شرط موجود نہ ہو تو مطلوب کا تقاضا نہیں کرتی چنانچہ دعا کرنا بھی اس کی شرط ہے جبکہ مشیت الہیہ عمل صالح کے ساتھ تو ثواب کا تقاضا کرتی ہے اگر عمل صالح نہ ہو تو پھر مشیت الہیہ ثواب کا تقاضا نہیں کرتی۔ جس طرح کہ کھانے پینے سے سیلابی حاصل ہوتی ہے اس کے علاوہ نہیں ہوتی۔ عورت کے ساتھ وطی کرنے سے بچہ پیدا ہوتا ہے بیج ڈالنے سے کھیتی اگتی ہے پس جب تقدیر الہی میں ہے کہ دعا کرنے سے وہ کام ہو جائے گا جس کے لئے دعا کی جائے گی تو اس وقت یہ کہنا درست نہیں کہ دعا کرنے میں کچھ فائدہ نہیں جیسا کہ یہ کہنا درست نہیں کہ کھانے پینے بیج ڈالنے اور دیگر اسباب کے بروئے کار لانے میں کچھ فائدہ نہیں پس ان کا قول شریعت، عقل اور فطرت کے خلاف ہے یہی بات علماء کے ایک گروہ سے بھی منقول ہے کہ اسباب کی طرف التفات کرنا شرک فی التوسل ہے حالانکہ اسباب کو ختم کرنا نہ عقلاً درست ہے نہ شرعاً چنانچہ توکل، رجاء کے اوصاف جہاں توسل کو ثابت کرتے ہیں وہاں عقلاً شرعاً بھی ان کی صحت مسلم ہے۔

تفصیل یہ ہے کہ کسی سبب کی طرف اس طرح التفات کرنا کہ دل اس پر اعتماد کرے اسی سے امید وابستہ رکھے اسی پر بھروسہ کرے یہ درست نہیں مخلوقات میں کوئی چیز بھی اس کا استحقاق نہیں رکھتی اس لئے کہ سبب کو مستقل سمجھنا اللہ کے ساتھ شرک کے مترادف ہے بھلا اگر مسبب الاسباب کسی سبب کو آپ کے تابع نہیں کرتا تو کیا وہ سبب آپ کے تابع ہو جائے گا۔

سابقہ بیان کردہ شرعہ کا ازالہ ایک دوسرے انداز سے بھی کیا جاتا ہے۔ ان کا یہ قول اگر مشیت الہیہ مطلوب کا تقاضا کرتی ہے تو دعا کی ضرورت نہیں اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ یہ کلیہ غلط ہے بلکہ کبھی دعا کی ضرورت

ہوتی ہے جب اس سے کوئی دوسرا مفاد جلد یا بدیر حاصل ہوتا ہے یا کسی نقصان وہ چیز کو جلد یا بدیر دفع کرنا مقصود ہے۔ اسی طرح ان کا یہ قول اگر مشیت اللہ تعالیٰ تقاضا نہیں کرتی ہے۔ تو دُعا کا کچھ فائدہ نہیں۔ اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ دُعا کے تو بہت فوائد ہیں۔ اس سے فوائد حاصل ہوتے ہیں نقصان وہ چیزیں دفع ہو جاتی ہیں جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس پر متنبہ فرمایا کہ دُعا سے اس کے بندے کی جو فائدہ جلد حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اسے اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اللہ وحدہ کا اقرار ہونا ہے۔ اس کا ان صفات کے ساتھ موصوف ہونا ہے کہ وہ کُفے والا قریب ہے نیز قدرت والا علم والا رحم کرنے والا۔ یہ اس کا اقرار اس کی طرف احتیاج کے رجحان کو پیدا کرتا ہے۔ اس کے بالبع اعلیٰ قسم کے علوم اور پاکیزہ کیفیات کا حصول ہوتا ہے جو کہ ایک مسلمان کے عظیم مقاصد ہیں۔ اگر اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا کسی کو عطیہ کرنا اس کے فعل کے ساتھ معلل ہے جیسا کہ وہ شخص جس سے سوال کیا جاتا ہے وہ سائل کو عطیہ کرتا ہے تو اس میں اس کا سوال اثر انداز ہے کہ وہ سوال کرنے والے سے متاثر ہو کر اس کا سوال پورا کرتا ہے، ہم جواب میں کہیں گے کہ اللہ سبحانہ نے انسان کو دُعا کی طرف متوجہ کیا لہذا اس خبر کا آغاز بھی اسی سے ہے اور اتمام بھی اسی سے ہو رہا ہے۔ جب کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا میں دُعا کی قبولیت کے خیال میں متفرق نہیں ہوتا مجھے تو بس دُعا کا خیال ہی دامگیر رہتا ہے اور جب مجھے دُعا کا الہام ہو جاتا ہے تو دُعا قبول بھی ہو جاتی ہے ارشاد خداوندی ملاحظہ فرمائیں

يَكُنْ بِرُؤَاكُم مِّنَ الشَّيْءِ اَوْ لِيْ اِلَّا ذٰلِكَ شَيْءٌ يَّعْرِضُ اِلَيْكُمْ فَاِنْ كَانَ مَغْدُوًّا

اَلَمْ يَكُنْ لَّكُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ (الم آئیدہ - ۵) وہی آسمان سے زمین تک کے ہر کام کا انتظام کرتا ہے

پھر وہ ایک روز جس کی مقدار تمہارے شمار کے مطابق ہزار برس ہوگی اس کی طرف موعود (اور رجوع کرے گا) اللہ سبحانہ نے اس بات کی خبر دی ہے کہ معاملات کی تدبیر کا آغاز کرنے والا وہی ہے (اس کے بعد تدبیر شدہ امور اسی کی جانب موعود فرماتے ہیں یعنی اللہ سبحانہ وہ ذات ہے جو اپنے بندے کے دل میں دُعا کی تحریک پیدا کرتی ہے۔ اور اس کو خیر کا سبب بناتی ہے جیسا کہ اعمال صالحہ اور اُن کے ثواب کا مسئلہ ہے۔ بس اللہ ہی بندے کو توفیق عطا کرتا ہے اور وہی اس کو قبول فرماتا ہے وہی اعمال صالحہ کی توفیق عطا کرتا ہے وہی ثواب عطا کرتا ہے۔ وہی دُعا کی توفیق دیتا ہے وہی دُعا قبول کرتا ہے۔ ان تمام چیزوں میں مخلوقات کا کچھ اثر نہیں بلکہ سبب کو سبب بنانے والا بھی وہی ہے مطر بن عبد اللہ بن شعیبہ تابعی فرماتے ہیں میں نے تمام ائمہ پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ ان کا آغاز اللہ کی جانب سے ہے اور اتمام بھی اسی کی طرف سے ہے۔ اور انھیں دُعا پر ہے۔

ایک استفسار اور اُس کا جواب یہاں ایک مشہور سوال پڑتا ہے کہ کچھ لوگ اللہ تعالیٰ سے سوال

کرتے ہیں انہیں کچھ نہیں دیا جاتا یا جس چیز کا وہ سوال کرتے ہیں ان کا وہ سوال پورا نہیں ہوتا اس کے تین تحقیقی جواب دئے گئے ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے کہ مذکورہ آیت قرآنی اس بات کو ضمنی نہیں کہ مطلقاً جو

سوال کیا جائے اُس کو اس کا عطیہ دیا جاتا ہے۔ تربت میں صرف اس بات کا ذکر ہے کہ دُعا کرنے والے کی دُعا قبول ہوتی ہے ظاہر ہے کہ دُعا کرنے والا سوال کرنے والے سے عام ہے۔ نیز دُعا کرنے والے کی دُعا کا قبول ہونا سوال کرنے والے کو عطیہ دینے سے عام ہے۔ اسی لیے ارشاد نبوی ہے: ہمارا پروردگار ہر رات آسمان دنیا کی طرف اُترتا ہے اور اعلان فرماتا ہے کون شخص ہے جو مجھ سے دُعا کرے میں اس کی دُعا قبول کروں۔ کون شخص ہے جو مجھ سے سوال کرے میں اس کو عطیہ دوں کون شخص ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے میں اس کو مغفرت کروں معلوم ہوا دُعا کرنے والے اور سوال کرنے والے میں فرق ہے۔ نیز دُعا قبول کرنے اور عطیہ دینے میں فرق ہے اور یہ فرق عموم خصوص کا ہے۔ حدیث مذکور میں سوال کرنے والے کے بعد استغفار کرنے والے کا ذکر کیا ہے وہ بھی ایک قسم کا سائل ہے لیکن سوال سے انھیں ہے اور سوال دُعا سے خاص ہے۔

پس جب بندوں کو یہ علم ہو جاتا ہے کہ اللہ قریب ہے وہ دُعا کرنے والے کی دُعا قبول فرماتا ہے۔ تو انہیں یہ علم بھی ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے قریب ہے۔ اور وہ اس سے سوال کر سکتے ہیں۔ نیز اس کے علم اس کی رحمت اور قدرت معلوم کرتے ہیں تو کبھی وہ اللہ تعالیٰ سے عبادت کے انداز میں اور کبھی سوال کے انداز میں دُعا کرتے ہیں۔ اس لیے کہ لفظ دُعا عبادت اور استعانت دونوں کو شامل ہے نیز اللہ تعالیٰ کے اس قول وَقَالَ رَبُّكُمْ اِذْ عَوْنِيْ اَسْتَجِبْ سَكُوتٌ (غافر ۶۰) اور تمہارے پروردگار نے فرمایا تم مجھ سے دُعا کرو میں تمہاری دُعا قبول کروں گا۔ دُعا کی تفسیر عبادت اور طلب سے کی گئی ہے نیز اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا قول اِنَّ الَّذِيْنَ يَتَسَاءَلُوْنَ عَنَ عِبَادَتِيْ (غافر ۶۰) بے شک وہ لوگ جو مجھ کو پکارتے سے روگردانی کرتے ہیں پہلے معنی کی تائید کرتا ہے۔

دوسرا جواب: اجابت دُعا عطا سوال سے عام ہے اس کی تفسیر مسلم کی حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بھی اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہے شرط یہ ہے کہ دُعا ۱۰۷ کے کام اور قطع رحمی کی نہ ہو تو اس کو تین عطا یا میں سے ایک عطیہ دیا جاتا ہے یا بہت جلد اس کی دُعا قبول ہو جاتی ہے۔ ۱۱۷) نامہ اعمال میں اس کے مثل خیر کا ذخیرہ ثبت ہو جاتا ہے یا اس سے اس کے مثل شر کو دفع کر دیا جاتا ہے صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! اس وقت ہم زیادہ دُعا کریں گے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ بہت خیر دالے ہیں۔ پس اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصادق المصدق نے مجردی ہے کہ جو دعا نیرا دتی سے پاک ہے۔ صحیح متواتر بعض طرق ارواء الغلیل (۳۴۹) میں ذکر ہیں اور کبھی دونوں کو جمع کرتے ہیں۔

۱۲) حدیث صحیح ہے لیکن مسلم میں نہیں ہے البتہ مسند احمد میں ابو سعید خدری سے مروی ہے نیز حاکم اور ذہبی نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔

ہے یا تو اس کا سوال بہت جلد پورا ہو جاتا ہے یا اس کے برابر خیر کا اس کے لیے ذخیرہ کر لیا جاتا ہے۔ یا اس کی مثل اس سے کسی برائی کو روک لیا جاتا ہے۔

تیسرا جواب: دُعا تو مطلوب کے حصول کا سبب ہے اور سبب کے کچھ شرط اُرد موافق ہوتے ہیں۔ جب شرط موجود ہوں اور موافق شفی ہوں تو مطلوب حاصل ہو جاتا ہے وگرنہ مطلوب حاصل نہیں ہوتا۔ اس کا غیر قرع حاصل ہو سکتا ہے۔ اسی طرح تمام پاکیزہ کلمات اور اذکار مسنونہ کا حال ہے جن پر فوائد کا حصول یا نقصان دہ چیزوں کا دفع کرنا معلق ہے اس لیے کہ کلمات کی حیثیت اس آلہ کی حیثیت ہے جو کسی کام کرنے والے کے ہاتھ میں ہے قوت کے اختلاف سے اس میں بھی اختلاف رونما ہو گا۔ اور کبھی اسباب کی معارضہ کرنے والے موافق ہوتے

ہیں نیز وعد و وعید کے نصوص بھی ظاہر میں متعارض ہیں چنانچہ اس مسئلہ میں غور و فکر کے بعد اکثر دیکھنے میں آیا کہ کچھ لوگوں نے دُعائیں کیں ان کی دُعا قبول ہو گئیں۔ دراصل دعائیں صاحب دُعا کی ضرورت بھی دیکھی جاتی ہے۔ نیز وہ کتنی توجہ سے دُعا کرتا ہے؟ بعض دفعہ اس کی کسی پہلی بجلی کو ملحوظ رکھا جاتا ہے اور اس کی ضد کرتے ہوئے اس کی دُعا قبول ہو جاتی ہے اور بعض قبولیت کے وقت دُعا ہوتی ہے اور بعض اوقات کوئی اور وجہ

بھی ہو سکتی ہے۔ اس سے دُعا کرنے والا بس یہ سمجھتا ہے کہ اصل راز دُعا ہی ہے۔ وہ دیگر اسباب اور مناسبات کی طرف دھیان نہیں کرتا اس کی مثال اس طرح ہے کہ ایک شخص فائدہ دینے والی دوا مناسب وقت میں استعمال کرتا ہے اس کے استعمال سے اس کو فائدہ ہو جاتا ہے۔ اس سے دوسرا شخص یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ فلاں

دوا مفید ہے۔ وہ اس کا استعمال مناسب وقت میں نہیں کرتا تو اُسے فائدہ حاصل نہیں ہوتا اسی طرح ایک شخص بے چارگی کے عالم میں کسی قبر کے قریب کھڑے ہو کر دُعا کرتا ہے۔ اس کی دُعا قبول ہو جاتی ہے وہ سمجھتا ہے کہ اصل راز قبر کے قریب کھڑے ہو کر دُعا کرنا ہے۔ حالانکہ اصل راز اس کی بیماری اور صبح معنی میں اس کا اللہ کی طرف میلان ہے بس جب اس کیفیت کے ساتھ اللہ کے کسی گھر میں دُعا کی جائے گی تو وہ اجابت سے

زیادہ قریب اور اللہ کے ہاں پسندیدہ ہوگی پس دُعائیں اور تہذات والے کلمات نیز دم والی آیات دراصل ہتھیار ہیں ظاہر ہے کہ ہتھیار کا اثر اس کے مارنے والے پر ہے۔ ہتھیار کی دھار کے ساتھ نہیں ہے۔ اگر ہتھیار مضبوط ہو اس کے چلانے والے کا بازو بھی مضبوط ہو اور جہاں اس کو چلایا گیا ہے اس میں اس کے اثر قبول کرنے کی صلاحیت ہو اور کوئی رکاوٹ بھی نہ ہو تو اس سے دشمن کا سر کھلا جائے گا۔ اور اگر تین چیزوں میں سے ایک بھی موجود نہ ہوگی تو ہتھیار اثر نہیں کرے گا لہذا جب دُعا ہی جائز نہ ہو یا دُعا کرنے والے کی زبان اور دل میں ہم آہنگی نہ ہو یا کوئی مانع موجود ہو تو دُعا کچھ اثر نہ ہو گا۔

(ط) اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مالک ہے اس کا کوئی مالک نہیں ہے اللہ تعالیٰ سے ہلک چھکنے کے برابر بھی

استغناء نہیں ہو سکتا جو شخص آنکھ بھپکنے کے برابر (وقت) اللہ سے مستغنی ہوا وہ کافر اور ہلاکت والوں سے ہوگا۔
(ش) نہایت واضح نچا کلام ہے اس میں کچھ پوشیدگی نہیں ہے۔

(ط) اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اور خوش ہوتا ہے لیکن کسی مخلوق کی طرح نہیں ہے۔

(ش) ارشاد خداوندی ہے۔ (یعنی اللہ عنہم) المائدہ ۱۳۲۔ التوبہ ۱۰۱۔ المجادلہ ۲۲۔ البینۃ ۸) اللہ ان پر راضی ہے

نیز فرمایا لَعَذَابُ اللَّهِ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ

الشَّجَرِ (الفتح ۱۸) خدا ان ایماندار مردوں پر خوش ہوا جنہوں نے درخت کے نیچے

آپ سے بیعت کی

نیز فرمایا (مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ وَعَصَيْبَ عَلَيْهِ) (المائدہ ۶۰) جس پر اللہ کی لعنت اور اس کا غضب

نیز فرمایا (وَعَصَيْبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ) (النساء ۹۳) اور اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت

نیز فرمایا ذَبَا۟رُۢمۡ يُعَصِّبُ مِنْ ۚ اللَّهِ (البقرہ ۱۶۱) وہ خدا کے غضب کے حقدار ہوئے

اس قسم کی آیات کثرت کے ساتھ ہیں تمام سلف صالح اور ائمہ کرام کا مسلک یہ ہے کہ اللہ کے اوصاف

ناراض ہونا، راضی ہونا، دشمنی، دوستی، محبت، بغض وغیرہ جو کتاب و سنت میں مذکور ہیں وہ کلام ثابت ہیں۔

ان اوصاف کی ایسی تاویل کرنا (جو اللہ سبحانہ کی ذات کے لائق نہ ہو) ممنوع ہے اسی طرح اللہ کے اوصاف سننا

دیکھنا کلام کرنا وغیرہ کی بھی تاویل ایسی نہیں کی جائے گی جو اللہ سبحانہ کی شان کے مطابق نہ ہو شیخ امام طحاوی

نے بھی اس مسئلہ کی طرف سابقہ اوراق میں اشارہ کیا ہے جہاں یہ ذکر ہے کہ روایت اور ہر وہ صفت جس کو اللہ

کی ربوبیت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے ہم اس کی تاویل نہیں کریں گے بلکہ بلا کیفیت اسے تسلیم کریں گے۔

یہی اہل اسلام کا عقیدہ ہے۔ نیز امام مالک کا قول ملاحظہ فرمائیں جب انہوں نے اللہ کے وصف استواء کے

بارے میں فرمایا کہ اللہ کا مستوی ہونا معلوم ہے اس کی کیفیت مجہول ہے نیز امام مسلمہ سے اسی مضمون

کی تلاوت نیز مرفوع روایت ہے یہ شیخ امام طحاوی نے بھی سابقہ اوراق میں ذکر کیا ہے کہ جس شخص نے

اللہ کی صفات میں نفی اور تشبیہ سے پرہیز کیا وہ سید سے راہ سے دور ہو گیا اور اس نے اللہ کو منزہ قرار

دینے میں درست راہ اختیار کیا نیز شیخ امام طحاوی کا قول ہے جس کا ذکر آگے آئے گا کہ اسلام مباغض آرائی

اور شان کی کوتاہی کے درمیان ہے۔ نیز تشبیہ، تعطیل کے درمیان راہ اعتدال کا نام ہے اسی طرح شیخ کا

یہ قول کہ اللہ پاک کسی مخلوق کی مثل نہیں ہے اس سے بھی تشبیہ کی نفی ہوتی ہے۔

ایک غلط تاویل | اللہ سبحانہ کے وصف رضا کی تاویل احسان کا ارادہ کرنا اور غضب کی تاویل انتقام کا

یہ مرفوع ثابت ہیں

ارادہ کرنا، صحیح نہیں ہے اس سے تو اللہ کے وصف کی نفی ہو رہی ہے جب کہ اہل سنت اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ اللہ سبحانہ اس چیز کا حکم دیتا ہے جس کو وہ محبوب جانتا ہے اور پسند فرماتا ہے۔ اگرچہ اس کا وہ ارادہ نہ کرے اور نہ چاہے اور اس چیز سے روکتا ہے جو اس کی ناراضگی کا باعث ہے اور جس کو وہ برا جانتا ہے اور اس کے کرنے والے سے دشمنی رکھتا ہے اور اس پر ناراض ہوتا ہے اگرچہ خدا نے اس فعل کو چاہا اور اس کا ارادہ کیا پس ان کے ہاں اللہ سبحانہ ایسی چیزوں کو محبوب جانتا ہے ان سے راضی ہوتا ہے جن کا وہ ارادہ نہیں کرتا اور ایسی چیزوں کو برا جانتا ہے اور ناراض ہوتا ہے جن کا اس نے ارادہ کیا نیز ہم ان لوگوں سے کہیں گے جو غضب اور رضا کی تاویل ارادہ ناراضگی اور ارادہ احسان سے کرتے ہیں کہ آپ یہ تاویل کیوں کرتے ہیں۔ غالباً وہ لوگ جواباً کہیں گے کہ غضب دل کے خون کے جوش مارنے کا نام ہے اور رضا میلان اور شہوت کا نام ہے ظاہر ہے کہ اس طرح کی نسبت اللہ کی طرف کرنا درست نہیں ہم جواباً کہیں گے انسان میں دل کے خون کا جوش مارنا غضب کی صفت کی وجہ سے ہوتا ہے غضب کی وجہ سے نہیں نیز ہم کہیں گے اسی طرح ہم میں ارادہ اور مشیت کسی زندہ کا کسی چیز کی طرف مائل ہونے یا کسی مناسب چیز کی طرف مائل ہونے کا نام ہے اس لیے کہ ہم زندگی میں صرف ایسی چیز کی طرف میلان کرتے ہیں جس سے ہمیں فائدہ حاصل ہو یا نقصان سے بچاؤ ہو تو انسان ایسی چیز کا محتاج ہے جس کا وہ ارادہ کر رہا ہے اس کے وجود کے ساتھ اس میں اضافہ ہو رہا ہے اور عدم وجود کے ساتھ کی ہو رہی ہے۔ وہ معنی جس کی جانب آپ نے لفظ کو تبدیل کیا ہے اس معنی کی طرح ہے جس سے آپ نے اس کو بدلا ہے دونوں برابر ہیں یعنی اگر یہ جائز ہے تو وہ بھی جائز ہے اور اگر یہ ناجائز ہے تو وہ بھی ناجائز ہے کسی کہنے والے کے اس قول جس ارادہ کے ساتھ اللہ سبحانہ موصوف ہے وہ اس ارادہ کے منافی ہے جس کے ساتھ بندہ موصوف ہے اگرچہ ان میں سے ہر ایک کی حقیقت کے جواب میں ہم کہیں گے کہ ندامت اور برضا مندی جو اللہ کے اوصاف ہیں وہ بندے کے اوصاف کے مخالفت ہوں گے اگرچہ ان میں سے ہر ایک کی حقیقت ہے چنانچہ جب وصف ارادہ وغیرہ میں اس بات کو دہرایا جاتا ہے تو دیگر صفات میں بھی اسی بات کو دہرایا جائے گا اس وقاحت میں تاویل نے کچھ تعین پیدا نہیں کیا ہے اس کا چھوڑنا بہتر ہے تاکہ تناقض سے بچاؤ ہو سکے نیز اللہ سبحانہ کے اسماء اور صفات تعطیل سے محفوظ رہ جائیں کون نہیں جانتا کہ قرآن پاک کو بلا کسی مقتضی کے اس کے ظاہر سے پھیرنا حرام ہے اور پھیرنے کا متقاضی عقل کی دلائل نہیں اس لیے کہ عقول میں اختلاف پایا جاتا ہے ہر انسان کی عقل دوسرے انسان کی عقل کے خلاف فیصلے کرتی ہے۔

یہ بات ہر ایسے انسان کے سامنے پیش کی جائے گی جو اللہ کی صفات میں سے کسی صفت کی نفی کرتا ہے اس لیے کہ اس صفت کا معنی مخلوق میں منتسج ہے۔ پھر اس انسان کو اللہ کے لیے ایسی صفت ثابت کرنی پڑے گی جو اس کے ہاں عام معلوم وصفت کے خلاف ہو۔ ہاں تک کہ وجود کے وصفت کے بھی خلاف وصفت پیش کرنی ہوگی۔ حالانکہ یہ ممکن نہیں ظاہر ہے کہ انسان کا وصفت وجود اس کے لائق ہے اور اللہ کا وصفت وجود اس کی ذات کے لائق ہے اللہ کے وجود پر عدم محال ہے لیکن مخلوق کے وجود پر محال نہیں ہے۔ نیز ایسے اسما ہیں جن کا اطلاق مخلوقات پر بھی ہوتا ہے اور اللہ پاک پر بھی ہوتا ہے مثلاً حی، علیم، قدیر یا بعض اوصاف جیسے غضب، رضا تو ہم خدا داد بعیرت کے ساتھ اللہ کے بارے میں ان اسماء اور صفات کو سمجھنے کی کوشش کریں گے ہم کہیں گے کہ ان اسماء اور صفات سے مقصود یہ ہے کہ اللہ حق ہے ثابت اور موجود ہے اسی طرح ہم مخلوق کے بارے میں بھی ان کی حقیقت معلوم کریں گے۔ لیکن اتنی بات ضرور کہیں گے کہ دونوں میں قدر مشترک ہے لیکن خارج میں اشتراک نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ مشترک کلی کا وجود ذہن میں ہی ہوتا ہے۔ خارج میں مشخص حسین چیز ہوتی ہے تو ہر ایک کا نام اور وصفت اس کی شان کے لائق اور مناسب ہے بلکہ جب ہم یہ کہتے ہیں۔ دوزخ کا دربان ملک فرشتہ ناراض ہوا اور دیگر فرشتے ناراض ہوئے تو ضروری نہیں کہ ان کی ناراضگی کی کیفیت انسانوں کی ناراضگی کی کیفیت کے مماثل ہو اس لیے کہ فرشتے اخلاط اربعہ سے خالی ہیں ناراضگی کے وقت انسانوں کا خون جوش مارتا ہے۔ ان کا خون جوش نہیں مارتا تو اللہ کی ناراضگی کیسے انسانوں کی ناراضگی کے مماثل ہو سکتی ہے۔

جہم بن صفوان اور اس کے ہم خیال لوگوں نے اللہ سبحانہ کے تمام اوصاف۔ کلام، رضا، غضب، محبت، عداوت، افسوس کرنا وغیرہ کا انکار کر دیا ہے وہ ان سب اوصاف کو مخلوق اللہ سے الگ سمجھتے ہیں ان کے ہاں اللہ فی نفسہ کسی بھی وصفت کے ساتھ موصوف نہیں ہے۔ ان کے مقابلہ میں ابن کلاب اور اس کے ہم خیال لوگ ہیں ان کا خیال ہے کہ اللہ کسی ایسے وصفت کے ساتھ موصوف نہیں جس کا تعلق اس کی مشیت اور قدرت کے ساتھ ہو تمام اوصاف اس کی ذات کے ساتھ لازم قدیم اور ازلی ہیں یعنی یہ بات درست نہیں کہ وہ ایک وقت میں ناراض ہوتا ہے۔ دوسرے وقت میں ناراض نہیں ہوتا۔ ایک وقت میں راضی ہوتا ہے۔ دوسرے وقت میں نہیں ہوتا۔ جیسا کہ شفاعت کی حدیث میں ہے میرا رب آج اتنا ناراض ہوا ہے کہ اس سے پہلے اتنا کبھی ناراض نہیں ہوا تھا اور نہ اس کے بعد کبھی اتنا ناراض ہوگا (بخاری، مسلم، نیز بخاری، مسلم میں حضرت ابوسعید خدری سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ جنت والوں سے مخاطب ہوگا۔ اے جنت والو! وہ جواب

دیں گے (بَيِّنَاتٌ دَرَبَتْكَ وَسَعْدَ يَدُكَ وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ) اے ہمارے رب ہم حاضر ہیں حاضر ہیں اور خیر تیرے ہاتھ میں ہے۔ اللہ ان سے دریافت فرمائے گا کیا تم خوش ہو؟ وہ جواب دیں گے اے رب ہم خوش کیوں نہ ہوں جب کہ تو نے ہمیں وہ کچھ دیا ہے جو تو نے اپنی کسی مخلوق کو نہیں دیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کیا میں تمہیں اس سے زائد نہ عطا کروں؟ وہ دریافت کریں گے۔ اے پروردگار اس سے زیادہ بہتر کون سی چیز ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں تم پر اپنی رضا کو اتارتا ہوں اس کے بعد میں کبھی تم پر ناراض نہ ہوں گا (مصحح ہے) اس سے معلوم ہوا کہ وہ اپنی رضا کو ہر وقت نہیں اتارتا بلکہ دُکھاؤقتاً اتارتا ہے یعنی وہ کبھی اپنی رضا اتارتا ہے پھر ناراض ہو جاتا ہے جیسا کہ وہ کبھی اپنی ناراضگی اتارتا ہے پھر اپنی رضا کو اتارتا ہے لیکن ان پر ایسی رضا کو نازل کیا ہے جس کے بعد ان پر ناراض نہیں ہوگا۔

نیز یہ لوگ کہتے ہیں وہ اپنی مشیت کے مطابق نہ کلام کر سکتا ہے نہ مسکرا سکتا ہے نہ ناراض ہو سکتا ہے نہ راضی ہو سکتا ہے۔ بلکہ ان کے نزدیک رضا، غضب، حب سے مُراد ارادہ ہے یا ان کو دیگر صفات قرار دیتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں ان صفات میں سے کسی کا تعلق اس کی مشیت اور قدرت کے ساتھ نہیں ہے اس لیے کہ اگر تعلق ہو تو اللہ محل حوادث ہوگا۔ یہ لوگ اس قائلہ کی بنیاد پر ان فعلی ذاتی صفات کی نفی کرتے ہیں جیسا کہ یہ کہہ کر کہ اللہ اعراض کا محل نہیں ان صفات کی مطلقاً نفی کرتے ہیں کبھی وہ ان کو افعال کا نام دیتے ہیں۔ حوادث نہیں کہتے جیسا کہ ان کو صفات کہتے ہیں اعراض نہیں کہتے۔ اشارہ یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔ لیکن شیخ طحاوی نے اپنے مختصر رسالہ میں صفات کی بحث کو کجا جمع نہیں کیا یہی حال مسئلہ تقدیر کا ہے۔ اور نہ ہی ترتیب کا اہتمام کیا ہے ہاں نہایت عمدہ ترتیب اصول دین کتاب کی ہے۔ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان جو ابیات پر مشتمل ہے جو آپؐ نے جبریل علیہ السلام کے سوالات پر دیئے جب حضرت جبریل علیہ السلام نے آپؐ سے ایمان کے بارے میں سوال کیا آپؐ نے جواب میں فرمایا ایمان یہ ہے کہ تیرا اللہ اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اس کے رسولوں آخرت کے دن پر اور تقدیر پر ایمان ہو خواہ وہ بہتر ہے یا غیر بہتر ہے (بخاری مسلم)

تو وہاں اولاً توحید کی بحث ہے پھر صفات خداوندی اور ان کی متعلقہ اباحت ہیں۔ اس کے بعد بالترتیب فرشتوں وغیرہ کی بحث ہے۔

(ط) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام سے ہم محبت رکھتے ہیں۔ کسی کی محبت میں غلو نہیں کرتے نہ کسی سے تبری کرتے ہیں نیز ہم ان سے دشمنی رکھتے ہیں جو ان سے دشمنی رکھتے ہیں۔ اور انہیں اچھے الفاظ سے یاد نہیں کرتے نیز ہم ان کا ذکر خیر ہی کرتے ہیں۔ ان سے محبت کرنا دین، ایمان

احسان ہے اور ان سے دشمنی رکھنا کفر، نفاق، سرکشی ہے) (ش) شیخ رحمہ اللہ لا مقصود روافض اور نواصب کا رد ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ان کی تعریف کی ہے۔ ان سے اپنی رضامندی کا اظہار کیا ہے اور ان سے جنت کا وعدہ کیا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ أُولَئِكَ الْمُقَدَّمُونَ وَالَّذِينَ تَبِعُوا هُمُ الْآخِرُونَ وَكَفَى اللَّهُ عَنْهُمْ مَذَاجَهُمْ فَمَنْ يَتَذَكَّرْ فَإِنَّهُ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ (۱۰) (الفلق) جن لوگوں نے سہقت کی (یعنی سب سے) پہلے (ایمان لائے) پہلے جہنم میں سے بھی اور انصار میں سے بھی اور جہنم نے نیکو کاری کے ساتھ ان کی پیروی کی خدا ان سے خوش ہوا اور وہ خدا سے خوش ہوئے اور ان کے لیے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں ہیں اور ہمیشہ ان میں رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے نیز فرمایا (مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ سَدَّ أَسْوَاحَ دُكَّانٍ سُدَّتْ أَلْفَاظُ السُّورَةِ (الفلق ۲۹) محمد خدا کے پیغمبر ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحمدل (اسے دیکھنے والے) تو ان کو دیکھتا ہے کہ (خدا کے آگے) جھکے ہوئے سر بسجود ہیں) نیز فرمایا (لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

(الفلق ۱۸) (اے پیغمبر، جب مومن تم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے تو خدا ان سے خوش ہوا) نیز فرمایا۔ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَآذَنُوا فَهُمْ يُنْفَكُونَ (۱) (النفال ۷۲) جو لوگ ایمان لائے اور وطن سے ہجرت کر گئے اور خدا کی راہ میں اپنے مال اور جان سے لڑے وہ اور جہنم میں سے نکلے (ہجرت کرنے والوں کو) جگہ دی اور ان کی مدد کی وہ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں)

نیز فرمایا لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ قَبْلَ الْفَتْحِ وَقَاتِلٌ أُولَئِكَ أَطْعَمُوا حَرْبًا مِنْ الْأَعْدَاءِ وَالَّذِينَ آمَنُوا بَعْدَ الْفَتْحِ وَقَاتِلُوا أُولَئِكَ أَطْعَمُوا حَرْبًا مِنْ الْأَعْدَاءِ وَالَّذِينَ آمَنُوا بَعْدَ الْفَتْحِ وَقَاتِلُوا أُولَئِكَ أَطْعَمُوا حَرْبًا مِنْ الْأَعْدَاءِ (۱) (الحديد ۱۰) جس شخص نے تم میں سے فتح (مکہ) سے پہلے خرچ کیا اور لڑائی کی وہ (اور جس نے مکہ کام پہنچے کئے وہ برابر نہیں ان کا درجہ ان لوگوں سے کیس بڑھ کر ہے جنہوں نے بعد میں خرچ (اموال) اور قتال سے) جہاد و قتال کیا اور خدا نے سب سے (جواب)

نِزَارِيًّا لِنَفْسِهِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ
فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِزْقًا وَيُفَوِّضُونَ أَمْرَهُمْ إِلَى اللَّهِ وَلَيْسَ ذَلِكَ عَلَى الْحَسَنَةِ
وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدِّينَ وَالْآثَرَ لِلَّهِ فِي مِمَّا قَضَىٰ اللَّهُ عَلَيْهِمْ يُفَتِنُونَ مِمَّا
خَلَقَ مِنْ بَيْنِهِمْ فَوَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ أَنِّي مَعَكُمْ
وَإِنْ أَنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِي وَتُحِبُّونَ دِينِي وَأُتَوَاتُوا عَلَىٰ مِيثَاقِي فَلَمَّا أَتَوْا
بِالْبَيْتِ وَكَانَ اللَّهُ مُتَوَسِّطَ بَيْنِهِمْ تَوَفَّنَا اللَّهُ يَوْمَ تَبَدَّلَ الْأَمَلُ
وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ
سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا
إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ (الرعر ٨-١٠)

اور ان مفلسان تارک الوطن کے لیے بھی جو اپنے گھروں اور مالوں سے خارج (اور جدا) کر دئیے گئے اور خدا کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طلبگار اور خدا اور اس کے پیغمبر کے مددگار ہیں یہی لوگ سچے ایماندار ہیں اور (ان لوگوں کے لیے بھی) جو مہاجرین سے پہلے (ہجرت کے) گھر (یعنی مدینہ) میں مقیم اور ایمان میں (مستقل) رہے (اور) جو لوگ ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں ان سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ ان کو ملا اس سے اپنے دل میں کچھ خواہش (اور غش) نہیں پاتے اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں۔ خود ان کو خود احتیاج ہی ہو اور جو شخص حرص نفس سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ مُراد پانے والے ہیں اور ان کے لیے بھی جو ان (مہاجرین) کے بعد آئے (اور) دُعا کرتے ہیں کہ اسے پروردگار ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (و حسد) نہ پیدا ہونے دے اسے ہمارے پروردگار تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے)

ان آیات میں مہاجرین انصار کی تعریف کی گئی ہے لیکن لوگوں کی بھی تعریف کی گئی ہے جو ان کے بعد آئے وہ ان کے حق میں دُعائے مغفرت کرتے ہیں اور اللہ سے دُعا کرتے ہیں کہ ان کے دلوں میں ان سے حسد و بغض راہ نہ پائے نیز وہ مال فیئ کے بھی حق دار ہیں لیکن جس شخص کے دل میں ایمان والوں کے بارے میں کینہ موجود ہے اور وہ ان کے لیے استغفار کرتا ہے تو اسے قرآن پاک کی روشنی میں مال فیئ سے کچھ حصہ نہ ملے گا۔ نیز بخاری، مسلم میں ابوسعید خدری سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ خالد بن ولید اور عبدالرحمن بن عوف کے درمیان کسی بات پر جھگڑا تھا اس بنیاد پر خالد بن ولید نے عبدالرحمن بن عوف کو برا بھلا کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے کسی صحابی کو کالی عروج نہ دو اگر تم میں

کوئی شخص اُحد پہاڑ کے برابر سونا (اللہ کے راہ میں) خرچ کرے تو وہ ان کی ایک مد (بیمانہ ہے) یا نصف مد کو نہیں پہنچ سکتا یا درہمے بخاری کی روایت میں خالد کا عبدالرحمن بن عوف کو بُرا بھلا کہنے کا ذکر نہیں البتہ مسلم کی روایت میں ہے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم خالد بن ولید اور اس جیسے صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ تم میرے صحابہ کو بُرا بھلا نہ کہو اس سے مراد عبدالرحمن بن عوف اور اس کے مرتبہ کے صحابہ مراد ہیں۔ اس لیے کہ عبدالرحمن بن عوف سابقین اولین صحابہ سے شمار ہوتے ہیں جو فتح مکہ سے قبل مسلمان ہوئے اور انہوں نے جہاد کیا یعنی بیعت الرضوان والے مراد ہیں یہ صحابہ کرام خاص طور پر ان سے افضل ہیں بیعت الرضوان کے بعد مسلمان ہونے یعنی صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان ہوئے ان میں خالد بن ولید بھی ہیں اور وہ صحابہ بھی

جو فتح مکہ تک مسلمان ہوتے رہے جو طغلق کے لقب سے متعارف ہیں۔ ان میں ابوسفیان اور اس کے بیٹے یزید اور معاویہ ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ ان لوگوں کو منع کیا جنہیں آخر میں صحابی ہونے کا شرف حاصل ہوا کہ وہ ان لوگوں کو گالی گلوچ کرین جنہیں آغاز اسلام میں صحابی ہونے کا شرف حاصل ہوا وہ ان سے ممتاز ہیں ان کے ساتھ شریک نہیں ہیں یہاں تک کہ اگر ان میں کوئی صحابی اُحد پہاڑ کے برابر سونا صدقہ کرے تو وہ ان کی ایک مد اور نصف مد کا مقابلہ نہیں کر سکتا تو جب یہ ان لوگوں کا حال ہے جو حدیبیہ کے بعد مسلمان ہوئے اور فتح مکہ سے قبل مسلمان ہوئے تو ان لوگوں کا صحابہ کے مقابلہ میں کیا حال ہوگا جو صحابہ کی فہرست میں نہیں ہیں (رضی اللہ عنہم اجمعین)

سابقون الاولون کی فہرست میں وہ مجاہدین اُحد انصار داخل ہیں جنہوں نے فتح مکہ سے قبل اللہ کے راہ میں مال خرچ کیا اور جہاد کیا بیعت الرضوان میں شریک تمام صحابہ ان سے شمار ہوتے ہیں۔ بیعت الرضوان والوں کی تعداد پچودہ سو سے کچھ زائد ہے بعض کا قول ہے کہ سابقون الاولون وہ صحابہ ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی جانب نماز ادا کی ہے یہ قول کمزور ہے اس لیے کہ صرف قبلہ منسوبہ کی جانب نماز ادا کرنا تو کوئی ایسی فضیلت نہیں ہے جب کہ نسخ ان کا فعل نہیں ہے یزید بن ابی سفيان، فضیلہ بن عکرمہ، کوئی شرعی دلیل بھی موجود نہیں ہے جب کہ ان کا آغاز اسلام میں خرچ کرنا۔ جہاد کرنا پھر مدخت کے نیچے بیعت کرنا فضیلت والا ہے۔

اس منہج کی حدیث: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں۔ ان میں سے تم جس کی اقتدار کر دگے ہدایت والے ہو جاؤ گے یہ حدیث ضعیف ہے امام بزار

۱۔ حدیث صحیح ہے مسلم میں حدیث ابی حمیرہ انفا
۲۔ یہ حدیث بالکل لغو ہے (احادیث موضوعہ۔ ضعیفہ رقم ۵۷)

کا قول ہے: اس حدیث کی صحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے نہ ہی یہ حدیث قابلِ اعتماد حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ نیز صحیح مسلم میں حضرت جابر سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا گیا کہ لوگ صحابہ کرام کی بے حسی کرتے ہیں یہاں تک کہ حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ کو بھی معاف نہیں کرتے حضرت عائشہؓ نے فرمایا تم اس سے تعجب کر رہے ہو خیال کرو صحابہ کرام کی وفات کے بعد ان کا عمل منقطع ہو گیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے محبوب جانا کہ صحابہ کا ثواب تو منقطع نہ ہو نیز ابن بطہ صحیح سند کے ساتھ ابن عباس سے بیان کرتے ہیں انہوں نے فرمایا: تم اصحاب رسول پر ذنم طرازی نہ کیا کرو ان کا ایک ساعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں گزارنا تمہارے چالیس سال کے عمل سے بہتر ہے (صحیح ہے) اور وکیح کی روایت میں ہے کہ تمہارے عمر بھر کی عبادت سے بہتر ہے۔ نیز بخاری مسلم میں حضرت عمران بن حصینؓ اور دیگر راویوں سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے زمانہ کے لوگ بہترین ہیں پھر وہ لوگ جو ان کے بعد ہوں گے۔ پھر وہ لوگ جو ان کے بعد ہوں گے۔ عمران کا قول ہے مجھے علم نہیں کہ آپ نے اپنے دود کے بعد دو دور یا تین دود کا ذکر فرمایا (حدیث صحیح ہے) نیز صحیح مسلم میں حضرت جابر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن لوگوں نے درخت کے نیچے بیعت کی ان میں سے کوئی بھی دوزخ میں داخل نہیں ہوگا حدیث صحیح ہے)

نیز ارشاد خداوندی ہے (لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَآلِ أَفْكَرَ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَبْعَةِ الْعُسُورِ) (التوبة ۱۱۷) بے شک خدا نے پیغمبر پر مہربانی کی اور مہاجرین اور انصار پر جو مشکل کی گھڑی میں پیغمبر کے ساتھ رہے)

نیز عبد اللہ بن مسعود نے صحابہ کرام کا جو وصف بیان کیا ہے وہ بالکل صحیح ہے وہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں کا جائزہ لیا تو تمام دلوں میں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو بہتر پایا اس کو اپنے لیے منتخب فرمایا اور اس کو رسول بنا کر بھیجا پھر آپ کے بعد دیگر لوگوں کے دلوں کا جائزہ لیا تو تمام لوگوں کے دلوں سے صحابہ کرام کے دلوں کو بہتر پایا تو انہیں اپنے پیغمبر کے

ساتھ یہ حدیث میرے نزدیک غریب ہے۔ مزید تعجب اس بات پر ہے کہ اسے صحیح مسلم کی طرف منسوب کر دیا ہے میں نے اس کی تلاش میں امکانی وسائل استعمال کیے لیکن مجھے حدیث مسلم میں نہیں مل سکی دیگر کتب حدیث کے معاصر کی مراجعت اچھی تک میسر نہیں آسکی البتہ مدینہ منورہ کے سفر کا ارادہ رکھتا ہے چند سال بعد جب میں مسلم کی تفسیر سے فارغ ہوا تو مجھے یقین حاصل ہو گیا کہ یہ حدیث مسلم میں نہیں ہے ان دنوں صحیح بخاری کے اختصار میں مشغول ہوں۔

معاون بنا دیا وہ دین اسلام پر جہاد کرتے ہیں پس جس کام کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور جس کام کو مسلمان بُرا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بُرا ہے۔ نیز ایک روایت میں ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کی رائے یہ تھی کہ حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنایا جائے نیز عبداللہ بن مسعود کا قول پہلے گزر چکا ہے۔ (جو شخص تم سے کسی کی اقتدا کرنا چاہتا ہے تو وہ فوت شدہ لوگوں کی اقتدا کرے)۔ طبع کے اس بیان کے ساتھ کہ (سنت اور جماعت کی اتباع کرتے ہیں)۔

پس اس شخص سے زیادہ گمراہ اور کون ہو سکتا ہے جس کے دل میں انبیاء علیہم السلام کے رفقاء اور اولیاء اللہ کے ساتھ بغض موجود ہو یہود و نصاریٰ نے بھی انبیاء کے رفقاء کو فضیلت دی ہے یہودیوں سے پوچھا گیا تمہاری ملت میں کون لوگ سب سے افضل ہیں انہوں نے جواب دیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب افضل ہیں یہی سوال عیسائیوں سے ہوا تو انہوں نے جواب دیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب افضل ہیں اور ردافض سے دریافت کیا گیا ملت اسلامیہ میں سب سے برے کون لوگ ہیں تو انہوں نے جواب دیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سب سے برے ہیں ان میں سے معدود چند افراد کا استثناء کیا حالانکہ جی صحابہ کرام پر وہ سب و شتم کرتے ہیں۔ اللہ میں بعض ایسے صحابہ بھی ہیں جو ان صحابہ کے برابر یا بہتر ہیں جنہیں وہ مستثنیٰ کرتے ہیں۔ نیز شیخ طحاوی کا قول ہم ان میں سے کسی کی محبت میں حد اعتدال سے تجاوز نہیں کرتے ہیں۔ جیسا کہ شیعوں کرتے ہیں کہیں ہم زیادتی کرنے والوں میں داخل نہ ہو جائیں۔ ارشاد خداوندی ہے يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ (النساء ۱۷۱) اسے اپنی کتاب تم اپنے دین میں غلو نہ کرو

شیخ طحاوی کا قول کہ ہم کسی صحابی سے بیزاری کا اظہار نہیں کرتے ہیں جیسا کہ شیعوں کرتے ہیں۔ ان کے ہاں بعض صحابہ سے دلاہ ضروری ہے دیگر صحابہ سے براءت ضروری ہے یعنی اہل بیعت کے ساتھ ان کی صحیح محبت تب سمجھی جائے گی جب وہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمر رضی اللہ عنہم سے براءت بھی کریں گے لیکن اہل سنت تمام صحابہ سے مولات رکھتے ہیں اور عدل انصاف کی روشنی میں جن مقامات کے متعلق ہیں انہیں اپنی اتار تے ہیں نفسانی خواہش اور تعصب کو بالائے طاق رکھتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ اس حد سے تجاوز کرنا ہے جو حد متعین ہے ارشاد خداوندی ہے۔ فَمَا اخْتَفَوْا إِلَّا مِنَ الْآدَمِ بَعْدَ مَا جَاءَهُمْ اَنْعِلُمْ بَغْيًا بَيْنَهُمْ۔ (الباقیۃ ۷۷) تو انھوں نے جو اختلافات کیا تو علم آپکنے کے

۱۔ صحیح موقوف روایت سے۔ مسند طحاوی۔ مسند احمد۔ سند حسن ہے حاکم نے صحیح کہا وہی نے اس کی موافقت کی ہے۔

نص خفی اور اشارات موجود ہیں جب کہ بعض محدثین نص خفی کے مدعی بھی ہیں لیکن بعض دیگر محدثین معتزلہ اشاعہ کا خیال ہے کہ انہیں انتخاب کے ذریعہ خلیفہ بنایا گیا۔

ان کی خلافت نص پر مبنی تھی اس پر چند احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

پہلی حدیث ب۔ بخاری شریف میں حضرت جبریل عظیم سے روایت ہے کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی آپ نے اسے حکم دیا کہ وہ پھر آئے اس نے استفسار کیا اگر میں آؤں اور آپ سے ملاقات نہ ہو سکے اس کا مقصد تھا کہ آپ فوت ہو جائیں (اس پر) آپ نے فرمایا اگر تو مجھے نہ پائے تو ابوبکرؓ کے پاس جانا یہ حدیث دوسری سند کے ساتھ بھی مروی ہے۔ اس حدیث کا ابوبکر صدیقؓ کی خلافت پر دلالت کرنا ظاہر ہے۔

دوسری حدیث ا۔ حذیفہ بن یمان روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد ابوبکرؓ اور عمرؓ کی اقتدار کرو۔ (سنن کی کتابوں میں مروی ہے)

تیسری حدیث ج۔ بخاری، مسلم میں حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے۔ حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ جس روز بیمار ہوئی کا آغاز ہوا آپ میرے ہاں تشریف لائے آپ نے فرمایا اپنے باپ اور بھائی کو بلاؤ تاکہ میں ابوبکرؓ کے لیے ایک تحریر لکھواؤں اس کے بعد آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اور صلح ابوبکرؓ کے علاوہ بھی کا انکار کرتے ہیں نیز ایک روایت میں ہے تاکہ خلافت کے بارے میں کوئی دوسرا طبع نہ کرے۔ نیز ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا میرے لیے عبدالرحمن بن ابوبکر کو بلاؤ تاکہ میں ابوبکر کے لیے ایک تحریر لکھواؤں جس سے اختلاف ختم ہو جائے پھر آپ نے فرمایا اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں کہ ابوبکر کے بارے میں ایمانداروں میں اختلاف رونما ہو نیز ابوبکر صدیقؓ کو نماز کی امامت کرانے کا حکم دینے والی حدیثیں مشہور و معروف ہیں۔

چوتھی حدیث د۔ آپ نے فرمایا ابوبکر صدیقؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دو اس پر کئی بار تکرار ہوا لیکن ابوبکر صدیقؓ آپ کی بیماری کے عرصہ میں نماز پڑھاتے رہے۔

پانچویں حدیث ب۔ بخاری، مسلم میں ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں میند میں تھا۔ میں نے دیکھا کہ میں ایک پتھر لانے کنوئیں پر ہوں جس پر ڈول رکھا ہے میں نے جس قدر اللہ نے چاہا ڈول سے پانی نکالا اسی کے بعد

ٹ حدیث صحیح ہے۔ ٹ حدیث صحیح ہے (احادیث صحیحہ ۱۲۳۳)۔ ٹ حدیث صحیح ہے (احادیث صحیحہ ۶۹۰)۔ ٹ حدیث صحیح ہے (بخاری، مسلم)

چھٹی حدیث: صحیح بخاری میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر فرمایا اگر میں نے تیریں والوں سے کسی کو خلیل بنانا ہو تا تو ابو بکر کو خلیل بناتا مسجد کی طرف کھٹنے والی تمام کھڑکیاں (ابو بکر صدیق کی کھڑکی کے علاوہ) بند کر دی جائیں۔

آٹھویں حدیث :- البوداؤد میں جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج رات ایک نیک انسان نے ثواب میں دیکھا کہ ابو بکر صدیق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور عمرؓ ابو بکر صدیق کے ساتھ اور عثمانؓ عمر کے ساتھ ملائے گئے ہیں جابر بیان کرتے ہیں جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے باہر نکلے ہم نے کہا نیک آدمی سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور جو لوگ ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں وہ اس دین اسلام کے محافظ اور نگران ہیں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

نے رسول اللہ کو مبعوث فرمایا۔

نویں حدیث: ابوہریرہ بن سلمہ بن جندب روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں نے دیکھا کہ ایک کُٹل آسمان سے نازل ہوا ہے ابو بکرؓ آئے انہوں نے اس کا کُٹل اکپڑا اور اس سے کچھ پانی پیا پھر عمرؓ آئے انہوں نے کُٹل اکپڑا اور سیر سرکہ پانی پیا پھر عثمانؓ آئے انہوں نے کُٹل اکپڑا اور سیر سرکہ پانی پیا پھر علیؓ آئے انہوں نے بھی اس کا کُٹل اکپڑا اس سے مجھے خوشی ہوئی لیکن اس پر اس کچھ ہنسنے پڑے۔
دسویں حدیث: سفینہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین سال تک نبوت کی خلافت ہوگی پھر اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا بادشاہت دے گا۔

جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ آپؐ نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا وہ حضرت عمرؓ کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا اگر میں خلیفہ نامزد کروں تو درست ہے اس لیے کہ مجھ سے بہتر ابو بکرؓ نے خلیفہ نامزد کیا اور اگر میں خلیفہ نامزد کروں تو بھی درست ہے اس لیے کہ مجھ سے بہتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلیفہ نامزد نہیں فرمایا ان کے بیٹے عبد اللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا کہ انہوں نے خلیفہ نہیں بنایا تھا تو میں سمجھ گیا کہ آپؐ کسی کو خلیفہ نہیں بنائیں گے۔ نیز وہ حضرت عائشہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں ان سے دریافت کیا گیا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو خلیفہ بنانا ہوتا تو کس کو خلیفہ بناتے اس سے بھی ظاہر ابھی معلوم ہوتا ہے (واللہ اعلم) کہ آپؐ نے خلیفہ کے لیے تحریر نہیں لکھوائی اور اگر کسی کے خلیفہ بنانے کے بارے میں تحریر کرواتے تو ابو بکرؓ کو خلیفہ بناتے بلکہ پہلے تو آپؐ نے لکھوانے کا ارادہ کیا پھر رک گئے اور فرمایا۔ اللہ اور ایماندار لوگ ابو بکرؓ کے علاوہ --- کا انکار کرتے ہیں۔ بظاہر آپؐ کا یہ فرمان خلیفہ نامزد کرنے سے بھی زیادہ مؤثر ہے جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ابو بکر صدیقؓ کو خلیفہ بنانے کی راہنمائی فرمائی ہے۔ نیز متعدد اقوال افعال کے ساتھ انہیں اس طرف متوجہ کیا ہے۔ نیز ان کے خلیفہ بنائے جانے پر رضامندی کا اظہار کیا ہے اور ابو بکرؓ کے حق میں تعریفی کلمات فرمائے ہیں۔ بلکہ آپؐ نے اس کی خلافت کے بارے میں عہد نامہ تحریر کرنے پر عزم فرمایا لیکن جب آپؐ کو یقین ہو گیا کہ مسلمان ان کی خلافت پر راجع ہو جائیں گے تو آپؐ نے تحریر نہ لکھوائی پھر آپؐ نے جمعرات کے روز لکھوانے کا عزم کیا اس سے جب بعض صحابہ کو شک ہوا کہیں بیماری کے غلبہ کی وجہ سے تو آپؐ نہیں کہہ رہے ہیں یا واقعی

۱۔ حدیث صحیح ہے نہ حدیث ضعیف ہے عبدالرحمان حرمی راوی مجہول ہے اسی طریق سے مسند احمد (۵/۶۶) میں ہے۔
۲۔ حدیث صحیح ہے اس سے قبل والی حدیث اس کی شاہد ہے کہ مسلم۔

آپ کے قول کا اتباع ضروری ہے (انہیں صحیح صورت حال کا پتہ نہ لگ سکا) بہر حال آپ نے کچھ نہ کھویا اس لیے کہ آپ کو معلوم ہو چکا تھا کہ اللہ تعالیٰ اور ایمان والے ابوبکر کو منتخب کریں گے اگر امت کو ان کے تعین میں ذرہ برابر بھی شبہ ہو تو آپ اس کو واضح طور پر بیان فرماتے تاکہ کسی کو کچھ عذر نہ ہو لیکن جب متعدد قرآن ابوبکرؓ کی خلافت پر وال تھے اور وہ اس مسئلہ کی حقیقت کو سمجھ گئے تھے تو مقصود حاصل ہو چکا تھا۔ اسی لیے حضرت عمرؓ نے اپنے اس خطبہ میں جو انہوں نے مہاجرین اور انصار کے اجتماع میں دیا۔ اس میں حضرت ابوبکرؓ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ آپ ہم سب سے بہتر ہیں ہمارے آقا ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ہم سب سے زیادہ محبوب ہیں جب انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں یہ باتیں کہیں تو اجتماع میں موجود کسی فرد نے ان کی باتوں کا انکار نہ کیا۔ اور نہ کسی نے یہ کہا کہ حضرت ابوبکرؓ کے سوا فلاں صحابی خلافت کا زیادہ حقدار ہے نہ کسی نے خلافت کے مسئلہ پر اختلاف کیا البتہ بعض انصار نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا کہ ایک امیر مہاجرین سے بنایا جائے اور ایک انصار سے لیا جائے یہ ایسا خبیثاں تھا جس کا بطلان نصوص متواترہ سے ہو رہا تھا۔ مزید برآں سعد بن عبادہ کے علاوہ تمام انصار نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت فرمائی اس لیے وہ خود خلافت کا خواہشمند تھا جب کہ کسی صحابی سے ہر گز بیعت ثابت نہیں کہ اُس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ایسے قول کا ذکر کیا جو جس میں حضرت ابوبکرؓ کے علاوہ کسی دوسرے صحابی کی خلافت کا نصاب ذکر ہو بلکہ حضرت علیؓ عباسؓ تک بھی کسی کی خلافت کا ذکر نہیں اگرچہ اہل بدعت حضرت علیؓ کی خلافت کا ذکر کرتے ہیں۔ نیز ابن بلطہ نے سند کے ساتھ ذکر کیا کہ حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؓ نے محمد بن زبیر حنفلی حسن کی طرف بھیجا کہ وہ اس سے دریافت کرے کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ بنایا تھا۔ اس نے جواب دیا کہ عمر بن عبد العزیزؓ کو اس میں بھی شک ہے ؟ اُس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں یہ بات قطعی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو خلیفہ نامزد فرمایا ورنہ حضرت ابوبکرؓ تو اللہ کا بہت زیادہ خوف رکھنے والے تھے وہ کیسے خلافت پر راز خود ممکن ہو سکتے تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حتیٰ سے حضرت ابوبکرؓ کے علاوہ کسی دوسرے صحابی کے خلیفہ بنانے کا ذکر ملتا ہے ان کے پاس کوئی شرعی دلیل نہیں نہ کہیں اس بات کا ذکر ہے کہ ابوبکرؓ سے زیادہ فضیلت والا ہے یا خلافت کا زیادہ حقدار ہے یہ سب کچھ قبائلی، قومی محبت کا آئینہ دار ہیں۔ حالانکہ یہ سب لوگ جانتے ہیں کہ ابوبکر صدیقؓ تمام صحابہ سے افضل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب تھے۔ چنانچہ بخاری، مسلم میں حضرت عمرو بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ذات السلاسل جنگ میں لشکر امیر بنایا۔ کریمؓ کا وہ جب واپس آیا تو اُس نے دریافت کیا آپ کا سب سے زیادہ محبوب کون ہے آپ نے فرمایا

عائشہ اس نے دریافت کیا مردوں میں سے کون آپ نے فرمایا اس کا باپ ابو بکرؓ اس نے کہا پھر کون آپ نے فرمایا عمرؓ نیز چند دیگر صحابہ کا ذکر کیا۔ نیز بخاری، مسلم میں حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے اس نے بیان کیا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا کہ اچانک حضرت ابو بکرؓ اپنے کپڑے کے کنارے کو تھامے ہوئے اپنے گھٹنوں سے کپڑا اتارے ہوئے تشریف لائے اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمھارا ساتھی ابو بکر کسی کے ساتھ ناراض ہو کر آیا ہے اس نے السلام علیکم کہا اور آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ میرے اور عمر بن خطاب کے درمیان کچھ جھگڑا ہو گیا میں جلد ہی اس پر نادم ہوا میں نے اس سے عرض کیا کہ وہ مجھے معاف کر دے اس نے انکار کیا تو میں آپ کی خدمت میں گیا ہوں آپ نے تین بار فرمایا اے ابو بکر اللہ آپ کو معاف فرمائے اس کے بعد عمر نادم ہو کر ابو بکر کے گھر پہنچا اور دریافت کیا ابو بکر یہاں ہیں گھر والوں نے نفی میں جواب دیا پس وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے السلام علیکم کہا آپ کا چہرہ متغیر ہونا شروع ہو گیا اس سے ابو بکر خورخزہ ہو گئے وہ آپ کے سامنے دوڑا تو ہو کر بیٹھ گیا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! بخدا میں ظالم ہوں (اس جملہ کو دوبارہ ہرایا) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے تمھاری جانب بھیجا تم نے مجھے جھوٹا کہا ابو بکر نے مجھے سچا کہا اور اپنے نفس اور مال کے ساتھ میری معادنت کی کیا تم میری وجہ سے میرے ساتھی کو چھوڑنے والے نہیں ہو دو بار آپ نے فرمایا اے اللہ کے بعد ابو بکر! ایسا محفوظ رہئے۔

نیز بخاری، مسلم میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو ابو بکرؓ سب سے پہلے مقام میں تھے حضرت عائشہؓ نے بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ انصار سقیفہ بنو ساعدہ میں سعد بن عبادہ کے گرد جمع ہو گئے اور کہا ایک امیر ہم سے لیا جائے اور ایک امیر ہم سے لیا جائے پناغہ ابو بکر صدیق، عمر بن خطاب، ابو عبیدہ بن جراح ان کی مجلس میں پہنچے حضرت عمرؓ نے کلام کا آغاز کرنا چاہا لیکن ابو بکرؓ نے اس کو خاموش کر دیا عمر بیان کرتے ہیں بخدا میں نے اس لئے کلام کا آغاز کرنا چاہا کہ میں نے بہترین گفتگو تیار کر لی تھی اور مجھے خطرہ لاحق ہو گیا کہ شاید ابو بکرؓ کچھ بہتر انداز سے گفتگو نہ کر سکیں لیکن جب ابو بکرؓ نے گفتگو فرمائی تو نہایت بلیغ انداز کی تھی انھوں نے زور دے کر کہا امیر کا استحقاق ہم دیکھتے ہیں اور تم وزیر کی اہلیت دیکھتے ہو اس پر حباب بن منذرؓ نے کہا اللہ کی قسم

اے حدیث میں ہے اے البخاری عن ابی الدرداءؓ میں یہ حدیث نہیں مل سکی ہے نیز الذقائر میں صاحب کتاب نے مسلم کی طرف غیب نہیں کیا یہ مقام حوالی مدنی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر اور اس کے درمیان ایک میل کا فاصلہ ہے۔

میں دفن کرنا اس دوران ام المؤمنین حضرت حفصہ دیگر عورتوں کی معیت میں آئیں جب ہم نے انہیں دیکھا کہ وہ آدھی ہیں تو ہم کھڑے ہو گئے حضرت حفصہ حضرت عمر کے قریب گئیں وہاں کچھ وقت روتی رہیں نیز کچھ لوگوں نے اندر آنے کی اجازت طلب کی وہ اندر داخل ہوئے ہم نے ان کے رونے کی آوازیں سنیں انھوں نے کہا اے امیر المؤمنین! آپ وصیت فرمائیں آپ کسی کو خلیفہ نامزد فرمائیں آپ نے فرمایا میں خلافت کا حقدار ان سے زیادہ کسی کو نہیں سمجھتا کہ حبيب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو آپ ان سے راضی تھے آپ نے علی، عثمان، زبیر، طلحہ، سعد، عبدالرحمان کا نام لیا نیز فرمایا عبداللہ بن عمر بھی تمھاری مجلس میں حاضر رہے لیکن خلافت میں اس کا کچھ حصہ نہیں دراصل اس کی تسکین ملحوظ خاطر تھی اگر باہمی مشورہ سے سعد کو خلیفہ بنالیا جائے تو درست ہے وگرنہ جس کو بھی خلیفہ بنایا جائے وہ ان سے اعانت طلب کرے میں نے ان کو نہ معجز کی بنا پر اور نہ کسی قسم کی خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا نیز فرمایا میں اپنے بعد خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ مجاہدین اولین کے حقوق پہنچانے اور ان کی حرمت کا خیال رکھے نیز انصار کے بارے میں بہتر وصیت کرتا ہوں جنھوں نے اپنے گھروں میں اپنے بھائیوں کو بسایا اور ایمان کی نعمت سے بہرہ ور ہوئے کہ ان کے نیکو کاروں سے ان کی نیکیوں کو قبول کیا جائے اور غلط کاروں کو معاف کیا جائے نیز تمام شہروں کے لوگوں سے بھلائی کرنے کی وصیت کرتا ہوں وہ لوگ اسلام کے معادل میں مال جمع کرنے والے ہیں دشمن کے لئے غیظ و غضب کا باعث ہیں ان سے ان کی رضا مندی کے ساتھ ان کے زائد اموال لئے جائیں نیز جنگل میں رہنے والے لوگوں کے ساتھ بھی بھلائی کرنے کی وصیت کرتا ہوں وہ تو عرب کے اصل ہیں اسلام کی بنیاد میں ان سے بھی ان کے زائد اموال لئے جائیں اور ان میں آباد فقیر لوگوں پر صرف کر دیئے جائیں نیز میں خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے عہد کا خیال رکھے ان کا ایفا کرے اور ان کا تحفظ کرتا ہوں ان کی طرف سے لڑائی کرے اور انہیں ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے حبيب ان کا روح نقص عنصری سے پرہیز کرے ہم ان کی میت کو دفن کرنے کے لئے لے کر پہلے تو عبداللہ بن عمر نے عائشہ ام المؤمنینؓ کو سلام عرض کیا اور درخواست کی کہ عمر بن خطابؓ اجازت طلب کرتا ہے ام المؤمنینؓ نے اجازت مرحمت فرمائی چنانچہ انہیں اپنے ساتھیوں کے جوار میں دفن کیا گیا جب ان کے دفن سے فارغ ہوئے تو جن سے فراغت کے بعد شوریٰ کے ارکان جمع ہو گئے عبدالرحمان بن عوف نے کہا اس معاملہ کو تین آدمیوں کے پرہیز و چنانچہ زبیر نے

کہا میں حضرت علیؑ کے حق میں دستبردار ہوتا ہوں ظلم نے کہا میں عثمانؓ کے حق میں اور سعد نے کہا میں عبدالرحمان کے حق میں دستبردار ہوتا ہوں عبدالرحمان نے کہا تم میں سے کون اس حق سے دستبردار ہو تاہم کہ ہم اس کو خلافت سونپ دیں گے ہم اس کو اللہ اور اسلام کا واسطہ دیتے ہیں تم میں کون افضل ہے؟ حضرت علیؑ اور عثمانؓ خاموش رہے عبدالرحمان نے کہا معاملہ میرے سپرد کرو میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں تم سے افضل کے انتخاب میں کوتاہی نہیں کروں گا ان کے دونوں ساتھیوں نے اس پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا چنانچہ عبدالرحمان بن عوفؓ پہلے حضرت علیؑ کے ہاتھ کو پکڑا اس سے کہا تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قربت حاصل ہے اور تو پہلے اسلام لانے والوں میں سے ہے آپ ان باتوں کو خوب جانتے ہیں میں تجھے اللہ کا واسطہ دیتا ہوں اگر ہم نے آپ کو خلیفہ بنایا تو آپ نے راہ اعتدال اختیار کرنا ہو گا اور اگر عثمانؓ کو خلیفہ بنایا گیا تو پھر تو نے اس کی سمع و اطاعت کرنی ہو گی اس کے بعد حضرت عثمانؓ سے تنہائی میں وہی بات کہی جو حضرت علیؑ سے کہی تھی جب اس نے دونوں سے پختہ عہد لے لیا تو اس نے عثمانؓ کو مخاطب کیا اور کہا آپ اپنا ہاتھ باہر نکالیں چنانچہ عبدالرحمان بن عوفؓ نے عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی اس کے بعد حضرت علیؑ نے بیعت کی پھر تمام گھر میں موجود لوگوں نے بیعت کی۔

نیز حضرت عبید بن عبدالرحمان سے روایت ہے کہ مسور بن محزم نے اسے بتایا کہ جن لوگوں کا حضرت عمرؓ نے خلافت کے بارے میں انتخاب کیا تھا وہ جمع ہوئے انھوں نے مشورہ کیا عبدالرحمان بن عوفؓ نے ان سے کہا میں خلافت کو پسند نہیں کرتا ہاں اگر تم پسند کرتے ہو تو میں تم میں سے کسی ایک کا انتخاب کر دیتا ہوں انھوں نے معاملہ عبدالرحمان بن عوفؓ کے سپرد کر دیا چونکہ خلافت کا معاملہ ان کے سپرد ہو چکا تھا اس بنا پر عبدالرحمان بن عوفؓ کے ہاں لوگوں کا بیجم رہتا تھا یہاں تک کہ جو لوگ مشورہ کیے اراکین کے پیچھے پیچھے گھوم رہے تھے وہ عبدالرحمان بن عوفؓ کے گرد جمع ہیں رات دن مشورے ہو رہے ہیں یہاں تک کہ جب وہ رات آئی جس کی صبح حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی اس رات کے بارے میں مسور بن محزم بیان کرتے ہیں کہ کچھ رات گزرنے کے بعد عبدالرحمان بن عوفؓ نے میرے دروازہ پر دستک دی میں بیدار ہوا اس نے کہا آپ نیند میں تھے؟ اللہ کی قسم میں تو تین رات سے کچھ زیادہ عیند نہیں کر سکا آپ جاتیں نہ برباد سعد کو بلائیں میں نے ان دونوں سے کہا کہ آپ سے عبدالرحمان بن عوفؓ ملنے کے خواہشمند ہیں اس نے ان دونوں سے مشورہ کیا پھر مجھے بلایا اور کہا علیؑ کو بلاؤ میں نے اس کی بھی ان سے ملاقات کروائی وہ

جاتے ہیں میرے اور ان کے درمیان صرف عبداللہ بن عباس تھے ان کی عادت تھی کہ جب وہ صفوں کو عبور کرتے تو فرماتے صفیں درست کرو جب انھیں یقین ہو جاتا کہ صفیں درست ہیں ان میں کچھ فرق نہیں تو وہ آگے چوتے اور تکبیر تحریمہ کہتے اکثر اوقات سورۃ یوسف، سورۃ نمل یہی سورتوں کی پہلی رکعت میں تلاوت فرماتے تاکہ لوگ شامل ہو جائیں ابھی انھوں نے تکبیر تحریمہ ہی کہی ہوگی کہ میرے کانوں میں آواز پہنچی وہ کہہ رہے ہیں مجھے کسی کتے نے قتل کر دیا جب انھیں نیزہ لگا بھی دو دھاری برچھی کے ساتھ تیزی کے ساتھ پلٹ رہا تھا اپنے سامنے دائیں بائیں والے کو گھائل کرتا جا رہا تھا یہاں تک کہ اس نے تیرہ انسانوں کو زخمی کر دیا جن میں سے سات جانبر نہ ہو سکے اس الماک واقعہ کو دیکھ کر ایک شخص نے اس پر لمبا کوٹ پھینکا جب بھی قاتل کو یقین ہو گیا کہ وہ گرفتار کر لیا جائے گا تو اس نے اپنے آپ کو بھی نیزہ مارا اس دوران حضرت عمرؓ نے عبدالرحمانؓ کو آگے کیا میری بھی یہی رائے تھی کہ اس کو حضرت عمرؓ آگے کرینگے مسجد کے اطراف و اکناف میں لوگوں کو کچھ علم نہ تھا البتہ انھیں حضرت عمرؓ کی آواز نہیں آرہی تھی اس لئے وہ سبحان اللہ سبحان اللہ کے کلمات کہہ رہے تھے عبدالرحمانؓ نے نہایت تحفیف کے ساتھ انھیں نماز پڑھائی جب نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت عمرؓ نے ابن عباسؓ سے کہا معلوم کرو میرا قاتل کون ہے وہ خدا اور مرد مر گھوما اور اگر کہا مغیرہ بن شعبہ کا غلام ہے حضرت عمرؓ نے کہا وہ جو کارگر ہے اس نے انبات میں جواب دیا حضرت عمرؓ نے کہا اللہ اس کو تباہ و برباد کرے میں نے تو اس کو اچھی بات کا حکم دیا تھا اللہ کی تعریف کرتا ہوں کہ میری موت کا باعث ایسا شخص نہیں بنا جو اسلام کا دعویدار ہے ابن عباسؓ تو اور تیرا باپ تم اس بات کو پسند کرتے تھے کہ اس قسم کے بھی انسانوں کی مدینہ میں کثرت ہو اس کی وجہ یہ تھی کہ عباس کے ملک میں کثیر غلام تھے ابن عباسؓ نے جواباً کہا اگر آپ چاہتے ہیں تو ہم انھیں قتل کر دیتے ہیں آپ نے فرمایا غلط بات کہتے ہو وہ تو اب تمھاری زبان میں گفتگو کرتے ہیں تمھارے قبل کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے ہیں تمھارے ساتھ چلے جاتے ہیں اس کے بعد انھیں گھرے جایا گیا ہم بھی ساتھ ساتھ تھے لوگوں کا حال یہ تھا کہ شاید اس واقعہ سے قبل انھیں کبھی اس قسم کی مصیبت سے واسطہ نہیں ہوا تھا کچھ لوگ کہہ رہے تھے وہ جانبر ہو جائیں گے اور کچھ لوگ خطرہ محسوس کر رہے تھے پینے کے لئے انھیں بنید پیش کی گئی جس کو انھوں نے پی لیا لیکن پیٹ کے زخم سے وہ عاجز ہو گئی پھر دودھ پیش کیا گیا اس کو بھی جب انھوں نے نوش فرمایا تو وہ بھی پیٹ کے زخم سے باہر نکل گیا اس سے لوگوں کو ان کی وفات کا یقین ہو گیا ہم بھی گھر میں داخل ہوئے جو لوگ آ رہے تھے وہ سب ان کی تعریف کرتے

چنانچہ ایک نوجوان آیا اس نے کہا اے امیر المؤمنین آپ کو خوش ہونا چاہیے آپ کے لئے تو اللہ کی جانب سے سرتیں ہیں آپ کو شرف صحبت حاصل ہے اور آپ پہلے اسلام لانے والوں میں سے ہیں پھر آپ خلیفہ بنائے گئے اور آپ نے عدل فرمایا پھر آپ شہادت سے سرفراز ہو رہے ہیں حضرت عمر نے جواب دیا میں دوست رکھتا ہوں کہ ان تمام اعمال کے باوجود اگر مجھے نجات مل جائے نہ مجھ پر عذاب ہو اور نہ ہی مجھے کچھ درہات حاصل ہوں معاملہ مساوی ہو جائے جب وہ شخص واپس لوٹا تو اس کا تہجد زمین پر لگ رہا تھا آپ نے فرمایا اس نوجوان کو واپس لاؤ آپ نے اس سے کہا اے میرے بھائی کے بیٹے تہجد اونچا کر دو اس سے تمہارا لباس صاف ستھرا رہے گا اور اپنے رب کا ڈر موجود رہے گا پھر اپنے بیٹے عبد اللہ سے مخاطب ہوئے اور کہا معلوم کرو مجھ پر قرض کتنا ہے ؟ چنانچہ قرض شمار کیا گیا تو وہ تقریباً چھیا سی ہزار کے قریب تھا اس کے بارے میں فرمایا کہ اگر آل عمر کے مال سے قرض ادا ہو سکے تو ان کے اموال سے ادا کرنا وگرنہ بنو عدی بن کعب سے مطالبہ کرنا اگر ان کے اموال سے بھی ادا نہ ہو سکے تو پھر قریش سے مطالبہ کرنا لیکن ان سے آگے نہ تجاوز کرنا بس ان سے میرا قرض ادا کرنا ہو گا۔ ہاں اب عائشہ ام المؤمنین کے پاس جاؤ انھیں کہنا آپ کو عمر سلام کہتا ہے امیر المؤمنین نہ کہنا اس لئے کہ آج میں امیر المؤمنین نہیں ہوں اور ان کی خدمت میں درخواست کرنا کہ عمر بن خطاب اجازت طلب کرتا ہے کہ اس کو اس کے دونوں رفیقوں کے ہوا میں دفن کرنے کی اجازت دی جائے چنانچہ اس نے ہا کہ سلام کہا اور اجازت مانگی اندر گئے تو عائشہ ام المؤمنین رو رہی تھی ان سے کہا عمر بن خطاب سلام عرض کرتا ہے اور دونوں رفیقوں کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے عائشہ نے جواب دیا ارادہ تو میرا اپنا تھا کہ میں دلائن دفن ہوتی لیکن آج میں اپنے اوپر آپ کو ترجیح دیتی ہوں جب عبد اللہ بن عمر واپس گھر کے قریب آئے تو عمر بن خطاب سے کہا گیا کہ عبد اللہ بن عمر واپس آگیا ہے اس پر عمر بن خطاب نے فرمایا مجھے سہارا دے کر اٹھاؤ ایک آدمی نے انھیں سہارا دیا حضرت عمر نے اپنے بیٹے سے دریافت کیا کیا خبر لائے ہو ؟ عبد اللہ بن عمر نے جواباً کہا اے امیر المؤمنین آپ کی خواہش پوری ہو گئی حضرت عائشہ نے اجازت مرحمت فرمادی ہے اس پر حضرت عمر نے الحمد للہ کے کلمات کہے نیز کہا اس سے زیادہ اہم میرے نزدیک کوئی دوسری بات نہیں جب مجھے دفن کے لئے تیار کر لو تو میری چار پائی اٹھا کر دلائن سے جانا انھیں سلام کہنا نیز ان سے کہنا عمر بن خطاب اجازت چاہتا ہے اگر وہ مجھے اجازت دیتی ہے تو مجھے جہرہ میں داخل کرنا اگر اجازت نہ دے تو مجھے مسلمانوں کے قبرستان

ہم یہ بات تسلیم نہیں کریں گے (بہرہی درست ہے) کہ ایک امیر ہم سے ہو اور ایک امیر تم میں سے ہو اس پر ابو بکر نے کہا ہرگز نہیں ہم میں سے امراء ہو کریں گے اور تم میں سے وزراء ہو کریں گے قریش تمام عرب سے زیادہ عزت والے اور خاندانی طور پر فضائل والے ہیں لہذا تم عمر بن خطاب یا ابو عبیدہ بن جراح کے ہاتھ پر بیعت کرو اس پر عمر نے کہا ہم تو آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے آپ ہمارے سردار ہیں اور ہم سب سے افضل ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ہم سب سے زیادہ محبوب ہیں چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ کو پکڑا اور بیعت کی اس کے بعد لوگوں نے بھی بیعت کی کسی کہنے والے نے کہا تم نے سعد کو قتل کر دیا ہے اس پر حضرت عمرؓ نے کہا اللہ اس کو قتل کر لے (سنح مدینہ منورہ کی عوالی میں ایک مشہور باغیچہ ہے)

(ط) ہم ابو بکر کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لئے خلافت ثابت کرتے ہیں۔
(دش) ابو بکر صدیق کے بعد خلافت کے حقدار حضرت عمرؓ ہوئے دراصل ابو بکر نے انھیں خلافت سونپ دی تھی اس کے بعد اس پر امت کا بھی اتفاق ہو گیا ان کے فضائل کثرت کے ساتھ موجود ہیں جن سے کسی کو انکار نہیں چنانچہ عمر بن حنفیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے دریافت کیا اے ابا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کون شخص سب سے بہتر ہے اس نے کہا اے میرے بیٹے تجھے اس کا علم نہیں ہے؟ میں نے نفی میں جواب دیا اس نے کہا ابو بکر ہیں میں نے دریافت کیا پھر کون ہیں آپ نے فرمایا عمرؓ میں نے عثمان کا نام لینے میں خوف محسوس کیا اس کے بعد میں نے کہا پھر آپ ہیں اس کے جواب میں آپ نے فرمایا میں تو مسلمانوں کا ایک فرد ہوں نیز اس سے پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول گزر چکا ہے کہ میرے بعد ابو بکر اور عمرؓ کی اقتدار کرو نیز صحیح مسلم میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب عمرؓ کی میت کو چار پائی پر رکھا گیا تو لوگ ان کے ارد گرد چار پائی اٹھانے سے قبل ان کے حق میں دعا کر رہے تھے ان کی تعریف کر رہے تھے ان کے لئے مغفرت طلب کر رہے تھے میں بھی وہاں موجود تھا اچانک ایک انسان نے میرے عقب سے میرے کندھے کو پکڑا میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ علیؓ تھے انھوں نے حضرت عمرؓ کے لئے دعا مغفرت کی نیز کہا آپ نے اپنے پیچھے کسی ایسے انسان کو نہیں چھوڑا ہے جو مجھے تجھ سے زیادہ عزیز ہو۔ اور اس کے عمل تیرے جیسے ہوں اور اللہ کی قسم میرا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے اپنے دونوں ساتھیوں کی رفاقت عطا فرمائے گا اس لئے کہ میں نے کثرت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رفاقت

سہ بخاری، (مسلم میں نہیں ہے)

آپ فرماتے تھے، میں، ابو بکر اور عمرؓ آئے میں ابو بکر اور عمر داخل ہوئے، میں، ابو بکر اور عمر بچکے مجھے امید ہے یا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے ان دونوں کی رفاقت عطا فرمائے گا نیز ابو ہریرہؓ کی حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپ کنوئیں سے پانی نکال رہے ہیں پھر ابو بکر نے نکالا پھر ڈول عظیم ڈول کی شکل اختیار کر گیا تو اسے عمر بن خطاب نے پکڑا میں نے کسی مضبوط انسان کو نہیں دیکھا جو ان کی طرح ڈول کھینچ رہا ہو یہاں تک کہ لوگوں نے اپنے بارے بھر لئے نیز بخاری، مسلم میں سعد بن ابی وقاصؓ سے ہے کہ عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت مانگی آپ کی خدمت میں قریش کی عورتیں تھیں جن کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں (حدیث طویل ہے) اس میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر کو مخاطب کر کے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جس راستے پر تو چل رہا ہو اس پر شیطان نہیں چلتا وہ دوسرا راستہ اختیار کرتا ہے نیز بخاری، مسلم میں ہے ارشاد نبویؐ ہے، اتم سے پہلی امتوں میں ملہم انسان ہو گزرے ہیں اگر میری امت میں کوئی شخص اس وصف کا ہوا تو ان میں عمر بن خطاب بھی ہیں۔

(ط) حضرت عمرؓ کے بعد جم حضرت عثمان کیلئے خلافت ثابت کرتے ہیں۔

(دش) جم حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمان کو خلیفہ تسلیم کرتے ہیں چنانچہ امام بخاری حضرت عمرؓ کے قتل کا واقعہ شوری کا معاملہ حضرت عثمان کے ہاتھ پر بیعت کا واقعہ صحیح بخاری میں لائے ہیں میں چاہتا ہوں کہ اسی طرح من و عن بیان کروں عمرو بن میمون بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو ان کے شہید ہونے سے چند روز پہلے مدینہ میں دیکھا وہ خلیفہ بن یمان عثمان بن حنیف سے کہہ رہے تھے تم نے کیا کیا؟ کیا تم نے جو کہ کہیں تم زمین پر اتنا بوجھ نہ رکھ دو جس کو وہ اٹھانے کے بغیر جواب دیا ہم نے اس پر اتنا ہی بوجھ رکھا ہے جس قدر اس میں اٹھانے کی طاقت ہے اس پر کچھ زیادتی نہیں کی ہے پھر کہا سوچ لیجئے کہ تمہیں اس پر اتنا بوجھ نہیں رکھنا جس کے اٹھانے کی اس میں قوت نہیں ہے۔ انھوں نے بھرپور انداز کے ساتھ نفی میں جواب دیا حضرت عمرؓ نے کہا اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے صحیح سلامت رکھا تو عراق کی بیوہ عورتوں کو میرے بعد کبھی بھی کسی کی ضرورت نہ رہے گی اس کے بعد ابھی چار دن ہی گزرے ہوں گے کہ وہ شہید کر دیئے گئے عمرو بن میمون بیان کرتا ہے کہ جس صبح کو وہ شہید کئے

سہ بخاری، مسلم۔ سہ بخاری، مسلم۔

اس سے آدھی رات تک سرگوشی کرتے رہے علیؑ کہ چلے گئے لیکن وہ پر امید تھے عبدالرحمان بن عوف علی سے کچھ خوف رکھتے تھے پھر اس نے مجھ سے کہا اب عثمان سے ملاقات کرو پناچہ میں نے انہیں بلوایا تو ان سے صبح کی افان تک سرگوشی ہوتی رہی جب لوگ صبح کی نماز سے خارج ہوئے تو شور ملی کے ارکالی مزیکے قریب جمع ہونے شروع ہوئے جو وہاں مہاجرین، انصار، مومنین تھے سب کو بلایا گیا لشکروں کے کمانڈروں کی طرف پیغامات بھیجوائے گئے انہوں نے اس سال حضرت عمرؓ کے ساتھ حج ادا کی تھی جب تمام اکٹھے ہو گئے تو عبدالرحمان بن عوف نے خطبہ پڑھا اُٹھا بعد کے بعد حضرت علیؓ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا میں نے خلافت کے بارے میں غور کیا میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص عثمان کے برابر ہو دیکھنا کوئی نیا راستہ نہ نکالنا اور عثمان سے کہا میں تیرے ہاتھ پر اللہ اور اس کے رسول کی سنت نیز آپ کے بعد آپ کے دونوں خلیفوں کی سنت کے مطابق بیعت کرتا ہوں عبدالرحمان بن عوف کے بیعت کر لینے کے بعد مہاجرین، انصار، لشکروں کے امیروں اور عام مسلمانوں نے بیعت کی۔

حضرت عثمان کے فضائل | آپ کے خاص فضائل میں سے ایک بات یہ ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بیٹیوں کے لحاظ سے داماد ہیں نیز صبحِ مسلم میں ہے حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے آپ کے رافوں یا پندلیوں پر کپڑا نہ تھا کہ ابو بکر نے اندر آنے کی اجازت طلب کی اس کو اجازت دی گئی اسی حال میں ان سے باتیں کرتے رہے اس کے بعد عمر نے اجازت طلب کی اس کو بھی اجازت دی گئی آپ اسی حال میں باتیں کر رہے تھے اس کے بعد عثمان نے اجازت طلب کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے آپ نے اپنے کپڑے درست فرمائے وہ داخل ہوئے تو آپ ان سے بھی باتیں کرتے رہے جب وہ چلے گئے تو حضرت عائشہ نے دریافت کیا ابو بکر آئے آپ نے اس کی آمد پر کچھ اہتمام نہ کیا اور نہ ہی اس کی کچھ پرواہ کی پھر عمر داخل ہوئے اس کے لئے بھی آپ نے کچھ اہتمام نہ کیا لیکن جب عثمان آئے تو آپ اٹھ کر بیٹھ گئے آپ نے اپنا لباس درست کیا جواب میں آپ نے فرمایا میں اس انسان سے کیوں نہ حیا کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔ نیز صبحِ حدیث میں ہے جب بیعت الرضوان کا دن تھا عثمان کو آپ نے مکہ بھیجا ان کے جانے کے بعد بیعت الرضوان ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دانتیں ہاتھ کو اٹھایا اور فرمایا یہ عثمان کا ہاتھ ہے اس کو دوسرے ہاتھ پر رکھا اور فرمایا یہ عثمان کی بیعت ہے۔

سہ صبح ہے۔ سہ صبح بخاری من حدیث ابن عمر۔

(ط) حضرت عثمان کے بعد ہم حضرت علی کے لئے خلافت ثابت کرتے ہیں۔
 (دش) حضرت عثمان کی شہادت کے بعد لوگوں نے حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت کی چنانچہ وہ
 برحق خلیفہ تھے ان کی اطاعت ضروری تھی ان کی خلافت نبوت کی خلافت تھی جیسا کہ اس پر سفید کی
 حدیث دال ہے جس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے اس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نبوت
 کی خلافت تیس سال تک رہے گی اس کے بعد اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا بادشاہت عطا کرے گا۔
 خیال رہے کہ ابوبکر صدیق کی خلافت کی مدت دو سال تین ماہ ہے اور عمر کی خلافت ساڑھے
 دس سال ہے اور عثمان کی خلافت بارہ سال ہے اور علی کی خلافت چار سال نو ماہ ہے اور حسن کی خلافت
 چھ ماہ ہے اور مسلمانوں کا پہلا بادشاہ معاویہ رضی اللہ عنہ ہے وہ مسلمانوں کے تمام بادشاہوں سے بہتر
 تھا لیکن بعد ازاں وہ بھی غلیفہ برحق تھے جب حسن بن علی نے انھیں خلافت تفویض کر دی تھی علی
 رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اس کے بیٹے حسن کی عرافیوں نے بیعت کی لیکن چھ ماہ بعد اس نے
 خلافت معاویہ کو تفویض کر دی اس واقعہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق ہو گئی کہ میرا یہ بیٹا
 سردار ہے مغرب اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے مسلمانوں کی در بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کرنے لگا (افتر نہ ہو)
 چنانچہ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد حضرت علی کے لئے خلافت کا استحقاق ہوا صحابہ نے ان کے
 ہاتھ پر بیعت کی البتہ معاویہ اور اہل شام نے بیعت نہ کی جب کہ علی برحق تھے عثمان کی شہادت کے بعد
 حضرت عثمان نیز دیگر اکابر صحابہ علی، طلحہ، زبیر جو مدینہ منورہ میں سکونت پذیر تھے کے خلاف جھوٹے
 افسانے تراشے گئے اور جو لوگ صحیح صورت حال سے واقف نہ تھے وہ شہادت میں مبتلا ہو گئے۔
 خود عزم خواہشات کے غلام لوگ من مایاں کر رہے تھے خاص طور پر وہ لوگ جو شام سے دور
 رہتے تھے حضرت عثمان تو ہمیشہ نہایت محتاط رہے انھوں نے کبھی اپنے اکابر کے خلاف لب کشائی
 نہ کی البتہ ان کے خلاف جھوٹی بے سرو پا باتیں بنا کر انھیں بدنام کرنے کی کوشش کی گئی دراصل اس
 گروپ میں وہ لوگ تھے جو اقتدار کے بھوکے تھے نیز حضرت علی کے گروپ میں ٹیڑھے ذہن و لاعلاج
 بھی تھے جنھوں نے حضرت عثمان کو شہید کیا تھا کچھ ایسے افراد بھی تھے جن کی پشت پناہی ان کے قاتل
 کر رہے تھے اور کچھ ایسے بد طبیعت شرارتی افراد تھے جو گھناؤنی سازشوں میں مصروف تھے لیکن پوچھا
 اتنے تھے کہ وہ گرفت سے محفوظ تھے اور ایسے افراد بھی تھے جن کے دلوں میں نفاق تھا یہی انھیں
 سے مخالفت تھی ان حالات میں طلحہ، زبیر نے عسوس کیا کہ اگر مظلوم شہید عثمان کا بدلہ نہ لیا گیا اور فسادوں کے

۱۔ حدیث میں ہے: معاویہ بخاری، مسلم میں حدیث الی بکرۃ)

مخاطب کرتے ہوئے فرمایا حرکت سے رک جاتو پر نبی، صدیق، شہید کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔
ان دس صحابہ کی عظمت شان اور تقدیم پر تمام اہل سنت متفق ہیں اس لئے کہ ان کے فضائل
شہرت پذیر ہیں لیکن اس شخص سے زیادہ جاہل کون ہو سکتا ہے جو دس کے لفظ کو زبان پر لانا یا
ایسے کام کو کرنا جس میں دس کا عدد ہو مکروہ جانتا ہے اس لئے کہ اس قماش کے لوگ خیار صحابہ سے
دشمنی رکھتے ہیں بخوش ہمتی صحابہ ہیں اور وہ علی کو ان سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔ تعجب ہے کہ یہ لوگ تو
کے عدد سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں اور دس صحابہ میں سے نو صحابہ سے بغض رکھتے ہیں
نیز تمام مہاجرین، انصار سابقین اولین سے بغض رکھتے ہیں جنہوں نے درخت کے نیچے آپ
سے بیعت کی تھی ان کی تعداد چودہ صد تھی ارشاد خداوندی ہے

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (الفتح ۱۸)

ترجمہ: خدا ایمانداروں پر خوش ہوا جب انہوں نے درخت کے نیچے آپ سے بیعت کی۔
صحیح مسلم میں جابر بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے درخت کے
نیچے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے وہ دوزخ میں داخل نہیں ہوگا۔

نیز صحیح مسلم میں جابر سے ہے کہ عاصب بن ابی بلتعہ کے غلام نے دریافت کیا اے اللہ
کے رسول! عاصب دوزخ میں جائے گا آپ نے فرمایا تو جھوٹ کہتا ہے وہ دوزخ میں نہیں
جائے گا وہ توبہ اور حدیبیہ میں حاضر تھا۔

روافض جہود صحابہ سے براءت کا اظہار کرتے ہیں بلکہ سوائے چند افراد کے جن کی تعداد تیرہ
سے زیادہ نہیں سب سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں حالانکہ یہ بات سب جانتے ہیں اگر دنیا میں دس
انسان عظیم کفر والے فرض کر لئے جائیں تب بھی اس عدد کو نہیں چھوڑا جاسکتا جبکہ اللہ سبحانہ
فرماتے ہیں: وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ قُرُوفٍ تُلْقَى فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ (النمل ۴۸)
ترجمہ: اور شہر میں نو شخص تھے جو ملک میں فساد کئے کرتے تھے اور اصلاح سے کام نہیں لیتے تھے۔

نوکی اس وجہ سے نو کا عدد متروک الاستعمال ہو گا ہرگز نہیں ہم دیکھتے ہیں کہ دس کے
عدد کے مسیٰ کی قرآن پاک میں تعریف کی گئی ہے: وَذِكْرُ عَشْرٍ كَأَمَلَةٍ (بقرہ ۱۲۶)

نیز فرمایا: وَاعْتَدْنَا مُوسَىٰ أَثَلًا ثَلَاثِينَ كَلِمَةً وَأَتَمَمْنَاهَا بِعَشْرٍ (الاعراف ۱۴۲)

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ سے تیس رات کا وعدہ لیا اور اس کی تکمیل دس رات کے ساتھ کی۔

لے، سلم، ترمذی، مسند احمد (۴/۱۹۱) حدیث صحیح ہے حدیث صحیح ہے

نیز فرمایا **وَالْفَجْدُ وَكَيْلُ عَشِيرَةِ الْفَجْرِ** (الفجر) قسم ہے صبح کی اور دس راتوں کی۔
 نیز ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری دس دن اعتکاف بیٹھا کرتے تھے نیز آپ نے یمنہ القدر کے بارے میں فرمایا کہ اس کو رمضان کے آخری دس دنوں میں تلاش کرو۔ نیز آپ نے فرمایا ذوالحجہ کے دس دنوں سے زیادہ اور دن نہیں ہیں کہ ان میں عمل صالح اللہ کو زیادہ محبوب ہو۔

شیعہ عشرہ مبشرہ کی بجائے بارہ اماموں کو وہی مقام دیتے ہیں ان کے ہاں پہلے امام علی بن ابی طالب ہیں جن کے متعلق وہ مدعی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں خلافت کی وصیت کی تھی حقیقت یہ ہے کہ یہ دعویٰ بلا دلیل ہے ان کے ہاں دوسرے امام حسن تیسرے حسین چوتھے علی بن حسین زین العابدین پانچویں محمد بن باقر چھٹے جعفر بن محمد الصادق ساتویں موسیٰ بن جعفر اکادم آٹھویں علی بن موسیٰ رضا نویں محمد بن علی جواد دسویں علی بن محمدادی گیارہویں حسن بن علی عسکری بارہویں محمد بن حسن ہیں یہ لوگ ان کی محبت میں غلو کرتے ہوئے حد اعتدال سے متجاوز ہو جاتے ہیں حالانکہ بارہ اماموں کا تذکرہ جس انداز سے کیا گیا ہے اس سے ان کا قول باطل قرار پاتا ہے بخاری، مسلم میں جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ میں اپنے باپ کی رفاقت میں بنی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے آپ سے سنا فرماتے تھے لوگ ہمیشہ پختہ رہیں گے جب تک ان پر بارہ خلیفہ نہیں گئے پھر آپ نے اہمستگی سے بات کی جس کا مجھے پتہ نہ چل سکا تو میں نے اپنے باپ سے دریافت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا اس نے کہا آپ نے فرمایا ہے کہ وہ تمام قریش سے ہوں گے (حدیث صحیح ہے) ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ بارہ خلیفوں تک دین کا معاملہ غالب رہے گا چنانچہ دین اسلام کا معاملہ آپ کے ارشاد و گرامی کے مطابق غالب رہا بارہ خلیفوں سے مراد چاروں خلفاء راشدین، معاویہ اس کا بیٹا یزید، عبدالملک بن مروان اس کے چاٹ بیٹا ان میں عمر بن عبدالعزیز بھی شمار ہوتے ہیں ان کے بعد دین اسلام کا معاملہ کمزور ہونے لگا لیکن شیعہ کہتے ہیں کہ ان خلیفوں کے دور میں امت اسلامیہ کا معاملہ کمزور رہا ظالم قسم کے لوگ جو حدود الہیہ سے تجاوز کرنے والے تھے حکمران بنے رہے بلکہ وہ منافق اور کافر تھے ان کے دور میں حق پرست لوگ یہودیوں سے بھی زیادہ ذلیل تھے شیعہ کی یہ بات بالکل غلط ہے حقیقت یہ ہے کہ بارہ خلیفوں کے دور میں اسلام کو غلبہ ہی حاصل ہوتا رہا۔

۱۔ بخاری، مسلم میں حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما میں حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما میں ہے کہ نبی نے فرمایا کہ میں نے تم کو نبی کے ساتھ رکھ دیا ہے حدیث صحیح ہے صحیح مسلم۔

راشدین کی سنت کی پیروی کا حکم دیا ہے لیکن افعال میں اقتدار کا حکم صرف ابوبکرؓ، عمرؓ کے بارے میں دیا ہے چنانچہ ارشاد نبوی ہے کہ میرے بعد ابوبکرؓ، عمرؓ کی اقتدار کو معلوم ہو کہ خلفاء راشدین کی سنت کے اتباع اور ان کی اقتدار میں فرق ہے پس ابوبکرؓ عمرؓ کا مقام عثمانؓ، علیؓ کے مقام سے بلند ہے امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت آئی ہے کہ وہ علیؓ کو عثمانؓ سے مقدم رکھتے تھے لیکن ان کا ظاہری مذہب یہی تھا کہ عثمانؓ اہل سنت کا یہی خیال ہے نیز عبدالرحمن بن عوفؓ کا قول پہلے گزر چکا ہے کہ انھوں نے علیؓ سے کہا میں نے تمام لوگوں کا جائزہ لیا وہ عثمانؓ کے برابر کسی نہیں سمجھتے ابوبکرؓ سختیابی کا قول ہے جس شخص نے عثمانؓ کو علیؓ پر مقدم نہ رکھا اس نے مہاجرین اور انصار کی تحقیر کی نیز بخاریؒ مسلمؒ میں ابن عمرؓ سے ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقیہ جات تھے تو ہم کہا کرتے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام امت میں سے افضل ابوبکرؓ ہیں۔

(ط) جن دس صحابہ کا آپؐ نے نام لیا اور انھیں جنت کی خوشخبری سنائی ہم بھی ان کے بارے میں جنت کی گواہی دیتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہی دی آپؐ کا فرمانِ باری ہے ان کے نام یہ ہیں۔ ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، سعدؓ، سعیدؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ ابو عبیدہ بن جراحؓ (وہ تو اس امت کے امین ہیں) رضی اللہ عنہم اجمعین۔

(دش) چاروں خلفاء کے کچھ فضائل پہلے ذکر ہو چکے ہیں دیگر چھ صحابہ کے فضائل ذکر کئے جاتے ہیں مسلم شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار رہے آپؐ نے فرمایا کاش میرے صحابہ میں سے کوئی صالح انسان آج رات مجھ پر پہرہ دے حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں ہم نے ہتھیا روں کی آوازیں سنیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا یہ کون ہے؟ عرض کیا اے اللہ کے رسول سعد بن ابی وقاص ہوں آپؐ پر پہرہ دینے کے لئے آیا ہوں نیز دوسرے الفاظ یوں ہیں میرے دل میں آپؐ کے بارے میں خوف پیدا ہوا تو میں آپؐ پر پہرہ دینے کے لئے حاضر ہو گیا آپؐ نے اس کے حق میں دعا کی اور محو خواب ہو گئے۔ نیز بخاریؒ مسلمؒ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن سعد بن ابی وقاص کے لئے اپنے ماں باپ کو جمع کرتے ہوئے فرمایا اے سعد! تیرا انداز کیسا تمہارے پیروں میں باپ قربان ہو نیز صحیح مسلم میں قیس بن حازم سے ہے اس نے بیان کیا کہ میں طلحہؓ کا ہاتھ دیکھا وہ غسل ہو چکا تھا جس کے ساتھ اس احد کی سہ حدیث صحیح ہے سہ صحیح ہے ابوداؤد مدنیؒ کے ساتھ لائے ہیں بخاریؒ میں بھی اسی طرح ہے البتہ مسلم نہیں ہے۔

سہ مسلم بن سعد بن ابی وقاص، سہ حدیث صحیح ہے

جنگ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مدافعت کی تھی نیز صحیح مسلم میں ابو عثمانی نہدی سے ہے کہ بعض جنگوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم شریک ہوئے آپ کے ساتھ صرف طلحہ اور سعد برابر شریک رہے یعنی انھوں نے آپ کا ساتھ نہ چھوڑا نیز بخاری، مسلم میں ہے (البیہ القاطمہ کے ہیں) جابر بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کے دن لوگوں کو بلایا تو زیر آگئے دوبارہ بلایا تو بھی زیر آئے اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کے مددگار ہوتے ہیں میرے مددگار زیر ہیں نیز بخاری، مسلم میں زیر بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بنو قریظہ کے پاس کون ہمارے ہے ان کے بارے میں مطلع کرے گا چنانچہ اس کام کے لئے میں گیا جب میں واپس لوٹا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے اپنے ماں باپ کو جمع کرتے ہوئے فرمایا تجھ پر میرا ماں باپ قربان ہو نیز صحیح مسلم میں انس بن مالک سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک ہر امت کا امین ہوتا ہے ہمارا اس امت کا امین ابو عبیدہ بن جراح ہیں نیز بخاری، مسلم میں حذیفہ بن یمان سے ہے کہ نجران والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے انھوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہماری طرف کسی امین انسان کو بھیجیں آپ نے فرمایا میں ایسے انسان کو ہی بھیجوں گا جو صحیح معنی میں امین ہوگا (داوی بیان کرتا ہے) لوگوں نے اس شرط کا حقدار بننے کی آرزو کی آپ نے ابو عبیدہ بن جراح کو بھیج دیا نیز سعید بن زید بیان کرتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے دس انسان جنتی ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر، طلحہ، عمر، عثمان، سعد بن مالک، عبد الرحمان بن عوف کا نام لیا اور کہا اگر میں ہماروں کو بتا سکتا ہوں کہ دسواں کون ہے رفقاء نے دریافت کیا وہ کون ہے جواب دیا سعد بن زید ہے نیز فرمایا، ان میں سے کسی ایک کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود ہونا اور آپ کی رفاقت میں چہرے کا غبار آلود ہونا تم میں سے کسی ایک کے محل سے بہتر ہے اگرچہ اسے حضرت نوح کی عمر عطا ہو جائے نیز ترمذی میں عبد الرحمان بن عوف بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ابوبکر، عمر، علی، عثمان، طلحہ، زبیر، عبد الرحمان بن عوف، سعید بن زید بن عمرو بن نفیل، ابو عبیدہ بن جراح جنتی ہیں۔ نیز اس حدیث کو ابوبکر بن ابی غنیمہ نے بیان کیا اس میں عثمان کو علی سے مقدم کیا گیا ہے نیز ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہزا (پہاڑ) پر تھے آپ کے ساتھ ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر بھی تھے پتھر حرکت کرنے لگا آپ نے اسے

نہ حدیث صحیح سے البتہ مسلم میں نہیں ہے بخاری میں ہے نہ حدیث صحیح ہے بخاری میں بھی ہے نہ حدیث صحیح ہے بخاری، مسلم۔
نہ حدیث صحیح ہے بخاری، مسلم سے حدیث صحیح ہے بخاری میں بھی ہے نہ حدیث صحیح ہے بخاری، مسلم۔
نہ حدیث صحیح ہے بخاری، مسلم سے حدیث صحیح ہے بخاری میں بھی ہے نہ حدیث صحیح ہے بخاری، مسلم۔

قلع قمع کا کوئی منصوبہ بنایا گیا تو اللہ کے غیظ و غضب سے بچاؤ نہیں ہو سکے گا چنانچہ جنگ جمل اسی کشمکش کا نتیجہ تھی اس میں علیؑ، طلحہؓ، زبیرؓ بے اختیار آتے ہیں وہ غیر شعوری طور پر اس میں شریک نظر آتے ہیں اسی طرح دیگر سابقین اولین صحابہ کرام بھی اس فتنہ سے اگرچہ محفوظ نہ رہ سکے تاہم یہ سب کچھ فساد یوں کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھا جنگ جمل کے بعد جنگ صفین بھی ایک عظیم شافہ تھا اس خیال نے اس فتنہ کو جنم دیا کہ شامیوں کے ساتھ عدل و انصاف والا معاملہ نہیں ہو رہا ہے جب کہ ان کی عسکری قوت مجتمع تھی البتہ وہ مخالف مزور تھے کہ کہیں فوجی بغاوت نہ ہو جائے جس طرح حضرت عثمانؓ مظلومانہ شہید ہوئے اسی طرح ان کے بعد آنے والے صاحب اقتدار حکم و حکم کا نشانہ نہ بننے چلے جائیں دوسری طرف علی رضی اللہ عنہ برحق خلیفہ تھے وہ سمجھتے تھے کہ ان کی اطاعت ضروری ہے نیز ان کے خلاف بغاوت کو فرو ہونا چاہیے اور مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر مجتمع ہونا چاہیے جب وہ انتشار ختم نہ کر سکے تو انھوں نے ان لوگوں کے ساتھ لڑائی کا اعلان فرمایا جو ان کی اطاعت سے سرتابی کر رہے تھے اور مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کر رہے تھے اب حالات کا رخ دیکھ کر وہ تالیف قلبی کی حکمت کے پیش نظر ایسے لوگوں کے کچھ مروت و ہمدردی کے قائل نہ تھے جس طرح کہ عہد نبویؐ اور آپ کے بعد آنے والے خلفاء کے عہد خلافت میں تالیف قلبی کا رجحان غالب رہا اور مسلمانوں کی اجتماعیت کے خلاف بپا ہونے والی شور و شعلوں کو نرمی کے ساتھ فرو کرنے کی کوششیں ہوتی رہیں حضرت علیؑ نے حالاً کا گہرے غور و فکر کے ساتھ جائزہ لیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ بغاوت کرنے والوں سے ہرگز نرمی کا برتاؤ نہ کیا جائے ان سے لڑائی کی جائے ان پر اسلامی حدود کا نفاذ کیا جائے لیکن فتنہ کے اس دور میں اکثر صحابہ کرام الگ تھلگ رہے اس لئے کہ ان کے سامنے ایسے نصوص تھے جن کا تقاضا تھا کہ فتنوں کے دور میں گھروں میں بیٹھنا ہی بہتر ہے اس سے کہ ان میں شریک ہوا جائے۔ اور مصلحت بھی اسی کی متقاضی تھی کہ مفسدہ سے بچا جائے۔ لیکن ہم تمام صحابہ کرام کے بارے میں اچھا خیال رکھتے ہیں ارشاد خداوندی ہے:-

رَبَّنَا غُفِرَ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا إِنَّهُمْ قُلُوبُهُمْ وَخُفِيَ دَحِيمُهُ (اعشرا)

ترجمہ :- اے پروردگار ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (و حسد) نہ پیدا ہونے دے

اسے ہمارے پروردگار بے شک تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے ۔

اور جب اللہ تعالیٰ نے ان فتنوں سے ہمارے ہاتھ کو محفوظ رکھا ہے تو ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ان سے ہماری زبانوں کو بھی محفوظ فرمائے ۔

حضرت علی کے فضائل | بخاری، مسلم میں سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو مخاطب کر کے فرمایا تیرا مقام میرے نزدیک ایسا ہے جیسا کہ ہارون کا مقام موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک تھا میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی جنگ میں فرمایا: کل میں ایسے شخص کو جھنڈا عنایت کروں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول بھی اس سے محبت کرتے ہیں (راوی بیان کرتے ہیں) کہ ہم سب اس کے آرزو مند تھے۔ آپ نے فرمایا علی کو بلاؤ ان کو آپ کی خدمت میں لایا گیا تو ان کی آنکھیں در در دہری تھیں آپ نے ان کی آنکھوں میں تھوکا اور جھنڈا ان کے ہاتھ میں دیا اللہ تعالیٰ نے فتح و کامرانی سے ہمکنار کیا۔ نیز جب اس آیت کا نزول ہوا:۔

فَقُلْ تَعَالَوْا لِنُحْجِجْكُمْ بِآيَاتِنَا وَأَنْتُمْ كَاذِبُونَ ﴿۱۰۸﴾
تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی، فاطمہ، حسن، حسین کو بلایا اور فرمایا اے اللہ میرے اہل بیت ہیں۔
(ط) یہ چاروں خلفاء راشدین ہیں اور ہدایت یافتہ ائمہ کرام ہیں ۔

(دش) سنن کی مروی حدیث پہلے گندہ چکی سے ترمذی نے اسے صحیح کہا عیاض بن ساریہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں پر تاثیر و عظم فرمایا جس سے آنکھیں اشکبار ہو گئیں دل خون زدہ ہو گئے ایک شخص نے کہا اے اللہ کے رسول! یہ تو الوداعی و عظم معلوم ہوتا ہے آپ ہمیں کس بات کی وصیت کرتے ہیں آپ نے فرمایا میں تمہیں سع و طاعت کی وصیت کرتا ہوں بلکہ حال یہ ہے کہ جو شخص تم میں سے میرے بعد زندہ رہا اسے بہت زیادہ اختلافات سے واسطہ پڑے گا پس تم میری اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو جو ہدایت پرستے سنت کے ساتھ تمک اختیار کرو اور سنت پر مضبوطی سے عمل پیرا رہو نیز تم اپنے آپ کو بدعات سے بچاؤ اس لئے کہ بدعات گمراہی ہیں پس خلفاء راشدین فضیلت میں اس ترتیب کے ساتھ ہیں جس ترتیب کے ساتھ وہ خلیفہ بنے البتہ ابوبکر، عمر کو مزید فضیلت بھی حاصل ہے اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میں خلفاء

۱۰۸ حدیث صحیح ہے بخاری، مسلم میں حدیث سنن منہجہ، مسلم ۱۲۰۷-۱۲۰۸ (۱۲) ترمذی نے صحیح کہا

۱۰۹ حدیث صحیح ہے ۔

(ط) صحابہ کرام، ازواج مطہرات نیز آپ کی پاکیزہ اولاد کے بارے میں جو شخص اچھے کلمات کہے گا وہ نفاق سے بری ہے۔

(ش) فضائل صحابہ کے بارے میں کتاب و سنت سے کچھ بیان ہو چکا ہے نیز صحیح مسلم میں زید بن ارقم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ، مدینہ کے درمیان فہم مقام میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا اما بعد۔ اے لوگو! میں انسان ہوں قریب ہے کہ میرے پاس میرے رب کا قصد آجائے اور میں پیغام قبول کروں یعنی فوت ہو جاؤں، پس میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں پہلی کتاب اللہ ہے جس میں ہدایت اور روشنی کی باتیں ہیں پس تم نے اللہ کی کتاب کو معذرت سے تھامے رکھنا ہو گا چنانچہ آپ نے کتاب اللہ کے بارے میں مبالغہ کے ساتھ بڑی رغبت دی اس کے بعد آپ نے فرمایا میں تمہیں اہل بیت کے بارے میں وصیت کرتا ہوں تمہیں اللہ یاد دلاتا ہوں آپ نے یہ کلمات تین بار ارشاد فرمائے (حدیث صحیح ہے) نیز امام بخاری البکر صدیق سے لائے ہیں انہوں نے کہا تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کا خیال کرو۔

شیخ طحاوی کا یہ قول کہ صحابہ کرام کی تعریف کرنے والا نفاق سے بری ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ شیعیت کا موہد منافق بد دین انسان تھا اس کا مقصد یہ تھا کہ دین اسلام کا امتیصال کیا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو بدعت مفید بنایا جائے جیسا کہ علماء نے ذکر کیا ہے کہ عبد اللہ بن سبا نے جب دین اسلام کا اظہار کیا تو اس کا اصل مقصد یہ تھا کہ کسی سلیب بہانے سے دین اسلام میں بگاڑ پیدا کیا جائے جیسا کہ بولس نے عیسائیت کے تقدس کو پامال کیا بغیر تصوف کا لبادہ زیب تن کیا امر بالمعروف نہی عن المنکر کا کام شروع کیا یہاں تک کہ اس کی بدکاریوں کے نتیجہ میں عثمانی شہید ہوئے اور مسلمانوں میں شدید فتنہ رونما ہوا پھر کوفہ جاکر علی کی محبت کا اظہار کیا اور بظاہر اس کی معاونت کا نعرہ لگایا تاکہ بابل میں اپنے بغیث پر درگاہوں کو پورا کر سکے جب علی کو اس کی بشارتیں معلوم ہوئیں تو اس کے قتل کا حکم دیا وہاں جھگ کر قریشی حاکم لکھنؤ کا واقعہ تاریخ کی مشہور کتابوں میں مرقوم ہے نیز پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جو شخص حضرت علی کو حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علیؑ اس پر حد قذف لگاتے البتہ عبد اللہ بن سبا کی باطنی کوششوں سے خوارج اور شیعہ متاثر ہوئے اسی لئے ہم شیعیت کو الحاد اور زندقہ قرار دیتے ہیں اسی طرح اس بات کو قاضی ابوبکر باقلانی نے بھی ذکر کیا ہے نیز انہوں نے مناسحت کی کہ کس طرح باطنیہ فرقے نے دین اسلام کو بگاڑنے کی کوشش کی ہے چنانچہ

ان کے ہاں داعی کے لئے اس اصول پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے کہ جب کسی مسلمان کو دعوت دی جائے تو اس کو بتایا جائے کہ شیعیت ہمارا دین اور شعار ہے اثر انداز ہونے کے لئے یہ طریقہ نہایت عمدہ ہے کہ سلف نے علیؑ پر ظلم کیا ہے کہ اس کے بیٹے حسینؑ کو قتل کیا اس لئے قبیحہ تیم عدی، بنو امیہ، بنو عباس سے برادت کا اظہار کیا جائے نیز اس بات کا چرچا کیا جائے کہ علیؑ غیب دان تھا تمام عالم کا خلق اس کے سپرد تھا اسی انداز کی اور عجیب و غریب باتیں ہیں جن سے ان کی جہالت عیاں ہوتی ہے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ شیعہ آپؐ کی دعوت پر لبیک کہیں تو ان کے سامنے شیعہ مسلک کی عجیب و غریب جہالت والی باتیں کی جائیں ان کے ساتھ علیؑ اور اس کی اولاد کی سیاسی غلطیوں کا ذکر کیا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص صحابہ کرام کو برا بھلا کہتا ہے وہ اہل بیتؑ پر بھی دشنام طرازی کرتا ہے ظاہر ہے کہ جو شخص اہل بیتؑ کو گالیاں دیتا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہے۔

دعوت سابقین علماء ملت ان کے بعد تابعین نیکو کار علم و فضل والے اور فقیہ تھے ان کا ذکر اچھے الفاظ میں کیا جائے جو شخص انھیں برا بھلا کہتا ہے وہ راہ اعتدال سے برگشتہ ہے دشنام ارشاد خداوندی ہے نہ

وَمَنْ يَشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ
الْمُؤْمِنِينَ تُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَفُصِّلْ لَهُ جَهَنَّمُ وَمَأْوَاةٌ مَصِيرًا (النساء ۱۱۵)

ترجمہ ۱۔ اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے اور مؤمنوں کے رستے کے سوا اور رستے پر چلے تو جہنم پر وہ چلتا ہے ہم ادھر ہی اسے چلتے دیں گے اور (قیامت کے دن) جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے۔

پس ہر مسلمان پر اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ساتھ ایمانداروں سے بھی موالات کرنا فرض ہے جیسا کہ قرآن پاک میں اس کا ذکر تفصیل طور پر وہ لوگ جو انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے ایسے سامنے کہا جن سے ہر وہ میں ہدایت حاصل کی جاتی ہے ان کے ہدایت یافتہ ہونے پر مسلمانوں کا اجماع ہے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل ہر امت کے علماء بدرتین تھے لیکن مسلمانوں کے علماء بہترین ہیں،

اس لئے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہیں اور مردہ منتوں کا احیا کرنے والے ہیں ان کی وجہ سے اللہ کے کلام پر عمل پورہ ہے نیز وہ اللہ کے کلام کے ساتھ وابستگی رکھنے کی وجہ سے اطمینان کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں نیز ان کی وجہ سے کتاب اللہ کا عالم پرچا اور کتاب اللہ کی وجہ سے ان کو شہرت حاصل ہے وہ تمام اس بات پر متفق ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ضروری ہے لیکن جب کسی عالم کا قول صحیح حدیث کے خلاف ہو تو اس کو چھوڑنا ضروری ہے ہو سکتا ہے کہ عالم کو کوئی عذر ہو اس لئے اس نے حدیث کا ترک کیا ہو پہلا عذر تو یہ ہو سکتا ہے کہ اس کا اعتقاد ہی نہ ہو کہ یہ آپ کا قول ہے دوسرا عذر یہ کہ اس کا اعتقاد ہی نہ ہو کہ اس نے اس قول سے اس مسئلہ کا ارادہ کیا ہے تیسرا عذر یہ ہے کہ اس کا اعتقاد ہو کہ یہ حکم منسوخ ہے پس وہ سبقت لے جانے کی وجہ سے فضیلت والے ہیں اور ان کا ہم پر اسان ہے کہ انہوں نے ہم تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام پہنچائے اور جو چیزیں ہماری نظروں سے اوجھل تھیں ان کو واضح کیا پس اللہ ان سے راضی ہو اور ان کو راضی فرمائے ارشاد خداوندی ہے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِإِيمَانٍ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ (المحضر ۱۰)

ترجمہ ۱۔ اے پروردگار ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ و حسد پیدا ہونے نہ دے اے ہمارے پروردگار بیشک تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے۔
(ط) ہم کسی ولی کو کسی پیغمبر پر فضیلت عطا نہیں کرتے بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ ایک نبی تمام ادویاء سے افضل ہے۔

(دش) شیخ رحمہ اللہ کا مقصد اتحادیہ اور باہل صوفیاء کا رد ہے اور کیا یہ حقیقت نہیں کہ اہل استقامت ہمیشہ علم کے تابع رہے اور شریعت کی متابعت سے کبھی روگردانی نہ کی یاد رہے اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق پر واجب قرار دیا ہے کہ وہ رسولوں کا اتباع کرے ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا يَبْتَغِي بِإِذْنِ اللَّهِ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا

تَجِبْنَاهُ فَلَا وَدَّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُخَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (النساء ۶۴-۶۵)

ترجمہ :- اور ہم نے جو پیغمبر بھیجا ہے وہ اس لئے بھیجا ہے کہ خدا کے فرمان کے مطابق اس کا حکم مانا جائے اور یہ لوگ جب اپنے حق میں ظلم کر بیٹھے تھے اگر تمہارے پاس آتے اور خدا سے بخشش مانگتے اور رسول خدا بھی ان کے لئے بخشش مانگتے تو خدا کو معاف کرنے والا (اور) مہربان پاتے، تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ جب اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کر دو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں تب تک مومن نہیں ہوں گے۔

يَنْزِلُ مَا يَرَىٰ فِي أَنْفُسِهِمْ فَتَنْزِيلُ اللَّهِ فَتَنُوتُنِي فَيُجِيبُكُمْ اللَّهُ وَبَيْنَكُمْ ذُلٌ لَّكُمْ
وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (آل عمران)

ترجمہ :- کہہ دو اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری تابعداری کرو اللہ تم کو محبوب جانے لگا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور خدا معاف کرنے والا مہربان ہے۔

ابو عثمان نیشاپوری کا قول ہے کہ جو شخص قولا عملا سنت کو اپنے نفس پر حکومت عطا کرتا ہے اس کی زبان سے حکمت کی باتیں نکلیں گی اور جو شخص خواہش نفسانی کو اپنے نفس پر غلبہ کرتا ہے اس کی زبان سے بدعت کی باتیں نکلیں گی۔ نیز بعض علماء کا قول ہے کہ بعض لوگ تکبر کی وجہ سے سنت کا ترک کرتے ہیں بات بالکل درست ہے اس لئے کہ جو شخص اس چیز کا اتباع نہیں کرتا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتے ہیں وہ اپنی خواہش کے مطابق عمل کر رہا ہے ہدایت اور روشنی اس کی نظر سے اوجھل ہے۔ دراصل وہ نفس کے دھوکے میں مبتلا ہے وہ تو ان لوگوں کے قول کے مشابہ ہے جنہوں نے کہا ارشاد خداوندی ہے :-

لَنْ تُوَفِّيَنِي حَتَّى تُوَفِّيَ مَنْ أَوْفَى رُسُلُ اللَّهِ إِنَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يُجْعَلُ
رِسَالَتُهُ (الانعام ۱۲۵)

ترجمہ :- کہ جس طرح کی رسالت خدا کے پیغمبروں کو ملی ہے جب تک ہمیں اسی طرح کی رسالت ملے ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اس کو خدا ہی خوب جانتا ہے کہ رسالت کا کونسا محل ہے اور وہ اپنی پیغمبری کے عطا فرمائے۔

اس قسم کے لوگ کثرت سے پائے جاتے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ عبادت میں انہماک اختیار

کر کے اپنی روح کو مصفیٰ کر لیں گے اور وہ اس مقام پر رسائی حاصل کر لیں گے جہاں انبیاء نظر آتے ہیں اگرچہ انبیاء کے طریقہ پر وہ نہ بھی چلیں گے کچھ اس ذہن کے بھی ہیں جو اپنے آپ کو انبیاء علیہم السلام سے افضل سمجھتے ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں جن کا نظریہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام خاتم الاولیاء سے علم حاصل کرتے ہیں چنانچہ وہ اپنے آپ کو خاتم الاولیاء قرار دیتے ہیں ان کے قول اور فرعون کے قول میں درحقیقت کچھ فرق نہیں ہے فرعون کہتا ہے کہ تمام کائنات جو نظر آ رہی ہے یہ واجب بنفسہ ہے اس سے الگ اس کا کوئی صانع نہیں ہے یہ شخص کائنات کو خدا قرار دیتا ہے فرعون نے بظاہر خدا کا بالکلہ انکار کر دیا ہے لیکن باطن وہ ان سے زیادہ اللہ کی معرفت رکھتا تھا جب کہ وہ صانع کائنات کرتا ہے لیکن یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ مخلوق کا وجود ہی خالق کا وجود ہے ابن عربی اور اس کے رفقا کا یہ خیال تھا ابن عربی نے جب محسوس کیا کہ شریعت کے ظاہر کو بدن شکل ہے تو اس نے نبوت کے ختم ہونے کا نعرہ لگایا لیکن یہ بھی دعویٰ کیا کہ ولایت ختم نہیں ہوئی اور ولایت کو نبوت سے ارفع و اعلیٰ قرار دیا اور کہا کہ انبیاء تو ولایت سے استفادہ کرتے ہیں اس نے کہا

مقام النبوة فی بروج فوق الرسول ودون الولی -

ترجمہ: بروج میں نبوت کا مقام رسول سے زیادہ ہے اور ولی سے کم ہے۔

ابن عربی نے اس قسم کی باتیں کہہ کر شریعت میں تحریف کرنے کی کوشش کی ہے جب کہ شریعت میں ولایت ایماندار پر ہمیز گار لوگوں کے لئے ثابت ہے ارشاد خداوندی ہے۔

الْآنَ أَتَيْنَا اللَّهَ نَخْوَفُ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَخْذِفُونَ أَتَذِينَ امْنُونًا
وَكَا لَوْ أَبْتَنُوكَ (یونس ۶۲-۶۳)

ترجمہ: بیشک جو اللہ کے دوست ہیں ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ ان کو غم ہوگا (یعنی وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے)۔

پس نبوت ولایت سے اخص ہے اور رسالت نبوت سے اخص ہے ابن عربی کا قول فصوص الحکم میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کی تمثیل ایک محل کے ساتھ دی ہے جس کی تکمیل ہو چکی ہے صرف ایک اینٹ کی جگہ باقی تھی میں نے اس جگہ کو پر کر دیا اور میں اس محل کی آخری اینٹ ہوں ابن عربی اس کی تشریح کرتے ہوئے کہتا ہے کہ خاتم الاولیاء بھی اس محل کو دیکھ رہا ہے لیکن وہ دیکھتا ہے کہ محل میں دو اینٹیں کم ہیں اس کو اس لئے دو اینٹوں

کی خالی جگہ نظر آ رہی ہے کہ ایک اینٹ ظاہری ہے جو چاندی کی ہے اس سے مراد ظاہری شریعت ہے جو منزل من اللہ ہے اور دوسری باطنی اینٹ سونے سے ہے اس سے مراد خاتم الاولیاء ہے وہ احکام اس معدن سے اخذ کرتا ہے جہاں سے فرشتے اخذ کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کرتے ہیں۔

ابن عربی کی بیان کردہ تشریح کے بارے میں ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتے کہ اس شخص سے اور کون زیادہ کفر والا ہے جو اپنے آپ کو سونے کی اینٹ کے ساتھ تمثیل دیتے ہوئے بیان کرتا ہے اور پیغمبروں کی تمثیل چاندی کی اینٹوں کے ساتھ پیش کرتا ہے اپنے آپ کو پیغمبروں سے افضل گردانتا ہے یہ اس کا وہم و خیال ہی ہے حقیقت کے ساتھ اس کا کچھ واسطہ نہیں ارشادِ ربانی ہے: **إِنَّ فِي صُدُورِهِمْ لَازِكِبًا** مَا هُمْ بِبَٰلِغِيهِ (غافر ۵۶)

ترجمہ:۔ ان کے دلوں میں اور کچھ نہیں (ارادۃ) عظمت ہے اور وہ اس کو پہنچنے والے نہیں ہیں۔ جس شخص کی باتیں اس قسم کی ہیں اس کے کافر ہونے میں کیا شبہ ہے البتہ بعض اوقات اس کے کلام سے بظاہر کفر نظر نہیں آتا۔ بیابان ہوتا ہے لہذا اس کے کلام پر خوب غور کیا جائے اور اس پر شدید تنقید کی جائے تاکہ اس کے باطل نظریات سے تمام آگاہ ہو جائیں ابن عربی اور اس کے نظریات کے حامل لوگوں کا کفر ان لوگوں کے کفر سے بھی زیادہ ہے جنہوں نے کہا ارشاد خداوندی ہے۔

لَنْ تَوَفَّقَ مَا أَوْفَقَ رُسُلُ اللَّهِ۔ (الانعام ۱۲۴)

ترجمہ: جو کچھ اللہ کے پیغمبروں کو عطا ہوا ہے جب تک ہمیں عطا نہ ہو گا ہم ایمان نہیں لائیں گے یاد رہے ابن عربی اور اس کے ہم خیال لوگ منافق بد دین اتحادیہ ہیں یہ لوگ دوزخ کے نچلے طبقہ میں ہوں گے ہم انھیں اس لئے منافق کہتے ہیں کہ یہ لوگ بھی ان کی طرح اسلام کا قیام کرتے ہیں جب کہ دلوں میں کفر پوشیدہ ہے لہذا ان کے ساتھ بظاہر مسلمانوں والا معاملہ کیا جائے گا اگر ان سے باطنی کفر رونما ہو جائے تو انھیں مرتد کہا جائے اور ان پر مرتدین کے احکامات جاری کئے جائیں۔ پھر کیا ان کی توبہ قبول ہوگی اس میں اختلاف ہے صحیح مسلک یہی ہے کہ ان کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی چنانچہ معلیٰ نے امام ابوحنیفہ سے اس روایت کو بیان کیا ہے واللہ المستعان۔

(ط) ان سے صحیح فقہ راویوں کی وساطت سے جو کلمات منقول ہیں ہمارا ان پر ایمان ہے۔

(نشان) معجزہ و کرامت کی بحث | لغت معجزہ اور کرامت ہر خرق عادت کا نام ہے
 متقدمین اہل علم سے کرامت کی تعریف اسی طرح منقول ہے جب کہ اکثر متاخرین معجزہ و کرامت
 میں فرق بتاتے ہیں وہ کہتے ہیں نبی سے خرق عادت کا صدور معجزہ کہلاتا ہے اور ولی سے خرق
 عادت کا صدور کرامت کہلاتی ہے خیال رہے کہ کمال درجہ کے اوصاف علم، قدرت، غنی
 ہیں یہ تینوں اوصاف کا ملا تو صرف اللہ وحدہ لا شریک کا خاصہ ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے علم
 نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے نیز وہ عالمین سے مستغنی ہے یہی وجہ ہے
 کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان تینوں کے دعویٰ سے برأت کا اظہار کیا جائے ارشاد
 خداوندی ہے: **قَدْ أَتَىٰكَ الْكُوْفُ عِنْدِيْ خَيْرًا اَمْرًا اَللّٰهُ لَا اَعْلَمُ الْغَيْبُ وَلَا اَكُوْلُ**
لَكَمُ اِنِّیْ مَلَكٌ اِنْ اَتَيْتُمْ اِلَّا مَا يُؤْمَرُ اِلَیَّ (الانعام ۵۰)

ترجمہ: کہہ دو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ (یہ کہ)
 میں غیب جانتا ہوں اور نہ ہی تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو صرف اس
 کے حکم کی اتباع کرتا ہوں جو مجھے خدا کی طرف سے آتا ہے۔

چنانچہ نوح علیہ السلام جو پہلے اولوا العزم پیغمبر ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم اولوا العزم
 من الرسل ہیں ان تینوں سے برأت کا اظہار کیا۔
 ارشاد خداوندی ملاحظہ فرمائیں۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ اسْتِغَاثَةِ اَيُّهَا الْمُزْسَاخَا۔ (ان زماۃ ۴۲)

ترجمہ: وہ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کب اس کا قائم ہونا ہے۔

کبھی ان سے قدرت اور اس کے اثرات کا مطالبہ کیا ارشاد خداوندی ملاحظہ فرمائیں۔

وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نُؤْمِنُ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْبُتُ عَصَا (الاسراء ۶۰)

ترجمہ: انھوں نے کہا ہم آپ پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ تو زمین
 سے چشمہ نہ نکالے۔

اور کبھی ان کی انسانی ضرورتوں کی وجہ سے انھیں ہدف تنقید بنایا ارشاد خداوندی ہے۔

وَقَالُوا مَا يُلْحِظُكَ اَلدُّسُوْلُ يَا اَكْلُ الطَّعَامِ وَيَمْشِي فِي الْاَسْوَاقِ (الزمر ۷۰)

ترجمہ: انھوں نے اعتراض کیا کہ اس رسول کو کیا ہے کہ یہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں
 میں پھرتا ہے۔

جو اباً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ وہ انھیں خبردار کریں کہ یہ کام میرے دائرۂ اختیار میں نہیں ہیں یاں جس قدر خداوند تعالیٰ عطا فرمائیں اور معلوم کرائیں اسی قدر ہم علم رکھتے ہیں اور جس قدر غنی اس نے عطا کیا ہے اس سے زیادہ کا ادعا نہیں کر سکتے اور جن کاموں پر قدرت دی ہے ان کو بھی سرانجام دے سکتے ہیں اس لحاظ سے تمام معجزات اور کرامات ان تین قسم کے اوصاف سے خارج نہیں ہیں۔

خرق عادت فعل سے اگر دینی فائدہ مطلوب ہے تو اس کو شرعاً اعمال صالحہ سے شمار کیا جائے گا خواہ دین اسلام میں اس کی حیثیت واجب یا مستحب کی ہے اور اگر اس سے مباح فعل مطلوب ہے تو اس صورت میں دنیوی طور پر وہ اللہ کی نعمت ہے جس کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے لیکن اگر وہ کسی منہی فعل کو متضمن ہے عام ہے کہ نہیں تحریمی یا تنزیہی ہے تو وہ فعل اللہ کے عذاب کا یا اللہ کی ناراضگی کا سبب ہوگا جیسے وہ شخص جس کو اللہ کی کتاب کا علم دیا گیا تھا اس کا نام بلعام بن باعور ہے لیکن غلط اجتہاد یا تقلید یا کوتاہ علمی یا کم عقلی یا غلبہٴ حال یا غر یا کسی ضرورت کی وجہ سے آیات کا منکر ہو گیا اس تمام وضاحت سے معلوم ہوا کہ خرق عادت کی تین قسمیں ہیں یا تو دین اسلام میں اس کی تعریف کی جاتی ہے یا وہ قابلِ مذمت ہے یا اس کو جواز کا درجہ دیا جاتا ہے جواز کی حالت میں اگر فائدہ بھی ہو تو وہ اللہ کی نعمت ہے وگرنہ وہ دیگر مباحات کی طرح ہے جن کا کچھ فائدہ نہیں ہے ابو علی جو زبانی کا قول ہے استقامت کی تلاش رکھو کرامت کی تلاش نہ کرو اس لئے کہ تو بذاتِ خویش

کرامت کا طالب ہے لیکن تیرا پروردگار تجھ سے استقامت کا مطالبہ کرتا ہے شیخ سحر وردی کا قول ادہ عوارف میں فرماتے ہیں اس باب میں ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کی عبادت میں انہماک اختیار کرنے والے لوگ جب متقدمین سلف صالحین کی کرامات وغیرہ کا ملاحظہ کرتے ہیں تو ان کا کرامات کی طرف شدت سے میلان ہو جاتا ہے ان کی آرزو ہوتی ہے کاش وہ بھی خرقی عادت افعال سے نوازے جائیں اور شاید اگر وہ ان سے ہٹکار نہ ہوں تو کبیدہ خاطر رہتے ہیں اور انھیں اپنے اعمال کی صحت پر شک ہونے لگتا ہے کہ ہمیں کیوں کرامات سے نوازا نہیں جاتا ہے لیکن اگر وہ حقیقتِ حال سے آگاہ ہو جائیں تو ان کی پریشانی کا فوراً جو پھلے دراصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض عبادت گزار صادق العزم لوگوں پر کرامات کا دروازہ کھول دیتے ہیں ان کا مشاہدہ کرنے سے ان کے یقین میں اضافہ ہو جاتا ہے اور وہ دنیا سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں پس صادق العزم لوگ تو استقامت کا مطالبہ کرتے ہیں یہی کرامات کا اصل منبع ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ اجسام اس قدر اثرات قبول نہیں کرتے جس قدر دلوں پر اثرات ہوتے ہیں لیکن اگر دل نیک ہیں تو ان پر اثرات بھی اچھے ہوتے ہیں اور اگر ان میں فساد ہے تو اثرات بھی فاسد مرتب ہوں گے اس لحاظ سے بعض احوال کے اثرات اللہ کے ہاں محبوب ہیں اور بعض کے مکروہ ہیں۔

صاحب کرامات لوگ اپنے دلوں کو امر تنبیہ کے تابع رکھتے ہیں اور خرق عادت فعل کو کرامت سمجھتے ہیں وہ اس سے بے خبر ہیں کہ کرامت دراصل استقامت کا نام ہے نیز اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کو اس سے عظیم کرامت کے ساتھ نہیں نوازا کہ وہ تمام امور میں اللہ کی رضا و موافقت کا خیال رکھیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کلام بھری نیز اللہ کے دوستوں کے ساتھ دوستی اور اس کے دشمنوں کے ساتھ دشمنی رکھیں یہی وہ اولیاء اللہ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

أَلَا إِنَّ آيَةَ اللَّهِ لَخُذٌ عَلَيْهِمْ وَكَفَّهِمْ يَحْذَرُونَ (روم ۶۲)

ترجمہ: خبردار بے شک اللہ کے دوست نہ انھیں کچھ بخون ہے اور نہ وہ غم کھائیں گے۔

ابستہ اگر اللہ تعالیٰ بندوں کی آزمائش فرماتا جو اخرق عادت حد تک مسرتوں سے نوازتا ہے یا تکالیف میں مبتلا کرتا ہے تو مسرتوں سے ہٹنا کرنا اس وجہ سے نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ بندہ لائق اکرام ہے اور نہ ہی تکالیف میں مبتلا کرنا اس وجہ سے ہے کہ اللہ کے ہاں وہ بندہ ذلیل ہے اگرچہ اس میں شک نہیں کہ اللہ کے اطاعت گزار بندے سعادتوں سے ہمکنار ہیں اور اس کی نافرمانی کرنے والے بدبختی والے ہیں ارشاد خداوندی ہے :-

فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذْ آمَا بَنِيَّ لَهُ رَبُّهُ فَاكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ وَآمَّا إِذْ آمَا بَنِيَّ لَهُ فَقَدَرَهُ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ

گلہ: (الفرع ۱۵-۱۴)

ترجمہ: مگر انسان (عجیب مخلوق ہے) کہ جب اس کا پروردگار اس کو آزماتا ہے کہ اُسے عزت دیتا اور نعمت بخشتا ہے تو کہتا ہے کہ (اے میرے پروردگار) نے مجھے عزت بخشی ہے اور خیب (دوسری طرح) آزماتا ہے کہ اس پر روزی تنگ کر دیتا ہے تو کہتا ہے کہ (اے میرے پروردگار) نے مجھے ذلیل کیا۔ نہیں۔

اس لحاظ سے لوگوں کی تین قسمیں ہیں پہلی قسم کے وہ لوگ ہیں جن کا مقام خرق عادت اطفال

کی وجہ سے اللہ کے عذاب میں گرفتار ہوں گے جیسے وہ شخص جو خرق عادت کے طوک پر کسی کو قتل کر دیتا ہے اس صورت میں فقہاء کے ہاں قاتل پر قصاص واجب ہے تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جن کے خرق عادات افعال مباحات کے قبیل سے ہیں نیز سمجھ لیجئے کہ خرق عادت سے ہی کشف اور تاثیر کو بھی شمار کیا جاتا ہے بظاہر ان کا تعلق اللہ کے کلمات کے ساتھ ہے جن میں اثرات ہوتے ہیں عام ہیں اس سے کہ وہ کلمات تکوینی انداز کے ہوں یا دینی انداز کے ہوں مثلاً تکوینی کلمات وہ ہیں جن کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے استعاذہ کیا کہ میں اللہ کے کلمات کے ساتھ پناہ طلب کرتا ہوں جو کامل ہیں جن سے کوئی نیک و بد تجاوز نہیں کر سکتا ارشاد خداوندی ہے۔

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ - (یسرہ ۸۲)

ترجمہ: بے شک اس کا امر جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے کہتا ہے جو جاتا تو وہ چیز موجود جاتی ہے۔

نیز فرمایا: وَتَمَّتْ كَلِمَتُكَ حُذْرًا وَعَدْلًا لَا مَبْدَلَ لِكَلِمَاتِهِ (الانعام ۱۱۶) ترجمہ: اور تمہارے پروردگار کی باتیں سچائی اور انصاف میں پوری ہیں اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں۔

پس تمام تکوینی امور اور خرق عادات افعال ان کلمات کے تحت داخل ہیں دوسری قسم میں دینی کلمات ہیں ان سے مراد اللہ کا کلام اور وہ شریعت ہے جس کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا شریعت سے مراد اللہ کے اوامر اور اس کے نواہی ہیں ہر مسلمان کو ان کا علم ہونا چاہئے اور ان کے مطابق عمل کرنا چاہئے نیز اللہ کے احکام کے مطابق آگے حکم دینا چاہئے اسی طرح تکوینی امور کے کلمات اور ان کے اثرات کا بھی علم ہو اس سے حوادث کائنات کا کشف ہوتا ہے بلکہ تاثیر کی قدرت اپنے نفس پر حاصل ہوتی ہے مثلاً پانی پر میلنا، فضا میں اڑنا آگ پر بیٹھنا یا اپنے غیر پر حاصل ہوتی ہے مثلاً کسی کو تندرست کر دینا، کسی کو ہلاک کر دینا، کسی کو مالدار بنانا، کسی کو فقیر بنانا وغیرہ۔

کلمات شریعہ کے اثرات شریعات میں فی نفسہ دکھائی دیتے ہیں مثلاً اللہ اور اس کے رسول کا مطیع ہونا ظاہر باطن اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کے ساتھ تمسک اختیار کرنا ہے اور غیر میں مثلاً وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم کرے اسی طرح

شرعی اطاعت میں لوگوں کا انضام ہو۔

اس تمہید کے معلوم کرنے کے بعد یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ خوارق کا عدم علم یا ان پر عدم قدرت کسی مسلمان کو دینی لحاظ سے ذرہ برابر نقصان دینے والی نہیں ہے اگر کسی شخص کو غیب کی چیزوں کا کچھ کشف نہیں ہوتا اور نہ ہی کائنات پر اسے تسخیر حاصل ہے تو اس سے اس کے مرتبہ میں کچھ کمی نہیں ہوتی بلکہ بعض اوقات ان چیزوں کا عدم وجود اس کے حق میں زیادہ نفع والا ہوتا ہے اگر صاحب کشف کی وابستگی دین کے ساتھ ہے تو بہتر صورت ہے اگر نہ دنیا و آخرت کی بربادی ہے۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ خوارق کے ساتھ کبھی تدین ہوتا ہے اور کبھی تدین نہیں ہوتا اور کبھی فساد فی الدین یا نقص فی الدین ہوتا ہے پس نفع دینے والے خوارق دین کے تابع اور خادم ہوتے ہیں جیسا کہ صاحب اقتدار انسان جب دین کے تابع ہوتا ہے تو اقتدار افادیت کا حامل ہوتا ہے اسی طرح مال کا حال ہے اگر وہ دین کے تابع ہے تو نفع دینے والا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر اور عمر کے ہاتھ میں اقتدار اور مال دونوں تھے ان کی افادیت کے کہیں کو ابھار ہوا ہے پس جس شخص نے اقتدار اور مال کو اصل قرار دیا اور دین کو اس کے تابع بنایا اور اس کو اصل بنایا بلکہ وسیلہ سمجھا وہ اس شخص کے مشابہ ہے جو دین کے بدلے دنیا حاصل کرتا ہے اس کا حال اس شخص جیسا نہیں ہے جو عذاب کے خوف یا جنت کی امید سے دین اسلام کو اپناتا ہے اس کو اس کا حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ دنیا کو دین کے بدلے میں حاصل کرے راہ نجات، شریعت حقہ اس کے سامنے تھیں لیکن اس نے روگردانی کی۔

تعجب ہے کہ اکثر لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کا مقام دوزخ کے خوف یا جنت کی طلب سے بلند ہے ان کا دین کے ساتھ تعلق ادنیٰ درجہ کا خرق عادت عمل ہے ہاں وہ لوگ جن کا علم و عمل صحیح ہے جب وہ کسی خرق عادت عمل کی ضرورت محسوس کرتے ہیں تو لازمی طور پر ان کے ہاتھوں خرق عادت ظہور میں آجاتا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق ۲۷)
ترجمہ ۱۔ اور جو شخص اللہ کا خوف رکھتا ہے اللہ اس کے لئے ذریعہ نجات نکالتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جس کے بارے میں اسے وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔
نیز فرمایا: اِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا (الانفال ۲۹)

ترجمہ: اگر تم خدا سے ڈرو گے تو وہ تمہارے لئے امر ناریق پیدا کرے گا (یعنی تم کو ناریق کرے گا)۔
 نیز فرمایا: وَكُنُوا لَهُمْ فَعَلُوا مَا يَأْمُرُكُمْ بِهِ لَكُمْ خَيْرٌ اَللّٰهُمَّ وَاسْتَنْبِئْنَا
 وَادْعَا اَلَا اَتَيْنَا هُمْ مِنْ لَدُنَّا اَجْرًا عَظِيْمًا وَلَهُمْ يَنْتَظِرُ صِرَاطًا مُسْتَقِيْمًا (نساء: ۶۸-۶۹)
 ترجمہ: اگر تم اس نصیحت پر کار بند ہوتے جو ان کو کی جاتی ہے تو ان کے حق میں بہتر اور دینی،
 زیادہ ثابت قدمی کا موجب ہوتا اور ہم ان کو اپنے ہاں سے اجر عظیم بھی عطا فرما
 دیتے اور سیدھے رستے بھی دکھاتے۔

نیز فرمایا: اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اَلَّذِيْنَ
 اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ (بقرہ: ۶۲-۶۳)
 ترجمہ: سن رکھو کہ جو خدا کے دوست ہیں ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غناک ہوں گے
 یعنی وہ جو ایمان لائے اور ہم پر مبنی گزار رہے ان کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت
 ہے اور آخرت میں بھی (بشارت ہے)

نیز ارشاد نبوی ہے مومن کی فراست سے ڈرو وہ اللہ کے نور کے ساتھ دیکھتا ہے اس کے
 بعد آپ نے یہ آیت تلاوت کی ارشاد خداوندی ہے:-
 اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَا يَاۤتِي تِلْكَ تَرْوِيْن (الحجر: ۵)

ترجمہ: بے شک اس (رقعے) میں اہل فراست کے لئے نشان ہے (ترندی)

نیز حدیث قدسی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ
 نے فرمایا جس شخص نے میرے دوست کے ساتھ دشمنی کی اس نے میرے ساتھ جنگ کی اور میرا
 بندہ میرا قرب فرالین کی ادائیگی سے جس قدر حاصل کرتا ہے اس کی مثال نہیں میرا بندہ ہمیشہ نوافل
 ادا کر کے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں جب میں اس سے
 محبت کرتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ سنتا ہے اس کی آنکھ بن جاتا ہوں
 جس کے ساتھ وہ دیکھتا ہے اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں
 بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ پہناتا ہے اگر وہ مجھ سے سوال کرے گا تو میں اس کا سوال پورا
 کروں گا اگر وہ میرے ساتھ پناہ طلب کرے گا تو میں اس کو پناہ دوں گا مجھے کسی کام میں کبھی تردد
 نہیں ہوا جس کو میں نے کرنا ہے جس قدر مجھے مومن بندے کی روح کے قبض کرنے میں ہوتا ہے وہ

لے حدیث ضعیف ہے ترمذی وغیرہ کا سنن علی بن ابی حمزہ عنی ضعیف مرس ہے (احادیث ضعیفہ: ۱۸۲۱)

موت کو مکروہ جانتا ہے اور میں اس کی تکلیف کو ناپسند سمجھتا ہوں لیکن اس سے کوئی چارہ کار نہیں معلوم ہوا استقامت تو اللہ کا حق ہے اور کرامت نفس کا حصہ ہے وباللہ التوفیق۔

معتبر کہ کرامات کے منکر ہیں | معتزلہ معجزات اور کرامات دونوں کا انکار کرتے ہیں لیکن ان کا انکار محسوسات کے انکار کے مترادف ہے نیز ان کا یہ قول بھی باطل ہے کہ اگر کرامات صحیح ہوتیں تو معجزات کے مشابہ ہوتیں ان کی اس بات سے تو نبی اور ولی میں التباس پیدا ہوتا ہے جو درست نہیں نیز ان کا یہ دعویٰ تب صحیح ہوگا جب ولی خرق عادت افعال دکھانے کا مدعی ہو وہ تو اس کا مدعی نہیں ہوتا اگر وہ مدعی ہے تو وہ جھوٹا نبی ہے۔ اس پر تفصیلاً بحث پہلے گذر چکی ہے۔

فراست کے اقسام | فراست کی تین قسمیں ہیں پہلی قسم فراست ایمانیہ ہے اس کا سبب وہ نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے دل میں ٹھارتا ہے حقیقت یہ ہے کہ ایک مضبوط تخیل دل میں پیدا ہوتا ہے وہ دل ہریوں حملہ آور ہوتا ہے جس طرح شیر شکار پر حملہ آور ہوتا ہے اسی منی سے اشتقاق کر کے اس کا نام فراست رکھا گیا ہے اس میں قوت رضع ایمان کی قوت اور رضع کے لحاظ سے ہے جس قدر کسی کا ایمان زیادہ قوی ہوگا اسی قدر اس کی فراست میں قوت ہوگی ابوسلیمان دارانی کا قول ہے فراست میں نفس کو مکاشفہ اور غیب کا معاینہ ہوتا ہے ایمان کے مدارج میں فراست کا بھی ایک مقام ہے دوسری قسم فراست کی وہ ہے جس میں ریاضت ہوتی ہے اس کے حصول کے لئے بھوکا رہنا، بیدار رہنا، خلوت اختیار کرنا اس لئے کہ جب نفس رکاوٹوں سے الگ ہوتا ہے تو جس قدر وہ رکاوٹوں سے دور ہوتا ہے اسی نسبت سے اس میں فراست اور کشف ہوتے ہیں یہ فراست ایسی ہے جو مومن، کافر دونوں میں مشترک ہے یہ فراست نہ ایمان پر دال ہے نہ ہی ولایت پر دال ہے اور نہ ہی اس سے حق بات کا کشف ہوتا ہے اور نہ ہی اس کا تعلق صراط مستقیم کے ساتھ ہے اس فراست کا کشف بالکل اسی کشف کا مانند ہے جو حکمرانوں، رؤساء اطباء وغیرہ کو حاصل ہوتا ہے فراست کی تیسری قسم غلیظہ ہے اس کے بارے میں اطباء نے رسائل تالیف کئے ہیں وہ اعضاء کی خلقت سے عادات کا استدلال کرتے ہیں اس لئے کہ ان میں ارتباط موجود ہے حکمت الہیہ بھی اس کی متقاضی ہے جس طرح جب کسی انسان کا سر جھوٹا ہوتا ہے تو اس سے اس کی عقل کے کم ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے اور اگر سر بڑا ہو تو عقل لہ حدیث صحیح ہے پہلے گذر چکی ہے۔

کے زیادہ ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے اسی طرح کسی کے سینے کا وسیع ہونا اس کے خوش خلق ہونے پر دال ہے اور سینے کا تنگ ہونا بدخلق ہونے کی علامت ہے اور آنکھوں کی نظر کا کمزور ہونا اور ان کا تھکا دھکا محسوس کرنا عقل کی کمزوری نیز دل کی حرارت کی کمزوری پر دال ہے۔

(ط) علامات قیامت رد جال کا خروج، عیسیٰ بن مریم کا آسمان سے نزول، سورج کا مغرب کی جانب سے طلوع ہونا، وابتہ الارض کا اپنی جگہ سے نکلنا، پرہم ایمان رکھتے ہیں (دش) یعقوب بن مالک اشجعی بیان کرتے ہیں کہ میں جنگ تبوک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ چہرے کے خیمہ میں تھے آپ نے فرمایا قیامت سے پہلے چھ چیزیں کو شمار کر لیجئے میرا فوت ہو جانا، بیت المقدس کا فتح ہونا عام مرنے کی وبا جیسے کبکوں وغیرہ میں وبا پھیلتی ہے، پھر مال و دولت کا عام ہونا یہاں تک کہ ایک شخص کو سو دینار بھی دیئے گئے ہیں تو وہ پھر بھی ناراض رہی ہے، پھر عام فتنہ جس سے عرب کا ہر خاندان متاثر ہوگا، پھر تمھارے اور رومیوں کے درمیان مصالحت ہوگی لیکن رومی غدار کریں گے وہ تمھارے مقابلہ کے لئے اتنی جھنڈے لے کر آئیں گے ہر جھنڈے کے نیچے بارہ ہزار فوج ہوگی۔

حذیفہ بن اسید بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے در آنحیا کہ ہم قیامت کا ذکر کر رہے تھے آپ نے دریافت کیا تم کس چیز کا ذکر کر رہے تھے صحابہ نے جواب دیا ہم قیامت کا ذکر کر رہے تھے آپ نے فرمایا قیامت ہرگز وقوع پذیر نہ ہوگی جب تک کہ تم اس سے پہلے دس نشانیاں نہ دیکھ پاؤ آپ نے دنان یعنی دھوئیں کا ذکر فرمایا نیز دجال، وابتہ الارض سورج کا مغرب کی جانب سے طلوع ہونا، عیسیٰ بن مریم کا نزول یا بوج تین بار زمین میں دھسنے کا ذکر فرمایا ایک مشرق میں دوسرا مغرب میں تیسرا بزمیرۃ العرب میں ہوگا اس کے آخر میں یمن سے آگ نکلے گی جو لوگوں کو میدان محشر کی طرف دھکیل کرے جائے گی و مسلم، نیز بخاری، مسلم میں ہے الفاظ بخاری کے ہیں ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں دجال کا ذکر ہوا آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تو تم پر مہینے نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا نانا نہیں آپ نے اپنے ہاتھ کے ساتھ آنکھ کی طرف اشارہ کیا لیکن مسیح و جال کی دائرہی آنکھ کافی ہوگی گویا کہ اس کی آنکھ انگوڑی مانند ابھری ہوئی ہوگی۔ نیز انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی نے اپنی قوم کو لانے دجال سے ڈرایا ہے خبر دار دجال کا نہ ہے لیکن تمھارا خدا کا نانا نہیں ہے۔ اس کی دونوں آنکھوں

لہ بخاری، ابوداؤد، ابن ماجہ، طہرانی حدیث صحیح ہے (فضائل انعام) ص ۶۶ طبع المکتب الاسلامی، ۱۵ حدیث صحیح ہے۔

۱۵ حدیث صحیح ہے۔

کے درمیان (ک - ف - ۱۰) لکھا ہوگا ایک روایت میں اس کی تفسیر کا فرسے کی گئی ہے نیز ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے مستقبل قریب میں تم میں عیسیٰ بن مریم کا نزول عادل حکمران کی حیثیت میں ہوگا وہ صلیب توڑے گا رخصت کر دے گا ہرگز یہ معاف کرے گا مال عام ہو جائے گا یہاں تک کہ کوئی شخص مال لینے کے لئے تیار نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا اس کے بعد ابو ہریرہ نے کہا اگر تم پسند کرو تو اس آیت کی تلاوت کرو ارشاد خداوندی ہے:-

وَاِنْ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖمْ قَبْلَ مَوْتِهِمْ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ۝۱۰ (النسار ۱۵۹)

ترجمہ:- اور کوئی اہل کتاب نہیں ہوگا مگر ان کی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آئے گا اور وہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے۔

دجال کے خروج اور عیسیٰ بن مریم کے آسمان سے نازل ہونے اور دجال کو قتل کرنے و دجال کے قتل کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں یا بوج ماجوج کے نکلنے اور عیسیٰ علیہ السلام کی دعا کی برکت سے ایک ہی رات میں ان کی ہلاکت کی احادیث کثیر تعداد میں ہیں اس مختصر کتاب میں ان کو بالتفصیل ذکر نہیں کیا جاسکتا۔

دابتہ الادب کے نکلنے اور سورج کا مغرب سے نکلنے کا ذکر قرآن پاک میں ہے ارشاد خداوندی ہے:-
وَإِذَا رَفَعَ الْفُلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنْ أَلْفِ دَرَجَاتٍ تَكْتُمُهُمْ أَنفَ النَّاسِ كَأَنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ يُوقِنُونَ ۝ (الزلزلہ ۸۲)

سلسلہ حدیث صحیح ہے ترمذی (۲۹/۲) اس نے کہا حدیث صحیح ہے، میں کہتا ہوں حدیث بخاری مسلم کی ترمذی پر ہے۔
بلکہ حدیث صحیح ہے، نیز مجھ لیجئے کہ دجال، نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں احادیث متواترہ ہیں ان پر ایمان لانا ضروری ہے ان لوگوں کی باتوں میں نہ آئیں جو دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ احادیث آحاد ہیں وہ لوگ جاہل ہیں انھیں اس کا علم نہیں ان میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو احادیث کے طرق کا تتبع کرتا ہو اگر کوئی شخص ان احادیث کا تتبع کرے گا تو وہ ان کو متواتر پائے گا جیسا کہ اس علم کے ماہر حافظ ابن حجر وغیرہ نے اس کی گواہی دی ہے اس بات پر سخت افسوس ہے کہ کچھ لوگ دیدہ دلبری کے ساتھ ایسی بات کرتے ہیں جو ان کی شان کے مناسب نہیں خاص طور پر جب دین اور عقیدہ کی بات ہو۔

ترجمہ :- اور جب ان کے بارے میں غلاب کا وعدہ پورا ہوگا تو ہم ان کے لئے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے بیان کرے گا اس لئے کہ لوگ ہماری آیتوں یقین نہیں کرتے۔
 نَزَّ فَمَا يَـٰ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ الْغَاسِقَةُ أَوْ يَأْتِيَهُمْ آيَاتُ رَبِّهِمْ لَا يَنْفَعُهُمْ نَفْسًا أَوْ يَمَانًا كَمْ تَكُنْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كُنْتَ فِي إِيمَانِنَا حَتَّىٰ أَقْبَلَ أَنْتَظِرُوا إِنَّا مُنْتَظِرُونَ (الانعام ۱۵۸)

ترجمہ :- یہ اس کے سوا اور کس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا خود تمہارا پروردگار آئے یا تمہارے پروردگار کی کچھ نشانیاں آئیں مگر جس روز تمہارے پروردگار کی نشانیاں آجائیں گی تو جو شخص پہلے ایمان نہیں لایا ہوگا اس وقت اسے ایمان لانا کچھ فائدہ نہ دے گا یا اپنے ایمان کی حالت میں نیک عمل نہیں کئے ہوں گے تو ان ہوں سے تو بہتر نامفید نہ ہوگا۔ اسے پیغمبران سے کہہ دو کہ تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی منتظر ہیں۔

امام بخاری اس آیت کی تفسیر میں ابو ہریرہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے قیام سے قبل سورج مغرب سے طلوع ہوگا جب لوگ اس کا مشاہدہ کریں گے تو قیامت پر ایمان لے آئیں گے یہ ایسا وقت ہوگا کہ کسی نفس کو اس کا ایمان لانا فائدہ نہ دے گا جو اس سے قبل ایمان نہیں لایا نیز مسلم میں عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث محفوظ کی ہے جس کو میں کبھی فراموش نہیں کروں گا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے قیامت کی پہلی نشانی سورج کا مغرب سے طلوع ہونا اور چاشت کے وقت دابۃ الارض کا نکلنا ہے ان میں سے جو نشانی پہلے ظاہر ہوئی دوسری نشانی اس کے بعد جلدی رونما ہوگی اس سے مقصود وہ نشانی ہے جو غیر مانوس ہے اس لئے کہ جہاں کا خروج اور عیسیٰ بن مریم کا نزول اور یاجوج ماجوج کا خروج اس سے پہلے ہو چکا ہوگا یہ تینوں نشانیاں مانوس ہیں جب کہ وہ مشاہدہ میں بشر میں لیکن دابۃ الارض عجیب شکل والا ہوگا اور وہ مانوس بھی نہیں ہے نیز اس کا لوگوں سے مخاطب ہونا اور لوگوں کو ایمان یا کفر کی علامت لگانا مألوف عادت سے ملے حدیث صحیح ہے، سہ حدیث صحیح ہے۔

ہم نے کہا اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندوں میں سے بعض مجھ پر ایمان لائے اور بعض نے کفر کیا جس شخص نے کہا اللہ کے فعل و کرم سے ہم پر بارش ہوئی ہے اس کا مجھ پر ایمان ہے اور ستاروں کے ساتھ اس کا کفر ہے اور جس شخص نے کہا فلاں تارے کے طلوع ہونے سے بارش ہوئی اس نے میرے ساتھ کفر کیا اور ستاروں پر ایمان لایا۔ نیز ابوماک اشعری بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں چار کام جاہلیت کے ہیں جن کو وہ ترک نہیں کریں گے غلامانی فخر، خاندانوں پر طعن و تشنیع ستاروں سے بارش طلب کرنا، فوج گری کرنا ان سے روکنے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم صابر کرام تمام ائمہ سے احادیث اقوال کثرت کے ساتھ موجود ہیں اس کتاب میں ان کا احاطہ ممکن نہیں علم نجوم جس کا موضوع اثرات و انما ہے یعنی احوال فلکی سے احوال ارضی پر استدلال کیا جاتا ہے کتاب و سنت کی روشنی میں اس علم کو پڑھنا معلوم کرنا حرام ہے بلکہ تمام پیغمبروں نے اس کو حرام قرار دیا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَى (رطہ ۹) اور جادوگر جہاں جائے فلاح نہیں پائے گا۔
نیز فرمایا: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ
وَاطْعَانًا (النساء ۵۱)

ترجمہ:- بھلا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا ہے جن کو کتاب سے حصہ دیا گیا کہ بتوں اور شیطان کو مانتے ہیں۔

حضرت عمر بن خطاب نے کہا ہے کہ جیت سے مراد جادو ہے صحیح بخاری میں حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ ابوبکر کا ایک غلام کئی کرنا ابوبکر اس کی کماٹی کھاتے تھے وہ ایک روز ایک چیز لایا ابوبکر نے اسے تناول کیا غلام نے کہا تجھے معلوم ہے یہ کہاں سے تھی ابوبکر نے دریافت کیا کہاں سے تھی اس نے بیان کیا میں نے جاہلیت میں ایک شخص کے لئے کہانت کی حالانکہ میں علم کہانت سے ابھی طرح واقف نہ تھا وہ اصل میں نے اس کو فریب دیا تھا آج وہ تجھے ٹھٹھا اس نے مجھے علیہ دیا آپ نے اس سے کھایا ہے چنانچہ ابوبکر نے اپنا ہاتھ منہ میں ڈالا اور قے کر دی۔

حاکم دقت اور جس شخص کو بھی قدرت حاصل ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ نجومیوں اور کاجنوں، عرافین و دیگر کسی طریق سے مستقبل کی خبریں دینے والوں کا قلع قمع کرے انھیں لے حدیث صحیح ہے صحیح مسلم و مسند احمد، لے حدیث صحیح ہے۔

دکانوں عام شاپراہوں اور پارکوں میں نہ بیٹھنے دیا جائے نہ ہی انھیں لوگوں کے گھروں میں عام داخلے کی اجازت دی جائے کمزور عقیدہ لوگوں کو گمراہ کریں گے اور جو شخص ان کاموں کو حرام جانتا ہے اور باوجود قدرت کے ان کو ختم کرنے کی کوشش نہیں کرتا اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کافی ہے :-

كَانُوا اَنْ يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِْسًا مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ (المائدہ ۷۹)

ترجمہ :- وہ منکر کاموں کے کرنے سے روکتے نہیں تھے ان کے افعال بُرے تھے ۔

تمام مسلمان متفق ہیں کہ یہ ملعون لوگ گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں حرام مال کھا رہے ہیں نیز سنن کتابوں میں مذکور ہے ابو بکر صدیقؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب لوگ منکر کام دیکھیں اور اس کو تبدیل نہ کریں جلد ہی ان سب پر اللہ کا عذاب آجائے گا ۔

اس قماش کے لوگ جن کے افعال کتاب و سنت کے مخالف ہیں کئی قسم کے ہیں کچھ وہ لوگ ہیں جو مکروہ فریب کے ذریعہ لوگوں کو اپنا گرویدہ بناتے ہیں عمداً جھوٹ بولتے ہیں تلبیسات کا جال پھیلا کر لوگوں کو پھاندتے ہیں ظاہر یہ کہتے ہیں کہ کوئی جن ان کے تابع ہے نصنع کے ساتھ فقیروں والی گودڑی زیب تن رکھتے ہیں مجازب مسنی کی کیفیت ظاہر کر کے غیب کی خبریں دیتے ہیں یہ لوگ اس لائق ہیں کہ انھیں عبرتناک سزا دی جائے تاکہ ان کی قماش کے تمام لوگ دہل و تلبیس سے باز آجائیں ان میں بعض اوقات ایسے گمراہ لوگ ہوتے ہیں جو خوش فہمی میں مبتلا ہو کر نبوت کا دعویٰ کر بیٹھتے ہیں جھوٹ بولنے سے ذرا شرم محسوس نہیں کرتے بلکہ شریعت میں تحرین کرنے سے بھی نہیں ڈرتے اس قسم کے لوگ تو یقیناً اس لائق ہیں کہ انھیں قتل کر دیا جائے اور کچھ لوگ علم ہادو کے ذریعہ اپنی دکان چکاتے ہیں باطل تخیلات کو حقیقت کا نام دے کر پیش کرتے ہیں جمہور علماء کے مسلک کے مطابق جادو گر کو قتل کرنا ضروری ہے امام ابو حنیفہؒ ، امام مالکؒ ، امام احمدؒ ، کا یہی مذہب ہے بعض صحابہ جیسے عمرؓ ، ابن عمرؓ ، عثمانؓ وغیرہ سے بھی اسی طرح کا قول منقول ہے پھر اس میں اختلاف ہے کیا اس سے توبہ کرنے کا مطالبہ کیا جائے اور کیا وہ جادو کرنے سے کافر ہو جاتا ہے ؟ یا کیا چونکہ وہ فساد فی الارض کا مرتکب ہو رہا ہے اس لئے اس کو قتل کر دیا جائے ایک گروہ کا خیال ہے کہ اگر اس نے جادو کے ساتھ کسی کو قتل کیا ہے تو اسے بھی قتل کیا جائے ورنہ قتل سے کم کوئی سزا دی جائے اگر اس کے قول اور عمل میں کفر کی آمیزش نہیں ہے یہ قول امام شافعیؒ

ملہ حدیث صحیح ہے مشکوٰۃ (۵۱۳۲)

کا ہے نامِ ابرہہؓ بھی ایک قول یہی ہے
جادو کی حقیقت اور اس کی اقسام | جادو کی حقیقت اور اس کی اقسام میں اختلاف کرتے ہیں اکثر علماء کہتے ہیں جادو سے مسح کی موت اور بیماری میں اضافہ ہو سکتا ہے جب کہ ظاہر میں کوئی سبب نظر نہیں آتا بعض نے اس کو محض تخیل قرار دیا ہے لیکن اس بات پر تمام کا اتفاق ہے کہ وہ جادو جس میں سات ستاروں یا دیگر ستاروں کو پکارا جاتا ہے یا ان سے مخاطب ہوا جاتا ہے یا ان کو مسحور بنایا جاتا ہے - اور ان کی مناسبت کا لباس، انگوٹھی خوشبو وغیرہ استعمال میں لایا جاتا ہے تو اس کے کفر ہونے میں کچھ شک نہیں یہ تو شرک کا بابِ اعظم ہے جس کو مقفل کرنا بلکہ منہم کرنا ضروری ہے جادو گروں کا یہ فعل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے فعل کے مشابہ ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی حکایت بیان کرتے ہوئے فرمایا:-

فَنظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ (الصافات ۸۸-۸۹)

ترجمہ: تب انھوں نے ستاروں کی طرف ایک نظر کی اور کہا میں تو بیمار ہوں۔

نیز فرمایا:- فَلَمَّا حَسَّ عَلَىٰ رَبِّهِ أَنَّهَا سَاقِيَةٌ جَعَلَ صِغْرَهُ عَلَىٰ الْمَقَامِ فَأَنَّىٰ يُبْعِثُ فِي رَفِيقٍ فَلَمَّا أَتَى النَّمِرَ بَارِئًا قَالَ هَذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَئِن لَّمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ فَلَمَّا رَأَى السُّمْسَ بَارِئًا قَالَ هَذَا رَبِّي هَذَا أَكْبَرُ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَخَافَهُ قَوْمُهُ قَالَ اتَّعَاذُوكَ فِي اللَّهِ وَقَدْ هَمَمْتُ وَلَا أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ إِلَّا أَن يَكُنَّ رَبِّي وَاسِعَ رَبِّي كُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا أَلَا تَتَذَكَّرُونَ وَكَيْفَ أَكُنَّ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَا أَسْرُكُكُمْ بِاللَّهِ مَا كُنْتُمْ يُكْفِّرُونَ بِهِ عَلَيْهِمُ سُلْطَانًا قَائِمٌ الضَّرِيقِينَ أَخَذَ بِأَنفُسِهِمْ لَئِنْ لَّمْ يَكْفُرُوا لَيَكُونُنَّ أَتَمًّا وَمَا لَهُمْ لَبِثُوا إِلَّا فِي عَمٍّ فَلَمَّا كَفَرَ الْفِرْعَوْنُ أَتَىٰ بِمِثْلِهِ خَمْرًا وَكَفَرَ الْأُفْرَاسِيَةَ فَكَفَرُوا بِاللَّهِ وَكَافَرُوا بِالْفِرْعَوْنِ أَلَيْسَ لَدُنْهُمْ إِلَٰهٌ مِّمَّنْ لَّخُمُ أُولَٰئِكَ لَهْمُ الْآلَةِ مِنَ وَهُمْ مَصْطَفَدُونَ (الانعام ۷۸-۸۳)

ترجمہ:- (یعنی) جب رات نے ان کو پردہ تاریکی سے ڈھانپ لیا تو (آسمان میں) ایک ستارہ نظر پڑا تو کہنے لگے یہ میرا پروردگار ہے اور جب وہ غائب ہو گیا تو کہنے لگے مجھے تو غیب ہو جانے والے پسند نہیں پھر جب چاند کو دیکھا تو چمک

رہا ہے کہتے لگے یہ میرا پروردگار ہے لیکن جب وہ بھی چھپ گیا تو کہنے لگے اگر میرا پروردگار مجھے سیدھا رستہ نہیں دکھائے گا تو میں ان لوگوں میں سے ہو جاؤں گا جو بھٹک رہے ہیں پھر جب سورج کو دیکھا کہ جگمگا رہا ہے تو کہنے لگے کہ میرا پروردگار یہ ہے یہ سب سے بڑا ہے مگر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو کہنے لگے لوگو! جن چیزوں کو تم (خدا کا) شریک بناتے ہو میں تو ان سے بیزار ہوں میں نے سب سے یکسو ہو کر اپنے تئیں اسی ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں سے نہیں ہوں اور ان کی قوم ان سے بحث کرنے لگی تو انھوں نے کہا کہ تم مجھ سے خدا کے بارے میں کیا بحث کرتے ہو، اس نے تو مجھے سیدھا رستہ دکھا دیا ہے اور جن چیزوں کو تم اس کا شریک بناتے ہو میں ان سے نہیں ڈرتا ہوں ہاں میرا پروردگار جو کچھ چاہے میرا پروردگار اپنے ظلم سے ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے کی تم خیال نہیں کرتے ہو بھلا میں ان چیزوں سے جن کو تم (خدا کا) شریک بناتے ہو کیوں کر دُروں جب کہ تم اس سے نہیں ڈرتے ہو کہ خدا کے ساتھ شریک بناتے ہو جس کی اس نے کوئی سزا نازل نہیں کی اب دونوں فرق میں سے کونسا فرق امن (اور جمعیت خاطر) کا مستحق ہے اگر کچھ رکھتے ہو تو دباؤ جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو (شرک کے) ظلم سے محفوظ نہیں کیا ان کے لئے امن (اور جمعیت خاطر) ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔

تمام اس پر متفق ہیں کہ ہر دم، توحید، قسم وغیرہ جس میں شرک کی آمیزش ہو اس کو زبان پر لانا درست نہیں اگرچہ وہ کلمات اتنے مؤثر کیوں نہ ہوں کہ ان کے پڑھنے سے جن وغیرہ بھی مطیع ہو جاتے ہوں اسی طرح وہ کلمات جن میں کفر ہو وہ بھی زبان پر نہ لائے جائیں اسی طرح وہ کلمات جن کا معنی معلوم نہ ہو ان کو بھی زبان پر نہ لائے ممکن ہے کہ ان میں شرکیہ کلمات ہوں جن کا علم نہ ہو اسی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کلمات کے ساتھ دم کرنے میں کچھ حرج نہیں اگر ان میں شرکیہ کلمات نہ ہوں نیز جنوں کی پناہ لینا بھی جائز نہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ان کے اس فعل کی وجہ سے مذموم قرار دیا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

وَأَن تَقُولَ ۖ مَا مَلَكَتْ يَدَايَ ۚ أَن سَبَّحْتَ بِحَمْدِ اللَّهِ ۚ لَئِنِ سَبَّحْتَ بِحَمْدِ اللَّهِ لَمَّا تَدْرِي ۚ وَأَن تَقُولَ ۖ مَا مَلَكَتْ يَدَايَ ۚ أَن سَبَّحْتَ بِحَمْدِ اللَّهِ ۚ لَئِنِ سَبَّحْتَ بِحَمْدِ اللَّهِ لَمَّا تَدْرِي ۚ (البقرہ ۶)

ترجمہ: اور کچھ آدمی جنوں کے مردوں سے پناہ لیا کرتے تھے سوائے ان کی کرکشی بڑھادی۔

اس کی وضاحت یوں ہے کہ جب کوئی شخص کسی وادی میں اترتا تو وہ کہتا کہ میں اس وادی کے عظیم جی کی پناہ میں آتا ہوں اس طرح وہ صبح تک امن و سکون کے ساتھ رہتا انسانوں کے اسی انداز نے جنوں کو مزید مغرور بنادیا ان کی دلیری و سرکشی میں اضافہ ہو گیا اور انہوں نے برا ملا کہا کہ ہم تمام انسانوں پر غالب ہیں اور ان پر ہماری سرداری ہے انسانوں کی سہل انگاری نے جنوں کو شوریدہ سر بنادیا اور ان کے کفر میں اضافہ ہو گیا ارشاد خداوندی ہے:-

وَيَوْمَ نَخْسِفُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِي أَهْلُكَ أَهْلُكَ أَهْلُكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ قَالُوا سُبْحَانَكَ أَنْتَ وَرَبُّنَا مِنْ دُونِهِمْ بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ
الْجِبْتَ أَكُنَّا لَهُمْ مَوْصُونُونَ (سبار - ۳۰ - ۴۱)

ترجمہ:- اور جس دن وہ ان سب کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے فرمائے گا کیا یہ لوگ تم کو پوجا کرتے تھے وہ کہیں گے تو پاک ہے تو ہی ہمارا دوست ہے نہ یہ بلکہ یہ جنات کو پوجا کرتے تھے اور اگر ان ہی کو مانتے تھے۔

یہ وہ لوگ ہیں جو سمجھتے تھے کہ وہ فرشتوں کو پکارتے ہیں اور وہ ان سے مخاطب ہوتے ہیں حالانکہ ان پر شیاطین کا نزول ہوتا ہے ان کے گمراہ ہونے میں کچھ شک نہیں ارشاد خداوندی ہے:-
يَا مَعْشَرَ الْجِبِّ قَدْ اسْتَكْبَرْتُمْ عَنْ آلِ نَسٍ وَقَالَ آذُنَا لَهُمْ مِنَ الْإِنْسِ
دَبَّتْ أَسْمَاعُ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَلَّغْنَا آجَلَنَا الَّذِي أَجَلْتُمْ لَنَا قَالُوا
مُتَّوَلَّيْنَاكُمْ خَالِدِينَ فِيهَا إِنَّ مَا شَاءَ اللَّهُ إِنَّ رَبَّنَا عَزِيزٌ مُجِيبٌ (الانعام ۱۲۸)
ترجمہ:- اے گروہ جنات تم نے انسانوں سے بہت (فائدے) حاصل کئے ہیں تو جو
انسانوں میں ان کے دوست اور بھائیوں گے وہ کہیں گے کہ پروردگار ہم ایک دوسرے
سے فائدہ حاصل کرتے رہے اور (آخر) اس وقت کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لئے
مقرر کیا تھا خدا فرمے گا اب تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہی ہے تم ہمیشہ اس میں جلتے
رہو گے مگر جو خدا چاہے بے شک تمہارا پروردگار دانا اور خبردار ہے۔

معلوم ہوا انسان جنوں سے کام لیتے ہیں چنانچہ جن ان کے حکم کی اطاعت کرتے ہیں ان کی ضرورتیں پوری کرتے ہیں انھیں عیب کی خبریں بتاتے ہیں اس طرح انسان جنوں کی تعظیم کرتے ہیں ان سے استعانت لیتے ہیں ان سے فریاد رسی چاہتے ہیں ان کے سامنے اپنے آپ کو نیچا دکھاتے

ہیں۔

رجال غیب جنوں کی ایک قسم ہے جو اپنے آپ کو اولیاء اللہ سمجھتے ہیں غیر العقول کا زنا موں کے مدعی ہوتے ہیں لیکن درحقیقت اہل شرک کے ساتھ معاونت رکھتے ہیں بلکہ مسلمانوں کی مخالفت کر کے اہل شرک کی خوشنودی حاصل کرتے ہیں بقا برکتے ہیں کہ چونکہ مسلمان اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں اس لئے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ان کی مخالفت کا حکم دیا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ لوگ شعبہ باز برعم خویش کشف کے مدعی ہیں۔ ان کے بارے میں اہل علم کے تین گروہ ہیں ایک گروہ تو ان کے وجود کا انکار کرتا ہے لیکن چونکہ بعض لوگوں نے ان کا مشاہدہ کیا ہے یا بعض ثقہ قسم کے لوگ بتاتے ہیں کہ رجال غیب کو دیکھا گیا ہے اور جب لوگ ان کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ان کے سامنے خشوع خضوع کرتے ہیں اس بنا پر ان کے وجود کو تسلیم بھی کیا گیا ہے دوسرا گروہ کہتا ہے کہ باطن میں انبیاء کے بتائے ہوئے راستہ کے مقبلا دل بھی ایک راستہ ہے اور یہ راستہ رجال غیب کا ہے تیسرا گروہ کہتا ہے کہ کوئی دلی صاحب طریقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت سے باہر نہیں ہے ان کے ہاں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قابل تعظیم ہیں وہاں یہ بھی دین اسلام کے اساطین ہیں دراصل یہ لوگ دین اسلام سے ناواقف ہیں اگرچہ رسول اکرم کی تعظیم کرتے ہیں جب کہ وہ مدعی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں گروہوں کے معاون ہیں دونوں گروہوں سے مراد اہل شریعت اور اہل طریقت ہیں سچی بات تو یہ ہے کہ یہ لوگ شیاطین کے پیروکار ہیں اور رجال غیب سے مراد جن ہیں اور ان کو رجال غیب کے نام کے ساتھ مومن اس لئے کیا گیا ہے کہ قرآن پاک میں بھی جنوں کو رجال کہا گیا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

ذُرِّثَهُ كَافِرِيَّ جَالٍ مِّنَ النَّاسِ لِيُعَذِّبَهُنَّ وَيُجْزِيَ جَالٍ مِّنَ النَّجِينَ فَاذْكُذِّهِنَّ
ذَهْقَاهُ (البقرہ ۶)

ترجمہ:- اور یہ کہ بعض بنی آدم بعض جنات کی بدنامہ پکڑا کرتے تھے اس سے، ان کی سرکشی اور بدچلنی گئی۔

ہم نے ان کو یں اس لئے کہا ہے کہ جن دکھائی نہیں دیتے اور انسان تو دکھائی دیتے ہیں اگرچہ کبھی وہ بھی نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں ان کا ہمیشہ نظروں سے اوجھل رہنا ممکن نہیں اور جن لوگوں نے رجال غیب کو انسانوں سے شمار کیا ہے انھوں نے غلط کیا ہے اس غلط فہمی یا گمراہی اور تین گروہوں میں اہل علم کے منقسم ہونے کا سبب یہ ہے کہ وہ اولیاء الرحمن

اور اولیاء الشیطان میں فرق نہیں کرتے ہیں :-

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اہل طریقت جو کچھ کرتے ہیں انہیں کرنے دیا جائے ان سے کچھ تعرض نہ کیا جائے ان کی یہ بات باطل ہے صحیح بات یہ ہے کہ ان کے اقوال، افعال کو شریعت محمدیہ پر مبنی کیا جائے ان کی جو باتیں اور کیفیتیں شریعت محمدیہ کے موافق ہوں انہیں قبول کیا جائے اور جو مخالف ہوں انہیں رد کر دیا جائے ارشاد نبوی ہے: **وَرَجُلٌ شَغِبَ رَأْسُهُ فَمِنْ شَرِّ النَّاسِ** ہمارا احکم نہیں ہے وہ عمل مردود ہے

دوسری روایت میں ہے جو شخص ہمارے دین اسلام میں ایسی چیز لاتا ہے جو دین اسلام سے نہیں ہے تو اس کو رد کر دیا جائے گا پس سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے کوئی طریقہ نہیں اور آپ کی بیان کردہ حقیقت کے علاوہ کوئی حقیقت نہیں اور آپ کی شریعت کے علاوہ کوئی شریعت نہیں اور آپ کے عقیدہ کے علاوہ کوئی عقیدہ نہیں آپ کے بعد کوئی شخص اللہ کی رضا، جنت کا استحقاق حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ ظاہری اور باطنی طور پر آپ کی متابعت نہ کرے اور جو شخص آپ کی بیان کردہ احادیث کی تصدیق نہیں کرتا آپ کے بتائے ہوئے احکام خواہ وہ باطنی اعمال ہوں جن کا دل کے ساتھ تعلق ہے یا ظاہری ہوں جن کا بدن کے ساتھ تعلق ہے، کی اطاعت کا التزام نہیں کرتا تو وہ مومن نہیں ہے چہ جائیکہ اس کو ولی اللہ کہا جائے اگرچہ وہ فضائل اڑ رہا ہے، پانی پر پھلتا دکھائی دیتا ہے اور خزانہ غیب سے خرچ کر رہا ہے - اور اگر خالی گریبان سے سونا نکال کر پیش کر رہا ہے اس سے کہیں مستزاد کہ وہ ہر قسم کے خوارق کا اظہار کر رہا ہے جب تک وہ مامورات پر عمل نہیں کرتا اور مخلوقات سے رکت نہیں اس کے ان احوال کو شیطانی کرشموں کا نام دیا جائے گا جن کے ظہور سے وہ اللہ تعالیٰ سے دور ہوگا اس کی ناراضگی اور اس کے عذاب کا مستحق ہوگا البتہ جو لوگ ابھی مکلف نہیں ہیں بچے ہیں یا پاگل ہیں وہ مرفوع القلم ہیں وہ سزا کے مستحق نہیں ہیں اگرچہ ظاہر اور باطن ان میں ایمان یا اللہ اور اقرار نہیں ہے جس سے وہ مقربین اولیاء اللہ اور فلاح پانے والوں کی فہرست میں شمار کئے جائیں ہاں اس قسم کے لوگ اپنے باپ دادوں کے بالیقہ اسلام میں داخل سمجھے جائیں گے ارشاد خداوندی ہے:-

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ

مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ (الطہور ۷۲)

سہ بخاری رسم بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا -

ترجمہ اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد بھی (راہ) ایمان میں ان کے پیچھے چلی
ہم ان کی اولاد کو بھی ان کے درجے تک پہنچا دیں گے اور ان کے اعمال میں سے
کچھ کم نہ کریں گے ہر شخص اپنے اعمال میں پھنسا ہوا ہے۔

بعض پاگل قسم کے لوگوں کو اولیاء اللہ سمجھنا | جو شخص کسی بدست پاگل کمزور عقل والے انسان
کے بارے میں رجب کہ وہ اقوال - افعال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت نہیں کرتا عقیدہ
رکھتا ہے کہ وہ اللہ کا ولی ہے اور اس کو ان لوگوں پر تفوق عطا کرے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم کی اطاعت کرنے والے ہیں تو وہ انسان بدعتی ہے گمراہ ہے اس کا عقیدہ خراب ہے اس
قسم کا یہ وقوت پاگل انسان یا تو شیطان زندقہ ہے یا بظاہر متصوف ہے اور باطن ناسخ اور
مکار یا وہ دیوانہ ہے اور معذور ہے ایسے شخص کو اولیاء اللہ کہہ کر جس طرح برتری دہی جاسکتی ہے
جو رسول اکرم کی اتباع کرنے والے ہیں، یا ان کے برابر کیسے قرار دیا جاسکتا ہے یہاں یہ کہنا
ہرگز درست نہیں کہ وہ باطن اتباع کرنے والا ہے اور ظاہر اتباع ترک کرنے والا ہے جب
کہ ظاہر اور باطن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت فرض ہے۔

یونس بن عبد الاعلیٰ صوفی کا قول | بیان کرتے ہیں کہ میں نے ام شافعیؓ کو بتایا کہ ہمارے اٹاؤ
لیٹ کہتے ہیں کہ جب تم کسی شخص کو پانی پر چلتے ہوئے دیکھو تو دھوکھے میں نہ آؤ، بلکہ اس کا
معاملہ کتب و سنت پر پیش کرو اس پر ام شافعیؓ نے فرمایا لیٹ نے کمزور بات کہی ہے میں
کہتا ہوں کہ جب تم کسی شخص کو پانی پر چلتے ہوئے ہو امیں اڑتے ہوئے دیکھو تو کسی دھوکھے میں
نہ آؤ بلکہ اس کا معاملہ کتب و سنت پر پیش کرو۔

البتہ کچھ لوگ ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جنت میں
کمزور عقل والوں کو زیادہ تعداد میں پایا اس حدیث کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صحیح نہیں ہے
اس حدیث ضعیف ہے اس حدیث کو ابو بکر کلابازی نے مفتاح المعانی ق/ ۵/ ۲۷۱ اور ابن عساکر نے ۲/ ۲۲۵
پر ذکر کیا اور بیان کیا کہ ابن شاہین کا قول ہے کہ اس حدیث میں مصعب بن ماہان منفرد ہے میں کہتا ہوں وہ صحابہ
ہے لیکن زیادہ غلط کرنے والا ہے، کمافی التقریب، میں کہتا ہوں اس تک سند میں احمد بن عیسیٰ شتاب کے ہاتھ
میں امیہ عدی نے کہا اس نے منکر روایات کی ہیں پھر اس حدیث کو ذکر کر کے کہا ہے کہ یہ حدیث اس سند کے ساتھ
باطل ہے نیز اس حدیث کو امیہ عدی ق/ ۱۶۶/ ۲۷۱ اور اس کے عزیز نے بھی اس حدیث کو انس بن مالک سے مرفوعاً
ذکر کیا اور کہا یہ حدیث اس اسناد کے ساتھ منکر ہے اس حدیث کسلا مہدی روح کے علاوہ کسی نے ذکر نہیں کیا
(بقیہ کلمہ صحیح)

ظاہر ہے کہ جنت عقل والوں کے لئے پیدا کی گئی ہے جن کو ان کی عقلوں نے اللہ فرشتوں پر ایمان
نیز منزل من اللہ کتاب میں ذکر کئے ہیں لیکن ان میں اس وصف کا ذکر نہیں کہ اہل جنت
کمزور عقل والے ہوں گے البتہ آپ نے فرمایا میں نے جنت میں کثرت کے ساتھ فقراء کو پایا کمزور
عقل والوں کا آپ نے ذکر نہیں کیا

باطنیہ ملا متیہ فرقے کا ذکر | یہ وہ لوگ ہیں جو قابل ملامت کام کرتے ہیں اور مدعی ہیں کہ ہم باطن
اتباع کرنے والے دیاکاری سے بچاؤ کے لئے ظاہراً اتباع سے گریز کرتے ہیں یہ لوگ صراط مستقیم
سے جھکنے ہوئے ہیں اس طرح وہ لوگ جو قوالی اور عمدہ گانے سن کر وہ میں آہاتے ہیں ان پر

(ضعیف تخریج) اور وہ ضعیف تخریج کا حافظہ غلط ہو گیا تھا نیز ابو موسیٰ مدینی کے نزدیک (الطائفت ۱/۵) میں ہی کی تاجت
سفیان بن عیینہ نے کہا ہے ساتھ ہی کہا ہے کہ ابن عیینہ کی ذہری سے حدیث غریب ہے البتہ سلام بن رجوع
کی روایت معروہ ہے نیز یہ حدیث دو طریق سے مرسل بھی آئی ہے پہلا طریق محمد بن منکدر سے ہے
معانی بن عمران (ازہدق ۱/۲۹۹) پر کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن ابی حمید مدنی نے محمد بن عکرمہ سے اس
حدیث کو مرفوع بیان کیا خیال رہے یہ مدنی راوی ضعیف ہے جیسا کہ تقریب میں ہے اور دوسرا طریق عمر بن
عبد العزیز سے مرسل مرفوع ہے اس میں اضافہ ہے کہ راعیٰ علی بن عقل والوں کے لئے ہے اس کو
عبد الوہاب کلابی نے حدیث ق ۱۴۹/۲ میں سند کے ساتھ عبد العزیز بن عمر بن عبد العزیز عن ابیہ سے
روایت کیا ہے عبد العزیز راوی سچا ہے لیکن خطا کرتا ہے کہ فی التقریب - نیز اس میں ایسے رواۃ
بھی ہیں جن کے حالات سے میں باخبر نہیں ہو سکا نیز اس روایت سے اس شخص کا رد ہو رہا ہے جس کا
قول ہے کہ اس زیادتی کامل موجود نہیں ہے اور یہ زیادتی درج ہے احمد بن ابی الحواری نے اس کو مدراج کیا
جب کہ احمد کا اس حدیث میں ذکر ہی نہیں ہے میں نے اس حدیث پر بحث کو طویل کر دیا ہے اس لئے کہ مجھے معلوم
ہو کہ شیخ احمد نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ اس حدیث کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے
کہ اس حدیث کا کچھ اصل نہیں ملا لکن میں نے کسی عالم کو نہیں پایا کہ جس نے کسی حدیث کے بارے میں یہ کہا
جو ابنت زیادتی کے بارے میں بعض لوگوں نے کہا ہے لیکن محمد بن عبد الوہاب کا یہ کہنا کہ اس حدیث کا
کہا گیا (کہ جس حدیث کی ایک یا ایک سے زیادہ اسانید ہوں اگرچہ ضعیف ہوں) کہ اس کا
(اصل نہیں ہے۔) خارج موضوع ہے مسلم حدیث ابن عباس و البخاری عن عمران (الاعادیت الضعیفہ ۲۸۰۱)

سبے یوشی طاری ہو جاتی ہے بدعتی اور گمراہ ہیں جب کہ شریعت کا ہرگز یہ مطالبہ نہیں ہے کہ انسان کوئی ایسا طریقہ اختیار کرے جس سے اس کی عقل زائل ہو جائے صحابہ تابعین میں کوئی بھی ایسا نہ تھا اس قسم کے اعمال کا مرتکب ہونے والے خواہ وہ قرآن ہی کیوں نہ سن رہے ہوں اس حال میں بھی ان پر بے یوشی طاری نہیں ہوتی قرآن پاک سننے سے ان کی جو کیفیت ہوتی تھی اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے ۔

إِذْ ذُكِّرُوا بِاللَّهِ وَجَعَلَتْ قُلُوبُهُمْ رَآذًا تُكَلِّمُ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ (الأنفال ۲)

ترجمہ :- جب خدا کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب انھیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتی جاتی ہیں تو ان کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں ۔

نیز فرمایا :- اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْغُرُوثِ كِتَابًا مُنْشَأً بِهِ مُثَانِي تَقْشَعِرُ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ذَٰلِكَ هُدَىٰ اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن هَادٍ (الزمر ۲۳)

ترجمہ :- خدا نے نہایت اچھی باتیں نازل فرمائی ہیں (یعنی کتاب جس کی آیتیں باہم، ملتی جلتی رہیں) اور درہم رانی جاتی ہیں جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کے بدن کے (اس سے) رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں پھر ان کے بدن اور دل نرم (ہو کر) خدا کی یاد کی طرف (متوجہ) ہو جاتے ہیں یہی خدا کی ہدایت ہے وہ اس سے جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جس کو خدا گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ۔

البتہ جن کمزور عقل دیوانوں کا تذکرہ علماء نے غیر کے ساتھ کیا ہے دراصل یہ وہ لوگ ہیں جو عقل والے تھے اور نیک تھے بعد ازاں ان کی عقل زائل ہو گئی ان کے نیک ہونے پر دلیل یہ ہے کہ جب بھی وہ یوشی میں آئے اور دیوانگی کا غلبہ کم ہوا تو انھوں نے ایمان باللہ کا ذکر کیا اور عقل زائل ہونے کی صورت میں بھی راہ ہدایت کے طالب رہے ان کے خلاف جو لوگ حالت کفر میں عقل سے محروم ہو گئے تو ان کے جنون نے ان کے کفر کو زائل نہیں کیا ہے وہ بحالت یوشی کھٹا ب بھی ہے لیکن جو شخص ایمان دار اور متقی ہے اگر اس پر جنون طاری ہوا ہے تو وہ پہلے کی طرح

ایماندار ہے اور قیامت کے دن ایماندار پر ہیزگاروں کے ساتھ اٹھایا جائے گا مقصود یہ ہے کہ جنون وغیرہ کے طاری ہونے سے عقل کا زائل ہونا اس کے غیر و شر کو تبدیل نہیں کر سکتا بلکہ اگر وہ اس سے قبل نیک ہو تو اس کو نیک سمجھا جائے گا اور اگر برا ہے تو اس کو برا سمجھا جائے گا اس سے ہرگز تبدیل یا کمی بیشی نہیں ہوگی البتہ جنون طاری ہونے سے نیکی میں مزید اضافہ نہ ہوگا جیسا کہ کسی برے کام پر سزا دینے سے وہ اس سے رکے گا نہیں اور نہ اس سے پہلے کئے ہوئے گناہ محو ہوں گے۔

دیکھا گیا ہے کہ بعض کمزور عقل والے دیوانے قسم کے لوگ طریقہ گیتوں کو کن کر وہد میں آجاتے ہیں نعرہ بازی شروع کر دیتے ہیں اور اپنی مادری زبان کے علاوہ مختلف زبانوں میں بولن شروع کر دیتے ہیں یہ وہ وہ لوگ ہیں جن کی زبان پر شیطان بولتا ہے جیسا کہ وہ شخص جس میں جن داخل ہو جائے وہ بے ہوشی کے عالم میں یا تیں کرتا ہے دراصل وہ جن بول رہا ہوتا ہے ان لوگوں کے یہ تمام احوال شیطانی ہیں بھلا یہ کیسے درست ہے کہ عقل کا زائل ہونا اللہ کے تقرب کا ذریعہ ہے یہ نظریہ تو گمراہ لوگوں کا ہے ان کے بارے میں ایک شاعر کہتا ہے

ہم معشر حلواۃ النظام و خرقۃ السیاح ذل فرض لدیہم ولا نفل

جہانین الا ان سرجنو نہم عزیز علی ابوابہ ان یسجد العقل

ترجمہ :- یہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اسلام کے نظام کے تار و پود کو بکھیر دیا ہے اور شرعی حدود کو ہمارا ڈالا ہے فرض نفل کی اصطلاح ان کے ہاں کچھ نہیں یہ تو دیوانے ہیں البتہ ان کی دیوانگی کا راز اتنا بلند ہے کہ عقل ان کے دروازہ پر سجدہ کناں ہے۔

یہ اشعار کسی گمراہ بلکہ کافر انسان کے ہیں جس کا خیال ہے کہ دیوانگی میں ایک ایسا راز مخفی ہے کہ عقل کے لئے بھی اس کے سامنے سجدہ بریز مرنے کے علاوہ کوئی چارہ کار ہی نہیں ہے دراصل وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ بعض دیوانوں میں کشف و رقی عادت، عجیب و غریب تصرف کے واقعات دیکھنے میں آتے ہیں حالانکہ ان واقعات کا سبب ان کے ساتھ شیاطین کا مقارن ہونا ہے جیسا کہ جادوگروں اور کاجہنوں کے ساتھ شیاطین مقارن ہوتے ہیں گمراہ قسم کے لوگ ان کے محیر العقول کشتوں کو دیکھ کر انہیں دلی اللہ سمجھنے لگ جاتے ہیں حالانکہ جس شخص کا یہ عقیدہ ہے وہ کافر ہے ارشاد خداوندی ہے :-

هَلْ يُتْلٰهُمُ عَلٰی مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيَاطِیْنُ تَنَزَّلُ عَلٰی اَنۡفَالٍ اَتٰنَمُ (اشعرا ۱۱)

ترجمہ:- (اچھا، میں تمہیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اتارتے ہیں ہر جھوٹے گنہگار پر اتارتے ہیں۔)

اور جن لوگوں کے پاس شیطان کا آنا جانا ہوتا ہے ان کی بائیں جھوٹی اور ان کے افعال فسق و فجور والے ہوتے ہیں کچھ لوگ جسمانی ریاضتیں اختیار کرتے ہیں جنگلوں میں رہتے ہیں باجماعت نمازیں ادا نہیں کرتے بلکہ جمعہ کی نمازیں بھی شامل نہیں ہوتے اس کے باوجود وہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں اللہ کا تقرب حاصل ہے لوگ بھی ان کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیوی کوششیں اکابر تکمیل پر علم خویش سمجھتے ہیں کہ نیک اعمال کر رہے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو مہر زدہ کر دیا ہے صحیح حدیث میں ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس شخص نے بلا عذر سستی دکھاتے ہوئے تین جمعہ ترک کر دیئے اللہ نے اس کے دل پر مہر لگا دی۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی نہیں کرتا اگر وہ اہل علم سے ہے تو اس پر اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے بصورت دیگر وہ گمراہ ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم ہر نماز میں سیدھے راہ کی ہدایت کی دعا کریں ایسے انسانوں کا راہ جن پر اللہ کے انعامات ہیں جیسے انبیاء و صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں ان کی رفاقت بہت بہتر ہے ان پر نہ تو اللہ کی ناراضگی ہے اور نہ ہی یہ لوگ گمراہ ہیں۔

کیا علم لدنی کی موجودگی میں وحی کی ضرورت نہیں؟ بعض لوگ جو توفیق الہی سے محروم ہیں وہ برا اعلان کرتے ہیں کہ علم لدنی کی موجودگی میں وحی کی ضرورت نہیں یہ لوگ ملحد بددین ہیں یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے مابین ہونے والے واقعات سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کی جانب مبعوث نہ تھے اور نہ ہی حضرت خضر علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی متابعت کا حکم دیا گیا تھا یہی وجہ ہے کہ جب حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا آپ بنی اسرائیل کی طرف مبعوث موسیٰ علیہ السلام میں تو انھوں نے اثبات میں جواب دیا لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو تمام جن وانس کی جانب مبعوث تھے اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو وہ بھی آپ کی پیروی فرماتے اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمین پر نزول ہوا تو وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث صحیحہ ہے البتہ بخاری مسلم میں نہیں ہے ابو داؤد، نسائی، احمد وغیرہ نے روایت کی حاکم نے مسلم کی خبر پر ميمم کہا لیکن وہم ہے البتہ حدیث کی سند حسن ہے ترجیح وغیرہ میں اس کے شواہد موجود ہیں۔

کی شریعت کے مطابق فیصلے کریں گے اور اگر کسی شخص کا یہ دعویٰ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسی کیفیت کے ساتھ ہوں گے جس کی کیفیت کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام تھے یا امت محمدیہ میں سے کسی کو اسکی اجازت دے تو اسے اپنے اسلام کی تجدید کی ضرورت ہے اور کلمہ حق کی شہادت لوٹائے وہ بالکل دین اسلام سے خارج ہو گیا چہ جائیکہ اسے اولیاء اللہ سے شمار کیا جائے۔ بلکہ وہ تو اولیاء الشیطن سے ہے ضرورت ہے کہ ملحد زندقہ قسم کے لوگوں اور اہل استعانت میں فرق کو ملحوظ رکھا جائے۔

یہی حال ان لوگوں کا ہے جو کہتے ہیں کہ کعبہ مکرمہ بعض لوگوں کا طواف کرتا ہے جہاں بھی وہ ہونے میں ہم ان سے استفسار کرتے ہیں کہ کعبہ مکرمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طواف کیوں نہ کیا جب آپ حدیث مقام پر حضور ﷺ تھے اور آپ محبت بھری نظروں سے کعبہ کی طرف دیکھ رہے تھے دراصل یہ لوگ ان لوگوں کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں جن کا بیا ذکر کرتے ہوئے فرمایا

بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّتَوَكَّلَ عَلَىٰ مَعْشَرَةٍ مِّنْ اٰتِئَاتِ

(ط) ہم جماعت کو حق اور صحیح سمجھتے ہیں اور اس سے جدا ہونے کو ٹھیکھا ہیں اور عذاب گردانتے ہیں (دش) ارشاد خداوندی ہے وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ

اور اللہ کی رسی (یعنی قرآن) کو تمام مضبوطی کے ساتھ پکڑو اور فرقہ فرقہ نہ بنو۔ نیز فرمایا

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا مِنۢ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ اُوْلٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ

عَظِيمٌ ۚ وہ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جو متفرق ہو گئے اور احکامِ بینۂ آئے کے بعد ایک

دوسرے سے اختلاف و اختلاف کرنے لگے یہ وہ لوگ ہیں جن کو (قیامت کے دن) بڑا عذاب کا

نیز فرمایا

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا رِیْبَہُمْ وَاَنۡوَاشِیْعَہُمْ لَسَتْ مِنْہُمْ فِی شَیْءٍ مِّنۡ اٰمَرٍہُمْ اِلٰی

اللّٰہِ شَعْرَہُمْ یَنْتَبِہُہُمْ بِمَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۚ کہ بے شک جن لوگوں نے اپنے دین میں

(بہت سے) رستے نکالے اور رسی کٹی فرقہ ہو گئے ان سے تم کو کوئی کام نہیں ان کا کام خدا کے حوالے۔ پیغمبر جو

جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں وہ ان کو (سب) بتائے گا۔

۱۰۲ المدثر ۵۲ ۱۰۳ آل عمران ۱۰۵ ۱۰۴ الانعام ۱۴۰

نیز فرمایا۔ وَلَا يَذَرُ الْوَنُ الْمُتَعْتِفِينَ إِلَّا مَنْ ذَرَّحَهُ دُجُكُ (هود ۱۱۸)

ترجمہ:- وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے مگر جن پر تمھارا پروردگار رحم کرے۔

اس آیت میں اہل رحمت کو اختلاف سے مستثنیٰ قرار دیا ہے نیز فرمایا:-

ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَىٰ أَمَرَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ الْكَذِبَ أَخْلَفُ فِي الْكِتَابِ

لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ (البقرہ ۱۷۶)

ترجمہ:- یہ اس لئے کہ خدا نے کتاب سچائی کے ساتھ نازل فرمائی اور جن لوگوں نے اس

کتاب میں اختلاف کیا وہ منہیں (اگر نیکی سے) دور (ہو گئے) ہیں۔

قیل ازیں ارشاد نبویؐ گزر چکا ہے کہ اہل کتاب اپنے دین میں اختلاف کر کے بہتر فرقوں میں

بٹ گئے اور یہ امت بہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی سوائے ایک کے تمام اپنی اپنی خواہشات

کا اتباع کرنے والے دوزخ میں ہیں ایک سے مراد الجماعت ہے ایک روایت میں ہے صحابہ نے

دریافت کیا یا رسول اللہ! وہ کون ہیں آپ نے فرمایا جس پر میں اور میرے صحابہ کرام ہیں اس حدیث

سے وضاحت ہو رہی ہے کہ سوائے اہل سنت والجماعت کے اکثر اختلاف کرنے والے تباہ و

برباد ہونے والے ہیں نیز اختلاف کے بغیر چارہ نہیں نیز امام احمد حضرت معاذ بن جبل سے حدیث

لائے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان انسان کا بھیر یا ہے جیسے بکریوں کا بھیر یا ہوتا ہے

وہ دور رہنے والی اور کنارے والی بکری کو کھینچتا ہے پس تم اپنے کو گھاٹیوں سے محفوظ کرو اور عبادت

عوام مسجد کو لازم پکڑو نیز بخاری مسلم میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کا قول

قُلْ هُوَ الْفَاعِلُ عَلٰی اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِزًّا اَبَا مِنْ قَوْلِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ

اَوْجِيكُمْ (الانعام ۶۵)

ترجمہ:- کہہ دو کہ وہ (اس پر بھی) قدرت رکھتا ہے کہ تم پر اوپر کی طرف سے یا تمھارے پاؤں کے

نیچے سے عذاب بھیجے۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تیرا ذات کے ساتھ پناہ طلب کرتا ہوں فرمایا:-

اَوْ يَبْعَثْ عَلَيْكُمْ شَيْعًا اَوْ يَنْزِلْ بِكُمْ كَمَا نَزَلَ بِكُمْ (الانعام ۶۵)

اے صبیح ہے اوداؤ وغیرہ قبل ازیں بھی یہ حدیث گزرنے لگی ہے البتہ بعد میں ذکر ہونے والی حدیث میں منفع ہے

نئے صبیح الاساد ہے لیکن اب میں سمجھتا ہوں کہ میں اس حدیث کو کیسے صحیح کہہ دیا۔ حالانکہ اس کی سند ضعیف ہے

دیکھئے (تخریج مشکوٰۃ ۱۸۴) (احادیث ضعیفہ ۳۰۱۶)

ترجمہ: یا تمہیں فرقہ فرقہ کر دے اور ایک کو دوسرے سے لڑا کر آپس کی لڑائی کا مزہ چکھا دے۔
 آپ نے فرمایا یہ دونوں عذاب معمولی ہیں معلوم ہوا کہ امت محمدیہ کا فرقوں میں تقسیم ہونا اور
 ایک دوسرے کے مزاحم ہونا ضروری ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت سے
 برادت کا اظہار بھی فرمایا ہے چنانچہ دور جاہلیت میں بھی وہ مختلف فرقوں میں تھے یہی وجہ ہے کہ امام
 زہری فرماتے ہیں جب امت میں اختلاف رونما ہوا تو صحابہ کرام کثرت کے ساتھ موجود تھے ان
 سب نے اس بات پر اجماع کیا کہ قرآن پاک کی کسی آیت کی تاویل کرتے ہوئے اختلاف کی
 وجہ سے جو خون بہایا مال ضائع ہوا یا زخم پہنچا اس پر مواخذہ نہیں ہوگا گویا کہ اس اختلاف کو
 دور جاہلیت کے اختلاف پر معمول کیا جائے۔

نیز امام مالک بالاسناد حضرت عائشہ سے بیان کرتے ہیں وہ کہا کرتی تھیں کہ لوگوں نے
 اس آیت پر عمل نہ کیا تو فتنہ کھڑا ہو گیا۔

وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُواْ فَاصْبِرُوْاْ بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ
 اِحْدَاهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَاْتَاكُمُ الْفِتْنَةُ فَاَنْتُمْ تَبْغِيْ حَتٰى تَقُوْاْ اِلٰى اَمْرِ اللّٰهِ (الحجرات ۹)
 ترجمہ: اور اگر مومنوں سے کوئی دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرادو اور اگر ایک
 فریق دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ
 خدا کے حکم کی طرف رجوع لائے۔

وہ فرماتی ہیں جب مسلمانوں میں جنگ و جدال کا سلسلہ شروع ہوا تھا تو ان کے درمیان
 اصلاح ضروری تھی جیسا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا لیکن جب اس پر عمل نہ کیا گیا تو
 فتنوں نے سر نکالا اور دور جاہلیت عود کر آیا اور نزاع بڑھتا چلا گیا
 امت کا اختلاف اور اس کا حل | امت کے اصول و فروع دونوں میں اختلاف ہے اگر
 اختلاف کے حل کے لئے اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف رد نہ کیا جائے تو راہ حق کا
 پتہ نہیں چل سکتا اور اختلاف کرنے والے بھی کسی واضح نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتے یقیناً صحابہ کرام میں
 اختلاف برداشت کرتے تھے اپنے مخالفین پر بغاوت کا الزام نہیں لگاتے تھے جیسا کہ حضرت عمرؓ
 حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں بعض اجتہادی مسائل میں اختلاف موجود تھا لیکن آپس میں ٹکرائی
 نہ تھی اور نہ ہی ایک دوسرے پر بدہم ہو کر طعن و تشنیع کا باز اگر کم رکھتے بلکہ باہم مروت اور ہمدردی

لہ حدیث صحیح ہے

سے رہتے اگر ان میں محبت، ہمدردی موجود نہ ہوتی تو ان میں مذموم اختلاف رونما ہو جاتا اور صرف یہ کہ ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگاتے بلکہ باہم دست و گریباں ہوتے قتل و ضرب کا باز اگر کم رکھتے جیسا کہ مسئلہ خلق قرآن میں اس بدعت کے ایجاد کرنے والے لوگ اس متکبر اختلاف کرتے ہیں کہ اپنے مخالفین کو کافر کہتے ہیں ان کے حقوق کے پامال کرنے اور انہیں حل میں ڈالنے اور پابند سلاسل کرنے کے فتوے دیتے ہیں۔

دین اسلام کی کچھ باتیں اگر سمجھ میں نہ آئیں تو جو لوگ غور و فکر کے بعد جس نتیجہ پر پہنچیں اس پر عمل پیرا رہیں اور اپنے مخالفین پر ظلم و تعدی نہ کریں انہیں مورد ملامت نہ بنائیں تو یہ وہ لوگ ہیں جن میں اعتدال ہے لیکن اپنے مخالفین پر زیادتی کرنے والے عالم ہیں جب کہ ان میں اکثر ایسے چوستے ہیں جو جان بوجھ کر ان پر زیادتی کرتے ہیں ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ اٰذُنَا الْكِتَابَ اِنْ مِنْكُمْ اِلَّا قَلِيلٌ مِّنْكُمْ اَلَمْ يَتَّبِعُوا لِيْ اَمْرًا مَّا جَاءَهُمْ بِالْحُكْمِ لَعَنَّا الَّذِيْنَ اٰلَافْ

ترجمہ: اور اہل کتاب نے ہوا (اس دین سے) اختلاف کیا ہے تو علم حاصل ہونے کے بعد آپس کی ضد سے کیا۔

وگرنہ اگر وہ راہ اعتدال اختیار کرتے تو اپنے مخالفین پر کفر و فسق کے فتوے نہ لگاتے۔
مقلدین ائمہ علم جیسا کہ ائمہ علم کی تقلید کرنے والے خوب سمجھتے ہیں کہ مسائل میں اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو ان ائمہ کی وساطت کے بغیر سمجھنا ممکن نہیں وہ ائمہ علم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں بس ہمیں تو اسی قدر آگاہی حاصل ہے جس قدر ہمیں ائمہ علم نے آگاہ کیا ہے ان میں راہ اعتدال پر اس شخص کو سمجھا جائے گا جو اپنے مخالفین کے خلاف طعن و تشنیع نہیں کرتا اور نہ ہی وہ دعویٰ کرتا ہے کہ میرے ہی امام کا قول صحیح ہے اور دیگر ائمہ کے اقوال باطل ہیں۔
اختلاف کے اقسام | اختلاف کی دو قسمیں ہیں ایک قسم اختلاف تنوع ہے اور دوسری قسم اختلاف

تلفاد ہے اختلاف تنوع کے آگے کچھ اقسام ہیں ایک قسم یہ ہے کہ دونوں اقوال اور افعال میں سے ہر ایک درست ہے جیسا کہ قرآن پاک کی قراءتوں میں صحابہ کرام کا اختلاف تھا آپ نے انہیں ڈانٹ پلاتے ہوئے فرمایا تم دونوں کی قرأت صحیح ہے اسی طرح کا جواز کا اختلاف اذان، تکبیر، دعائے افتتاح، سجدہ سہو کے مقام، تشہد، نماز نیت اور تجورات عیدین وغیرہ کے مسائل میں ہے اگرچہ بعض صورتیں دیگر صورتوں سے ارجح اور افضل ہیں جبکہ تمام مشروع ہیں لیکن ہم دیکھتے

لے بخاری من حدیث عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

ہیں کہ امت اسلامیہ میں تکبیر دوسری یا اکہری کہنے پر اختلاف اتنی شدت اختیار کرتا ہے کہ دونوں گروہ باہم دست و گریباں دکھائی دیتے ہیں۔

حالانکہ اتنے معمولی مسائل پر لڑائی جھگڑا کرنا شرعاً ناجائز ہے اسی طرح جن لوگوں کے دلوں میں ایک صورت زیادہ محبوب ہوتی ہے وہ دوسری صورت کے پیچھا کرنے والوں کی مخالفت کرتے ہیں ان کے خلاف نفرت کا اظہار کرتے ہیں اور لوگوں کو اس پر عمل کرنے سے روکتے ہیں یوں معلوم ہوتا ہے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کرنے سے روکا ہے حالانکہ یہ بات نہیں بلکہ دونوں صورتیں مباح ہیں دونوں قول درست ہیں دونوں کی حقیقت ایک ہے عبارات میں اختلاف ہے جیسا کہ حدود کے الفاظ، دلائل کے صیغوں اور مسیئات کی تعبیر میں اختلاف کثرت کے ساتھ موجود ہے لیکن کسی ایک قول کو مذموم قرار دینا اور اس کے قائل پر زیادتی کرنا عین جہالت ہے اور سراسر ظلم ہے۔ البتہ اختلاف تعداد میں دونوں اقوال ایک دوسرے کے مخالف ہوتے ہیں اور ان میں منافات ہوتی ہے کبھی یہ منافات اصول میں اور کبھی فروع میں ہوتی ہے جمہور محدثین کے ہاں ایک قول درست ہے دوسرا قول غلط ہے کبھی وہ ہوتا تو غلط ہے لیکن اس میں کچھ صحت کا پہلو بھی ہوتا ہے یا دلیل ہوتی ہے تو غلط کے ساتھ اس کا صحیح پہلو بھی غلط قرار دیا جاتا ہے جیسا کہ غلط کو غلط قرار دیا جاتا ہے اہل سنت کے مختلف فیہ مسائل میں کثرت کے ساتھ اس کی اشد موجود ہیں۔

اہل بدعت کا معاملہ ظاہر ہے جس شخص کو بھی اللہ تعالیٰ نے نوہدایت سے نوازا ہے وہ کتاب و سنت کی روشنی میں بدعات اور اہل بدعت سے کنارہ کش رہے گا اگرچہ کتاب و سنت کے علم کے بغیر بھی تندہرست دلوں والے لوگ بدعات سے دور بھاگتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ جب انھیں کتاب و سنت کی تائید بھی حاصل ہو جاتی ہے تو معاملہ نور علی نور ہو جاتا ہے۔

اختلاف نوع جس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے اس میں وہ شخص قابل مذمت ہے جو اپنے مخالف رائے رکھنے والے پر کچھ برا چھاتا ہے جب کہ قرآن پاک نے دونوں فریقوں کی تعریف کی ہے اگر مخالفت میں طعن و تشنیع نہیں ہے ارشاد خداوندی ہے۔

مَا تَقَعَمْتُ مَنْ لِيَنْتَهَ اَوْ تَرَ كُتُوبَهَا قَا اِمْنَةً عَلٰى اَصْحٰوْلِهَا فَاِذْنِ اللّٰهِ (العنقرہ)

ترجمہ مسلمانوں نے جو کچھ اور کا درخت کاٹ ڈالا اور اس کو اس کی جڑوں پر کھرا بننے دیا یہ سب اللہ کے حکم سے ہوا۔

درختوں کے کاٹنے پر ان میں اختلاف تھا چنانچہ کچھ لوگوں نے درختوں کو کاٹا اور دوسرے لوگ باز رہے ارشاد خداوندی ہے:-

وَدَاوُدَ وَ سُلَيْمَانَ إِذْ يَخْتَلِمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَسَتْ فِيهِ عَنَمٌ اُنْفُوهُمَا كُنَّا لَهَا كُفْرًا شَهِدِينَ ۚ فَفَقَهُنَا سُلَيْمَانُ وَ كَلَّمَآ اٰتَيْنَاهُمَا ذِكْرًا عَلٰمًا (روبار، ۱۰-۹،)

ترجمہ:- اور داؤد اور سلیمان اکا حال بھی سن ہو کہ جب وہ ایک کھیتی کا مقدمہ فیصل کرنے لگے جس میں لوگوں کی بکریاں رات کو چر گئیں اور اسے روند گئیں، محققین اور ہم ان کے فیصلے کے وقت موجود تھے تو ہم نے فیصلہ کرنے کا طریقہ سلیمان کو سمجھا دیا اور ہم نے دونوں کو حکم اور علم بخشا تھا۔

ان دونوں آیتوں میں حضرت سلیمان علیہ السلام کو فہم کے ساتھ خاص کیا گیا ہے جب کہ دونوں علم اور حکم کے اوصاف کی وجہ سے تعریف کی گئی ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کے دن اس شخص کو درست قرار دیا جس نے عصر کی نماز اس کے وقت میں ادا کی اور اس شخص کو بھی درست قرار دیا جس نے عصر کی نماز کو مؤخر کیا اور بنو قریظہ پہنچ کر وہاں نماز ادا کی نیز ارشاد نبوی ہے، جب حاکم اجتہاد کرے اور صواب کو پائے تو اس کے لئے دو ثواب ہیں اور جب اجتہاد میں خطا کرے تو اس کے لئے ایک ثواب ہے۔ دوسرا اختلاف وہ ہے جس میں ایک جماعت قابل حمد و ستائش ہے اور دوسری جماعت قابل مذمت ہے ارشاد خداوندی ہے:-

وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا فُتِنَ الْاٰذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِ هُمْ مِنْۢ اٰلِیْنِ مَا جَآءَتْ نَبَهُمُ الْبَیِّنَاتُ وَ لٰكِنْ اٰخْتَلَفُوْا فَنَسُوْهُم مِّنۢ اٰمَنٍ وَ مِنْهُمْ مَّنۢ كَفَرَ (البقرہ ۷۵)

ترجمہ:- اور اگر خدا چاہتا تو ان سے پچھلے لوگ اپنے پاس کھلی نشانیاں آنے کے بعد آپس میں نہ لڑتے لیکن انھوں نے اختلاف کیا تو ان میں سے بعض تو ایمان لے آئے اور بعض کافر ہی رہے۔

نیز فرمایا:- هٰذٰلِکَ اَخْتَصَمُوْا فِیْ رَیِّیْهِمْ فَاٰذِیْنَ کَفَرُوْا فَطَلَعَتْ لَهُمُ الْیَابِکُ مِنْۢ تَآدِیْرِ (الح ۱۹)

ترجمہ:- یہ دو فریق، ایک دوسرے کے دشمن اپنے پروردگار کے بارے میں جھگڑتے ہیں تو جو کافر ہیں ان کے لئے آگ سے پتے اکڑے قطع کئے جائیں گے۔

ابو ہریرہ و عمر بن العاص -

سید بخاری، مسلم بن ابی عمر، مسلم بخاری، احمد وغیرہم میں حدیث

امت مسلمہ میں عام طور پر اختلاف پہلی قسم کا ہے یعنی اس کی بنیاد آزاد اور خواہشات میں
اسی طرح امت مسلمہ میں خون گرانا اموال کا سلب و تنہب، بغض و عداوت وغیرہ بھی ایسی قبیل کے ہے
اختلاف کا منشا یہ ہے کہ ایک فرقہ دوسرے فرقہ کو حق پر نہیں سمجھتا حالانکہ اس کے ساتھ بھی حق ہے
انصاف کا یہی تقاضا ہے لیکن اس کو باطل پر سمجھتا ہے اور دوسرا فرقہ پہلے فرقہ کو باطل پر
سمجھتا ہے اور اس پر زلیق کرتا ہے ارشاد خداوندی ہے :-

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَادْكُوا إِلَيْهِمْ أُولَٰئِكَ الْأُولَوْنَ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ
بَقِيَّةُ بَيْتِهِ ر (البقرہ ۲۱۳)

ترجمہ: اور اس میں اختلاف بھی انھی لوگوں نے کیا جن کو کتاب دی گئی تھی باوجودیکہ
ان کے پاس کھلے ہوئے احکام آپکے تھے (اور یہ اختلاف انھوں نے صرف،
آپس کی منہ سے کیا)۔

اللہ پاک نے اختلاف کا سبب حد سے تجاوز ہونا قرار دیا ہے قرآن پاک کے متعدد مقامات
میں اس کا ذکر عبرت کے لئے کیا گیا ہے اسی مضمون کی ایک حدیث بنیادی مسلم میں مذکور ہے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم مجھے چھوڑے رکھو جب تک کہ میں تمہیں چھوڑے کھوں
تم سے پہلے لوگ بوجہ کثرت اموال اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے اختلاف کی وجہ سے
تباہ و برباد کر دیئے گئے تو جب میں تمہیں کسی چیز سے منع کروں تو تم اس سے رک جاؤ اور جب
کسی بات کا حکم کروں تو استطاعت کے مطابق اس پر عمل کرو اس حدیث میں انھیں حکم دیا گیا ہے
کہ وہ ان کاموں سے رک جائیں جن کا انھیں حکم نہیں دیا گیا ہے اس لئے کہ پہلے لوگوں کی تباہی کا
سبب کثرت سوال پھر انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کرتے ہوئے ان کی نافرمانی تھی۔

اختلاف فی الکتاب و قسم کا ہے اختلاف فی التفریل اور اختلاف فی التاویل دونوں میں ایمان
بالبعث ہے ایمان بالنکل نہیں ہے اس میں پہلا اختلاف تو یہ ہے کہ اللہ کا قہر ان کے ساتھ کلام
کرنا اور اتارنا اس کے غیر میں اس کی قدرت اور مشیت کے ساتھ مخلوق ہے اس کے ساتھ قائم
نہیں ہے یہ ایک فرقہ کا نظریہ ہے دوسرے فرقے نے کہا قرآن پاک اللہ کی صفت ہے اس کے ساتھ
قائم ہے غیر مخلوق ہے اور یہ بھی کوئی بات نہیں کہ وہ اپنی قدرت اور مشیت کے ساتھ متکلم ہے
واضح ہے کہ دونوں گروہوں نے حق کو باطل کو ملا دیا ہے بعض حق باتوں پر ایمان لائے اور دوسرے
فرقہ کی بعض حق باتوں کی تکذیب کی اشارۃً اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

اختلاف فی التاویل بھی ایمان بالبعثت کو متفق ہے یہ بھی کثرت کے ساتھ موجود ہے جیسا کہ حضرت عمرو بن شعیب عن ابراہیم عن جده بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام میں تشریف لائے تو وہ مسئلہ تقدیر میں جھگڑا کر رہے تھے ہر ایک آیات پیش کر رہا تھا اس سے آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا جیسا کہ آپ کے چہرہ میں انار چوڑا گیا ہے آپ نے فرمایا کیا تمہیں اس کا حکم دیا گیا ہے یا تمہارا یہ ذمہ داری ہے کہ تم کتاب اللہ کے بعض کو بعض کے ساتھ غلط قرار دے رہے ہو خیال کرو جس کام کا تمہیں حکم دیا جائے وہ کام کرو اور جس سے روکا جائے اس سے رک جاؤ ایک روایت میں ہے اسے قوم اسی وجہ سے تم سے پہلے ہونے والی اُمّتیں گمراہ ہو گئیں کہ انھوں نے اپنے پیغمبروں سے اختلاف کیا اور کتاب اللہ کی بعض آیتوں کو دیگر بعض آیتوں کے ساتھ غلط کہا جب کہ قرآن پاک کا نزول اس لئے تو نہیں ہوا تھا قرآن پاک کا نزول تو اس لئے ہوا تھا کہ اس کی بعض آیات دوسری بعض آیات کی تصدیق کرتی ہیں پس جس قدر تمہیں معرفت حاصل ہو جائے اس پر عمل کرو اور متشابہات پر ایمان لاؤ ایک روایت میں ہے تم سے پہلے لوگوں پر اس دقت تک لعنت نہ کی گئی جب تک کہ ان میں اختلاف رونما نہ ہوا یا در کھو قرآن پاک میں جھگڑے کھڑے کرنا کفر ہے (حدیث صحیح ہے) یہ حدیث مشہور ہے مسند اور سنن کی کتابوں میں مروی ہے اصل حدیث صحیح مسلم میں ہے عبد اللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو پہر کے وقت گیا آپ نے دو آدمیوں کی آواز سنی وہ ایک آیت میں اختلاف کر رہے تھے آپ تشریف لائے آپ کے چہرہ مبارک پر ناراضگی کے آثار تھے آپ نے فرمایا تم سے پہلے لوگ کتاب اللہ میں اختلاف کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئے تمام اہل بدعت تاویل میں مختلف رائے والے ہیں بعض تاویلات پر ایمان رکھتے ہیں بعض پر ایمان نہیں رکھتے جو ان کی رائے کے موافق ہوں انھیں تسلیم کرتے ہیں اور رائے کے مخالف آیات کی تاویل کرتے ہیں بلکہ تحریف کرتے ہیں یا متشابہ کہہ دیتے ہیں جس کے معنی کا کسی کو علم نہیں اس طرح وہ نازل شدہ معانی کا انکار کرتے ہیں یعنی ان کے ساتھ کفر کرتے ہیں ظاہر ہے کہ ایمان باللفظ بلا معنی اہل کتاب کے ایمان جیسا ہے ارشاد خداوندی ہے

مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَةَ لَا يَتْلَوْنَهَا إِلَّا نَفْسًا وَيَحْمِلُونَهَا كِثْلَ خَبْثٍ (سُفَارَاتُ) (البقرہ)

ترجمہ: جن لوگوں کے سر پر تورات لدوا گئی تھی پھر انھوں نے اس کے باسے و تعمیل کو

نہ اٹھایا ان کی مثال گدھے کی سی ہے جس پر بڑی بڑی کتابیں لدی ہوں۔

نیز فرمایا: وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَتْلُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمْكَانًا (البقرہ ۷۸)

ترجمہ:- اور ان میں کچھ حرف پڑھنا ہی نہیں جانتے ہیں۔

لفظ امامانی سے مراد موت تلاوت ہے یعنی معنی معلوم نہ کرنا واضح رہے کہ یہ شخص اس مومن کی طرح نہیں ہو سکتا جو قرآن کے معانی سمجھتا ہے اور ان پر عمل کرتا ہے جس کا معنی اس پر مشتمل ہوتا ہے اس کے علم کو اللہ کے سپرد کر دیتا ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:- قرآن پاک کی جن آیات کے معانی کی معرفت حاصل ہو جائے اس پر عمل کرو اور جس کی معرفت معلوم نہ ہو اس کو کسی عالم کے پروردگار پس آپ کے ارشاد گرامی پر عمل کیا جائے۔

وطح آسمان وزمین میں اللہ کا دین ایک ہے اور وہ دین اسلام ہے ارشاد خداوندی ہے:-

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ (المائدہ ۳) بیشک دین اللہ کے ہاں اسلام ہے

نیز فرمایا:- وَتَقْبِلُهُ لَكُمْ الْوَسْلَاةُ مَدِينًا (المائدہ ۳) اور میں نے تمہارے لئے اسلام دین پسند کر لیا ہے۔

پس دین اسلام افراط و تفریط، تشبیہ و تعطیل، جبر و قدر، بیم و یاس کے درمیان ہے۔

(مش) صحیح حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم انبیاء کی جماعت کا دین ایک ہے:-

نِزَارُشَادُ خُداوندی:- وَكُنْ يَتَّبِعُهُ غَيْرُ الْوَسْلَاةِ مَدِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ (آل عمران ۸۵)

ترجمہ:- اور جو شخص اسلام کے علاوہ دین تلاش کرتا ہے اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا۔

ہر دور میں عمومیت کا حامل ہے البتہ مشرائع میں اختلاف ضرور ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:-

لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا (المائدہ ۴۸)

ترجمہ:- تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے۔

پس دین اسلام وہ ہے جس کو اللہ سبحانہ نے اپنے بندوں کے لئے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی رسالت سے بھیجا اس لحاظ سے دین اسلام کے اصول و فروع انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہیں ان کی حقیقت اظہار من الشمس ہے ہر چھوٹا بڑا انصیح غیر انصیح موشیار کمزور جس میں تمیز کی اہلیت موجود ہے اس کے لئے ممکن ہے کہ وہ کلمہ اسلام کا اقرار کر کے آٹا ٹاٹا اسلام میں داخل ہو جاتا ہے اور کلمہ اسلام کا انکار کر کے فوراً خارج ہو سکتا ہے انکار میں تکذیب معارضہ، شک یا منزل من اللہ کا رد کرنا بھی داخل ہے۔

پس کتاب و سنت دین اسلام کے غلبہ اور اس کے حصول کے آسان ہونے پر دلالت کرتی ہے بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ دور دراز سے آنے والا شخص آتا ہے اور اس وقت اسلامی تعلیم سے روشناس ہو کر واپس وطن لوٹ جاتا ہے تعلیم کا اسلوب متعلمین کے مزاج کے مطابق ہے جیسے منام بن ثعلبہ نجدی

لے صحیح ہے سنہ ۱۸/۲۷۲ فی الحدیث ۲۷۲) سنہ بخاری مسلم

اور عبدالقیس کا وفد انھیں آپ ضروری امور کی تعلیم سے بہرہ ور فرماتے ہیں اس لئے کہ آپ کو بخوبی علم تھا کہ دین اسلام اکثاف عالم میں پھیلے گا تو ضرورت کے مطابق مبلغین بھیجے جائیں گے جو دور دراز رہنے والے لوگوں کو پیدا ہونے والے مسائل میں مدد نہائی کریں گے البتہ نزدیک رہنے والے لوگوں کے لئے ہر وقت آنا ممکن ہے انھیں تدریجی طور پر مسائل بتائے گئے یا جب کوئی سائل آیا تو اس کے حسب حال اس کے سوالات کے جوابات دیئے جیسا کہ آپ نے ایک سائل سے فرمایا آپ اللہ پر ایمان لائیں پھر اس پر استقامت اختیار کریں۔

لیکن دین اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین نکالنا یا مل ہے اللہ تعالیٰ اسے ہرگز پسند نہیں فرماتے جب کہ اس کے اصول نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں اور نہ ہی دیگر پیغمبروں سے منقول ہیں اس لحاظ سے ان کا یا مل ہونا غایب ہے جیسا کہ دین اسلام کا حق ہونا ظاہر ہے۔

امام طحاوی کا قول :- دین اسلام افراط و تفریط کے درمیان ہے اس کی وضاحت احمد پاک کے اس قول سے ہو رہی ہے :- قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ (المائدہ ۷۷)

ترجمہ :- کہہ دو اسے اہل کتاب اپنے دین کی بات میں ناحق مبالغہ نہ کرو۔

نیز فرمایا :- يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحَرُّمُوا حَبِيبَاتٍ مَا آخَلَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يَحِبُّ الْمُعْتَدِينَ هَذَا كَلَامُ اللَّهِ حَلَالٌ لَا حَبِيبَاتٍ الْقَوَا
اللَّهُ الَّذِي آمَنُ بِهِ مُؤْمِنُونَ (المائدہ ۸۷-۸۸)

ترجمہ :- مومنو! جو پاکیزہ چیزیں ہیں خدا نے تمھارے لئے حلال کی ہیں ان کو حرام نہ کرو اور حد سے نہ بڑھو کہ خدا حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ہے اور جو حلال طیب روزی خدا نے تم کو دی ہے اس سے کھاؤ اور خدا سے جس پر ایمان رکھتے ہو ڈرتے رہو)

نیز بخاری مسلم میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ چند صحابہ کرام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں سے آپ کے پوشیدہ عمل کے بارے میں دریافت کیا دریافت کرنے والوں میں سے کسی نے کہا میں گوشت نہیں کھاؤں گا کسی نے کہا میں عورتوں سے نکاح نہیں کر دوں گا کسی نے کہا میں بستر پر نہیں لیٹوں گا ان کی یہ باتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچیں آپ نے فرمایا اے لوگوں کا کیا حال ہے جنھوں نے یہ باتیں کہی ہیں میرا حال تو یہ ہے کہ میں روزے رکھتا ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں اور رات کا کچھ حصہ آرام بھی کرتا ہوں کچھ حصہ قیام بھی کرتا ہوں اور گوشت کھالتا ہوں اور عورتوں سے نکاح

بھی کرتا ہوں پس جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں ہے بخاری، مسلم کے علاوہ دیگر کتابوں میں ہے کہ صحابہ نے آپ کی پوشیدہ عبادت کے بارے میں دریافت کیا گویا کہ انھوں نے آپ کی عبادت کو قلیل سمجھا نیز آیت کریمہ کے نزول کے سبب میں عکبرہ سے مروی ہے کہ عثمان بن مظعون علی بن ابی طالب، ابن مسعود، مقداد بن اسود، سالم مولیٰ ابی حذیفہ چند دیگر صحابہ نے بتسل اختیار کیا اپنی بیویوں سے الگ تھلگ ہو کر گھروں میں بیٹھ گئے موٹے جھوٹے کپڑے زیب تن کئے عمدہ قسم کے کھانوں اور لباس کو حرام قرار دیا صرف اسی قدر خوراک کھاتے جس قدر نبی امرا اہل کے مقصودین کھاتے اور ان میں لباس پہنتے بلکہ شخصی ہونے کا عزم کر لیا اور رات بھر قیام کا فیصلہ کیا اور دن کو روزہ نافطار کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْزَنْهُمْ مُوَاطَّيَاتُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا
إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُتَعَدِينَ (المائدہ ۸۷)

ترجمہ: اے مومنو! جو پاکیزہ چیزیں خدا نے تمہارے لئے حلال کی ہیں ان کو حرام نہ کرو اور
حسے نہ بڑھو کہ خدا حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

انھیں حکم دیا گیا کہ وہ مسلمانوں والاطریقہ اختیار کریں ان کی مخالفت نہ کریں عورت، خوراک
لباس کو حرام نہ کریں اور نہ ہی پودی رات کے قیام اور ہمیشہ روزہ رکھنے کا عزم کریں اور نہ شخصی
ہونے کا خیال کریں چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی جانب پیغام
بھجوایا کہ تمہاری باتوں کا بھی تم پر حق ہے نیز تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے روزہ دکھ بھی
لیا کرو چھوڑ بھی دیا کرو رات کا قیام بھی کرو اور سو بھی جایا کرو وہ انسان ہم میں سے نہیں ہے
جو ہماری باتوں کو بددیتا ہے اس پر انھوں نے کہا ہم تسلیم کرتے ہیں اور جو آیات نازل ہوئی
ہیں ان کی سنتے ہیں۔


امام محادی کا قول: دین اسلام تشبیہ، تعطیل کے درمیان ہے سابقہ اور اراق میں
یہ بات گندہ سکی ہے کہ اللہ سبحانہ پسند فرماتے ہیں کہ اس کا وصف اس طرح بیان کیا جائے جس طرح
خود اس نے اپنا وصف بیان کیا ہے یا جس طرح اس کے رسول نے آپ کا وصف بیان کیا ہے
تشبیہ ہے گریز کیا جائے چنانچہ یوں کہنا درست نہیں کہ اللہ کے کان ہمارے جیسے ہیں اور اس
کی آنکھیں ہمارے جیسی ہیں اس کے ساتھ ساتھ نہ ہم اللہ کو معطل کہتے ہیں کہ جس طرح اللہ نے اپنا وصف
اس طرح اس حدیث ضعیف ہے نیز مرسل ہے

بیان کئے ہیں یا جس طرح اللہ کے پیغمبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کئے ہیں ہم ان کی نفی کریں اس جیسا ہر یہ قول ہے کہ جو شخص تشبیہ اور نفی سے دور نہ رہا وہ پھسل گیا اور اس نے ٹھیک طرح سے اللہ کو منفرد نہ کیا یہی معنی اللہ کے اس قول سے نکلتا ہے۔

لیس کشفہ شئی (الشوریٰ ۱۱) اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔

پس لیس کشفہ شئی آیت میں مشبہ کا رد ہے اور وہو السميع البصير میں معطلہ کا رد ہے امام طحاوی کا قول :- دین اسلام جبر و قدر کے درمیان ہے اس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے کہ بندہ اپنے افعال، اقوال میں مجبور نہیں ہے اور اس کے افعال عشرہ والے کی حرکات کی مثل نہیں ہیں اور نہ ہی ان دہنوں کی حرکات کی طرح، میں جو آدمی کے ساتھ حرکت کرتے ہیں لیکن ان کو انسانوں کی مخلوق نہیں کہا جاسکتا ان افعال کا خالق اللہ ہے البتہ فاعل بندہ ہے۔

امام طحاوی کا قول :- ایمان ایم و یاس کے درمیان ہے اس کی بھی وضاحت ہو چکی ہے کہ بندہ اپنے رب کے عذاب سے خائف رہے اور اس کی رحمت کا امیدوار رہے اور خوف و امید دونوں انسان کے لئے بمنزلہ دوپروں کے ہیں کہ وہ ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اور آخرت کی جانب جاتا ہے۔

دھم پس ظاہر کرنا ظاہر یہ ہمارا دین اور اعتقاد ہے نیز ہم ہر اس شخص سے اللہ کی طرف برأت کا اظہار کرتے ہیں جو اس دین کی مخالفت کرتا ہے جس کو ہم نے واضح طور پر بیان کر دیا ہے نیز ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ایمان پر ثابت قدم رکھے اور اسی پر ہمارا فائدہ فرمائے اور ہمیں مختلف خواہشات اور مختلف آراء و نیز غلط طریقوں سے محفوظ فرمائے مثلاً مشبہ، معتزلہ، جہمیہ، جبریہ، قدریہ وغیرہ سے دور رکھے جو سنت اور جماعت کی مخالفت کرتے ہیں اور گمراہی کے حلیف ہیں ہم ان سے برأت کا اظہار کرتے ہیں یہ تمام فرقے ہمارے نزدیک گمراہ اور بدترین ہیں  عقیدہ عصمت اختیار کرتے ہیں اور اسی سے توفیق مانگتے ہیں۔

دشن ہذا سے مقصود شروع کتاب سے لے کر اختتام تک تمام مقام صمد ہیں اور مشبہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی صفات کو مخلوق کے مشابہ قرار دیتے ہیں ان کا قول عیسائیوں کے قول کے مخالف ہے جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کے ساتھ تشبیہ دی اور اس کو خدا کہا لیکن ان لوگوں نے خالق کو مخلوق کے مشابہ کہا جیسے داؤد جوابی اور اس ہم عقیدہ لوگ ہیں۔

معتزلہ عمرو بن عبیدہ واصل بن عطاء اور ان کے رفقاء معتزلہ ہیں دوسری صدی کے آغاز میں جب

یہ لوگ حسن بصری کی وفات کے بعد اہل سنت والجماعت سے الگ ہو گئے اور الگ ہی انھوں نے اپنا کیمپ لگا لیا تو قتادہ اور ان کے ہم خیال لوگوں نے ان کا نام معتزلہ رکھ دیا لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ واصل بن عطاء نے اولاً معتزلہ کے اصول وضع کئے حسن بصری کے شاگرد عمرو بن عبید نے اس کا ساتھ دیا ہارون رشید کے عہد خلافت میں ابو العزیز نے ان کے عقائد کو فخریہ یا سہ میں دوکتا میں تالیف کیں جن میں ان کا مذہب بیان کیا کہ ان کا مذہب پانچ اصولوں پر مبنی ہے عدل، توحید و عید سے محفوظ کرنا، دو منزلوں کے درمیان ایک منزلت کا تعین امر بالمعروف نہی عن المنکر ان پانچ اصولوں میں انھوں نے حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کر دیا جیسا کہ بدعات بھی حق و باطل کا مجموعہ ہوتی ہیں معتزلہ کا نام مشتبہ بھی ہے اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے افعال کا بندوں کے افعال پر قیاس کرتے ہیں یعنی جو افعال بندوں کے مستحسن ہیں وہ اللہ کے بھی مستحسن ہیں اور جو افعال بندوں کے قبیح ہیں وہ اللہ کے بھی قبیح ہیں نیز وہ کہتے ہیں اللہ پر واجب ہے کہ وہ فلاں کام کرے اور فلاں کام اللہ کے لئے جائز نہیں ہے اس فاسد اصول کی بنا پر وہ کہتے ہیں کہ ایک آقا اگر اپنے غلاموں کو دیکھے کہ وہ اس کی کونڈیوں سے زنا کرتے ہیں اور وہ انھیں روکتا نہیں ہے تو سمجھا جائے گا کہ وہ ایک قبیح چیز کو مستحسن گردانتا ہے یا ان کو روکنے سے عاجز ہے اس فاسد اصول اور مثال کی روشنی میں اللہ کے افعال کو بندوں کے افعال پر قیاس کرنا صحیح نہیں تفصیل اسی کتاب میں دیگر مقامات پر ذکر ہو چکی ہے۔

عدل کے ضمن میں معتزلہ تقدیر کی فنی کہتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ شرکاء خلق نہیں ہے اور نہ ہی اس کی بنیاد پر فیض و نافرمانی ہے اس لئے کہ اگر اللہ نے شرکاء خلق کیا ہے تو اللہ کا اس پر عذاب دینا ظلم ہے جب کہ اللہ تعالیٰ عدل والا ہے اس سے ظلم سرزد نہیں ہوتا اس فاسد اصول کی بنیاد پر لازم آتا ہے کہ اللہ کے ملک میں ایسی چیزیں ہیں جن کا وہ ارادہ نہیں کرتا اور بعض کا ارادہ کرتا ہے لیکن وہ وقوع پذیر نہیں ہوتی اس سے اللہ کا جبر کے ساتھ موصوف ہونا لازم آتا ہے ۱۰ عباد اللہ تعالیٰ من ذلک۔

توحید کے ضمن میں وہ کہتے ہیں کہ قرآن مخلوق ہے اس لئے کہ اگر وہ مخلوق نہ ہو تو قدامت کا تعدد لازم آتا ہے اس فاسد قول کے نتیجہ میں لازم آتا ہے کہ اللہ کا علم اس کی قدرت اس کی جملہ صفات مخلوق ہوں یا تناقض لازم آتا ہے۔

وعید کے ضمن میں کہتے ہیں کہ حبیب اللہ تعالیٰ نے بعض بندوں کے حق میں وعید سنائی ہے تو اللہ کے لئے جائز نہیں کہ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی کرے اور ان کو عذاب میں مبتلا نہ کرے اس لئے کہ اللہ وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا ان کے نزدیک حبیب کو معاف کرنا چاہیے اس کو معاف نہیں کر سکتا۔

منزلۃ بین المنزلتین کے ضمن میں کہتے ہیں کہ جس شخص نے کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا وہ ایمان سے خارج ہو گیا لیکن گھڑ میں بھی داخل نہیں ہوا وہ درمیانی مرتبہ ہے ۔

امر بالمعروف کے بارے میں کہتے ہیں کہ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے غیر کو ان باتوں کا حکم دینی جن کا ہمیں حکم دیا گیا ہے اور جو کام ہمارے لئے لازم ہیں وہ ہمارے غیر کے لئے بھی لازم ہیں اس کے ضمن میں وہ کہتے ہیں کہ ہمارے لئے ائمہ سے لڑائی کرنا فرض ہے معترکہ کے ان پانچوں شبہات کے جوابات سابقہ اوراق میں بیان ہو چکے ہیں ۔

معترکہ کا غلط نظریہ | وہ کہتے ہیں کہ توحید، عدل کا اثبات عقلی اصولوں سے ہوتا ہے ان کے بارے میں سماع کی صحت کا دار و مدار بھی عقلی اصولوں پر ہے جب وہ ادلہ سمیعہ ذکر کرتے ہیں تو انھیں بطور استدلال کے ذکر نہیں کرتے ہیں بلکہ محض تقویت کے لئے کرتے ہیں وہ کھلے لفظوں میں کہتے ہیں کہ ہم ادلہ سمیعہ کے ساتھ ان کا اثبات نہیں کرتے ادلہ سمیعہ سے قبل ہمیں عقلاً ان کی صحت کا علم ہے چنانچہ بعض معترکہ تو اصول میں ادلہ سمیعہ کا ذکر نہیں کرتے وہ ان کا ذکر بے فائدہ سمجھتے ہیں اور بعض معترکہ ادلہ سمیعہ کا اس لئے ذکر کرتے ہیں تاکہ ادلہ سمیعہ اور عقلیہ کی موافقت کا علم ہو جائے اور لوگ اس طرح مانوس ہوں گے وگرنہ ادلہ سمیعہ پر ان کو اعتماد نہیں وہ تو قرآن و حدیث کو نہایت شہادت سے زائد گواہ سمجھتے ہیں اور اس فوجی دستہ کی مانند سمجھتے ہیں جو لشکر سے آکر ملتا ہے جب کہ لشکر کو اس کی ضرورت نہیں ہے نیز اس انسان کے مرتبہ میں جو اپنی خواہش کے پیچھے چلتا ہے ۔ اتفاق ہے کہ شریعت بھی اس کی خواہش کے مطابق ہے حالانکہ عمر بن عبدالعزیز نے کہا آپ ان لوگوں کے ذمہ میں نہ داخل ہوں جو اس وقت حق کا اتباع کرتے ہیں اس صورت میں حتیٰ کی موافقت کی صورت میں بھی تجھے ثواب نہیں ملے گا اور حق چھڑانے کی صورت میں آپ اپنی خواہش کا ہی اتباع کر دے ہیں نیز حدیث میں ہے کہ اعمال کی صحت کا دار و مدار نیت پر ہے ہر شخص کے اعمال کا ثمرہ اس کی نیت پر ہے یعنی عمل قصہ ارادہ کے تابع ہے پس منبسط اعتقاد بھی اس کے علم اور تصدیق کے تابع ہے تو عیب اعتقاد ایمان کے تابع ہے تو اعتقاد کو ایمان کہنا درست ہے جیسا کہ نیک عمل جب صالح نیت سے ہو تو صالح عمل کہلاتا ہے ورنہ صالح نہیں ہے اس لئے اہل ایمان کا قول جو ایمان کے تابع نہ ہو اہل صلح کے اس عمل کی طرح ہے جو ان کے ارادہ کے تابع نہ ہو ۔

خیال رہے کہ معترکہ میں کثرت کیساتھ زندیق موجود ہیں نیز ان میں وہ لوگ بھی ہیں جن کی کوشش دنیا کی زندگی میں اکارت گئیں جب کہ وہ اس خیال میں ہیں ۔ کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں ۔

جہمیہ: یہ لوگ جہم بن صفوان ہمدانی کی طرف منسوب ہیں یہ وہ شخص ہے جس نے صفات خداوندی کی نفی کر کے خدا کو معطل بنا کر رکھ دیا اس کے علم کا منبع دراصل جعبد بن درہم ہے جس کو خالد بن عبد اللہ قسری نے واسطہ شہر میں ذبح کر دیا تھا اس نے عید الاضحیٰ کے دن خطبہ دیتے ہوئے فرمایا اے لوگو تم قربانیاں کرو اللہ تعالیٰ تمہاری قربانیوں کو قبول فرمائے میں جعبد بن درہم کو ذبح کرتا ہوں اس لئے کہ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل نہیں بنایا ہے نہ ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا ہے جعبد کی ان باتوں سے اللہ تعالیٰ بلند ہے کہا اور جعبد کو ذبح کر دیا خیال ہے کہ اس دور کے سلف علماء سے فتویٰ حاصل کرنے کے بعد انھوں نے جعبد کو ذبح کیا تھا اسکے بعد جہم نے خراسان جعبد کی موافقت کی کچھ لوگ اس کے تابع رہے جو گئے جب کہ اس نے اپنے رب کے بارے میں شک کرتے ہوئے چالیس دن تک نماز ادا نہ کی وجہ یہ تھی کہ اس کی قوم کے لوگ مشرک تھے وہ ہندوستان کے فلاسفہ کے ساتھ تعلق رکھتے تھے ان کو سمجھنا تھا وہ حسیات کے علاوہ تمام چیزوں کا انکار کرتے تھے انھوں نے جہم سے کہا اے جہم! تیرا رب جس کی تو عبادت کرتا ہے کیا وہ دیکھا جاسکتا ہے یا اس کو سونگھا جاسکتا ہے یا اس کا ذائقہ چکھا جاسکتا ہے یا اس کو ٹٹولا جاسکتا ہے جہم نے نفی میں جواب دیا انھوں نے کہا تیرا رب تو معدوم ہے اس پر جہم حیران ہو گیا چالیس روز تک اس نے نماز نہ پڑھی اور ہر قسم کی عبادت سے باز رہا جب اس کا دل مجبور حقیقی سے خالی ہو گیا تو شیطان نے اس کے دماغ میں ایک نیا فکر ڈالا کہ خدا وجود مطلق کا نام ہے اس طرح اس نے اللہ کی تمام صفات کی نفی کر دی اور جعبد کے نظریات کا پرچار کرنے لگا ایک قول یہ ہے کہ جعبد نے اہل حیران کے فلاسفہ صابئین کے ساتھ تعلقات قائم کر لئے نیز اس نے بعض ایسے یہودی علماء سے علم حاصل کیا جنھوں نے اپنے دین میں تحریف کی خصوصاً جن کا تعلق لبید بن اعصم کیا تھا جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا تھا اس کو اس کے برے عقیدہ کی بنا پر سلم بن احمود نے خراسان میں قتل کر دیا اس کے قتل کے بعد اس کے نظریات لوگوں میں پھیلنے شروع ہو گئے معتزلہ نے خاص طور پر اس کی تقلید کی البتہ جہم سے مکہ تعطیل میں ان سے بہت آگے تھا اس نے اسماء الہیہ کی حقیقت کا انکار کیا جب کہ معتزلہ اسماء کا تو انکار نہیں کرتے البتہ صفات کا انکار کرتے ہیں جہمیہ کے بارے میں علماء اختلاف کرتے ہیں کیا وہ بہتر فرقوں میں سے ہیں یا نہیں اس میں دو قول ہیں عبد اللہ بن مبارک، یوسف بن اسباط کا قول ہے کہ وہ بہتر فرقوں میں داخل نہیں ہیں دراصل جہمیہ کے خیالات کو اس وقت شہرت حاصل ہوئی جب امام احمد بن حنبل اور دیگر علماء اہل سنت پر دور ابتلاء تھا ماموں عباسی کی امارت میں ان لوگوں کو تقویت حاصل ہوئی اور ان کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا اور انھیں

پھلنے پھولنے کا موقع ملا، دو صد اٹھارہ میں جس میں ماموں فوت ہوا اسی آئمہ اہل سنت کو ابتلا کے شکنجے میں کھینچا اور سن دو صد میں اسی امام احمد کو بغداد میں جیل میں ڈالا یہی وہ دور ہے جب ان کے ساتھ مناظرے ہوتے رہے اور معتصم نے ان پر مظالم کئے اور ان کی کمر بکڑے برائے امام احمد بن حنبل برابر ان سے کہتے رہے کہ اگر تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو لاؤ وہ ان کے شہادت کے جواب دیتے رہے اور نعرۂ حق بلند کرتے رہے لیکن حکومت کی مشینری جو بھیم عقائد کی علمبردار تھی وہ لوگوں کو بزدل اپنے نظریات کے منوانے کی کوشش کرتے رہے اور ماننے والوں کو مار تے پیٹتے رہے امام احمد بن حنبل نے ان کے اس طرز عمل کو ظلم اور جہالت سے تعبیر فرمایا معتصم کا دل کچو نرم ہوا اس نے امام احمد بن حنبل کو رہا کرنے کا ارادہ کیا لیکن بد دین قسم کے لوگوں نے مشورہ دیا کہ مصلحت اس میں ہے کہ اس کو رہا نہ کیا جائے اور اس پر بکڑے برائے جائیں تاکہ حکومت کا احترام ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قائم ہو جائے لیکن ان پر ظلم و ستم روا رکھنے سے عوام میں حکومت کے خلاف نفرت پیدا ہو گئی حکومت کو خطرہ لاحق ہوا تو ان کی رہائی کا فیصلہ صادر کیا گیا یہ واقعہ تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

جہم کے انفرادی نظریات | جہم کا نظریہ تھا کہ جنت دوزخ فنا ہو جائیں گی اور ایمان صرف معرفت کا نام ہے اور کفر صرف جہالت کا نام ہے حقیقت میں کسی کا کوئی فعل نہیں سب افعال اللہ کے ہیں لوگوں کی طرف افعال کی نسبت مجازی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے درخت متحرک ہے آسمان گھومتا ہے سورج ڈھل گیا۔ ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

عجبت لشیطان دعا الناس جہمۃ الی النار واشتق اسمہ من جہم

ترجمہ مجھے شیطان پر تعجب ہے جو لوگوں کو دوزخ کی طرف کھلے بندوں دعوت دیتا ہے اور اس کا نام جہم سے مشتق ہے۔

منقول ہے کہ امام ابو حنیفہ سے جب اعراض اور اجسام کے بارے میں دریافت کیا گیا انھوں نے فرمایا عمرو بن عبید پر اللہ کی لعنت ہو اس نے لوگوں پر اس قسم کی گفتگو کا دروازہ کھول دیا ہے۔

خیال رہے کہ عبریہ کا تعلق بھی جہم کے ساتھ ہے اس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے نیز ہندو کے فعل کا تعلق اس کے ساتھ بالکل اسی طرح کا ہے جس طرح کہ ہندو کے طول اور رنگ اس کے ساتھ تعلق ہے یہ فرقہ قدریہ کا مخالف ہے جو تقدیر کی نفی کرتے ہیں اور قدریہ کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے

کہ وہ تقدیر کا انکار کرتے ہیں جیسا کہ مرتبہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ ارباء کی نفی کرتے ہیں یعنی کسی معاملہ تاخیر والا نہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں عذاب کیسے یا ان کی توبہ قبول کرے اور جب یہ کو قدر یہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ تقدیر کے اثبات میں غلو اختیار کرتے ہیں جیسا کہ ان لوگوں کا بھی نام رکھا جاتا ہے جو وعدہ وعید کسی چیز پر یقین نہیں رکھتے بلکہ ہر کام میں تاخیر کے قائل ہیں وہ نہ تائب کے ثواب پر یقین رکھتے ہیں نہ اس کی عقوبت پر یقین رکھتے ہیں جو توبہ نہیں کرتا اسی طرح کسی خاص انسان کے لئے جزم کی بات نہیں کرتے پہلے دوسرے مرتبہ نظریات عثمانی اور علی کے بارے میں بھی جزم نہیں رکھتے تھے ان کے بارے میں بھی ارباء کے قائل تھے یعنی ان کے ایمان اور کفر کی گواہی نہیں دیتے تھے۔

قدریہ کی مذمت میں سنن میں کچھ حدیثیں مروی ہیں ایک حدیث سنن ابوداؤد میں ہے ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قدریہ اس امت کے مجموعی ہیں اگر وہ بیمار ہو جائیں تو ان کی بیمار پرسی نہ کرو اگر وہ فوت ہو جائیں تو ان کے جنازے میں شرکت نہ کرو (حدیث حسن ہے) قدریہ کی مذمت میں کثرت کے ساتھ احادیث مروی ہیں البتہ محدثین نے ان کے مرفوع ہونے کی صحت میں گفتگو کی ہے ان کا موقوف ہونا صحیح ہے لیکن وہ حدیث جو خوارج کی مذمت میں ہیں ان میں دس صحیح ہیں تین بخاری شریف میں ہیں اور ان کی مشابہت مجموعیوں کے ساتھ ظاہر باہر ہے بلکہ ان کی باتیں مجموعیوں کی باتوں سے بھی زیادہ بُری ہیں جب کہ مجموعی تو دو خالفوں کا اعتقاد رکھتے ہیں اور قدریہ تو کئی خالفوں کے معتقد ہیں اس قسم کی تقابلی بدعات کا سرچشمہ دراصل وہ فتنے ہیں جن کی وجہ سے امت مسلمہ میں افتراق ہوا صحیح بخاری میں ہے سید بن سبب بیان کرتے ہیں پہلا فتنہ شہادت عثمان ہے جب یہ وقوع پذیر ہوا تو اس فتنہ نے اصحابِ بدر سے کسی کو باقی نہ چھوڑا اس کے بعد دوسرا فتنہ واقع ہوا اس نے اصحابِ حدیبیہ میں سے کسی کو نہ چھوڑا پھر تیسرا فتنہ واقع ہوا وہ ختم نہ ہوا کہ لوگوں میں کچھ قوت باقی ہو پس یاد رکھیں خوارج اور شیعہ پہلے فتنہ کی پیداوار ہیں اور قدریہ اور مرتبہ دوسرے فتنہ اور چھوٹے وغیرہ تیسرے فتنہ کے بعد پیدا ہوئے یہ ایسے فرقے ہیں جنہوں نے دین اسلام کے ماننے والوں کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیا بدعات کا مقابلہ بدعات سے ہوا شیعہ نے علی کی تعلیم میں غلو اختیار کیا جب کہ خوارج نے علی کو کافر بنا دیا اور بعض نے وعدہ میں غلو اختیار کیا بعض ایمانداروں کو محکمہ فی النار بنا دیا مرتبہ نے اتنا غلو کیا کہ بعض وعدہ کی نفی کر دی اور تنزیہ میں اتنا غلو کیا کہ صفات کی نفی کر دی اور بعض نے صفات میں اتنا غلو کیا کہ تشبیہ کا اثبات کر دیا انہوں نے دین اسلام میں ایسے دلائل اور مسائل ایجاد کئے جن کی مشروعیت کے لئے کچھ منہ نہیں اس طرح انہوں نے مشروع چیزوں سے اعراض کیا ان میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں

جنہوں نے یہود و نصاریٰ مجوس اور صابیئوں کی کتابوں سے بعض چیزوں کا استخراج کیا اس طرح انہوں نے مسائل اور دلائل میں گمراہ کن چیزوں کو داخل کر لیا لیکن لفظی تحریف کے مرتکب ہوئے اور کبھی معنوی تحریف سے لوگوں کو گمراہ کیا اس طرح انہوں نے حق و باطل کو متبیس کر دیا اور جس حق کو ان کے پیغمبر نے کر تشریف لائے تھے اس کو چھپا لیا تو وہ مختلف فرقوں میں تقسیم ہو گئے اور ان میں اختلاف رونما ہوا چنانچہ انہوں نے جسم، عرض، تجسیم میں نفیاً اثباتاً دلائل فراہم کرنے شروع کر دیئے ان فرقوں کی گمراہی کا سبب ان کی گمراہی کا سبب صرف یہ ہے کہ یہ اس سید سے راہ سے بھٹک گئے جس پر پہلے کا ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ارشاد خداوندی ہے :-

وَأَن تَتَّبِعُوا سَبِيلَ الْمَسْئَلِ فَتَقَرُّوْا بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ (الانعام ۱۵۲)
ترجمہ: بے شک یہ میرا رستہ سیدھا ہے اس کی اتباع کرو (دیگر، رستوں کی اتباع نہ کرو کہم کو اس رستے سے ہٹا دیں گے۔

نیز فرمایا: قُلْ هَذِهِ سَبِيلِيْ اَدْعُوْا اِلَى اللّٰهِ عَلَى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعْنِيْ (یوسف ۱۰۸)
ترجمہ: کہہ دو یہ میرا رستہ ہے اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں میں اور میری تابعداری کرنے والے بعیرت پر ہیں۔

خیال کیجئے کہ لفظ صراط، سبیل و اسدیل اور مختلف راستوں کے لئے لفظ سبیل جمع استعمال ہوا ہے جو صراط مستقیم کے خلاف ہیں چنانچہ ابن مسعود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سمجھانے کے لئے ایک سیدھی لکیر کھینچی اور فرمایا یہ اللہ کا راہ ہے پھر اس کے دائیں بائیں لکیریں کھینچیں اور فرمایا یہ (سبیل) یعنی راستے ہیں اور ہر راستے پر شیطان ہے جو اس کی طرف دعوت دیتا ہے پھر آپ نے ذیل کی آیت تلاوت فرمائی
وَأَن هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ فَاتَّبِعُوْهُمُ وَلَا تَتَّبِعُوْا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهِ ذٰلِكُمْ وَصَّيْتُكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (الانعام ۱۵۳)

ترجمہ: اور بے شک یہ میرا رستہ سیدھا ہے اس کی اتباع کرو (دیگر، رستوں کی اتباع نہ کرو کہ وہ تم کو اس رستے سے دور کریں گے خدا نے اس کی تم کو وصیت کی ہے تاکہ تم حق بن جاؤ معلوم ہوا کہ صراط مستقیم کی راہ نمائی کی طلب کا انسان دیگر تمام ضرورتوں سے زیادہ محتاج ہے بھی وہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نماز کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کی تلاوت شروع کی ہے (اگرچہ علماء کا اس کے فرض، واجب ہونے میں اختلاف ہے) کہ انسان عظیم القدر و عا کا محتاج ہے جو بہترین اور عمدہ مقصود ہے حدیث میں ہے عاکم وغیرہ۔ تخریج السنۃ رقم ۱۷

پر مشتمل ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم کہیں :- اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ
صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ (الف ۷۰)
ترجمہ :- تو ہمیں سیدھا راستہ دکھا ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا ان (لوگوں) کا راستہ
نہیں جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ ان کا جو گمراہ ہیں ۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا یہود مغضوب علیہ ہیں اور عیسائی گمراہ
ہیں نیز صحیح حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا تم پہلے لوگوں کے راستے پر بالکل
ان کی طرح (جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے کے برابر ہے) چلو گے یہاں تک کہ اگر وہ کسی گواہ کے
سوراخ میں داخل ہوئے تو تم بھی اس میں داخل ہو گے صحابہ نے دریافت کیا ان سے مراد یہودی
عیسائی ہیں آپ نے جواب دیا اور کون ہیں ؟ (یعنی وہ یہودی ہیں)

ائمہ سلف کے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ دین اسلام میں تخریف کر نیوالے علماء یہود کے مشابہ ہیں اور عبارت گذار
عیسائیوں کے مشابہ ہیں یہی وجہ ہے کہ متکلمین معتزلہ میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو یہود کے مشابہ ہیں غالباً اسی
مناست سے یہودی علماء معتزلہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں اور ان کے طریق کو مستحکم کرنا جسے میں بھی حال
معتزلہ کے شیعہ کا ہے وہ یہودیوں کی طرف میلان رکھتے ہیں اور عیسائی علماء پر انہیں ترقیت دیتے ہیں اور اکثر عباد
گذار اور صوفیا تخریف کرنے والے عیسائیوں کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ربانیت، حلول
وسدۃ الوہود وغیرہ کی طرف میلان رکھتے ہیں اور ان کے مشائخ علم کلام اور متکلمین کی مذمت کرتے
ہیں اور معتزلہ کے مشائخ صوفیا کے طریق کو مذموم سمجھتے ہیں اور سماع، وجد اور صوفیاء کی پیدا کردہ
بدعات وغیرہ کی مذمت کرتے ہیں دجی کے بارے میں گمراہ فرقوں کے مختلف طریقے ہیں ایک طریقہ
التبدیل ہے دوسرا طریقہ التعمیل ہے اہل تبدیلی کی دو قسمیں ہیں اصل الوہم والتخیل اور اصل التوفیق
والتادیل ۔

اہل الوہم والتعمیل وہ لوگ ہیں جن کا خیال ہے کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے
اللہ تعالیٰ، آخرت کے دن، جنت و دوزخ کے بارے میں جو باتیں بتائی ہیں وہ نفس حقیقت کے
مطابق نہیں ہیں ان کی باتیں تخیل اور وہم سے تیار وہ کچھ حقیقت نہیں رکھتیں مثلاً ان کا یہ وہم ہے
کہ حدیث صحیح ہے ترمذی و دیگر ابن حبان نے (۱۷۱۵) میں صحیح کہا ہے بسمہ بھاری، بسم عن ابی سعید خدری

کہ اللہ عظیم چیز ہے اسی طرح اجسام کا اٹھایا جانا اور ان کو نعمتوں سے بہکنے کرنا یا انہیں عذاب میں مبتلا رکھنا بھی وہم ہے جب کہ یہ باتیں حقیقت کے خلاف ہیں صرف جہوہ کی مصلحت کے لئے انھوں نے یہ جھوٹی باتیں کہی ہیں چنانچہ ابن سینا اور اسی قماش کے فلاسفہ نے اس اصل کو گمراہ کن قوانین کی بنیاد بنایا۔

اہل تحریف و تاویل | ان سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا کہنا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اقوال حقیقت نفس الامری پر مبنی نہیں ہیں حقیقت نفس الامری تو ہمارے ساتھ ہے ہم نے اپنی عقلوں کے ساتھ اس کو پالیا ہے چنانچہ وہ پیغمبروں کے اقوال کی مختلف تاویلیں کر کے اپنے نظریات کے مطابق بنانے کی سعی لا حاصل کرتے رہتے ہیں پھر چونکہ وہ اپنی تاویلات پر یقین نہیں رکھتے اس لئے کہتے ہیں ممکن ہے اس کا مطلب یہ ہو یا ممکن ہے اس سے مراد یہ ہو بہر حال امکان اور احتمال کے حدود سے آگے قدم نہیں رکھ پاتے ہیں۔

اہل جہالت و ضلالت | وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ انبیاء اور ان کے پیروکار سب جاہل گمراہ ہیں جن آیات میں اللہ نے اپنے اوصاف بیان کئے ہیں وہ ان کی حقیقت سے بے خبر ہیں نیز وہ کہتے ہیں کہ بعض نفوس کی تاویل کو اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا نہ ان کی تاویل سے حضرت جبریل کو واقفیت نہ محمدؐ اور دیگر انبیاء ان کی تاویلات کا علم رکھتے ہیں چہ جائیکہ صحابہؓ اور تابعین کو ان کا علم ہو چنانچہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت فرماتے اَلْوَحْمَانُ عَلٰی الْعَرْشِ اسْتَوٰی (طہ ۵)

ترجمہ: خدا عرش پر مستوی ہوا۔

نیز فرمایا: اَلَيْسَ يَعْزُدُ اِلَيْكُمْ الطَّيْبُ (فاطر ۱۰)

ترجمہ: اس کی طرف نیک کلمات پڑھتے ہیں۔

نیز فرمایا: مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتَ بِمِثْقٰی (ص ۵۵)

ترجمہ: تجھے کس نے منع کیا کہ تو اس کو سجدہ نہ کرے جس کو میں نے بائیس سے پیدا کیا۔

لیکن آپ ان آیات کے معانی کی معرفت نہیں رکھتے تھے ان کے معانی کو صرف اللہ ہی جانتا ہے یہ سلف علماء کا انداز ہے !

ان میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ان سے مراد ان کا ظاہری مدلول اور مفہوم نہیں ہے ان کے مفہوم کا کسی کو علم نہیں جیسا کہ قیامت کے وقت کا کسی کو علم نہیں۔ بعض کہتے ہیں ان آیات کو ان کے ظواہر پر رکھا جائے گا تاہم یہ سب گروہ اس بات میں مشترک ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نصوص کے معانی بیان نہیں فرمائے جو مشکل یا متشابہ عقیدے ہیں وجہ ہے کہ ہر گروہ جن نصوص کو مشکل قرار دیتا ہے دوسرا گروہ ان کے علاوہ بعض دیگر نصوص کو مشکل قرار دیتا ہے پھر ان میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ آپ کو بھی ان کے معانی کا علم نہ تھا۔ بعض کہتے ہیں آپ کو تو علم تھا لیکن آپ نے ان کے معانی بیان نہیں فرمائے ان کے معانی کو ادلہ عقلیہ اور ان مجتہد اہل علم کی سوچ پر چھوڑ دیا جو اپنے فکر سے ان کی تادیل کریں گو یا اس نظریہ میں تمام مشترک ہیں کہ آپ کو ان کے معانی کا علم نہ تھا یا آپ کو ان کے معانی بتائے نہیں گئے تھے لیکن ہم نے غور و فکر کر کے ان کے معانی کو معلوم کیا نیز ہمارا ممبر پور کوشش ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال بھی ہماری عقلوں کے موافق بنا دیئے جائیں نیز ان کا نظریہ ہے کہ انبیاء اور ان کے پیروکار نہ عقلیات کا علم رکھتے تھے نہ ہی اداۃ سمیر کے سمجھنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ یہ تمام فرضیہ سیدھے راہ سے حل ہو گئے ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں ان واحیات باتوں سے محفوظ رکھے جو جہنم کی طرف لے جانے والی ہیں۔
 سُبْحَانَكَ رَبِّهِ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصْنَعُونَ وَ سَلَامٌ عَلٰی الْمُرْسَلِينَ
 وَ اَلْعُسْدُ يَنْفَعُ رَبِّ السَّعَادِينَ

محمد صادق خلیل

۱۷ رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ

